اردو ترجمہ

سُبل السلام

جلد سوم

www.KitaboSunnat.com

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

اردو ترجمہ

سُبل السلام

جلد سوم

شرح بلوغ المرام

از علامہ سید محمد بن اسماعیل الصنعانی

مترجم

مولانا عبدالقیوم

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق طباعت محفوظ ہیں

نام کتاب	:	سبل السلام، جلد سوم
مصنف	:	محمد بن اسماعیل الصنعانی
مترجم	:	مولانا عبدالقیوم
نظر ثانی	:	حافظ عبدالغفار
ناشر	:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
مطبع	:	اظہار سنز پرنٹرز، لاہور
تعداد	:	۱۰۰۰
اشاعت اوّل	:	جولائی ۲۰۰۴ء

ISBN969 - 8263 - 09 - 8

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ	۱
کتاب البیوع	۷۷
باب الخیار	۸۵
باب الربا	۱۰۷
عرایا کے بارے میں رخصت اور پھلوں کی فروخت	۱۱۹
سلم، قرض اور رہن کے ابواب	۱۳۱
تفلیس اور حجر	۱۴۷
باب الصلح	۱۵۳
باب الحوالہ والضمان	۱۶۱
شراکت اور وکالت	۱۶۹
باب الاقرار	۱۷۱
باب العاریۃ	۱۷۹
باب الغصب	۱۸۹
باب الشفعہ	۱۹۹
باب القراض	۲۰۳
باب المساقاۃ والاجارۃ	۲۱۵
باب احیاء الموات	۲۲۹
باب الوقف	۲۳۵
ہبہ، عمری اور رقبی	۲۴۷
باب اللقطہ	۲۵۹
باب الفرائض	۲۷۳
باب الوصایا	

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب الودیعۃ	۲۸۷
کتاب النکاح	۲۸۹
باب الکفاءۃ والخیار	۳۴۱
باب عشرۃ النساء	۳۶۵
باب الصداق (مہر)	۳۹۱
باب الولیمہ	۴۰۷
بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے کا بیان	۴۲۷
باب الخلع	۴۳۹
باب الطلاق	۴۴۵
باب الرجعۃ	۴۷۹
ایلاء ظہار اور کفارے کا بیان	۴۸۳
باب اللعان	۵۰۱
عدت، سوگ اور استبراء کا باب	۵۱۷
باب الرضع	۵۵۷
باب النفقات	۵۷۳
باب الحضانۃ	۵۹۵
کتاب الجنایات	۶۰۷
باب الدیات	۶۴۱
خون کے دعووں اور قسامہ کا بیان	۶۶۵
باغیوں کے ساتھ قتال کا باب	۶۷۷
جنایت کے مرتکب کے خلاف قتال اور قتل مرتد کا باب	۶۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اسلامی نظام زندگی کا اصل اور بنیادی ماخذ وحی الٰہی ہے جو قرآن حکیم کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے جس کے الفاظ و معانی دونوں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام اللہ کی جو تشریح و تفسیر فرمائی وہ بھی ذخیرۂ حدیث میں موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا اسوۂ حسنہ بھی محفوظ ہے، اس طرح وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں ہی ہماری زندگی کے ہر ہر شعبہ کو روشنی اور رہنمائی مہیا کرتے ہیں۔

متقدمین فقہاء نے ایک طرف تو قرآن حکیم کی فقہی تفاسیر کی تدوین کا فریضہ انجام دیا اور قرآن حکیم سے آیات احکام کا انتخاب کر کے نہ صرف ان کی تشریح کی بلکہ ان آیات مبارکہ سے بہت سے احکام اور اصول و قواعد کا استنباط بھی کیا، دوسری طرف محدثین فقہاء نے فقہی موضوعات کے لحاظ سے احادیث نبویؐ کی تدوین کا اہتمام کیا۔ امام ابوداؤد سجستانیؒ (م ۲۷۵ھ) نے سب سے پہلے احادیث کا ایسا مجموعہ مرتب کیا جس کی ترتیب فقہی موضوعات کے مطابق رکھی، اہل علم کی اصطلاح میں احادیث کے ایسے مجموعے سنن کہلاتے ہیں۔

جس طرح فقہاء مفسرین نے قرآن حکیم سے آیات احکام کا انتخاب کر کے احکام القرآن کے نام سے فقہی تفاسیر مدون کیں اسی طرح فقہاء محدثین نے احادیث احکام کا انتخاب کر کے انہیں فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب و مدون کیا اور اس طرح عملی زندگی سے متعلق ہر شعبہ اور ہر پہلو پر دین اسلام سے متعلق فقہی و قانونی رہنمائی مہیا کرنے کا اہتمام کیا، چنانچہ اس قسم کے مجموعوں میں حافظ ابن حجرؒ کی تالیف ''بلوغ المرام من ادلہ الاحکام'' ایک جامع کتاب ہے اور احادیث احکام کا بہت عمدہ مجموعہ ہے، اس مجموعہ کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں لیکن ان تمام شروح میں یمن کے معروف فقیہ و محدث سید محمد بن اسماعیل الصنعانیؒ (م ۱۱۸۲ھ) کی ''سبل السلام'' کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی دوسری شرح کو حاصل نہیں ہو سکا۔

''سبل السلام'' کی پہلی دو جلدوں کا اردو ترجمہ ۱۹۹۸ء میں شریعہ اکیڈمی سے شائع ہوا تھا، ان دو جلدوں میں کل سات سو تینتیس احادیث، ان کی شرح و وضاحت اور ان سے مستنبط احکام مذکور ہیں۔ اہل علم بالخصوص قانون سے وابستہ حضرات کے لیے اس قانونی و فقہی ادب کو اردو زبان میں منتقل کرنا بہت ضروری تھا۔ شریعہ اکیڈمی نے اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس علمی ذخیرہ کو اردو میں منتقل کرنے کا اہتمام کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''سبل السلام'' کی تیسری جلد پیش خدمت ہے، اس جلد میں تجارت، اس کی مختلف اقسام، خاندانی نظام، وقف اور جنایات سے متعلق تین سو تیرانوے (۳۹۳) احادیث احکام مذکور ہیں۔ اس کتاب میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامی صنعانیؒ کے اسلوبِ استدلال کے ساتھ مذکور احادیث سے مستنبط احکام کی بقدر ضرورت تشریح وتوضیح بھی ہے جو قاری کے ذوق تفقہ کو جلا بخشتی ہے۔

شریعہ اکیڈمی کے شعبہ نشر و طباعت میں اب اہل علم کی ایک ٹیم موجود ہے جو سنجیدگی اور اہتمام سے طباعت کے تمام امور کی نگرانی کر رہی ہے، مجھے امید ہے کہ اس جلد میں پروف کا معیار پہلی دو جلدوں کی بہ نسبت بہتر ہوگا۔

''بلوغ المرام'' کے مؤلف حافظ ابن حجر عسقلانیؒ معروف شافعی المسلک عالم ہیں، علم حدیث میں ان کی عظیم الشان خدمات کا اعتراف تمام مسالک فقہ کے اہل علم نے کیا ہے، ان کی کتاب کے شارح بھی فقہ شافعی کے عالم ہیں۔ شریعہ اکیڈمی کے علمی منصوبہ کا یہ ایک حصہ ہے کہ تمام مسالک فقہ کی امہات کتب کو اردو زبان میں منتقل کر دیا جائے تاکہ ہمارے قانون دان حضرات اور وہ ادارے جو اسلامی قوانین کی تنفیذ وتطبیق میں مصروف ہیں سارے فقہی ذخیرہ سے استفادہ کر سکیں۔ ہمارے فقہاء کرام خواہ ان کا تعلق کسی بھی فقہی کتب سے رہا ہو ان کی علمی خدمات ہمارے لیے عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کی آراء اور قانونی مباحث ہمارے لیے قیمتی ورثہ ہے جس سے ہم ہر دور اور ہر زمانہ میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ان شاء اللہ شریعہ اکیڈمی سے شائع ہونے والا یہ علمی سرمایہ وطن عزیز میں اسلامی نظام زندگی کے قیام اور اسلامی احکام کی تطبیق وتنفیذ میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس علمی سرمایہ کو ہماری اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنا دے اور ہمیں دین کے احکام پر پورے اخلاص ویقین کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(محمد یوسف فاروقی)
ڈائریکٹر جنرل
شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
اسلام آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب البیوع

''فتح الباری'' میں مصنف موصوف کے قول کے مطابق ''بیع کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے کی مملوکہ چیز کی ضرورت پڑ جاتی ہے لیکن دوسرا شخص اسے مذکورہ چیز دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہ ضرورت بیع کی مشروعیت کے ذریعے پوری کر دی گئی ہے کہ اس کے وسیلے سے ہر شخص کسی حرج کے بغیر اپنی غرض پوری کر سکتا ہے۔''

لفظ بیع کا ذکر جمع کی صورت میں کر کے اس کی مختلف انواع کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے جن کی تعداد آٹھ ہے۔ جہاں تک لفظ بیع اور لفظ شراء کا تعلق ہے تو ان میں سے ہر ایک کا اطلاق دوسرے کے معنوں میں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دونوں الفاظ متضاد معانی میں استعمال ہونے والے مشترک الفاظ ہیں۔

لغوی اعتبار سے لفظ بیع کی حقیقت مال کے بدلے مال کی تملیک ہے۔ شریعت نے اس مفہوم میں باہمی رضامندی کی قید کا اضافہ کر دیا ہے۔ ایک قول کے مطابق ایسے دو مالوں کے بارے میں ایجاب وقبول کا نام بیع ہے جن کے اندر تبرع کا پہلو نہ ہو (رضا کارانہ طور پر نیکی کے عمل مثلاً صدقہ وغیرہ کو تبرع کہتے ہیں۔ مترجم) اس تعریف کی بنا پر بیع معاطاۃ (زبان سے کوئی لفظ نکالے بغیر سودے کا انعقاد) بیع کے دائرے سے خارج ہو جائے گی۔ ایک اور قول کے مطابق اگر مال کا تبادلہ مال سے تبرع کے طور پر نہ ہو تو اسے بیع کہیں گے۔ اس صورت میں بیع معاطاۃ بیع کے دائرے میں آ جائے گی۔

ایجاب وقبول کے شرط ہونے کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: (تجارة عن تراض منكم ''باہمی رضامندی پر مبنی تجارت کی صورت'' سورۃ نساء آیت نمبر ۲۹)۔ ابن حبان اور ابن ماجہ دونوں کی حضور صلی اللہ علیہ سلم سے روایت ہے کہ: ''بیع تو صرف باہمی رضامندی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔'' رضامندی چونکہ ایک مخفی امر ہے اور اس کا پتا نہیں چلتا، اس لیے اس پر دلالت کرنے والے ظاہری سبب کے ساتھ حکم کو متعلق کر دینا ضروری قرار پایا۔ یہ ظاہری سبب صیغہ بیع ہے۔ یہ صیغہ جزم اور قطعیت کے معنی کا حامل ہو تاکہ رضامندی کی پوری معرفت حاصل ہو جائے۔ اس قاعدے سے چھوٹی موٹی خرید وفروخت کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کیونکہ اہل اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہاں عام رواج ہے کہ وہ کوئی لفظ کہے بغیر اس قسم کی خرید و فروخت کر لیتے ہیں۔ یہ جمہور علمائے امت کا مسلک ہے، البتہ شوافع کے نزدیک اس قسم کی بیع کے اندر بھی دیگر صورتوں کی طرح ایجاب وقبول ضروری ہے۔ امام نووی نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ لیکن اکثر متاخرین شوافع کے ہاں چھوٹی موٹی بیع کے اندر عقد شرط نہیں ہے۔ مختصر یعنی چھوٹی موٹی خریداری وہ ہے جس کی مقدار چوتھائی مثقال سے کم ہو (ڈیڑھ درہم کے ہم وزن مقدار کو مثقال کہتے ہیں) ایک قول کے مطابق معمولی مقدار میں سبزیوں، ترکھجوروں اور روٹیوں کی خریداری مختصر بیع کہلاتی ہے۔ ایک اور قول کے مطابق چاندی کے نصاب سے کم مالیت کی خریداری پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ تاہم عرف کی متابعت زیادہ مناسب بات ہے۔

پھر حق بات تو یہ ہے کہ ایجاب وقبول کو بطور شرط قرار دینے کی ایک بھی ایسی دلیل نہیں ہے جسے مکمل دلیل کا درجہ دیا جا سکے، بلکہ بیع کی حقیقت بس اتنی ہے کہ باہمی رضامندی کی بنیاد پر تبادلہ وقوع پذیر ہو جائے۔ آیت اور حدیث دونوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ البتہ رضامندی چونکہ ایک مخفی امر ہے اس لیے قرائن کے ذریعے اس کا پتہ لگایا جائے گا۔ اور ایجاب وقبول بھی ایک قرینہ ہے لیکن رضامندی اس پر منحصر نہیں ہے بلکہ مبیع اور ثمن سے بائع اور مشتری کے دستکش ہو جانے کے ساتھ ہی رضامندی کا پتہ چل جائے گا خواہ کسی بھی فقرے کے ذریعے ہو۔ پرانے اور نئے زمانے میں لوگوں کا لین دین اسی نہج پر چلتا رہا اور چل رہا ہے۔ ہاں جس شخص کو ائمہ کے مذاہب کا علم ہوتا اور مقدمہ دائر ہو جانے کی صورت میں حاکم اور قاضی کی طرف سے بیع کو کالعدم قرار دینے کا خطرہ ہوتا وہ باقاعدہ ایجاب وقبول کے عمل سے گزرتا۔

۱۔ بیع کی شرطیں اور اس کی ممنوعہ صورتیں

شرطوں سے بیع کی شرطیں مراد ہیں۔ فقہاء کے عرف میں شرط اس امر کا نام ہے جس کی عدم موجودگی سے کسی حکم یا سبب کی عدم موجودگی لازم آتی ہو، خواہ اسے شرط کے کسی کلمہ کے ساتھ معلق کیا گیا ہو یا معلق نہ کیا گیا ہو۔ نحویوں کے عرف میں شرط کے کچھ اور معنی ہیں۔ فقہاء نے بیع کی شرائط کی کئی انواع بتائی ہیں جن میں سے کچھ کا وجود عقد بیع کرنے والے کی ذات میں ہوتا ہے یعنی یہ کہ وہ عاقل، بالغ اور ممیز یعنی سمجھدار اور برے بھلے میں تمیز کرنے والا ہو۔ کچھ کا وجود بیع کے الفاظ میں ہوتا ہے یعنی یہ کہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہو۔ اور کچھ محل بیع میں، یعنی یہ کہ محل بیع (مبیع یا ثمن) متقوم مال ہو نیز اس کی حوالگی بھی مقدور میں ہو۔ باہمی رضامندی بھی ایک نوع کی شرط ہے اور نفاذ کی شرط بھی اسی طرح ہے، وہ یہ کہ ملکیت ہو یا ولایت (تصرف کا حق) ہو۔ باب کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان میں مذکور ممنوعہ صورتوں سے بیع کی ممنوعہ صورتیں مراد ہیں۔

۲/۳۴۷ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ : أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ "عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَ كُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ" رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ

حضرت رفاعہ بن رافع (۱) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی کمائی سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کی اپنی ہاتھ کی کمائی اور ہر مبرور بیع۔'' اس حدیث کی روایت بزار نے کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) آپ انصاری ہیں اور بنی زریق سے تعلق رکھتے ہیں۔ غزوہ بدر میں آپ نے حصہ لیا تھا۔ آپ کے والد رافعؓ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے اور سورۂ یوسف لے کر سب سے پہلے مدینے آئے تھے۔ حضرت رفاعہؓ تمام غزوات میں شریک رہے اور جنگ جمل نیز جنگ صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور حضرت معاویہؓ کے ابتدائی دور میں وفات پائی۔

(۲) یہی حکم عورت کا بھی ہے۔

(۳) اس سے مراد ہر ایسی بیع ہے جو بازار میں مال چلانے کی خاطر جھوٹی قسموں اور لین دین میں کھوٹ سے پاک ہو۔

(۴) مصنف موصوف نے ''التلخیص'' میں حضرت رافع بن خدیجؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ''مشکوٰۃ'' کے اندر یہ حدیث اسی طرح مروی ہے اور روایت کی نسبت امام احمد کی طرف کی گئی ہے۔ سیوطی نے بھی ''الجامع'' کے اندر حضرت رافعؓ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور مسند رافع میں اسے ذکر کیا ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ احتمال ہے کہ حضرت رفاعہؓ سے رفاعہ بن رافع بن خدیج مراد ہوں، کیونکہ طبرانی نے اسے عبایہ بن رافع بن خدیج سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے۔ راوی عبایہ رفاعہ بن رافع بن خدیج کے بیٹے ہیں۔ اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ مصنف موصوف سے (عن ابیہ) کا لفظ رہ گیا ہے۔

---

(۱) دیکھیے کشف الاستار ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، مستدرک ۲:۲۰، مسند احمد بن حنبل ۴:۱۴۱، المعجم الکبیر للطبرانی ۴:۳۳۰، مجمع الزوائد ۴:۶۰، ۶۱، تلخیص الحبیر ۳:۳، مشکوٰۃ المصابیح ۲۷۸۳، بدائع السنن ۱۲۲۱، علل الحدیث لابن ابی حاتم ۲۲۳۷، ۲۲۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر بحث حدیث روزی طلب کرنے کی فطری خواہش کی توثیق کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف پوچھا یہ گیا تھا کہ کون سی کمائی سب سے زیادہ پاکیزہ یعنی سب سے زیادہ حلال اور بابرکت ہے۔ ہاتھ کی کمائی کی بیع مبرور پر تقدیم اس کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ امام بخاریؒ کی روایت کردہ اگلی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ زیر بحث حدیث مبرور تجارت کے پاکیزہ ترین ہونے پر بھی دلیل ہے۔

سب سے افضل کمائی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ ماوردی کا قول ہے کہ زراعت، تجارت اور صنعت کمائی کی بنیادیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ: ''امام شافعی کے مسلک سے زیادہ قریب بات یہ ہے کہ تجارت پاکیزہ ترین کمائی ہے، لیکن میرے نزدیک زیادہ راجح یہ امر ہے کہ زراعت پاکیزہ ترین کمائی ہے کیونکہ اللہ پر توکل سے یہ زیادہ قریب ہے۔'' کسی شخص نے کوئی ایسا کھانا نہیں کھایا جو اس کے ہاتھ کی کمائی سے حاصل شدہ کھانے سے بہتر ہو! اللہ کے نبی داؤد (علیہ السلام) بھی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے(۱)''۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ: ''درست بات یہ ہے کہ ہاتھ سے کام کر کے حاصل ہونے والی کمائی پاکیزہ تر کمائی ہے۔ اگر یہ زراعت ہو تو پھر یہ پاکیزہ ترین کمائی ہے، کیونکہ اس میں ہاتھ سے کام کرنا بھی پایا جاتا ہے اور توکل بھی، نیز اس میں انسانوں، جانوروں اور پرندوں سب کے لیے عمومی فائدے کی گنجائش ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ: اس سے بڑھ کر وہ کمائی ہے جو جہاد کے ذریعے کافروں سے حاصل کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمائی بھی یہی تھی۔ اور یہ اشرف ترین کمائی ہے کیونکہ اس میں اعلائے کلمہ اللہ کا پہلو بھی ہے۔''

ایک قول کے مطابق یہ بھی ہاتھ کی کمائی میں داخل ہے۔

۲/۳۵۷ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ، عَامَ الْفَتْحِ، وَ هُوَ بِمَكَّةَ "إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ، وَالْخِنْزِيْرِ، وَالْاَصْنَامِ" فَقِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهَا تُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَ تُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ، وَ يَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ "لَا، هُوَ حَرَامٌ" ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ "قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ، إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

---

(۱) حضرت مقدامؓ سے مروی حدیث کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۷۴، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۱۲۷، شرح السنہ ج ۸ ص ۶، مشکوٰۃ المصابیح ۲۷۵۹، فتح الباری ج ۴ ص ۳۰۳، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۷ ص ۴۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (۱) سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے سال مکہ میں قیام کے دوران یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: ''اللہ نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی بیع حرام کر دی ہے۔'' عرض کیا گیا: ''اللہ کے رسولؐ، مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیونکہ کشتیوں پر اسے ملا جاتا ہے، اسے لگا کر کھالیں نرم کی جاتی ہیں اور لوگ چراغ جلانے میں بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا: ''نہیں، یہ حرام ہے۔'' اور اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ یہود کو ہلاک کر دے! اللہ نے جب ان پر جانوروں کی چربی حرام کر دی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت ہڑپ کر گئے۔'' متفق علیہ

(۱) مکہ رمضان ۸ھ میں فتح ہوا تھا۔

(۲) صحیحین کی روایت میں اسی طرح ہے یعنی (حرم) کا صیغہ مفرد ہے، بعض طرق میں ''ان الله حرم'' (اللہ نے حرام کر دیا) کے الفاظ ہیں۔ جب کہ صحیحین کے سوا ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: ان الله و رسوله حرما (اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کر دیا) یعنی تثنیہ کے صیغے کے ساتھ۔ ہم نے ''باب الانیہ'' کے اندر دونوں صیغوں کی تطبیق کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

میتہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کی جان شرعی ذبح کے سوا کسی اور طریقے سے نکل گئی ہو۔ جوہری نے کہا ہے کہ صنم وثن (بت) کو کہتے ہیں۔ دیگر ماہرین لغت کے نزدیک وثن جسم رکھنے والے بت کو کہتے ہیں اور صنم تصویری شکل رکھنے والا بت ہوتا ہے۔

(۳) حدیث کے لفظ (جملوہ) کے معنی ہیں: ''انہوں نے اسے پگھلا لیا۔'' اس لفظ میں حرف جیم اور حرف میم

---

(۱) حدیث: ''ان الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير'' کے حوالہ جات: بخاری شریف ج ۳ ص ۱۱۰، مسلم شریف باب ۱۳ مساقات کی حدیث نمبر ۷۱، ۷۳، ۷۴، سنن ابی داؤد ۳۴۸۶، سنن ترمذی ۱۲۹۷، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷۷، سنن ابن ماجہ ۲۱۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۴، ۳۴۴، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۱۲، ج ۹ ص ۳۵۵، شرح السنہ ج ۸ ص ۲۷، فتح الباری ج ۴ ص ۴۲۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۵۰۴، التمہید ج ۴ ص ۱۴۹، مشکوٰۃ المصابیح ۲۷۶۷، فتح ابادی ۴: ۴۱۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں پر زبر ہے۔

اس حدیث کے اندر ماقبل مذکورہ اشیاء کی تحریم کی دلیل ہے۔ پہلی تین اشیاء کی بیع کی حرمت کی علت نجاست ہے۔ تاہم شراب کی نجاست پر دلائل واضح نہیں ہیں۔ اسی طرح مردار اور سور کی نجاست کا حال ہے۔ جن حضرات نے نجاست کو تحریم کی علت قرار دیا ہے انہوں نے اس حکم کا دائرہ ہر ناپاک چیز کی بیع تک وسیع کر دیا ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ ناپاک کھادوں کی بیع جائز ہے۔ ایک قول کے مطابق مشتری کے لیے اس کا جواز ہے بائع کے لیے نہیں کیونکہ مشتری کو ان کھادوں کی ضرورت ہوتی ہے بائع کو نہیں ہوتی، تاہم یہ ایک کمزور سی علت ہے۔ یہ تمام صورتیں ان حضرات سے متعلق ہیں جو نجاست کو علت قرار دیتے ہیں۔ لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ نجاست کو علت قرار دینے کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جب ان پر چربی حرام کر دی گئی۔'' آپ نے نفس تحریم کو علت قرار دیا اور کسی دوسری علت کا ذکر نہیں کیا۔

مردار کے حکم میں اس کے بال اور اُون داخل نہیں کیونکہ ان کے اندر زندگی نہیں ہوتی اور مردار کا اسم ان پر صادق نہیں آتا۔ ایک قول کے مطابق مردار کے بال ناپاک ہوتے ہیں اور دھو کر انہیں پاک کیا جا سکتا ہے۔

جمہور کا قول ہے کہ ان بالوں کی فروخت جائز ہے، سوائے سور کے بالوں کے کیونکہ عین نجس العین ہے۔

بتوں کی فروخت کے بارے میں قول تو یہ ہے کہ ان کی فروخت سے کوئی مباح منفعت حاصل نہیں ہوتی۔ ایک قول ہے کہ اگر بت اس طرح کے ہوں کہ انہیں توڑ کر ان کے ٹکڑوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو تو ان کی بیع جائز ہوگی لیکن اولیٰ قول یہ ہے کہ حدیث میں وارد نہی کی بنا پر بت ہوتے ہوئے ان کی بیع جائز نہیں ہوگی اور ان کے ٹکڑوں کی بیع جائز ہوگی کیونکہ ٹکڑے بت نہیں ہوتے، اس لیے ٹکڑوں کی بیع کی ممانعت کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر مردار کی بیع کی تحریم کو مطلق رکھا تو سامع نے یہ جائز سمجھا کہ بعض اوقات عام حکم سے اس کے بعض افراد مخصوص کیے جاتے ہیں، اس لیے سائل نے اُٹھ کر سوال کیا کہ: ''مردار کی چربی کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟'' اور پھر سائل نے اس کے تین فوائد گنوائے۔ بالفاظ دیگر وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ: ''اللہ کے رسول، مجھے چربیوں کے بارے میں بتایئے کہ فائدہ مند ہونے کی بنا پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریم کے حکم سے انہیں خاص کیا جا سکتا یا نہیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ حرام ہے اور سائل کے سامنے واضح کر دیا کہ چربی تحریم کے حکم سے خارج نہیں ہے۔ آپؐ کے قول (ھو حرام) میں مذکورہ ضمیر کا مرجع بیع بھی ہو سکتا ہے یعنی چربی کی فروخت حرام ہے۔ یہ بات زیادہ واضح ہے کیونکہ کلام کا سیاق یہی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، اس کے الفاظ ہیں: ''مردار کی چربیوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' (تا آخر حدیث) یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر کا مرجع انتفاع ہو (یعنی فائدہ اٹھانا) جس پر سائل کا فقرہ (کیونکہ کشتیوں پر اسے ملا جاتا ہے..... الخ) دلالت کرتا ہے۔ اکثر حضرات نے اسے انتفاع ہی پر محمول کیا ہے اور کہا کہ ''مردار کی کھال کے سوا اس کی کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اور وہ بھی اس وقت جب کھال کی دباغت عمل میں آ جائے۔'' کھال سے متعلق دلیل کتاب کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔ یہ دلیل مذکورہ عموم کی تخصیص کرتی ہے اور ضمیر کے انتفاع کی طرف راجع ہونے پر مبنی ہے۔ جن حضرات کا قول ہے کہ زیر بحث ضمیر بیع کی طرف راجع ہے انہوں نے کتوں کو مردار کا گوشت کھلانے کے جواز پر اجماع سے استدلال کیا ہے۔ خواہ یہ شکاری کتے اس شخص کے ہوں جو ان سے فائدہ اٹھاتا ہو۔ ہمارے قاری کو یہ بات معلوم ہے کہ مذکورہ ضمیر کا بیع کی طرف راجع ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس بنا پر ناپاک چیز سے فائدہ اٹھانا تو مطلقاً جائز ہوگا لیکن اس کی بیع حرام ہوگی۔ اس کی دلیل سے آپ واقف ہو چکے ہیں۔ اس بات کے اندر یہود کی مذمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مزید قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ: ''انہوں نے چربی کو پگھلا کر اسے فروخت کر دیا اور اس کی قیمت ہڑپ کر گئے۔'' اس لیے کہ آپؐ کے ارشاد سے جو بات کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ نہی کا رخ بیع کی طرف ہے جس پر قیمت کھانے کا عمل مرتب ہوا ہے۔ اس طرح اگر تحریم کا حکم بیع کے لیے ہو جائے تو پھر ہر چیز میں مردار کی چربی اور ناپاک ہو جانے والا روغن استعمال کر کے ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہو جائے گا، البتہ انسان ایسی چربی کھائے گا اور نہ ہی ایسا روغن جسم پر لگائے گا۔ مردار خوری اور نجس چیز سے جسم کو چکنا کرنے کی حرمت کی طرح یہ دونوں چیزیں بھی حرام ہوں گی۔ اور دوسری طرف کتوں کو مردار کی چربی کھلانا، شہد کی مکھیوں کو ناپاک شہد کھلانا نیز اسے مویشیوں کو کھلانا جائز ہو جائے گا۔ ان امور کا جواز امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ قاضی عیاضؒ نے امام مالکؒ اور ان کے اکثر اصحاب سے، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اکثر اصحاب سے نیز لیث سے یہ بات نقل کی ہے۔ انتفاع کے جواز کی تائید امام طحاوی کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی کے اندر گر کر مر جانے والے چوہے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر گھی جما ہوا ہو تو مردہ چوہے کو اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو، اور اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھی پگھلا ہوا ہو تو اسے چراغ میں استعمال کر کے اس سے فائدہ اٹھالو۔'' امام طحاوی(۱) نے کہا ہے کہ: ''اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔'' اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے یہ مروی ہے۔ اس جماعت میں حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ شامل ہیں۔ اور تابعینؒ میں سے قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ نے اس کی روایت کی ہے۔ دلیل کے اعتبار سے یہی بات واضح ہے۔ رہ گئی استعمال کی مختلف صورتوں میں فرق کرنے کی بات تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ محض رائے ہے۔ جہاں تک ناپاک ہو جانے والی چیز کا تعلق ہے تو اگر اسے پاک کر لینا ممکن ہو تو اس کی بیع کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اور اگر اسے پاک کرنا ممکن نہ ہو تو اس کی بیع حرام ہوگی۔ یہ بات ہادویہ اور ابن حنبلؒ نے کہی ہے۔ زیر نظر حدیث میں اس امر کی دلیل بھی موجود ہے کہ اگر کسی ایک چیز کی بیع حرام ہو تو اس کی قیمت بھی حرام ہوگی نیز حرام چیز حلال کرنے کے لیے ہر قسم کا حیلہ باطل ہوگا۔

۳/۳۶۷ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ وَ لَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ ، فَالْقَوْلُ مَا يُقُولُ رَبُّ السِّلْعَةِ أَوْ يَتَتَارَكَانِ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ(۲) سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ:

''جب بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور ان کے درمیان کوئی بینہ (ثبوت وغیرہ) موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں مال کے مالک کا قول معتبر ہوگا یا پھر دونوں ایک دوسرے سے پیچھا چھڑا لیں گے۔''

اس حدیث کی پانچوں اصحاب سنن نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

---

(۱) طحاوی کی روایت کے حوالہ جات: سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۵، فتح الباری ج ۱ ص ۳۴۴، ج ۹ ص ۶۶۸، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۴، السنہ ج ۱۱ ص ۲۵۷، التمہید ج ۹ ص ۳۴، ۳۷، ۵۴۔

(۲) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے حوالہ جات: سنن ابی داؤد ۳۵۱۱، سنن ترمذی ۱۲۷۰، سنن نسائی ج ۷ ص ۳۰۲، سنن ابن ماجہ ۲۱۲۶، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۳۳۲، ۳۳۳، المستدرک ج ۲ ص ۴۵، مسند احمد ج ۱ ص ۴۶۶، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۰، نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۰۵، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) متن کا لفظ المتبایعان ہے، ایک روایت میں البیعان ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

(۲) متن کا لفظ یتتارکان ہے، ایک روایت میں یترادان ہے جس کا مفہوم ہے: ''دونوں ایک دوسرے کو لوٹا دیں گے۔'' یعنی فروخت کنندہ کو ثمن واپس کر دے گا، خریدار اسے خریدا ہوا مال واپس لوٹا دے گا۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے: ''اور مبیع (مال) بعینہ موجود ہو۔'' امام احمد کی روایت کے الفاظ ہی: ''اور مال بحالہ باقی ہو۔'' رہ گئی یہ روایت کہ ''مبیع صرف ہو گیا ہو'' تو اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

زیر نظر حدیث کی صحت کے بارے میں علماء نے بہت کچھ کہا ہے۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر بائع اور مشتری کے درمیان ثمن یا مبیع یا ان کی کسی شرط کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں قسم کے ساتھ بائع کا قول معتبر ہوگا کیونکہ قواعد شرعیہ میں یہ بات معروف ہے کہ طرفین میں سے جس کا قول معتبر تسلیم کیا جائے گا اس پر قسم لازم آئے گی۔ اس حدیث سے جو حکم معلوم ہوا ہے اس کے متعلق اہل علم کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول الہادی کا ہے کہ بائع کا قول مطلقاً قابل اعتبار ہوگا۔ اس باب کی حدیث کا یہی ظاہری مفہوم ہے۔

دوسرا قول فقہاء کا ہے کہ بائع اور مشتری دونوں حلف اٹھائیں گے اور مبیع اور ثمن ایک دوسرے کو واپس کر دیں گے۔

تیسرے قول میں تفصیل ہے اور نوع یا جنس یا صفت کے بارے میں اختلاف اور دیگر امور میں اختلاف کے درمیان فرق ہے۔ لیکن یہ فرق بلا دلیل ہے۔ اس فرق کی تفصیل فروع کی کتابوں میں مذکور ہے۔ شرح کے اندر مصنف نے اسے نقل کیا ہے۔ بائع اور مشتری کے حلف سے مراد یہ ہے کہ بائع قسم کھا کر مشتری سے کہے گا کہ ''میں نے تمہارے ہاتھ یہ مال اس طرح فروخت نہیں کیا'' اور مشتری قسم کھا کر بائع سے کہے گا کہ میں نے یہ مال تم سے اس طرح نہیں خریدا۔'' ایک قول اس کے سوا بھی ہے۔

ایک دوسرے کے خلاف حلف اٹھانے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں ہر ایک مدعا علیہ ہے اس لیے ہر ایک پر قسم لازم آئے گی تا کہ اس کے خلاف دعوے کی نفی اور تردید ہو جائے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''مدعی کے ذمہ بینہ (ثبوت وغیرہ) پیش کرنا ہے اور انکار کرنے والے کے ذمہ قسم ہے۔[1]''

---

(۱) حدیث ''البینۃ علی المدعی'' کے حوالہ جات: سنن ترمذی ۳۴۱، سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۸۹، شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۱۰۱، تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۳۹، ۲۰۸۔ المطالب العالیہ ۱۲۳۰، مشکوٰۃ المصابیح ۳۷۶۹، نصب الرایہ ج ۴ ص ۹۵، ۹۶، ۳۹۰، فتح الباری ج ۵ ص ۲۸۲، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۵۷، تہذیب ابن عساکر ج ۲ ص ۴۴۷، تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۴۵۹، ج ۳ ص ۳۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ بحث یہ ہے کہ زیرنظر حدیث مطلق ہے اور اسے دعووں کے باب میں مذکور دلائل کے ذریعے مقید کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر جلد ہی آئے گا۔

۴/۳۷ وَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى "عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَ مَهْرِ الْبَغِيِّ، وَ حُلْوَانِ الْكَاهِنِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ(۱) سے مروی ہے کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے ثمن، زنا کارعورت کے مہر اور کہانت کی اجرت لینے سے منع فرمایا ہے۔'' (متفق علیہ)

(۱) البغی، (حرف با پر زبر، حرف غین کے نیچے زیر اور حرف یا پر تشدید) اس سے مراد زنا کارعورت ہے۔

(۲) حلوان (حرف حا پر پیش) اس سے مراد اجرت ہے (یعنی مٹھائی)۔

نہی کی اصل تحریم ہوتی ہے۔ اور صحابی نے خبر دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی ہے یعنی ایسی تعبیر کی جو نہی کا معنی ادا کرتی ہے۔ اگرچہ اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ نہی تین چیزوں کی تحریم پر دلالت کرتی ہے:

اول: کتے کے ثمن کی تحریم پر نص کے ذریعے اور کتے کی بیع کی تحریم پر دلالت التزامی کے ذریعے۔ کلب کا لفظ ہر کتے کے لیے عام ہے خواہ وہ سدھایا ہوا ہو یا سدھایا ہوا نہ ہو، اور خواہ اس کا پالنا جائز ہو یا جائز نہ ہو۔ عطاء اور نخعی سے منقول ہے کہ حضرت جابرؓ(۲) کی حدیث (کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے علاوہ کسی کتے کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے) کی بنا پر شکاری کتے کی بیع جائز ہے۔ اس حدیث کی بروایت امام نسائی نے ثقہ راویوں کے واسطے سے کی ہے۔ البتہ اس حدیث کی صحت پر طعن وتنقید ہوئی ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس نے نہی کے عموم کی تخصیص کر دی ہے۔

دوم: زنا کارعورت کے مہر کی تحریم پر۔ زنا کارعورت بدکاری کی اجرت کے طور پر جو رقم وصول کرتی

---

(۱) حضرت ابومسعود انصاریؓ کی روایت کے حوالہ جات: بخاری شریف باب ۲۰ کتاب الاجارۃ، مسلم شریف باب ۹، کتاب المساقاۃ، سنن ابی داؤد ۳۴۲۸، سنن ترمذی ۱۱۳۳، ۲۰۷۱، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۸۹، ۳۰۹، سنن ابن ماجی ۲۱۵۹، مسند احمد ج ۴ ص ۵۰۰، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۷، ۹۱، الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۹۴، مسند حمیدی ص ۴۵۰، المستدرک ج ۲ ص ۴۳، التمہید ج ۸ ص ۳۹۸، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۶۵، ۲۶۶، مسند شافعی ۱۴۱، ۲۲۰، معانی الآثار ج ۴ ص ۵۱۔

(۲) حدیث ''نهی عن ثمن الكلب الا كلب الصيد'' سنن نسائی ج ۷ ص ۱۸۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اسے مجازاً" مہر کا نام دیا گیا ہے - یہ حرام مال ہے - اس کے حکم کے متعلق فقہاء سے تفصیلات منقول ہیں جن کا تعلق اس کی وصولی کی کیفیت سے ہے - ابن القیم نے جو قول اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس اجرت کی وصولی خواہ کسی صورت میں عمل میں آئی ہو اسے صدقہ کر دینا واجب ہے' اور دینے والے کو یہ اجرت واپس نہیں کی جائے گی کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے اسے ایک ایسے عوض کے بالمقابل دیا ہے جسے واپس لینا ممکن نہیں ہے - اور بدکاری کرنے والے کو یہ اجرت واپس دے کر ان معنوں میں اس کی مدد نہیں کی جائے گی کہ اس نے اپنا مطلب بھی پورا کر لیا اور اپنا مال بھی واپس لے لیا -

سوم : کاہن کا حلوان یعنی اس کی اجرت ' حلوان کا لفظ مصدر ہے - جب آپ کسی کو کوئی چیز دیدیں تو اس وقت کہیں گے حلوانا" (میں نے اسے دیا- اس کی اصل حلاوت (مٹھاس) ہے-) اسے میٹھی چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اسے کسی کلفت کے بغیر آسانی سے حاصل کر لیا جاتا ہے - حلوان کاہن کی تحریم پر علماء کا اجماع ہے - کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو علم غیب کا دعوی کرتا ہے اور پیش آنے والے واقعات کے بارے میں لوگوں کو خبریں دیتا ہے - یہ لفظ ہر اس شخص کو شامل ہے جو اس قسم کے دعوے کرتا ہو مثلاً نجومی' کنکریاں مار کر حال بتانے والا اور اسی طرح کے دوسرے لوگ - یہ تمام افراد حدیث کے حکم کی زد میں آتے ہیں- اسے ملنے والی اجرت اس کے لئے حلال نہیں ہوتی اور اس کی ان عملیات کو سچ تسلیم کرنا بھی کسی کے لئے حلال اور جائز نہیں ہے-

٧٣٨/٥ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَى. أَرَادَ أَنْ يُسَيِّبَهُ قَالَ: فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا لِي، وَضَرَبَهُ. فَسَارَ سَيْراً لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ، فَقَالَ: «بِعْنِيهِ بِأُوقِيَّةٍ». قُلْتُ: لَا. ثُمَّ قَالَ: «بِعْنِيهِ» فَبِعْتُهُ بِأُوقِيَّةٍ، وَاشْتَرَطْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي، فَلَمَّا بَلَغْتُ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ، فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ، ثُمَّ رَجَعْتُ فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي. فَقَالَ: «أَتُرَانِي مَاكَسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ؟ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ. فَهُوَ لَكَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا السِّيَاقُ لِمُسْلِمٍ (١).

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر سوار تھے جو سفر کرنے سے عاجز ہو

---

(١) حدیث " بعنیہ باوقیہ" کے حوالہ جات:- بخاری شریف ج ٧ ص ٢٩٧' مسند احمد ج ٣ ص ٢٩٩' سنن کبری ج ٥ ص ٣٣٧' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٤ ص ٢٧٥' مشکوۃ المصابیح ٢٨٧٦' معانی الاثار ج ٤ ص ٤١' صحیح مسلم' باب المساقاۃ' حدیث ١٠٩' سنن ابی داؤد ٣٥٠٥' سنن نسائی ٧:٢٩٧ -

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکا تھا۔ انہوں نے اسے آزاد چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آملے۔ آپؐ نے میرے لئے دعا کی اور اونٹ کو ہانک مارا۔ اونٹ نے ایسی رفتار پکڑی کہ اس طرح پہلے کبھی نہیں پکڑی تھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "اسے میرے ہاتھ ایک اوقیہ (۱ تولہ ۴ ماشہ) میں فروخت کر دو!"۔ میں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا: "اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔" چنانچہ میں نے اسے ایک اوقیہ میں فروخت کر دیا لیکن اس پر سوار ہو کر گھر تک جانے کی شرط لگا دی۔ جب میں گھر پہنچ گیا تو اونٹ کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس کے ثمن کی نقد ادائیگی کر دی۔ میں پیسے لے کر واپس چلا' تو آپؐ نے میرے پیچھے ایک آدمی مجھے لانے کے لئے بھیجا۔ جب میں آیا تو آپؐ نے فرمایا: "کیا تم میرے بارے میں سوچتے ہو کہ تمہارا اونٹ لینے کے لئے میں نے تم سے اس کی قیمت کم لگائی ہے۔ لو اپنا اونٹ اور اپنے درہم' یہ سب تمہارے ہو گئے۔" متفق علیہ ' سیاق حدیث امام مسلم کی ہے۔

(۱) تھک کر چلنے سے عاجز ہو چکا تھا

(۲) حملان (حرف حا کے پیش کے ساتھ) بار برداری کرنا' بار برداری کا جانور جسے ہبہ کر دیا جائے۔

(۳) اترانی (حرف تاء پر پیش کے ساتھ) کیا تم میرے بارے میں گمان کرتے ہو!

(۴) ماکسنک' مماکسہ قیمت کم کرانے کے لئے بات کرنے کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی شخص سے اس کے مال کی خریداری کے لئے بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ' نہ ہی قیمت کم کرا کے خریداری کرنے میں کوئی حرج ہے۔ نیز یہ حدیث اس حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں بیع اور شرط سے روکا گیا ہے۔ اس تعارض کی وجہ سے اس بارے میں علماء کے اقوال میں بھی اختلاف ہے:

پہلا قول امام احمد کا ہے کہ زیر بحث بیع درست ہے۔ رہ گئی استثناء والی حدیث تو اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ: "الا یہ کہ اسے (مشتری کو) یہ بات معلوم ہو!" زیر بحث صورت کا تعلق اسی سے ہے۔ اسے استثناء کا علم تھا' اس لئے بیع درست ہو گئی۔ بیع اور شرط سے نہی والی حدیث پر تنقید ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ شرط سے مجہول شرط مراد ہو۔

دوسرا قول امام مالکؒ کا ہے کہ اگر مسافت قریب ہو جس کی حد تین دن ہے تو مذکورہ بیع درست ہو گی۔ امام مالکؒ نے حضرت جابرؓ کی حدیث کو اسی مفہوم پر محمول کیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ایسی بیع مطلقاً جائز نہیں ہے۔ حضرت جابرؓ کی حدیث کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ یہ ایک ایسا قابل توقف واقعہ ہے جس کے اندر کئی احتمالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس قول کے قائلین کا کہنا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کو ثمن دینا چاہا تھا اور حقیقہ" خریداری کا ارادہ نہیں فرمایا تھا۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ مذکورہ شرط نفس عقد میں نہ لگائی گئی ہو بلکہ شاید پہلے سے ہو اس لئے موثر نہیں ہوئی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرع کے طور پر حضرت جابرؓ کو مذکورہ اونٹ پر سوار کرا دیا تھا۔ تاہم ان تمام اقوال میں سب سے ظاہر پہلا قول ہے ۔ یعنی اس قسم کی شرط درست ہے۔ نیز ہر وہ شرط بھی درست ہے جسے عقد بیع سے الگ کر کے عائد کرنا صحیح ہو' مثلاً مبیع کو مشتری کے مکان تک پہنچانے کی شرط ' کپڑے کی سلائی اور مکان میں رہائش کی شرط ۔ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مکان فروخت کیا اور ایک ماہ کے لیے اس میں سکونت کو مستثناء کر دیا۔ اس کا ذکر "الشفاء" میں آیا ہے۔

٦/ ٧٣٩ ـ وَعَنْهُ قَالَ: «أَعْتَقَ رَجُلٌ مِنَّا عَبْداً لَهُ عَنْ دُبُرٍ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ. فَدَعَا بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

اور انھی سے مروی ہے کہ: "ہم میں سے ایک شخص نے اپنے ایک غلام کو مدبر کر دیا اور اس غلام کے سوا اس کا کوئی اور مال نہیں تھا۔ ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو بلوایا اور اسے فروخت کر دیا۔ متفق علیہ

(۱) حضرت جابرؓ سے

(۲) انصار میں سے

(۳) دبر (حرف دال اور حرف با پر پیش) مدبر کرنے کی صورت یہ ہے کہ آقا اپنے غلام یا لونڈی کی آزادی کو اپنی موت پر معلق کر دے کہ جب میں مرجاؤں تو تم آزاد ہو ۔ مترجم

(۴) ابو داؤداور نسائی نے بھی حضرت جابرؓ سے یہ روایت کی ہے۔ انہوں نے آقااور غلام دونوں کے نام بھی لئے ہیں۔ اس روایت کے الفاظ ہیں: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ابو مذکور نامی ایک انصاری نے ابو یعقوب

---

(۱) زیر نظر حدیث کے حوالہ جات :بخاری شریف باب ۳۲ من الاحکام اور باب ۵۹ من البیوع نیز باب ۱۲ من الاستقراض اور باب ۹ من العتق ' مسلم شریف حدیث ۵۸ من الایمان ' حدیث ۴۱ من الزکواۃ ' سنن ابی داؤد باب ۹ من العتاق ' سنن نسائی باب ۸۴ من البیوع ' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۴ ' ۳۰۵ ' ۳۶۹ ' ۳۷۰ ' ۳۷۱ ' ۳۹۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام کے اپنے ایک غلام کو مدبر کر دیا۔ اس غلام کے سوا اس کا کوئی اور مال نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلوایا اور فرمایا: "اسے کون خریدے گا؟" اسے نعیم بن عبداللہ بن النحام نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ آپؐ نے یہ رقم انصاری کے حوالے کر دی۔ الاسماعیلی نے روایت میں اس فقرے کا اضافہ کیا ہے کہ: "اس شخص کے ذمہ دین تھا۔"

امام بخاری نے باب الاستقراض میں زیر نظر حدیث کے لئے ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: "جو شخص مفلس کا مال فروخت کر کے رقم قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کر دے یا یہ رقم مفلس کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے لئے دیدے۔" مذکورہ عنوان کے ذریعے امام بخاری نے ایسے مال کی فروخت کی علت کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ علت یہ ہے کہ اس مال کے ثمن کی حاجت پیش آ گئی ہو۔ بعض حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مفلس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا نیز یہ کہ امام المسلمین کے لیے اس کی طرف سے اس کا مال فروخت کر دینا جائز ہو گا۔ اسکے متعلق باقی ماندہ بحث ان شاء اللہ اس کے باب میں آئے گی۔

۷۴۰/۷ - وَعَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ، فَمَاتَتْ فِيهِ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا؟ فَقَالَ: «أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَزَادَ أَحْمَدُ، وَالنَّسَائِيُّ: «فِي سَمْنٍ جَامِدٍ».

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت میمونہؓ سے مروی ہے کہ ایک چوہیا گھی میں گر کر مر گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "اس چوہیا کو اور اس کے ارد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور (باقی ماندہ) گھی استعمال کر لو!" امام بخاری نے یہ روایت کی ہے اور امام احمد اور امام نسائی نے روایت میں "جمے ہوئے گھی میں" اضافہ کیا ہے۔

(۱) مردہ چوہے کے ارد گرد کے گھی کو جس کے ساتھ چوہے کا جسم مس کر رہا ہو، نکال پھینکنے کا حکم مردار کے

---

(۱) حضرت میمونہؓ کی حدیث کے حوالہ جات:۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۶۸، ج ۷ ص ۱۲۶، سنن ابی داؤد ۳۸۴۱، سنن ترمذی ۱۷۹۸، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷۸، سنن کبری ج ۹ ص ۳۵۳، ۳۵۴، مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۰، سنن دارمی ج ۱ ص ۲۸۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۷، التمہید ج ۹ ص ۲۳۶، مشکوۃ المصابیح ۴۱۱۶، مسند حمیدی ۳۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناپاک ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ارد گرد سے مراد وہ حصہ ہے جو اس کے جسم سے متصل ہو۔

مصنف نے "فتح الباری" میں کہا ہے کہ "کسی بھی صحیح روایت میں پھینکے جانے والے گھی کی مقدار کی تحدید نہیں آئی تاہم ابن ابی شیبہ نے عطاء سے ایک مرسل روایت کی تخریج کی ہے جس میں ذکر ہے کہ ہتھیلی کی مقدار گھی پھینک دیا جائے۔ اگر اس روایت میں مرسل ہونے کی کمزوری نہ ہوتی تو اس کی سند بہرحال جید اور عمدہ ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر گھی پگھلا ہوا ہوتا تو سارے کا سارا ناپاک ہو جاتا کیونکہ پھر یہ امتیاز نہیں ہو سکتا تھا کہ گھی کا کونسا حصہ مردہ چوہیا سے متصل تھا اور کون سا متصل نہیں تھا۔ نیز اس امر پر بھی دلالت حاصل ہو گئی کہ ناپاک ہو جانے والے روغن سے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ایسا روغن کھایا نہیں جائے گا اور نہ ہی انسان کے جسم پر لگایا جائے گا۔ اس کے سوا دیگر فوائد اس سے حاصل کرنا مباح ہوگا۔ اس لئے تمام دلائل کے مقتضیات کے درمیان تطبیق کی صورت پیدا کرنے کی خاطر زیر بحث صورت کو نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے ارشاد: "اسکے قریب بھی نہ جاؤ" کو کھانے اور انسانی جسم پر لگانے پر محمول کیا جائے گا۔ رہ گیا نجاست کو ہاتھ لگانے کا مسئلہ تو اگرچہ وہ جائز نہیں ہے، لیکن اگر اسے کسی جگہ سے زائل کر دینا واجب یا مستحب ہو تو اس مقصد کے لے اسے ہاتھ لگانے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ ہاتھ لگانا اس کی گندگی کو اور خرابی کو دور کرنے کی خاطر ہو گا۔

ایک بات اور رہ گئی، وہ یہ کہ تنور میں ایندھن ڈال کر اسے گرم کرنے کے لئے نیز زمین میں کھاد ڈال کر اسے زرخیز بنانے کے لئے نجاست کو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ایک قول کے مطابق مذکورہ صورتوں کے اندر نجاست کو ہاتھ لگانے میں اس کی بھلائی کا پہلو مطلوب ہوتا ہے نیز یہ کہ بھلائی کے پہلو کی خاطر نجاست کو ہاتھ لگانے کے جواز کو نجاست کی خرابی دور کرنے کی غرض سے اسے ہاتھ لگانے کے جواز پر قیاس کیا جائے گا۔ تاہم دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ نجاست کی خرابی دور کرنے کی صورت اس کی بھلائی کے حصول کے تحت آتی ہے۔ اس لئے نجاست کے ذریعے تنور گرم کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ اصل میں تنور گرم کرنے کے سلسلے میں اس کا فائدہ مند ہونا ایک طرف اس کے عین کی بقا کی خرابی کا ازالہ ہے اور دوسری طرف اس کی بھلائی کا حصول ہے۔ اس صورت میں فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے اسے ہاتھ لگانے کے جواز میں کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٧٤١/٨ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ، فَإِنْ كَانَ جَامِداً فَأَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، وَإِنْ كَانَ مَائِعاً فَلَا تَقْرَبُوهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَقَدْ حَكَمَ عَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ، وَأَبُو حَاتِمٍ بِالْوَهْمِ (١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر گھی میں چوہیا گر جائے اور گھی جما ہوا ہو تو چوہیا اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو' اور اگر وہ پگھلا ہوا ہو تو اس کے قریب مت جاؤ!" امام احمد اور امام ابو داؤد نے یہ روایت کی ہے' اور امام بخاری اور ابو حاتم نے اس پر وہم کا حکم عائد کیا ہے۔

یہ بات اس لئے ہے کہ امام ترمذی کا قول ہے کہ میں نے امام بخاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: "یہ سند غلط ہے' درست سند یہ ہے: زہری نے عبداللہ سے' انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔ غرض امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ روایت حضرت میمونہ سے ثابت ہے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی سلسلہ سند پر وہم کا حکم لگا دیا' جب کہ ابن حبان نے اپنی "صحیح ابن حبان" میں قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ یہ روایت دونوں طریقوں سے ثابت ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ اختلاف صرف اس سلسلے میں ہے کہ حدیث میں وارد درست الفاظ کیا ہیں۔ جہاں تک حکم کا تعلق ہے تو وہ ثابت شدہ ہے نیز یہ کہ مردہ چوہیا اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکال پھینکنا اور باقی ماندہ گھی سے فائدہ اٹھانا صرف اس شکل میں ممکن ہو گا جب گھی منجمد ہو۔ یہ بات بھی صحیح بخاری کی روایت کے ذریعے ثابت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "اس چوہیا کو اور اس کے اردگرد کے گھی کو لے لو (نکال پھینکو) اور اپنا گھی کھا لو۔" اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پگھلا ہوا گھی سارے کا سارا پھینکا جائے گا کیونکہ حکم کی علت مردار کا لگ جانا ہے اور پگھلے ہوئے گھی کے اندر مردار سے مس ہونے کی خصوصیت نہیں ہوتی اور ایک حصے کی دوسرے حصے سے تمیز بھی نہیں ہوتی۔ حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ پگھلے ہوئے گھی کے قریب بھی نہ جایا جائے خواہ اس کی مقدار کتنی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اس حدیث اور طحاوی کی حدیث کے درمیان تطبیق کی وجہ پہلے گذر چکی ہے۔

---

(١) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے حوالہ جات:۔ سنن ابی داؤد ٣٨٤٢' سنن کبری ج ٩ ص ٣٥٢' مشکوۃ المصابیح ٤١٢٣' ٤١٢٤' التمہید ج ٩ ص ٣٨

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فائدہ) اگر کوئی مکلف کسی غیر مکلف مثلاً کتے اور بلے کو مردار وغیرہ کھانے کا موقعہ فراہم کرے تو یہ بات جائز ہو گی - امام یحیٰ کا یہی قول ہے اور المھدی نے انکی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "سلف سے اس کی ممانعت معلوم نہیں۔" میں (شارح) کہتا ہوں کہ اگر کتے وغیرہ کو مردار کے علاوہ کوئی اور چیز نہ کھلائی گئی ہو تو ایسی صورت میں اسے مردار کھانے کا موقعہ دینا مکلف پر واجب ہو گا۔ اس بات کے حق میں یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ایک عورت محض ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی اور اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ مذکورہ عورت نے نہ اسے کھانے کے لئے کچھ دیا اور نہ ہی زمین کے کیڑے مکوڑے کھانے کے لئے اسے باہر جانے دیا۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ زمین کے کیڑوں مکوڑوں میں ایسے بھی ہیں جو مکلف اور غیر مکلف سب پر حرام ہیں۔ اس لئے یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دو باتوں یعنی اسے کھانے کے لئے کچھ دینے یا زمین کے کیڑے مکوڑے کھانے کے لئے اسے جانے دینے میں سے ایک واجب تھی اور اس واجب کے ترک کی وجہ سے مذکورہ عورت کو عذاب دیا گیا۔ عربی میں خشاش الارض (حرف خاء اور حرف شین پر زبر) حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں کو کہتے ہیں۔" النہایہ میں اسی طرح مذکور ہے۔

۷۴۲/۹ - وَعَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِراً رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ وَالْكَلْبِ فَقَالَ: «زَجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ: «إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ»(۱).

ابو الزبیر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلے اور کتے کے ثمن کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے اور امام نسائی نے بھی اس اضافے کے ساتھ اس کی روایت کی ہے "سوائے شکاری کتے کے!"

(۱) ابو الزبیر محمد بن مسلم المکی تابعی ہیں، انہوں نے حضرت جابرؓ سے بکثرت روایت کی ہے۔
(۲) سنور (حرف سین کے نیچے زیر اور نون پر تشدید) بلے کو کہتے ہیں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔
(۳) امام مسلم نے حضرت جابرؓ اور حضرت رافع بن خدیجؓ سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ امام نسائی نے اپنی روایت میں شکاری کتے کا استثناء کیا ہے اور پھر کہا ہے "یہ منکر ہے!" (منکر وہ حدیث ہے جس کی روایت ضعیف

---

(۱) ابو الزبیر کی روایت کے حوالہ جات: مسلم شریف باب ۹ من المساقاۃ، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوی نے کی ہو اور یہ روایت ثقہ راویوں کی روایت سے مختلف ہو - مترجم)

مصنف موصوف نے "التلخیص" میں کہا کہ "حضرت جابرؓ کی حدیث میں استثناء کا ذکر ہے اور حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔" حضرت جابرؓ کی اس حدیث کی روایت امام احمد اور امام نسائی نے کی ہے اور اس میں سدھائے ہوئے کتے کا استثناء ہے۔ البتہ المناوی نے "شرح الجامع الصغیر" میں مصنف کے قول "اس کے راوی ثقہ ہیں۔" پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اس سند کا ایک راوی حسین بن ابی حفصہ ہے جس کے متعلق یحییٰ کا قول ہے کہ "یہ کچھ نہیں" اور امام احمد نے بھی اسے ضعیف راوی قرار دیا ہے۔ "ابن حبان نے کہا ہے کہ:" اس لفظ کے ساتھ یہ روایت باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔"

ہاں شکار کے لئے کتا پالنے کا جواز ثابت ہے اور پالنے کے اس کام کی وجہ سے پالنے والے کے عمل میں کوئی نقص اور ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "شکاری کتے کے سوا جو شخص بھی کوئی کتا پالے گا اس کے اجر میں سے ہر روز دو قیراط (ایک قیراط دینار کا بیسواں حصہ) کی کمی ہو جائے گی۔(۱)" ایک قول کے مطابق دن کے عمل میں سے ایک قیراط اور رات کے عمل میں سے ایک قیراط، ایک اور قول کے مطابق فرض اور نفل کے اجر میں سے یہ کمی واقع ہو گی۔

یہ تو رہی کتا پالنے کی بحث، رہ گئی کتے کے ثمن کی نہی تو حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کی وجہ سے اس پر سب کا اتفاق ہے - بلے کے ثمن کی نہی کی روایت صرف امام مسلم نے کی ہے - نہی کی اصل تحریم ہوتی ہے۔ جمہور کا مسلک کتے کی بیع کی مطلقاً" تحریم ہے اور بلے کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ طاؤسؒ اور مجاہدؒ بلے کی بیع کی تحریم کے قائل ہیں، جب کہ جمہور اس کی بیع کے جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ بلے کے اندر فائدے کا پہلو ہو۔ ان حضرات نے نہی کو تنزیہ پر محمول کیا ہے لیکن یہ بات ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔ مذکورہ حدیث کو ضعیف کہنا ناقابل قبول ہے کیونکہ امام مسلم وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے - یہ کہنا بھی ناقابل قبول ہے کہ اس حدیث کو ابو الزبیر سے صرف حماد بن سلمہ نے روایت کیا ہے کیونکہ امام مسلم نے ابو الزبیر سے بواسطہ معقل بن عبداللہ اس کی روایت کی ہے، حماد بن مسلمہ اور معقل بن عبداللہ دونوں ثقہ ہیں اور انہوں نے ابو الزبیر سے روایت کی ہے جو خود بھی ثقہ ہیں -

---

(۱) حدیث "جو شخص کوئی کتا پالے ..... الخ" کے حوالہ جات :- بخاری شریف ج ۷ ص ۱۱۲، مسلم شریف حدیث ۵۰ تا ۵۴ من السقاۃ، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷۹، فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۸، مشکوٰۃ المصابیح ۴۰۹۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷، ۱۰۱، ۱۱۳، سنن ابن ماجہ ۳۲۰۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲ ص ۳۱۰، سنن ترمذی ۱۴۸۷، بدائع المنن ۱۴۲۸، المسند الشافعی ۱۴۱ السنن الکبریٰ ۹:۶، شرح السنہ ۱۱:۲۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۴۳/۱۰ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ فَقَالَتْ: إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ، فَأَعِينِينِي. فَقُلْتُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ، فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا، فَقَالَتْ لَهُمْ: فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ. فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ. فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ. ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطاً لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ

وَعِنْدَ مُسْلِمٍ قَالَ: «اشْتَرِيهَا وَأَعْتِقِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ»(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ: "بریرہؓ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ: "میں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ نو اوقیہ پر عقد کتابت کر لیا ہے۔ ہر سال ایک اوقیہ کی ادائیگی ہو گی۔ اس لئے میری مدد کیجئے" "میں نے کہا:" "اگر تمہارے گھر والے پسند کریں کہ میں یہ رقم انہیں ادا کر دوں اور تمہاری ولاء مجھے حاصل ہو جائے تو میں یہ کر لوں گی۔" یہ سن کر بریرہؓ اپنے گھر والوں کے پاس گئی اور ان سے میری بات بیان کر دی۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ بریرہؓ جب ان کے پاس سے واپس آئی تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا کہ "میں نے اپنے گھر والوں سے اس پیش کش کا ذکر کیا لیکن وہ اس پر اڑ گئے کہ ولاء انہیں حاصل ہو گی۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات سن لی۔ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات بتائی تو آپؐ نے فرمایا: "اسے (بریرہؓ کو) تم لے لو اور اس کے گھر والوں کے لئے ولاء کی شرط لگا دو، کیونکہ ولاء تو صرف اسے حاصل ہوتی ہے جو آزاد کرے۔" چنانچہ میں نے ایسا ہی

(۱) حدیث "خذیها واشترطی لهم الولاء" کے حوالہ جات: بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲۳، ج ۲ ص ۳۰۰، ج ۳ ص ۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۵۱، ۲۵۹، ج ۷ ص ۶۷، ج ۸ ص ۱۹۱، ۱۹۳، مسلم شریف باب ۲ حدیث ۸ من العتق، ابو داؤد ۳۹۲۹، سنن ترمذی ۱۲۱۴، ۱۲۵۶، سنن نسائی باب ۹۷، من الزکوۃ باب ۳۰، ۳۲ من البیوع سنن ابن ماجہ ۲۵۲۱، سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۲، ج ۱۰ ص ۲۹۵، ۳۳۶، ۳۳۸، مسند حمیدی ۲۴۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۲۸۳، بدائع المنن ۳۰۶، مسند شافعی ۱۷۴، ۲۰۵، شرح السنہ ج ۸ ص ۱۵۱، ۱۵۴، مشکوۃ المصابیح ۳۱۹۸، معانی الآثار ج ۴ ص ۴۵، نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۰۵، ۲۰۶، ج ۴ ص ۲۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں عائد کرتے ہیں جن کا وجود اللہ کی کتاب میں نہیں ہے۔ جو بھی شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے خواہ شرطوں کی تعداد ایک سو کیوں نہ ہو۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ برحق ہے اور اللہ کی شرط زیادہ پکی ہے، اور ولاء تو صرف اسے حاصل ہو گی جو آزاد کرے۔" (متفق علیہ) الفاظ امام بخاری کی روایت کے ہیں۔ امام مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: "اسے (بریرہؓ کو) خرید کر آزاد کر دو اور اس کے گھر والوں کے لئے ولاء کی شرط لگا دو"۔ (۱)

(۱) بریرہؓ (حرف با پر زبر، اور دونوں حروف راء کے درمیان حرف یاء) حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں

(۲) گھر والوں سے انصار کے کچھ لوگ مراد ہیں۔ امام نسائی کی یہی روایت ہے۔

(۳) مکاتبت یا عقد کتابت وہ عقد ہے جو آقا اور اس کے غلام یا لونڈی کے مابین ہوتا ہے (اس کا مفہوم یہ ہے کہ آقا اپنے غلام یا لونڈی سے کہے کہ مجھے اتنی رقم دے کر آزاد ہو جاؤ، اور غلام یا لونڈی اسے قبول کر لے)

(۴) اعینینی (میری مدد کیجئے) یہ لفظ اعانہ مصدر سے واحد مونث امر کا صیغہ ہے۔

(۵) "گھر والوں کے لئے" امام شافعی اور الزنی نے کہا ہے کہ اس سے مراد "گھر والوں پر" ہے۔ پہلا لام معنی علی ہے

(۶) "اللہ کی کتاب میں" یعنی اللہ کی شریعت میں جسے اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کر دیا ہے، شریعت کا حکم اس سے عام ہے کہ خواہ اس کا ثبوت قرآن سے ہو یا سنت سے۔

(۷) "زیادہ برحق ہے" یعنی ان شرائط کی بہ نسبت جو اللہ کے حکم کے خلاف ہوں۔ اللہ کا فیصلہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ یہ حدیث عقد کتابت کی مشروعیت کی دلیل ہے۔ یہ وہ عقد ہے جو آقا اور غلام کے درمیان غلام کی گردن یعنی آزادی کے متعلق ہوتا ہے۔ یہ لفظ کتب معنی فرض اور حکم سے مشتق ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے (کتب علیکم الصیام تم پر روزے فرض کئے گئے، سورہ بقرہ آیت ۱۸۳) عقد کتابت مندوب و مستحب ہے۔ عطاءؒ اور داؤدؒ کا قول ہے کہ اگر غلام اپنی قیمت کی مقدار رقم پر مکاتبت کا مطالبہ کرے تو کتابت واجب ہو گی کیونکہ ارشاد باری (فکاتبوھم انہیں مکاتب بنا دو) میں امر کا ظاہری معنی یہی ہے اور امر کے اندر اصل وجوب ہے۔ میں (شارح) کہتا ہوں یہاں اللہ تعالیٰ نے وجوب کو اپنے اس ارشاد کے ساتھ مقید کر دیا ہے (ان علمتم فیھم خیرا" اگر تمہیں ان کے اندر کسی بھلائی کا علم ہو۔ سورہ نور آیت ۳۳) ہاں، انکے اندر بھلائی

---

(۱) حدیث "اشتریھا واعتقیھا ..... الخ" کے حوالہ جات: مسلم شریف باب ۲ حدیث ۸ من العتق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا علم ہو جانے کے بعد کتابت واجب ہو جائے گی۔ خیر کی تفسیر میں سلف کے کئی اقوال مذکور ہیں:

اول: ایک مرسل حدیث میں جسے ابو داؤد نے مرفوع روایت کیا ہے یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تمھیں ان کے اندر کسی ہنرمندی کا علم ہو اور انھیں لوگوں پر بوجھ بنا کر نہ بھیجو۔"(۱)

دوم: حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ خیر سے مراد مال ہے۔

سوم: آپ سے دوسری تفسیر منقول ہے کہ خیر سے امانت داری اور وفا (ادائیگی) مراد ہے۔

چہارم: آپ سے تیسری تفسیر یہ منقول ہے کہ اگر تمھیں معلوم ہو کہ تمہارا مکاتب تمھیں رقم کی ادائیگی کر دے گا۔

بریرہؓ کے قول "ہر سال ایک اوقیہ کی ادائیگی ہو گی" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسے برقرار رکھنے میں بالاقساط ادائیگی کے جواز کی دلیل ہے' قطعیت اور شرطیت کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی اور الھادی وغیرھما کا مسلک ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ کتابت میں بالاقساط ادائیگی شرط ہے اور کم سے کم قسطیں دو ہیں: انہوں نے سلف کی روایات سے استدلال کیا ہے لیکن یہ روایات کسی دلیل کا درجہ نہیں رکھتیں۔

جمہور نیز امام احمد اور امام مالک ایک ہی قسط میں ادائیگی پر عقد کتابت کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ ارشاد باری ہے (فکاتبوھم) اس میں فصل نہیں ہے' یہی بات ظاہر ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آثار سلف نے آیت کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے کیونکہ یہ اجماع نہیں ہے اور آیات کو علماء کی آراء کے ذریعے مقید کرنا باطل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اسے (بریرہؓ کو) لے لو" یہ اس امر کے جواز پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مال کتابت کی ادائیگی مشکل ہو جائے تو مکاتب کو فروخت کر دیا جائے۔ مکاتب کو فروخت کرنے کے جواز پر علماء کے تین اقوال ہیں:

اول: اس کا جواز ہے۔ یہ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا مسلک ہے' ان کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد(۲) ہے: "مکاتب رقیق (غلام) رہے گا جب تک اس کے ذمہ ایک درہم بھی ہو" ابو داؤد اور ابن ماجہ

---

(۱) حدیث "ان علمتم فیھم حرفہ" کا حوالہ: درمنثور ج ۵ ص ۴۵

(۲) حدیث "المکاتب رق ما بقی علیہ درھم" کے حوالہ جات: سنن ابی داؤد باب امن الفتن سنن کبری ج ۱۰ ص ۳۲۴' مشکوۃ المصابیح ۳۳۹۹' نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۴۷' فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۵' معانی الاثار ج ۳ ص ۱۱۱' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۲۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس حدیث کی تخریج عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے کی ہے۔

دوم: مکاتب کی رضا مندی سے ایسے شخص کے ہاتھ اس کی فروخت جائز ہے جو اسے آزاد کر دے اس قول کے قائلین نے بریرہؓ کی حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔

سوم: اس کی بیع مطلقاً جائز نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ اور ایک گروہ کا مسلک ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ مکاتب آقا کی ملکیت سے نکل چکا ہوتا ہے۔ انہوں نے بریرہؓ کی حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ وہ کتابت کی رقم ادا کرنے سے عاجز ہو گئی تھی اور آقاؤں نے عقد کتابت فسخ کر دیا تھا۔ لیکن پہلا قول سب سے زیادہ واضح ہے۔ اس لئے کہ بریرہؓ کے قصے میں واقعی امر کے ساتھ تقیید کے اندر اس کے شرط ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ واقعی امر اسی طرح تھا۔ پھر یہ کہاں سے آگیا کہ یہ شرط ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ مکاتب کی بیع اللہ کے حق کے سقوط کی موجب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا حق تو ثابت ہی نہیں ہوا کیونکہ مذکورہ حق کتابت کی رقم کی ادائیگی کے بعد ثابت ہوتا ہے جب کہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ مکاتب رقم کی ادائیگی سے عاجز آگیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "اسکے گھر والوں کے لئے ولاء کی شرط لگا دو!" اگر اس میں حرف لام بمعنی حرف علی ہے جس طرح ان آیات میں ہے (وان اسائتم فلھا) اور (ویخرون للاذقان) اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے تو ایسی صورت میں کوئی اشکال نہیں ہو گا، تاہم اس قول کو یہ کہہ کر ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ اگر حقیقت میں بات اس طرح ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بریرہؓ کے آقاؤں کی طرف سے اپنے لئے ولاء کی شرط کو رد نہ فرماتے۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ آپؐ نے جس بات کی تردید کی وہ دراصل یہ تھی کہ انہوں نے شروع ہی سے اپنے لئے ولاء کی شرط لگا دی تھی۔

ایک قول کے مطابق آپؐ نے انہیں زجر و توبیخ کرنا چاہا تھا اس لئے کہ آپؐ نے پہلے ہی ان سے ولاء کا حکم بیان کر دیا تھا اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ یہ شرط کالعدم نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے باوجود جب ان لوگوں نے مخالفت کا مظاہرہ کیا تو آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے مذکورہ بات کہی جس کا مفہوم یہ ہے کہ: "تم پروا نہ کرو کیونکہ ان کی طرف سے عائد شدہ شرط حق کے خلاف ہے۔" اس لئے آپؐ کا قول اباحت کے لئے نہیں تھا بلکہ اس سے مقصود اہانت اور عائد شدہ شرط کو نظر انداز کر دینا تھا نیز یہ کہ اس کا وجود اور عدم دونوں یکساں ہیں۔ حدیث کی تاویل نیز مذکورہ وجوہ کو جان لینے کے بعد یہ اشکال از خود رفع ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح حضرت عائشہؓ کو ان لوگوں کے لئے شرط عائد کرنے کی اجازت دے دی کیونکہ ظاہری طور پر یہ بائع کے ساتھ دھوکا بازی اور فریب کاری ہے، اس لئے کہ بیع کے وقت اس کا خیال یہ تھا کہ مبیع کے بعض فوائد اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے باقی رہ جائیں گے لیکن معاملہ اس کے خلاف نکلا' تاہم یہ اشکال تاویل کے وجوہ کو حقیقی طور پر سمجھ لینے کے بعد زائل ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "ولاء تو صرف اسے حاصل ہو گی جو آزاد کرے" کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کی ذات تک محدود ہوتی ہے' اس سے نکل کر کسی اور کی طرف نہیں جاتی۔

۱۱/۷۴۴ - وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «نَهَى عُمَرُ عَنْ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ فَقَالَ: لَا تُبَاعُ، وَلَا تُوهَبُ، وَلَا تُورَثُ، يَسْتَمْتِعُ بِهَا مَا بَدَا لَهُ فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ» رَوَاهُ مَالِكٌ، وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ: رَفَعَهُ بَعْضُ الرُّوَاةِ فَوَهِمَ[1].

" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے امہات اولاد کی بیع سے منع کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ نہ انھیں فروخت کیا جائے گا' نہ یہ ہبہ کی جائیں گی اور نہ ہی ان کے اندر وراثت جاری ہو گی ' بلکہ آقا جب تک چاہے گا ان سے استمتاع کرتا رہے گا۔ پھر آقا جب وفات پا جائے گا تو یہ آزاد ہو جائیں گی۔" اس حدیث کی روایت امام مالکؒ نے کی ہے اور بیہقی نے بھی' اور ساتھ یہ کہا ہے کہ بعض راوی نے اسے مرفوع روایت کیا ہے' دراصل اسے وہم ہو گیا۔

امام دار قطنی نے کہا ہے کہ :"درست بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث حضرت عمرؓ تک پہنچ کر موقوف ہو گئی ہے۔" محدث عبدالحق نے بھی اسی طرح کی بات کی ہے۔ "الالمام" کے مصنف نے کہا ہے کہ "اس روایت کا موقوف ہونا معروف ہے لیکن جس راوی نے اسے مرفوع روایت کیا ہے وہ بھی ثقہ ہے۔" اس باب میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کئی آثار منقول ہیں۔ محدث حاکم ' ابن عساکر اور ابن المنذر نے بریدہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: "میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک کسی عورت کے چلانے کی آواز سنائی دی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام یرفاء سے کہا کہ جا کر پتا کرو یہ آواز کیسی ہے؟ غلام باہر گیا اور واپس آ کر بتایا کہ قریش کی ایک لڑکی ہے جس کی ماں کو فروخت کیا جا رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "مہاجرین اور انصار کو میرے پاس بلا کر لاؤ!" زیادہ دیر نہیں گزری کہ پورا احاطہ اور حجرہ لوگوں سے بھر گیا۔ آپ کھڑے ہوئے

---

(۱) دیکھئے موطا امام مالک ج ۲ ص ۷۷۶' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۲۱۹' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۳۴' ۱۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت لے کر آئے تھے کیا اس میں قطع رحمی کی کوئی بات تھی؟" لوگوں نے اس کا جواب نفی میں دیا - اس پر آپ نے فرمایا: "لیکن اب قطع رحمی تمہارے درمیان پھیل گئی ہے۔" پھر یہ آیت تلاوت کی (فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم (۱) اگر تم نے روگردانی کی تو قریب ہے کہ تم زمین میں فساد مچانے لگو اور قطع رحمی کرنے لگو- سورہ محمد آیت ۲۲) پھر فرمایا: "اس سے بڑھ کر قطع رحمی کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ تم میں سے ایک شخص کی ماں کو فروخت کر دیا جائے حالانکہ اللہ نے تمہارے لئے اس کے اندر گنجائش رکھی ہے۔"

لوگوں نے کہا کہ: "آپ کی سمجھ میں جو آئے کیجئے۔"

اس پر آپ نے مملکت کے اطراف و جوانب میں یہ مراسلہ جاری کر دیا کہ: "کسی آزاد فرد کی ماں کو فروخت نہ کیا جائے کیونکہ یہ قطع رحمی ہے اور یہ حلال نہیں ہے-" یہ اور اس طرح کے دیگر آثار۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر لونڈی اپنے آقا سے کسی بچے کو جنم دے تو اس کی بیع حرام ہوجاتی ہے خواہ نو مولود زندہ رہے یا چل بسے۔ اکثر ائمہ کا یہی مسلک ہے اور متاخرین کی ایک جماعت نے تو مذکورہ بیع کی ممانعت پر اجماع کا دعوی کیا ہے - حافظ ابن کثیر نے اس مسئلے پر ایک الگ کتابچے میں بحث کی ہے اور کہا ہے کہ: "امام شافعی سے میرے پاس بطور خلاصہ چار اقوال پہنچے ہیں:' تاہم اس مسئلے میں آٹھ اقوال ہیں" ناصر' امامیہ اور داؤد کا مسلک اگلی حدیث کی بنا پر ام ولد کی بیع کے جواز کا ہے -

۷۴۵/۱۲ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «كُنَّا نَبِيعُ سَرَارِينَا أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ، لَا يَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ:" ہم اپنی لونڈیوں یعنی امہات اولاد کو فروخت کر دیا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے لیکن آپ' اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔" اسے نسائی' ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔"

امام احمد' امام شافعی' بیہقی' ابو داؤد اور حاکم نے اس کی تخریج کی ہے اور اس میں اس فقرے کا

---

(۱) حضرت جابرؓ کی روایت کے حوالہ جات: مستدرک ج ۲ ص ۱۹' بدائع المنن ۱۳۰۵' سنن ابی داؤد ۳۹۵۴' سنن ابن ماجہ ۲۵۱۷' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضافہ کیا ہے: "حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں۔" اور اس میں یہ فقرہ بھی ہے: "پھر جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے ہمیں روک دیا اور ہم رک گئے۔" حاکم نے حضرت ابو سعیدؓ سے اس کی روایت کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ: "کسی بھی سلسلہ روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ہو گئی تھی اور آپؐ نے لوگوں کو اس پر برقرار رہنے دیا تھا۔" نسائی کی روایت اس کا رد کرتی ہے جس میں ذکر ہے کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے لیکن آپؐ اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔"

ام ولد کی بیع کے جواز کے قائلین نے اس امر سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول درست روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے ام ولد کی بیع کی تحریم سے رجوع کر کے اس کی بیع کے جواز کا قول اختیار کرلیا تھا۔ عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے ایوب سے انہوں نے ابن سیرین سے اور انہوں نے عبیدہ السلمانی المراد سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ "امہات اولاد کے بارے میں میری رائے حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق تھی کہ انہیں فروخت نہیں کیا جائے گا لیکن بعد میں میری رائے یہ ہو گئی کہ انہیں فروخت کیا جا سکتا ہے۔" اس روایت کی مذکورہ سند صحیح ترین سند شمار ہوتی ہے۔ شرح کے اندر ان دلائل کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں احتمال ہے کہ وہ ابتدائی زمانے کی ہو اور مذکورہ (حضرت ابن عمرؓ کی) روایت اس کے لئے ناسخ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کی روایت تقریر (ایک کام ہوتا دیکھ کر اسے برقرار رہنے دینے) کی طرف راجع ہے جب کہ مذکورہ روایت قول ہے اور قاعدہ ہے کہ تقریر اور قول میں تعارض پیدا ہو جانے کی صورت میں قول زیادہ راجح ہوتا ہے۔

میں (شارح) یہ کہوں گا کہ اس جواب کا بودا پن بالکل واضح ہے کیونکہ صرف احتمال کی بنا پر نسخ کا عمل نہیں ہوتا۔ ام ولد کی بیع کے جواز کا قائل اس استدلال کو الٹ کر کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ابتدائی زمانے کی تھی اور پھر حضرت جابرؓ کی حدیث کی بنا پر منسوخ ہو گئی۔ اگرچہ یہ ایک بعید احتمال ہے۔ پھر شرح کے اندر عجیب نے جو کہا ہے کہ "حضرت جابرؓ کی حدیث تقریر کی طرف راجع ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث قول ہے اور تعارض کے موقعہ پر قول زیادہ راجح ہوتا ہے۔" اس پر یہ اعتراض ہے کہ مذکورہ قول کا مرفوع ہونا درست نہیں ہے بلکہ مصنف اور دیگر حضرات نے تصریح کر دی ہے کہ اسے مرفوع کہنا وہم ہے اور ام ولد کی بیع کی ممانعت کے حق میں صرف حضرت عمرؓ کی رائے ہے نیز ان صحابہ کرام کی رائے جن سے آپ نے مشورہ کیا تھا۔ یہ اجماع نہیں ہے اس لئے حجت بھی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس مسئلے کے متعلق کوئی نص موجود ہوتی تو حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کو کسی رائے کی حاجت پیش نہ آتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۴۶/۱۳ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ: «وَعَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ»(۱).

"حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زائد پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے"۔ امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ: "اور اونٹ کی جفتی (نسل کشی) کی بیع سے!"

(۱) اصحاب سنن نے ایاس بن عبد سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابوالفتح القشیری کے قول کے مطابق یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ پانی کے مالک کی ضرورت پوری ہو جانے کے بعد بچ رہنے والے پانی کی فروخت جائز نہیں ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر مملوکہ زمین میں پانی نکل آئے اور بالائی زمین کا مالک اسے آبپاشی میں استعمال کر لے اور پھر اس کی ضرورت سے زائد پانی بچ رہے تو اس پانی کو روکنے کا اسے حق نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی مملوکہ زمین میں گڑھا کھود کر اس میں پانی جمع کر لے یا کنواں کھود لے اور خود بھی پیئے اور اپنی زمین کو بھی سیراب کرے تو بچ رہنے والے پانی کو روک لینے کا اسے حق نہیں ہو گا۔

حدیث کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کسی شخص کی ضرورت سے زائد پانی کو پینے، وضو کرنے یا فصل کو سیراب کرنے کیلئے صرف کرنا اس پر واجب ہے خواہ یہ پانی غیر مملوکہ زمین میں ہو یا مملوکہ زمین میں۔ اس عموم کو ابن القیم نے "الھدی" کے اندر اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ: "پانی اور چارہ وغیرہ حاصل کرنے کی غرض سے مملوکہ زمین میں داخل ہو جانا جائز ہے کیونکہ اس پانی اور چارے میں اس کا حق ہے اور کسی دوسرے شخص کی ملکیت کی عملداری اسے اس حق سے روک نہیں سکتی۔" نیز کہا:

"امام احمد کی نص ہے کہ چرواہے کے لئے ایسی زمین میں مویشی چرانے کا جواز ہے جس میں چرانے کی اجازت نہ ہو۔ المنصور اور امام یحییٰ کا بھی ایندھن اور خشک گھاس کے بارے میں اس جیسا مسلک ہے۔"

---

(۱) حدیث "نهى عن بيع فضل الماء" کے حوالہ جات: مسلم شریف حدیث ۱۵۶۵ کتاب المساقاۃ، سنن نسائی ج ۷ ص ۳۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۵۴، ۲۵۷، ج ۷ ص ۳۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگے کہا:

''زمین کے مالک کی اجازت کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ ایسی جگہ میں چرواہے کو داخل ہونے سے روکنے کا اسے حق نہیں ہے بلکہ مالک پر اسے موقعہ فراہم کرنا واجب ہے اور روکنا حرام ہے اس لئے چرواہے کا داخلہ مالک زمین کی اجازت پر موقوف نہیں ہو گا۔ صرف ایسے مکان میں داخلے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوگی جس میں کسی کی رہائش ہو۔

کیونکہ ایسی صورت میں استیذان (اجازت طلبی) واجب ہے۔ اگر مکان میں کسی کی رہائش نہ ہو تو ارشاد باری ہے: لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونه فیها متاع لکم ایسے غیر رہائشی مکان کے اندر داخل ہونے میں تم پر کوئی گناہ نہیں جس میں تمہارا مال پڑا ہو۔ سورہ نور آیت ۲۹) جو شخص کوئی کنواں یا نہر کھود لے تو وہ اس کے پانی کا سب سے بڑھ کر حقدار ہو گا اور فاضل پانی کو دوسروں سے نہیں روکے گا خواہ ہم یہ کہیں کہ پانی کنواں یا نہر کھودنے والے کا حق ہے' اس کی ملکیت نہیں' دونوں صورتوں میں دوسروں کو فاضل پانی دینا اس کے ذمہ ہو گا کیونکہ ابو داؤد کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا:

''اللہ کے نبی' وہ کونسی چیز ہے جسے دوسروں سے روکنا حلال نہیں ہے؟''[1] آپؐ نے فرمایا:''پانی'' پھر اس نے یہی سوال دہرایا تو آپ نے جواب دیا ''نمک'' آپؐ نے بتا دیا کہ نمک اور اس طرح کی دیگر اشیاء پانی کے حکم میں ہیں' چارہ بھی اسی طرح ہے۔ اس لئے جو شخص اپنے مویشیوں کے ساتھ چارے والی کسی غیر مملوکہ زمین میں پہلے پہنچ جائے وہ ہاں اپنے مویشی چرانے کا سب سے بڑھ کر حقدار ہو گا جب تک اس کے مویشی وہاں رہیں۔ لیکن جب اس کے مویشی وہاں سے نکل جائیں تو اسے اس کی فروخت کا حق نہیں ہو گا یہ تو رہی مذکورہ پانی کی بات' لیکن جس پانی کو مشکیزوں اور برتنوں میں محفوظ کر لیا گیا ہو وہ اس عموم سے تخصیص شدہ ہو گا' اسے ایندھن کی لکڑی پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''تم میں سے کوئی شخص ایک رسی حاصل کر لے اور پھر ایندھن کا ایک گٹھا جمع کر کے فروخت کر دے اور اس کے ذریعے اپنے چہرے کو (سوال کی ذلت سے) بچا لے تو اس کے لئے یہ طریق کار لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے

---

(۱) حدیث'' ما الشئی الذی لایحل منعه'' کے حوالہ جات: مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۰' شرح السنہ ج ۶ ص ۶۹' تاریخ جرجان ص ۱۰۷ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہتر ہو گا۔ سوال کرنے کے باوجود ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ مل جائے یا وہ محروم رہے۔[1]" اس لئے مذکورہ پانی کی بیع جائز ہو گی اور مجبور انسان کے سوا کسی اور کے لئے اسے صرف کرنا ضروری نہیں ہو گا۔ اس طرح خود کنویں اور چشمے کی فروخت بھی جائز ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "جو شخص رومہ کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے اس میں وسعت اور گنجائش پیدا کر دے، اس کے لئے جنت ہے۔[2]" چنانچہ حضرت عثمانؓ نے یہ کنواں خرید لیا تھا۔ یہ مشہور واقعہ ہے۔ حضرت جابرؓ کا قول کہ "آپؐ نے اونٹ کی نسل کشی کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے!" تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ مادہ کے ساتھ نر کی جفتی کرانے کی اجرت لینے سے روکا ہے۔ اگلی حدیث میں اس عمل کی تعبیر عسب (نسل کشی) کے لفظ سے کی گئی ہے۔

٧٤٧/١٤ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «نَهى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[3].

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈ کی نسل کشی سے منع فرمایا ہے۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

نسل کشی کے لئے عسب کا لفظ آیا ہے، (حرف عین اور حرف سین پر زبر کے ساتھ) یہ حدیث اور اس سے ماقبل کی حدیث نسل کشی کے سانڈ کو اجرت پر حاصل کرنے کی تحریم کی دلیل ہے۔ یہ اجرت حرام ہے۔ سلف کا ایک گروہ اس کے جواز کا قائل ہے۔ الا یہ کہ ایک معلوم مدت تک کے لئے یا مقررہ تعداد میں جفتی کرانے کی غرض سے اسے اجرت پر حاصل کرے۔ ان حضرات نے کہا کہ لوگوں کی ضرورت اس امر کی داعی ہے۔"

---

(۱) حدیث "لان یاخذ احدکم حبله .....الخ" کے حوالہ جات: زیر نظر کتاب کی تخریج میں حدیث نمبر ۵۹۹ کے حاشیہ نمبر ۱ میں ملاحظہ کیجئے۔

(۲) حدیث من یشتری بیئر رومه.....الخ" کے حوالہ جات: بخاری شریف ج ۳ ص ۱۴۴، فتح الباری ج ۵ ص ۲۹، شرح السنہ ج ۸ ص ۲۸۸، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۹۶، سنن نسائی ج ۶ ص ۲۳۵، سنن ترمذی ۳۷۰۳، سنن کبری ج ۶ ص ۱۶۸

(۳) حدیث "نهی عن عسب الفحل" کے حوالہ جات: بخاری شریف باب ۲۱ من الا جارة، سنن ترمذی ۱۲۷۳، سنن نسائی ج ۷ ص ۳۱۰، ۳۱۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۷۳، مستدرک ج ۲ ص ۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۳۵، ۱۴۶، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۷، شرح السنہ ج ۸ ص ۱۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ ایک مقصود بالذات منفعت ہے' اس لئے جائز ہے۔ انہوں نے حدیث میں مذکور نہی کو تنزیہ پر محمول کیا ہے حالانکہ یہ نہی کی اصل کے خلاف ہے۔

۷۴۸/۱۵ ۔ وَعَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعاً يَبْتَاعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تنتج الَّتِي فِي بَطْنِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(۱).

"اور انھی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی بیع سے منع فرما دیا۔ اس بیع کا رواج اہل جاہلیت میں تھا۔ وہ اس طرح کہ ایک شخص اونٹ یا اونٹنی خرید لیتا اور مدت یہ طے پاتی کہ اونٹنی مادہ بچہ دے اور یہ مادہ بچہ جو فی الحال اونٹنی کے پیٹ میں ہے آگے بچہ دے (متفق علیہ) الفاظ امام بخاری کی روایت کے ہیں۔

(۱) حضرت ابن عمرؓ سے

(۲) حبل (حرف حاء اور حرف باء پر زبر) بمعنی حمل

(۳) اسکی تفسیر اگلے جملے کے ذریعے کی گئی ہے۔

(۴) الجزور (حرف جیم کے زبر اور حرف زاء پر پیش) بمعنی بعیر (اونٹ یا اونٹنی) یہ لفظ مونث ہے اگرچہ اس کا اطلاق مذکر پر ہوا ہے' آپ کہیں گے "ھذہ الجزور۔"

(۵) تنتج (اونٹنی بچہ دے) یہ پہلے حرف پر پیش اور تیسرے حرف پر زبر کے ساتھ (تلد بچہ جنے) کے معنوں میں ہے۔ لغت عرب میں یہ فعل ہمیشہ مجہول کے صیغے میں آتا ہے۔

(۶) "اس بیع کا رواج اہل جاہلیت میں تھا" سے لے کر یہاں تک تفسیری فقرے ہیں جو حدیث میں داخل کر دئے گئے ہیں۔ یہ فقرے راوی نافع کے ہیں اور ایک قول کے مطابق یہ حضرت ابن عمرؓ کے الفاظ ہیں۔

(۷) ایک روایت میں "اونٹنی کے بچے کے حمل" کے الفاظ آئے ہیں اور بچہ دینے یعنی انتاج کی شرط نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ "اونٹنی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ اسے جن دے" اور یہ شرط نہیں کہ اس کا یہ مادہ بچہ حاملہ ہو جائے یا آگے بچہ دے' حبل کا لفظ فعل "حبلت یحبل" کا مصدر ہے اور مجہول (حمل) کے

---

(۱) حدیث "نہی عن بیع حبل الحبلہ" کے حوالہ جات: بخاری ج ۴ ص ۳۵۶' مسلم حدیث نمبر ۱۵۱۴ فی البیوع' ترمذی ۱۲۲۹' ابن ماجہ ۲۱۹۷' مسند احمد ج ۱ ص ۵۶ ج ۲ ص ۵' ۱۱' ۶۳' ۱۰۸' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۸۶ مسند حمیدی ۶۸۹' تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے اسم کے طور پر مستعمل ہے - حبلہ حابل کی جمع ہے جس طرح ظلمہ ظالم کی جمع ہے اور کتبہ کاتب کی - واحد کے صیغے کو حابل اور حابلہ بھی بولا جاتا ہے - ابو عبید کا قول ہے کہ "اس حدیث کے سوا غیر آدم زادوں کے لئے حبل کا لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا۔" زیر نظر حدیث مذکورہ بیع کی تحریم کی دلیل ہے ' تاہم روایات کے اختلاف کی وجہ سے علماء کے درمیان اس ممنوعہ بیع کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ہو گیا ہے کہ آیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ فروخت شدہ اونٹ یا اونٹنی کے ثمن کی ادائیگی کو مذکورہ بچہ پیدا ہونے تک موخر رکھا جائے گا یا یہ مفہوم ہے کہ وہ اس کے ہاتھ اونٹنی کا آگے چل کر پیدا ہونے والا بچہ فروخت کرے گا -

پہلا قول امام مالکؒ ' امام شافعیؒ اور ایک گروہ کا ہے - ان کا کہنا ہے کہ نہی کی علت مدت کا نامعلوم ہونا ہے - دوسرا قول امام احمدؒ ' اسحاقؒ اور ائمہ لغت کے ایک گروہ کا ہے اور امام ترمذی کے نزدیک یہی قطعی مفہوم ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ نہی کی علت یہ ہے کہ زیر بحث صورت ایک معدوم اور مجہول چیز کی بیع والی صورت ہے جس میں مبیع کی حوالگی مقدور میں نہیں ہوتی اور یہ بیع غرر (ایسی بیع جس میں دھوکا دہی کا کوئی پہلو ہو) میں داخل ہے - امام بخاری نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا اور باب السلم میں بھی یہ کہہ کر اسے ترجیح دی ہے کہ یہ حدیث کے موافق ہے اگرچہ اہل لغت کا کلام دوسری تفسیر کے موافق ہے -

اس اختلاف کے نتیجے میں چار اقوال وجود میں آئے ' کیونکہ یہاں کہا جائے گا کہ آیا حدیث سے مراد ایک مدت تک کی بیع ہے یا جنین (حمل) کی بیع ؟ پہلی صورت میں مدت سے مراد آیا ماں کا بچہ دینا ہے یا اس کی مادہ بچے کا بچہ دینا۔ دوسری صورت میں آیا پہلے جنین کی بیع مراد ہے یا جنین کے جنین کی۔ "اس طرح چار اقوال بن گئے۔

یہ بات تو ایک طرف رہی ' ابن کیسان اور ابو العباس مبرد سے منقول ہے کہ حبلہ سے انگور کی بیل مراد ہے۔ نیز یہ کہ انگور کے پھلوں کو قابل استعمال ہونے سے پہلے فروخت کر دینے کی ممانعت کردی گئی ہے۔ اس صورت میں لفظ حبلہ میں حرف باء ساکن ہو گا لیکن روایات میں یہ متحرک ہے' البتہ حبلہ بمعنی انگور کی بیل میں حرف باء پر زبر بھی منقول ہے -

١٦/٧٤٩ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ، وَعَنْ هِبَتِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(١).

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور انھی سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع کر دیا ہے۔" (متفق علیہ)

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

(۲) ولاء حرف واؤ پر زبر کے ساتھ' اس سے ولائے عتق مراد ہے' وہ یہ کہ جب آزاد شدہ فرد مر جائے تو اسے آزاد کرنے والا اس کا وارث بن جائے۔ عرب کے لوگ ولاء کو فروخت یا ہبہ کر دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک دیا کیونکہ ولاء نسب کی طرح ہے کسی کے زائل کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ اس کا ذکر "النہایہ" میں ہوا ہے۔

۷۵۰/۱۷ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ، وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۲).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری کے ذریعے بیع نیز بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

یہ حدیث بیع کی دو صورتوں سے نہی پر مشتمل ہے:

اول: کنکری کے ذریعے بیع۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ "یہ کنکر پھینکو' جس کپڑے پر یہ کنکری پڑے گی وہ ایک درہم میں تمہارا ہو جائے گا۔"

دوسرے قول کے مطابق اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین اس طرح فروخت کرے کہ پھینکا ہوا کنکر جہاں جا کر گرے وہاں تک کی زمین بک جائے گی۔

تیسرے قول کے مطابق مشتری اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر کہے کہ: "اس مٹھی سے جتنی کنکریاں نکلیں انکی تعداد کے برابر فروخت کی چیزیں میری ہوں گی۔"

---

(۱) حدیث "نہی عن بیع الولاء وعن ھبتہ" کے حوالہ جات: سنن ابی داؤد باب ۱۴ من الفرائض' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۳' ج ۷' ۳۰۶' سنن ابن ماجہ ۲۷۴۷' ۲۸۴۸' مسند احمد ج ۲ ص ۹' ۷۹' ۱۰۷' سنن سعید بن منصور ۲۷۶' التمہید ج ۳ ص ۷۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۲۱' ج ۱۱ ص ۴۱۸' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۴۴۸' کنز العمال ۲۹۷۱۲' مسند حمیدی ۶۳۹' تاریخ اصفہان ج ۱ ص ۹۵' ۱۷۱' ۲۴۷ ج ۲ ص ۹۵' ۱۲۴

(۲) متن کی حدیث کے حوالہ جات: مسلم شریف حدیث ۱۵۱۳ فی البیوع' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۶۲' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۳۱' سنن ترمذی ۱۲۳۰' سنن ابن ماجہ ۲۱۹۴' ۲۱۹۵' مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۴' ۳۷۶' ۴۳۶' ۴۹۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۳۲' ۱۳۳' ۱۳۶' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۵' ۱۶' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۰' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۵۴' ۲۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا یہ کہ بائع مشتری کے ہاتھ ایک مال فروخت کرے اور اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر کہے: "ہر کنکری کے بدلے میں ایک درہم لوں گا۔"

چوتھے قول کے مطابق دونوں میں سے ایک شخص اپنے ہاتھ میں ایک کنکری لے لے اور کہے کہ:

"جس وقت یہ کنکری نیچے گرے اسی وقت بیع واجب ہو جائے گی۔"

پانچواں قول یہ کہ بھیڑ بکریوں کا گلہ سامنے آئے اور بائع مشتری سے کہے کہ جس بکری پر یہ کنکری گرے وہ اتنے درہموں میں تمہاری ہو جائے گی۔

بیع کی یہ تمام صورتیں ثمن یا مبیع کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے بیع غرر میں داخل ہیں۔ غرر کا لفظ ان تمام صورتوں کو شامل ہے ' انہیں الگ سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس قسم کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرما دیا۔ بیع کی اضافت کنکری کی طرف اس لئے ہوئی ہے کہ اس قسم کی بیع میں کنکری کے وجود کی وجہ سے دونوں میں مناسبت پیدا ہو گئی۔

دوم: بیع غرر (حرف غین اور حرف راء پر زبر کے ساتھ) یہ لفظ اسم مفعول کے معنوں میں ہے اور اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف اس کی اضافت ہے اس میں مذکورہ بالا وجہ کے سوا دیگر احتمال بھی ہے۔ اس لفظ کا معنی وہ دھوکہ دہی ہے جس کے تحت یہ شک ہو کہ جب اس کا تحقق ہو جائے تو اس پر دوسرے فریق کی رضا مندی نہ ہو' اور اس طرح یہ صورت باطل طریقے سے مال کھانے کی شکل بن جائے۔ غرر کا تحقق کئی صورتوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً مبیع کو مشتری کے حوالے کرنے کی قدرت نہ ہو جیسے بھاگے ہوئے غلام کی اور بدک کر بھاگ جانے والے گھوڑے کی بیع۔ یا یہ کہ مبیع معدوم یا مجہول ہو یا یہ کہ مبیع پر بائع کی پوری ملکیت نہ ہو مثلاً کثیر پانی میں موجود مچھلی کی بیع اور اسی طرح کی دیگر صورتیں۔ بعض دفعہ بیع میں غرر کے ایک آدھ پہلو کا احتمال ہوتا ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو غرر کے اس پہلو کے ساتھ بیع درست ہو جائے گی مثلاً مکان فروخت ہو لیکن اس کی بنیادوں کے بارے میں کوئی علم نہ ہو یا مثلاً روئی بھرے ہوئے جبے کی فروخت جب کہ مشتری نے بھرائی دیکھی نہ ہو ' ایسی بیع کے جواز پر اجماع ہے۔ اسی طرح ایک ماہ کے لئے مکان یا جانور کو اجارہ پر دینے کے جواز پر اجماع ہے جب کہ مہینہ کبھی تیس دنوں کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دنوں کا ' یہی صورت اجرت دے کر حمام میں جانے کی ہے حالانکہ پانی کے استعمال اور حمام میں ٹھہرے رہنے کی مقدار کے اعتبار سے لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح معاوضہ دے کر مشکیزہ سے پانی پینے کا مسئلہ ہے ' جب کہ اس صورت کے اندر بھی لاعلمی کا پہلو ہوتا ہے۔ پیٹ کے اندر موجود حمل کی بیع نیز ہوا کے اندر موجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرندے کی بیع کے درست نہ ہونے پر سب کا اجماع ہے جب کہ بہت سی دیگر صورتوں کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ان صورتوں کا ذکر فروع کی کتابوں میں ہے۔

۷۵۱/۱۸ ـ وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ اشْتَرَى طَعَاماً فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَكْتَالَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱)

"اور انھی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص طعام (غلہ) خریدے تو جب تک اسے کیل نہ کر لے (ناپ نہ لے) اس وقت تک آگے فروخت نہ کرے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

طعام کے بارے میں صحابہ کی ایک جماعت سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ مشتری جب تک خریدے ہوئے طعام کو پورا وصول نہ کر لے اس وقت تک اسے آگے فروخت نہ کرے۔ امام احمد نے حضرت حکیم بن حزام سے جو روایت کی ہے وہ طعام یعنی غلہ وغیرہ سے زیادہ عام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں کئی قسم کی خریداری کرتا ہوں، ان میں سے کون سی خریداری میرے لئے حلال ہے اور کونسی حرام ؟" یہ سن کر آپ نے فرمایا: "جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضے میں لینے سے پہلے اسے آگے فروخت نہ کرو۔(۲)" دار قطنی اور ابو داؤد نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ایک مال اسی جگہ فروخت کر دیا جائے جہاں سے اس کی خریداری کی گئی ہو جب تک تاجر مذکورہ مال اپنے گھروں میں لے جا کر محفوظ نہ کر لیں۔(۳)" امام ترمذی کے سوا با قیماندہ ساتوں حضرات نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص طعام خریدے تو جب تک

---

(۱) متن کی حدیث کا حوالہ: مسلم شریف حدیث نمبر ۳۹ من البیوع

(۲) حضرت حکیم بن حزام کی روایت کے حوالہ جات: مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۲، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۹، تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۴۲۵

(۳) حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت کا حوالہ: سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے وصول نہ کر لے اس وقت تک آگے اسکی فروخت نہ کرے۔[1]" حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ "میرے خیال میں ہر چیز طعام کی طرح ہے۔" یہ تمام احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جو بھی مال خریدا جائے اس کی آگے فروخت اس وقت تک جائز نہیں ہو گی جب تک کہ بائع اسے وصول کر کے اپنے قبضے میں نہ لے لے۔ اس بارے میں ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ حکم صرف طعام کے ساتھ مختص ہے اور دیگر فروخت شدہ اشیاء اس کے ضمن میں نہیں آتیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ یہ حکم منقولہ اموال کے ساتھ مختص ہے، غیر منقولہ کے ساتھ نہیں، کیونکہ حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث سلع (سامان تجارت) کے بارے میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خاص کے حکم کے ذکر سے عام مخصوص نہیں ہو جاتا۔ حضرت حکیمؓ کی حدیث عام ہے۔ اس لئے اس پر عمل ہو گا، جمہور کی یہی رائے ہے کہ مبیع پر قبضے سے پہلے مشتری کے لئے اس کی آگے فروخت مطلقاً جائز نہیں ہے۔ اسی مفہوم کے حق میں حضرت حکیمؓ کی حدیث کی دلالت ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی مفہوم اخذ کیا ہے۔

(فائدہ) دار قطنی[2] نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام کی آگے بیع سے اس وقت کے لئے ممانعت کر دی ہے جب تک اس میں دو صاع (غلہ مثلاً گندم وغیرہ ناپنے کا ایک پیمانہ، ساڑھے تین سیر کے مساوی) اپنا کام کر نہ لیں: ایک بائع کا صاع اور دوسرا مشتری کا صاع۔" محدث بزار نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے اسناد حسن کے ذریعے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی شخص ناپ کے پیمانے کے ذریعے ایک چیز (یعنی غلہ) خرید کر اسے اپنے قبضے میں کر لے اور پھر اسے آگے فروخت کر دے تو پہلے ناپ کی بنا پر مبیع کی حوالگی جائز نہیں ہو گی جب تک اسے خریدار کے سامنے دوبارہ ناپ کر نہ دے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ پہلے ناپ کی بنا پر اس کی فروخت جائز

---

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۸۸ تا ۹۰، مسلم شریف کتاب البیوع کی حدیث ۲۹ تا ۳۲، ۳۴، تا ۳۶، ۳۹، سنن ابی داؤد باب ۶۷ من البیوع، سنن ترمذی ۱۲۹، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۸۵، ۲۸۶، سنن ابن ماجہ ۲۲۲۶، ۲۲۲۷، سنن کبری ج ۵ ص ۳۱۲، مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۶، ۳۶۸، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۸۸، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۲، مسند شافعی ۱۸۹، بدائع المنن ۱۲۴۶، نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۱، فتح الباری ج ۴ ص ۳۴۴، ۳۴۹، مشکوۃ المصابیح ۲۸۴۴، شرح السنہ ج ۸ ص ۱۰۶، ارواء الغلیل ج ۵ ص ۱۷۵، علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۱۱۱

(۲) دار قطنی کی حضرت جابرؓ سے روایت کردہ حدیث کے مراجع: سنن ابن ماجہ ۲۲۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۹۷، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گی۔ شاید عطاء کو زیر نظر حدیث نہیں پہنچی تھی۔ دوبارہ ناپنے کی علت شاید یہ ہو کہ اس عمل کی وجہ سے جو کمی ہو جائے وہ کھل کر سامنے آ جائے اور اس طرح دھوکہ دہی کا ازالہ ہو جائے۔دو صاع استعمال کرنے کی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اٹکل سے بیع کرنا جائز نہیں ہے۔ تاہم حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں ذکر ہے کہ لوگ اٹکل کے ذریعے طعام کی خریداری کر لیتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی منتقلی سے پہلے آگے اس کی فروخت سے ہمیں منع فرما دیا۔" اس حدیث کی تخریج امام ترمذی کے سوا ایک جماعت نے کی ہے' ابن قدامہ نے کہا ہے کہ: "طعام کے ڈھیر کی اٹکل سے بیع جائز ہے اور اس بات میں کسی اختلاف رائے کا ہمیں علم نہیں ہے۔" جب اٹکل سے بیع کا جواز ثابت ہو گیا تو اب دو صاع والی حدیث کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص ناپ کے ذریعے طعام خریدے اور اسے آگے فروخت کرنے کا ارادہ کیا جائے تو نئے مشتری کے سامنے اسے دوبارہ ناپنا ضروری ہو گا۔

۷۵۲/۱۹ - وَعَنْهُ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ».
رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ حِبَّانَ(۱).
وَلِأَبِي دَاوُدَ: «مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا(۲)».

"اور انھی سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سودے کے اندر دو سودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔" امام احمد اور امام نسائی نے اسکی روایت کی ہے' اور امام ترمذی نیز ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔" ابو داؤد کی روایت کے الفاظ ہیں:"جو شخص ایک سودے کے اندر دو سودے کرے وہ یا تو دونوں میں سے کم تر مالیت کا سودا لے گا یا پھر سود لے گا۔"

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے

(۳) امام شافعی کے قول کے مطابق اس حدیث کی دو تفسیریں ہیں:

---

(۱) حدیث "نهى عن بيعتين في بيعه" کے مراجع: سنن ترمذی ۱۲۳۱' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۶۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴' ۴۳۲' ۴۷۵' ۵۰۳' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۴۲' ۱۴۴

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے ابو داؤد کی روایت کے حوالہ جات: سنن ابی داؤد' ۳۴۶۱' سنن کبری ج ۵ ص ۳۴۳' مستدرک ج ۲ ص ۴۵' موارد الظمان ۱۱۱۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۲۰' کنز العمال ۹۶۱۳' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۲۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اول : بائع مشتری سے کہے :" میں نے یہ مال تمہارے ہاتھ دو ہزار ادھار اور ایک ہزار نقد میں فروخت کیا۔ تم جس رقم پر اسے لینا چاہو لے لو" یہ فاسد بیع ہے کیونکہ اس میں ابہام اور تعلیق ہے ۔ یعنی سودے کو مبہم اور معلق و مشروط رکھا گیا ہے ۔

دوم : بائع مشتری سے کہے :" میں نے تمہارے ہاتھ اپنا غلام اس شرط پر فروخت کر دیا کہ تم میرے ہاتھ اپنا گھوڑا فروخت کر دو۔" (اختتام قول شافعیؒ)

پہلی تفسیر پر نہی کی علت یہ ہے کہ ایسی صورت میں ثمن کا عدم استقرار ہو گا اور ان حضرات کے نزدیک اس سے سود لازم آئے گا جو کسی چیز کو ادھار کی وجہ سے اس کے یومیہ بھاؤ سے زیادہ پر فروخت کرنے کی ممانعت کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر پر نہی کی علت یہ کہ اس صورت میں بیع مستقبل کی ایک ایسی شرط پر معلق کر دی جائے گی جس کا وقوع بھی ہو سکتا ہے اور عدم وقوع بھی۔ اس کے نتیجے میں ملکیت کا استقرار وجود میں نہیں آ سکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "یا تو دونوں میں سے کمتر مالیت کا سودا لے گا یا سود لے گا" کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک سودے کے اندر دو سودے کرے گا تو دو باتوں میں سے ایک ضرور پیش آئے گی۔ یا تو دونوں میں سے جو کمتر ہو گا اسے لے گا یا پھر سود لے گا ۔ یہ تشریح پہلی تفسیر کی تائید کرتی ہے ۔

۷۵۳/۲۰ ۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ، وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ، وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ خُزَيْمَةَ، وَالْحَاكِمُ(۱).

وَأَخْرَجَهُ فِي عُلُومِ الْحَدِيثِ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرٍو الْمَذْكُورِ بِلَفْظِ: نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ. وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَهُوَ غَرِيبٌ.

"عمرو بن شعیبؓ نے اپنے والد سے اور انہوں نے انکے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ

---

(۱) عمرو بن شعیبؓ کی حدیث کے حوالہ جات: سنن ابی داؤد ۳۵۰۴، سنن ترمذی ۱۲۳۴، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۸۸، ۲۹۵، سنن ابن ماجہ ۲۱۸۸، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۷۵، مستدرک ج ۲ ص ۲۷، کنز العمال ۹۶۱۰، نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۸، ۴۵، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۲، مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۷۰، ارواء الغلیل ج ۵ ص ۱۴۸، تہذیب ابن عساکر ج ۵ ص ۳۸۸، معانی الآثار ج ۴ ص ۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" سلف (قرض) اور بیع حلال نہیں ' نہ ہی ایک بیع میں دو شرطیں' نہ ہی ایسے مال کا نفع جس کا ضامن (نقصان کا ذمہ دار بیچنے والا) نہ ہو اور ایسی چیز کی بیع جو تمہارے پاس نہ ہو۔" پانچوں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ امام ترمذی ' ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور "علوم الحدیث" کے اندر ابو حنیفہؒ کے واسطے سے مذکورہ عمرو سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور الفاظ یہ ہیں : "آپؐ نے بیع اور شرط سے منع فرما دیا ہے۔" اسی طریق سے طبرانی نے بھی "الاوسط" میں اس کی تخریج کی ہے اور یہ غریب حدیث ہے (ایسی حدیث جسے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو غریب کہلاتی ہے ۔ مترجم)

(۱) یعنی محدث الحاکم نے

(۲) یعنی الحاکم کے طریق سے

(۳) ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور نووی نے اسے غریب حدیث قرار دیا ہے ۔

یہ حدیث چار صورتوں پر مشتمل ہے اور ان صورتوں والی بیع کی ممانعت کر دی گئی ہے:

اول : سلف اور بیع ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ادھار کی وجہ سے کسی مال کو اس کے ثمن سے زائد رقم پر خریدنا چاہے لیکن یہ بات اس کے نزدیک جائز نہ ہو تو وہ کسی حیلے سے ثمن کی رقم بائع سے قرض کے طور پر لے لے تاکہ اس حیلے کے ذریعے وہ بائع کو ثمن کی فوری ادائیگی کر دے۔

دوم : ایک بیع میں دو شرطیں' اسکی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق بائع مشتری سے کہے کہ :"میں نے یہ مال نقد پر اتنے میں فروخت کیا اور ادھار پر اتنے میں۔"

دوسرا قول ہے کہ بائع مشتری پر یہ شرط عائد کر دے کہ وہ یہ مال خرید نے کے بعد نہ تو اسے آگے فروخت کرے گا نہ ہی اس کو ہبہ کرے گا۔

تیسرے قول کے مطابق بائع مشتری سے کہے :"میں نے یہ مال تمہارے ہاتھ اس شرط پر فروخت کیا کہ تم اپنا فلاں مال میرے ہاتھ پر اتنے میں فروخت کر دو۔" شرح کے اندر اس کا ذکر "الغیث" سے نقل کر کے کیا ہے ۔"النہایہ" میں مرقوم ہے : سلف اور بیع حلال نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ مثلاً بائع مشتری سے کہے کہ: "میں نے تمہارے ہاتھ یہ غلام ایک ہزار پر اس شرط کے تحت فروخت کر دیا کہ تم مجھے ایک مال کے سلسلے میں ایک ہزار ادھار یا قرض دو گے۔" کیونکہ مشتری بائع کو اس لئے قرض دے گا کہ بائع مبیع کے ثمن کے سلسلے میں اس کا کچھ لحاظ کر لے اور ثمن کی رقم کم کر دے۔ اس کے نتیجے میں ثمن کی مقدار نامعلوم ہونے کی خرابی پیدا ہو جائے گی ' نیز یہ وجہ بھی ہے کہ ہر وہ قرض سود ہوتا ہے جو اپنے ساتھ کوئی فائدہ بھی کھینچ لائے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں ایک شرط لگی ہوئی ہے اور یہ بات درست نہیں ہے۔ حضور صلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "نہ ہی بیع میں دو شرطیں" اسکی تفسیر "النہایہ" میں یہ کی گئی ہے کہ مثلاً تم کہو: "میں نے تمہارے ہاتھ یہ کپڑا نقد پر ایک دینار میں اور ادھار پر دو دیناروں میں فروخت کیا" یہ صورت ایک سودے میں دو سودوں کی طرح ہے۔

سوم: اس مال کا نفع جس کا ضامن نہ ہو۔ ایک قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا مال جس پر ملکیت نہ ہو۔ یہ غصب کی صورت ہے کیونکہ مذکورہ مال غاصب کی ملکیت میں نہیں ہوتا، اگر غاصب اسے فروخت کر کے ثمن میں نفع حاصل کر لے تو یہ نفع اس کے لئے حلال نہیں ہو گا۔ ایک اور قول کے مطابق اس سے مراد وہ مال ہے جو قبضے میں نہ آیا ہو اس لئے کہ خریدا ہوا مال قبضے میں آنے سے پہلے مشتری کی ضمانت میں نہیں ہوتا اور اگر تلف ہو جائے تو بائع کے مال سے تلف شدہ تصور ہو گا۔

چہارم: نہ ہی ایسی چیز کی بیع جو تمہارے پاس نہ ہو۔ اس صورت کی تفسیر ابو داؤد اور نسائی کی روایت کردہ حضرت حکیم بن حزامؓ کی حدیث کے ذریعے کی گئی ہے حضرت حکیمؓ(۱) فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! ایک شخص میرے پاس آ کر مجھے ایسا مبیع فروخت کرنے کے لئے کہتا ہے جو میرے پاس نہیں اور میں بازار سے اس کے لئے یہ مبیع خرید لیتا ہوں۔" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "جو مال تمہارے پاس نہ ہو اسے فروخت نہ کرو۔" یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک چیز پر ملکیت حاصل ہونے سے پہلے اسے فروخت کرنا حلال نہیں ہے۔

٧٥٤/٢١ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ». رَوَاهُ مَالِكٌ، قَالَ: بَلَغَنِي عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ بِهِ.(۲)

---

(۱) حضرت حکیم بن حزام کی حدیث کے مراجع: سنن ابی داؤد ۳۵۰۳، سنن ترمذی ۱۲۳۲، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۸۹، سنن ابن ماجہ ۲۱۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۲، ۴۳۴، سنن کبری ج ۵ ص ۳۱۷، ۳۳۹، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۳ ص ۲۱۷، المعجم الصغیر للطبرانی ج ۲ ص ۴، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۹، فتح الباری ج ۴ ص ۳۴۹، ۳۹۲

(۲) حدیث "نهی عن بیع العربان" کے مراجع: سنن ابن ماجہ ۲۱۹۲، ۲۱۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۰۵، شرح السنہ ج ۸ ص ۱۳۵، موطا امام مالک ج ۲ ص ۶۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"انھی سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے۔" امام مالک نے اسکی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مجھے عمرو بن شعیب سے پہنچی ہے۔

(۱) عمرو بن شعیب سے

(۲) عربان (حرف عین پر پیش ' حرف راء ساکن اور حرف باء پر زبر) اسے اربان اور عربون بھی کہتے ہیں۔

(۳) ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اس میں ایک بے نام کا راوی ہے - ایک روایت میں اس کا نام لیا گیا ہے اور یہ ایک ضعیف راوی ہے - اس حدیث کے کئی دوسرے طرق بھی ہیں جو کسی نہ کسی جرح اور تنقید کے نشانہ بنے ہیں - بیع العربان کی تفسیر امام مالکؒ نے کی ہے۔ انکے قول کے مطابق ایک شخص خریدے یا کرایہ پر حاصل کرے اور پھر مشتری یا کرایہ پر دینے والے سے کہے کہ "میں تمھیں ایک دینار یا درہم اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر میں نے مال لے لیا تو یہ رقم اسکے ثمن میں شمار ہو جائے گی بصورت دیگر یہ رقم تمہاری ہو گی۔" (ہمارے ہاں بیعانہ کی رقم کی یہی صورت ہے - مترجم) اس بیع کے جواز میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ زیر نظر حدیث ہے۔ نیز اس میں فاسد شرط لگی ہوئی ہے اور دھوکہ دہی کا پہلو بھی ہے۔ علاوہ ازیں یہ باطل طریقے سے مال کھانے کے ضمن میں بھی آتی ہے - تاہم حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور امام احمدؒ سے اس کا جواز بھی منقول ہے۔

۷۵۵/۲۲ - وَعَنْ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: ٱبْتَعْتُ زَيْتاً فِي السُّوقِ، فَلَمَّا ٱسْتَوْجَبْتُهُ لَقِيَنِي رَجُلٌ فَأَعْطَانِي بِهِ رِبْحاً حَسَناً، فَأَرَدْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ. فَأَخَذَ رَجُلٌ مِنْ خَلْفِي بِذِرَاعِي. فَالْتَفَتُّ، فَإِذَا هُوَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، فَقَالَ: «لَا تَبِعْهُ حَيْثُ ٱبْتَعْتَهُ حَتى تَحُوزَهُ إِلَى رَحْلِكَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهى. أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ، حَتى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ ٱبْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ(۱)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے 'وہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے بازار سے روغن زیتون خریدا' جب میں نے اسے اپنے قبضے میں کر لیا تو مجھے ایک شخص ملا جو اس مال کو اچھے منافع پر خریدنے کی پیشکش کر رہا تھا۔ میں نے سودا کرنے کا ارادہ کر لیا کہ اچانک ایک شخص نے پیچھے سے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں نے مڑ کر

---

(۱) متن کی حدیث کے حوالہ جات: سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۳' سنن ابی داؤد ۳۴۹۹ ' موارد الظمان ۱۱۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھا تو یہ حضرت زید بن ثابتؓ تھے ' انہوں نے فرمایا: "اسے اس مقام پر فروخت نہ کرو جہاں سے تم نے اسے خریدا ہے جب تک اسے اپنے ٹھکانے پر لے جا کر محفوظ نہ کر لو ' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ تجارتی سامان وہیں فروخت کر دئے جائیں جہاں سے انہیں خریدا گیا ہو جب تک تاجر لوگ انہیں اپنے ٹھکانوں پر لے جا کر محفوظ نہ کرلیں۔" اس کی روایت امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے کی ہے ' اور الفاظ ابوداؤدؒ کی روایت کے ہیں - ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے -

متن کے الفاظ ہیں: " فاردت ان اضرب علی ید الرجل" (میں نے اس شخص کے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا ارادہ کر لیا) یعنی عقد بیع کرنے کا - یہ محاورہ ان ہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے - یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مشتری کے لئے اپنا خریدا ہوا مال آگے فروخت کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک وہ اسے اپنے ٹھکانے پر لے جا کر محفوظ نہ کر لے - ظاہری طور پر اس سے مراد قبضہ ہے لیکن اس کی تعبیر مذکورہ الفاظ میں اس لئے کی گئی کہ مشتری کے قبضے میں آنے کا غالب مفہوم یہی ہے کہ وہ اسے اپنے ٹھکانے پر لے جا کر محفوظ کر لے۔ اپنے مخصوص ٹھکانے کے سوا کسی اور جگہ منتقل کر دینا بھی جمہور کے نزدیک قبضہ ہے۔ تاہم امام شافعی کے نزدیک اس میں تفصیل ہے - انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر مذکورہ مال ہاتھ میں پکڑا جا سکتا ہو مثلاً وزنی اور کپڑا وغیرہ تو اسے قبضے میں لے لینا ہی اسکی نقل مکانی تصور ہو گی اور اگر اسے عادۃً منتقل کیا جاتا ہو مثلاً لکڑیاں ' دانے ' اور جانور وغیرہ تو اس پر قبضہ اسے کسی اور جگہ منتقل کرنے کے ذریعہ ہو گا۔ اگر وہ غیر منقولہ ہو ' مثلاً زمین مکان وغیرہ نیز درخت پر لگے ہوئے پھل تو اس پر قبضہ اسے خالی کرا کے عمل میں آئے گا -متن میں حضرت ابن عمرؓ کے الفاظ ہیں (فلما استوجبته جب میں نے اسے قبضے میں لے لیا) ابو داؤدؒ کی روایت میں (استوفیتہ میں نے اسے وصول کر لیا) کا لفظ ہے - ظاہر تو یہی ہے کہ اس سے مراد یہ بتانا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مذکورہ روغن اپنے قبضے میں لے لیا تھا لیکن اسے اپنے ٹھکانے پر لے جا کر محفوظ نہیں کیا تھا۔ اس مفہوم پر حضرت زیدؓ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ : "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ ایک مال وہیں فروخت کر دیا جائے جہاں سے اسے خریدا گیا ہو جب تک تاجر لوگ اسے اپنے ٹھکانوں پر لے جا کر محفوظ نہ کرلیں۔

۷۵۶/۲۳ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَبِيعُ الإِبِلَ بِالْبَقِيعِ. فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ، وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ، آخُذُ هٰذَا مِنْ هٰذِهِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَأُعْطِي هٰذِهِ مِنْ هٰذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ (۱).

"اور انھی سے (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے) روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! میں بقیع کے مقام پر اونٹ فروخت کرتا ہوں اور دیناروں میں فروخت کرکے دراہم اور دراہم میں فروخت کر کے دینار وصول کرتا ہوں۔ میں اس کی بجائے یہ لے لیتا ہوں اور اسکی بجائے یہ دے دیتا ہوں۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اسے اسی دن کے بھاؤ کے حساب سے لے لو بشرطیکہ تم دونوں (تم اور تمہارا گاہک) ایک دوسرے سے اس حالت میں علیحدہ نہ ہو جاؤ کہ تمہارے درمیان کچھ لین دین باقی رہ گیا ہو۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سونے کی بجائے چاندی اور چاندی کی بجائے سونا ادا کر دینا جائز ہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ دیناروں کے بدلے مال فروخت کرتے اور مشتری کے ذمہ انکے لئے ثمن کے طور پر دینار لازم ہو جاتے اور پھر ابن عمرؓ دیناروں کی بجائے درہم وصول کر لیتے یا اس کے برعکس صورت ہوتی۔ ابوداؤد نے ان الفاظ کے ساتھ باب کا عنوان قائم کیا ہے: "چاندی کی بجائے سونا وصول کرنے کا باب" اس میں روایت کے الفاظ یہ ہیں "میں بقیع کے مقام پر اونٹ فروخت کرتا تھا۔ اور دیناروں پر فروخت کرکے دراہم اور دراہم پر فروخت کر کے دینار وصول کرتا تھا" پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا' آپؐ نے جواب میں فرمایا: "اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اسے اسی دن کے بھاؤ کے حساب سے لے لو بشرطیکہ تم دونوں ایک دوسرے سے اس حالت میں علیحدہ نہ ہو جاؤ کہ تمہارے درمیان کچھ لین دین باقی رہ گیا ہو۔"

زیر نظر حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ دینار و درہم دونوں نقدیاں موجود نہیں تھیں بلکہ ان میں سے ایک نقدی موجود تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بیان فرما دیا کہ اگر بائع اور مشتری اس طریقے سے سودا کریں تو اس کا حق یہ ہو گا کہ دونوں ایک دوسرے سے اس وقت علیحدہ ہوں جب ایک کے ذمہ واجب الادا رقم کے بدلے جو رقم لازم ہو اس پر قبضہ ہو جائے۔ اس لئے یہ بات جائز نہیں کہ بائع کچھ دینار تو اپنے قبضے میں کر لے اور مشتری کے ذمہ جو دینار واجب الادا ہیں انکے عوض میں ملنے والی رقم (مثلاً دراہم) کا کچھ حصہ وصول ہونے سے باقی رہ جائے یا اسکے برعکس صورت ہو۔

---

(۱) متن کی حدیث کے حوالہ جات: سنن ابی داؤد ۳۳۵۴' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۸۱' ۲۸۳ مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۹' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۵۴' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۵' مشکواۃ المصابیح ۲۸۷۱' کنزالعمال ۹۷۱۱' مستدرک ج ۲ ص ۴۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اس لین دین کا تعلق "باب صرف" (سونے چاندی کی بیع) سے ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ بائع اور مشتری اس حالت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں کہ ان کے درمیان کچھ لین دین باقی رہ گیا ہو۔ ابو داؤد کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اسے اسی دن کے بھاؤ کے حساب سے لے لو۔" تو ظاہر بات یہی ہے کہ یہ شرط نہیں ہے اگرچہ واقعاتی طور پر اسی کے مطابق زیادہ تر عمل ہوتا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ: "جب اصناف مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔"

٧٥٧/٢٤ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(١).

"انھی سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے۔" (متفق علیہ)

(۱) حضرت ابن عمرؓ سے

(۲) لغت میں نجش شکار کو اسکے ٹھکانے سے بھڑکا کر باہر بھگانے کو کہتے ہیں تاکہ اس طرح اس کا شکار کر لیا جائے۔ اور شرع میں فروخت کے لیے رکھے ہوئے سامان کے ثمن میں اضافہ کرنے کو نجش کہا جاتا ہے - یہ اضافہ ایک شخص اس لئے نہیں کرتا کہ اس کا ارادہ مذکورہ مال خریدنے کا ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو دھوکا دینا مقصد ہوتا ہے - اس فعل کے کرنے والے کو ناجش اس لئے کہا جاتا ہے کہ مذکورہ سامان کے لیے وہ دوسروں کی رغبت کو بھڑکاتا اور اس کا ثمن بڑھا دیتا ہے۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ناجش اپنے اس فعل کی وجہ سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ البتہ اگر ایک سودا اس طرح ہو جائے تو اس کے حکم کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ ائمہ حدیث کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ بیع فاسد ہے۔ اہل ظاہر کا بھی یہی قول ہے اور حنابلہ کا مشہور مسلک بھی یہی ہے اور امام مالک سے ایک روایت یہی ہے۔ تاہم حنابلہ کا کہنا ہے کہ اگر بائع یا ناجش کی طرف سے موافقت اور گٹھ جوڑ کی صورت ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ مالکیہ کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں مشتری کے لیے خیار ثابت ہو جائے گا۔ ھادویہ (فقیہ الھادی کے پیروکاروں) کا قول بھی یہی ہے اور اسے مصراۃ (مادہ جانور کا دودھ

---

(۱) دیکھئے صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۵۵، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۱۶، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۵۸، سنن ابن ماجہ ۲۱۷۳، مسند احمد ج ۲ ص ۶۳، ۱۰۸، ۱۵۶، شرح السنہ ج ۸ ص ۱۲۱، مسند الشافعی ص ۱۷۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسکے تھنوں میں روک لیا جائے تاکہ تھن بڑا نظر آئے اور خریدار دھوکہ کھا جائے) پر قیاس کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک ایسی بیع درست ہے۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ: ''نہی چونکہ ایسے امر کی طرف راجع ہے جو بیع سے ایک علیحدہ چیز ہے یعنی دھوکہ دہی کا قصد' اس لئے یہ نہی فساد بیع کی مقتضی نہیں ہے۔

ابن عبدالبر' ابن عربی اور ابن حزم سے منقول ہے کہ تحریم کا حکم اس وقت عائد ہو گا جب مذکورہ اضافہ ثمن مثل سے زائد ہو' اس لئے اگر کوئی شخص ایک مال کو اس کی اصل قیمت سے کم پر فروخت ہوتا ہوا دیکھے اور پھر اصل قیمت کی سطح تک پہنچانے کے لئے اس کی قیمت بڑھا دے تو یہ ناجش اور گنہگار نہیں کہلائے گا بلکہ اپنے حسن نیت کی بنا پر اجر کا مستحق ہو گا۔ ان حضرات کے نزدیک اس کا یہ فعل خیر خواہی کے ضمن میں آئے گا۔ لیکن یہ بات اس لئے قابل رد ہے کہ مذکورہ خیر خواہی اس اشارے کے بغیر وجود میں آئے گی کہ وہ خریداری کا ارادہ رکھتا ہے اور اگر خریداری کے ارادے کا اشارہ ساتھ ہو تو یہ دھوکہ دہی اور فریب کاری ہو گی۔ ایک وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے ابن ابی اوفی سے ارشاد باری تعالیٰ: ان الذین یشترون بعھداللہ وایمانھم ثمنا قلیلا۔ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ثمن قلیل خریدتے ہیں ..... تا آخر آیت' سورہ آل عمران آیت ۷۷) کے سبب نزول کے بارے میں روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''ایک شخص نے اپنا مال دکھاتے ہوئے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس نے اس مال کے بدلے اتنی رقم ادا کی ہے' جب کہ اس نے اتنی رقم ادا نہیں کی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی اوفی نے کہا کہ ''ناجش سود خور اور خائن ہے۔'' اس طرح ابن ابی اوفی نے اس شخص کو ناجش قرار دیا جو اپنے مال کی خریداری کی رقم قیمت خرید سے زائد بتائے کیونکہ ایسے شخص کی مشارکت اس شخص کے ساتھ ہو جاتی ہے جو مال کے ثمن میں اضافہ کر دیتا ہے اور خریداری کا ارادہ نہیں رکھتا تاکہ اس طرح دوسروں کو نقصان پہنچائے۔ اس بنا پر یہ دونوں افراد حکم کے اندر شریک ہو گئے۔ اگر ناجش بائع کے سوا کوئی اور ہو تو وہ اس صورت میں سود خوار قرار پائے گا جب بائع نے اس کے لئے کوئی اجرت مقرر کر رکھی ہو۔

۷۵۸/۲۵ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ؛ «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخَابَرَةِ، وَعَنِ الثُّنْيَا، إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ(۱).

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ'

---

(۱) (متن کی حدیث کے حوالہ جات: سنن ابی داؤد ۳۳۵۴' ۳۳۵۵' سنن نسائی ج ۷ ص ۳۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۴' ۳۸۴' ج ۳ ص ۶۷' ۳۹۳' ج ۵ ص ۱۸۵' التمہید ج ۶ ص ۳۴۲' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۶' ۴۸' مشکل الاثار للطحاوی ج ۱ ص ۴۲' ج ۳ ص ۲۸۴' ۲۹۰' ۲۹۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزابنہ' مخابرہ اور استثناء سے منع فرمایا ہے۔ الا یہ کہ (استثناء) معلوم ہو۔" ابن ماجہ کے سوا باقی اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) محاقلہ بروزن مفاعلہ حرف حاء اور حرف قاف کے ساتھ

(۲) مزابنہ اسی وزن پر حرف زاء' حرف باء اور حرف نون کے ساتھ

(۳) مخابرہ اسی وزن پر حرف خاء' حرف باء اور حرف راء کے ساتھ

(۴) الثنیا حرف ثاء پر پیش' حرف نون پر زبر اور حرف یاء کے ساتھ بروزن ثریا یعنی استثناء

(۵) "معلوم" اس کا تعلق آخری بات یعنی استثناء سے ہے

یہ حدیث چار صورتوں پر مشتمل ہے جن سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے:

اول: محاقلہ' اسکی تفسیر حدیث کے راوی حضرت جابرؓ نے یہ کی ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ اپنی کھڑی فصل ایک سو فرق (ناپنے کا ایک برتن) گندم کے بدلے فروخت کردے۔ ابو عبید نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اناج کو اس کی بالیوں میں فروخت کر دیا جائے۔ امام مالکؒ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ زمین کو اس کی پیداوار کے ایک حصے کے بدلے کرائے پر دے دیا جائے۔ مخابرہ بھی تو یہی ہے اور اس روایت میں اس پر مخابرہ کے عطف کی وجہ سے یہ ایک بعید تفسیر بن گئی ہے' نیز اس لئے بھی کہ صحابی اپنی روایت کی تفسیر بہتر طور پر جانتا ہے اور حضرت جابرؓ نے اس کی وہی تفسیر کی ہے جو انہیں معلوم تھی جس طرح امام شافعیؒ نے ان سے اس کی روایت کی ہے۔

دوم: مزابنہ' یہ لفظ زبن (حرف زاء پر زبر اور باء ساکن سے ماخوذ ہے جس کے معنی زور سے دھکا دینے کے ہیں' گویا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک دوسرے کو اس کے حق سے بزور ہٹاتا ہے۔ امام مالکؒ کی روایت کے مطابق حضرت ابن عمرؓ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ تر کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے اور انگور کو زبیب (کشمش) کے بدلے کیل یعنی پیمانے سے ناپ کر فروخت کیا جائے۔ امام شافعیؒ نے "الام" کے اندر حضرت ابن عمرؓ سے اس کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ ان "احادیث کے اندر محاقلہ اور مزابنہ کی تفسیر کے اندر احتمال ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث کے راوی نے یہ تفسیر کی ہو"۔ اس قسم کی بیع سے ممانعت کی علت ربوا ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان تساوی اور مقدار میں یکسانیت کا علم نہیں ہوتا۔

سوم: مخابرہ' اس کا تعلق مزارعت سے ہے یعنی زمین کی پیداوار کے بعض حصے کے بدلے اس پر کاشت کا معاملہ کرنا۔ مزارعت کے باب میں اس پر بحث آئے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چہارم: استثناء ۔ بیع میں اس کی ممانعت ہے' الا یہ کہ اس کا علم ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز فروخت کرے اور اس کے بعض حصے کو بیع سے مستثنیٰ کر دے۔ لیکن اگر یہ بعض حصہ معلوم ہو تو پھر استثناء درست ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص چند درخت یا انگور کی بیل فروخت کرے اور ان میں سے ایک معین درخت یا بیل کو مستثنیٰ کر دے تو یہ بیع بالاتفاق درست ہو گی۔ حضرات فقہاء نے کہا ہے کہ اگر بائع کہے: "ان میں سے بعض درخت یا بیل" تو بیع درست نہیں ہو گی کیونکہ استثناء غیر واضح ہے ۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ اگر استثناء شدہ مقدار کا علم ہو تو استثناء مطلقاً" درست ہو جائے گا۔ ایک قول کے مطابق اگر مبیع کے تیسرے حصے سے زائد مقدار مستثنیٰ کر دی گئی ہو تو یہ استثناء درست نہیں ہو گا۔ استثناء سے نہی کی وجہ لاعلمی ہے اور جو مقدار معلوم ہو اس سے علت کی نفی ہو جائے گی اور پھر یہ استثناء نہی کے حکم سے خارج ہو جائے گا۔ نص حدیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الا یہ کہ اس کا علم ہو" کے ذریعے علت سے آگاہ کر دیا ہے۔

٧٥٩/٢٦ ـ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُخَاضَرَةِ، وَالْمُلَامَسَةِ، وَالْمُنَابَذَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(١).

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ ' مخاضرہ ملامسہ' منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) مخاضرہ: حرف خاء اور حرف ضاد کے ساتھ ۔ یہ لفظ خضرہ سے نکلا ہے ۔ منابذہ ۔ حرف ذال کے ساتھ۔

یہ حدیث بیع کی پانچ ممنوعہ صورتوں پر مشتمل ہے:

اول: محاقلہ ' اس پر گفتگو گذشتہ اوراق میں ہو چکی ہے ۔

دوم: مخاضرہ۔ قابل استعمال ہونے سے پہلے پھلوں اور اناج کی فروخت ۔ پھلوں اور اناج کی درست بیع کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے ۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ جب درخت پر لگے ہوئے پھل قابل انتفاع حد کو پہنچ جائیں خواہ ان پر پک جانے کا رنگ نہ بھی آیا ہو اور خوشوں میں موجود دانے سخت نہ ہوئے ہوں تو انہیں توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع درست ہو جائے گی ' لیکن اگر انہیں درختوں پر لگے رہنے اور خوشوں میں باقی رکھنے کی شرط لگائی جائے تو ایسی صورت میں بیع درست نہیں ہو گی۔اس پر سب کا اتفاق ہے کیوں کہ اس صورت میں بائع کی ملکیت بروئے کار رہے گی یا اس لئے کہ یہ ایک سودے میں دو سودوں کی

---

(۱) متن کی حدیث کا حوالہ: بخاری شریف باب ۹۳ کتاب البیوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت ہو گی' اگر یہ قابل استعمال حد کو پہنچ جائیں' وہ اس طرح کہ خوشوں میں دانے سخت ہو جائیں اور پھلوں پر پکنے کا رنگ آ جائے تو انکی بیع بالاتفاق درست ہو گی ۔ لیکن اگر مشتری انہیں درختوں پر لگے رہنے اور بالیوں میں باقی رکھنے کی شرط عائد کر دے تو اس صورت میں ایک قول کے مطابق بیع درست نہیں ہو گی اور ایک قول کے مطابق درست ہو جائے گی ۔ ایک اور قول کے مطابق اگر باقی رکھنے کی مدت معلوم ہو تو بیع درست ہو جائے گی۔ اگر معلوم نہ ہو تو بیع درست نہیں ہو گی ۔ اگر بعض حصے قابل استعمال ہوں اور بعض نہ ہوں تو بیع درست نہ ہو گی۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں بلا دلیل تفصیلات ہیں ۔

سوم : ملامسہ : اس کی وضاحت زہری سے امام بخاری کی روایت نے کی ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص رات یا دن کے وقت کپڑے کو اپنا ہاتھ لگا دے۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اسکی تشریح میں روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے :" میں تمہارے ہاتھ اپنا کپڑا تمہارے کپڑے کے بدلے فروخت کرتا ہوں۔" اور دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے' صرف ہاتھ لگا دے ۔ امام احمد نے عبدالرزاق سے اور انھوں نے معمر سے روایت کی ہے کہ ملامسہ یہ ہے کہ مشتری اپنے ہاتھ سے کپڑے کو چھولے اور اسے نہ پھیلائے اور نہ ہی الٹائے پلٹائے۔ جب وہ اسے ہاتھ لگادے تو بیع واجب ہو جائے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے' اس کے مطابق دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے کپڑے کو بس ہاتھ لگا دے اور سوچ بچار نہ کرے ۔

چہارم : منابذہ : ابن ماجہ نے سفیان سے اورانہوں نے زہری سے جو روایت کی ہے اس کے مطابق منابذہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ :" جو کچھ تمہارے پاس ہے میرے سامنے ڈال دو اور جو کچھ میرے پاس ہے میں تمہارے سامنے ڈال دوں۔ " نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دوسرے سے کہے : "میرے پاس جو کچھ ہے میں پھینکتا ہوں اور تمہارے پاس جو کچھ ہے تم پھینک دو۔ " اور اس طرح ہر ایک دوسرے سے خریداری کر لے اور دونوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہو کہ دوسرے کے پاس کتنا ہے ۔ امام احمد نے عبدالرزاق سے اور انہوں نے معمر سے روایت کی ہے کہ منابذہ یہ ہے کہ بائع یا مشتری کہے: "جب میں یہ کپڑا پھینک دوں تو بیع واجب ہو گئی۔" امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ منابذہ کی صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے۔ مذکورہ بالا فقرے "بیع واجب ہو گئی" سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ملامسہ اور منابذہ کی بیع میں ہاتھ لگانے اور پھینکنے ہی کو بیع قرار دیا گیا ہے اور بیع کا صیغہ استعمال نہیں ہوا ہے ۔ حدیث میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکور نہی کا ظاہری معنی تحریم ہے - اس بارے میں فقہاء کی تفصیلات ہیں جن کے ذکر کے لئے اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے-

شارح نے یہاں پانچویں صورت مزابنہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ پہلے گذر چکی ہے ---- مترجم

(فائدہ) شرح کے اندر مذکور فقرے "کوئی بھی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے) سے استدلال کیا گیا ہے کہ غائب چیز کی بیع درست نہیں ہے - پہلا قول یہ ہے کہ ایسی بیع درست نہیں ہے' یہ امام شافعیؒ کا قول ہے -

دوسرے قول کے مطابق یہ بیع درست ہے اور مشتری جب مبیع کو دیکھے گا تو اسے خیار حاصل ہو جائے گا (یعنی اگر چاہے تو بیع کو باقی رکھے اور اگر نہ چاہے تو ختم کر دے - مترجم) یہ ھادویہ اور حنفیہ کا قول ہے -

تیسرا قول ہے کہ اگر بائع اس غائب مال کی پوری کیفیت بیان کر دے تو بیع درست ہو جائے گی ورنہ نہیں - یہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نیز دیگر حضرات کا قول ہے - درج بالا فقرے سے نابینا کی بیع کے بطلان پر استدلال کیا گیا ہے - اس میں بھی تین اقوال ہیں :

پہلا قول بطلان کا ہے- یہ اکثر شوافع کا قول ہے حتی کہ ان میں سے غائب چیز کی بیع کو جائز قرار دینے والوں نے بھی نابینا کی بیع کو باطل کہا ہے کیونکہ نابینا بیع کے بعد مبیع کو کسی طرح دیکھ نہیں سکتا-

دوسرا قول مذکورہ بیع کے درست ہونے کا ہے بشرطیکہ بائع نے مبیع کی پوری کیفیت بیان کر دی ہو -

تیسرا قول مطلقاً صحت کا ہے' یہ ھادویہ اور حنفیہ کا قول ہے -

٧٦٠/٢٧ - وَعَنْ طَاوُسٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَلَقَّوا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ». قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا قَوْلُهُ: «وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ؟». قَالَ: لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَاراً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(١).

طاؤس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- "قافلوں سے جا کر نہ ملو اور کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے خرید و فروخت نہ کرے!" میں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے

---

(١) طاؤس کی روایت کے حوالہ جات : بخاری شریف ج ۴ ص ۳۷۰' سنن ابی داؤد ۳۴۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرید و فروخت نہ کرے۔" کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے جواب دیا :" شہری دیہاتی کا دلال نہ بنے۔" (متفق علیہ) اس روایت کے الفاظ امام بخاری کے ہیں۔

اس حدیث میں بیع کی دو صورتوں کی ممانعت ہے:

پہلی صورت: قافلوں سے جا کر ملنے کی ممانعت ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے لئے غلے وغیرہ لے کر شہر میں فروخت کرنے کے لئے آتے ہیں خواہ وہ سوار ہوں یا پیدل' گروہ کی شکل میں ہوں یا تنہا' حدیث کا طرز بیان اغلب صورت کے مطابق ہے کہ غلہ وغیرہ لانے والے ایک سے زائد تعداد میں اکٹھے آتے ہیں۔ ان سے جا کر ملنے کی ابتداء اس بازار سے باہر ہو گی جہاں اشیائے تجارت فروخت ہوتی ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ :"ہم قافلوں سے جا کر ملتے اور ان سے طعام (غلہ) خرید لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی فروخت سے منع فرمایا جب تک اسے غلے کے بازار میں نہ پہنچا دیا جائے۔"

ایک اور روایت میں یہ بیان ہے کہ قافلوں سے ملنا بازار میں نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "لوگ بازار کے بالائی حصے میں طعام کی خریداری کرتے تھے اور اسی مقام پر اسے فروخت کر دیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوسری جگہ منتقل کئے بغیر اسی مقام پر اس کی فروخت سے لوگوں کو منع فرما دیا۔ اس کی روایت امام بخاری نے کی ہے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بازار کے بالائی حصے کی طرف جانا تلقی (قافلے سے ملنا) نہیں ہے نیز یہ کہ بازار سے اوپر کا حصہ تلقی کی منتہا ہے۔

ھادویہ اور شوافع کا قول ہے کہ قافلوں سے جا کر ملنے کا عمل صرف شہر سے باہر جا کر ہوگا۔ انہوں نے گویا اس مفہوم کو پیش نظر رکھا ہے جو ممانعت کے مناسب ہے۔ یعنی غلہ وغیرہ لانے والے کو دھوکا دینا' کیونکہ وہ جب شہر میں آ جائے گا تو بازار کے بھاؤ سے واقف ہو کر اپنا مال فروخت کرے گا اور منافع بھی حاصل کر لے گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ اس کی اپنی کوتاہی ہوگی۔ مالکیہ' امام احمد اور اسحاق نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے مطلقاً" بازار کا اعتبار کیا ہے۔

حدیث میں وارد نہی اس صورت میں تحریم کے معنوں میں ہوگی جب قافلے سے ملنے کا قصد کرنے والا اس نہی سے آگاہ ہو۔ امام ابو حنیفہؒ اوراوزاعیؒ سے مروی ہے کہ اگر قافلے سے جا کر ملنا لوگوں کے لیے ضرر رساں نہ ہو تو یہ جائز ہوگا۔ اگر ضرر رساں ہو تو مکروہ ہو گا۔ اگر ایک شخص قافلے سے جا کر ملے اور خریداری کر لے تو ھادویہ اور شوافع کے نزدیک یہ بیع درست ہو گی تاہم امام شافعیؒ کے نزدیک بائع کے لئے خیار ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے اور ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں :" قافلے سے جا کر نہ ملو" اگر کوئی انسان قافلے سے جا کر ملے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خریداری کر لے تو اسکے دوست (بائع کو خیار حاصل ہوگا جب وہ بازار پہنچ جائے۔" حدیث کا ظاہریہ بتا رہا ہے کہ نہی کی علت میں بائع کا نفع اور اس سے ضرر کا ازالہ پیش نظر ہے - ایک قول کے مطابق بازار والوں کا نفع پیش نظر ہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی حدیث ہے کہ :۔ جب تک اشیائے تجارت کو لے کر بازار میں نہ پہنچ جاؤ اس وقت تک ان سے نہ ملو۔" (یعنی انکی خریداری نہ کرو)

تلقی رکبان کے تحت بیع درست ہے یا فاسد ؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جن فقہاء کا ہم نے ابھی اوپر ذکر کیا ہے انکے نزدیک یہ بیع درست ہے کیونکہ نہی نفس عقد کی طرف راجع نہیں ہے نہ ہی اس کے کسی لازمی وصف کی طرف ' اس لئے یہ نہی فساد بیع کی مقتضی نہیں ہو گی - علماء کا ایک گروہ ایسی بیع کے فاسد ہونے کا قائل ہے کیونکہ نہی مطلقاً" فساد بیع کی مقتضی ہے اور یہی بات دل کو زیادہ لگتی ہے - علماء کی ایک جماعت نے قافلے سے جا کر ملنے کی تحریم کی چند شرطیں لگائی ہیں - ایک قول کے مطابق تحریم کی شرط یہ ہے کہ قافلے سے جا کر ملنے والا شہر کے اندر اشیائے تجارت کے بھاؤ کے متعلق کذب بیانی کرے اور ان سے ثمن مثل سے کم قیمت پر اشیاء خرید لے - ایک اور قول کے مطابق وہ قافلے والوں کو شہر میں جانے کے کثیر اخراجات کا جھانسہ دے - کسی نے کہا ہے کہ وہ انہیں جا کر بتائے کہ انکے پاس جو اشیاء تجارت ہیں شہر میں ان کی کساد بازاری ہے اور اس طرح انہیں ٹھگ لے - تاہم یہ تمام تقییدات بلادلیل ہیں - بلکہ حدیث نے نہی کو مطلق رکھا ہے اور نہی میں اصل مطلقاً" تحریم ہے - دوسری صورت : کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے خرید و فروخت نہ کرے' اس کی تفسیر ابن عباسؓ نے یہ کی ہے کہ شہری دیہاتی کا دلال نہ بنے - حدیث میں اس کے لئے سمسار کا لفظ آیا ہے (حرف سین ' حرف میم اور حرف سین کے ساتھ) جو اصل کے اعتبار سے اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہو۔ پھر اجرت لے کر دوسروں کے لئے خرید و فروخت کا کام کرنے والے کے لئے یہ لفظ مشہور ہو گیا - امام بخاری نے اسی طرح کی قید لگائی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو مطلق احادیث کے لئے قید قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص اجرت کے بغیر کسی کے لئے یہ کام کرے تو امام بخاری نے اس صورت کو خیر خواہی اور ہاتھ بٹانے کے باب سے شمار کیا ہے اور جائز قرار دیا ہے - تاہم علماء کے اقوال کا ظاہری معنی یہ ہے کہ نہی اجرت والی اور بغیر اجرت والی دونوں صورتوں کو شامل ہے - بعض علماء نے دیہاتی کے لئے شہری کی خرید و فروخت کی یہ صورت بیان کی ہے کہ مثلاً ایک اجنبی شخص کوئی مال لے کر فروخت کے ارادے سے شہر میں آئے اور اسے فی الوقت بھاؤ پر فوری طور پر فروخت کرنا چاہے - پھر اس کے پاس شہری آئے اور کہے کہ " تم اپنا یہ مال میرے پاس رکھ جاؤ' میں اسے تمہارے لئے موجودہ بھاؤ سے زیادہ پر تھوڑا تھوڑا کر کے فروخت کردوں گا۔" پھر بعض علماء نے اس حکم کو دیہاتی کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قید قرار دیا ہے۔ بعض نے شہری کو بھی اس صورت میں دیہاتی کے ساتھ ملحق کر دیا ہے جب شہری بازاری بھاؤ سے ناواقفیت کے اندر دیہاتی کی طرح ہو۔ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث کے اندر دیہاتی کا ذکر غالب احوال کی بنا پر ہوا ہے ' اور ایسے دیہاتی جنہیں شہری بازاروں کے بھاؤ کا علم ہو وہ اس میں داخل نہیں ہیں ۔ بعض علماء نے اس حکم کو نہی کے علم کی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے نیز یہ کہ قافلے کے ذریعے آنے والا مال عام ضرورت کی اشیاء میں سے ہو اور یہ بھی کہ شہری دیہاتی کو اس خرید و فروخت کی پیشکش کرے۔ اگر یہ پیشکش دیہاتی کرے تو پھر اس بیع کی ممانعت نہیں ہو گی ۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ان تمام قیود پر حدیث کی دلالت نہیں ہے بلکہ انکے قائلین نے ان کا استنباط حدیث کی ایسی علتیں بیان کر کے کیا ہے جو حدیث کے حکم سے نکالی گئی ہیں۔

آپ کو یہ معلوم ہے کہ نہی کی اصل تحریم ہے اور یہاں علماء کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے ۔ جب کہ کچھ دیگر علماء کا قول ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور جس طرح بیع کے لئے توکیل (کارندہ بنانا) مطلقاً" جائز ہے اسی طرح یہ بیع بھی مطلقاً" جائز ہے ۔ اس کی تائید میں نصیحت (خیر خواہی) والی حدیث بھی ہے ۔

زیر نظر حدیث کے بارے میں نسخ کا دعوی درست نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے تاریخ کی معرفت ضروری ہے تاکہ بعد والی حدیث کا علم ہو سکے ۔ جہاں تک نصیحت والی حدیث کا تعلق ہے تو اس کے الفاظ یہ ہیں : اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے نصیحت طلب کرے تو وہ زبان سے اسے نصیحت کرے۔ (۱)" نہ یہ کہ اس کے لئے خرید و فروخت کی ذمہ داری سنبھال لے۔ یہ بات دیہاتی کے لئے شہری کی فروخت کے حکم میں ہے۔

اسی طرح کا حکم اس کے لئے خریداری کا بھی ہے ' اس لئے کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے کسی قسم کی خریداری نہ کرے۔ امام بخاری نے ایک باب کا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: " دلالی کے طور پر کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے خریداری نہ کرے (۲)"۔ اور فرمایا: " ابن حبیب مالکی کا قول ہے کہ دیہاتی کے لئے

---

(۱) نصیحت والی حدیث کے مراجع: بخاری شریف ج ۳ ص ۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۸' معانی الاثار ج ۴ ص ۱۱' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۳۰۳

(۲) حدیث " تم میں سے بعض بعض کی بیع پر بیع نہ کرے " کے حوالہ جات :۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۹۰' ۹۲ ' مسلم شریف باب ۲ حدیث ۴۹ من النکاح' باب ۴ حدیث ۷ ' ۱۱ من البیوع' باب ۹ حدیث ۲۹' باب ۱۰ حدیث ۳۲ من البر والصله ' سنن ابی داؤد ۳۴۳۶ ' سنن نسائی باب ۱۷' ۲۰'۲۱ من البیوع ' سنن ترمذی ۱۲۹۲' سنن ابن ماجه ۲۱۷۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۰' ۳۸۰' ۴۲۰' ۴۶۰ سنن کبری ج ۵ ص ۳۴۴' ج ۶ ص ۹۲' ج ۸ ص ۲۵۰ ' بدائع المنن ۱۲۲۳' مسند شافعی ۱۷۳' شرح السنه ج ۸ ص ۱۱۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۵' نصب الرایه ج ۴ ص ۲۱ ارواء الغلیل ج ۵ ص ۱۳۶' فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۱ ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خریداری بیع کی طرح ہے۔" کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ : "تم میں سے بعض بعض کی بیع پر بیع نہ کرے"۔

اس کے معنی خریداری کے ہیں - ابو عوانہ نے اپنی کتاب " صحیح ابی عوانہ" میں ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ: " میں حضرت انس بن مالکؓ سے ملا اور کہا کہ : "کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے" کی حدیث کے تحت کیا آپ لوگوں (صحابہ کرام) کو دیہاتیوں کے لئے فروخت یا انکے لئے خریداری کا کام کرنے سے نہیں روکا گیا ہے ؟ "حضرت انسؓ نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ ابو داؤد نے حضرت انسؓ بواسطہ ابن سیرین روایت کی ہے کہ : "کہا جاتا ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے۔ یہ ایک جامع فقرہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ شہری دیہاتی کے لئے نہ تو کوئی چیز فروخت کرے اور نہ ہی اسکے لئے کوئی خریداری کرے۔

یہاں اگر یہ کہا جائے کہ قافلے سے جا کر ملنے کی نہی کے اندر یہ بات مد نظر رکھی گئی ہے کہ دیہاتی کو خرید و فروخت میں گھاٹا نہ اٹھانا پڑے جب کہ دیہاتی کے لئے شہری کی بیع کی نہی کے اندر شہر والوں کی سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور دیہاتی کے گھاٹے کو برداشت کر لیا گیا ہے - ان دونوں باتوں میں تناقض جیسی صورت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شارع کے مد نظر لوگوں کا مفاد ہوتا ہے اور شارع جماعت کے مفاد کو فرد کے مفاد پر مقدم رکھتا ہے۔ فرد کے مفاد کو جماعت کے مفاد پر نہیں - اب چونکہ دیہاتی کی بذات خود بیع کے نتیجے میں تمام بازار والوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ سستے داموں اشیاء خرید سکتے ہیں۔ اور اس طرح تمام اہل شہر فائدہ اٹھا سکتے ہیں ' اس لئے شارع نے دیہاتی کے فائدے کے مقابلہ میں اہل شہر کے فائدے کو پیش نظر رکھا۔ قافلے سے جا کر ملنے کے نتیجے میں چونکہ صرف ایک خاص فرد کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اس لئے اس کی اباحت میں کوئی مصلحت نظر نہیں آئی۔ خاص طور پر جب کہ اس کے ساتھ ایک اور علت کا بھی اضافہ ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ جب قافلے کو جا کر ملنے والا بازار والوں کا ساتھ چھوڑ کر تنہا ان سے ملے گا تو سستا مال حاصل کر کے اور بازار والوں کی آمدنی کے ذرائع بند کر کے ان کے نقصان کا سبب بن جائے گا جب کہ بازار والے تعداد میں اس سے زائد ہیں اس لئے شارع نے بازار والوں کا لحاظ کر لیا۔ اس بنا پر ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں ہے بلکہ حکمت اور مصلحت کے اعتبار سے دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

۷۶۱/۲۸ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَلَقَّوا الْجَلَبَ. فَمَنْ تُلُقِّيَ فَاشْتُرِيَ مِنْهُ، فَإِذَا أَتَى سَيِّدَهُ السُّوقَ فَهُوَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِالْخِيَارِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "باہر سے لائے ہوئے مال (مال بردار تجارتی قافلے) سے جا کر نہ لو' جو شخص جا کر ملے اور خریداری کر لے اور پھر جب مال کا مالک بازار میں آئے تو اسے خیار حاصل ہو گا (چاہے تو سودا باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے) امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) حدیث میں لفظ جلب (حرف لام پر زبر کے ساتھ) آیا ہے' یہ مصدر ہے اور اسم مفعول یعنی مجلوب (باہر سے لائے ہوئے مال) کے معنوں میں ہے۔

اس حدیث پر گفتگو گذر چکی ہے اور بائع کے لئے خیار کے ثبوت پر دلیل ہے۔ حدیث کا ظاہر تو یہی مفہوم پیش کر رہا ہے کہ اگر قافلے سے جا کر ملنے والا بازار کے بھاؤ کے مطابق خریداری کر لے تو بھی مذکورہ خیار ثابت رہے گا۔

۷۶۲/۲۹ ـ وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: : «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ، وَلَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَكْفَأَ مَا فِي إِنَائِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَلِمُسْلِمٍ: «لَا يَسُمْ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ الْمُسْلِمِ(۲)».

اور انھی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے روکا ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے خرید و فروخت کرے۔ ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ دو' ایک شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے' نہ ہی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام بھیجے اور نہ ہی کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق مانگے تاکہ بہن کے برتن میں جو کچھ ہے اسے الٹا دے" (متفق علیہ) امام مسلم کی روایت میں ہے:۔ "کوئی مسلمان کسی مسلمان کے مول تول پر مول تول نہ کرے۔"

---

(۱) حدیث "باہر سے لائے ہوئے مال سے جا کر نہ ملو" کے مراجع:۔ بخاری باب ۷۱ من البیوع' مسلم شریف حدیث ۱۵۱۹' سنن ابی داؤد ۳۴۳۷' سنن ترمذی ۱۲۲۱' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۵۷' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۷۳۵

(۱) حدیث "کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے" کے مراجع:۔ بخاری شریف باب ۵۱ من البیوع' مسلم شریف ۱۵۱۵ من البیوع' سنن ابی داؤد ۲۰۸۰' سنن ترمذی ۱۱۳۴' سنن ابن ماجہ ۲۱۷۲' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۵۸' ۲۵۹

(۲) حدیث "کوئی مسلمان کسی مسلمان کے مول تول پر مول تول نہ کرے" کے حوالہ جات:۔ مسلم شریف باب ۴ حدیث ۹ من البیوع باب' حدیث ۵۱' ۵۴ من النکاح' مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۶' ۷۴۲' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۷۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۱' مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۵۱' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۱۹' سنن کبری ج ۵ ص ۳۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) حضرت ابو ہریرہ سے

(۲) خطبہ (حرف خاء کے نیچے زیر کے ساتھ) پیغام نکاح، حرف خاء پر پیش کے ساتھ یہ لفظ خطبہ کے معنی ادا کرتا ہے مثلاً خطبہ جمعہ وغیرہ

(۳) اگر آپ برتن کو الٹ دیں تو کہیں گے "کفأت الاناء" (میں نے برتن کو الٹ دیا)

یہ حدیث چند ایسے مسائل پر مشتمل ہے جن کی ممانعت کر دی گئی ہے:-

پہلا مسئلہ: دیہاتی کے لئے شہری کی خرید و فروخت کی نہی، اس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

دوسرا مسئلہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ولا تناجشوا" اس کا عطف معنی کے اعتبار سے راوی کے قول "نھی" پر ہے کیونکہ پورے فقرے کا معنی یہ ہے کہ "کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے خرید و فروخت نہ کرے اور ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ دو۔" اس پر گفتگو حضرت ابن عمرؓ کی حدیث "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے۔" میں قریب ہی گذر چکی ہے۔

تیسرا مسئلہ: آپ کا ارشاد "ایک شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔" حدیث میں مذکور فعل مضارع (ولا یبیع) مرفوع بھی مروی ہے اور مجزوم بھی، پہلی صورت میں حرف لام نافیہ ہو گا اور دوسری صورت میں یہ لائے ناہیہ ہو گا۔ تاہم روایت میں مذکورہ فعل میں حرف یاء کی موجودگی پہلی تاویل کو تقویت دیتی ہے اور دوسری صورت میں اس کی موجودگی کی تاویل یہ ہو گی کہ فعل مجزوم کے ساتھ چونکہ غیر مجزوم کا معاملہ کیا گیا اس لئے حرف یاء کو باقی رہنے دیا گیا۔ ایک روایت میں حرف یاء محذوف ہے، ایسی صورت میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہو گا۔ بیع پر بیع کی صورت یہ ہے کہ بیع میں خیار واقع ہوا ہو اور پھر خیار کی مدت میں کوئی شخص آ کر مشتری سے کہے کہ: "تم یہ بیع فسخ کر دو اور میں تمہارے ہاتھ اس مبیع کے ثمن سے کم پر اسی جیسا یا اس سے اچھا مال فروخت کر دوں گا۔" یہی صورت خریداری پر خریداری کی ہے۔ مثلاً کوئی شخص بائع سے خیار کی مدت میں کہے کہ: "تم یہ بیع فسخ کر دو میں تم سے یہ مبیع اس ثمن سے زائد پر خرید لوں گا۔" مول تول پر مول تول کرنے کی صورت یہ ہے کہ مال کا مالک اور اس کی خریداری سے دلچسپی رکھنے والا دونوں اس کی بیع پر متفق ہو چکے ہوں لیکن ابھی عقد بیع ہونا باقی ہو، اسی دوران کوئی شخص بائع سے آ کر کہے: "میں تم سے یہ مال زیادہ قیمت پر خریدتا ہوں۔" جب کہ بائع اور پہلا مشتری دونوں مبیع کے ثمن پر متفق ہو چکے ہوں۔ ان تمام صورتوں کی تحریم پر نیز ان صورتوں کے مرتکب کے عاصی ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔

رہ گئی بیع مزابدہ (نیلامی) یعنی جو زیادہ قیمت دے اس کے ہاتھ مال فروخت کر دینا تو یہ ممنوع نہیں ہے۔ امام بخاری نے بیع المزابدہ کا باب قائم کیا ہے۔ اس بارے میں صریحاً" وہ حدیث وارد ہے جس کی تخریج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام احمد اور اصحاب سنن نے کی ہے۔ حدیث کے الفاظ امام ترمذی کے روایت کردہ ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اس کے راوی حضرت انسؓ ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ فروخت کے لئے پیش کرتے ہوئے فرمایا(۱)" یہ ٹاٹ اور یہ پیالہ کون خریدے گا؟" ایک صاحب نے عرض کیا کہ " میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لے لوں گا۔" اس پر آپؐ نے فرمایا:" ایک درہم پر کون اضافہ کرے گا؟" یہ سن کر ایک اور صاحب نے آپؐ کو دو درہم دئے اور آپؐ نے ان کے ہاتھ یہ دونوں چیزیں فروخت کر دیں۔" ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ " زیادہ بولی دینے والے کے ہاتھ بیع حرام نہیں ہے' اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ مکروہ ہے۔" اس قول کے حق میں ابن عبدالبر نے سفیان بن وہب کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیع مزابدہ سے روکتے ہوئے سنا تھا۔" لیکن یہ ابن لہیعہ کی روایت ہے اور وہ ضعیف ہے۔

چوتھا مسئلہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اور کوئی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔" امام مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے "الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔" ایک روایت میں ہے " یہاں تک کہ وہ اجازت دے دے۔" نہی اس فعل کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ اگر پیغام بھیجنے والے نے صریح طور پر پیغام نکاح بھیجا ہو اور اس نے دوسرے شخص کو اجازت نہ دی ہو اور نہ ہی اس سے دست بردار ہوا ہو تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کے پیغام کی تحریم پر علماء کا اجماع ہے۔ اگر ایسی صورت میں اس دوسرے شخص نے مخطوبہ سے نکاح کر لیا تو بالا تفاق گنہگار ہو گا تاہم جمہور کے نزدیک یہ نکاح درست ہو گا۔ جبکہ داؤد کے قول کے مطابق یہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ داؤد نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

یہاں صریح طور پر پیغام بھیجنے کی شرط عائد کی گئی ہے اگرچہ حدیث میں مطلقاً" نہی ہے تو اس کی وجہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا :" مجھے ابو جہم اور معاویہؓ نے پیغام نکاح بھیجا تھا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے پیغام پر دوسرے کے پیغام کی نکیر نہیں کی بلکہ اس کے باوجود حضرت اسامہؓ کے لئے انہیں پیغام نکاح بھیج دیا۔ یہاں یہ تاویل کرنا خلاف ظاہر ہو گا کہ مذکورہ بالا دونوں حضرات کو

---

(۱) حدیث "اس ٹاٹ کو کون خریدے گا" کے مراجع :۔ سنن ترمذی ۱۲۱۸' سنن ابی داؤد باب ۷۲ من البیوع' سنن ابن ماجہ ۲۱۹۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۳' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۱۹' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۴' الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۲۱' معانی الآثار ج ۳ ص ۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے کے پیغام بھیجنے کا مشورہ دیا تھا' پیغام نہیں بھیجا تھا۔

حضورؐ کا ارشاد "اپنے بھائی کے پیغام پر" تو اس سے دینی بھائی مراد ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص بھائی نہ ہو مثلاً کافر ہو تو ایسی صورت میں پیغام بھیجنا حرام نہیں ہو گا۔ کافر والی صورت وہ ہو گی جب عورت اہل کتاب میں سے ہو اور پیغام بھیجنے والا مسلمان اس کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتا ہو۔ اوزاعی کا یہی قول ہے۔ دوسرے حضرات کے قول کے مطابق کافر کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجنا بھی حرام ہے۔ حدیث میں چونکہ غالب حالات کے پیش نظر تقیید ہے اس لئے اس کے مفہوم کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔

پانچواں مسئلہ: حضورؐ کا ارشاد گرامی "کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق نہ مانگے۔" اس میں فعل (لاتسال) مرفوع بھی مروی ہے اور مجزوم بھی' دوسری صورت میں التقائے ساکنین کی وجہ سے حرف لام کے نیچے زیر ہو گی۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ کوئی غیر متعلقہ اور اجنبی عورت کسی مرد سے اسکی بیوی کو طلاق دینے کے لئے نہ کہے اور پھر خود اس سے نکاح کر لے اور اس طرح پہلی بیوی کو نان و نفقہ اور معاشرت کی جو سہولتیں حاصل تھیں' اسے حاصل ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر برتن الٹ دینے سے کی ہے' یہ تمثیل کی صورت ہے۔ گویا کہ مذکورہ سہولتیں چونکہ پہلی بیوی کے لئے مہیا کی گئی تھیں اس لئے یہ سہولتیں ان اشیاء کے حکم میں ہوں گی جنہیں بیوی نے برتن میں جمع کر رکھا ہو تاکہ ان سے وہ فائدہ اٹھاتی رہے۔ اب یہ سہولتیں اسکے قبضے سے نکل گئیں تو گویا برتن الٹ دیا گیا اور برتن کی چیزیں اس سے باہر آ گئیں۔ اس مجموعی صورت حال کی تعبیر دوسری مجموعی صورت حال سے کی گئی اسلئے کہ دونوں کے درمیان مشابہت موجود تھی۔

(یہ تشبیہ تمثیل یا تشبیہ مرکب کی شکل ہے۔ مترجم)

۷۶۳/۳۰۔ وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ. وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ. وَالْحَاكِمُ، وَلَكِنْ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلَهُ شَاهِدٌ(۱)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

(۱) متن کی حدیث کے حوالہ جات:۔ سنن ترمذی ۱۲۸۳' ۱۵۶۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۲۸' مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۳' مستدرک ج ۲ ص ۵۵' سنن کبری ج ۹ ص ۱۲۶' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۴ ص ۲۱۷' شرح السنہ ج ۹ ص ۳۳۵' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۶۷' مشکوٰۃ المصابیح ۳۳۶۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۵۔ نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۳' ۲۴'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسین بن عبداللہ المعافری ہے جس کے متعلق فن رجال کے ناقدین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔
شاید مذکورہ شاہد سے حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت مراد ہے۔ اوروہ یہ کہ ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی نہیں ڈالی جائے گی۔ " پوچھا گیا کہ "کب تک ؟" جواب ملا کہ " جب تک لڑکا بالغ نہ ہو جائے اور لڑکی کو حیض نہ آ جائے۔ " اس کی روایت دار قطنی اور حاکم نے کی ہے ' ان کے نزدیک بھی اسکی سند میں ایک راوی عبداللہ بن عمرو الوافقی ہے اور یہ ضعیف راوی ہے۔ (۱)

یہ بات واضح رہے کہ زیر نظر حدیث اور اس سے اگلی حدیث کو امہات اولاد کی بیع سے نہی کے ساتھ جس کے راوی حضرت ابن عمرؓ ہیں ' متصل کر دینا یا اسے ان دونوں حدیثوں تک موخر کر دینا بڑی اچھی بات ہوتی۔

یہ حدیث ماں اور اسکے بچے کے درمیان جدائی ڈالنے کی تحریم کے سلسلے میں بالکل واضح ہے اور اس کا ظاہر ملکیت اور دیگر وجوہ کے سلسلے میں عام ہے۔ تاہم یہ بات معلوم نہیں کہ کسی اہل علم نے یہ عموم اختیار کیا ہے یا نہیں۔ اس لیے زیر نظر حدیث کو ملکیت میں تفریق پر محمول کیا جائے گا۔ یہ بات حضرت علیؓ سے مروی اگلی حدیث میں بالکل صریح ہے۔ اس کا ظاہر بھی تفریق کی تحریم پر محمول ہے خواہ بلوغت کے بعد ہی کیوں نہ ہو تاہم اسے حضرت عبادہؓ کی حدیث کے ساتھ مقید کیا جائے گا ' "الغیث" کے اندر مرقوم ہے ' کہ بالغ کے بارے میں اس حدیث کی تخصیص اجماع کے ذریعے ہوئی ہے جیسا کہ عتق کے سلسلے میں ہے۔

اجماع کا استناد گویا حضرت عبادہ کی حدیث ہے ' زیر نظر حدیث ماں اور بچے کے درمیان تفریق کی تحریم پر نص ہے۔ باقی ماندہ تمام محرم قرابت داریوں کو اسی پر قیاس کیا جائے۔ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان محرم قرابت داری علت جامعہ ہے۔ اسی طرح اگلی حدیث بھائیوں کے بارے میں بطور نص وارد ہے۔

---

(۱) حدیث " ماں اور اسکے بچے کے درمیان جدائی نہیں ڈالی جائے گی " کے مراجع :۔ سنن کبری ج ۹ ص ۱۲۶' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۶ ' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷٦٤/۳۱ - وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَبِيعَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ، فَبِعْتُهُمَا، فَفَرَّقْتُ بَيْنَهُمَا. فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «أَدْرِكْهُمَا فَارْتَجِعْهُمَا، وَلَا تَبِعْهُمَا إِلَّا جَمِيعاً». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وقد صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ، وَابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ، وَالطَّبَرَانِيُّ، وَابْنُ الْقَطَّانِ(۱).

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ " مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلام فروخت کرنے کا حکم دیا - یہ دونوں آپس میں بھائی تھے ' میں نے ان دونوں کو فروخت کر دیا اور (دو الگ الگ افراد کے ہاتھ انہیں فروخت کر کے) ایک دوسرے سے جدا کر دیا - پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: " ان کے پاس پہنچو اور انہیں واپس کر لو اور دونوں کو صرف اکٹھے فروخت کرو۔" امام احمد نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے راوی ثقات ہیں۔ ابن خزیمہ ' ابن الجارود' ابن حبان ' حاکم ' طبرانی اور ابن القطان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۱) ابن ابی حاتم نے "العلل" میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ صرف الحکم نے میمون بن ابی شبیب سے یہ حدیث سنی ہے اور میمون اس حدیث کی روایت حضرت علیؓ سے کرتا ہے حالانکہ اس نے حضرت علیؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔

زیر نظر حدیث مذکورہ بیع کے بطلان کی دلیل ہے۔ نیز تفریق کی تحریم پر دال ہے جس طرح پہلی حدیث اس پر دال ہے - دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث تفریق پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ کسی وجہ سے بھی عمل میں آئے جبکہ زیر نظر حدیث بیع کے ذریعے تفریق کی تحریم پر دال ہے۔ حضرات فقہاء نے اس کے ساتھ دیگر تمام انشائی فقروں مثلاً ہبہ اور نذر کے ذریعے تفریق کی تحریم کو ملحق کر دیا ہے - انشائی فقرے سے مراد وہ صورت ہے جو تفریق کرنے والے کے اختیار سے وجود میں آئے۔ تقسیم کے ذریعے تفریق اس کے اختیار سے نہیں ہوتی اس لئے کہ ملکیت کا سبب یعنی میراث اختیار سے بالا ایک جبری امر ہوتا ہے - حضرت علیؓ کی مروی حدیث بیع کے بطلان پر دلالت کرتی ہے لیکن پہلی حدیث یعنی حضرت ابو ایوب کی روایت کردہ حدیث اس کی معارض ہے کیونکہ یہ بیع کے ذریعے ملکیت سے اخراج کی صحت پر دلالت کرتی ہے - سزا کے مستحق کا معاملہ بھی اسی طرح ہے - کیونکہ اگر ملکیت سے اخراج درست نہیں تو تفریق کا تحقق بھی نہیں اور پھر سزا بھی نہیں۔ اس

(۱) حضرت علی سے مروی حدیث کے مراجع :- مسند احمد ج ۱ ص ۹۸' ۱۲۷ ' سنن کبری ج ۹ ص ۱۵۷' المستدرک ج ۲ ص ۵۱' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۷٦٦' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۶' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰۷' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۱۵۴' منتقی ابن الجارود ۵۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا پر اس معاملہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ گناہ کے ساتھ اس کا انعقاد ہو جائے گا۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ حدیث میں مذکورہ دونوں غلاموں کو واپس لانے کے حکم میں یہ احتمال ہے کہ مشتری کی رضامندی سے ایک نئے عقد کے ذریعے ایسا کیا گیا ہو۔

(فائدہ) مادہ مویشی اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کے مسئلے کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو تو نہی کا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوپایوں کو تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے' دوسرا پہلو یہ ہے کہ ذبح پر قیاس کرتے ہوئے تفریق درست ہے۔ یہ بات زیادہ اولیٰ ہے۔

۷۶۵/۳۲ ـ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: غَلَا السِّعْرُ فِي الْمَدِينَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّاسُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ غَلَا السِّعْرُ، فَسَعِّرْ لَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ، الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ، الرَّازِقُ، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللَّهَ تَعَالَى وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں بازار کے اندر اشیاء کے نرخ چڑھ گئے۔ لوگوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسولؐ' نرخ چڑھ گئے ہیں۔ آپ ہمارے لئے اشیاء کے بھاؤ مقرر کر دیجئے" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بھاؤ مقرر کرنے والا تو اللہ ہے جو قابض' باسط اور رازق ہے اور میں اللہ کی ذات سے یہ امید رکھتا ہوں کہ جب اس کے سامنے میری حاضری ہو تو ایسی حالت میں ہو کہ تم میں سے کوئی شخص جان اور مال کے سلسلے میں میرے ہاتھوں سے ہونے والے ظلم کا مجھ پر دعویدار نہ ہو۔" نسائی کے سوا باقی ماندہ اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) حدیث میں مذکور لفظ غلا مصدر غلاء سے مشتق ہے جو الف ممدود کے ساتھ ہے اور جس کے معنی قیمتوں کا معتاد سطح سے بلند ہو جانا ہے۔

(۲) یعنی اللہ وحدہ ہی اپنے ارادے سے یہ کام کرتا ہے۔

(۳) قابض کے معنی تنگی ڈالنے والے کے ہیں' یعنی رزق میں تنگی پیدا کر دینے والا۔

---

(۱) سنن ابو داؤد، كتاب الإجارة، باب التسعير حديث نمبر (۳۸۵۱) ۳/۲۷۲

جامع ترمذی، كتاب البيوع، باب ماجاء في التسعير حديث نمبر (۱۳۱٤) ۳/۶۰۵-۶۰۶

سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب من كره أن يسعر حديث نمبر (۲۲۰۰) ۲/۷۴۱-۷۴۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) باسط کے معنی کشادگی پیدا کرنے والے کے ہیں' یہ دونوں الفاظ قول باری (واللہ یقبض ویبسط اللہ ہی تنگی پیدا کرتا اور فراخی دیتا ہے' سورہ بقرہ آیت ۲۴۵) سے ماخوذ ہیں۔

(۵) ابن ماجہ' دارمی' بزار اور ابو یعلی نے حضرت انسؓ سے اسکی روایت کی ہے۔ اس کی سند امام مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے صحیح کا درجہ دیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بھاؤ اور نرخ مقرر کر دینا دوسرے پر ظلم و زیادتی ہے اور اس حیثیت سے یہ حرام ہے۔ اکثر اہل علم کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک سے نرخ مقرر کرنے کا جواز مروی ہے خواہ دو بنیادی غذاؤں (دودھ اور کھجور) میں کیوں نہ ہو۔ حدیث کا سیاق اگرچہ خاص ہے لیکن یہ ہر قسم کے سامان کے بارے میں نرخ کے تعین کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ المھدی کا قول ہے کہ دونوں بنیادی غذاؤں کے سوا دیگر اشیاء مثلاً گوشت اور گھی وغیرہ کے نرخ مقرر کرنے کا ائمہ متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔ اس میں لوگوں کے مفادات کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور ان کی پریشانی دور کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس مسئلے پر سیر حاصل بحث ہم نے "منحہ الغفار" میں کی ہے اور مزید بحث کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔

۷۶۶/۳۳ - وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خطا کار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) معمر (میم پر زبر' عین ساکن اور میم پر زبر) بن عبداللہ کو معمر بن ابی معمر بھی پکارا جاتا تھا۔ آپ اسلام کی آمد پر بہت پہلے اسلام لے آئے تھے اور حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ مدینہ کی ہجرت دیر سے ہوئی' مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آپ وہیں مقیم ہوگئے۔

(۲) حدیث کا لفظ خاطئی ہے' ہمزہ کے ساتھ' اس کے معنی گنہگار اور خطا کار کے ہیں۔

(۳) اس باب میں دیگر احادیث بھی ہیں جو ذخیرہ اندوزی کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔ "النہایہ" کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "جو شخص طعام کی ذخیرہ اندوزی کرے ..... الخ" کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی

---

(۱) حضرت معمر کی حدیث کے حوالہ جات:۔ مسلم شریف باب ۲۶' حدیث ۱۳۰ من المساقاۃ' سنن ابی داؤد ۳۴۴۷' سنن ترمذی ۱۲۶۷' ج ۶ ص ۳۰ ابن ماجہ ۲۱۵۳' ۲۱۵۴' مسند احمد ج ۶ ص ۴۰۰' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۴۹' سنن کبری ج ۶ ص ۳۰' مستدرک ج ۲ ص ۱۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۳' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ:

"طعام کی خریداری کے بعد اسے بازار میں لانے سے روک لے تاکہ اس کی قلت پیدا ہو جائے اور دام بڑھ جائیں۔"

امام مسلم کی روایت کردہ یہ حدیث ظاہری طور پر طعام (غلہ اجناس) اور غیر طعام دونوں کی ذخیرہ اندوزی کی تحریم پر دلالت کرتی ہے الا یہ کہ صرف طعام کی ذخیرہ اندوزی کے لئے احتکار کے لفظ کے استعمال کا دعوی کیا جائے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس کے عموم کا مسلک اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ " ہر وہ چیز احتکار کے ضمن میں آئے گی جسے بازار میں آنے سے روک لینا لوگوں کے لئے نقصان دہ اور پریشانی کا باعث ہو خواہ وہ سونا ہو یا کپڑے ہوں۔" ایک اور قول کے مطابق احتکار صرف انسانی اور حیوانی غذا میں ہوتا ہے' ہادویہ اور شوافع کا یہی قول ہے۔

ہمارے قارئین سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کی ممانعت میں وارد شدہ احادیث مطلق اور طعام کے ساتھ مقید صورتوں میں آئی ہیں - اور جو احادیث ایسی ہوں انکے متعلق جمہور کی رائے ہے کہ مطلق کی مقید کے ساتھ تقیید نہیں کی جائے گی کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہو گا بلکہ مطلق کو اس کے اطلاق والی حالت پر باقی رہنے دیا جائے گا اور اسے دو بنیادی غذاؤں (دودھ او کھجور) کے ساتھ صرف ابو ثور کی رائے کے مطابق مقید کیا جائے گا جب کہ ائمہ اصول نے اس رائے کو رد کر دیا ہے۔ جمہور نے تحریم کی مناسب حکمت کو سامنے رکھتے ہوئے احتکار کو گویا دو غذاؤں کے ساتھ خاص کر دیا ہے' اور وہ حکمت ہے عوام الناس سے ضرر اور تکلیف کو دور کرنا - اور ان سے دفع ضرر اکثر احوال کے اندر صرف مذکورہ دو بنیادی غذاؤں کے سلسلے میں ہوتا ہے - اس لئے ان حضرات نے اس مناسب حکمت کی بنا پر حدیث کے اطلاق کو مقید کر دیا

٧٦٧/٣٤ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ. فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعاً مِنْ تَمْرٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (١)

وَلِمُسْلِمٍ: «فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ»

---

(١) متن کی حدیث کے حوالہ جات:- بخاری شریف ج ٣ ص ٩٢' مسلم شریف باب ٣ حدیث ١١ من البیوع' سنن ابی داؤد باب ٤٨' تغلیف' سنن نسائی باب ١٤' مسند شافعی ١٨٩' مسند احمد ج ٢ ص ٢٤٢' ٣١٠' ٣٢٠' ٣٦٥' تغلیف التعلیق ٧٧٥' فتح الباری ج ٤ ص ٣٦١

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے راوی صحابی کے مسلک کی وجہ سے ایسا کیا۔ رہ گئے معمر تو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے کس بنا پر اس اطلاق کو مقید کیا؟ شاید انہوں نے بھی مذکورہ مناسب حکمت کے پیش نظر جمہور کی طرح ایسا کیا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دودھ زیادہ معلوم ہونے کے لئے اسے اونٹنیوں اور بکریوں کے تھنوں میں نہ روکو (تاکہ گاہک دھوکا کھا جائے۔) اگر کوئی شخص اسکے بعد اسے خرید لے تو دودھ دوہنے کے بعد اسے دوباتوں میں سے بہتر بات اختیار کر لینے کا حق ہو گا: اگر چاہے تو اسے رکھ لے اور اگر چاہے تو اسے واپس کر دے اور ایک صاع خرما بھی" (متفق علیہ) امام مسلم کی روایت کے مطابق۔ "اسے تین دن تک خیار حاصل ہو گا۔" انکی ایک اور روایت کے مطابق جس کا ذکر امام بخاری نے تعلیقاً کیا ہے: "اور اس کے ساتھ ایک صاع طعام بھی واپس کرے، نہ کہ گندم" امام بخاری نے کہا ہے کہ "خرما اکثر و بیشتر ہے۔"

(۱) لا تصروا (حرف تاء پر پیش اور صاد پر زبر) صری یصری سے ماخوذ ہے، یہی زیادہ درست بات ہے۔

(۲) دو رایوں میں سے بہتر رائے

(۳) وصاعاً - یہ (ردھا) میں واقع مفعول کی ضمیر پر عطف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "ویعطی اور دے"

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے

(۵) تصریہ کے اصل معنی پانی کو روک لینے کے ہیں۔ جب آپ پانی روک لیں تو کہیں گے "صریت الماء" (میں نے پانی روک لیا) امام شافعی نے کہا ہے۔ "تصریہ یہ ہے کہ اونٹنی اور بکری کے تھن کا سرا باندھ دینا اور دودھ نہ دوہنا تاکہ تھن میں دودھ جمع ہو کر زیادہ ہو جائے اور خریدار یہ سمجھے کہ یہ کثرت معمول کے مطابق ہے۔" حدیث میں گائے کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم حکم ایک ہے کیونکہ جب جانور کو فروخت کرنے کا ارادہ ہو تو اسکے تصریہ سے نہی کی حدیث موجود ہے۔ نسائی کی روایت میں بیع کی قید مذکور ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: بیع کے لئے اونٹنیوں اور بکریوں کا تصریہ نہ کرو۔" نسائی کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "تم میں سے جب کوئی شخص بکری یا اونٹنی فروخت کرے تو اسے دوہ لیا کرے۔" جمہور کے نزدیک یہی بات راجح ہے۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ مبیع کے عیب کو چھپانا اور دھوکا دینا اس حکم کی علت بیان ہوئی ہے۔ یہ ایک قول ہے تاہم میں ان دونوں باتوں کو علت قرار دینا منصوص نہیں سمجھتا۔ اگر تصریہ کا عمل بیع کے لئے نہ ہو بلکہ مالک کے فائدے کی خاطر تھن میں دودھ جمع کرنا مقصود ہو تو اگرچہ اس میں جانور کو ایذا رسانی کا پہلو موجود ہے لیکن دوسروں کو نقصان پہنچانے کا پہلو موجود نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہو گا۔ حدیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ دودھ دوہنے کے بعد ہی خیار ثابت ہو گا۔ اگر دودھ نکالے بغیر تصریہ ظاہر ہو جائے تو بھی خیار ثابت ہو جائے گا خیار کا ثبوت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیع درست ہونے کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔

زیر نظر حدیث کے اندر اس امر کی دلیل موجود ہے کہ تصریہ کی وجہ سے مبیع کی فوری واپسی ہو جائے کیونکہ آپؐ کے ارشاد (فھو بخیر النظرین) میں حرف فاء تراخی (تاخیر) کے بغیر تعقیب پر دلالت کرتا ہے۔ بعض شوافع کا یہی مسلک ہے۔ لیکن اکثر کی رائے ہے کہ یہ تراخی پر محمول ہے۔ کیونکہ آپ کا ارشاد ہے کہ :۔ "اسے تین دن تک خیار حاصل ہو گا:" فوری طور پر واپسی کے قائلین کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ بات اس صورت پر محمول ہے جب مشتری کو تیسرے دن جا کر معلوم ہو کہ مبیع کا تصریہ کیا گیا ہے کیونکہ غالب احوال کے اندر یہ بات تین دن سے کم مدت میں معلوم نہیں ہوتی کیونکہ چارہ وغیرہ مختلف ہونے کی وجہ سے بھی دودھ میں کمی ہو سکتی ہے۔ نیز امام احمد اور طحاوی کی روایت یہی ہے :" ایسے (مشتری کو) دو باتوں میں بہتر بات کا خیار حاصل ہو گا: یا تو اسے رکھ لے یا واپس کر دے۔" تین دن کی ابتدا کے بارے میں اختلاف ہے: ایک قول کے مطابق تصریہ ظاہر ہو جانے کے بعد ' دوسرے قول کے مطابق عقد بیع کے وقت سے اور تیسرے قول کے مطابق بائع اور مشتری کی ایک دوسرے سے علیحدگی کے وقت سے اس کی ابتدا ہو گی۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مشتری حاصل شدہ دودھ کے عوض ایک صاع خرما واپس کرے گا۔ امام بخاری نے ایک صاع طعام والی حدیث کا ذکر تعلیقاً کیا ہے لیکن انہوں نے نے خرما والی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ خرما اکثر و بیشتر ہوتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ مشتری ایک صاع خرما واپس کرے گا تو اب اس مسئلے میں تین مسلک ہیں:

اول : جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کا مسلک ' اس میں تصریہ والے جانور کی واپسی اور اسکے ساتھ ایک صاع تمر کی واپسی کا اثبات ہے۔ خواہ دودھ کثیر ہو یا قلیل اور خواہ خرما اس علاقے کے لوگوں کی پہلی غذا ہو یا نہ ہو۔

دوم : ھادویہ کا مسلک ' انہوں نے کہا ہے کہ تصریہ والے جانور کی واپسی ہو گی لیکن انکے نزدیک اگر دودھ بعینہ باقی ہو تو اسے واپس کیا جائے گا اور اگر ضائع ہو چکا ہو تو اس کی مثل کی واپسی ہو گی یا اس کی قیمت کی جو واپسی کے دن اسکی ہو گی جبکہ مثل کا وجود نہ ہو۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی مثلی چیز تلف کر دے تو مثل کے ذریعے اس کا تاوان بھرے گا اور اگر اس کا تعلق قیمت والی چیزوں سے ہو تو قیمت بطور تاوان وصول کی جائے گی اگر دودھ مثلی ہے تو مثل کے ذریعے اس کا تاوان ہو گا اور اگر اسے قیمت والی چیز قرار دیا جائے تو درہم یا دینار کے ذریعے اس کی قیمت لگائی جائے گی اور تاوان وصول کیا جائے گا ' اس لئے خرما یا طعام کے ذریعے اس کا تاوان کس طرح بھرا جا سکتا ہے ؟ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دودھ کی مقدار میں کمی بیشی کی صورت میں تاوان میں کمی بیشی بھی واجب ہے اور صاع کی کمی بیشی کے ذریعے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا - اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قیاس تمام تلف شدہ اشیاء میں عموم کو متضمن ہے اور زیر بحث مسئلہ خاص ہے جس کے متعلق نص وارد ہوئی ہے - اور خاص کو عام پر مقدم رکھا جاتا ہے - جہاں تک صاع کے اندازے کا تعلق ہے تو یہ اندازہ شارع نے مقرر کیا ہے تاکہ دودھ کی مقدار کی حقیقت معلوم نہ ہونے کی صورت میں جھگڑا دور کیا جا سکے ' کیونکہ بیع کے بعد اس دودھ کے ساتھ نئے دودھ کا اختلاء ممکن ہے ' اس لئے شارع نے نزاع کا دفعیہ کر دیا اور اس کا اندازہ اس حد کے ذریعے مقرر کر دیا جس میں زیادہ فرق نہیں ہے تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے اور اس کا اندازہ دودھ سے قریب ترین چیز کے ذریعے مقرر کر دیا کیونکہ یہی دونوں چیزیں (دودھ اور خرما) اس زمانے میں دو بنیادی غذائیں تھیں - شریعت کے اندر اس حکم کی نظیریں بھی موجود ہیں اور یہ جنایات (فوجداری جرائم) کا تاوان ہے ' مثلاً موضحہ کا (ایسا زخم جس کے لگنے کی وجہ سے ہڈی ظاہر ہو جائے) کیونکہ اس کا جرمانہ زخم کے بڑے چھوٹے ہونے کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے (اگر مذکورہ زخم سر یا چہرے پر لگایا گیا ہو تو جرمانے کی مقدار پانچ اونٹ ہے اور اگر جسم کے دیگر حصے پر لگا ہو تو اس کا جرمانہ ایک عادل شخص کے فیصلے کے مطابق لیا جائے گا) اسی طرح جنین (حمل) ضائع کرنے کا جرمانہ مختلف صورتوں میں غرہ ہو گا یعنی غلام یا لونڈی- ان تمام صورتوں میں حکمت یہ ہے کہ باہمی جھگڑے ختم کر دئے جائیں-

سوم : حنفیہ کا مسلک ' انہوں نے اصل مسئلے کے اندر اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ تصریہ کے عیب کی بنا پر بیع رد نہیں ہو گی اس لئے ایک صاع خرما واپس کرنا واجب نہیں ہو گا - انہوں نے زیر بحث حدیث کے بارے میں بہت سے عذر پیش کئے ہیں ' مثلاً حدیث کے راوی صحابی کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے ' حدیث کو مطرب کہا ہے ' اسے منسوخ قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ مذکورہ حدیث ارشاد باری (وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به اور اگر تم سزا دو تو اس سزا کی مثل دو جو تمہیں دی گئی ہو ..... سورۃ نحل آیت ۱۲۶) کی معارض ہے - عذر کی یہ تمام صورتیں قابل رد ہیں - انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کئی وجہوں سے یہ حدیث قیاس کی اصول کی مخالف ہے-

اول : اس وجہ سے کہ تلف شدہ دودھ اگر عقد کے وقت موجود ہو تو اس صورت میں مبیع کا ایک جز کم ہو جائے گا اس لئے واپسی ممتنع ہو گی اور اگر یہ دودھ مشتری کے ہاں وجود میں آیا ہو تو یہ ناقابل تاوان ہو گا- اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے- اول یہ کہ زیر نظر حدیث بذاتہ ایک مستقل اصل ہے اور اس کے متعلق قیاس اصول کے خلاف ہونے کی بات نہیں کہی جا سکتی- دوم یہ کہ نقص اور کمی اس وقت واپسی کے لئے مانع بنے گی جب عیب معلوم کرانے کے لئے نہ ہو جب کہ یہاں یہ نقص عیب معلوم کرانے کے لئے ہے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے یہ واپسی کے مانع نہیں ہو گا۔

دوم: اس وجہ سے کہ اس میں خیار کی مدت تین دن رکھی گئی ہے حالانکہ خیار عیب' خیار مجلس اور خیار رویت میں سے کسی بھی خیار کو تین دنوں کے ساتھ مقدر نہیں کیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ مدت کے ساتھ تصریہ ولا جانور مخصوص ہے کیونکہ اکثر احوال میں تصریہ کا حکم تین دنوں ہی میں واضح طور پر سامنے آتا ہے' دوسری اشیاء کے ساتھ یہ صورت حال نہیں ہے۔

سوم: اس وجہ سے کہ دودھ موجود ہونے کی صورت میں اعیان باقی رہتے ہوئے ان کا تاوان لازم آئے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ دودھ الگ تھلگ موجود نہیں ہوتا بلکہ یہ نئے دودھ کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے' اور اس اختلاط کی وجہ سے مذکورہ دودھ کی بعینہ واپسی مشکل ہوجاتی ہے۔ اس بنا پر اس کے تاوان کی صورت وہ ہو گی جو غصب شدہ یا بھاگے ہوئے غلام کے تاوان کی ہوتی ہے۔

چہارم: اس وجہ سے کہ عیب کے بغیر واپسی کا اثبات لازم آتا ہے کیونکہ اگر دودھ میں کمی عیب ہوتی تو تصریہ اور شرط کے بغیر بھی واپس کر دینا ثابت ہو جاتا کیونکہ مشتری نے واپس کرنے کی شرط عائد نہیں کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زیر بحث صورت معنوی طور پر خیار شرط کے حکم میں داخل ہے کیونکہ مشتری نے جب مبیع کے تھن کو دودھ سے بھرا ہوا دیکھا تھا تو گویا بائع نے اس کے لئے یہ شرط مقرر کی تھی کہ تھن کی یہ کیفیت اس جانور کا معمول ہے۔ غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے جا کر ملنے کی حدیث کی بحث میں اس کے کئی نظائر ثابت کئے جا چکے ہیں۔

آپ کے نزدیک جب آخری دو اقوال کا ضعف ثابت ہو چکا تو اس سے آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ پہلا قول ہی حق ہے اور آپ یہ بھی جان چکے ہوں گے کہ زیر نظر حدیث ورج ذیل امور میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی دھوکا دہی کی نہی میں۔ جس شخص کے ساتھ تدلیس کی گئی ہو اسکے لئے خیار کے ثبوت میں' اس امر میں کہ تدلیس یعنی مبیع کا عیب چھپایا جانا اصل عقد کو فاسد نہیں کرتا۔ مبیع کے تصریہ کی تحریم میں اور تصریہ کی بنا پر خیار کے ثبوت میں امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ: "دودھ سے بھرے ہوئے تھنوں والے ماوہ جانوروں کی فروخت فریب کاری ہے اور فریب کاری کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں۔"(۱) اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند

---

(۱) حدیث "دودھ سے بھرے ہوئے تھنوں والی ..... الخ" کے مراجع:۔ سنن ابن ماجہ ۲۲۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۳' سنن کبری ۵۵ ص ۳۱۷' منحۃ المعبود ۱۳۴۵' فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ اسے موقوفاً روایت کیا ہے [1] اس حدیث میں وارد لفظ محفلات محفلہ کی جمع ہے (حرف حاء اور حرف فاء کے ساتھ) یعنی وہ مادہ جانور جس کے تھن میں دودھ اکٹھا کر دیا گیا ہو۔ حدیث میں دوسرا لفظ خلابہ آیا ہے (حرف خاء کے زیر اور لام کی تخفیف اور باء پر زبر کے ساتھ) اس کے معنی خداع یعنی دھوکہ دہی اور فریب کاری کے ہیں

٧٦٨/٣٥ - وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «مَنْ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعاً». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَزَادَ الْإِسْمَاعِيلِيُّ: «مِنْ تَمْرٍ»[2].

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ: "جو شخص دودھ سے بھرے تھن والی بکری خریدے اور پھر اسے واپس کر دے تو اسے چاہئے کہ اس کے ساتھ ایک صاع بھی واپس کرے۔" اسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔ الاسماعیلی نے اس میں "خرما" کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔

مصنف نے اس روایت کو مرفوعاً بیان نہیں کیا بلکہ اسے حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف کر دیا ہے' اس لئے کہ امام بخاریؒ نے بھی اسے مرفوع نہیں کیا (سلسلہ روایت کا اختتام اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاکر ہو تو اسے مرفوع روایت کہیں گے ورنہ یہ موقوف ہو گی ---- مترجم) اس حدیث پر سیر حاصل بحث گذر چکی ہے۔

٧٦٩/٣٦ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ مِنْ طَعَامٍ. فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا. فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلاً، فَقَالَ: «مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟». قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: «أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ؟ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي». رَوَاهُ مُسْلِمٌ[3].

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کر دیا چنانچہ آپؐ کی انگلیوں کو کچھ نمی محسوس ہوئی۔ اس پر آپؐ نے ڈھیر کے مالک سے پوچھا کہ: "غلے کا یہ ڈھیر کیسا ہے؟" اس نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! اس پر بارش ہو گئی تھی۔" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "تم نے (بھیگے ہوئے) اس حصے کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ اس پر لوگوں کی نظریں پڑ جاتیں' "جس نے دھوکا بازی کی وہ مجھ سے نہیں ہے!" امام مسلم نے اس کی

---

(۱) صحیح بخاری باب ٦٤ من البیوع' فتح الباری (٣٦١/٤)

(۲) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کردہ متن والی حدیث کے مراجع:۔ بخاری شریف باب ٦٤ من البیوع' فتح الباری ج ۴ ص ۳٦١

(۳) حدیث "آپؐ غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے" کے مراجع:۔ مسلم شریف حدیث ۱۰۲ من الایمان' سنن کبری ج ۵ ص ۳۲۰' مسند ابی عوانہ ج ۱ ص ۱۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کی ہے۔

(۱) صبرۃ (حرف صاد پر پیش اور باء ساکن) غلے کے ڈھیر کو کہتے ہیں۔

(۲) امام نووی نے کہا ہے کہ: "حدیث کی بنیادی کتب میں اسی طرح روایت ہے کہ: "وہ مجھ سے نہیں۔" یعنی یائے متکلم کے ساتھ' اور یہی بات درست ہے۔ اس فقرے کا معنی یہ ہے کہ: "وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جنہوں نے میری رہنمائی اختیار کی اور میرے علم' عمل اور حسن طریقے کی پیروی کی"۔ سفیان بن عیینہ اس قسم کی تفسیر کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمیں اس کی تاویل و تفسیر سے باز رہنا چاہئے تاکہ سامعین کے دلوں پر اس کا زیادہ اثر ہو اور زیادہ بلیغ انداز میں ڈانٹ پڑ سکے۔ یہ حدیث غش یعنی ملاوٹ اور دھوکا دہی کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ شرعی طور پر اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس کا فاعل عقلی طور پر قابل مذمت ہے۔

٣٧/ ٧٧٠ - وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ أَيَّامَ الْقِطَافِ حَتَّى يَبِيعَهُ مِمَّنْ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلَى بَصِيرَةٍ». رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ(١).

عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد حضرت بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص انگور اتارنے کے موسم میں انگور توڑنے سے اس وجہ سے باز رہے کہ اسے اس شخص کے ہاتھ (زیادہ قیمت پر) فروخت کر سکے جو اس سے شراب بنالے تو وہ جانتے بوجھتے آگ میں گھس گیا۔" طبرانی نے "الاوسط" کے اندر اچھی سند کے واسطے سے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) ابو سہل عبداللہ بن بریدہ بن الحصیب الاسلمی مرو کے قاضی رہے ہیں۔ آپ تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔ اپنے والد محترم سے حدیث کا سماع کیا۔ اور دیگر صحابہ کرام سے بھی۔

(۲) یعنی جن دنوں میں انگور توڑے جا رہے ہوں

(۳) آگ میں داخلہ واجب کر دینے والے سبب کو جانتے بوجھتے

(۴) بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت بریدہؓ سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے: "یہاں تک کہ وہ اسے کسی یہودی یا نصرانی یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے جس کے متعلق اسے علم ہو کہ وہ اس سے شراب سازی کرے گا تو وہ جانتے بوجھتے آگ میں گھس گیا۔ (۲)"

---

(۱) عبداللہ بن بریدہ کی روایت کے مراجع:۔ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۹۰' الدر المنثور ج ۲ ص ۳۲۵' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۱۳' تاریخ جرجان ص ۲۴۱

(۲) حضرت بریدہ کی حدیث کے اضافی الفاظ: "یہاں تک کہ وہ اسے کسی یہودی یا نصرانی کے ہاتھ فروخت کرے۔" کے حوالہ جات:۔ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۹' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۸۸۷' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث ایسے شخص کے ہاتھ انگور کی فروخت کی تحریم کی دلیل ہے جو اس سے شراب سازی کر لے کیونکہ فروخت کنندہ کو آگ کی وعید سنائی گئی ہے۔ اگر وہ بالقصد ایسا کرے تو یہ بیع بالاجماع حرام ہو گی لیکن اگر بالقصد ایسا نہ کرے تو حنفیہ کے قول کے مطابق کراہت کے ساتھ بیع جائز ہو گی اور اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ اس سے شراب سازی کے بارے میں شک کی بنا پر یہ بیع ہوئی تھی' لیکن اگر اسے اس کا علم ہو تو پھر بیع حرام ہو گی۔ اسی پر ہر اس چیز کو قیاس کیا جائے گا جس سے کسی معصیت کے ارتکاب میں مدد لی جائے۔ اگر ایک چیز معصیت کے ارتکاب ہی کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً گانے بجانے کے آلات جیسے بانسری اور طنبورہ وغیرہ تو بالاجماع نہ ان کی فروخت جائز ہے اور نہ ان کی خرید۔ یہی حکم کافروں اور اسلامی حکومت کے باغیوں کے ہاتھ اسلحہ اور جنگی جانور مثلاً گھوڑے وغیرہ کی فروخت کا ہے بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اسے استعمال کرتے ہوں۔ یہ فروخت جائز نہیں ہو گی البتہ اگر اپنا اسلحہ اس سے بہتر اسلحہ کے بدلے ان کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے تو یہ بیع جائز ہو گی۔

٧٧١/٣٨ ـ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ». رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ، وَضَعَّفَهُ اَلْبُخَارِيُّ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ اَلتِّرْمِذِيُّ، وَاَبْنُ خُزَيْمَةَ، وَاَبْنُ اَلْجَارُودِ، وَاَبْنُ حِبَّانَ، وَاَلْحَاكِمُ، وَاَبْنُ اَلْقَطَّانِ[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آمدنی ضمانت کے بالمقابل ہے۔"

پانچوں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے جب کہ امام بخاری اور ابو داؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ترمذی' ابن خزیمہ' ابن الجارود' ابن حبان' حاکم اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) کیونکہ سلسلہ سند میں ایک راوی مسلم بن خالد الزنجی ہے۔ یہ حدیثیں بھول چکا تھا۔

(۲) امام شافعیؒ اور اصحاب سنن نے اس حدیث کی مکمل روایت کی ہے۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے غلام خریدا۔ یہ غلام اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا رہا۔ پھر اس نے

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالہ جات :۔ سنن ابی داؤد ۳۵۰۸' سنن ابن ماجہ ۲۲۴۳' مسند احمد ج ٦ ص ۴۹' ۲۳۷' سنن کبری ج ۵ ص ۳۲۱' ۳۲۲' مستدرک ج ۲ ص ۱۵' موارد الظمان ۱۱۲۶' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۱۷۵' ۲۷۳' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۲' سنن نسائی ج۸ ص ۲۵۴' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۶۳' العلل المتناهیہ ج ص ۱۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے ایک عیب کی وجہ سے واپس کر دیا جو اسے نظر آ گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عیب کی بنا پر واپس کر دینے کے حق میں فیصلہ سنایا۔ دوسرے فریق (بائع) نے عرض کیا کہ خریدار نے غلام سے کام وغیرہ لیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آمدنی (نفع) ضمانت کے بالمقابل ہے۔"

خراج آمدنی اور کرائے کو کہتے ہیں۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر فروخت شدہ شئے کے ذریعے کوئی آمدنی اور پیداوار حاصل ہو رہی ہو تو اس کی اصل کا مالک جس کی ضمانت میں وہ ہے' اس آمدنی کا مالک قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ اس کی اصل کا ضامن ہے۔ اگر کوئی شخص ایک زمین خرید کر اپنے استعمال میں لے آئے یا مویشی خرید کر نسل کشی کرے یا جانور خرید کر اس پر سواری کرے یا غلام خرید کر اس سے خدمت لے اور پھر اسے اس میں عیب نظر آ جائے تو اسے خریدی ہوئی اصل چیز واپس کر دینے کا اختیار ہو گا اور اس سے حاصل شدہ فائدے کے بدلے اسے کچھ دینا نہیں پڑے گا کیونکہ اگر مذکورہ مبیع (فروخت شدہ شے) عقد اور فسخ کے درمیان تلف ہو جاتا تو مشتری کے زیر ضمانت یہ عمل ہوتا اس لئے مبیع کی آمدنی کا بھی اس کے لئے ہونا ضروری قرار پایا۔ اس مسئلے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول امام شافعی کا ہے کہ آمدنی ضمانت کے بالمقابل ہے۔ اور اس کی تشریح وہی کچھ ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ مبیع کے تمام اصلی اور فرعی فوائد مشتری کے ہوں گے اور وہ مبیع (فروخت شدہ شے) کو اس وقت تک واپس کر سکے گا جب تک اس میں خریداری کے وقت موجود حالت کی بہ نسبت کمی اور نقص واقع نہ ہو جائے۔

دوسرا قول ہادویہ کا ہے کہ اصلی اور فرعی فوائد کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ فرعی فوائد کا مستحق تو مشتری ہو گا۔ اور اصلی فوائد اس کے پاس رہیں گے۔ اگر مشتری عدالتی فیصلے کے تحت مبیع واپس کرے گا تو مذکورہ فوائد بھی واپس کرنا واجب ہو گا۔ اور تلف ہونے کی صورت میں وہ ان فوائد کا تاوان بھرے گا۔ اگر مبیع کی واپسی باہمی رضامندی سے عمل میں آئے تو اس صورت میں وہ ان فوائد کو واپس نہیں کرے گا۔

تیسرا قول حنفیہ کا ہے کہ مشتری فرعی فوائد کا مستحق ہو گا مثلاً مبیع کا کرایہ وغیرہ۔ لیکن اصلی فوائد مثلاً درخت کے پھل وغیرہ تو اگر واپسی کے وقت یہ باقی ہوں گے تو اصل کے ساتھ انہیں بھی واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر تلف ہو گئے ہوں گے تو واپسی ممتنع ہو گی اور جرمانے کا استحقاق ہو جائے گا۔

چوتھا قول امام مالکؒ کا ہے کہ اصلی فوائد کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ مثلاً اون اور بالوں کا مستحق تو مشتری ہو گا لیکن بچہ ماں کے ساتھ واپس ہو گا۔ یہ اس صورت میں ہو گا جب واپسی کے وقت اصلی فوائد مبیع کے ساتھ متصل نہ ہوں۔ اگر متصل ہوں تو بالاجماع ان کی واپسی واجب ہو گی۔ مذکورہ بالا حضرات نے یہی کہا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر حدیث امام شافعیؒ کے مسلک کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔ اگر خریدار نے لونڈی کے ساتھ ہم بستری کر لی اور پھر اسے اس کے اندر کوئی عیب نظر آیا تو اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ ہادویہ ' اہل رائے' سفیان ثوری اور اسحاق کا قول ہے کہ ایسی صورت میں واپسی ممتنع ہو گی کیونکہ ہم بستری ایک جنایت (جرم) ہے اس لئے کہ مشتری کے اصل (باپ دادا) اور فصل (بیٹے پوتے) کے لئے اس لونڈی کے ساتھ ہم بستری اب حلال نہیں ہو گی۔ تو گویا مشتری نے اس کے ساتھ وطی کر کے اسے عیب دار بنا دیا ۔ اسی طرح ہم بستری کے مقدمات (بوس و کنار وغیرہ) وجود میں آنے کے بعد بھی مذکورہ دلیل کی بنا پر اس کی واپسی ممتنع(ممنوع) ہو جائے گی ۔ البتہ وہ مذکورہ عیب کا جرمانہ بائع سے وصول کرے گا۔ ایک قول کے مطابق مشتری اس لونڈی کو وطی کے بعد عیب کی بنا پر واپس کر سکے گا اور اس کے ساتھ اس کا مہر مثل بھی واپس کرے گا ۔ ان میں سے بعض حضرات نے باکرہ اور ثیبہ کے درمیان فرق کیا ہے۔ خطابی نے اسکی پوری تفصیل بیان کی ہے اور شارح نے اسے نقل کیا ' تاہم یہ تمام اقوال استدلال سے عاری اور کھوکھلے ہیں ۔ ہم بستری کو جنایت (جرم) قرار دینے کا دعوی بھی درست نہیں ہے ۔ اور اس کی یہ علت بیان کرنا کہ مذکورہ ہم بستری کی وجہ سے مشتری نے اس لونڈی کو اپنے اصول اور فروع پر حرام کر دیا اس لئے یہ جنایت ہو گئی ' تو یہ تعلیل بڑی کمزور ہے کیونکہ اس لونڈی کا خریدار مشتری کے صرف اپنے اصول اور فروع میں تو محصور نہیں ہے ۔

۷۷۲/۳۹ ـ وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَاراً لِيَشْتَرِيَ بِهِ أُضْحِيَةً، أَوْ شَاةً، فَاشْتَرَى بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، فَكَانَ لَوْ اشْتَرَى تُرَاباً لَرَبِحَ فِيهِ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ(۱).

وَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي ضِمْنِ حَدِيثٍ، وَلَمْ يَسُقْ لَفْظَهُ.

وَأَوْرَدَ التِّرْمِذِيُّ لَهُ شَاهِداً مِنْ حَدِيثِ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ.

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قربانی کا جانور یا ایک بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا۔ انہوں نے اس ایک دینار سے دو بکریاں خرید لیں اور پھر ایک

---

(۱) حضرت عروہؓ کی حدیث کے مراجع:۔ بخاری باب ۲۸ من المناقب ' سنن ابی داؤد ۳۳۸۴' ۳۳۸۵' سنن ترمذی ۱۲۵۸' مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بکری کو ایک دینار میں فروخت کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لے کر آئے۔ آپؐ نے ان کی خرید و فروخت کی صلاحیت میں خیر و برکت کی دعا فرمائی اور اس کے بعد انکی حالت یہ ہو گئی کہ اگر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی انہیں نفع ہوتا۔" نسائی کے سوا باقی ماندہ اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے - امام بخاری نے ایک اور حدیث کے ضمن میں اس کی تخریج کی ہے لیکن اس کے الفاظ نہیں لائے۔ امام ترمذیؒ نے حضرت حکیم بن حزام کی حدیث سے زیر نظر حدیث کا شاہد بھی بیان کیا ہے (اگر ایک حدیث مروی ہو اور کسی دوسرے راوی سے اس مضمون کی کوئی اور حدیث روایت ہو جائے تو یہ دوسری حدیث پہلی حدیث کا شاہد کہلائے گی - (مترجم)

(۱) اس حدیث کے اسناد میں ایک راوی سعید بن زید ہے جو حماد کا بھائی ہے۔ اس کے متعلق اہل علم کی آراء میں اختلاف ہے۔ المنذری اور نوویؒ نے کہا ہے کہ: "یہ اسناد حسن اور صحیح ہے اور اس کے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔" مصنف نے کہا ہے کہ " درست بات یہ ہے کہ اپنے اسناد میں یہ متصل ہے اور ابہام پیدا کرتا ہے۔"

زیر نظر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عروہؓ نے اس چیز کی خریداری کر لی جس کی خریداری کا انہیں کارندہ نہیں بنایا گیا تھا - انہوں نے اسی صورت کے تحت بیع بھی کی' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قربانی کا جانور خریدنے کے لئے ایک دینار دیا تھا۔ اگر وہ حضورؐ کے حکم کی حد پر رہتے تو دینار کے ایک حصے سے قربانی کا جانور خرید لیتے اور باقی رقم واپس کر دیتے۔ انہوں نے جس طرح خرید و فروخت کا عقد کیا اسے فقہاء کی اصطلاح میں موقوف عقد کہتے ہیں جو اصل (موکل وغیرہ) کی اجازت ہونے پر نافذالعمل ہوتا ہے (یعنی اگر وہ اسے برقرار رہنے دے تو عقد برقرار رہ جائے گا ورنہ نہیں ' مترجم) زیر بحث صورت میں اجازت حاصل ہو گئی تھی۔ اس عقد کے بارے میں علماء کے پانچ اقوال ہیں:

اول : موقوف عقد درست ہوتا ہے - سلف کی ایک جماعت اور ہادویہ زیر بحث حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی کے قائل ہیں -

دوم: موقوف عقد درست نہیں ہوتا۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ ان کے قول کے مطابق اجازت اس عقد کو صحیح نہیں بناتی - انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: "جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کرو۔" اس کی تخریج ابو داؤدؒ ' ترمذیؒ اور نسائیؒ نے کی ہے۔ اور حدیث معدوم چیز کو نیز غیر کی ملکیت میں موجود چیز دونوں کو شامل ہے۔ حضرت عروہؓ کی حدیث کی صحت کے متعلق امام شافعیؒ کو تردد لاحق رہا اور انہوں نے اس حدیث کی صحت پر اس کے مطابق مسلک کو معلق کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوم: اس میں تفصیل ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ موقوف بیع جائز ہے اور موقوف شراء (فروخت) جائز نہیں ہے۔ انہوں نے دونوں صورتوں کے درمیان گویا اس لئے فرق کیا ہے کہ بیع کے نتیجے میں مبیع مالک کی ملکیت سے خارج کر دیا جاتا ہے اور مالک کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت کو باقی رہنے دے لیکن جب اس نے اجازت دے دی یعنی بیع کو برقرار رہنے دیا تو گویا اس نے اپنا حق ساقط کر دیا۔ یہ بات شراء (خریداری) کے اندر نہیں ہوتی کیونکہ اس میں ملکیت کا اثبات ہوتا ہے اور یہ اثبات خود مالک ہی کر سکتا ہے۔

چہارم: امام مالکؒ کا قول۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کے برعکس ہے۔ امام مالک نے گویا دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے' یعنی حضرت عروہؓ کی حدیث اور حدیث: "جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کرو!" کے درمیان' اس لئے جب تک معارضت ٹکراؤ کی صورت پیدا نہ ہو اس وقت تک اس تطبیقی صورت پر عمل کیا جائے گا۔

پنجم: موقوف عقد اس صورت میں درست ہو گا جب وکیل یعنی کارندے کو ایک چیز کی خریداری کی ذمہ داری سونپی جائے اور وہ اس کے ایک حصے کی خریداری کر لے۔ یہ جصاص رازی کا قول ہے۔ اگر حضرت عروہؓ کی حدیث درست قرار پائے تو اس پر عمل راجح ہو گا۔ اس حدیث میں قربانی کے جانور کی بیع کی صحت کی دلیل ہے۔ اگرچہ مثل کے ساتھ بدلنے کے لئے اسے خریداری کی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ ثمن کی زائد رقم عمدہ اور خوشگوار نہیں ہو گی۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہؓ کو زائد رقم صدقہ کر دینے کا حکم دیا۔ حضرت عروہؓ کے لئے حضورؐ کی دعائے برکت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص احسان کرے اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا اور اسے اس کا بدلہ دینا مستحب ہے خواہ دعا کی صورت میں کیوں نہ ہو۔

۷۷۳/۴۰ - وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ شِرَاءِ مَا فِي بُطُونِ الْأَنْعَامِ حَتَّى تَضَعَ، وَعَنْ بَيْعِ مَا فِي ضُرُوعِهَا، وَعَنْ شِرَاءِ الْعَبْدِ وَهُوَ آبِقٌ، وَعَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقْسَمَ، وَعَنْ شِرَاءِ الصَّدَقَاتِ حَتَّى تُقْبَضَ، وَعَنْ ضَرْبَةِ الْغَائِصِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَالْبَزَّارُ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ(۱).

---

(۱) پیٹ میں موجود حمل کی خریداری کی ممانعت کی حدیث کے مراجع:۔ سنن ابن ماجہ ۲۱۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۳۱'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-۷۴-

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مویشیوں کے پیٹ میں موجود حمل کی خریداری سے منع فرمایا جب تک وضع حمل نہ ہو جائے' اور مویشیوں کے تھنوں میں موجود دودھ کی فروخت سے اور بھاگے ہوئے غلام کی خریداری سے اور مال غنیمت کی خریداری سے جب تک اس کی تقسیم عمل میں نہ آجائے اور صدقات کی خریداری سے جب تک ان پر قبضہ نہ ہو جائے۔ اور غوطہ خور کے غوطے کی خریداری سے۔" ابن ماجہ' بزار اور دار قطنی نے ضعیف اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔

کیونکہ یہ شہر بن حوشب کی روایت کردہ حدیث ہے اور ناقدین حدیث کے ایک گروہ مثلاً نضر بن شمیل' نسائی اور ابن عدی وغیرھم نے اس راوی کے بارے میں (تنقیدی) کلام کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ شہر حسن الحدیث ہے اور اس کا معاملہ قوی ہے۔ امام احمدؒ سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ: "شہر کی روایت کردہ حدیثیں کتنی عمدہ ہیں!"

زیر نظر حدیث ایسی چھ صورتوں پر مشتمل ہے جنکی شریعت میں ممانعت کر دی گئی ہے۔ پہلی صورت جانور کے پیٹ میں موجود جنین کی فروخت ہے۔ اس کی تحریم پر اجماع ہے۔

دوسری صورت تھنوں میں موجود دودھ کی فروخت ہے' اس کی تحریم پر بھی اجماع ہے۔ اس پر بحث پہلے گذر چکی ہے۔ تیسری صورت بھاگے ہوئے غلام کی خریداری ہے۔ اس کی تحریم کی وجہ اس کی حوالگی پر قدرت نہ ہونا ہے۔ چوتھی صورت تقسیم عمل میں آنے سے پہلے مال غنیمت کی خریداری ہے۔ اس کی وجہ ملکیت کی عدم موجودگی ہے۔ پانچویں صورت قبضے سے پہلے صدقات کی خریداری کی ہے کیونکہ صدقہ لینے والے کی ملکیت کا استقرار (اس پر قبضے سے پہلے نہیں ہوتا۔ البتہ فقہاء نے اس حکم سے اس صورت کو مستثنیٰ کر دیا ہے جب صدقہ کرنے والا صدقہ کے مال سے اپنا ہاتھ اٹھا لے اور اسے الگ کر دے لیکن اس پر مستحق کے قبضے سے پہلے اسے فروخت کردے۔ یہ فروخت درست ہو گی اس لئے کہ فقہاء نے مذکورہ مال سے ہاتھ اٹھا لینے کو مستحق کے حق میں قبضہ جیسا قرار دیا ہے۔ چھٹی صورت غوطہ خور کی غوطہ خوری ہے' وہ اس طرح کہ غوطہ خور کسی شخص سے کہے کہ میں اتنی رقم کے بدلے غوطہ لگاتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جو کچھ ہاتھ آجائے وہ تمہارا ہو گا۔" اس کی ممانعت کی علت غرر ہے' (یعنی مبیع کے متعلق یہ معلوم نہ ہونا کہ وہ کیا چیز ہوگی۔

۷۷۴/۴۹ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ، فَإِنَّهُ غَرَرٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَشَارَ إِلَى أَنَّ الصَّوَابَ وَقْفُهُ(۱).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانی کے

(۱) حضرت ابن مسعود کی روایت کے حوالہ جات:۔ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸' سنن کبری ج ۵ ص ۳۴۰' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۰ ص ۲۸۵' تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندر موجود مچھلیوں کی خریداری نہ کرو' کیونکہ یہ غرر ہے"۔ امام احمدؒ نے اس کی روایت کی ہے اور یہ اشارہ بھی دیا ہے کہ درست بات یہی ہے کہ یہ روایت حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ یہ حدیث پانی میں موجود مچھلیوں کی فروخت کی حرمت پر دلیل ہے ۔ اور آپؒ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ ایسی بیع غرر (مبیع کے نا معلوم ہونے کی وجہ سے دھوکے کے پہلو) پر مشتمل ہے ۔ وہ اس لئے کہ پانی کے اندر رہتے ہوئے مچھلی کی حقیقت مخفی رہتی ہے اور چھوٹی مچھلی بڑی نظر آتی ہے اور بڑی چھوٹی۔ حدیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ نہی کا حکم علی الاطلاق ہے تاہم فقہاء نے اس میں تفصیل بیان کی ہے کہ اگر مچھلی اتنے زیادہ پانی میں ہو کہ شکار کئے بغیر اسے پکڑنا ممکن نہ ہو اور ہاتھ نہ آنے کا بھی امکان ہو تو ایسی صورت میں بیع درست نہیں ہو گی' اور اگر وہ اتنے پانی میں ہو کہ ہاتھ سے نکل نہ سکتی ہو اور بذریعہ شکار اسے پکڑا جا سکتا ہو ۔ تو اس کی بیع درست ہو گی اور مشتری کو اس کی حوالگی کے بعد بھی اس میں خیار ثابت رہے گا۔ اگر اسے پکڑنے کے لئے شکار کرنے کی ضرورت نہ ہو تو اس کی بیع درست ہو گی اور اس میں خیار رویت (دیکھنے کے بعد خریدنے یا نہ خریدنے کا اختیار) ثابت ہو گا۔ یہ تفصیل بذریعہ دلائل اخذ کی گئی ہے اور ان صورتوں کو حدیث میں مذکور حکم کے ساتھ ملحق کرنے کی جو علت ہے وہ ممانعت کے عموم کی تخصیص کرتی ہے ۔

٧٧٥/٤٢ ـ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةٌ حَتَّى تَطْعَمَ، وَلَا يُبَاعَ صُوفٌ عَلَى ظَهْرٍ، وَلَا لَبَنٌ فِي ضَرْعٍ». رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ لِعِكْرِمَةَ، وَأَخْرَجَهُ أَيْضاً مَوْقُوفاً عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ، وَرَجَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ(١).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قابل استعمال ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے' اور بھیڑ کی پشت پر موجود اون نیز دودھ کے تھنوں میں موجود دودھ کی فروخت سے روکا ہے۔" طبرانی نے "الاوسط" میں نیز دارقطنی نے اس کی روایت کی ہے۔ ابوداؤد نے مراسیل (مرسل کی جمع) کے اندر عکرمہ سے اس کی روایت کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ پر موقوف صورت میں بھی قوی اسناد کے تحت اس کی تخریج کی ہے جسے بیہقی نے ترجیح دی ہے۔

(۱) حدیث میں لفظ ہے (تطعم) حرف تاء پر پیش اور حرف عین کے زیر کے ساتھ' مفہوم یہ کہ پھل کے اندر

---

(۱) قابل استعمال ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع کی ممانعت کی حدیث کا حوالہ:۔ سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۳' ۱۴ ۔ مضامین اور ملاقیح کی بیع کی ممانعت کی حدیث کا حوالہ :۔ کشف الاستار ۱۲۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استعمال کی صلاحیت پیدا ہونے سے پہلے اسے فروخت نہ کیا جائے۔

(۲) یہی بات راجح ہے۔

زیر نظر حدیث تین مسائل پر مشتمل ہے:

پہلا مسئلہ:۔ قابل استعمال ہو جانے سے پہلے پھلوں کی بیع کی ممانعت۔ اس پر مزید گفتگو آگے آ رہی ہے۔

دوسرا مسئلہ:۔ بھیڑ کی پشت پر موجود اون کی بیع کی ممانعت۔ اس کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

پہلا قول تو یہ ہے کہ ایسی بیع درست نہیں ہے۔ یہ قول حدیث پر عمل پیرا ہونے پر مبنی ہے' نیز اس میں یہ پہلو بھی ہے کہ جانور کی پشت پر اون کاٹنے کے مقام کے بارے میں اختلاف ہو سکتا ہے اور اس طرح جانور کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔ یہ امام شافعیؒ امام ابو حنیفہؒ اور ہادویہ کا قول ہے۔

دوسرے قول کے مطابق ایسی بیع درست ہے کیونکہ اون نظروں کے سامنے ہوتی ہے اور اسے خریدار کے حوالے کرنا بھی ممکن ہوتا ہے اس لئے جس طرح ذبح شدہ جانور کی اون کی فروخت درست ہے اسی طرح اس کی بھی درست ہو گی۔ یہ امام مالکؒ اور ان کے دیگر ہم خیال حضرات کا قول ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے۔ پہلا قول زیادہ واضح ہے۔ اس روایت کے اندر مرسل اور موقوف ایک دوسرے کی قوت کا سبب ہیں اور دوسری طرف غرر کی نہی پر مشتمل روایات صحیح روایات ہیں اور زیر بحث صورت کا حاصل غرر (بے یقینی) ہے۔

تیسرا مسئلہ: دوہنے سے پہلے تھنوں میں موجود دودھ کی بیع کی ممانعت ہے' کیونکہ اس میں غرر کا پہلو ہے۔ سعید بن جبیر اس کے جواز کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جواز کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں تھن کو ذخیرہ گاہ قرار دیا ہے۔ یہ ارشاد اس شخص کے متعلق ہے جو اپنے مسلمان بھائی کی بکری اس کی اجازت کے بغیر دودھ لے۔ آپؐ نے فرمایا: "تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کے خزانہ (ذخیرہ گاہ) کی طرف چل پڑتا ہے اور اس میں جو کچھ موجود ہوتا ہے اسے اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تھن کو ذخیرہ گاہ قرار دینا مجاز پر مبنی ہے' اور اگر تھن کو خزانہ تسلیم کر لیا جائے تو اس میں موجود دودھ کی فروخت بیع غرر اور اس کی مقدار نیز اس کی کیفیت نا معلوم ہو گی۔

٧٧٦/٤٣ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمَضَامِينِ وَالْمَلَاقِيحِ». رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ[1].

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع

---

(۱) مضامین اور ملاقیح کی بیع کی ممانعت کی حدیث کا حوالہ:۔ کشف الاستار ۲۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے منع فرمایا ہے۔" بزار نے اس کی متابعت کی ہے اور عمرو بن قیس نے زہری سے اسے موصولاً روایت کیا ہے۔ امام مالک کا قول صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی روایت منقول ہے جس کی تخریج قوی اسناد کے ذریعے عبدالرزاق نے کی ہے - یہ حدیث مضامین اور ملا قیح کی بیع کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ہے - اس پر بحث گذر چکی ہے اور اس پر اجماع ہے - مضامین سے مراد وہ چیز جو اونٹ کے پیٹ میں ہو اور ملا قیح وہ چیز جو اونٹ کی پشت میں ہو۔

٧٧٧/٤٤ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَقَالَ مُسْلِماً بَيْعَتَهُ أَقَالَ اللَّهُ عَثْرَتَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ(۱).

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص کسی مسلمان کے ساتھ اس کی بیع کا اقالہ کر لے (ختم کر دے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزش کا اقالہ کر دے گا۔" (معاف کر دے گا) اسکی روایت ابو داؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے کی ہے اور ابن حبانؒ نیز حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے ۔

(۲) حاکم کی روایت میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں :" جو شخص کسی مسلمان کے ساتھ اقالہ کر لے قیامت کے دن اللہ اس کی لغزش کا اقالہ کر دے گا۔" ابو الفتح القشیری نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرائط پر پوری اترتی ہے۔ اس باب میں دیگر احادیث بھی مروی ہیں جو اقالہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

شرعی طور پر اقالہ کی حقیقت یہ ہے کہ عقد بیع کے دونوں فریقوں (بائع اور مشتری) کے درمیان طے شدہ عقد کو اٹھا لیا جائے اور اسے ختم کر دیا جائے۔ یہ اجمالاً مشروع ہے ۔ اس پر دلالت کرنے والے لفظ کا زبان سے کہنا ضروری ہے - یہ لفظ (اقلت) " میں نے اقالہ کیا" ہے یا عرفاً" اس کے ہم معنی کوئی اور لفظ ۔ اقالہ کرنے کی کچھ شرائط ہیں جن کا ذکر فروع کی کتابوں میں آتا ہے ' لیکن یہ شرائط بلا دلیل ہیں۔ حدیث تو صرف اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اقالہ خرید و فروخت کرنے والے دو افراد کے درمیان ہوتا ہے - یہ بات حضورؐ کے ارشاد (بیعتہ اس کی بیع) سے معلوم ہوئی ۔ رہی یہ بات کہ جس کے ساتھ اقالہ کیا جائے وہ مسلمان ہو تو یہ کوئی شرط نہیں ہے۔ یہاں اس کا ذکر اس بنا پر ہوا ہے کہ اغلب احوال میں ایسا ہی ہوتا ہے - ورنہ غیر مسلم کے ساتھ اقالہ کرنے پر بھی اقالہ کا ثواب ثابت ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں:۔ "جو شخص کسی ایسے شخص کے ساتھ اقالہ کر لے جو اپنے سودے پر پشیمان کے ساتھ۔" بزار نے اس کی تخریج کی ہے۔

اقالہ کی حدیث کے مراجع :۔ سنن ابی داؤد ۳۴۶۰' سنن ابن ماجہ ۲۱۹۹' موارد الظمان ۱۱۰۳' مستدرک ج ۲ ص ۴۵' مصنف عبدالرزاق ۲۴۶۸' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ باب الخیار

حرف خاء کے زیر کے ساتھ خیار کا لفظ اختیار یا تخییر مصدر کا اسم ہے ' اس کا معنی بیع کو نافذ یا فسخ کرنے کی دو صورتوں میں سے بہتر صورت کی طلب ہے ۔ خیار کی کئی قسمیں ہیں۔

مصنف نے اس باب میں خیار شرط اور خیار مجلس کا ذکر کیا ہے ۔

۷۷۸/۱ ۔ وَعَنْ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ، فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيعاً، أَوْ يُخَيِّرْ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَتَبَايَعَا عَلَى ذَلِكَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ، وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ تَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ (۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "جب دو شخص آپس میں خرید و فروخت کریں تو جب تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں دونوں اکٹھے ہوں اس وقت تک ان میں سے ہر ایک کو خیار حاصل ہو گا۔ الا یہ کہ ایک نے دوسرے کے ساتھ خیار کیا ہو۔ اگر ان میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ خیار کیا ہو اور اس پر دونوں کے درمیان عقد بیع ہو گیا ہو تو بس بیع واجب (پکی) ہو گئی ۔ اگر آپس میں عقد بیع کرنے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور ان میں سے کوئی بھی بیع کو ترک نہ کرے تو بھی بیع پکی ہو گئی۔" (متفق علیہ) الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں ۔

(۱) یعنی اپنے درمیان عقد بیع کو نافذ کر دیں ' عقد کے بغیر صرف مول تول نہ کریں۔

(۲) اس روایت میں لفظ (مالم یتفرقا) ہے جب کہ ایک اور روایت میں (مالم یفترقا) ہے ۔دونوں کا مفہوم ایک ہے اور علیحدگی سے جسمانی طور پر علیحدگی مراد ہے ۔

(۳) اس کے لئے حدیث کا لفظ (یخیر) ہے اور یہ تخییر مصدر سے نکلا ہے یعنی اختیار دینا۔ اگر ان میں

---

(۱) متن کی حدیث بروایت حضرت ابن عمرؓ کے مراجع:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۸۲' مسلم شریف حدیث ۴۴ من البیوع' سنن نسائی ج۷ ص ۲۴۹' سنن ابن ماجہ ۲۱۸۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۹ ' سنن کبری ج ۵ ص ۲۶۹' سنن دارقطنی ج ۳ ص ۵' شرح السنہ ج ۸ ص ۴۲' بدائع المنن ص ۱۲۵' فتح الباری ج ۴ ص ۳۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کوئی ایک فریق دوسرے فریق کو اختیار دے دے یعنی ایک معلوم مدت تک کے لئے خیار کی شرط لگا دے تو ایسی صورت میں جسمانی طور پر علیحدگی کی وجہ سے خیار ختم نہیں ہو گا بلکہ شرط میں مذکور مدت کے خاتمے تک جاری رہے گا - ایک قول کے مطابق مراد یہ ہے کہ اگر علیحدگی سے قبل ایک فریق بیع کے نفاذ کی بات اختیار کرلے تو ایسی صورت میں بیع اس کے لیے لازم ہو جائے گی اور علیحدگی کا اعتبار باطل ہو جائے گا۔ اس مفہوم پر حضورؐ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: "اگر ان میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ خیار کیا ہو اور اس پر دونوں کے درمیان عقد بیع ہو گیا ہو تو بس بیع واجب ہو گئی۔"

(۴) نافذ اور تام ہو گئی

(۵) یعنی جسمانی طور پر یہ حدیث بائع اور مشتری دونوں کے لئے خیار مجلس کے ثبوت کی دلیل ہے نیز یہ کہ جسمانی طو رپر علیحدگی تک یہ خیار باقی اور جاری رہتا ہے -

خیار مجلس کے ثبوت کے متعلق علماء کے دو اقوال ہیں: - پہلا قول اس کے ثبوت کا ہے۔ صحابہؓ کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔ اس جماعت میں حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرھم شامل ہیں - یہی قول اکثر تابعینؒ کا ہے اور امام شافعیؒ ' امام احمدؒ ' اسحاقؒ اور امام یحییٰؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ ان حضرات کے قول کے مطابق جس علیحدگی کی وجہ سے خیار باطل ہو جاتا ہے وہ ایسی علیحدگی ہے جس پر عادۃ تفریق کا اطلاق ہوتا ہو۔ اگر چھوٹا مکان ہو تو وہاں سے ایک کے نکل جانے کی بنا پر علیحدگی عمل میں آ جائے گی اور اگر بڑا مکان ہو تو اپنی مجلس سے اٹھ کر دو یا تین قدم چل کر دوسری جگہ پہنچ جانے سے یہ علیحدگی واقع ہو جائے گی - حضرت ابن عمرؓ کا معروف فعل (آگے اس کا ذکر آئے گا) اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مذکورہ بالا عمل تفرق ہے - اگر بائع اور مشتری دونوں مجلس عقد سے ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں اور ایک ساتھ چلے جائیں تو ایسی صورت میں خیار باقی رہے گا - اس مسلک کی دلیل زیر نظر متفق علیہ حدیث ہے -

دوسرا قول ہادویہ ' حنفیہ ' امامیہ اور امام مالک کا ہے کہ خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا بلکہ جب بائع اور مشتری قولی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو اس وقت خیار شرط کے سوا کوئی اور خیار نہیں رہتا - انہوں نے ارشاد باری (تجارۃ" عن تراض باہمی رضا مندی پر مبنی تجارت --- سورۃ نساء ' آیت ۲۹) سے نیز (واشھدوا اذا تبایعتم) اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ مقرر کر لیا کرو- سورہ بقرہ آیت ۲۸۲) سے استدلال کیا ہے - ان کے قول کے مطابق گواہ بنانا اگر تفرق کے بعد ہو تو آیت میں مذکور امر کے ساتھ مطابقت نہیں ہو گی اور اگر علیحدگی سے پہلے ہو تو اس کا اتصال اپنے محل سے نہیں ہو گا۔انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ ہیں :" جب بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو بائع کا قول معتبر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گا۔" اس میں تفصیل بیان نہیں ہوئی۔

ان حضرات کے استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت مطلق ہے۔ اسے حدیث کے ذریعے مقید کیا گیا ہے جس طرح خیار شرط میں ہوا ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث اور گواہی کی آیت سے مراد عند العقد ہے اور خیار مجلس کا ثبوت اس کے منافی نہیں ہے جس طرح خیار کی دیگر صورتیں اس کی منافی نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ زیر نظر حدیث منسوخ ہے اور اسکی ناسخ یہ حدیث ہے: "مسلمان اپنی شرطوں پر ہوتے ہیں[1]"۔ عقد کے لزوم کے بعد خیار شرط کا فائدہ دیتا ہے۔ اس استدلال کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ عدم نسخ اصل ہے اور احتمال کی بنا پر نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ زیر نظر حدیث کے راوی ہیں اور خود ان کا عمل اس پر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ راوی کی مخالفت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی روایت پر عمل نہ کیا جائے۔ کیونکہ راوی کا عمل اس کے اپنے اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی اپنی روایت سے زیادہ راجح روایت اس کی نظر میں ظاہر ہو جاتی ہے، اگرچہ نفس الامر میں یہ روایت زیادہ راجح نہیں ہوتی۔

ان کے قول کے مطابق زیر بحث حدیث کو مول تول کرنے والے افراد پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ مول تول کرنے والے کے لئے بائع کے لفظ کا استعمال عام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ استعمال مجاز ہے جب کہ حقیقت کے معنی میں لفظ کا استعمال اصل ہے۔ اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ پہلے قول کی بنا پر بھی اس حدیث کو مجاز پر محمول کرنا لازم آتا ہے، کیونکہ جسمانی طور پر علیحدگی کا قول اختیار کرنے کی صورت میں اس سے وہ علیحدگی مراد ہو گی جو عقد بیع کا صیغہ مکمل ہو جانے کے بعد وجود میں آئے اور یہ گذر چکی اس لئے یہ ماضی میں مجاز ہو گی۔ اس اعتراض کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ ماضی میں مجاز ہے بلکہ یہ ماضی میں حقیقت ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے بخلاف مستقبل کے اس میں مجاز ہونے کے اندر سب کا اتفاق ہے۔

ان حضرات نے کہا ہے کہ علیحدگی سے قولی طور پر علیحدگی مراد ہے۔ اس سے علیحدگی کی وہ صورت مراد ہے جو بائع کے قول "میں نے تمہارے ہاتھ یہ مال اتنے میں فروخت کر دیا" یا مشتری کے قول "میں نے خرید لیا" کے درمیان ہو۔ ان کے قول کے مطابق مشتری کو مذکورہ بالا فقرہ کہنے یا اسے ترک کرنے کا خیار ہو گا

---

(۱) حدیث "مسلمان اپنی شرطوں پر ہوتے ہیں" کے مراجع:۔ سنن ابی داؤد باب ۱۲ من الاقضیہ، سنن ترمذی ۱۳۵۲، بخاری شریف ج ۳ ص ۱۲۰، مستدرک ج ۲ ص ۴۹، سنن کبری ج ۶ ص ۷۹، ۱۶۶، ص ۷۹۰، التمہید ج ۷ ص ۱۱۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۲۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۶۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بائع کو خیار ہو گا کہ وہ مشتری پر بیع واجب کردے لیکن اس دلیل کا بودا پن اور بطلان بالکل واضح ہے کیونکہ یہ تو حدیث کے فائدے کے پہلو کو بے اثر کر دینے اور لغو قرار دینے کے مترادف ہے اس لئے کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ ایسی صورت میں بائع اور مشتری میں سے ہر ایک اس وجہ سے خیار پر ہو گا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی عقد بیع نہیں ہو گا' اس لئے حدیث میں خیار کی خبر دینا اس بنا پر فضول اور لغو ہو گا کہ اس کے ذریعے کوئی نئی بات بتائی نہیں جائے گی جب کہ حدیث کے الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں' اس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔ اس لئے پہلا قول ہی مبنی برحق ہے۔

زیر نظر حدیث کا اگلی حدیث کے ذریعے بھی معارضہ کیا گیا ہے۔ اگلی حدیث درج ذیل ہے:

۷۷۹/۲ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْبَائِعُ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا، إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ، وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَابْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ(۱).

وَفِي رِوَايَةٍ: «حَتَّى يَتَفَرَّقَا عَنْ مَكَانِهِمَا».

عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بائع اور مشتری کو خیار حاصل ہو گا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں الا یہ کہ سودا خیار کے ساتھ کیا گیا ہو۔ اور اس (مشتری) کے لئے اس خطرے کے تحت اس (بائع) سے علیحدگی حلال نہیں ہو گی کہ کہیں وہ بیع کا اقالہ نہ کرلے۔ ابن ماجہ کے سوا باقی ماندہ اصحاب سنن نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ دار قطنی' ابن خزیمہ اور ابن الجارود نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں :۔ یہاں تک کہ دونوں اپنی اپنی جگہ سے جدا ہو جائیں۔"

پچھلی حدیث کا عمرو بن شعیب سے مروی اس حدیث کے ذریعے بھی معارضہ کیا گیا ہے جس کی تخریج ابو داؤد نے کی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں :" بائع اور مشتری کو خیار حاصل ہو گا جب تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہو جائیں الا یہ کہ سودا خیار کے ساتھ کیا گیا ہو' اور اس (مشتری) کے لئے اس خطرے کے تحت اس (بائع) سے علیحدگی حلال نہیں ہو گی کہ کہیں وہ بیع کا اقالہ نہ کر لے۔" دوسرے قول (خیار مجلس کے

---

(۱) متن کی حدیث کے حوالہ جات:۔ سنن ابی داؤد ۳۴۵۶' سنن ترمذی ۱۲۴۷' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۳' سنن کبری ج ۵ ص ۲۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدم ثبوت) کے قائلین نے یہاں کہا ہے کہ حضورؐ کا ارشاد (کہیں وہ بیع کا اقالہ نہ کر لے) بیع کے نافذ ہو جانے پر دال ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث خیار مجلس کی بھی دلیل ہے کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "..... خیار حاصل ہوگا جب تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہو جائیں۔"

حضورؐ کے ارشاد "کہیں وہ بیع کا اقالہ نہ کر لے" سے مراد فسخ بیع ہے اس لئے کہ حدیث میں مذکور لفظ استقالہ کو اگر حقیقی معنوں میں لیا جائے' تو پھر ایک دوسرے سے علیحدگی کا کوئی مفہوم نہیں ہو گا۔ اس بنا پر مذکورہ لفظ کو فسخ کے معنوں پر محمول کرنا متعین ہو گیا۔ اسی معنی پر امام ترمذی وغیرہ دیگر علماء نے اس لفظ کو محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ "اور اس کے لئے اس خطرے کے تحت اس سے علیحدگی حلال نہیں ہو گی کہ کہیں وہ فسخ بیع کی بات اختیار نہ کر لے"۔ اس لئے استقالہ سے مراد پشیمان شخص کا فسخ عقد ہے اور انہوں نے حلت کی نفی کو کراہت پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ بات ایک مسلمان کی مروت اور حسن معاشرت کے مناسب نہیں ہے' نہ یہ کہ فسخ بیع اختیار کر لینا حرام ہے۔ رہ گئی حضرت ابن عمرؓ سے مروی بات کہ وہ جب کسی سے خرید و فروخت کرتے اور سودے کے اتمام کا ارادہ کر لیتے تو کھڑے ہو جاتے اور کچھ دیر چلتے رہتے اور پھر بائع کی طرف واپس آ جاتے تو اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ انہیں نہی والی زیر نظر حدیث نہیں پہنچی تھی۔

ابن حزم نے کہا ہے کہ اگر حضرت ابن عمرؓ کی اس حدیث کو قولی طور پر علیحدگی کے مفہوم میں لیا جائے تو اس سے حدیث کا فائدہ ختم ہو جائے گا کیونکہ پھر علیحدگی کی حلت لازم آئے گی خواہ اقالہ کا خطرہ ہو یا خطرہ نہ ہو۔ کیونکہ اقالہ علیحدگی سے پہلے بھی ہو سکتا ہے اور علیحدگی کے بعد بھی۔"

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "مالکیہ اور حنفیہ نے اس (زیر نظر) حدیث کو رد کرنے کے لئے

٧٨٠/٣ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: ذَكَرَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ: «إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(١).

---

(١) متن کی حدیث کے حوالہ جات :۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۱۵۷' ۱۵۹' ج ۹ ص ۳۱' مسلم شریف ۱۵۳۳ فی البیوع' سنن ابی داؤد ۳۵۰۰' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۵۲' سنن کبری ج ۵ ص ۲۶۲' شرح السنہ ج ۸ ص ۴۶' تلخیص الحبیر ج ۳ ص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لمبی چوڑی بحث کی ہے جس کا یہاں ذکر طوالت کا باعث ہو گا لیکن اس بحث کے اکثر حصے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں لفظ (مکانہا) کے ثبوت کے بعد تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اسے قولی طور پر محمول کرنا پوری طرح باطل ہو جاتا ہے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسے خرید و فروخت میں ٹھگ لیا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "جب تم خرید و فروخت کرو تو کہہ دیا کرو کہ: "کوئی دھوکا بازی نہیں۔" (متفق علیہ)

(۱) یہ شخص حضرت حبان (حرف حاء اور حرف باء پر زبر کے ساتھ) بن منقذ تھے۔

(۲) لا خلابہ (حرف خاء کے نیچے زیر اور حرف لام کی تخفیف کے ساتھ) یعنی کوئی دھوکا بازی نہیں۔

(۳) ابن اسحاق نے حضرت ابن عمرؓ سے یونس بن بکیر اور عبدالاعلی کی روایت میں درج ذیل اضافہ کیا ہے: "پھر تمہیں ہر خریدے ہوئے سامان کے اندر تین تک خیار حاصل ہو جائے گا۔ اگر تمہیں مال پسند ہو تو اسے رکھ لینا اور اگر ناپسند ہو تو واپس کر دینا۔" یہ شخص حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے تک زندہ رہے۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی' یہ شخص جب کوئی چیز خریدتے اور ان سے کہا جاتا کہ "آپ کو ٹھگ لیا گیا ہے۔" تو یہ بائع کے پاس واپس جاتے اور کوئی صحابی انکے حق میں یہ گواہی دیتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے تین دن کا خیار مقرر کیا ہے۔ تو بائع یہ بات سن کر ان کے دراہم ان کو واپس کر دیتا۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر خرید و فروخت میں غبن (قیمت وغیرہ میں نقصان) واقع ہوجائے تو خیار غبن حاصل ہو جائے گا - اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں: پہلا قول خیار غبن ثابت ہونے کا ہے - یہ امام احمد اور امام مالک کا قول ہے بشرطیکہ غبن یعنی نقصان بہت زیادہ ہو جسے غبن فاحش کہا جاتا ہے اور ایسے شخص کے ساتھ پیش آیا ہو جسے مال کے ثمن کا علم نہ ہو - بعض مالکیہ نے اسے مقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ غبن کی مقدار مال کی قیمت کے تہائی تک پہنچ جائے۔ انہوں نے شاید یہ قید اس لئے لگائی ہے کہ عام معروف بات یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اکثر احوال کے اندر تھوڑا بہت نقصان اٹھانے سے محفوظ نہیں رہتا - نیز یہ کہ عرف اور عادت میں تھوڑے بہت نقصان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ جو شخص نقصان کا علم ہوجانے کے باوجود اس پر رضامند رہے تو اسے غبن نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کا تعلق بیع کے اندر ایک دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ نرمی برتنے کے باب سے ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت میں نرمی برتنے والے کی تعریف فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو فروخت کے اندر نرمی برتے اور خریداری کے اندر بھی نرمی سے کام لے۔

علماء کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ خیار غبن ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بیع اور نفاذ بیع کے عمومی دلائل میں غبن کے وقوع اور عدم وقوع کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ ان حضرات کے قول کے مطابق زیر بحث حدیث کے اندر خیار کی بات صرف مذکورہ شخص کی کم عقلی کی وجہ سے کی گئی ہے۔ تاہم یہ کمزوری ایسی ہے جس کی وجہ سے ایک شخص برے بھلے میں تمیز کی حد سے خارج نہیں ہوتا' اس لئے اس کے تصرفات اجازت یافتہ بچے کے تصرفات کی طرح ہوں گے۔ اور اس کے لئے خیار غبن ثابت ہو جائے گا۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ مذکورہ شخص کی عقلی کمزوری پر حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث دلالت کرتی ہے اس کی تخریج امام احمد اور اصحاب سنن نے کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :" ایک شخص خرید و فروخت کرتے تھے اور ان کی عقل (سمجھ بوجھ) میں کمزوری تھی۔" عقلی کمزوری پر دلالت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس انہیں اپنے ارشاد (لاخلابہ' کوئی دھوکا بازی نہیں) کے ذریعے دھوکا بازی نہ ہونے کی شرط عائد کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔ اس لئے انکی خرید و فروخت دھوکا بازی نہ ہونے کی شرط کے ساتھ مشروط تھی تاکہ یہ خیار شرط کی صورت بن جائے۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ "اس قصے میں جہاں تک خدیعہ (دھوکا بازی) کا تعلق ہے تو اس میں احتمال ہے کہ یہ دھوکا بازی مبیع کے اندر عیب کے سلسلے میں ہو یا ملکیت یا ثمن یا غبن کے سلسلے میں ہو اس لئے خاص طور پر غبن کے سلسلے میں اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک خاص واقعہ ہے اور اس میں کوئی عموم نہیں ہے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ مذکورہ شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ساتھ پیش آنے والے غبن اور نقصان کا شکوہ کیا۔ یہ بات ابن العربی کے قول کی تردید کرتی ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اگر بائع یا مشتری (لاخلابہ) کہہ دے اور اس سے خیار ثابت ہو جائے گا خواہ سودے میں غبن کا پہلو نہ بھی ہو۔ لیکن یہ قول اس بنا پر قابل رد ہے کہ روایت کے اندر یہ قید موجود ہے کہ مذکورہ شخص کو خرید و فروخت میں ٹھگ لیا جاتا تھا' یعنی انہیں غبن سے سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ ہادویہ نے دو صورتوں کے اندر خیار غبن کا اثبات کیا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اور شخص کی طرف سے تصرف کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ برے بھلے میں تمیز کرنے والے بچے کو اس سے سابقہ پڑ جائے۔ انہوں نے اس حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اپنے حق میں استدلال کیا ہے۔ تاہم یہ حدیث مذکورہ دوسری صورت کے لئے انکی دلیل بن سکتی ہے بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ مذکورہ شخص کے اندر عقلی کمزوری تھی، پہلی صورت کے لئے یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ باب الربا

الربا کا لفظ (حرف راء کے زیر اور الف مقصورہ کے ساتھ) فعل رباء یربو سے ہے' اسے میم اور مد کے ساتھ الرماء بھی کہا جاتا ہے۔ معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ الربیہ (حرف راء پر پیش اور تخفیف یاء کے ساتھ) زیادہ کے معنی میں ہے۔ اسی سے یہ ارشاد باری ہے اھتزت وربت زمین لہلہا اٹھی اور بڑھی (سورہ حج آیت ۵) ۔ بیع کی ہر حرام شدہ صورت پر ربا کا اطلاق ہوتا ہے۔ ربوا (سود) کی تحریم پر امت کا فی الجملہ اجماع ہے' اگرچہ تفصیلات کے اندر اختلافات ہیں۔ ربوا کی نہی' اس کے مرتکب اور اس کے مدد گاروں کی مذمت میں بہت سی احادیث ہیں جو سود خور پر لعنت کرتی ہیں۔ ان میں چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۷۸۱/۱ ۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُوكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

وَلِلْبُخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي جُحَيْفَةَ(۲).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر' اس کا بیع نامہ لکھنے والے پر اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب یکساں ہیں۔ امام مسلمؒ نے اس کی روایت کی ہے اور امام بخاریؒ نے حضرت ابو جحیفہؓ سے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے۔

(۱) یعنی ان مذکورہ بالا افراد کے بارے میں یہ بد دعا کہ انھیں خدا کی رحمت سے دور کر دیا جائے۔ یہ بات ان لوگوں کے گناہ کی اور ان کے فعل کی تحریم کی دلیل ہے۔ سود کھانے والے کا خصوصیت سے ذکر ہوا کیونکہ اکثر اوقات سود خوری کا فائدہ اسے ہی حاصل ہوتا ہے اور اس کے سوا دیگر متعلقہ افراد اسی کی طرح ہیں۔ سود کھلانے والے سے وہ شخص مراد ہے جو سود ادا کرے اس لئے کہ سود کا وقوع اس کی ذات سے ہی ہوتا ہے اس لئے گناہ کے اندر وہ بھی شامل ہے۔

تحریر لکھنے والے اور دونوں گواہ ایک ممنوع فعل کی اعانت کے جرم میں گنہگار ہوں گے۔ یہ گناہ اس وقت ہو گا جب انہیں معلوم ہو کہ یہ سودی لین دین ہے اور وہ اس کا قصد کرتے ہوں۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ پر لعنت کی' اس میں ایک گواہ کا ذکر ہے' یہ جنس کے معنی پر

(۱) حضرت جابرؓ کی حدیث کے مراجع :۔ مسلم شریف ۱۵۹۷ فی المساقاۃ' سنن ابی داؤد ۳۳۳۳' سنن ترمذی ۱۲۰۶' سنن ابن ماجہ ۲۲۷۷

(۲) امام بخاری کی روایت کا حوالہ :۔ بخاری شریف باب ۵۵ من البیوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمول ہو گا۔

یہاں اگر آپ یہ کہیں کہ ایک حدیث ہے: "اے اللہ ' میں جو بھی لعنت کروں تو اسے رحمت بنا دے!" یا اسی طرح کی کوئی اور حدیث۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: "میں جو بھی لعنت کروں وہ اس پر واقع ہو گی جسے میں نے لعنت کی ہے" یہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لعنت کی بد دعا تحریم پر دلالت نہیں کرتی نیز یہ کہ اس سے آپ ؐ کی مراد حقیقی طور پر اس شخص کے لئے بددعا نہیں تھی جس پر آپ ؐ نے لعنت کی۔

اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ یہ بات اس صورت میں ہو گی جب کہ وہ شخص جس پر آپ ؐ نے لعنت کی کسی ایسے فعل کا مرتکب نہ ہو جو واضح طور پر حرام ہو۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ غصے کی حالت میں آپ ؐ کی زبان مبارک سے کسی کے بارے میں لعنت کا لفظ نکل آیا ہو۔

۷۸۲/۲ - وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُونَ بَاباً. أَيْسَرُهَا مِثْلَ أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ، وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ مُخْتَصَراً، وَالْحَاكِمُ بِتَمَامِهِ، وَصَحَّحَهُ(۱).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ربا (گناہ کے) تہتر دروازوں پر مشتمل ہے ' اور ان میں سب سے کمتر یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے اور سب سے بڑھ کر ربا ایک مسلمان شخص کی عزت و آبرو ہے۔" ابن ماجہ نے اس کی مختصر صورت میں روایت کی ہے اور حاکم نے پوری حدیث کی روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) گناہ کے اعتبار سے

(۲) اسی مفہوم کی کئی اور حدیثیں ہیں۔ مسلمان کی عزت و آبرو کے سلسلے میں مذکورہ ربوا کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کی ہے: "ایک گالی کے بدلے میں دو گالیاں۔" اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ حرام شدہ فعل پر لفظ ربا کا اطلاق ہوتا ہے اگرچہ اس کا تعلق ربوا کی معروف صورتوں کے ساتھ نہ بھی

---

(۱) حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کے حوالہ جات:۔ سنن ابن ماجہ ۲۲۷۵' مستدرک ج ۲ ص ۳۷' زادالمسیر ج ۱ ص ۳۳۳' کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو۔ سب سے کمتر ربوا کو ماں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے مشابہ اس لئے قرار دیا گیا کہ عقلی طور پر بھی یہ فعل انتہائی قبیح ہے۔

۷۸۳/۳ ۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سونے کے بدلے سونا فروخت نہ کرو الا یہ کہ ہم وزن ہو اور بعض کو بعض سے نہ بڑھاؤ' وزن نہ بڑھاؤ اور چاندی کے بدلے چاندی فروخت نہ کرو الا یہ کہ ہم وزن ہو اور بعض کو بعض سے نہ بڑھاؤ اور غائب (سونے یا چاندی) کو حاضر (سونے یا چاندی) کے بدلے فروخت نہ کرو۔" (متفق علیہ)

(۱) ولا تشفوا (حرف تاء پر پیش' حرف شین کے نیچے زیر اور فائے مشددہ کے ساتھ) یعنی زیادہ نہ کرو۔

(۲) ناجز (حرف جیم اور حرف زاء کے ساتھ) یعنی حاضر اور موجود

یہ حدیث سونے کے بدلے سونے کو اور چاندی کے بدلے چاندی کو متفاضل (مقدار میں کمی بیشی کے ساتھ) فروخت کرنے کی تحریم کی دلیل ہے' خواہ موجود ہو یا غائب' کیونکہ آپ کا ارشاد ہے: "الا بمثل" (مگر مثل کے بدلے) یہ اکثر احوال سے استثناء ہے۔ گویا کہ آپؐ نے فرمایا: "اسے ایک کے سوا کسی اور حال میں فروخت نہ کرو۔ وہ حال یہ ہے کہ ہم وزن ہو" (اور کمی بیشی نہ کرو) یعنی دونوں کی مقدار میں تفاضل کی صورت نہ ہو۔ یہ لفظ الشف (حرف شین کے نیچے زیر) سے نکلا ہے جس کے معنی یہاں زیادہ کے ہیں۔

حدیث سے حاصل شدہ اس مفہوم کو اہل علم صحابہ کرام' تابعین عظام' اہل بیت اور فقہاء کی اکثریت نے اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ سونے چاندی کی بیع میں تفاضل حرام ہے چاہے وہ غائب ہو یا موجود اور حاضر۔ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کی ایک جماعت کا مسلک ہے کہ صرف نسیئہ (ادھار بیع) کے اندر ربوا حرام ہے۔ انہوں نے اس صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے کہ: "ربوا صرف نسیئہ کے اندر ہے۔" جمہور نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حدیث کا معنی ہے "صرف نسیئہ کے اندر شدید ترین ربوا ہے۔" یعنی نفی کمال

---

(۱) حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت کردہ حدیث کے حوالہ جات:۔ بخاری شریف ج ۴ ص ۳۷۹' مسلم شریف باب ۱۴ من المساقاۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مراد ہے ' نفی اصل مراد نہیں ہے - دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مفہوم حدیث ہے جب کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث منطوق ہے اور مفہوم منطوق کا مقابلہ نہیں کرسکتا کیونکہ منطوق کے مقابلہ میں مفہوم کو رد کر دیا جاتا ہے - محدث حاکمؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قول "ربوا صرف نسیئہ کے اندر ہے۔" سے رجوع کر لیا تھا اور اللہ سے اس قول کے سلسلے میں استغفار کیا تھا۔ ذہب (سونے) کا لفظ ان تمام صورتوں کے لئے عام ہے جن پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے' خواہ وہ مضروب (سکے کی شکل میں) ہو یا غیر مضروب ہو۔اسی طرح لفظ ورق (چاندی) کی کیفیت ہے۔ آپؐ کے ارشاد:" اور غائب کو ناجز کے بدلے فروخت نہ کرو۔ " میں غائب سے مراد وہ سونا یا چاندی ہے جو مجلس بیع سے غائب ہو خواہ موجل ہو اور ناجز سے مراد حاضر اور موجود ہے۔

٧٨٤/٤ - وَعَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَداً بِيدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَداً بِيدٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" سونے کے بدلے سونا' چاندی کے بدلے چاندی 'گندم کے بدلے گندم 'جو کے بدلے جو ' خرما کے بدلے خرما اور نمک کے بدلے نمک' برابر برابر' یکساں اور دست بدست - اگر یہ اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو " امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے -

آپؐ کے ارشاد " مثلاً بمثل' وسواء بسواء" (برابر برابر اور یکساں) سے حاصل شدہ تاکید کے مفہوم میں کوئی خفاء نہیں ہے۔

---

(١) حضرت عبادہ کی حدیث کے مراجع:۔ مسلم شریف باب ١٥ حدیث ٨١' ٨٢' ' التمہید ج ٤ ص ٧٧' ٨٤' ج ٦ ص ٢٨٧' نصب الرایہ ج ٤ ص ٣٥' ٣٧' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٦ص ١٠٣' ١٠٥ ' ١٥٨ مشکواۃ المصابیح ٢٨٠٨' ٢٩٠٩' المعجم الصغیر للطبرانی ج ١ ص ٦٥' تاریخ بغداد ج ١٣ ص ١٤٧

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں منصوص طریقے سے مذکورہ چھ اشیاء میں سے کسی بھی دو ہم جنس چیزوں کی تفاضل (کمی بیشی) کے ساتھ بیع کی تحریم کی یہ حدیث دلیل ہے۔ ان اشیاء میں ربوا کی تحریم پوری امت کا مسلک ہے' ان کے سوا دیگر اشیاء کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک ہے کہ علت میں شریک دیگر اشیاء کے اندر بھی تحریم ربوا ثابت ہے ' لیکن کوئی منصوص علت ہاتھ نہ آنے کی وجہ سے اس کے بارے میں بہت زیادہ اختلافات ہیں جن سے ایک سمجھدار اور عارف ناظر کے اس قول کو تقویت ملتی ہے کہ ظاہریہ کا اختیار کردہ مسلک ہی مبنی برحق ہے۔ وہ یہ کہ ربوا صرف ان چھ منصوص اشیاء میں جاری ہوتا ہے ۔ ہم نے ایک الگ رسالے میں اس پر مستقل بحث کی ہے ۔ اس رسالے کا نام "القول المجتبیٰ" ہے ۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ایک ربوی (ربوا کے تحت آنے والے) مال کو اس کے غیر جنس ربوی مال کے بدلے موجل اور متفاضل فروخت کرنے کے جواز پر اہل علم کا اتفاق ہے مثلاً گندم کے بدلے سونے کی فروخت ' اور جو کے بدلے چاندی کی بیع اور دیگر مکیلات (ناپ کر فروخت ہونے والی اشیاء)۔ علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک چیز کی اس کی ہم جنس چیز کے بدلے اس صورت میں بھی فروخت جائز نہیں ہے جب کہ ان میں ایک موجل یعنی ادھار ہو ۔

٧٨٥/٥ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْناً بِوَزْنٍ مِثْلاً بِمِثْلٍ. وَٱلْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْناً بِوَزْنٍ مِثْلاً بِمِثْلٍ، فَمَنْ زَادَ أَو ٱسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم وزن ' برابر برابر' اور چاندی کے بدلے چاندی ' ہم وزن برابر برابر' جو شخص بڑھائے گا یا زائد طلب کرے گا وہ (زائد) ربوا ہوگا۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے ۔

اوزناً" بوزن ۔ یہ لفظ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے ۔

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ مقدار کا تعین وزن کے ذریعے کیا جائے ' انکل اور تخمین کے ذریعے نہیں ' بلکہ وزن کے ذریعے حاصل ہونے والا تعین ضروری ہے ۔

---

(۱) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے مراجع:۔ مسلم شریف باب ۱۵ من المساقاۃ' باب ۱۷ من المساقاۃ ' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۲' ج ۶ ص ۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) یعنی زائد دے گا۔

(۳) استزاد یعنی زائد طلب کرے گا۔ دونوں صورتوں میں وہ ربوا کے حرام فعل کا مرتکب ہو گا اور لینے والا نیز دینے والا دونوں ربوا کے گناہ میں شریک ہوں گے۔

٧٨٦/٦ ـ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلاً عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا». فَقَالَ: لَا. وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا». وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ مِثْلَ ذَلِكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلِمُسْلِمٍ: «وَكَذَلِكَ الْمِيزَانُ»(۱).

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو (کھجوروں کی وصولی کے لئے خیبر پر امیر مقرر فرمایا۔ وہ آپؐ کے پاس جنیب کھجوریں لے کر آئے' تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے دریافت فرمایا کہ "کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہوتی ہیں ؟" انہوں نے کہا: "اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا نہیں ' ہم ان کھجوروں کا ایک صاع (ناپ کا ایک پیمانہ) دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسا نہ کرو' جمع کھجوروں کو درہموں کے بدلے فروخت کرو اور پھر دراہم کے بدلے جنیب کھجوریں خرید لو۔" آپؐ نے موزون کے بارے میں بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ (متفق علیہ) امام کی روایت میں ہے: "اسی طرح موزوں بھی۔"

(۱) ان کا نام سواد (حرف سین پر زبر' واؤ کی تخفیف اور حرف دال کے ساتھ) ابن غزیہ (حرف غین پر زبر' حرف زاء کے نیچے زیر بروزن عطیہ۔) ہے ' یہ ایک انصاری تھے۔

(۲) جنیب بروزن عظیم ' ایک قول کے مطابق عمدہ کھجور کو جنیب کہتے ہیں ۔ بعض کے نزدیک سخت اور ٹھوس اور بعض کے نزدیک ایسی کھجوریں جن سے ردی اور گھٹیا کھجوریں چھانٹ کر الگ کر دی گئی ہوں۔ ایک

---

(۱) حضرت ابو سعید خدری کی حدیث "کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہیں" کے مراجع:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۱۰۲' ۱۲۹' ج ۵ ص ۱۷۸' ج ۹ ص ۱۳۲' مسلم حدیث ۹۴' ۹۵' من المساقاۃ ' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۷۱' سنن کبری المصابیح ۲۸۱۳' مشکل الاثار ج ۲ ص ۱۲۲' ۱۲۳' معانی الاثار ج ۴ ص ۴۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قول کے مطابق ایسی کھجوریں جو دیگر کھجوروں کے ساتھ مخلوط نہ ہوئی ہوں۔

(۳) جمع (حرف جیم پر زبر اور میم ساکن) ردی کھجوروں کو کہتے ہیں۔ یہ ایک تفسیر ہے' امام مسلم کی ایک روایت میں اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ یہ مخلوط کھجوریں ہوتی ہیں۔ جس کا معنی ہے' مختلف اقسام کی کھجوروں کا مجموعہ۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ایک جنس کو اس کی جنس کے بدلے فروخت کے اندر مساوات واجب ہے خواہ عمدہ اور گھٹیا ہونے میں دونوں یکساں ہوں یا مختلف۔ انہیں ایک ہی جنس شمار کیا جائے گا۔

(۴) یعنی وزن کے تحت فروخت ہونے والی اشیاء میں سے اگر ایک چیز اپنی جنس کے بدلے فرخت ہو تو آپؐ کا ارشاد اس کے متعلق بھی وہی ہے جو ناپ کر فروخت ہونے والی اشیاء کے بارے میں ہے یعنی اسے متفاضل شکل میں فروخت نہ کیا جائے۔ اگر اس طرح کی بیع کا ارادہ کیا جائے تو پہلے مذکورہ چیز کو دراہم کے بدلے فروخت کیا جائے اور پھر ان کے بدلے اپنی مطلوبہ چیز خرید لی جائے۔ اس بات پر اجماع قائم ہے کہ مذکورہ بالا حکم کے اندر مکیل اور موزون کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

حنفیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو چیز ناپ کر فروخت ہوتی تھی اسے وزن کے تحت مساوی مقدار میں فروخت کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس کے ناپ اور ناپ کے لحاظ سے اس کی مساوات کا اعتبار کرنا ضروری ہو گا۔ وزن کا بھی یہی معاملہ ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "ان حضرات کا اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کی اصل وزن ہو اسے ناپ کر فروخت کرنا جائز نہیں ہو گا۔ بخلاف اس چیز کے جس کی اصل کیل یعنی ناپ ہو۔ ان میں سے بعض ایسی چیز کے اندر وزن کو جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وزن کے ذریعے ہر چیز میں مماثلت حاصل ہو جاتی ہے۔ احناف کے سوا دیگر حضرات ناپ اور وزن کا اعتبار اس شہر اور علاقے کے رواج کے مطابق کرتے ہیں۔ خواہ یہ اس صورت حال کے خلاف کیوں نہ ہو جو زمانہ نبوت میں تھی۔ اگر ایک شہر یا علاقے کے رواج میں اختلاف ہو تو زیادہ غالب رواج کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر دونوں باتیں یکساں ہوں تو ایک چیز ناپ کر فروخت ہونے کی صورت میں اس کا حکم مکیل کا ہو گا اور وزن کے تحت بیع کی شکل میں اس کا حکم موزون کا ہو گا۔" یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ زیر بحث روایت کے اندر یہ نہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شخص کو یہ بیع رد کر دینے کا حکم دیا تھا بلکہ حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ آپؐ نے اسے برقرار رہنے دیا تھا اور انہیں صرف حکم سے آگاہ کیا تھا۔ ان کی معذوری یہ تھی کہ انہیں اس حکم کا علم نہیں تھا۔ تاہم ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ: "فسخ عقد کی روایت کرنے سے راوی کی خاموشی اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ فسخ عقد وقوع پذیر نہیں ہوا' بلکہ یہ بات دیگر طریق سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروی ہے۔" شاید ابن عبدالبر اس روایت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کی تخریج انہوں نے ابو بصرہ کے واسطے سے حضرت ابو سعیدؓ سے کی ہے جس میں لگ بھگ اسی واقعہ کا ذکر ہے۔اس روایت میں مذکور ہے:۔ "یہ ربوا ہے" اور پھر اس بیع کو آپؐ نے رد کر دیا ۔ ابن عبدالبر نے مزید کہا ہے کہ :" اس میں احتمال ہے کہ شاید واقعات متعدد ہوں اور جس واقعہ میں بیع رد کرنے کا ذکر نہیں ہے وہ پہلے گذر چکا ہو۔"

اس حدیث میں یہ دلالت بھی موجود ہے کہ افضل صورت اختیار کر کے طبیعت کو آسودگی بہم پہنچانا جائز ہے ۔

٧٨٧/٧ ـ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللَّهِ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ الَّتِي لَا يُعْلَمُ مَكِيلُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمَّى مِنَ التَّمْرِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے ایسے ڈھیر کی فروخت سے منع فرمایا ہے جس کا ناپ کھجوروں کے لئے مقررہ ناپ کے پیمانے کے ذریعے معلوم نہ ہو۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے ۔

(۱) صبرۃ (حرف صاد پر پیش) غلہ وغیرہ جو کسی ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہو یعنی غلہ، کھجور وغیرہ کا ڈھیر۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دوجنسوں کے درمیان مقدار میں یکسانیت ضروری ہے۔ اس شرط کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اور یہی بات یہاں نہی کی وجہ ہے ۔

٧٨٨/٨ ـ وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ ٱللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «إِنِّي كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَكَانَ طَعَامُنَا يَوْمَئِذٍ الشَّعِيرُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت معمر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کا یہ ارشاد سنا کرتا تھا کہ: "طعام کے بدلے طعام، برابر" اس زمانے میں ہمارا طعام یعنی ہماری خوراک جو تھی۔ امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے ۔

حدیث میں طعام کے لفظ کا ظاہری معنی یہی ہے کہ اس کے ضمن میں ہر خوردنی شے آ جاتی ہے اور یہ لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ طعام کو متفاضل فروخت نہ کیا جائے خواہ جنس میں اختلاف کیوں نہ ہو۔ لیکن دوسری طرف یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اس عموم کا کوئی قائل نہیں ہے۔ اختلاف صرف گندم اور جو میں

---

(۱) کھجوروں کا ڈھیر فروخت کرنے کی ممانعت کی حدیث کے مراجع:۔ مسلم شریف باب ۹ من البیوع، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۶۹، مسند شافعیؒ ص ۱۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ امام مالکؒ سے اس کی روایت آگے آ رہی ہے ' لیکن حضرت معمرؒ نے طعام کو جو' کے ساتھ خاص کر دیا ہے ' یہ بات عملی رسم و رواج اور عادت کے ذریعے تخصیص کی صورت ہے اور وہاں پیش آتی ہے جہاں اسم غالب نہ ہو۔ حنفیہ اس طرح کی تخصیص کے قائل ہیں۔

جمہور عادت اور رواج کی بنا پر تخصیص نہیں کرتے' البتہ اگر اسم کا غلبہ اس کا مقتضی ہو تو عادت کی بنا پر تخصیص ہو سکتی ہے ورنہ لفظ کو عموم پر محمول کیا جائے گا۔ زیر بحث حدیث میں طعام کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر مخصوص ہے جو آپؐ نے گندم اور جو کا شمار کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ: "جب اصناف مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو۔" اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ گندم اور جو دو اصناف ہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے' لیکن امام مالکؒ ' لیثؒ اور اوزاعیؒ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی صنف ہیں اس لئے ایک کے بدلے دوسری کی متفاضل بیع جائز نہیں ہو گی۔ ان سے پہلے یہی بات اس حدیث کے راوی حضرت معمر بن عبداللہ نے کہی ہے۔ امام مسلمؒ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے غلام کو ایک صاع گندم دے کر بازار بھیجا اور کہا کہ اسے فروخت کر دو اور پھر اس کے بدلے جو خرید لو۔ غلام بازار گیا اور ایک صاع سے کچھ زائد جو لے آیا۔ حضرت معمرؒ نے اس سے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا' واپس جاؤ اور اسے واپس کرو اور گندم کے بدلے برابر مقدار میں جو لو' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے' اور پھر انھوں نے پوری روایت بیان کر دی۔ ان سے کہا گیا کہ یہ اس کی مثل نہیں ہے' تو فرمایا: "میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کی مثل نہ ہو۔" ظاہر بات تو یہی ہے کہ یہ حضرت معمرؒ کا اپنا اجتہاد تھا اور حدیث کا ظاہر اس کی تردید کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت کردہ حدیث سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس حدیث کی تخریج ابو داؤد اور نسائی نے کی ہے اور اس کے الفاظ ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کے بدلے گندم کی اس صورت میں فروخت کے اندر کوئی حرج نہیں جب جو کی مقدار زیادہ ہو لیکن سودا دست بدست ہو۔"

۷۸۹/۹ ۔ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِينَاراً، فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ، فَفَصَلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَاراً، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «لَا تُبَاعُ حَتَّى تُفَصَّلَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

(۱) حضرت فضالہ کی حدیث کے مراجع :۔ مسلم شریف باب ۱۷' حدیث ۹۰ من المساقاۃ' سنن ابی داؤد ۳۳۵۲' سنن ترمذی ۱۲۲۵' ۱۲۵۵' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۷۹' مسند احمد ج ۶ ص ۲۱' شرح السنہ ج ۸ ص ۶۶' مشکوۃ المصابیح ۲۸۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ " میں نے غزوہ خیبر کے موقعہ پر بارہ دینار میں ایک ہار خریدا جس میں سونے اور پتھر کے نگ لگے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں الگ الگ کر دیا اور سونے کو بارہ دینار سے زائد پایا۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا:۔ جب تک اس کے حصے الگ الگ نہ کر دئے جائیں اس وقت تک اس کی فروخت نہ کی جائے۔ " امام مسلم (۱) نے اس کی روایت کی ہے۔

طبرانی نے اپنی کتاب " المعجم الکبیر" کے اندر کئی طرق سے اور مختلف الفاظ کے ساتھ اس کی روایت کی ہے حتیٰ کہ یہ کہہ دیا گیا کہ یہ مضطرب حدیث ہے۔

مصنف نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ " مذکورہ اختلاف ضعف کا موجب نہیں ہے بلکہ استدلال کی نص محفوظ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ اور وہ ہے ایسی چیز کی بیع کی ممانعت جس کے حصے علیحدہ نہ کئے گئے ہوں ۔ رہ گئی ہار کی جنس اور اس کے ثمن کی مقدار تو مذکورہ حالت کے اندر اس کے ساتھ کوئی ایسی بات متعلق نہیں ہے جو حدیث میں اضطراب کی موجب بن سکتی ہو ۔ ایسی صورت میں حدیث کے راویوں کے درمیان ترجیح کا اصول اپنانا مناسب ہو گا۔ اگرچہ تمام راوی ثقہ ہیں ' اس لئے اس راوی کی روایت پر صحت کا حکم عائد کیا جائے گا جس کا حفظ اور ضبط سب سے بڑھ کر ہو گا ۔ اور اس کی نسبت سے باقی ماندہ راویوں کی روایت شاذ شمار ہو گی"۔ یہ بڑی اچھی گفتگو ہے اور زیر بحث صورت حال جیسی صورتوں میں اسی قسم کا جواب ہونا چاہیے۔ مثلاً حضرت جابرؓ کی حدیث ' ان کے اونٹ کا قصہ اور اونٹ کے ثمن کی مقدار والی صورت حال زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سونے کو کسی اور چیز کے ساتھ سونے کے بدلے اس وقت تک فروخت کرنا جائز نہیں ہے جب تک اس کے حصے علیحدہ نہ کر لئے جائیں اور پھر اسے ہموزن سونے کے بدلے فروخت کیا جائے اور دوسری چیز کو مذکورہ سونے سے زائد کے بدلے فروخت کیا جائے۔ دیگر ربوی اشیاء کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ :" اس ہار کو اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے جب تک جدا جدا نہ کر لیا جائے۔ " آپؐ نے مذکورہ عقد باطل ہونے کی صراحت فرما دی اور یہ بھی کہ اس کا تدارک واجب ہے۔ اس حکم کے متعلق اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے ۔ سلف میں سے بہت سے حضرات نیز امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرھم نے ظاہر حدیث پر عمل کا مسلک اختیار کیا ہے۔ لیکن ھادویہ ' حنفیہ اور دیگر حضرات نے ان سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس قسم کے ہار میں موجود سونے سے زائد سونے کے بدلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے فروخت کرنا جائز ہے ' لیکن مساوی یا کم مقدار سونے کے بدلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے اس کی توضیح یہ کی ہے کہ سونے کے بالمقابل سونا ہو جائے گا اور زائد سونا اس چیز کے بالمقابل آ جائے گا جو مبیع کے سونے کے ساتھ متصل ہو گا۔ اس لئے عقد درست ہو جائے گا۔ ان کے قول کے مطابق اگر عقد میں صحت اور بطلان کا پہلو ہو تو اسے صحت کے پہلو پر محمول کیا جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہار والی حدیث میں سونا بارہ دینار سے زائد تھا کیونکہ امام مسلم کی روایات میں سے یہ ایک روایت ہے اور ابو علی غسانی نے اسے صحیح کہا ہے اور اسکے الفاظ ہیں:" ایک ہار تھا جس میں بارہ دینار تھے - یہ روایت بھی بارہ دینار سے زائد سونے والی روایات کے حکم میں ہے اور دونوں صورتوں میں یہ درست نہیں ہے - کیونکہ یہ ضروری ہے کہ الگ سے موجود سونا ساتھ لگے ہوئے سونے سے زائد ہو تاکہ الگ موجود سونے کی زائد مقدار ساتھ لگے ہوئے سونے کے بالمقابل ہو جائے۔

اس بیع کے جواز کو تسلیم نہ کرنے والوں نے یہ جواب دیا ہے کہ زیر نظر حدیث کے اندر نہی کی علت پر دلالت موجود ہے اور یہ علت ہار کے سونے کا الگ نہ ہونا تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:" جب تک ہار کے حصے الگ الگ نہ کر دئے جائیں اس وقت تک اسے فروخت نہ کیا جائے۔" اس حدیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ اس کا اطلاق مساوی اور غیر مساوی دونوں صورتوں پر ہو گا - اس لئے زیر نظر بیع کی عدم صحت کے قائلین کی رائے برحق ہے - نہی کی حکمت کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس کے ذریعے ربوی اموال کے اندر تفاضل (کمی بیشی) میں ملوث ہونے کا سد باب ہو جائے گا - اور سد باب کی صورت صرف یہی ہے کہ ربوی مال کو علیحدہ کر دیا جائے اور پھر ناپ یا وزن کے ذریعے مساوات کا پتہ چلا کر اسے بالکل ممیز کر دیا جائے ' اور ایک ربوی جنس کو دوسری ربوی جنس پر مقدار میں غالب قرار دینے کے سلسلے میں محض ظن کو کافی نہ سمجھا جائے - اس مسئلے میں ایک تیسرا قول ہے ' یہ امام مالک کا ہے ' وہ یہ کہ سونے سے آراستہ تلوار کو سونے کے بدلے فروخت کرنا جائز ہے جب کہ بیع کے اندر سونا کسی دوسری چیز کے تابع ہو اور مقدار کا اندازہ یہ لگایا ہے کہ وہ تہائی یا اس سے کم ہو - امام مالکؒ نے اپنے قول کی علت یہ بیان کی ہے کہ جب ایک جنس اپنی جنس کے بالمقابل ہو اور اس کی مقدار تہائی یا اس سے کم ہو تو اسے مقابل جنس کے اعتبار سے مغلوب اور کم مقدار والی شمار کیا جائے گا اور غالب احکام کے اندر اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے - اس لئے یہ سمجھا جائے گا کہ بائع نے مذکورہ جنس کو اس کی جنس کے بدلے فروخت نہیں کیا۔ جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے تو اس کا کھوکھلا پن اور ضعف کسی سے مخفی نہیں ہے - چوتھا قول تو اس سے بھی کمزور ہے اور وہ یہ کہ سونے کے بدلے اس کی بیع مطلقاً جائز ہے خواہ مساوات کی صورت ہو یا کم ہو یا زیادہ۔ ہمارے خیال میں اس قول کے قائل کو ہار والی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث کا علم نہیں ہو سکا۔

۱۰/ ۷۹۰ ۔ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ الْجَارُودِ(۱).

حضرت سمرہؓ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے بدلے جانور کی ادھار فروخت سے منع فرمایا ہے۔ پانچوں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ترمذیؒ اور ابن الجارودؒ نے اسے صحیح کہا ہے

(۱) امام احمدؒ اور ابو یعلی نے اور "الصناء المختارة" میں اس کی تخریج کی ہے۔ ان تمام حضرات نے حسن بصری کے واسطے سے حضرت سمرہؓ سے اس کی روایت کی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے، اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ راوی ہیں ۔ تاہم حفاظ حدیث نے اسے مرسل قرار دینے کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت سمرہؓ سے حسن بصریؒ کا سماع ایک متنازعہ فیہ بات ہے۔ لیکن ابن حبان اور دار قطنی نے اس کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔ اس سلسلہ سند کے راوی بھی ثقہ ہیں۔ تاہم امام بخاریؒ اور امام احمدؒ نے اسکے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت جابرؓ سے اس کی روایت ایک نرم اسناد کے ذریعے کی ہے۔ امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ بن احمد کے مسند احمد کے زوائد میں جابر بن سمرہؓ سے اس کی روایت کی ہے اور طحاویؒ نیز طبرانیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے اس کی تخریج کی ہے۔ یہ تمام روایتیں ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں ۔

اس حدیث کے اندر جانور کے بدلے جانور کی ادھار فروخت کرنے کی عدم صحت کی دلیل ہے لیکن حضرت ابو رافع کی حدیث اس کی معارض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کم عمر اونٹ ادھار لیا اور اس کی ادائیگی ایک سات سالہ اونٹ کی شکل میں کی ۔ جس کے سامنے کے چار دانتوں اور کچلیوں کے درمیان والا دانت یعنی رباعیہ ابھی لگا ہوا تھا ۔ اس پر بحث آگے آئے گی ۔ حضرت سمرہؓ کی روایت کردہ حدیث اور اس کے درمیان تطبیق کے سلسلے میں علماء کے مابین اختلاف رائے ہو گیا ہے ۔ ایک قول کے مطابق حضرت سمرہؓ کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ جانبین سے ادھار کیا جائے۔ اس صورت میں یہ دین کے بدلے دین کی فروخت کی شکل بن جائے گی جو درست نہیں ہے ۔ امام شافعی نے دونوں حدیثوں کی تطبیق کی خاطر یہی تفسیر

---

(۱) حضرت سمرہ کی حدیث کے حوالہ جات :۔ سنن ترمذی ۱۲۳۷، سنن ابن ماجہ ۲۲۷۰، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۱۲، ۱۹ ج ۲ ص ۲۲، ۹۹، ج ۳ ص ۳۱۰، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۷۱، معانی الآثار ج ۴ ص ۶۰، تاریخ اصفہان ج ۱ ص ۲۵۳، ج ۲ ص ۷۳، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۵۴، ج ۸ ص ۱۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے۔

ھادویہ ' حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ حضرت سمرہؓ کی حدیث حضرت ابو رافعؓ کی حدیث کی ناسخ ہے ۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ دلیل کے بغیر نسخ ثابت نہیں ہوتا ۔ اب دونوں میں تطبیق ہی اولیٰ ہو گی اور امام شافعیؒ کی تفسیر کی روشنی میں یہ تطبیق ممکن ہے۔ اس کی تائید آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے۔ اُن کی تخریج امام بخاری نے کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے حضرت ابن عمرؓ نے سواری کا ایک جانور چار اونٹوں کے بدلے خریدا جس میں یہ ضمانت تھی کہ مبیع کا مالک ربذہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ) میں مبیع حوالے کرے گا۔ حضرت رافع بن خدیج نے دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ خریدا تھا۔ اور بائع کو ایک اونٹ دے کر کہا تھا کہ دوسرا اونٹ صبح لا کر دوں گا ۔ ابن المسیب کا قول ہے کہ دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ اور دو بکریوں کے بدلے ایک بکری کی ادھار فروخت کے اندر کوئی روا نہیں ۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہادویہ مجلس عقد میں موجود جانور کی غیر موجود جانور کے بدلے بیع کی ممانعت کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مبیع کا تعلق قیمتوں والی اشیاء سے ہو تو عقد کے وقت بائع کی ملکیت میں اس کا موجود ہونا ضروری ہے ۔ جانور ایسا مبیع ہے جس کا تعلق مطلق طور پر قیمتوں والی اشیاء سے ہے ۔ اس لئے اس کا موجود ہونا ضروری ہے ۔ اگر وہ مجلس عقد میں موجود نہ ہو تو کم از کم بائع کے نزدیک اشارہ یا لقب یا وصف کے ذریعے متمیز ہو۔ ہادویہ نے جانور کے قرض کی ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کے ضبط کا امکان نہیں ہوتا ۔ یہ لوگ حضرت رافع کی حدیث کے نسخ کی رائے رکھتے ہیں ۔ اس پر بحث حدیث نمبر ۷۹۴ کی شرح میں آئے گی

۷۹۱/۱۱ ۔ وَعَنْ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مِنْ رِوَايَةِ نَافِعٍ عَنْهُ، وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلِأَحْمَدَ نَحْوُهُ مِنْ رِوَايَةِ عَطَاءٍ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ. وَصَحَّحَهُ ٱبْنُ الْقَطَّانِ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

---

(۱) عینہ کی حدیث کے مراجع:۔ سنن ابی داؤد ۳۴۶۲' سنن کبری ج ۵ ص ۳۱۶' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۷' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۶۷' الاحادیث الصحیحہ ص ۱۱' میزان الاعتدال ۱۰۳۷۸' الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۴۸' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے سنا تھا کہ "جب تم عینہ کے ذریعے خرید و فروخت کرو گے اور بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے اور زراعت پر قناعت کر لو گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس کو وہ تم سے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے۔" ابو داؤدؒ نے نافعؒ کے واسطے سے حضرت ابن عمرؓ سے اس کی روایت کی ہے' اس کے اسناد پر طعن ہے۔امام احمدؒ نے عطاءؒ سے اس کی روایت کی ہے۔ اس سند کے راوی ثقہ ہیں اور ابن القطان نے اسے صحیح کہا ہے

(۱) عینہ (حرف عین کے نیچے زیر' یاء ساکن) اس کی تشریح آگے آ رہی ہے۔

(۲) ذلا (حرف ذال پر پیش اور اس کے نیچے زیر کے ساتھ) ذلت اور کمزوری۔

(۳) کیونکہ اس کے اسناد میں ابو عبدالرحمان خراسانی ہے۔ اس کا نام اسحاق ہے۔ اس نے عطاء خراسانی سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ ذہبی نے "المیزان" میں کہا ہے کہ "یہ روایت اس کی منکر روایات میں سے ایک ہے" (منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت ایک کمزور راوی نے کی ہو اور یہ روایت ثقہ راویوں کی روایت سے مختلف ہو۔ مترجم)

(۴) مصنف نے کہا ہے کہ "ابن القطان نے جس حدیث کو صحیح کہا ہے وہ میرے خیال میں معلول ہے (ایسی حدیث جس میں اس کی صحت کو مجروح کرنے والی کمزوری ہو) کیونکہ اس کے راویوں کے ثقہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ صحیح بھی ہو اس لئے کہ اعمش مدلس (سند کے عیب کو مخفی رکھنے والے) ہیں۔ انہوں نے عطاء سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ اور عطاء کے اندر احتمال ہے کہ وہ عطاء خراسانی ہوں۔ اس صورت میں عطاء اور حضرت ابن عمرؓ کے درمیان نافع کو ساقط کر دینے کی وجہ سے یہ تدلیس تسویہ (تدلیس اسناد کی ایک قسم) کی ایک شکل ہو گی' اور پہلی حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ یہی بات مشہور ہے۔" اس حدیث کے کئی اور طرق ہیں۔ بیہقی نے اس کے لئے الگ باب قائم کیا ہے اور ان طرق کے علل بیان کئے ہیں۔ بیع عینہ یہ ہے کہ ایک شخص کوئی مال معلوم ثمن کے بدلے ایک مدت کے ادھار پر فروخت کرے اور پھر وہی مال مشتری سے کمتر ثمن پر خرید لے تاکہ اس طرح مشتری کے ذمہ کثیر ثمن باقی رہ جائے۔ اس بیع کا نام عینہ اس لئے رکھا گیا کہ اس میں عین یعنی نقد حاصل ہوتا ہے' نیز اس لئے بھی کہ بائع کی طرف اس کا عین مال لوٹ آتا ہے۔ حدیث میں اس بیع کی تحریم کی دلیل ہے۔ امام مالکؒ' امام احمدؒ اور بعض شوافع نے حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہی مسلک اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس بیع میں خرابی کا پہلو یہ ہے کہ ربوا سے روکنے اور اس کے سد باب کا جو مقصد شارع کے نزدیک ہے وہ اس بیع کی وجہ سے فوت ہو جاتا ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ: "اس بیع کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو کھجوروں کے بدلے کھجوروں کی متفاضل بیع کا راستہ کھول دیتی ہیں اور ثمن لغو اور فضول ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ " امام شافعیؒ سے اس بیع کا جواز منقول ہے۔ انہوں نے حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے' جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے' استدلال کیا ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جمع کھجوریں دراہم کے بدلے فروخت کر دو اور پھر ان دراہم کے بدلے جنیب کھجوریں خرید لو!" امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث بیع عینہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور کھجوروں کے فروخت کنندہ کے لئے یہ کھجوریں خرید لینا درست ہو گا اور اس کی طرف اس کا عین مال واپس ہو جائے گا' اس لئے کہ جب احتمال کے مقام میں اس کی تفصیل بیان نہیں کی گئی تو یہ بات بیع کی علی الاطلاق صحت پر دلالت کرے گی خواہ یہ فروخت بائع کے ہاتھ ہو یا کسی اور کے ہاتھ ۔ یہ اس لئے کہ احتمال کے مقام میں تفصیل کے بیان کو ترک کر دینا قول کے اندر عموم کے مترادف ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ نے اس مسئلے میں جو مسلک اختیار کیا ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ایک عرصے کے بعد وہی مال بائع کے ہاتھ فروخت کر دینے کے جواز پر سب کا اجماع ہے ۔ اس بیع میں یہ پہلو نہیں ہوتا کہ بائع اپنے مال کو اپنی طرف زائد رقم کے ساتھ لوٹا لینے کا ذریعہ بنا لے۔ ہادویہ کا قول ہے کہ بائع کے ہاتھ مذکورہ مال کی فروخت جائز ہے ۔ بشرطیکہ اس میں حیلہ سازی نہ کی گئی ہو۔ تعجیل اور تاجیل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس بارے میں اصل اعتبار اس بات کا ہے کہ اصل عقد کے اندر شرط کا وجود تھا یا وجود نہیں تھا ۔ اگر عقد کے وقت یا عقد سے پہلے اس بات کی شرط لگا دی گئی ہو کہ مبیع واپس بائع کے پاس پہنچ جائے گا تو یہ بیع فاسد یا باطل ہو گی' اس میں اختلاف ہے ۔ اور اگر عقد بیع غیر مشروط شکل میں ہو تو درست ہو جائے گا۔ یہ حضرات شائد یہ کہتے ہوں کہ عینہ کی حدیث پر چونکہ طعن ہے اس لئے تحریم کی دلیل بننے کی اس کے اندر قوت نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "اور تم گایوں بیلوں کی دمیں پکڑ لو" اس بات سے کنایہ ہے کہ جہاد چھوڑ کر کھیتی باڑی میں مشغولیت اختیار کر لی جائے ۔ اور زراعت پر قناعت کر لینا اس امر سے کنایہ ہے کہ یہ پیشہ ان کا مقصد اور نصب العین بن جائے۔ اللہ کی طرف سے مسلط کر دینا کنایہ ہے کہ اللہ انھیں اس فعل کے ذریعے ذلیل کر دے گا کیونکہ اس فعل کے اندر غلبہ اور قہر یعنی دباؤ کا پہلو ہے۔ آپؐ کے ارشاد: "جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے " کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک تم دین کے اعمال سر انجام دینے میں مشغولیت اختیار نہ کر لو گے۔ اس تعبیر کے اندر زبردست ڈانٹ اور شدید جھڑکی ہے' یہاں تک کہ اس کوتاہی کو بمنزلہ ارتداد قرار دے دیا گیا۔ اس میں جہاد پر ابھارنا مطلوب ہے۔

۷۹۲/۱۲ - وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ شَفَاعَةً، فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً، فَقَبِلَهَا، فَقَدْ أَتَى بَاباً عَظِيماً مِنْ أَبْوَابِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرِّبا». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُوْ دَاوُدَ وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ(۱).

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے بھائی کے لئے کوئی سفارش کرے اور پھر (کام بن جانے پر) وہ اس کو کوئی تحفہ بھیجے اور وہ یہ تحفہ قبول کر لے تو اس نے ربوا کی ایک عظیم صورت کا ارتکاب کر لیا۔" امام احمد اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے اسناد میں مقال (طعن) ہے۔

(۱) یہ الفاظ مصنف نے اس لئے کہے ہیں کہ حضرت ابو امامہؓ سے اس کی روایت قاسم نے کی ہے۔ اس کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے اور ان کا آزاد کردہ غلام ہے۔ یہ شامی اور اموی ہے اس پر طعن اور تنقید ہوئی ہے - یہ بات المنذری نے کہی ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ "المیزان" میں ہے کہ امام احمد نے فرمایا: "علی بن زید نے قاسم سے عجیب و غریب روایتیں کی ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ سب روایتیں قاسم کی طرف سے ہیں۔" ابن حبان نے کہا ہے کہ: "یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بڑی پیچیدہ قسم کی روایتیں کرتا تھا۔" ابن حبان نے مزید کہا ہے کہ: ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہے (اختتام اقتباس "المیزان")

اس حدیث میں سفارش کے بدلے تحفہ لینے کی تحریم کی دلیل ہے اور حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ خواہ تحفے کا قصد سفارش کے وقت ہو یا سفارش کے وقت اس کا قصد نہ ہو۔ اس تحفے کو ربوا قرار دینا استعارہ (مجاز) کے باب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ دونوں کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے - وہ اس طرح کہ ربوا مال کے اندر اس اضافے کو کہا جاتا ہے جو غیر سے حاصل ہو اور اس کے بالمقابل کوئی عوض نہ ہو' اور اس تحفے کی صورت بھی یہی ہے۔ یہاں شاید مراد یہ ہو کہ اگر سفارش کسی واجب کام کے سلسلے میں ہو مثلاً کسی مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے چھڑانے کے لئے سلطان کے پاس سفارش کرنا یا یہ سفارش کسی ممنوع کام کے سلسلے میں ہو مثلاً رعیت پر کسی ظالم کو حکمران بنانے کی سلطان سے سفارش تو پہلی صورت میں یہ سفارش ناجائز ہو گی اور اس کے بدلے تحفہ لینا حرام ہو گا۔ دوسری صورت میں یہ سفارش ممنوع ہو گی اس لئے اس کے بالمقابل تحفہ وصول کرنا بھی ممنوع ہو

حضرت ابو امامہؓ کی حدیث کے مراجع: سنن ابی داؤد ۳۵۴۱' مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۱' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۸ ص ۲۸۴' امالی الشجری ج ۲ ص ۲۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا۔ اگر سفارش کسی مباح امر کے سلسلے میں کی جائے تو شاید اس کے بدلے تحفہ لینا جائز ہو کیونکہ یہ ایک غیر واجب احسان کا بدلہ ہوگا' تاہم اسکے حرام ہونے کا بھی احتمال ہے کیونکہ سفارش ایک معمولی کام ہے اور اس پر کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔

۷۹۳/۱۳ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ(۱).

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے!" ابو داؤد اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔ اور موخر الذکر نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) امام احمدؒ نے قضاء کے باب میں اس کی روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے احکام کے باب میں اور ' طبرانی نے "المعجم الصغیر" میں۔ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

مصنف نے اس حدیث کا ذکر ربوا کے ابواب میں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ راشی اور مرتشی پر لعنت کی وجہ ربوا سے مشابہت رکھنے والے مال کا حصول ہے۔ سود لینا بھی اسی طرح ہے اور اس باب کے شروع میں سود لینے والے پر لعنت کا ذکر گذر چکا ہے۔ لعنت کی حقیقت اللہ کی رحمت کے ٹھکانوں اور اس کے مقامات سے دوری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس سے زیادہ اصناف لعنت ثابت ہے۔

اس حدیث میں اس امر پر دلالت موجود ہے کہ اہل قبلہ (مسلمانوں) میں سے جو لوگ نافرمان اور گنہگار ہوں ان پر لعنت کرنا جائز ہے ۔ رہ گئی یہ حدیث کہ "مومن بالکل لعنت نہیں کرتا" تو اس سے مراد ان لوگوں پر لعنت کرنا ہے جو لعنت کے مستحق نہ ہوں اور جن پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لعنت نہ ہوئی ہو یا یہ مراد ہے کہ مومن کثرت سے لعنت نہیں کرتا جیسا کہ مبالغہ کا صیغہ فعال اس بات کو ظاہر کر رہا ہے ۔ راشی اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک باطل مقصد تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرتا ہے۔ یہ لفظ " الرشاء" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں 'کنویں کی رسی جس کے ذریعے ڈول وغیرہ پانی تک پہنچایا جائے ۔ اس بنا پر حق تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرنا رشوت نہیں کہلائے گا۔ رشوت لینے والے کو مرتشی کہتے ہیں ۔ یہ مثلاً

---

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے مراجع:۔ سنن ابی داؤد ۳۵۸۰' سنن ترمذی ۱۳۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاکم وقت ہوتا ہے۔ (اس زمرے میں ارباب اقتدار' اعلیٰ افسران اور سرکاری کارندے سب آتے ہیں ---- مترجم) راشی اور مرتشی دونوں ہی لعنت کے سزا وار قرار دئے گئے ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ رشوت دینے والا اپنے مال کو باطل مقصد تک رسائی کا وسیلہ بناتا ہے اور رشوت لینے والا ناحق فیصلے کرتا ہے۔ حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں اضافہ بھی ہے "اور رائش پر" یعنی وہ شخص جو ان دونوں کے درمیان واسطہ بنتا ہے"۔

١٤/ ٧٩٤ - وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهِّزَ جَيْشاً، فَنَفَدَتِ الْإِبِلُ. فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ عَلَى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ. قَالَ: «فَكُنْتُ آخُذُ الْبَعِيرَ بِالْبَعِيرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ». رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَالْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ. (١)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب اونٹ کم پڑ گئے تو آپؐ نے انہیں صدقہ کے جوان اونٹوں اونٹنیوں کے بدلے ادھار اونٹ حاصل کرنے کا حکم دیا۔ وہ کہتے ہیں:۔ میں صدقہ کے اونٹ آنے تک کی مدت تک کے لئے دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ ادھار حاصل کرتا رہا۔" اس کی روایت حاکم اور بیہقی نے کی ہے - اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں -

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو سے

مصنف نے یہاں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ یہ جانوروں کے اندر ربوا نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ اس کے ذکر کا اصل مقام باب القرض ہے - یہ حدیث جانور قرض لینے کے جواز کی دلیل ہے - اس مسئلے میں تین اقوال ہیں:۔

پہلا قول اس کے جواز کا ہے - یہ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور سلف و خلف میں سے جمہور علماء کا قول ہے۔ یہ قول زیر نظر حدیث پر مبنی ہے۔ نیز یہ کہ اس کا جواز اصل ہے' البتہ لونڈی ایسے شخص کو قرض دینا جائز نہیں ہے جو اس کے ساتھ ہم بستری کر سکتا ہو اور جو نہ کر سکتا ہو اسے دینا جائز ہے مثلاً کسی عورت کو یا لونڈی کے محارم کو۔

دوسرا قول مطلقاً" جواز کا ہے خواہ لونڈی ہو یا کوئی اور جانور' یہ ابن جریرؒ اور داؤدؒ کا قول ہے۔

تیسرا قول ہادویہ اور حنفیہ کا ہے - وہ یہ کہ کسی بھی جانور کو بطور قرض دینا جائز نہیں ہے - یہ حدیث ان کے قول کی تردید کرتی ہے - انہوں نے اس کے نسخ اور عدم صحت کا جو دعوی کیا ہے اس پر بحث گذر چکی ہے۔ یہاں ایک بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ شرح کے اندر ذکر ہوا ہے کہ حضرت ابن عمروؓ کی حدیث جانوروں کے قرض کے بارے میں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے - پھر ہم نے حدیث کی کتابیں کھولیں اور تلاش و جستجو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد ہمیں سنن بیہقی میں ایک روایت ملی جس کا ذکر بیہقی نے اپنی سند سے کیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "عمرو بن حریش نے حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے کہا کہ: "ہم لوگ ایسی سرزمین میں رہتے ہیں جہاں نہ سونا ہے اور نہ چاندی تو کیا میں دو گایوں کے بدلے ایک گائے' دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ اور دو بکریوں کے بدلے ایک بکری فروخت نہ کر دیا کروں؟" یہ سن کر حضرت عبداللہ نے فرمایا: "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا ..... الخ" مرجع کا ذکر کتاب کے اندر ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ صدقات جمع کرنے والے کارندے کی روانگی کی مدت تک کے لئے جانور ادھار خرید لیں۔" پہلی حدیث کا سیاق اس بات میں واضح ہے کہ یہ بیع کے بارے میں ہے اور دوسری حدیث کے الفظ تو اس بارے میں صریح ہیں۔

جب درج بالا حقیقت آپ کے ذہن نشین ہو گئی تو زیر نظر حدیث کو قرض پر محمول کرنا حدیث کے مدلول کے خلاف ہے اور وہ ہے جانور کے بدلے جانور کی ادھار فروخت۔ اس کی معارض وہ حدیث ہے جس میں جانور کے بدلے جانور کی ادھار فروخت کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہ بات حدیث نمبر ۷۹۰ میں گذر چکی ہے اور اس پر جو بحث ہوئی ہے اس سے بھی آپ واقف ہیں۔ اس لئے ترجیح کے اصول کے پیش نظر اقرب بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اسناد کے اعتبار سے زیادہ راجح ہے کیونکہ حضرت سمرہؓ کی حدیث کے متعلق امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے اس کی روایت حضرت سمرہؓ سے کی ہے اور جانور کے بدلے جانور کے قرض کا جواز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت کے ذریعے ثابت ہے۔

۷۹۵/۱۵ ـ وَعَنْ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ؛ أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلاً بِتَمْرٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ كَرْماً أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ زَرْعاً أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، نَهَى عَنْ ذَلِكَ كُلِّهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص اپنے باغ کے پھلوں کو اس طرح فروخت کرے کہ اگر یہ درختوں پر لگی ہوئی

---

(۱) مزابنہ کی حدیث کے مراجع:۔ بخاری شریف باب ۷۵ من البیوع ' باب ۸۲ من البیوع ' مسلم شریف حدیث ۱۵۴۳ من البیوع ' سنن ابی داؤد ۳۳۶۱' سنن ترمذی ۱۳۰۰' سنن ابن ماجہ ۲۲۶۵' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۷۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۵' ۱۶' ۶۳' ۶۴' ۱۰۸' التمہید ج ۲ ص ۳۱۳' معانی الآثار ج ۴ ص ۲۹' ' مسند شافعی ۱۴۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھجوریں ہوں تو انہیں خشک کھجوروں کے بدلے بذریعہ ناپ ' اور اگر بیلوں میں لگے ہوئے انگور ہوں تو انہیں خشک انگوروں (کشمش) کے بدلے بذریعہ ناپ فروخت کر دے اور اگر فصل ہو تو اسے بذریعہ ناپ غلے کے بدلے بیچ دے۔ آپؐ نے ان تمام صورتوں سے منع فرمایا۔" (متفق علیہ)

(۱) اس کی تفسیر اگلے فقرات کے ذریعے کر دی گئی ' مزابنہ کی تشریح ' اس کے اشتقاق اور اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بحث گذر چکی ہے۔

(۲) ثمر (حرف ثاء اور حرف میم پر زبر) پھلوں کو کہتے ہیں ' یہ تر کھجوروں وغیرہ سب کو شامل ہے یہاں مراد یہ ہے کہ مذکورہ پھلوں میں سے اصل کے اعتبار سے جو تر ہوں۔ کرم کے لفظ سے انگور مراد ہیں۔

مزابنہ کی تفسیر میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس کی تفسیر میں قابل اعتماد بات وہی ہے جو صحابی نے اس کی تفسیر کے سلسلے میں کہی ہے ' کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ شاید یہ مرفوع ہو (یعنی اس کی ادائیگی زبان رسالت سے ہوئی ہو) بصورت دیگر راوی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کے سب سے زیادہ شناسا ہوتے ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ :" حدیث میں مذکور جیسی صورت کے مزابنہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ آیا اس کے ساتھ ہر وہ صورت بھی ملحق ہو جائے گی جس کے تحت ایک چیز کی بیع صرف " مثل بمثل) (برابر برابر) کی بنیاد پر درست ہوتی ہے ؟ تو جمہور کی رائے ہے کہ حکم کے اندر الحاق ہو جائے گا کیونکہ نہی کی علت میں مشارکت پائی جاتی ہے ' اور وہ یہ ہے کہ ہمیں مبیع اور ثمن کے درمیان مساوات کا علم نہیں ہوتا حالانکہ جنس اور مقدار کے اندازے میں یکسانیت ہوتی ہے۔ الحاقی صورتوں کو مزابنہ کا نام دینا اسم میں الحاق ہے۔ اس لئے یہ صرف ان لوگوں کے نزدیک درست ہو گا جو قیاس کے ذریعے لغت کا اثبات کرتے ہیں۔"

٧٩٦/١٦ - وَعَنْ سَعْدِ بنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْئَلُ عَنِ اشْتِرَاءِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ. فَقَالَ: «أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ؟» قَالُوا: نَعَمْ. فَنَهَى عَنْ ذَلِكَ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِي، وَالتِّرْمِذِي، وَابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ.(۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۱) حضرت سعدؓ کی حدیث کے حوالہ جات:۔ سنن ابی داؤد ۳۳۵۹' سنن ترمذی ۱۲۲۵' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۶۸' سنن ابن ماجہ ۲۲۶۴' سنن کبری ج ۵ ص ۲۹۴' مستدرک ج ۲ ص ۳۸' نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۰' ۴۱' ۴۳' مشکوۃ المصابیح ۲۸۲۰' فتح الباری ج ۴ ص ۳۸۵' جلد ۸ ص ۳۹' الدر المنثور ج ۱ ص ۳۶۸' شرح السنہ ج ۸ ص ۷۸' تلخیص الکبیر ج ۳' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سوال ہوتے ہوئے سنا تھا کہ آیا تر کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے خریدا جا سکتا ہے ؟ آپؐ نے استفسار فرمایا کہ " آیا تر کھجوریں خشک ہو کر گھٹ جاتی ہیں؟" صحابہؓ نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ اس پر آپؐ نے اس کی ممانعت فرمادی۔" پانچوں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور ابن المدینیؒ ترمذیؒ ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) ابن المدینی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اگرچہ امام مالکؒ نے داؤد بن الحسین سے اس کی روایت تعلیقاً کی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد امام مالکؒ کی ملاقات داؤد کے شیخ سے ہو گئی تھی۔ انہوں نے ایک دفعہ اس حدیث کی روایت داؤد سے کی اور پھر انکی رائے اسے داؤد کے شیخ سے روایت کرنے پر قائم ہو گئی۔ ابن المدینیؒ نے کہا :" ان کے والد نے امام مالکؒ سے اور انہوں نے تعلیقاً" داؤد سے اس کی روایت کی تاہم امام مالکؒ سے ان کے والد کا سماع قدیم ہے - اور پھر امام مالکؒ نے داؤدؒ کے شیخ سے اس کی روایت کی۔ اس لئے امام مالکؒ کے طریق سے یہ صحیح ہو گئی۔ جن حضرات نے ابو عیاش خالد کے مجہول ہونے کی بنا پر اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے ان کی تردید یہ کہہ کر کی گئی ہے کہ دار قطنی نے اس راوی کے متعلق کہا ہے کہ: "یہ ثبت اور ثقہ ہے۔" المنذریؒ نے کہا ہے کہ: "اس راوی سے ثقہ حضرات نے روایتیں کی ہیں۔" اور مالکؒ نے اس راوی پر اعتماد کیا ہے حالانکہ ان کی تنقیدی نظر بڑی شدید ہے۔" حاکم نے کہا ہے :" مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس پر طعن کیا ہو۔"

یہ حدیث خشک کھجوروں کے بدلے تر کھجوروں کی بیع کے عدم جواز کی دلیل ہے کیونکہ دونوں کے درمیان مساوات نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۷۹۷/۱۷ - وَعَنْ ٱبْنِ عُمَرَ: «أَنَّ ٱلنَّبِيَّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ ٱلْكَالِئِ بِٱلْكَالِئِ، يَعْنِي ٱلدَّيْنَ بِالدَّيْنِ». رَوَاهُ إِسْحَاقُ، وَٱلْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ[1].

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالی کے بدلے

---

(۱) حضرت ابن عمر کی حدیث کے حوالہ جات :- سنن دار قطنی ج ۳ ص ۷۱' ۷۲' معانی الاثار ج ۴ ص ۲۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کالی یعنی دین کے بدلے دین کی بیع سے منع فرمایا ہے۔" اس کی روایت اسحاق اور بزار نے ضعیف اسناد کے ذریعے کی ہے۔ (۱) حاکمؒ اور دار قطنی نے کالی کی تفسیر کے بغیر اس کی روایت کی ہے۔ اس حدیث کے اسناد میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ الزبدی ہے اور یہ ضعیف راوی ہے۔ امام احمد نے کہا ہے: " میرے نزدیک اس راوی سے روایت کرنا حلال نہیں ہے اور اس راوی کے سوا کسی اور سے اس حدیث کی روایت کا مجھے علم نہیں ہے۔" محدث حاکم نے اس راوی کے نام میں تصحیف کرتے ہوئے اسے موسیٰ بن عتبہ کر دیا ہے اور حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ امام مسلم کی شرط پر ہے۔ حاکم کی اس تصحیف اور غلطی پر بیہقی نے تعجب کا اظہار کیا ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔ لیکن اس بات پر لوگوں کا اجماع ہے کہ دین کے بدلے دین کی بیع جائز نہیں ہے۔" حدیث سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ کالی کی دین کے ساتھ تفسیر مرفوع تفسیر ہے (یعنی یہ تفسیر زبان رسالت سے بیان ہوئی ہے) کالی کا لفظ (کلاء الدین کلوء" فھو کالی) سے نکلا ہے یہ فقرہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دین کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے۔ اسی طرح (کلا تہ) آپ اس وقت بولتے ہیں جب آپ ایک بات کو موخر کر دیں۔ بعض دفعہ تخفیف کی غرض سے اس لفظ کو ہمزہ کے بغیر بولا جاتا ہے۔ "النہایہ" میں مرقوم ہے: " اس بیع کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز ایک مدت تک کے لئے ادھار خرید لے ' پھر جب مدت ختم ہو جائے تو ثمن کی ادائیگی کے لئے اس کے پاس رقم موجود نہ ہو ' وہ بائع سے کہے کہ "مذکورہ چیز کی قیمت میں کچھ اضافے کے ساتھ اسے میرے ہاتھ فلاں مدت تک کے لئے ادھار فروخت کر دو"۔ چنانچہ وہ اس کے ہاتھ اسے فروخت کردے اور دونوں کے درمیان مبیع پر قبضے کا عمل وجود میں نہ آئے۔"

زیر نظر حدیث اس قسم کی بیع کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر یہ بیع منعقد ہو جائے تو باطل قرار پائے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب - ۴
عرایا کے بارے میں رخصت اور پھلوں کی فروخت

۷۹۸/۱ - عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا، أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِمُسْلِمٍ: «رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُونَهَا رُطَبًا[1]».

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کے بارے میں یہ رخصت دی تھی کہ انھیں ناپ کے پیمانے کے ذریعے اندازے سے فروخت کیا جائے۔" (متفق علیہ) امام مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: "آپ نے عریہ کے سلسلے میں یہ رخصت دی تھی کہ ایک گھرانہ اندازے سے خشک کھجوروں کے بدلے اسے حاصل کر کے تر کھجوریں کھا لے۔"

(۱) یہاں مضاف محذوف ہے یعنی عرایا کی بیع' کیونکہ یہ عریہ کی جمع ہے اور عریہ کھجور کے درخت کو کہتے ہیں۔ اصل میں عریہ کھجور کے درخت کی ملکیت دیے بغیر اس پر لگے ہوئے پھلوں کے عطیے کو کہتے ہیں - قحط سالی کے زمانے میں عربوں کا طریقہ تھا کہ کھجوروں کے درختوں کے مالکان رضا کارانہ طور پر ان لوگوں کو کچھ درخت عطیے میں دے دیتے تھے جن کے پاس کھجوریں نہیں ہوتی تھیں' جس طرح دودھ دینے والی بکری یا اونٹنی بطور عطیہ دے دی جاتی تھی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: "عریہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کھجور کا ایک درخت ہبہ کردے یعنی اس کے پھل' پھر مذکورہ شخص کی آمد و رفت سے ہبہ کرنے والے کو اذیت محسوس ہو - اسے یہ رخصت دے دی گئی کہ مذکورہ شخص سے درخت پر لگی ہوئی تر کھجوریں خشک کھجوروں کے بدلے خرید لے۔" (وہ اسے خشک کھجوریں دیدے اور اس طرح اس کا آنا جانا بند ہو جائے۔) عرایا کی رخصت کے جواز پر جمہور کا اتفاق ہے - اس کا مفہوم یہ ہے کہ درختوں پر لگی ہوئی تر کھجوروں کی اندازے سے ناپ کے پیمانے کے ذریعے خشک کھجوروں کے بدلے بیع جب کہ یہ پانچ وسق سے کم ہوں (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) بشرطیکہ طرفین سے قبضہ وجود میں آ جائے۔ ہم نے پانچ وسق سے کم کی شرط اگلی حدیث کی بنا پر لگائی ہے جس کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ نے کی ہے۔

---

(۱) حضرت زید بن ثابت کی حدیث کے حوالہ جات :۔ بخاری باب ۸۴ من البیوع' مسلم شریف حدیث ۱۵۴۱' من البیوع' فتح الباری ج ۴ ص ۳۹۰' سنن ابی داؤد ۳۳۶۲' سنن ترمذی' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) ترخیص (رخصت دینے) کا اصل مفہوم تسہیل اور تیسیر (آسانی پیدا کرنا) ہے - اور شرعی اصطلاح میں کسی عذر کے پیش نظر احکام مشروع کرنے کو ترخیص کہتے ہیں جب کہ مذکورہ عذر کی عدم موجودگی میں ایجاب اور تحریم کی دلیل باقی رہے - یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عرایا کا حکم بیع کی حرام شدہ صورتوں سے خارج کردیا گیا ہے اور حدیث میں مذکورہ حکم کے ساتھ مخصوص ہے - حضرت جابرؓ کی حدیث میں اس کے استثناء کی صراحت کر دی گئی ہے۔ امام بخاریؒ نے ان الفاظ میں اس کی روایت کی ہے :" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک وہ عمدہ نہ ہو جائیں ' اور کوئی بھی پھل دینار اور درہم کے سوا کسی اور چیز کے بدلے فروخت نہ کیا جائے' سوائے عرایا کے۔"

۷۹۹/۲ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ، فيما دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی اندازے سے مساوی مقدار میں خشک کھجوروں کے بدلے بیع کی رخصت دے دی تھی جب کہ یہ پانچ وسق سے کم ہوں یا پانچ وسق میں ہوں " (متفق علیہ)

امام مسلمؒ نے بیان کر دیا ہے کہ مذکورہ بالا شک راوی داؤد بن الحصین کی طرف سے واقع ہوا ہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے درمیان پانچ وسق سے کم کی فروخت کی صحت پر اتفاق ہے - اور اس سے زائد کی ممانعت کے بارے میں دونوں کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ لیکن اقرب بات زائد کے اندر بیع کی تحریم ہے کیونکہ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ " عرایا والوں کو اندازے سے بیع کی اجازت دیتے ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ " ایک وسق' دو وسق' تین اور چار" امام احمدؒ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور ابن حبان نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے:" یہ احتیاط کہ بائع چار وسق سے زائد کی بیع نہ کرے۔"

طرفین سے قبضہ کی شرط کی وجہ یہ ہے کہ مقدار میں یکسانیت کا یقین نہ ہونے کے ساتھ رخصت صرف مذکورہ مقدار کی بیع میں ملی ہے لیکن جہاں تک طرفین سے قبضے کی بات ہے تو اس کے متعلق کوئی رخصت نہیں ملی اس لئے تقابض کا اعتبار اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

---

(۱) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے حوالہ جات :۔ بخاری شریف باب ۸۴ من البیوع ' مسلم شریف حدیث ۱۵۴۱ من البیوع ' سنن ابی داؤد ۳۳۶۲' سنن ترمذی ۱۳۰۲' فتح الباری ج ۴ ص ۳۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرفین سے قبضے کی شرط پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کی روایت امام شافعیؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے کی ہے کہ " انصار کے کچھ ضرورت مند افراد نے جن کا نام انہوں نے لیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی یہ تکلیف بیان کی کہ انکے پاس نقد رقم نہیں ہے۔ جس کے ذریعے وہ تر کھجوریں خرید کر لوگوں کی طرح اپنے استعمال میں لائیں۔ لیکن ان کے پاس خشک کھجوریں استعمال میں آنے سے بچ رہی ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے انھیں خشک کھجوروں کے بدلے اندازے سے عرایا خریدنے کی رخصت دے دی۔ " اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے استدلال کا ماخذ موجود ہے جو طرفین سے قبضے کی شرط عائد کرتے ہیں - ورنہ اس بات کے ذکر کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کے پاس خشک کھجوریں موجود ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ زیر نظر حدیث کھجوروں کے بدلے درخت پر لگی ہوئی تر کھجوروں کی بیع کے بارے میں وارد ہوئی ہے - رہ گئی تر کھجوروں کو درختوں سے اتارنے کے بعد انھیں خشک کھجوروں کے بدلے خریدنے کی بات تو بہت سے شوافع نے اس کے جواز کا مسلک اختیار کیا ہے اور اس صورت کا الحاق درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کی بیع کے ساتھ کر دیا ہے - اس الحاق کی بنیاد یہ ہے کہ درختوں پر لگی ہونے کے وصف کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جس طرح امام بخاری نے اس کے لئے باب کا عنوان قائم کیا ہے - کیونکہ رخصت کا محل تو خود مطلقاً" تر کھجوریں ہیں خواہ وہ درختوں پر لگی ہوئی ہوں یا انہیں اتار لیا گیا ہو۔ اس لئے نص اس صورت کو بھی شامل ہو گی۔ یہ قیاس کی صورت نہیں ہوگی اور نہ منع کی کیونکہ رخصت کی حکمت بعض دفعہ اتاری ہوئی کھجوروں کی خریداری کی داعی ہوتی ہے اس لئے کہ بعض دفعہ فوری ضرورت پیش آ جاتی ہے اور بعض دفعہ مشتری کے پاس خشک کھجوریں موجود ہوتی ہیں اور وہ ان کے بدلے تر کھجوریں لے لیتا ہے - اس تشریح کی روشنی میں ابن دقیق العید کا یہ قول مندفع ہو جاتا ہے کہ :" یہ حدیث ایک صورت کو جائز نہیں کرتی کیونکہ رخصت کا ایک معنی یہ ہے کہ خریدار تر کھجوریں تھوڑی تھوڑی کر کے تازہ بتازہ کھائے اور یہ مقصد ان تر کھجوروں سے حاصل نہیں ہو سکتا جنھیں درختوں سے زمین پر اتار لیا گیا ہو۔"

۸۰۰/۳ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ: «وَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاحِهَا قَالَ: «حَتَّى تَذْهَبَ عَاهَتُهَا»[1].

حضرت ابن عمر کی حدیث کے مراجع :- بخاری شریف باب ۸۲ من البیوع' مسلم شریف حدیث ۱۵۳۴ من البیوع سنن ابی داؤد ۳۳۶۷' سنن ترمذی ۱۲۲۶ سنن نسائی ج ۷ ص ۲۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک ان کے اندر صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔ آپؐ نے بائع اور مشتری دونوں کو اس سے روکا ہے۔" (متفق علیہ) ایک روایت کے مطابق جب حضرت ابن عمرؓ سے صلاحیت کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ فرماتے: "جب تک ان کی آفت کا خطرہ ٹل نہ جائے" حدیث میں مذکور لفظ عاہت سے مراد آفت اور عیب ہے۔

پھلوں کے اندر صلاحیت ظاہر ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق سلف کے تین مختلف اقوال ہیں: پہلے قول کے مطابق پھلوں کی جنس میں صلاحیت ظاہر ہو جانا کافی ہے بشرطیکہ صلاحیت پیدا ہونے کا عمل یکے بعد دیگرے ہو رہا ہو۔ یہ لیث اور مالکیہ کا قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق فروخت شدہ پھلوں میں اس صلاحیت کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ یہ امام احمدؒ کا قول ہے۔ تیسرے قول کے مطابق فروخت شدہ درخت کے اندر صلاحیت کا ظاہر ہونا معتبر ہو گا۔ یہ شوافع کا قول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "صلاحیت ظاہر ہو جائے" سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صلاحیت کا کمال کو پہنچ جانا شرط نہیں ہے بلکہ بعض پھلوں پر اور درخت کے بعض حصوں پر رنگ آ جانا کافی ہے جب کہ اس کے ساتھ آفت ارضی و سماوی سے امن و امان کا مقصد بھی حاصل ہو چکا ہو۔ اللہ کی حکمت یہ رہی ہے کہ پھل بیک وقت قابل استعمال نہیں ہو جاتے تاکہ ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کے ذریعے پھل خوری کی مدت طویل ہو جائے۔

یہ حدیث پھلوں میں صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بیع کی ممانعت کی دلیل ہے۔ اس بات پر اجماع ہے کہ پھلوں کے نکلنے سے پہلے ان کی بیع درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک معدوم چیز کی بیع ہوگی۔ اسی طرح پھلوں کے نکلنے کے بعد ان کے قابل استعمال ہونے سے پہلے ان کی بیع کا بھی یہی حکم ہے۔ تاہم مصنف نے "الفتح" کے اندر روایت کی ہے کہ حنفیہ نے پھلوں کے اندر صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے اور ظاہر ہونے کے بعد انھیں درختوں سے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ان کی بیع جائز قرار دی ہے اور صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے اور ظاہر ہونے کے بعد انھیں درختوں پر باقی رہنے دینے کی شرط کے ساتھ ان کی بیع کو باطل قرار دیا ہے۔ پھلوں میں صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد ان کی بیع کے بارے میں تفصیل ہے۔ اگر یہ بیع پھل توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ہو تو بالاجماع درست ہوگی اور اگر درختوں پر باقی رہنے دینے کی شرط کے ساتھ ہو تو مدت نامعلوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی صورت میں یہ بیع فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر مدت معلوم ہو تو ہادویہ کے نزدیک یہ بیع درست ہو گی اور اس میں غرر (غیر یقینی صورت حال وغیرہ کی وجہ سے دھوکا بازی کا پہلو) نہیں ہو گا۔ المؤید کے قول کے مطابق یہ بیع درست نہیں ہے کیونکہ بیع اور شرط کی نہی موجود ہے۔ اور اگر اسے مطلق رکھا گیا ہو تو ہادویہ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست ہو جائے گی کیونکہ ایسی صورت جو صحت اور فساد کے درمیان ڈانواڈول ہو اسے صحت پر محمول کیا جائے گا کیونکہ صحت ہی ظاہر بات ہوگی۔ البتہ اگر ان پھلوں کو بیع کے بعد ایک نامعلوم مدت تک درختوں پر رہنے دینے کا عرف و رواج ہو تو یہ بات اس بیع کو فاسد کر دے گی۔ زیر نظر حدیث میں بائع اور مشتری دونوں کو ایسی بیع سے روکا گیا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بائع اس بیع سے اس لئے باز رہے کہ وہ اپنے بھائی کا مال باطل طریقے سے کھانے سے بچ جائے اور مشتری اس لئے کہ اس کا مال ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔

حدیث میں مذکور لفظ العاہت سے مراد پھلوں کو لاحق ہونے والی آفت ہے۔ اس کی وضاحت حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث نے کر دی ہے۔ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ پھلوں کی خریداری کر لیتے، پھر جب لوگ پھل اتار لیتے اور ان کی وصولی کا وقت آ جاتا تو مشتری کہہ دیتا کہ "ان پھلوں کو دمان کی آفت لاحق ہو گئی ہے۔" اگر کھجوروں کے شگوفے خراب ہو کر سیاہ ہو جائیں تو اسے دمان کہتے ہیں، "اسے تو قشام (پھلوں کی ایک بیماری کا نام) لاحق ہو گیا ہے۔" یعنی مختلف آفتوں کا ذکر کر کے انہیں اپنے حق میں حجت قرار دیتے۔ اس بارے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے جھگڑے آئے تو آپؐ نے فرمایا: "بس اب ایسا نہ کرو، جب تک پھلوں میں صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک ان کی خریداری نہ کرو۔" لوگوں کے درمیان اس بارے میں تنازعات کی کثرت کی وجہ سے گویا آپؐ نے مشورہ کے طور پر ان سے یہ بات کہی۔"

حضرت زید بن ثابتؓ کے قول "مشورہ کے طور پر" نے یہ سمجھا دیا کہ نہی تنزیہ کے لئے ہے، تحریم کے لئے نہیں ہے۔ یہ بات حضرت زیدؓ نے گویا سیاق حدیث سے اخذ کی تھی ورنہ اس کی اصل تحریم ہے۔ حضرت زیدؓ کا اپنا طریق کار یہ تھا کہ اپنی زمینوں کے پھل آپ اس وقت تک فروخت نہ کرتے جب تک ثریا ستارہ طلوع نہ ہو جاتا اور سرخ اور زرد پھل ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہو جاتے۔ ابو داؤدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ: "جب صبح کے وقت نجم طلوع ہو جائے تو ہر شر سے آفت دور ہو جاتی ہے۔[1]"

---

(1) حدیث "جب صبح کے وقت نجم طلوع ہو جائے" کے مراجع:۔ مسند احمد ۲۷۰ ص ۳۴۱، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۳، مشکل الآثار ج ۳ ص ۹۱، الاحادیث الضعیفہ ج ۴ ص ۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجم ثریا ستارے کو کہتے ہیں - صبح کے وقت اس کے طلوع ہونے سے مراد موسم گرما کی ابتدا میں اس کا ظہور ہے- یہ اس وقت ہوتا ہے جب حجاز کے علاقے میں گرمی کی شدت ہوتی ہے اور پھل پکنے شروع ہو جاتے ہیں - حقیقت میں تو پھلوں کے پکنے کا اعتبار ہے اور ثریا ستارے کا طلوع ہونا اس کی ایک علامت ہے -

٤/١٠٨١ - وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تُزْهِيَ». قِيلَ: وَمَا زَهْوُهَا؟ قَالَ: «تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(۱).

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی فروخت سے منع فرمایا جب تک ان پر رنگ نہ آ جائے" عرض کیا گیا: "ان پر رنگ آنا کیا ہے؟ فرمایا": "سرخ ہو جائیں زرد ہو جائیں" (متفق علیہ) الفاظ امام بخاریؒ کی روایت کے ہیں۔

(۱) نسائی کی روایت میں ہے: "عرض کیا گیا:" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم " اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ مذکورہ تفسیر مرفوع ہے -

(۲) "وما زهوها" (یہ لفظ حرف زاء پر زبر کے ساتھ ہے ' جب کوئی چیز سرخ اور زرد ہو جائے تو کہا جاتا ہے: "احمر' اصفر" جب کھجور کے درختوں پر پھل ظاہر ہونے لگیں تو کہا جاتا ہے: "زها النخل يزهو" - ایک قول کے مطابق روایت میں وارد دونوں الفاظ (تحمار و تصفار) احمرار اور اصفرار کے معنوں میں ہیں - بعض حضرات نے لفظ یزھو کو اور بعض نے لفظ یزھی کو ناپسند کیا ہے - "النهايه" میں اسی طرح مذکور ہے -

خطابی کے قول کے مطابق اس روایت میں یہی درست ہے۔ کھجور کے درختوں کے لئے یزھو کا لفظ استعمال نہیں ہوتا' اس کے لئے صرف لفظ یزھی استعمال ہوتا ہے - بعض کی رائے ہے کہ مذکورہ بالا دونوں الفاظ سے خالص سرخی اور زردی مراد نہیں ہے بلکہ وہ سرخی اور زردی مراد ہے جس میں رنگ تھوڑا سا بدلا ہوا ہو۔ اس بنا پر آپؐ نے (تحمار اور تصفار) کے الفاظ فرمائے' اگر آپؐ خالص رنگ کا ارادہ کرتے تو (تحمر اور تصفر) کے الفاظ بولتے - ابن التین نے کہا ہے: "آپؐ نے (تحمار اور تصفار) کے الفاظ کہہ کر وہ ابتدائی سرخی اور زردی مراد لی ہے جو پھلوں کے پکنے سے پہلے ان پر آنے لگتی ہے۔" انہوں نے مزید کہا ہے کہ "یفعال کا صیغہ اس رنگ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو بدل جائے اور زائل ہونے لگے۔" ایک قول کے

(۱) حضرت انس کی روایت کے مراجع :- بخاری شریف باب ۸۵' ۸۶' ۸۷' ۹۳' من البيوع ' باب ۵۸ من الزكواة' مسلم شریف ۱۵۵۵ من المساقاة ' فتح الباری ج ۳ ص ۳۵۲' ج ۴ ص ۳۹۴' ۳۹۷ ۳۹۸' ۴۰۴ سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق اس میں کوئی فرق نہیں ہے' البتہ اس مقام پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ معانی ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا اور ان کا قرینہ اگلی حدیث ہے۔

۸۰۲/۵ ۔ وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتَّى يَسْوَدَّ، وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ(۱).

اور ان سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی فروخت سے منع فرما دیا جب تک وہ سیاہ نہ ہو جائیں اور اناج کی فروخت سے جب تک دانوں میں سختی نہ آ جائے۔" نسائی کے سوا باقی ماندہ اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان نیز حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) حضرت انسؓ سے

انگوروں کے سیاہ ہو جانے اور دانوں کے سخت ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے اندر استعمال میں آنے کی صلاحیت ظاہر ہو جائے

نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اہل کوفہ (احناف) کے مسلک کی دلیل ہے۔ اور اکثر علماء کی رائے ہے کہ جب دانوں کے خوشے سخت ہو جائیں تو ان کی بیع جائز ہے۔ ہمارے مسلک میں اس بارے میں تفصیل ہے۔ اگر یہ بالیاں جو یا مکئی کی ہوں یا ان کی طرح دیگر اجناس کی ہوں جن کے دانے نکلے ہوئے نظر آتے ہیں تو بیع درست ہو گی لیکن اگر یہ بالیاں گندم یا اس جیسی کسی اور جنس کی ہوں جن کے دانے ان چھلکوں میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں جنھیں گاہنے کے عمل کے ذریعے دور کیا جاتا ہے تو اس کے متعلق امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ قول جدید کے مطابق بیع درست نہیں ہو گی۔ یہی زیادہ صحیح قول ہے۔ اور قول قدیم کے مطابق بیع درست ہو گی لیکن دانوں میں سختی آنے سے پہلے بیع صرف اس صورت میں درست ہو گی جب کاٹ لینے کی شرط بھی لگائی گئی ہو جیساکہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اگر کوئی شخص دانوں میں سختی پیدا ہونے سے پہلے ہی فصل کو بمعہ زمین بلا کسی شرط کے فروخت کر دے تو زمین کے ضمن میں یہ بیع بھی درست ہو جائے گی۔ یہی حکم پھلوں کا ہے جب انہیں صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے درخت کے ساتھ فروخت کر دیا جائے اور کوئی شرط نہ عائد کی جائے تو بالتبع یہ بیع جائز ہو جائے گی۔ زمین کے بارے میں قول کا بھی اسی طرح حکم ہے کہ کھڑی فصل کے بغیر اس

حدیث "نهى عن بيع العنب حتى يسود" کے مراجع:۔ سنن ابی داؤد ۳۳۷۱' سنن ترمذی ۱۲۲۸ ' سنن ابن ماجہ ۲۲۱۷' معانی الآثار ج ۴ ص ۳۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بیع صرف اس وقت جائز ہو گی جب فصل کاٹ لینے کی شرط عائد کر دی گئی ہو۔ اسی طرح خربوزوں وغیرہ کی بیع درست نہیں ہو گی جب تک ان کے اندر استعمال میں آنے کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔ اس مسئلے سے نکلنے والے فروعی مسائل بڑی تعداد میں ہیں۔ میں نے " روضہ الطالبین " اور " شرح المھذب" میں ان کے مقاصد کی تنقیح کی ہے اور اچھے خاصے مسائل جمع کر دیئے ہیں۔ وباللہ التوفیق!

٨٠٣/٦ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَراً فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئاً، بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ؟». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ»(٢).

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم اپنے بھائی کے ہاتھ پھل فروخت کرو اور پھر کوئی آفت اسے لاحق ہو جائے تو تمہارے لئے اس سے کچھ لینا حلال نہیں ہو گا' تم کس طرح ناحق اپنے بھائی کا مال لو گے؟" اس کی روایت امام مسلم نے کی ہے۔ ان کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتوں سے پہنچنے والے نقصان کے برابر رقم کم کر دینے کا حکم دیا۔"

(۱) فصلوں (۲) کو تباہ کر دینے والی آفت کو جائحہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ جوح سے مشتق ہے جو استیصال کے معنوں میں ہے۔ اسی سے یہ حدیث ہے: "میرے والد میرے مال کی جڑ کاٹ دیتے ہیں۔"

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو جب ان کا مالک فروخت کردے اور پھر یہ پھل کسی آفت کی زد میں آجائیں تو ان کی تباہی کو بائع کے مال سے شمار کیا جائے گا اور ایسی صورت میں وہ مشتری سے کوئی رقم لینے کا حقدار نہیں ہو گا۔

اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ درج بالا حکم اس بیع کے متعلق ہے جو ممنوعہ نہ ہو نیز یہ کہ مذکورہ بیع پھلوں میں صلاحیت کے ظہور کے بعد ہوئی ہو کیونکہ صلاحیت کے ظہور سے پہلے ان کی بیع سے روکا گیا ہے۔

---

(۱) حضرت جابرؓ کی حدیث کے مراجع:۔ مسلم شریف باب ۳ حدیث ۱۴ من المساقاۃ ' مشکوۃ المصابیح ۲۸۲۵' فتح الباریؒ ج ۴ ص ۳۹۱' سنن ابی داؤد ۳۴۷۰' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۶۴

(۲) نقصان کی مقدار رقم وضع کرنے کی حدیث کے حوالہ جات:۔ مسلم شریف باب ۳ حدیث ۱۷ من المساقاۃ ' سنن ابی داؤد ۳۳۷۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نقصان کی برابر رقم وضع کر دینے کی حدیث کا ورود نہی کی حدیث سے پہلے ہوا ہو۔ اس کی تائید حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے ہوتی ہے - وہ فرماتے ہیں: " نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو اس وقت ہم لوگ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو انکے اندر استعمال کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کر دیا کرتے تھے - آپؐ کے سامنے ایک جھگڑا پیش ہوا جسے سن کر آپؐ نے فرمایا: " یہ کیا ہے؟" پھر حضرت زیدؓ نے پوری حدیث بیان کی اور یہ بھی بتایا کہ آپ نے پھلوں کے اندر صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے ان کی فروخت کی ممانعت کر دی تھی۔ حضرت زیدؓ نے نہی کا سبب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تاریخ بھی بتا دی جس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ نقصان کے برابر رقم وضع کر دینے کی حدیث بعد کی ہے - اس لئے رقم وضع کرنے کی حدیث کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب پھلوں میں صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد ان کی فروخت عمل میں آئی ہو -

آفت کی وجہ سے پھلوں کی تباہی کے نتیجے میں رقم وضع کرنے کے مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ان کی ایک قلیل تعداد کا مسلک یہ ہے کہ اگر آفت سارے پھلوں کو برباد کر دے تو اس صورت میں سارا ثمن منہا ہو جائے گا اور یہ نقصان بائع کے مال سے تصور ہو گا - یہ مسلک حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اختیار کیا گیا ہے - جب کہ علما کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ نقصان مشتری کے مال سے تصور ہو گا اور آفت کی وجہ سے رقم منہا کر دینا صرف استحباب پر مبنی ہو گا - اور اپنے اس مسلک کی تائید میں انھوں نے حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ ہیں :"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس شخص پر صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا جسے اپنے پھلوں میں آفت کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا تھا - یہ حدیث آگے آ رہی ہے - ان حضرات کے قول کے مطابق مذکورہ نقصان کو مشتری کے کھاتے میں ڈالنے کی وجہ یہ ہے کہ درست عقد کے اندر بائع کا فروخت شدہ مال سے ہاتھ اٹھا لینا مشتری کے قبضے کے مترادف ہوتا ہے - اور بائع نے اسی طریقے سے فروخت شدہ مال یعنی پھل مشتری کے حوالے کر دیا تھا تو گویا مشتری نے ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: " تمھارے لئے اپنے بھائی (مشتری) کے مال میں سے کچھ لینا حلال نہیں ہو گا۔" تحریم پر دلالت کرتا ہے نیز اس پر بھی کہ یہ نقصان بائع کے کھاتے میں ڈالا جائے گا کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے: "اپنے بھائی کا مال " کیونکہ یہ الفاظ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بائع مشتری سے ثمن لینے کا حقدار ہی نہیں بنا تھا اور یہ اس کے بھائی (مشتری) کا مال تھا' اس کا مال نہیں تھا۔ صدقہ کرنے کی حدیث استحباب پر محمول ہو گی۔ اس کا قرینہ آپؐ کا یہ ارشاد ہے: " تمھارے لئے حلال نہیں۔ "

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدقہ کرنے کے حکم کا فائدہ یہ ہے کہ آپؐ نے اس کے ذریعے دو غرضیں پوری کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے: ایک تو بھائی کا نقصان پورا کر دینا اور دوسری یہ کہ مشتری کو مکارم اخلاق کا نمونہ پیش کرنے کی تلقین کرنا۔ اس رائے پر آپؐ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے جو حدیث کے آخر میں رقم کی ادائیگی سے متعلق وارد ہوا ہے کہ: "تمہارے لئے بس یہی کچھ ہے۔" اگر رقم کی ادائیگی لازمی ہوتی تو آپؐ مطالبہ کرنے والوں کو ضرور حکم دیتے کہ وہ خریداروں کو فراخی کا زمانہ آنے تک مہلت دے دیں۔

۸۰۴/۷ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ ابْتَاعَ نَخْلاً بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ الذي بَاعَهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کھجور کے درختوں پر تابیر کے عمل کے بعد ان درختوں کو خریدے تو ان پر لگنے والی کھجوریں بائع کی ہونگی الا یہ کہ مشتری انہیں لینے کی شرط عائد کردے۔" (متفق علیہ)

(۱) اس کے لئے نخل کا لفظ آیا ہے۔ یہ اسم جنس ہے اور نر اور مادہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

(۲) تابیر مادہ کھجور کے شگوفے کو شق کر کے اس پر نر کھجور کا شگوفہ چھڑک دینے کے عمل کو کہتے ہیں۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تابیر کا عمل ہو جانے کے بعد پھل بائع کے ہوں گے۔ ان الفاظ کا منطوق اور مفہوم یہ ہے کہ مشتری نے اس بات کو قبول کر لیا ہے۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے، جو ظاہر حدیث پر عمل کا مظہر ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ تابیر کے عمل سے پہلے اور اس کے بعد دونوں صورتوں میں پھل بائع کے ہوں گے۔ انہوں نے منطوق پر عمل کیا ہے، مفہوم پر عمل نہیں کیا کیونکہ ان کا یہ اصول ہے کہ مفہوم مخالف پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

امام صاحب کے قول کی تردید میں کہا گیا ہے کہ بیع کے اندر پوشیدہ فوائد ظاہری فوائد سے حکم کے اندر مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً لونڈی کا بچہ جو پیدا ہو چکا ہو وہ ماں کے تابع نہیں ہوگا جب کہ اس کے پیٹ میں موجود حمل اس کے تابع ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "الا یہ کہ مشتری اس کے لینے کی شرط عائد

---

(۱) حدیث: "من ابتاع نخلا بعد ان تؤبر فثمرتها للبائع"

انظر فی: صحیح البکاری، الباب ۱۷ من المساقاة وصحیح مسلم، الباب ۱۵ من البیوع وفتح الباری ۵/۴۹ وسنن الترمذی ۱۲۴۴ وسنن النسائی ۷/۲۶۹ ومشکاة المصابیح ۲۸۷۵ والسنن الکبری ۵/۳۵۴ ونصب الرایه ۵/۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دے۔" اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مشتری کہے کہ "میں نے درخت اس کے پھلوں کے ساتھ خریدا" تو یہ پھل اس کے ہوں گے - نیز یہ حدیث اس بات کا بھی پتہ دے رہی ہے کہ اگر عائد شدہ شرط عقد کے منافی نہ ہو' تو اس سے عقد فاسد نہیں ہو گا' اس لئے بیع و شری والی نہی کی اس نص کے ذریعے کھجور کے درختوں کے بارے میں تخصیص ہو جائے گی اور اسی پر دوسرے پھلدار درختوں کو قیاس کیا جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵- سلم، قرض اور رہن کے ابواب

۸۰۵/۱ - عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ فَقَالَ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَلِلْبُخَارِيِّ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ»(۲).

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ پھلوں کے اندر ایک ایک اور دو دو سال(۱) کے لئے بیع سلم کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمادیا: "جو شخص پھلوں(۲) کے اندر سلم کرے تو وہ معلوم کیل(۳) (ناپ کے پیمانے)، معلوم وزن(۴) اور معلوم مدت کے لئے کرے!" (متفق علیہ) امام بخاریؒ کی روایت کے الفاظ ہیں: "جو شخص کسی چیز میں سلم کرے۔"

(۲) امام بخاری کی روایت کے مراجع:۔ نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۷۰، مشکوۃ المصابیح ۲۸۸۳، ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۲۶، فتح الباری ج ۴ ص ۴۳۴

(۱) (سنہ اور سنتین) یہ دونوں الفاظ حرف جر کو ہٹا دینے کی بنا پر منصوب ہیں۔ یعنی (الی سنہ اور سنتین) ایک ایک اور دو دو سال تک کے لئے۔

(۲) حدیث میں اس لفظ کی روایت حرف ثاء (ثمن) اور حرف تاء (تمر) دونوں طرح ہوئی ہے۔ اس بنا پر یہ لفظ دونوں سے زیادہ عام ہے۔

(۳) معلوم کیل۔ اگر مبیع کو کیل یعنی ناپ کے ذریعے فروخت کیا جاتا ہو۔

(۴) معلوم وزن۔ اگر مبیع کی فروخت وزن کے تحت ہوتی ہو۔

(۵) روایت میں (اسلف) کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ سلف سے نکلا ہے (پہلے دونوں حرفوں پر زبر) جو لفظ سلم کے وزن پر ہے اور اس کا معنی بھی یہی ہے۔ ایک قول کے مطابق سلم اہل عراق کی لغت ہے اور سلف اہل حجاز کی۔ شرعی طور پر سلم یا سلف اس چیز کی بیع کو کہتے ہیں جس کے اوصاف بیان کر دیئے گئے ہوں اور کسی کے ذمہ عائد ہو جائے اور ایسے بدل کے بالمقابل ہو جس کی فوری ادائیگی کر دی جائے۔ ابن المسیب کے سوا تمام فقہاء

---

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری باب ۲، باب ۷ من السلم، مسلم شریف حدیث ۱۲۷، ۱۲۸ من المساقاۃ، سنن ابی داؤد ۳۴۶۳، سنن ترمذی ۱۳۱۱، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۹۰، سنن ابن ماجہ ۲۲۸۰، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۳۰، سنن دارقطنی ج ۳، ص ۳، شرح السنہ ج ۸ ص ۱۷۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۲، سنن کبری ج ۶ ص ۱۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک یہ مشروع بیع ہے - اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی صحت کی بھی وہی شرطیں ہیں جو بیع کی دیگر صورتوں کی ہیں نیز یہ کہ راس المال مجلس بیع ہی میں حوالہ کر دیا جائے۔ تاہم امام مالکؒ نے اس میں ایک یا دو دن کی تاخیر کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کیل یا وزن کے تحت مبیع کا لین دین ہوتا ہو جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے - اگر کیل یا وزن کے تحت اس کا لین دین نہ ہوتا ہو تو "فتح الباری" میں مصنف کے قول کے مطابق معلوم عدد کا ہونا ضروری ہے۔ ابن بطال نے اس کی روایت کی ہے اور اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے۔ مصنف کے قول کے مطابق یا پھر معلوم گزوں کا ہونا ضروری ہے' کیونکہ عدد اور گز دونوں کا الحاق وزن اور کیل کے ساتھ ہوتا ہے - کیونکہ انکے اندر ایک چیز مشترک ہے - وہ یہ کہ ان کے ذریعے مقدار کی لاعلمی دور ہو جاتی ہے - اس پر بھی اتفاق ہے کہ کیل یعنی ناپ کے پیمانے کے ذریعے خرید و فروخت ہونے والی چیز کے لئے ناپ کے پیمانے کا تعین بھی ضروری ہے۔ مثلاً حجاز کا صاع اور عراق کا قفیز اور مصر کا اردب وغیرہ (یہ سب کے سب ناپ کے پیمانے ہیں) اگر کیل کو مطلق رکھا گیا ہو تو اس سے بیع سلم کے اس علاقے کا زیادہ چلنے والا کیل مراد ہو گا۔ اس پر بھی اتفاق ہے کہ مسلم فیہ (مبیع) کی خصوصیات اس طرح بیان کر دینا ضروری ہے جس کے نتیجے میں وہ دیگر اشیاء سے ممتاز ہو جائے - حدیث میں اس کا ذکر اس لئے نہیں ہے کہ لوگوں کو یہ بات معلوم تھی۔ حدیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ عقد سلم کے اندر تاجیل یعنی مال کی حوالگی میں تاخیر شرط ہے اگر حوالگی فوری ہو یا مدت نامعلوم ہو تو عقد سلم درست نہیں ہو گا۔ ابن عباسؓ اور سلف کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے۔ دیگر حضرات کے نزدیک اس کا شرط ہونا ضروری نہیں ہے اور فی الحال بھی عقد سلم جائز ہے۔ لیکن ظاہر بات یہی ہے کہ زمانہ نبوت میں عقد سلم موجل صورت ہی میں ہوا کرتا تھا۔ اور حال کو موجل کے ساتھ ملحق کر دینا خلاف قیاس امر پر قیاس ہے (اور یہ درست نہیں ہے)۔ خلاف قیاس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سلم ایک معدوم چیز کی بیع کا نام ہے اور اس میں غرر (دھوکے) کا پہلو ہوتا ہے - اسی طرح مسلم فیہ (مبیع) کی حوالگی کے مقام کی شرطیت کے اندر بھی اختلاف ہے - ایک نے کیل' وزن اور تاجیل پر قیاس کرتے ہوئے اسے ضروری سمجھا ہے جب کہ دیگر حضرات نے اس کے شرط نہ ہونے کا مسلک اختیار کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر مبیع کو لانے لے جانے میں کچھ رقم خرچ کرنی پڑتی ہو تو ایسی صورت میں حوالگی کے مقام کی شرط بھی طے کر لی جائے گی ورنہ نہیں - شوافع کا قول ہے کہ اگر عقد سلم ایسے مقام پر ہوا ہو جو مبیع کی حوالگی کے مناسب نہ ہو مثلاً راستہ وغیرہ تو حوالگی کے مقام کی بھی شرط ہو گی - بصورت دیگر اس میں دو قول ہیں - ان تمام تفصیلات کی بنیاد عرف اور رواج ہے -

۸۰۶/۲ - وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَا: «كُنَّا نُصِيبُ الْمَغَانِمَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَكَانَ يَأْتِينَا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَنْبَاطُ مِنْ أَنْبَاطِ الشَّامِ. فَنُسْلِفُهُمْ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ - وَفِي رِوَايَةٍ: وَالزَّيْتِ - إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى. قِيلَ: أَكَانَ لَهُمْ زَرْعٌ؟ قَالَا: مَا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ ذٰلِكَ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اموال غنیمت حاصل کرتے تھے' اور ہمارے پاس شام کے نبطی آیا کرتے تھے۔ ہم ان کے ساتھ گندم' جو اور زبیب میں ------ ایک روایت کے مطابق زیتون کے تیل میں ------ ایک مقررہ مدت تک کے لئے عقد سلم کر لیا کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ آیا ان لوگوں کی کوئی زراعت وغیرہ بھی تھی؟ اس کے جواب میں دونوں نے جواب دیا کہ اس کے متعلق ہم ان سے کبھی نہیں پوچھتے تھے۔" امام بخاریؒ نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) ابزی (ہمزہ کے نیچے زیر' باء ساکن' حرف زاء پر زبر) حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی رہائش کوفہ میں تھی اور حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں انھیں خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل کی تھی اور آپؐ کے پیچھے نمازیں پڑھی تھیں۔

(۲) نبطی دراصل ایسے عرب تھے جو عجمیوں اور شامیوں سے جا ملے تھے اور پھر ان کے ساتھ شادی بیاہ کی وجہ سے ان کی نسل مخلوط ہو گئی تھی اور زبان بھی بگڑ گئی تھی' ان کو انباط اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہیں زیر زمین پانی کے انباط یعنی نکالنے کے طریقوں کی بڑی معرفت تھی۔

یہ حدیث ایسی چیز کی بیع سلم کرنے کی صحت پر دلالت کرتی ہے جو عقد کے وقت معدوم ہو۔ کیونکہ اگر عقد کے وقت مسلم فیہ (مبیع) کی موجودگی شرط ہوتی تو اس کی تفصیل ضرور بیان ہوتی جب کہ دونوں راویوں نے کہا ہے کہ "ہم اس کے متعلق ان سے کبھی نہیں پوچھتے تھے۔" اور قاعدہ ہے کہ احتمال کے مقام میں تفصیل کو ترک کر دینا بات کے اندر عموم پیدا کر دیتا ہے۔ ہادویہ' شوافع اور مالکیہ کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے مبیع کی حوالگی کے وقت اس کے وجود کے امکان کی شرط عائد کی ہے۔ان کے نزدیک اس وقت کی آمد سے پہلے مبیع کی عدم موجودگی سے عقد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا جیساکہ آپ نے تفصیل ترک کرنے کے درج بالا اصول میں دیکھ لیا ہے۔ شرح کے اندر اسی طرح مذکور ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ بات صحابیؓ کے فعل یا ترک فعل سے استدلال کی صورت ہے اور

حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عبداللہ کی حدیث کے حوالہ جات:۔ بخاری شریف باب ۳ اور باب ۷ من السلم' سنن ابی داؤد ۳۴۶۴' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی تھی اور اس کی توثیق کی تھی - اس سے بہتر یہ طریقہ استدلال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو ایک ایک دو دو سال کی مدت تک کے لئے عقد سلم کرتے رہنے دیا جب کہ اس دوران تر کھجوریں بازار سے منقطع اور غائب ہو جاتی تھیں - اس کی معارض حضرت ابن عمرؓ کی وہ حدیث ہے جس کی روایت ابو داؤد نے ان الفاظ میں کی ہے :" اور کھجوروں میں اس وقت تک سلم نہ کرو جب تک انکی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے- اگر یہ روایت درست ہے تو یہ مطلق نہیں ہو گی بلکہ مقید ہو گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک دو دو سال تک کے لئے عقد سلم کے سلسلے میں اہل مدینہ کے عمل کو برقرار رہنے دیا تھا اور اس کی توثیق کر دی تھی- نیز آپؐ نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ کھجوروں میں جب تک صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک ان کا عقد سلم نہ کریں - امام ابو حنیفہؒ اور الناصر کا مسلک قوی ہے کہ مسلم فیہ (مبیع) کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عقد کے وقت سے لے کر حوالگی کی مدت کی آمد تک موجود رہے -

٨٠٧/٣ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ. وَمَنْ أَخَذَهَا يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ تَعَالَى». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- " جو شخص لوگوں کے اموال لے اور ان کی ادائیگی کا اسے ارادہ ہو تو اللہ اس کی طرف سے ادائیگی کر دیتا ہے- اور جو شخص لوگوں کے اموال انہیں برباد کرنے کے ارادے سے حاصل کرے تو اللہ اسے برباد کر دے گا-" امام بخاری " نے اس کی روایت کی ہے -

(۱) لوگوں کے اموال لینے کی تعبیر قرض کے طور پر لینے کو نیز حفاظت کی غرض سے لینے کو شامل ہے- ادائیگی کے ارادے سے دنیا میں ان کی ادائیگی مراد ہے اور اللہ کی طرف سے ان کی ادائیگی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ان کی ادائیگی کے لئے اس کی طرف سے آسانیاں بہم پہنچا دی جائیں گی مثلاً یہ کہ وہ مقروض کو اپنے فضل سے اتنا کچھ دے دے گا جس کی وجہ سے وہ اپنا قرض اتار دے گا- آخرت میں مقروض کی طرف سے اللہ کی ادائیگی سے مراد یہ ہے کہ وہ جس طرح چاہے گا مقروض کے قرض خواہ کو خوش کر دے گا -

---

(۱) حدیث " لوگوں کے اموال لے " کے مراجع:- بخاری شریف ج ۳ ص ۱۵۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۱' ۴۱۷' سنن کبری ج ۵ ص ۳۵۴' فتح الباری ج ۵ ص ۵۴' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۰۲' مشکوٰۃ المصابیح ۲۹۱۰' تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۴۱۶' ج ۸ ص ۱۰۹'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ماجہؒ، ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے مرفوعاً یہ حدیث بیان کی ہے کہ: "جس مسلمان کو بھی کوئی قرض دیا جائے اور اللہ کو معلوم ہو کہ وہ اس کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے دنیا اور آخرت میں اس کی ادائیگی کر دے گا۔(۱)"

(۲) اس کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ ایک شخص کسی ضرورت یا تجارت کی خاطر کوئی رقم قرض نہیں لیتا بلکہ اس کے پیش نظر اسے فضول خرچی میں اڑا دینا ہوتا ہے اور ادائیگی کی نیت نہیں ہوتی۔

(۳) اس کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ ایسا شخص مال برباد کر کے دنیا میں اپنے آپ کو تباہ کر لیتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ اس کی پر مسرت زندگی برباد ہو جاتی ہے اور اسکے حالات بگڑ جاتے ہیں نیز اپنے مقاصد حاصل کرنے میں اسے مشکلات پیش آتی ہیں اور برکت اس سے اٹھ جاتی ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد میں یہ بھی احتمال ہے کہ ایسا شخص آخرت میں برباد ہو گا یعنی اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں لوگوں سے قرض اور ادھار لینے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور قرض کی رقم کی اچھی طرح ادائیگی کی ترغیب دی گئی ہے، نیز یہ کہ جزاء بعض دفعہ عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ الداؤدی نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ جس شخص کے ذمہ واجب الادا دین ہو اسے صدقہ کرنے اور غلام آزاد کرنے کا حق نہیں ہوتا، لیکن یہ بڑی دور کی بات ہے۔

زیر نظر حدیث میں حسن نیت پر ابھارا گیا ہے اور بدنیتی سے ڈرایا گیا ہے اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے نیز یہ کہ جو شخص ادائیگی کی نیت کے ساتھ قرض لے اللہ اس کی مدد کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو قرض سے بڑی دلچسپی تھی، جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب تک قرض دار کا قرض ادا نہ ہو جائے اس وقت تک اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔" ابن ماجہ اور حاکم نے اس کی روایت کی ہے اور اس کا اسناد حسن ہے۔ تاہم ایک راوی محمد بن علی کے بارے میں ناقدین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ حاکم نے حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ میں اس کی روایت کی ہے: "جس بندے کی نیت اپنے دین (قرض) کی ادائیگی کی ہوتی ہے تو اسے اللہ کی طرف سے مدد مل ہی جاتی ہے۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "میں اس مدد کی تلاش میں ہوں!"

---

(۱) حدیث "جس مسلمان کو بھی کوئی قرض دیا جائے" کے حوالہ جات:۔ سنن ابن ماجہ ۲۴۰۸، کنزا لعمال ۱۵۴۵۰
حدیث "اللہ قرض خواہ کے ساتھ ہوتا ہے" کے حوالہ جات:۔ سنن دارمی ج ۲ ص ۲۶۳، مستدرک ج ۲ ص ۲۳، کنزا لعمال ۱۵۴۳۰، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۳ ص ۴۷۶، تہذیب ابن عساکر ج ۷ ص ۳۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں اگر آپ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ: "اللہ شہید کا ہر گناہ معاف کر دے گا' دین کے سوا" نیز یہ حدیث بھی کہ: "اب اس کی جلد ٹھنڈی ہوئی۔" آپؐ نے یہ بات اس شخص سے فرمائی تھی جس نے ایک فوت شدہ شخص کے ذمہ واجب الادا دین کی اس کی طرف سے ادائیگی کر دی تھی۔

اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ حدیث میں اس مفہوم کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید پر واجب الادا دین معاف نہیں کرے گا بلکہ یہ اس کے ذمہ باقی رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کی طرف سے خود اس کی ادائیگی کر دے گا۔ اس کے ذمہ دین باقی رہنے سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ دین کی وجہ سے وہ عذاب قبر میں مبتلا ہو جائے۔ اسی طرح حضورؐ کے ارشاد: "اب اس کی جلد ٹھنڈی ہوئی" کا مفہوم یہ ہے کہ اسے دین کی ذمہ داری سے خلاصی حاصل ہو گئی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ کا یہ ارشاد اس شخص کے بارے میں ہو جس نے قرض لیا لیکن دل میں اس کی ادائیگی کی نیت نہیں کی۔

٨٠٨/٤ ـ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ ٱللَّهِ، إِنَّ فُلَاناً قَدِمَ لَهُ بَزٌّ مِنَ ٱلشَّامِ، فَلَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ، فَأَخَذْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ نَسِيئَةً إِلَى مَيْسَرَةٍ؟ فَبَعَثَ إِلَيْهِ. فَامْتَنَعَ. أَخْرَجَهُ ٱلْحَاكِمُ وَ ٱلْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! فلاں شخص کے ہاں شام سے سوتی کپڑا آیا ہے' اگر آپ اسے پیغام بھیج کر دو کپڑے فراخی آنے تک ادھار لے لیتے (تو بہت اچھا ہوتا)۔ چنانچہ آپؐ نے اسے پیغام بھیجا لیکن اس نے ادھار دینے سے انکار کر دیا۔" حاکم اور بیہقی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث میں ادھار بیع کی نیز فراخی کے حصول تک ادائیگی میں تاخیر کرنے کی صحت کی دلیل ہے۔ بندوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاملہ' کسی کام پر انھیں مجبور نہ کرنے اور ان کے پیچھے پڑ نہ جانے کی جھلکیاں بھی اس حدیث میں موجود ہیں۔

٨٠٩/٥ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ٱلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوناً، وَلَبَنُ ٱلدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوناً، وَعَلَى ٱلَّذِي

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُرْكَبُ وَيُشْرَبُ النَّفَقَةُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سواری کا جانور اگر رہن ہو تو اس پر اٹھنے والے اخراجات کے بدلے سواری کے لئے اسے استعمال کیا جائے گا۔ دودھ دینے والا جانور اگر رہن ہو تو اس پر ہونے والے اخراجات کے بدلے اس کا دودھ پیا جائے گا۔ جو شخص سواری کرے گا یا دودھ پئے گا اس پر اس کا خرچہ برداشت کرنے کی ذمہ داری ہو گی۔" امام بخاریؒ نے اس کی روایت کی ہے۔ اس حدیث کا تعلق رہن کے باب سے ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی احتباس (رکے رہنے) کے ہیں۔ یہ عربوں کے اس محاورے سے نکلا ہے "رهن الشئی" یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ایک چیز ثابت اور دائم رہے۔ اسی سے یہ ارشاد باری ہے (كل نفس بما كسبت رهينه ہر نفس اپنی کمائی کا مرہون ہے) شرع کے اندر ایک مال کو دین کا وثیقہ (ادائیگی کا مضبوط ذریعہ) بنا دینا رہن کہلاتا ہے اور اس کا اطلاق رہن شدہ عین (مال) پر کیا جاتا ہے۔

(۱) حدیث کا لفظ یرکب ہے۔ یہ فعل مجہول ہے یعنی مبنی للمفعول۔ اسی طرح اگلا لفظ یشرب ہے۔

(۲) حدیث میں مذکور لفظ الدر (حرف دال پر زبر اور حرف راء پر تشدید) دودھ کو کہتے ہیں، یہ نام مصدر کے نام پر رکھا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ صورت ایک چیز کی اپنی ذات کی طرف اضافت والی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔

(۳) ان دونوں فعلوں کا فاعل مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا گیا ہو) ہے۔ اس کا قرینہ مذکورہ عوض ہے یعنی سواری کرنا (اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ ان فعلوں کا فاعل راہن (رہن رکھنے والا) ہو، تاہم یہ ایک بعید احتمال ہے۔ اس لئے کہ مرہون کا خرچہ تو بہر حال اس کے ذمہ ہو گا کیونکہ وہ اس کی ملکیت ہے جب کہ حدیث میں یہ خرچہ سواری کرنے والے اور دودھ پینے والے پر ڈالا گیا ہے۔ اور یہ مالک کے سوا کوئی اور ہے (ورنہ خرچہ کا ذکر بے فائدہ ہوتا) اس لئے کہ خرچہ تو ہر حال میں مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مرہون پر اپنا مال خرچ کر کے اس کے بدلے مرتہن اس سے فائدہ اٹھانے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے میں تین اقوال ہیں:

اول: امام احمد اور اسحاق نے ظاہر حدیث پر عمل کا مسلک اختیار کرتے ہوئے فائدہ اٹھانے کو صرف سواری کرنے اور دودھ پینے تک محدود کر دیا ہے اور کہا ہے کہ خرچہ کی مالیت کی بقدر مرتہن ان مذکورہ دونوں

(۱) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے مراجع: بخاری شریف ج ۵ ص ۱۴۳، سنن ابی داؤد ۳۵۲۶، سنن ترمذی ۱۲۵۴، سنن ابن ماجہ ۲۴۴۰، مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۲، سنن کبری ج ۶ ص ۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۲۶، ج ۱۴ ص ۱۸۰، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۳۵، مشکوۃ المصابیح ۲۸۸۶، شرح السنہ ج ۸ ص ۱۸۳، ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۴۴، معانی الآثار ج ۴ ص ۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باتوں کا فائدہ اٹھائے گا اور دیگر فوائد کو ان پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

دوم: جمہور کا قول ہے کہ مرتہن مرہون سے کسی قسم کا بھی فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ ان کے قول کے مطابق زیر نظر حدیث دو طرح سے قیاس کے خلاف ہے: ایک تو یہ کہ اس میں مالک کی اجازت کے بغیر غیر مالک کے لئے سواری کرنے اور دودھ پینے کو جائز قرار دیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ ان فوائد کا تاوان مرہون پر اٹھنے والے خرچہ کے ذریعے متعین کیا گیا ہے قیمت کے ذریعے نہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ: "جمہور فقہاء کے نزدیک اس کی تردید کئی ایسے مجتمع اصول اور ثابت شدہ آثار کرتے ہیں جن کی صحت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کے نسخ پر حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ: "کسی شخص کے مویشی کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہیں دوہا جائے گا۔" اس کی روایت امام بخاریؒ نے "ابواب المظالم" میں کی ہے۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ نسخ کے قول کے لئے تاریخ معلوم ہونا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اسے نسخ پر صرف اس صورت میں محمول کیا جائے گا جب تطبیق دینا مشکل ہو جائے۔ رہ گئی قیاس کے خلاف ہونے کی بات تو یاد رکھنا چاہئے کہ احکام شرعیہ کے اندر زبان و بیان کی یکسانیت نہیں ہوتی بلکہ احکام کے اعتبار سے جو دلائل بیان ہوتے ہیں وہ ان کے درمیان فرق کر دیتے ہیں۔ شارع نے یہاں مرہون جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ پینے کا حکم دیا ہے اور ان فوائد کو اخراجات کی قیمت قرار دیا ہے جب کہ شارع نے ایک اور صورت کے اندر حاکم وقت کو سرکش اور بھگوڑے انسان کا مال اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دینے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح ایک مسئلے میں ایک صاع خرما کو استعمال شدہ دودھ کا عوض قرار دیا ہے۔ اسی طرح دیگر مسائل ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: "مراد یہ ہے کہ راہن مرہون جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ استعمال میں لانے سے نہیں روکے گا۔" اس طرح انہوں نے راہن کو فاعل قرار دیا اور پھر بعد میں بیان کیا کہ حدیث مرتہن کے لفظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے اس لئے فاعل کا تعین ہو گیا۔

سوم: یہ اوزاعی اور لیث کا قول ہے کہ حدیث سے مراد یہ ہے کہ اگر راہن مرہون جانور پر اپنا مال خرچ کرنے سے باز رہے تو ایسی صورت میں جانور کی جان بچانے کی خاطر اس پر انفاق مباح ہو جائے گا اور ان اخراجات کے بالمقابل مرتہن مرہون سے بذریعہ سواری اور بذریعہ دودھ فائدہ اٹھا سکے گا بشرطیکہ فائدہ اٹھانے کی مقدار یا اس کی مالیت جانور کے چارے وغیرہ کی مالیت سے نہ بڑھے۔ شرح کے اندر اس قول کو قوی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ امر کسی طرح مخفی نہیں کہ مذکورہ بالا تاویل زیر نظر حدیث کو ایسی قید کے ساتھ مقید کر دینے کے مترادف ہے جو شارع کی طرف سے نہیں لگائی گئی ہے بلکہ دلائل سے ماخوذ ضابطہ کے ذریعے اسے مقید کیا گیا ہے۔ وہ ضابطہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کے قبضے میں شریعت کی اجازت کے تحت غیر کا مال ہو تو وہ اس کا خرچ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نیت کے ساتھ برداشت کرے گا کہ بعد میں اس کے مالک سے اسے وصول کر لے گا۔ اسے اجازت ہو گی کہ مذکورہ مال اجارے پر دیدے یا اگر یہ مال دودھ دینے والے جانور کی شکل میں ہو تو چارے کی قیمت کے برابر اس کا دودھ اپنے استعمال میں لے آئے ' البتہ اگر شہر کا حاکم موجود ہو اور اس کی اجازت حاصل کئے بغیر مذکورہ شخص اس پر اپنا مال خرچ کرے تو اس صورت میں وہ مالک سے ان اخراجات کی وصولی نہیں کرے گا اور اس پر حاصل کردہ فائدے اور استعمال شدہ دودھ کا جرمانہ لگ جائے گا۔ اگر شہر کا کوئی حاکم نہ ہو یا مالک کی واپسی کی مدت کی طوالت کی وجہ سے جانور کو نقصان پہنچنا شروع ہو جائے تو ان صورتوں میں اسے مذکورہ جانور کے چارے وغیرہ پر اپنا مال خرچ کرنے اور مالک سے اسے وصول کر لینے کی اجازت ہو گی ۔ تاہم یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک عام قاعدہ ہے اور زیر نظر حدیث کی وجہ سے مخصوص ہو گیا ہے۔

٦/ ٨١٠ ـ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي رَهَنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ، وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَالْحَاكِمُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّ الْمَحْفُوظَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَغَيْرِهِ إِرْسَالُهُ(۱).

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رہن اسکے مالک سے جس نے یہ رہن رکھا ہے بند نہیں ہو گا اس کے فوائد اسے حاصل ہوں گے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات اس کے ذمہ ہوں گے۔" دار قطنی اور حاکم نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں تاہم ابو داؤد وغیرہ کے نزدیک اس کا مرسل ہونا محفوظ ہے (ایسی حدیث جس کی سند کا آخری حصہ یعنی تابعی سے اوپر کا راوی ساقط ہو مرسل کہلاتی ہے۔ مترجم)

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے

(۲) لایغلق (حرف مضارع پر زبر' حرف غین ساکن اور حرف لام پر زبر) جب رہن راہن کی ملکیت سے نکل جائے اور اس پر اس وجہ سے مرتہن کا قبضہ ہو جائے کہ راہن اس دین کی ادائیگی سے عاجز ہو جس کی

---

(۱) حدیث "ولایغلق الرھن" کے حوالہ جات۔ سنن ابن ماجہ ۲۴۴۱' مستدرک ج ۲ ص ۵۱' التمہید ج ٦ ص ۲۲۵' ۲۲۸' مشکواۃ المصابیح ۲۸۸۷' ۲۸۸۸' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۲۳' مسند الشافعی ۱۳۸' سنن کبری ج ٦ ص ۴۰' ۴۴' بدائع المنن ۱۳۲۴' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۸۴' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۱۹' ۳۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاطر رہن رکھا گیا ہو تو اس موقعہ پر یہ فقرہ کہا جاتا ہے۔ "غلق الرھن" (رہن بند ہو گیا) عربوں کے ہاں اسی طرح رواج تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس سے روک دیا۔

(۳) غنمہ۔ اس کی پیداوار اور فوائد

(۴) غرمہ۔ اس کے اخراجات اور ان کا ضیاع

(۵) حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے :" حدیث کے الفاظ (له غنمه وعليه غرمه) کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ سعید بن المسیب کا قول ہے جسے حدیث میں داخل کر دیا گیا ہے۔ " انہوں نے مزید کہا ہے کہ : "ابن ابی ذئب' معمر وغیرھما نے اس فقرے کی مرفوع روایت کی ہے حالانکہ دیگر حضرات نے ابن ابی ذئب سے اختلاف کرتے ہوئے اس کی مرسل روایت کی ہے ' اور ان کے سوا دوسروں نے اس کی موقوف روایت کی ہے۔" (ایسے قول یا فعل یا تقریر کو جس کی نسبت صحابی کی طرف کی گئی ہو موقوف کہا جاتا ہے۔ مترجم)

ابن وہب نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اسے جید (عمدہ) قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ مذکورہ فقرہ ابن المسیب کا قول ہے۔ اسی طرح ابو داؤد نے "المراسیل کے اندر اس بات کی تائید کی ہے کہ یہ فقرہ ابن المسیب کا ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ""لایغلق" کے معنی ہیں کہ اگر رہن کا مالک رہن چھڑانے سے عاجز رہے تو مرتہن اس کا حقدار نہیں بنے گا۔ یہ حدیث زمانہ جاہلیت کے اس رواج کو باطل قرار دینے کے لئے آئی ہے جس کے تحت رہن مرتہن کے نزدیک بند ہو کر پڑا رہتا تھا۔ اس میں یہ بیان کر دیا گیا کہ رہن کے فوائد مرتہن کو حاصل ہوں گے اور اس کے اخراجات بھی اس کے ذمہ ہوں گے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۸۱۱/۷ - وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْراً، فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ إِبِلٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَأَمَرَ أَبَا رَافِعٍ أَنْ يَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَقَالَ: لَا أَجِدُ إِلَّا خِيَاراً رَبَاعِيًا، فَقَالَ: «أَعْطِهِ إِيَّاهُ. فَإِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے ایک

---

(۱) حضرت ابو رافع کی حدیث کے حوالہ جات:۔ مسلم شریف ۱۱۸ من المساقاۃ' سنن ابی داؤد باب ۱۱ من البیوع ' سنن ترمذی ۱۳۱۸' سنن کبری ج ۵ ص ۳۵۳ ' ج ۶ ص ۲۱' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵۴' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۹۱' کنزا لعمال ۱۵۴۵۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوٹی عمر کا اونٹ ادھار لیا۔ پھر آپؐ کے پاس صدقہ کے کچھ اونٹ آ گئے' آپؐ نے حضرت ابو رافعؓ کو حکم دیا کہ وہ ادھار دینے والے شخص کو اس کے اونٹ کی ادائیگی کر دیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے تو (صدقہ کے اونٹوں میں) صرف ایک سات سالہ عمدہ اونٹ نظر آ رہا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "یہی اونٹ اسے دے دو کیونکہ لوگوں میں افضل شخص وہ ہوتا ہے جو قرض کی ادائیگی میں سب سے اچھا ہو!" امام مسلمؒ نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) بکرا" (حرف باء پر زبر اور کاف ساکن) چھوٹی عمر کا اونٹ

(۲) رباعیا" (حرف راء پر زبر) ایسا اونٹ جو ساتویں سال میں ہو اور اس کے سامنے کے چار دانتوں اور کچلیوں کے درمیان والا دانت ابھی باقی ہو' گرا نہ ہو۔

یہ حدیث قرض کی احادیث میں سے ایک ہے' قرض دینے کی فضیلت اور اس کی ترغیب کی بہت سی احادیث ہیں۔ جانور قرض دینے لینے کے سلسلے میں جو اختلاف ہے' اس پر بحث گذر چکی ہے یہ حدیث مذکورہ قرض کے جواز کی دلیل ہے نیز یہ کہ جس پر قرض وغیرہ کی شکل میں دین ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ واجب الادا مال سے بہتر مال واپس کرے اور یہ بات عرف اور شرع میں قابل تعریف اور عمدہ اخلاق میں شمار ہوتی ہے اور اپنے ساتھ فائدہ کھینچ لانے والے قرض میں داخل نہیں ہے کیونکہ قرض دینے والے کی طرف سے بہتر مال کی واپسی کی کوئی شرط نہیں ہوتی بلکہ قرض لینے والے کی طرف سے یہ ایک رضا کارانہ نیکی ہوتی ہے۔ حدیث کا ظاہری معنی عموم کا ہے یعنی واپس کیا جانے والا مال خواہ تعداد کے لحاظ سے بہتر ہو یا صفت کے اعتبار سے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ تعداد میں زیادتی حلال نہیں ہے۔

۸۱۲/۸ ۔ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا». رَوَاهُ الْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ، وَإِسْنَادُهُ سَاقِطٌ (۱)

وَلَهُ شَاهِدٌ ضَعِيفٌ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ.

وَآخَرُ مَوْقُوفٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ.

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر ایسا قرض ربوا ہے جو منفعت کھینچ لائے۔" حارث بن ابی اسامہ نے اس کی روایت کی ہے اور اس کا اسناد ساقط ہے' بیہقی کے ہاں حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے اس روایت کا ایک کمزور شاہد ہے اور امام بخاری کے ہاں حضرت عبداللہ بن سلامؓ

---

(۱) حضرت علیؓ کی حدیث کے مراجع: المطالب العالیہ ۱۳۷۳' الدرالمنثور ج ۵ ص ۳۵۰' کنزالعمال ۱۵۵۱۶' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس کا ایک موقوف شاہد ہے۔

(شاہد وہ حدیث ہے جس میں اس کے راویوں کی حدیث فرد کے راویوں کے ساتھ لفظی اور معنوی یا صرف معنوی طور پر مشارکت ہو جائے لیکن صحابی میں اختلاف ہو۔ یعنی ان راویوں نے الگ الگ صحابیوں سے روایتیں کی ہوں ۔۔ مترجم)

(۱) کیونکہ اس کے اسناد میں ایک راوی سوار بن مصعب ہمدانی ہے ' یہ نابینا موذن تھا اور اس کی روایت کردہ احادیث کو محدثین نے ترک کر دیا ہے۔

(۲) بیہقی نے "المعرفہ" میں اس کی روایت ان الفاظ میں کی ہے:" ہر وہ قرض ربوا کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے جو منفعت کھینچ لائے۔"

(۳) مجھے یہ روایت بخاری شریف کے "باب الاستقراض" میں نہیں ملی ' نہ ہی مصنف نے "التلخیص" کے اندر اسکی نسبت امام بخاری کی طرف کی ہے۔ بلکہ یہ کہا ہے: "بیہقی نے "السنن الکبری" میں حضرت ابن مسعودؓ ' حضرت ابی بن کعبؓ ' حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً" اس کی روایت کی ہے۔" اگر یہ روایت بخاری شریف میں ہوتی تو "التلخیص" میں امام بخاری کی طرف اس کی نسبت کا ذکر کئے بغیر نہ رہتے۔

زیر نظر حدیث کی بشرط صحت گذشتہ حدیث کے ساتھ تطبیق ضروری ہے۔وہ تطبیق اس طرح ہو گی کہ یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جس کے تحت مقرض (قرض دینے والے) کی طرف سے منفعت کی شرط عائد کر دی گئی ہو یا ایسی بات کہی گئی ہو جو مذکورہ شرط کے حکم میں ہو' لیکن اگر قرض لینے والا رضا کارانہ طور پر کوئی فائدہ پہنچا دے تو یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ قرض میں لی ہوئی چیز سے بہتر چیز کی ادائیگی اس کے لئے مستحب ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶- تفلیس اور حجر

لغت کے اعتبار سے تفلیس مصدر ہے اور فقرہ "فلسته" کا معنی ہے: "میں نے افلاس کی طرف اس کی نسبت کی۔" افلاس فعل افلس کا مصدر ہے، افلس کا معنی ہے "وہ ایسی حالت پر جا پہنچا کہ اب ایک جلس (فلس پیسے) کا بھی مالک نہیں رہا" (قلاش اور دیوالیہ ہو گیا) لفظ حجر لغت میں حجر فعل کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں: "اسے روک دیا گیا اور اس کا دائرہ تنگ کر دیا گیا۔" شرعی طور پر حجر یہ ہے کہ حاکم وقت مدیون (مقروض) سے کہدے کہ: "میں نے تم پر اپنے مال میں تصرف کرنے پر پابندی لگا دی۔"

۸۱۳/۱ - عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَمَالِكٌ، مِنْ رِوَايَةِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُرْسَلاً بِلَفْظِ: أَيُّمَا رَجُلٍ بَاعَ مَتَاعاً فَأَفْلَسَ الَّذِي ابْتَاعَهُ وَلَمْ يَقْضِ الَّذِي بَاعَهُ مِنْ ثَمَنِهِ شَيْئاً فَوَجَدَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، وَإِنْ مَاتَ الْمُشْتَرِي فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ». وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَضَعَّفَهُ تَبَعاً لِأَبِي دَاوُدَ.

وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَابْنُ مَاجَهْ، مِنْ رِوَايَةِ عُمَرَ بْنِ خَلْدَةَ قَالَ: أَتَيْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي صَاحِبٍ لَنَا قَدْ أَفْلَسَ، فَقَالَ: لَأَقْضِيَنَّ فِيكُمْ بِقَضَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَفْلَسَ أَوْ مَاتَ فَوَجَدَ رَجُلٌ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ».

وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَضَعَّفَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَضَعَّفَ أَيْضاً هٰذِهِ الزِّيَادَةَ فِي ذِكْرِ الْمَوْتِ(۱).

ابو بکر بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ: "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: "جو شخص بعینہ اپنا مال اس آدمی کے پاس پائے جو دیوالیہ ہو چکا ہو تو وہ

---

(۱) ابن عبدالرحمان کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث کے حوالہ جات:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۱۵۵، ۱۵۶، مسلم شریف حدیث ۲۲ من المساقاۃ، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۶۲، سنن کبری ج ۶ ص ۴۵، فتح الباری ج ۵ ص ۱۲، ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۶۸، مسند شافعی ۳۲۹، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کی بہ نسبت اس مال کا زیادہ حقدار ہو گا۔" (متفق علیہ)

ابو داؤد اور امام مالک نے ابو بکر بن عبدالرحمٰن(۱) سے اس کی مرسل روایت کی ہے ' جس کے الفاظ یہ ہیں :"کوئی بھی شخص اگر مال فروخت کرے اور خریدار دیوالیہ ہو جائے اور خریدے ہوئے مال کے ثمن کا کچھ بھی ادا نہ کرے اور پھر فروخت کنندہ کو بعینہ اپنا مال نظر آ جائے تو وہ اس کا سب سے بڑھ کر حقدار ہو گا۔ اور اگر خریدار وفات پا جائے تو مال کا مالک دیگر قرض خواہوں کے برابر تصور ہو گا۔" بیہقی نے اس حدیث کی موصولاً روایت کی ہے اور ابو داؤد کی ہمنوائی میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (موصول اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہو خواہ موقوف ہو یا مرفوع یعنی سلسلہ سند کسی صحابی پر اختتام پذیر ہوا ہو یا ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ مترجم)

ابو داؤد اور ابن ماجہ نے عمر بن خلدہ(۲) سے اسکی روایت کی ہے ' وہ کہتے ہیں : "ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے ایک دیوالیہ ساتھی کے سلسلے میں آئے۔ انہوں نے فرمایا: "میں تمہارا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق کروں گا کہ: "جو شخص دیوالیہ ہو جائے یا مرجائے اور (اس کے پاس) ایک شخص کو بعینہ اپنا مال مل جائے تو وہ اس مال کا سب سے بڑھ کر حقدار ہو گا"۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے جب کہ ابو داؤد نے اس کی تضعیف کی ہے اور موت کے ذکر کی زیادتی کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

(۱)ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام مخزومی ' آپ مدینہ منورہ کے قاضی رہے ہیں۔ آپ تابعی ہیں اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ شعبی اور زہری نے آپ سے روایت حدیث کی ہے۔

(۲) یعنی اس کی کسی صفت میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو' نہ اس میں اضافہ ہوا ہو اور نہ ہی کمی ہوئی ہو

(۳) ابو داؤد نے ایک دو اور طریق سے اس کی موصولاً روایت کی ہے۔ اس طریق سند میں اسماعیل بن عیاش کیونکہ شامیوں سے یہ اس کی روایت ہے ' اور شامیوں سے اس کی روایت صحیح تسلیم کی جاتی ہے۔

(۴) ہم نے سنن ابی داؤد چھان ماری لیکن ہمیں اس میں کہیں بھی اس روایت کی تضعیف نہیں ملی بلکہ امام مالکؒ کے طریق سے اس روایت کی تخریج کے بعد اس کے متعلق انہوں نے یہ رائے دی ہے کہ:

حدیث "کوئی بھی شخص اگر مال فروخت کرے ..... الخ" کے حوالہ جات :۔ سنن ابی داؤد ۳۵۲۰' التمہید ج ۸ ص ۴۰۵' ۴۰۶' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۷۲

حدیث "وہ شخص دیوالیہ ہو جائے یا مرجائے ..... الخ" کے مراجع :۔ سنن ابن ماجہ ۲۳۶۰' سنن ابی داؤد ۳۵۲۳' سنن کبری ج ۶ ص ۴۶' کنزا لعمال ۱۰۴۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"امام مالکؒ کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔" انکی مراد یہ ہے کہ امام مالکؒ کی سند سے یہ روایت ابو بکر بن عبدالرحمان کی روایت سے زیادہ صحیح ہے " جس کا ذکر ابو داؤد نے کیا ہے ۔ اس میں مذکور ہے کہ :" ابو بکر نے کہا :" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا تھا کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے پاس کسی شخص کا بکاؤ مال اصل حالت میں موجود ہو اور مرنے والے نے اس خرید شدہ مال کا کوئی ثمن ادا نہ کیا ہو تو مال کا مالک اس مال کے سلسلے میں دیگر قرض خواہوں کے برابر ہو گا۔" شارح رحمہ اللہ نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

(۱) عمر بن خلدہ (حرف خا' حرف لام اور حرف دال پر زبر)

(۲) شارح نے تو اس بارے میں سکوت اختیار کیا ہے ۔ میں نے سنن ابی داؤد کی پوری چھان بین کی لیکن مجھے اس میں کہیں بھی عمر بن خلدہ کی روایت کی تضعیف نہیں ملی بلکہ بیہقی نے ابو بکر بن عبدالرحمٰن کی اس مرسل روایت کا ذکر کرنے کے بعد جسے مصنف نے یہاں " ایما رجل ..... الخ" کے الفاظ کے تحت بیان کیا ہے ' کہا کہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ " عمر بن خلدہ کی روایت ابو بکر بن عبدالرحمٰن کی اس روایت سے اولیٰ ہے کیونکہ یہ موصول روایت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں موت اور افلاس کے ذکر کو یکجا کر دیا ہے اور ابن شہاب کی حدیث (اس سے ابو بکر بن عبدالرحمٰن کی مذکورہ روایت مراد ہے) منقطع ہے۔" پھر بیہقی نے اس سلسلے میں لمبی چوڑی بحث کی ہے جس کے ذریعے انہوں نے عمر بن خلدہ کی روایت کو راجح قرار دیا ہے' یہ بحث وہاں دیکھی جائے۔ زیر نظر حدیث چند مسائل پر مشتمل ہے:۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع اپنا مال اس خریدار کے پاس دیکھ لے جو دیوالیہ ہو چکا ہو تو دوسرے تمام قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ مذکورہ مال کا زیادہ حقدار ہو گا۔ اور اگر قرض خواہ نہ ہوں تو وہ یہ مال لے لے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: " جو شخص اپنا مال پا لے" کا عموم ان دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ ایک شخص کا مال دوسرے کے پاس بوجہ قرض ہو یا بوجہ بیع' اگرچہ اس سلسلے کی احادیث میں لفظ بیع کی تصریح ہے ۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرھما نے اس حدیث کی روایت ان الفاظ میں کی ہے: "اگر ایک شخص کوئی مال خرید لے اور پھر دیوالیہ ہو جائے اور یہ مال اس کے پاس بعینہ موجود ہو تو وہ قرض خواہوں کی بہ نسبت اس کا زیادہ حقدار ہو گا۔" اصول فقہ میں یہ بات معروف ہے کہ عام کے ساتھ موافقت رکھنے والا خاص اس عام کی تخصیص نہیں کرتا ' صرف فقیہ ابو ثور اس تخصیص کے قائل ہیں ۔ لیکن فقہاء نے ابو ثور کے اس مسلک کا کھوکھلا پن واضح کر دیا ہے۔ اس بنا پر امام شافعی اور دیگر حضرات کا مسلک ہے کہ قرض دینے والا قرض کی صورت کے اندر اپنے مال کا اسی طرح سب سے بڑھ کر حقدار ہو گا جس طرح بیع کی شکل میں وہ اس کا سب سے بڑھ کر حقدار ہوتا ہے۔ دیگر حضرات کا مسلک ہے کہ یہ بات صرف بیع کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس باب کی تمام حدیثیں بیع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں وارد ہوئی ہیں - تاہم آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بات زیر نظر حدیث کے عموم کی تخصیص نہیں کرتی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "بعینہ" سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اگر مال کا مالک اپنا مال دیوالئے کے پاس اس حالت میں پائے کہ اس کی کسی صفت میں تغیر آگیا ہو یا اس میں کوئی کمی بیشی واقع ہو گئی ہو اور اس کے نتیجے میں وہ بدل گیا ہو تو ان صورتوں میں اس کا مالک اس کا سب سے بڑھ کر حقدار نہیں ہوگا بلکہ دیگر قرض خواہوں کے ہم پلہ ہی رہے گا - اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے - ہادویہ اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی عیب کی وجہ سے اس کی صفت میں تغیر پیدا ہو گیا ہو تو بائع کو اسے لے لینے کا اختیار ہو گا اور اسے جرمانہ کے طور پر کچھ نہیں ملے گا - اور اگر کسی اضافے کی وجہ سے اس میں تغیر آگیا ہو تو مشتری کو اس کا معاوضہ ملے گا اور یہ معاوضہ وہ رقم ہو گی جو اس نے اس اضافے کے وجود میں آنے تک اس پر صرف کی ہو گی۔ اسی طرح مذکورہ مال کے فوائد بھی مشتری کے ہوں گے۔ خواہ یہ متصل فوائد کیوں نہ ہوں اس لئے کہ ان کا وجود مشتری کی ملکیت کے تحت ہوا تھا۔ اور مشتری کو ایسے فوائد کی قیمت ملے گی جن کی بقاء کے لئے کوئی مقرر حد نہیں ہوتی مثلاً مشتری کے لگائے ہوئے درخت یا مثلاً ایسی چیز کو بلا اجرت باقی رکھنا جس کی بقاء کی ایک حد ہوتی ہے جیسے فصل وغیرہ۔ اسی طرح اگر عین یعنی مذکورہ مال میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اس صورت میں مشتری کو اجازت ہو گی کہ باقی ماندہ حصے کا اس کی مقدار ثمن ادا کر کے اسے لے لے۔ زیر نظر حدیث اس صورت کو شامل ہے کیونکہ باقی ماندہ حصہ مبیع ہے اور بعینہ باقی ہے -

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ابو بکر بن عبدالرحمن کی مرسل روایت کے الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر بائع نے ثمن کا کچھ حصہ حاصل کر لیا ہو تو اسے مبیع واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ دیگر قرض خواہوں کے ہم پلہ ہو گا۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے - ہادویہ کے ہاں بائع ثمن کے بعض حصے پر قابض ہونے کی وجہ سے دیگر قرض خواہوں کے برابر نہیں آئے گا۔ امام شافعیؒ کا راجح مسلک بھی یہی ہے' بلکہ اس صورت میں وہ مبیع کا زیادہ حقدار رہے گا۔ امام شافعیؒ نے یہ مسلک شاید اس لئے اختیار کیا ہے کہ ابو بکر کی روایت کردہ حدیث ان کے نزدیک درست نہیں ہے - بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ منقطع روایت ہے (جس روایت کی سند متصل نہ ہو اسے منقطع کہتے ہیں - مترجم) جن حضرات نے اس روایت کو صحیح اور متصل کہا ہے ان کا مسلک جمہور کے مطابق ہے اور جنہوں نے نہیں کہا ان کا مسلک جمہور سے مختلف ہے - اس روایت کے متصل اور غیر متصل ہونے میں اختلاف ہے۔ اکثر حفاظ حدیث نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے -

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "اگر مشتری مر چکا ہو تو مال کا مالک دیگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرض خواہوں کے برابر ہوگا" میں ایک لفظ محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے: "مال کے مالک کا مال دیگر قرض خواہوں کے لئے برابر ہو گا۔" یہ حدیث موت اور افلاس کے درمیان فرق پر دلالت کرتی ہے اور اس روایت پر عمل کرتے ہوئے امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے ان کا کہنا ہے کہ: "مرنے والے کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے اور وہ بری الذمہ ہو جاتا ہے اور قرض خواہوں کے لئے کوئی محل باقی نہیں رہتا جس کی طرف وہ رجوع کر سکیں اس لئے وہ اس معاملہ میں یکساں سطح پر ہوں گے۔ دیوالئے کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ مرنے والے نے خواہ اپنے قرضوں کی ادائیگی کے لئے کوئی مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے۔ حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر میت ادائیگی کے لئے مال چھوڑ گیا ہو تو اس صورت میں بائع اپنے مال کا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حقدار نہیں ہو گا بلکہ میت کے ورثاء ترکہ سے مذکورہ مال کا ثمن بائع کے حوالے کر دیں گے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ابو بکر بن عبدالرحمٰن کی روایت میں یہ زائد الفاظ بھی ہیں: "الا یہ کہ اگر صاحب ترکہ (میت) ادائیگی کے لئے مال چھوڑ گیا ہو۔" لیکن امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ احتمال موجود ہے کہ یہ زائد الفاظ ابو بکر بن عبدالرحمٰن کی اپنی رائے ہو۔ اس احتمال کا قرینہ یہ ہے کہ جن راویوں نے اس روایت کو متصلاً لق بیان کیا ہے انہوں نے موت کی بات کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح جنہوں نے اس کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے ' انہوں نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ امام شافعی نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ موت اور افلاس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے نیز یہ کہ حضورؐ کے ارشاد: " جو شخص اپنا مال کسی شخص کے پاس پالے ..... الخ (متفق علیہ)" کے عموم پر عمل کرتے ہوئے مال کا مالک اپنے مال کا سب سے بڑھ کر حقدار ہو گا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: " موت اور افلاس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اور ابو بکر بن عبدالرحمٰن کی روایت نیز اس میں مذکور فقرہ " اگر وہ مر جائے تو مال کا مالک دیگر قرض خواہوں کے ہم پلہ ہو گا" کے ذریعے موت اور افلاس کے درمیان فرق کرنا درست نہیں ہے ' کیونکہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کا موصول ہونا درست نہیں ہے۔ اس لئے اس پر عمل نہیں ہو گا بلکہ عمر بن خلدہ کی روایت میں موت اور افلاس کے درمیان یکسانیت ہے ' یہ حدیث حسن ہے اور اس جیسی حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔"

۸۱۴/۲ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

عمرو بن الشرید سے بواسطہ ان کے والد رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قدرت رکھنے والے شخص کی طرف سے ٹال مٹول اس کی عزت اور اس کی سزا کو حلال کر دیتا ہے۔" ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ نے اسکی تعلیقاً روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) عمرو بن الشریدؓ (حرف شین پر زبر اور حرف راء کے نیچے زیر) تابعی ہیں۔ انھوں نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا ہے۔

(۲) اس کے لئے لفظ واجد مذکور ہے، حرف جیم کے ساتھ، یہ لفظ وجد (حرف واؤ پر پیش) سے نکلا ہے جو قدرت کے معنی میں ہے۔

(۳) لفظ لی (لام پر زبر اور یاء پر تشدید) فعل "لوی یلوی" کا مصدر ہے یعنی "اس نے ٹال مٹول کی" اس کی اضافت اس کے فاعل (الواجد) کی طرف ہے۔

(۴) یحل میں حرف مضارع پر پیش ہے، یعنی یہ مضارع معروف ہے۔

(۵) اس حدیث کی تخریج امام احمدؒ ابن ماجہؒ اور بیہقی نے بھی کی ہے۔ امام بخاریؒ نے عزت حلال ہو جانے کی تفسیر اس روایت سے کی ہے جسے انہوں نے سفیان سے تعلیقاً بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "سفیان کہتے تھے:" مطلنی (اس نے مجھ سے ٹال مٹول کیا) اور اس کی سزا اسے قید میں ڈال دینا ہے۔" یہ قول زید بن علی کی دلیل ہے کہ ایسے مقروض کو قید میں رکھا جائے گا جب تک وہ اپنا دین ادا نہ کر دے۔ جمہور نے کہا ہے کہ ایسے شخص پر پابندی لگانا اور حاکم وقت کا اس کی طرف سے اس کا مال فروخت کر دینا جائز ہے۔ یہ بات بھی لفظ "عقوبتہ" کے تحت داخل ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ اس کی جو تفسیر قید میں ڈال دینے کی شکل میں کی گئی ہے وہ مرفوع نہیں ہے۔

---

(۱) عمرو بن الشرید کی روایت کے مراجع:۔ بخاری شریف تعلیقاً باب ۱۳ من الاستقراض، سنن ابی داؤد ۳۶۲۸، سنن نسائی ج ۷ ص ۳۱۶، ۳۱۷، مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۲، ۳۸۸، ۳۸۹، سنن کبری ج ۶ ص ۵۱، مستدرک ج ۴ ص ۱۰۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۳۸۰، موارد الظمان ۱۱۶۴، مشکل الاثار ج ۱ ص ۳۱۳، تخلیق التعلیق ۸۲۷، ۸۲۹۔ مشکوٰۃ المصابیح ۲۹۱۹، ج ۶ ص ۳۵۳، فتح الباری ج ۵ ص ۶۲، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۶۰، ج ۴ ص ۱۲۱، ج ۵ ص ۳۱۴، ج ۶ ص ۳۵۳، ج ۱۶ ص ۳۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قدرت رکھنے والے مقروض کی طرف سے قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول حرام ہے - اسی بنا پر اس کی سزا کی اباحت کر دی گئی ہے - اس سلسلے میں اہل علم کے درمیان صرف یہ اختلاف ہے کہ آیا اس کا یہ فعل گناہ کبیرہ کی حد تک پہنچتا ہے کہ ایک مرتبہ ٹال مٹول کرنے پر اسے فاسق تصور کر لیا جائے اور اس کی گواہی رد کر دی جائے یا گناہ کبیرہ کی حد تک نہیں پہنچتا - ہادویہ کا مسلک ہے کہ اسے فاسق قرار دے دیا جائے گا- تاہم ان کے درمیان اس رقم کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے جس کی بنا پر اسے فاسق قرار دے دیا جائے گا- انکے جمہور کی رائے ہے کہ دس یا اس سے زائد درہم قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول پر اسے فاسق قرار دے دیا جائے گا - اس مقدار کو چوری کی سزا کے نصاب پر قیاس کیا گیا ہے - تاہم ان کے امام الھادی کے کلام میں یہ اشارہ موجود ہے کہ ایسے مقروض کو دس درہم سے کم پر بھی فاسق قرار دیا جا سکتا ہے - مالکیہ اور شوافع کا بھی یہی مسلک ہے -

تاہم ٹال مٹول کی تکرار کو شرط قرار دینے کے بارے میں اختلاف ہے - شوافع کے مسلک کا مقتضا اس شرط کے حق میں ہے -

زیر نظر حدیث اپنے مفہوم مخالف کے تحت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اگر ایک مقروض کو قرض کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو یعنی وہ تنگ دست ہو تو اس کی طرف سے ٹال مٹول اس کی عزت اور سزا کو حلال نہیں کرتی- جمہور علماء کے نزدیک یہی حکم ہے اور اسی کے حق میں اس ارشاد باری کی دلالت ہے (فنظرة الى ميسرة' تو فراخی آنے تک مہلت - سورہ بقرہ آیت ۲۸۰)

۸۱۵/۳ - وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا، فَكَثُرَ دَيْنُهُ، فَأَفْلَسَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ». فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ: «خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ. وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں

---

(۱) حدیث "اس پر صدقہ کرو" کے حوالہ جات :- مسلم شریف حدیث ۱۸ من المساقاة' سنن ابی داؤد ۳۴۶۹' سنن ترمذی ۶۵۵' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۶۵' سنن ابن ماجہ ۲۳۵۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۶' ۵۸' سنن کبری ج ۵ ص ۳۰۵' ج ۶ ص ۵۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۱' فتح الباری ج ۴ ص ۳۹۹' مشکوۃ المصابیح ۲۹۰۰' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۹۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۹' تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۳۷۲' ج ۸ ص ۱۸۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک شخص کو اپنے خریدے ہوئے پھلوں میں نقصان اٹھانا پڑا جس کے نتیجے میں اس پر کافی قرض چڑھ گیا اور وہ دیوالیہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حالت کو دیکھ کر فرمایا: "اس پر صدقہ کرو!" لوگوں نے اس پر صدقہ کیا۔ لیکن ملنے والی رقم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے پوری نہ ہو سکی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا: "جو کچھ تمہیں مل رہا ہے اسے لے لو' تمہارے لئے بس یہی کچھ ہے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

اس حدیث اور حضرت جابرؓ کی حدیث کے درمیان تطبیق کی بحث پہلے گذر چکی ہے اور یہ بھی بیان ہوچکا ہے کہ آپؐ کا ارشاد: "تمہارے لئے مشتری سے کچھ لینا حلال نہیں ہے۔" استحباب پر محمول ہے نیز اس شخص کا نقصان پورا کر دینے کی ترغیب ہے جسے کوئی نقصان دہ حادثہ پیش آگیا ہو۔ آپؐ کا ارشاد: "تمہارے لئے بس یہی کچھ ہے!" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ پھلوں کا تاوان نہیں ہوتا کیونکہ اگر ان کا کوئی تاوان ہوتا تو آپؐ یہ ضرور فرماتے کہ: "جو رقم باقی رہ گئی ہے اس کی ادائیگی کے لئے فراخی آنے تک مہلت دے دی جائے۔" یا اسی قسم کا کوئی اور فقرہ کہتے' اس لئے کہ قرضدار کے تنگ دست ہونے کی وجہ سے دین (قرض) ساقط نہیں ہوتا بلکہ صرف ادائیگی کا مطالبہ وقتی طور پر موخر ہوجاتا ہے اور جب اسے فراخی حاصل ہو جائے تو ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔

٨١٦/٤ - وَعَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَرَ عَلَى مُعَاذٍ مَالَهُ. وَبَاعَهُ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَيْهِ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مُرْسَلًا، وَرَجَّحَ إِرْسَالَهُ(١).

حضرت کعب بن مالک کے بیٹے سے انکے والد رضی اللہ عنہ کے بواسطہ مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ پر اپنے مال کے اندر تصرف کرنے پر پابندی لگا دی تھی اور ان پر عائد شدہ دین کی ادائیگی کے لئے ان کا مال فروخت کر دیا تھا۔" دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوداؤد نے اس کی روایت مرسل صورت میں کی ہے اور اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔ (۲)

(۱) ان کا نام عبدالرحمٰن ہے' عبدالرزاق نے ان کا نام ذکر کیا ہے۔

---

(۱) حدیث "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی لگا دی" کا حوالہ:۔ طبقات ابن سعد ۲۳/۲/۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) محدث عبدالحق نے کہا ہے کہ مرسل متصل سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن الصلاح نے "الاحکام" کے اندر کہا ہے کہ یہ ایک ثابت شدہ حدیث ہے۔ یہ واقعہ سن نو ہجری کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے قرض خواہوں کو ان کے قرض کا ۵/۷ حصہ دیا' ان لوگوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسولؐ ان کا سارا مال ہمارے لئے فروخت کر دیجئے" آپؐ نے جواب میں فرمایا: "تمہارے لئے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" بیہقی نے اس حدیث کی روایت واقدی کے طریق سے کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کر دیا تاکہ ان کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم وقت قرض دار پر اپنے مال کے اندر تصرف کرنے کی بندش لگا سکتا ہے اور قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کے لئے اس کی طرف سے اس کا مال فروخت کر سکتا ہے۔ یہاں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ ایک فعل کی محض حکایت ہے' کیونکہ یہ ایک ایسا فعل ہے جو صرف زبان رسالت سے ادا ہونے والے ان اقوال کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا جن کے تحت آپؐ نے حضرت معاذؓ کے تصرفات پر پابندی لگا دی تھی نیز ان الفاظ کے ذریعے اس فعل کی تکمیل ہو سکتی تھی جن کے تحت آپؐ نے ان کا مال فروخت کر دیا تھا اور انکے قرض خواہوں کو ادائیگی کر دی تھی' اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ جو فعل اس حیثیت کا مالک ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک فعل کی محض حکایت ہے۔ فعل کی حکایت کا نمونہ تو وہ حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جوتا اتار لیا تو صحابہ کرام نے بھی اپنے اپنے جوتے اتار لئے' یہ بات بالکل واضح ہے۔

زیر نظر حدیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت معاذؓ کا سارا مال قرض میں ڈوبا ہوا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ جس شخص کا سارا مال قرض میں ڈوبا ہوا نہ ہو تو کیا تصرفات پر پابندی لگنے نیز اس کی طرف سے اس کا مال فروخت کر دینے کے مسئلوں میں اسے مذکورہ بالا شخص کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا مثلاً ایسا شخص جسے اپنا قرض اتارنے کی قدرت حاصل ہو لیکن وہ ادائیگی کے سلسلے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو؟ اس بارے میں علماء کے مابین اختلاف رائے ہے۔ جمہور ہادویہ اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اسے مذکورہ مقروض کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے اس کے تصرفات پر پابندی لگا دی جائے گی اور اس کا مال فروخت کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس حکم کا مقتضی موجود ہے۔ وہ یہ کہ قدرت رکھنے والے مقروض کی طرف سے اپنے دین کی ادائیگی میں سرعت نہیں دکھائی جا رہی ہے۔ زید بن علی اور احناف کا قول ہے کہ زیر بحث مقروض کو مذکورہ مقروض کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا اور اس کے نتیجے میں نہ اس پر پابندی لگائی جائے گی اور نہ اس کا مال فروخت کیا جائے گا۔ بلکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے قید میں ڈال دینا واجب ہو گا یہاں تک کہ وہ اپنا قرض ادا کردے کیونکہ حدیث ہے: "کسی مسلمان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر (دوسرے کے لئے) حلال نہیں ہوتا۔(۱)" نیز ارشاد باری ہے: الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم الا یہ کہ باہمی رضامندی پر مبنی تجارت ہو۔ سورہ نساء آیت ۲۹) جب کہ پابندی لگانے نیز مال فروخت کر دینے کا مقتضا یہ ہے کہ ایک شخص کا مال اس کی خوشدلی اور رضا مندی کے بغیر اس کی ملکیت سے خارج کر دیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث اور آیت دونوں عام ہیں اور حضرت معاذؓ کی حدیث سے ان کی تخصیص ہو گئی ہے۔ مکمل جواب نہیں ہے کیونکہ حضرت معاذؓ کی حدیث تو اس مقروض کے بارے میں ہے جس کا سارا مال قرض میں ڈوبا ہوا ہو۔ جب کہ بحث کسی اور کے بارے میں ہے یعنی ایسے مقروض کے بارے میں جو ادائیگی کی قدرت رکھنے کے باوجود ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو۔ اس لئے یہ کہنا بہتر ہو گا کہ قدرت رکھنے کے باوجود ٹال مٹول کرنے والے کو قرض میں ڈوبے ہوئے شخص پر قیاس کے تحت مذکورہ آیت اور حدیث کے عموم کی تخصیص کی گئی ہے۔ تاہم یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قیاس کا عمل اس مقام پر نہیں ہو سکتا۔ البتہ حدیث "قدرت رکھنے والے کی ٹال مٹول اس کی عزت اور اس کی سزا کو حلال کر دیتی ہے۔"

اس بات کی دلیل بن سکتی ہے کہ ایسے مقروض پر پابندی عائد کر دی جائے اور اس کا مال اس کی طرف سے فروخت کر دیا جائے کیونکہ یہ دونوں باتیں عقوبت کے مفہوم کے تحت آتی ہیں۔ رہ گئی عقوبت کی یہ تفسیر کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے تو یہ اس تفسیر کے قائل کی محض رائے ہے۔

یہ بحث تو رہی ایک طرف، حضرت عمرؓ نے قبیلہ جہینہ کے ایک شخص اسیفع کے بارے میں بھی وہی فیصلہ سنایا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے بارے میں فرمایا تھا۔ امام مالک نے "الموطا" کے اندر ایک منقطع سند کے واسطے سے اور دار قطنی نے "غرائب مالک" کے اندر متصل سند کے حوالے سے روایت کی ہے کہ قبیلہ جہینہ کا ایک شخص سواری کے جانور بڑے مہنگے داموں خرید لیتا اور بڑی تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا حاجیوں سے آگے نکل جاتا، پھر وہ دیوالیہ ہو گیا۔ اس کا معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا، آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: "لوگو، قبیلہ جہینہ کا اسیفع نامی شخص اپنی دینداری اور ایمانداری کے سلسلے میں اتنی بات پر قانع ہو گیا کہ اپنے بارے میں لوگوں کی زبان سے صرف اتنا سن لے کہ: "حاجیوں سے

---

(۱) حدیث "کسی مسلمان کا مال لینا اس کی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں ہوتا" کے حوالہ جات: سنن کبری ج ۶ ص ۱۰۰، ج ۸ ص ۱۸۲، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۶، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷۲، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۴۵، التمہید ج ۱ ص ۲۰۲، کنزا لعمال ۳۹۷، کشف الخفاء ج ۲ ص ۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگے نکل گیا۔" اس مقصد کے لئے وہ قرض لیتا رہا اور آج اس کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ قرض میں ڈوب گیا ہے۔ اس لئے جس شخص کا اس کے ذمہ قرض ہو وہ کل صبح ہمارے پاس آئے ' ہم اس کا مال اس کے قرض خواہوں میں تقسیم کر دیں گے۔ لوگو! قرض سے بچتے رہو کیونکہ اس کی ابتدا پریشانی ہے اور اس کی انتا اپنے مال سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔"

حضرت جابرؓ کا اپنے والد کے قرض خواہوں کے ساتھ یہ قصہ ہوا تھا کہ انکے والد جب غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو ان کے ذمہ لوگوں کا قرض تھا۔ قرض خواہوں نے بڑی شدت سے اپنی رقوم کا مطالبہ شروع کردیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں :"میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ' آپؐ نے قرض خواہوں سے کہا کہ وہ میرے باغ کے پھل قبول کر لیں اور میرے والد کو قرضوں سے آزاد کر دیں۔ آپ نے انہیں باغ حوالے تو نہ کیا بلکہ مجھ سے فرمایا:" ہم کل صبح تمہارے پاس آئیں گے۔" اگلی صبح آپ تشریف لائے ' باغ کا چکر لگایا اور پھلوں کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر میں نے پھل اتارے اور ان کے ذریعے قرض خواہوں کو ادائیگیاں کر دیں اور پھر بھی ہمارے پاس پھل بچ رہے۔" اس واقعہ میں یہ دلیل موجود ہے کہ فصل کی کٹائی اور اسے سنبھال کر رکھ لینے تک انتظار کر لینا ٹال مٹول شمار نہیں ہو گا۔ ایک قول یہ ہے کہ زیر نظر واقعہ سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص کا کوئی ذریعہ آمدنی ہو تو اس آمدنی کے حصول تک اسے مہلت دی جائے گی خواہ اس کی مدت کتنی طویل کیوں نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ انسان کے حق کے حوالے سے لمبی اور چھوٹی مدت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر ایک شخص کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو تو اسے مہلت نہیں ملے گی بلکہ حاکم وقت اس کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے اس کا مال خرچ کر دے گا۔

رہ گئی یہ بات کہ ایک بالغ شخص پر اس کی بے عقلی اور تصرفات میں بے تدبیری کی بنا پر پابندی لگانا تو امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں اور زید بن علیؒ اور امام ابو حنیفہؒ اس کے قائل نہیں ہیں' بیہقی نے "السنن الکبری" میں ایک باب کا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے:" بالغ افراد پر ان کی بے عقلی کی وجہ سے پابندی لگانے کا باب " اور اپنی سند کے ذریعے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے چھ لاکھ درہم میں ایک زمین خریدی۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے ان پر پابندی لگانے کا ارادہ کر لیا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ:" میری ملاقات حضرت زبیرؓ سے ہوئی' انہوں نے کہا:" جو سودا تم نے کیا ہے کسی نے بھی اس سے سستا سودا نہیں کیا۔" یہ سن کر عبداللہ نے اپنے اوپر پابندی لگنے کی بات ان سے کی ' انہوں نے کہا " اگر میرے پاس رقم ہوتی تو میں ضرور تمہارے ساتھ شراکت کر لیتا۔" یہ سن کر عبداللہ نے ان سے کہا:" میں آپ کو اپنا نصف مال بطور قرض دیتا ہوں۔" اس پر حضرت زبیرؓ نے فرمایا:" پھر تو میں تمہارا شریک بن گیا۔" پھر ان کے پاس حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ آئے' دونوں ان کے معاملے پر بحث کر رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے ان سے پوچھا کہ کس بات پر بحث ہو رہی ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے عبداللہ بن جعفر پر پابندی لگانے کے ارادے کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبیرؓ نے ان سے کہا: "آپ لوگ کیا ایسے شخص پر پابندی لگانے چلے ہیں جس کے ساتھ میری شراکت ہے؟ یہ سن کران میں سے ایک نے کہا: "نہیں' میری جان کی قسم۔" حضرت زبیرؓ نے پھر کہا: "میں اس کا شریک ہوں۔" ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "میں خرید و فروخت کے سلسلے میں کسی ایسے شخص پر کس طرح پابندی لگا سکتا ہوں جس میں اس کے شریک زبیرؓ ہوں۔" اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے امام شافعی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ پابندی لگنے کے عمل کو غلط سمجھتے ہوئے کس طرح عبداللہ پر پابندی لگانا چاہتے؟ رہ گئے حضرت زبیرؓ تو اگر پابندی لگنا باطل اور غلط ہوتا تو وہ یہ ضرور کہتے کہ "ایک بالغ شخص پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔" یہی بات حضرت عثمانؓ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے' بلکہ یہ تمام حضرات حجر یعنی پابندی لگنے کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ پھر امام شافعی نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کا ذکر کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے (حجاز پر اپنی خلافت کے دوران) حضرت عائشہؓ پر پابندی لگانے کا ارادہ کیا تھا۔ امام شافعی نے سلف کے افعال میں سے اسی طرح کے دیگر دلائل کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے حق میں ایک صحیح حدیث بھی ہے' وہ یہ کہ مال ضائع کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ایک بے عقل انسان اپنی بے تدبیری کی وجہ سے اپنا مال ضائع کرتا ہے اس لئے اس پر تصرفات میں پابندی لگا کر اسے روکنا ضروری ہے۔ نووی نے کہا ہے: "ایک نابالغ کی اگر عمر بڑھ جائے تو صرف عمر بڑھ جانے اور صرف بالغ ہو جانے کی بنا پر اس سے یتیمی کا حکم منقطع نہیں ہو جاتا بلکہ ضروری امر یہ ہے کہ دین اور مال کے سلسلے میں اس سے سمجھداری اور عقلمندی کا بھی ظہور ہو۔" امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے: "جب اس کی عمر پچیس برس ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کرنا ضروری ہو جائے گا خواہ مال کو سنبھال کر رکھنے کی صلاحیت کا ظہور نہ بھی ہو۔"

۸۱۷/۵ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمْ يُجِزْنِي، وَعُرِضْتُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَأَجَازَنِي». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ: «فَلَمْ يُجِزْنِي وَلَمْ يَرَنِي بَلَغْتُ» وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ(۱).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "غزوہ احد کے دن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا' اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ آپؐ نے جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دی۔ پھر غزوہ خندق کے موقعہ پر میں پیش ہوا۔ اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ آپؐ نے جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔" (متفق علیہ) بیہقی کی روایت میں ہے آپؐ نے مجھے اجازت نہیں دی اور نہ ہی مجھے بالغ

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالہ جات:۔ بخاری شریف باب ۱۸ من الشہادات' سنن ابی داؤد ۴۴۰۶' سنن ابن ماجہ ۲۵۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷' فتح الباری ج ۵ ص ۵۲' ج ۷ ص ۳۹۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھا۔" ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

یہاں اس حدیث کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کی عمر پندرہ سال نہ ہو جائے' اس کے خرید و فروخت وغیرہ کے تمام تصرفات نافذ العمل ہونے سے رہ جائیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ کا یہ کہنا کہ " آپؐ نے مجھے اجازت نہیں دی" تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ نے مجھ پر جہاد واجب کرنے اور آپ کے ساتھ جہاد پر جانے کے معاملہ میں مجھے ان لوگوں کے حکم میں نہیں رکھا جو جنگ میں شریک ہو کر کافروں سے نبرد آزما ہونے والے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کے قول " آپؐ نے مجھے اجازت دے دی" کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ نے مجھے ان لوگوں میں سے سمجھ لیا جن پر جہاد واجب ہے اور جنھیں جہاد پر نکلنے کی اجازت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ جس شخص کی عمر پندرہ برس ہو جائے وہ مکلف اور بالغ شمار ہوتا ہے اور اس کے لئے وہی احکام ہوتے ہیں جو مردوں کے لئے ہیں۔ اور جو اس سے کم عمر کا ہوتا ہے وہ مکلف نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عمرؓ کے اس قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ " آپ نے مجھے بالغ تصور نہیں کیا۔"

بعض متاخرین نے بلوغت کے سلسلے میں اس روایت سے استدلال پر اعتراضات کئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جنگ پر جانے کی اجازت کی بنیاد دراصل جرات اور اہلیت ہوتی ہے اس لئے حضرت ابن عمرؓ کو جنگ پر جانے کی اجازت نہ ملنا ان کے بالغ نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور حضرت ابن عمرؓ کا فہم کوئی حجت نہیں ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ ایک بعید احتمال ہے' صحابی اپنی روایت کا مفہوم سب سے بڑھ کر جانتا ہے۔ اس روایت میں یہ دلیل بھی ہے کہ غزوہ خندق سن چار ہجری میں پیش آیا تھا جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ سن پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہوا تھا ایک تو اس روایت سے ان کی تردید ہو جاتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ غزوہ احد کے سن تین ہجری میں واقع ہونے پر سب کا اتفاق ہے

٨١٨/٦ - وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: «عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ. فَكَانَ مَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ، وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ خُلِّيَ سَبِيلُهُ، فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يُنْبِتْ فَخُلِّيَ سَبِيلِي». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَقَالَ: عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ(١)

---

(١) عطیہ قرظی کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۴۰۴' سنن ترمذی ۱۵۸۴' سنن ابن ماجہ ۲۵۴۱' مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۰' ج ۵ ص ۳۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عطیہ قرظی سے مروی ہے کہ "قریظہ کے خلاف جنگ کے دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا' پھر یہ ہوا کہ جس کی مسیں بھیگی ہوئی تھیں اسے قتل کر دیا گیا اور جس کی مسیں بھیگی نہ تھیں اسے چھوڑ دیا گیا' میری مسیں ابھی بھیگی نہ تھیں اس لئے مجھے چھوڑ دیا گیا۔" چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ روایت شیخین کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

(۱) حرف قاف پر پیش اور حرف راء پر زبر کے ساتھ' بنی قریظہ کی طرف نسبت رکھنے والا

(۲) یہ روایت اسی طرح ہے جیسا کہ محدث حاکم نے کہا ہے لیکن عطیہ کی وجہ سے شیخین نے اس کی روایت نہیں کی۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسیں بھیگنے کے ساتھ بلوغت ہو جاتی ہے۔ اور ایسے فرد پر مکلف افراد کے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ شاید اس پر اجماع ہے۔

۸۱۹/۷ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا»(۱).

وَفِي لَفْظٍ: «لَا يَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَمْرٌ فِي مَالِهَا إِذَا مَلَكَ زَوْجُهَا عِصْمَتَهَا». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَصْحَابُ السُّنَنِ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۲).

عمرو بن شعیب سے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی عورت کے لئے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کوئی عطیہ دینا جائز نہیں ہے۔" ایک طریق کے الفاظ یہ ہیں: "جب کسی عورت کی عزت و آبرو کا محافظ اس کا شوہر ہو جائے تو پھر اپنے مال کے بارے میں اسے کوئی اختیار جائز نہیں ہوتا۔" امام احمدؒ نے نیز ترمذی کے سوا دیگر اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

---

(۱) حدیث "کسی عورت کے لئے عطیہ دینا جائز نہیں" کے حوالے: سنن ابی داؤد ۳۵۴۶' ۳۵۴۷' سنن نسائی ج ۵ ص ۶۵' ج ۶ ص ۲۷۸' مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۷' سنن کبری ج ۶' ص ۶۰' شرح السنہ ج ۴ ص ۳۱۷' الاحادیث الصحیحہ ۸۲۵' سنن ابن ماجہ ۲۳۸۸' المستدرک ج ۲ ص ۴۷

(۲) حدیث "جب ایک عورت کی عزت و آبرو کا محافظ ..... الخ" کا حوالہ: مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطابی نے کہا ہے کہ اکثر حضرات نے اس روایت کو حسن معاشرت اور خوش مزاجی پر محمول کیا ہے یا اسے اس عورت پر محمول کیا جائے گا جس کے اندر سمجھ بوجھ اور سلیقہ شعاری کا فقدان ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے خواتین سے فرمایا: "صدقہ کرو" اور یہ سن کر کوئی عورت اپنی بالی اور انگوٹھی اتار کر دینے لگتی اور حضرت بلالؓ اسے اپنی چادر میں سمیٹ لیتے۔ یہ شوہر کی اجازت کے بغیر عطیہ دینے کی صورت تھی۔" جمہور کا مسلک یہی ہے اور انہوں نے کتاب و سنت کے مفہومات سے استدلال کیا ہے۔ اور اس حدیث کے ظاہری معنی کی طرف طاؤس کے سوا کوئی اور نہیں گیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ عورت اگر شادی شدہ ہو تو اسے اپنے مال میں تصرف کرنے سے بند کر دیا جائے گا اور اس پر پابندی لگا دی جائے گی' البتہ مال کے اندر جس تصرف کی اجازت شوہر دے گا وہ اس کے لئے جائز ہو گا۔ امام مالک کا مسلک ہے کہ شادی شدہ عورت اپنے تہائی مال میں تصرف کر سکتی ہے۔

۸/ ۸۲۰ ۔ وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا، ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَاماً مِنْ عَيْشٍ، وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتَّى يَقُولَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجَى مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَاناً فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دست سوال دراز کرنا صرف تین قسم کے آدمیوں میں سے کسی ایک کے لئے حلال ہے۔ ایک تو ایسا آدمی جس پر کوئی تاوان پڑ گیا ہو۔ اس کے لئے اس تاوان کی ادائیگی تک سوال کرنا حلال ہو گا اس کے بعد پھر وہ ہاتھ پھیلانے سے باز رہے گا۔ دوسرا وہ شخص جو کسی آفت کی زد میں آ کر اپنا سارا مال تباہ کر بیٹھا ہو' اس کے لئے مانگنا حلال ہو جائے گا یہاں تک کہ اتنا مال مل جائے جس سے اس کا گذارہ چل سکے۔ تیسرا وہ شخص جسے فاقہ کرنا پڑ رہا ہو اور اس کی حالت یہ ہو جائے کہ اس کی قوم کے تین سمجھدار آدمی بھی یہ کہہ دیں کہ "فلاں شخص کو تو فاقے نے آ لیا ہے۔" اس کے لئے دست سوال دراز کرنا حلال ہو جائے گا" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

---

(۱) حضرت قبیصہ کی حدیث کے حوالے:۔ صحیح ابن خزیمہ ۲۳۶۰' حدیث نمبر ۶۰۳ کا حاشیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) قبیصہ' حرف قاف پر زبر' حرف باء کے نیچے زیر اور حرف صاد پر زبر

(۲) مخارق' حرف میم پر پیش' حرف خاء پر زبر اور حرف راء کے نیچے زیر

(۳) اس کے لئے لفظ حمالہ آیا ہے' حرف حاء پر زبر اور میم کی تخفیف' (یہ لفظ دیت' تاوان اور ضمانت کے معنوں میں آتا ہے' مترجم)

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ صدقات کی تقسیم کے باب میں گذر چکی ہے - یہاں اس کا اعادہ شائد اس بنا پر کیا گیا ہے کہ جس شخص پر کوئی تاوان' دیت وغیرہ پڑ جائے اس پر قرض ضرور چڑھ جاتا ہے - ایسا شخص پابندی لگنے کے حکم میں دیوالئے کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اسے موقعہ دیا جاتا ہے کہ لوگوں سے مانگ تانگ کر اپنا قرضہ اتار دے- یہ بات قواعد کے مطابق اس وقت ہو سکتی ہے جب مذکورہ شخص نے تاوان وغیرہ میں بھرے جانے والے مال کی ضمانت نہ دی ہو -

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷- باب الصلح

علماء نے صلح کی کئی قسمیں بتائی ہیں' مثلاً کافر کے ساتھ مسلمان کی صلح' زوجین کے درمیان صلح' باغی گروہ اور وفادار گروہ کے درمیان صلح' مقدمہ کے فریقین کے درمیان صلح' زخموں کے سلسلے میں صلح مثلاً مال لے کر معاف کر دینا' اور املاک نیز حقوق کے سلسلے میں پیدا ہونے والے جھگڑوں کی صلح۔ یہی قسم یہاں مراد ہے اور فقہاء بھی باب الصلح کے اندر اسی کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۸۲۱/۱ - عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحاً حَرَّمَ حَلَالاً أَوْ أَحَلَّ حَرَاماً. وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ، إِلَّا شَرْطاً حَرَّمَ حَلَالاً، أَوْ أَحَلَّ حَرَاماً». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ، وَأَنْكَرُوا عَلَيْهِ، لِأَنَّ رَاوِيَهُ كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ ضَعِيفٌ، وَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَهُ بِكَثْرَةِ طُرُقِهِ.

وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ(۱).

حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ(۱) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال بنا دے۔ مسلمان اپنی شرطوں پر رہیں گے سوائے ایسی شرط کے جو کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال قرار دے۔" امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ لیکن ناقدین حدیث نے ترمذی کی تردید کی ہے کیونکہ کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف جو اس حدیث کا راوی ہے ایک ضعیف راوی سمجھا جاتا ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کا اعتبار گویا اس کے کثرت طرق کی بنا پر کیا ہے' ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۱) ابوداؤد کی روایت میں المومنون کا لفظ آیا ہے - یعنی اہل ایمان

(۲) امام شافعی نے اسے کاذب قرار دیا ہے۔ امام احمد نے اس کی روایت ترک کر دی ہے۔ "المیزان" کے

(۱) حضرت عمرو بن عوف کی روایت کے حوالہ جات: سنن ترمذی ۱۳۵۲' سنن ابی داؤد ۳۵۹۴' سنن ابن ماجہ ۲۳۵۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۶' سنن کبری ج ۶ ص ۶۳' ۶۵' المستدرک ج ۲ ص ۴۹' ۵۰ موارد الظمان ۱۱۹۹' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۷' تخلیق التعلیق ۷۹۰' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۴۴' مشکوۃ المصابیح ۲۹۲۳' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۰۹' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۳۳' کنز العمال ۱۰۹۳۳' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۵۰' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندر ابن حبان سے منقول ہے کہ "اس کے پاس اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے مروی موضوع احادیث کا ایک کنابچہ تھا"۔ امام شافعی اور ابو داؤد نے کہا ہے کہ "دروغ گوئی کا ایک ستون تھا"۔ مصنف نے یہ کہہ کر گویا امام ترمذی کی طرف سے معذرت پیش کی ہے کہ "انہوں نے اس روایت کا اعتبار گویا اس کے کثرت طرق کی بنا پر کیا ہے اور ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کی روایت کو صحیح کہا ہے۔" اس حدیث میں دو مسئلوں کا ذکر ہے:

پہلا مسئلہ صلح کے احکام کے بارے میں ہے' وہ یہ کہ صلح کرانا طرفین کی باہمی رضامندی کی شرط کے ساتھ مشروط ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "صلح جائز ہے" یعنی یہ کہ کوئی لازمی حکم نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے صلح کرا دی جائے' خواہ ایک فریق اس پر رضامند نہ بھی ہو۔ غیر مسلموں یعنی کافروں کے درمیان بھی صلح کرا دینا جائز ہے۔ ایسی صورت میں ان کے احکام صلح کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہاں مسلمانوں کا خاص طور پر اس لئے ذکر ہوا کہ خطاب نبی کے اندر ان کا ہی اعتبار کیا گیا ہے اور یہی لوگ کتاب و سنت کے اطاعت گذار سمجھے گئے ہیں۔ اس حدیث کا ظاہر صلح کی صحت کے عموم کی نشاندہی کرتا ہے یعنی خواہ یہ صلح فریق مخالف کی نظروں میں حق واضح ہو جانے سے قبل کی جائے یا اس کے بعد۔ پہلی صورت پر حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کا واقعہ دلالت کرتا ہے' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے سامنے یہ واضح نہیں کیا تھا کہ ان کا کتنا حق بنتا ہے بلکہ انہیں حکم دیا تھا کہ صورت حال کی اصلاح کی خاطر وہ اپنے حق کا بعض حصہ لے لیں۔ لیکن جب انصاری صلح پر رضامند نہ ہوئے اور اپنے حق کا مطالبہ کیا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے سامنے ان کے حق کی مقدار کی وضاحت کر دی۔ اسی طرح شارح نے بیان کیا ہے۔ یہ بات تو ثابت ہے کہ مذکورہ بالا صورت صلح مع الانکار کی شکل نہیں تھی (یعنی یہ بات نہ تھی کہ ایک فریق کی رضامندی کے بغیر ہی صلح ہو گئی تھی) بلکہ یہ مدعا علیہ کے سکوت کی حالت میں صلح کی صورت تھی۔ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے۔ یہ سکوت کی حالت میں صلح تھی کیونکہ حضرت زبیرؓ کو اپنے حق کا علم تھا ہی نہیں کہ وہ اس سے صلح کے ذریعے دست بردار ہو جاتے۔ بلکہ یہ تو پانی حاصل کرنے کی مقدار کے سلسلے میں سب سے پہلی قانون سازی تھی اور پہلی مرتبہ اس حقیقت کا اظہار تھا کہ صلح اس طرح ہوتی ہے۔ فریق مخالف کے سامنے حق واضح کر دینے کے بعد حقدار سے بس یہ مطالبہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے فریق مخالف کے لئے اپنے حق کے بعض حصے سے دست بردار ہو جائے۔ انکار پر صلح کے قائل امام مالک و امام احمد اور امام ابو حنیفہ ہیں۔ اور امام شافعی نیز ہادویہ نے اس بارے میں ان سے اختلاف کیا ہے۔ اختلاف کرنے والوں کا کہنا ہے کہ صلح مع الانکار درست نہیں ہوتی۔ درست نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ صلح کنندہ کے انکار کے ساتھ فریق مخالف کا مال طیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتا۔ یہ صورت وہاں پیش آتی ہے جہاں ایک شخص اس پر کسی عین (متعین مال) یا دین کا دعوی کر دے اور پھر وہ فریق مخالف کے انکار کے باوجود مذکورہ عین یا دین کے بعض حصے پر صلح کر لے تو باقی ماندہ حصہ اس کے لئے پاک نہیں ہو گا بلکہ اس کی حوالگی اس پر لازم ہو گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی اور خوشدلی کے بغیر (دوسرے کے لئے) حلال نہیں ہوتا" نیز ارشاد باری ہے(عن تراض منکم باہمی رضامندی کے ساتھ ' سورہ نساء آیت-۲۹) اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صلح پر رضامندی کے ساتھ خوشدلی تو حاصل ہوگئی اور عقد صلح عقد معاوضہ کے حکم میں ہو گیا اس لئے باقی ماندہ عین یا دین اس کے لئے حلال ہو جائے گا۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ اگر مدعی کو اس بات کا علم ہو کہ فریق مخالف کے پاس اس کا کوئی حق پھنسا ہوا ہے تو اس صورت میں اس کے لئے اس مال پر قبضہ جائز ہو جائے گا - جس پر مصالحت ہوئی ہو خواہ فریق مخالف انکاری کیوں نہ ہو۔ اگر اس کا دعوی باطل ہو تو اس کے لئے نہ صرف ایسا دعوی دائر کرنا حرام ہو گا بلکہ وہ مال لینا بھی حرام ہو گا جس کے بدلے صلح ہوئی ہو۔ اگر مدعا علیہ کے پاس مدعی کا کوئی حق ہو جس کا اسے علم ہو اور وہ کسی غرض کے تحت اس سے انکاری ہو تو جس مال کے بدلے مصالحت ہوئی ہو اس کی حوالگی اس پر واجب ہو گی - اور اگر اسے معلوم ہو کہ اس کے پاس مدعی کا کوئی حق نہیں ہے تو اس کے لئے اپنے مال کا ایک حصہ دے دینا جائز ہو گا - تاکہ اس طرح فریق مخالف کے ساتھ جھگڑے کا خاتمہ ہو جائے اور اس کی اپنی اذیت دور ہو جائے لیکن مدعی پر اس مال کا لینا حرام ہوگا - اس توضیح کے ذریعے مختلف ادلہ کے درمیان تطبیق ہو جائے گی اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ انکار پر صلح درست نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ صلح علی الاطلاق درست ہوتی ہے بلکہ اس میں تفصیل ہو گی -

دوسرا مسئلہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "مسلمان اپنی شرطوں پر رہیں گے" یعنی ان پر ثابت رہیں گے اور ان کی حد پر قائم رہیں گے' حرف علی کے ذریعے اس کا تعدیہ اور انہیں اسلام یا ایمان کے وصف کے ساتھ موصوف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمانوں کا درجہ بہت بلند ہے نیز یہ کہ وہ اپنی شرطوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے ' اس میں یہ دلالت ہے کہ مسلمان جب کوئی شرط کر لے تو یہ شرط لازم ہوجاتی ہے سوائے ان شرطوں کے جن کا استثناء حدیث میں کر دیا گیا ہے۔ شرطوں کے بارے میں اصحاب تفریع کے ہاں تفصیلات ہیں اور ان کی تقسیمیں ہیں - بعض شرطیں ایسی ہیں جو درست ہوتی ہیں اور ان کا حکم لازم ہوجاتا ہے - بعض درست نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان کا حکم لازم ہوتا ہے - بعض درست تو ہوتی ہیں لیکن ان کی وجہ سے فساد عقد لازم ہو جاتا ہے۔ ان کی تفصیل بمعہ علل و مناسبات فرعی کتب میں شرح و بسط کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ مذکور ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الشروط کے اندر بڑی تفصیلات بیان کی ہیں جو مشہور و معروف ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے" مثلاً بائع یہ شرط لگا دے کہ مشتری فروخت شدہ لونڈی کے ساتھ ہم بستری نہ کرے یا وہ ایسی لونڈی کے ساتھ ہم بستری کرنے کی شرط عائد کر دے جس کے ساتھ ہم بستری کو اللہ نے مشتری پر حرام کر دیا ہے۔

۸۲۲/۲ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَمْنَعْ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ». ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: مَالِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ؟ وَاللَّهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی پڑوسی اپنی دیوار میں اپنے پڑوسی کو کوئی لکڑی وغیرہ ٹھونکنے سے منع نہ کرے۔" پھر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: "میں تم لوگوں کو اس سے منہ موڑتے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں؟ خدا کی قسم، یہ لکڑی تمہارے کندھوں کے درمیان دے ماروں گا۔" (متفق علیہ)

(۱) خشبہ (ایک لکڑی) ایک طریق میں یہ لفظ جمع کی صورت میں آیا ہے۔

(۲) لایمنع، ایک روایت میں یہ صیغہ خبر کی بنا پر مرفوع ہے اور دوسری روایت میں نہی کی بنا پر مجزوم ہے۔

(۳) أکتافکم، حرف تاء کے ساتھ، یہ کتف کی جمع ہے۔

(۴) ابو داؤد کی روایت میں ہے: "یہ سن کر سامعین نے اپنے سر جھکا لئے۔" امام احمد کی روایت میں ہے: "جب حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی تو لوگ اپنا سر ہلانے لگے۔" لوگوں سے مراد مخالفین ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے لوگوں سے یہ بات اس وقت کی تھی جب آپ مروان کے دور حکومت میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ مروان آپ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کیا کرتا تھا۔ مخاطبین ممکن ہے کہ اس حکم کے بارے میں لا علم ہوں اور صحابہ نہ ہوں۔ امام احمد اور عبدالرزاق نے حضرت ابن عباسؓ (۲) سے یہ روایت کی ہے کہ:"

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالہ جات: بخاری شریف ج ۳ ص ۱۷۳، مسلم شریف حدیث ۱۳۶ باب ۱۹ من المساقاۃ۔ سنن ابن ماجہ ۲۳۳۶، سنن کبری ج ۶ ص ۶۸، ۱۵۷، التمہید ج ۱۰ ص ۲۱۵، شرح السنہ ج ۸ ص ۲۴۶، مسند شافعی ۲۲۴

(۲) حضرت ابن عباس کی روایت کا حوالہ: مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پڑوسی کو اپنی دیوار پر لکڑی رکھنے سے دوسرے پڑوسی کو روکنے کا حق نہیں ہے ۔ اور اگر وہ لکڑی نہیں دے گا تو اسے مجبور کیا جائے گا کیونکہ یہ حق دوسرے پڑوسی کے لئے ثابت ہے۔امام احمدؒ اور اسحاق وغیرھما نے حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہی مسلک اختیار کیا ہے اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور حضرت عمرؓ نے اس زمانے میں یہی فیصلہ سنایا تھا جب صحابہ کی کثیر تعداد موجود تھی ۔ امام شافعی فرماتے ہیں :"کسی صحابی نے حضرت عمرؓ کی مخالفت نہیں کی تھی۔" اس واقعہ کو امام مالک نے صحیح سند کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے محمد بن مسلمہ سے اجازت مانگی کہ وہ اپنی ایک رسی ان کی مملوکہ جگہ سے گذار کر لے جانا چاہتے ہیں۔ ' لیکن محمد بن مسلمہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں سمجھایا لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا:" خدا کی قسم ' تم اسے وہاں سے گذارو گے خواہ اپنے پیٹ پر سے گذارو۔" یہ حضرت ابو ہریرہؓ کے واقعہ کی نظیر ہے اور حضرت عمرؓ نے اس کی تعمیم ان امور میں کر دی جن سے فائدہ اٹھانے کی پڑوسی کو ضرورت پڑ جائے خواہ ان کا تعلق اس کے پڑوسی کے مکان کے ساتھ ہو یا جگہ اور زمین کے ساتھ۔

دیگر حضرات کی رائے ہے کہ پڑوسی کے لئے اپنی لکڑی پڑوسی کی دیوار پر رکھنا اس وقت جائز ہو گا جب پڑوسی اسے اس کی اجازت دیدے ' اگر اجازت نہ دے تو جائز نہیں ہوگا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث "کسی مسلمان کا مال اس کی خوشدلی اور رضامندی کے بغیر(دوسرے کے لئے) حلال نہیں ہوگا۔" کی دلالت زیر نظر حدیث کے حکم کے لئے مانع ہے ' اس لئے مذکورہ حکم تنزیہ پر محمول ہو گا اس کے جواب میں بیہقی کا یہ قول پیش کیا گیا ہے کہ " ہمیں سنن صحیحہ کے اندر کوئی ایسی ہاتھ نہیں لگی جو اس حکم کی معارض بن سکتی ہو ' ہاں صرف ایسے عمومات ہیں جن کی تخصیص بلا تردید زیر نظر حدیث کر رہی ہے ۔ راوی نے اسے اسکے ظاہر یعنی تحریم پر محمول کیا ہے اور انہیں اس کی مراد کا سب سے زیادہ علم تھا۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے:"میں تم لوگوں کو اس سے منہ موڑتے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں ؟" یہ قول انکے اعراض کو ناپسند کرنے کے لئے تھا اور یہ اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ تحریم کے لئے ہے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول "تمہارے کندھوں کے درمیان" کا مفہوم بقول خطابی یہ ہے کہ "اگر تم نے اس حکم کو قبول نہ کیا اور بخوشی اسے نہ سیکھا تو میں لکڑی کو زبردستی تمہاری گردنوں میں ڈال دوں گا۔" یہ بات دراصل بطور مبالغہ کہی گئی تھی ۔

میرے (شارح کے) خیال میں ابو ہریرہؓ کے قول " اس کو دے ماروں گا" سے جو بات ذہن میں فوری طور پر آتی ہے وہ یہ ہے کہ "اس سنت کو جس کا حکم دیا گیا ہے تمہارے درمیان لا کر رہوں گا تاکہ اسے پہنچانے کی جو ذمہ داری مجھ پر ہے وہ پوری ہو جائے اور میں سنت کو چھپا جانے کی زد سے باہر آ جاؤں اور اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعے تمہارے خلاف حجت قائم کر دوں۔"

۸۲۳/۳ - وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ أَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ». رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ فِي صَحِيحَيْهِمَا(۱).

حضرت ابو حمید الساعدیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کی لاٹھی اس کی خوشدلی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔" ابن حبان اور حاکم نے اپنی کتابوں (صحیح ابن حبان اور صحیح الحاکم) میں اس کی روایت کی ہے۔

اس باب میں اسی مفہوم کی بہت سے احادیث ہیں۔ شیخین نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ: "کوئی شخص کسی شخص کے مویشی کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔" ابو داؤد، ترمذی اور بیہقی نے عبداللہ بن السائب بن یزید سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ: "تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کا سامان نہ تو ہنسی مذاق میں لے اور نہ ہی سنجیدگی کے تحت لے۔" احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان کا مال خواہ تھوڑا سا کیوں نہ ہو، اس کی مرضی اور خوشدلی کے بغیر لینا حرام ہے۔ اس پر اجماع ہے۔

یہاں مصنف نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے بعد حضرت ابو حمیدؓ کی حدیث لا کر حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کی تاویل کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ تنزیہ پر محمول ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ تاویل کی وہاں ضرورت پڑتی ہے جہاں تطبیق مشکل ہو جائے، جب کہ یہاں یہ تطبیق تخصیص کے ذریعے ممکن ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث خاص ہے اور دیگر ادلہ عام ہیں۔ یہ بات آپ کو معلوم ہو چکی ہے۔ ان ادلہ کے عموم سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث نے بہت سے امور کو خارج کر دیا ہے مثلاً زبردستی زکوٰۃ کی وصولی، شفعہ کا حکم، مجبور شخص کو کھانا کھلانا، اور بیوی نیز تنگدست قریبی رشتہ دار کا خرچہ اور اسی طرح کی بہت سے مالی حقوق جن کی ادائیگی مال کا مالک خوشدلی اور برضاو رغبت نہیں کرتا۔ یہ حقوق تو اس سے زبردستی حاصل کئے جاتے ہیں، دیوار میں لکڑی ٹھوکنا بھی ان میں شامل ہے۔ علاوہ ازیں یہ تو محض فائدہ اٹھانے کی ایک صورت ہے جب کہ عین یعنی مال تو باقی رہتا ہے۔

---

(۱) حضرت ابو حمید کی روایت کے حوالہ جات: سنن کبری ج ۶ ص ۱۰۰، ج ۹ ص ۳۵۸، معانی الآثار ج ۴ ص ۲۴۱، مشکل الآثار ج ۴ ص ۴۱، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۴۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب الحوالہ والضمان

الحوالہ' حرف حاء پر زبر اور کبھی زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے کہ دین (قرض) کو ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ البتہ اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ آیا یہ دین کے بدلے دین کی وہ بیع ہے جس کی اجازت شریعت نے دی ہے اور دین کے بدلے دین کی بیع کی نہی سے اسے خارج کر دیا گیا ہے یا یہ دین کی وصولی ہے؟ ایک قول کے مطابق یہ مہربانی کے برتاؤ کا ایک مستقل عقد ہے۔ اس میں حوالہ کے لفظ کی ادائیگی اور محیل (اصل مدیون) کی رضا مندی شرط ہے۔ یہ بات بلا اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک محال (دائن' قرض خواہ) کی رضامندی بھی شرط ہے اور بعض کے نزدیک محال علیہ' (ذمہ داری اٹھانے والے) کی رضا مندی بھی۔ اسی طرح صفات کے اندر مماثلت اور محال بہ (دین) کا معلوم و متعین ہونا بھی شرط ہے۔ بعض نے طعام کے سوا دیگر اشیاء کے ساتھ عقد حوالہ کو خاص کر دیا ہے کیونکہ طعام کے اندر اسکے اجراء سے یہ خرابی لازم آئے گی کہ طعام کو وصول کرنے سے پہلے اسے فروخت کر دینے کی صورت پیدا ہو جائے گی' اور اس کا جواز نہیں ہے۔

۸۲۴/۱ ـ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيءٍ فَلْيَتْبَعْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ: «وَمَنْ أُحِيلَ فَلْيَحْتَلْ»(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مالدار کا ٹال مٹول

حدیث "مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے" کے حوالہ جات: بخاری شریف ج ۲ ص ۱۲۳' مسلم شریف حدیث ۳۳ من المساقاۃ سنن ابی داؤد باب ۱۰ البیوع' سنن ترمذی ۱۳۰۸' ۱۳۰۹' سنن نسائی ج ۷ ص ۳۱۷' سنن ابن ماجہ ۲۴۰۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۱' ۳۶۰' ۳۸۰' ۴۶۳' سنن کبری ج ۶ ص ۷۰' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۷۹' نصب الرایہ ج ۴ ص ۵۹' المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۳۱' مشکل الاثار ج ۱ ص ۳۱۴' ج ۴ ص ۸' مشکوۃ المصابیح ۲۹۰۷' المطالب ۱۴۰۱' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۵' ۱۳۰' ۱۳۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۴۶' شرح السنہ ج ۸ ص ۱۹۵' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۴۹' فتح الباری ج ۴ ص ۴۶۴' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا ظلم ہے اور اگر تم میں سے کسی کو کسی مالدار کے پیچھے لگا دیا جائے تو وہ اس کے پیچھے لگ جائے۔ (متفق علیہ) امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "جس (قرض خواہ) کو کسی کے حوالہ کیا جائے وہ اس حوالے کو قبول کر لے۔"

(۱) مطل الغنی۔ اس میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے یعنی مالدار شخص کا اپنے قرض خواہ کو دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا۔ ایک قول کے مطابق اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے یعنی مقروض کی طرف سے مالدار کو ٹال مٹول کرنا۔

(۲) ظلم ہے' اور اس کا فقیر کو ٹال مٹول کرنا بطریق اولیٰ ظلم ہو گا۔

(۳) ملی - یہ لفظ الملاء (ہمزہ کے ساتھ) سے ماخوذ ہے - جب کوئی شخص مالدار ہو جائے تو کہا جاتا ہے" "ملواء الرجل"

(۴) اتبع' ہمزہ پر پیش' تاء ساکن اور باء کے نیچے زیر

(۵) فلیتبع حرف تاء ساکن' یہ فعل بھی پہلے فعل کی طرح بنی للمفعول (فعل مجہول) ہے' یعنی اگر اسے حوالہ کر دیا جائے تو وہ حوالہ قبول کر لے۔

یہ حدیث مالدار کی طرف سے قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ مطل کے معنی مدافعت کے ہیں یعنی ہٹانا اور ٹال مٹول کرنا۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص جو اپنے اوپر عائد شدہ حق کو ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ ادائیگی میں بلا عذر تاخیر کر دے۔ اگر (مطل الغنی) میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف تسلیم کی جائے تو معنی یہ ہو گا کہ قدرت رکھنے والے مالدار پر یہ حرام ہو گا کہ اس پر دین واجب الادا ہو جانے کے بعد وہ اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے بخلاف عاجز کے' اگر اس کی اضافت مفعول کی طرف تسلیم کی جائے تو معنی یہ ہو گا کہ دین کی ادائیگی واجب ہے خواہ اس کا حقدار مالدار کیوں نہ ہو' اس لئے اس کی مالداری اس کے حق کی ادائیگی میں تاخیر کا سبب نہیں بنے گی۔ یہ بات اگر مالدار کے حق میں ثابت ہے تو فقیر کے حق میں بطریق اولیٰ ثابت ہو گی حدیث میں مذکور صیغہ امر احالہ قبول کر لینے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے - تاہم جمہور نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ امر کو اس کے ظاہر سے ہٹانے کی کیا وجہ ہے۔ ظاہریہ نے اسے وجوب پر محمول کیا ہے - اور یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا کبیرہ گناہ ہے اور ایسا کرنے والا فاسق قرار پاتا ہے' یہاں ہم اس بحث کا اعادہ نہیں کریں گے۔ البتہ اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ ادائیگی کے مطالبہ سے پہلے ہی ٹال مٹول کرنے والا فاسق قرار پائے گا یا اس پر یہ حکم عائد ہونے کے لئے ادائیگی کا مطالبہ ضروری ہے ؟ حدیث سے جس بات کا اشارہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ مطالبہ ضروری ہے کیونکہ مطالبہ پر ٹال مٹول کی صورت وجود میں آتی ہے - ٹال مٹول کا مفہوم ہر اس شخص کو شامل ہے جس پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی حق لازم ہو گیا ہو مثلاً شوہر پر اس کی بیوی کا عائد شدہ حق اور آقا پر اس کے غلام کے خرچہ کا حق۔
زیر نظر حدیث اپنے مفہوم مخالف کی بنا پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ادائیگی سے عاجز شخص کا ٹال مٹول کرنا ظلم میں داخل نہیں ہے۔ جو حضرات مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ عاجز شخص کو ٹال مٹول کرنے والا نہیں کہا جا سکتا۔ اور ایسا مالدار جس کا مال اس کے پاس نہ ہو وہ محروم کی طرح ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ تنگدست کو جب تک فراخی حاصل نہ ہو جائے اس سے کسی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ: "اگر اس کا مواخذہ جائز ہوتا تو وہ ظالم قرار پاتا جب کہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ اپنے عجز کی وجہ سے وہ ظالم نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ اگر محال علیہ (ادائیگی کی ذمہ داری اٹھانے والے) پر فقر کی وجہ سے ادائیگی مشکل ہو جائے تو اس صورت میں محتال (قرض خواہ) کو محیل (مقروض) سے اپنے دین کی وصولی کا حق نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ اگر اسے رجوع کا حق ہوتا تو غنی کی شرط عائد کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا' لیکن جب شارع نے یہ شرط عائد کر دی تو اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ دین کی منتقلی اب اس طرح ہو گئی ہے کہ اس میں واپسی کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ جس طرح اگر دائن کو اس کے دین کے بارے میں کوئی عوض دے دیا جائے اور پھر یہ عوض اس کے ہاتھ میں تلف ہو جائے تو ایسی صورت میں اسے کسی اور وصولی کا حق نہیں ہو گا۔ حنفیہ کا قول ہے کہ اگر محال علیہ کے لئے ادائیگی مشکل ہو جائے تو اس صورت میں محتال محیل سے وصولی کرے گا۔ انہوں نے حوالہ کو ضمان (تاوان) کے مشابہ قرار دیا ہے۔ ہاں اگر حوالہ کے دوران محال علیہ کے دیوالیہ اور قلاش ہو جانے کا پتہ چل جائے تو پھر محتال اپنے دین کی وصولی محیل سے کرے گا۔

۸۲۵/۲ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِنَّا. فَغَسَّلْنَاهُ وَحَنَّطْنَاهُ وَكَفَّنَّاهُ، ثُمَّ أَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْنَا تُصَلِّي عَلَيْهِ؟ فَخَطَا خُطًى، ثُمَّ قَالَ: «أَعَلَيْهِ دَيْنٌ؟» فَقُلْنَا: دِينَارَانِ. فَانْصَرَفَ، فَتَحَمَّلَهُمَا أَبُو قَتَادَةَ. فَأَتَيْنَاهُ، فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: الدِّينَارَانِ عَلَيَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «حَقَّ الْغَرِيمِ، وَبَرِئَ مِنْهُمَا الْمَيِّتُ؟». قَالَ نَعَمْ، فَصَلَّى عَلَيْهِ.
رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ(۱).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارا ایک آدمی وفات پا گیا' ہم نے اسے غسل دیا' اور اس پر حنوط

(۱) حدیث "کیا اس پر دین ہے؟" کے حوالے: سنن ابی داؤد باب ۹ کتاب البیوع' سنن نسائی ج ۴ ص ۶۵'۶۶ مسند احمد ج ۲ ص ۳۰' ج ۵ ص ۲۹۷' ۳۰۴' سنن دارقطنی ج ۳ ص ۷۸' موارد الظمان ۱۱۵۹'۱۱۶۳' مجمع الزوائد ج ۳ المطالب العالیہ ۱۳۷۷' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۴۸' سنن کبری ج ۶ ص ۷۴' ۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ایک قسم کا خوشبودار مرکب) مل کر اسے کفن پہنا دیا۔ پھر ہم اس کی میت کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ آپؐ چند قدم بڑھے اور پھر پوچھا: "کیا اس کے ذمہ دین ہے؟" ہم نے عرض کیا دو دینار ہیں: آپؐ واپس ہو گئے' پھر ابو قتادہ نے ان دو دیناروں کی ادائیگی کی ذمہ داری اٹھا لی' پھر ہم آپؐ کے پاس آئے اور ابو قتادہ نے کہا کہ یہ دونوں دینار میرے ذمہ ہیں' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا: "یہ قرض خواہ کا حق ہے اور میت ان دونوں دیناروں سے بری الذمہ ہو گیا۔" ابو قتادہ نے اس کا جواب اثبات میں دیا' پھر آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔" امام احمدؒ ابو داؤدؒ اور نسائیؒ نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان نیز حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) یعنی نماز جنازہ پڑھائے بغیر آپ واپس ہو گئے۔

(۲) حق' یہ لفظ مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور حضرت ابو قتادہ کے قول" یہ دونوں دینار میرے ذمہ ہیں" کے مضمون کی تائید کرتا ہے یعنی" تم پر حق ثابت اور پکا ہو گیا اور تم مقروض بن گئے۔"

(۳) امام بخاری نے حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے اس حدیث کی روایت کی ہے' اس میں تین دیناروں کا ذکر ہے۔ امام ابو داؤد اور طبرانی نے بھی اس کی روایت کی ہے اور دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ کتاب کی حدیث میں اڑھائی دینار کا ذکر تھا' اس لئے جس نے تین دینار کہا ہے اس نے نصف دینار کی کسر کو ایک دینار کی شکل میں بیان کر کے تین بنا دئے اور جس نے دو دینار کہا اس نے نصف دینار کے ذکر کو نظر انداز کر دیا یا یہ کہ اصل میں متوفی تین دیناروں کا مقروض تھا لیکن اپنی وفات سے پہلے ایک دینار کی ادائیگی کر دی تھی' اس لئے جس نے تین دیناروں کی روایت کی اس نے اصل دین کا اعتبار کیا اور جس نے دو دینار کہے اس نے باقی ماندہ دین کا اعتبار کر لیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہوں' اگرچہ یہ احتمال بہت بعید ہے۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ابو قتادہؓ سے ملتے تو پوچھتے کہ ان دونوں دیناروں کا کیا بنا؟' اس سلسلے کا اختتام اس پر جا کر ہوا کہ حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا کہ:"اللہ کے رسول' میں نے ان کی ادائیگی کر دی۔" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:"اب اس کی کھال ٹھنڈی ہوئی۔"

دار قطنی نے حضرت علیؓ سے اس حدیث کی روایت اس طرح کی ہے:" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپؐ میت کے کسی عمل کے بارے میں استفسار نہ کرتے بلکہ اسکے قرض کے بارے میں پوچھتے' اگر جواب میں کہا جاتا کہ اس کے ذمے دین ہے تو آپ جنازہ پڑھانے سے رک جاتے اور اگر کہا جاتا کہ اس پر کوئی دین نہیں ہے تو آگے بڑھ کر جنازہ پڑھا دیتے۔ ایک دفعہ ایک جنازہ لایا گیا جب آپؐ تکبیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہنے لگے تو رک کر پوچھا کہ اس پر کوئی دین ہے ؟' جواب میں عرض کیا گیا کہ دو دینار ہیں۔ یہ سن کر آپ پیچھے ہٹ آئے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا:"اللہ کے رسول یہ رقم میرے ذمہ ہے اور میت اس رقم سے بری الذمہ ہے۔" یہ سن کر آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اللہ تمہیں جزائے خیر دے اور تمہاری گردن چھڑا دے ..... تا آخر حدیث"' ابن بطال نے کہا ہے کہ جمہور علماء میت کی طرف سے اس کفالہ کی صحت کے قائل ہیں اور کفیل کو میت کے مال سے اس کی وصولی کا حق نہیں ہوگا۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر واجب الادا دین کو ایسا شخص اپنے ذمے لے لے جس پر یہ دین واجب نہیں ہے تو ایسا کرنا درست ہو گا اور اسے اس کا اخروی فائدہ پہنچے گا' نیز حدیث دین اور قرض کے معاملے کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ میت کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی کیونکہ نماز جنازہ شفاعت ہے اور آپ کی شفاعت بارگاہ الٰہی میں مقبول ہے اور رد نہیں ہوتی اور دین صرف ادا ہو کر ہی ساقط ہوتا ہے - حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ لفظ کے ظاہر پر ہی اکتفاء نہیں کرنا چاہئے بلکہ حاکم کے لئے ضروری ہے کہ ایک شخص پر کوئی حق لازم اور عائد کرنے سے پہلے عقود اور اقرارات کے الفاظ کی تحقیق اور چھان بین کر لے نیز یہ کہ اگر وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا ہو یہ دعوی کرے کہ اس نے فلاں لفظ سے فلاں معنی کا ارادہ کیا تھا جب کہ لفظ میں مذکور معنی کا احتمال موجود ہو خواہ یہ بعید احتمال کیوں نہ ہو تو اس صورت میں اس پر لفظ کے ظاہری معنی کی بنیاد پر حکم عائد نہیں کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں مذکورہ فقرے:" اور میت ان دونوں دیناروں سے بری الذمہ ہو گیا" کا حق پر عطف اس مفہوم کی تائید کرتا ہے جس کا ہم نے استنباط کیا ہے۔

٨٢٦/٣ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ، فَيَسْأَلُ: «هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ مِنْ قَضَاءٍ؟». فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى عَلَيْهِ، وَإِلَّا قَالَ: «صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ». فَلَمَّا فَتَحَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ: «أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «فَمَنْ مَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً».

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ایسے فوت شدہ شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر دین ہوتا تو آپؐ پوچھتے:" آیا اس نے اپنے دین کی ادائیگی کے لئے رقم چھوڑی ہے؟" پھر اگر آپؐ کو بتا دیا جاتا کہ رقم چھوڑی ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے ورنہ یہ فرماتے:" اپنے رفیق کا جنازہ پڑھ لو۔" پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے' تو آپؐ نے فرما دیا:" میں اہل ایمان کے لئے ان کی جانوں سے بڑھ کر ہوں' اب جو شخص وفات پا جائے اور اس کے ذمہ دین ہو تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔" (متفق علیہ) بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:" جو شخص فوت ہو جائے اور ادائیگی کے لئے مال نہ چھوڑے۔" مصنف نے ماقبل کی حدیث کے فوراً بعد یہ حدیث لا کر یہ اشارہ کر دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور وفات پا جانے والے افراد کے دیون کی ادائیگی کے لئے حالات سازگار ہو گئے تو آپؐ نے ایسے دیون کی ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے کر ماقبل کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ آپؐ کے ارشاد گرامی "اسکی ادائیگی میرے ذمہ ہے" کا ظاہری معنی تو یہی ہے کہ اس کی ادائیگی آپؐ کے ذمہ واجب ہو گئی' رہی یہ بات کہ یہ ادائیگی آپؐ کے خالص مال سے ہوئی تھی یا عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لئے رکھے ہوئے مال سے ہوئی تھی تو یہاں دونوں باتوں کا احتمال ہے۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ:" جس شخص کے ہاتھ میں مسلمانوں کے معاملات کی باگ ڈور ہو اسے فوت ہو جانے والے مقروض کے سلسلے میں یہی طریق کار اختیار کرنا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو گنہگار ہو گا"۔ الرافعی نے زیر نظر حدیث کے آخر میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ "عرض کیا گیا:" اللہ کے رسول" آپؐ کے بعد آنے والے ہر امام المسلمین پر بھی یہ بات لازم ہو گی؟" آپؐ نے جواب میں فرمایا:" میرے بعد آنے والے ہر امام پر بھی۔"

---

(۱) حدیث ابو ہریرہؓ کے حوالے:۔ مسلم شریف حدیث ۱۴ من الفرائض' بخاری شریف ج ۳ ص ۱۲۸' ج ۷ ص ۸۶' ج ۸ ص ۱۸۷' ۱۹۰' سنن نسائی ج ۴ ص ۶۶' سنن ترمذی ۱۰۷۰' سنن ابی داؤد ۲۹۵۴' سنن ابن ماجہ ۲۴۱۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰' ۴۵۳' ج ۳ ص ۳۳۸' سنن کبری ج ۶ ص ۲۳۸' ۳۵۱' ج ۷ ص ۴۴' ج ۱۰ ص ۳۰۲' مشکوٰۃ المصابیح ۲۰۱۳' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۱۳' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۴۸' الدر المنثور ج ۵ ص ۱۸۲' فتح الباری ج ۴ ص ۴۴۷' ج ۹ ص ۱۵۶' ۵۱۵' ج ۱۲ ص ۹' ۱۰' ۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طبرانی "المعجم الکبیر" میں زاذان کے واسطے سے حضرت سلمانؓ سے اسی کے ہم معنی ایک روایت منقول ہے۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم مسلمان جنگی قیدیوں کا فدیہ دیں اور مسلمان سائل کو عطیہ دیں۔" پھر آپؐ نے فرمایا: "جو شخص مال چھوڑ جائے وہ اسکے ورثاء کے لئے ہو گا اور جو شخص دین چھوڑ گیا وہ میرے ذمہ ہوگا اور میرے بعد آنے والے صاحبان کے ذمہ ہو گا اور ادائیگی مسلمانوں کے بیت المال سے ہوگی۔" اس روایت کی سند میں ایک راوی ایسا بھی ہے جس کی روایت ترک کر دی تھی اور جس پر تہمت لگی ہوئی تھی۔

٨٢٧/٤ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا كَفَالَةَ فِي حَدٍّ». رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ(۱).

عمرو بن شعیب سے بواسطہ ان کے والد اور بواسطہ انکے دادا کے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی حد کے اندر کوئی کفالہ نہیں" بیہقی نے ایک ضعیف اسناد کے ذریعے اسکی روایت کی ہے۔

(۱) یہ روایت ان کے نزدیک منکر روایت ہے (اگر ایک ضعیف راوی کی روایت ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہو تو اسے منکر روایت کہیں گے۔ مترجم)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حد والی سزا کے اندر کوئی کفالہ (ضمانت) درست نہیں ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ: "چہرے کی بنا پر یعنی کسی کی ذات کی ضمانت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے' نہ مال کے اندر' نہ حد کے اندر اور نہ ہی کسی چیز کے اندر' کیونکہ یہ ایک شرط ہے جس کا وجود کتاب اللہ کے اندر نہیں ہے' اس لئے یہ باطل ہے۔ عقلی طور پر اس کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اسکی صحت کے قائل ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص کسی کا صرف چہرے کی بنیاد پر ضامن بن جائے اور پھر مکفول عنہ (جس کی ضمانت دی گئی ہو) غائب ہو جائے تو ایسی صورت میں آپ ضامن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے کیا؟ مضمون (جس کی ضمانت دی گئی ہو) پر عائد شدہ مال وغیرہ کا تاوان اس پر ڈال دیں گے' اگر ایسا کریں گے تو یہ جور (ظلم) ہو گا اور باطل طریقے سے مال کھانے کی ایک شکل ہو گی کیونکہ ضامن نے تو اس تاوان کی ادائیگی کا اپنے اوپر التزام ہی نہیں کیا تھا' (وہ تو صرف مکفول عنہ کی ذات کا کفیل اور ضامن بنا تھا۔۔۔مترجم) یا پھر آپ ضامن کو چھوڑ دیں

---

(۱) عمرو بن شعیب کی حدیث کے حوالے:۔ سنن کبری ج ٦ ص ٧٧' تہذیب تاریخ ابن عساکر ۱۳۳۷۳' ارواء الغلیل ج ٥ ص ٢٤٧' تاریخ بغداد ج ٣ ص ٩١' الکامل لابن عدی ج ٥ ص ١٢٨١' نصب الرایہ ج ٤ ص ٥٩

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے۔ اگر ایسا کریں گے تو گویا آپ نے ضمان بالوجہ (ایک شخص کی ذات کی ضمانت) کو باطل قرار دے دیا۔ پھر آپ ضامن کو اس بات کا مکلف بنا دیں گے کہ وہ جا کر مکفول عنہ کو تلاش کرے اور پھر اسے پیش کرے۔ اگر ایسا کریں گے تو گویا آپ اسے مشقت برداشت کرنے نیز اس کی طاقت سے بڑھ کر ایسے کام کا مکلف بنا دیں گے جس کا اللہ نے بھی اسے مکلف نہیں بنایا۔"

علماء کی ایک جماعت نے کفالہ بالوجہ (کسی کی ذات کی ضمانت) کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اسکے حق میں یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تہمت کے سلسلے میں ایک شخص کی ضمانت دی تھی اور کفیل بنے تھے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ :"یہ ایک باطل روایت ہے کیونکہ یہ ابراہیم بن حیثم بن عراک کی روایت ہے۔ یہ اور اس کا باپ دونوں اس درجے کے کمزور راوی ہیں کہ ان سے روایت کرنا جائز ہی نہیں ہے۔" پھر ابن حزم نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کچھ آثار نقل کر کے انکی تردید کر دی ہے اور کہا ہے کہ ان آثار کے اندر کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے' اس لئے کہ دلیل وہ ہوتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں ہو' کسی اور کے کلام میں نہیں۔" ان آثار کا ذکر شرح کے اندر موجود ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۹

شراکت اور وکالت

الشرکہ (حرف شین پر زبر' حرف راء کے نیچے زیر کے ساتھ نیز شین کے نیچے زیر اور راء ساکن کے ساتھ) اگر حرف شین پر پیش ہو تو یہ مشترک چیز کے لئے اسم ہو گا۔ شرکہ (شراکت) اس حالت کو کہتے ہیں جو دو یا اس سے زائد اشخاص کے درمیان بالاختیار پیدا ہوتی ہے ۔ اگر اس لفظ سے وراثت میں حاصل ہونے والے مال کے اندر دو رثاء کی شراکت مراد ہو تو اس میں تعریف سے لفظ اختیار کو حذف کر دیا جائے گا ۔

الوکالہ (حرف واؤ پر زبر اور کبھی زیر کے ساتھ) فعل (وکل) مشدد کا مصدر ہے اور اس کے معنی تفویض (سپرد کرنے) اور حفاظت کے ہیں ۔ اگر یہ فعل مخفف ہو یعنی شد کے بغیر تو یہ تفویض کے معنوں میں ہو گا ۔ شرعی طور پر اس کے معنی ہیں "کوئی شخص کسی اور کو اپنا قائم مقام بنا دے خواہ مطلق صورت میں ہو یا مقید شکل میں۔"

۷۲۸/۱ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَإِذَا خَانَ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں دو شریکوں کے ساتھ اس وقت تک تیسرا شریک رہتا ہوں جب تک ایک شریک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے۔ جب وہ خیانت کرتا ہے تو میں ان دونوں کے درمیان سے باہر ہو جاتا ہوں۔" ابو داؤد نے اسکی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) ابن القطان نے ایک راوی سعید بن حیان کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے اس روایت کو معلل قرار دیا

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۳۳۸' سنن کبری ج ۶ ص ۷۸' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۸۸' مشکوٰۃ المصابیح ۲۹۳۳' میزان الاعتدال ۳۱۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ (معلل وہ حدیث ہے جس کی کسی ایسی کمزوری کی اطلاع ہو جائے جو اسکی صحت کو مجروح کر دے اگرچہ حدیث بظاہر اس سے پاک نظر آتی ہو ---مترجم) اس راوی سے انکے بیٹے ابو حبان بن سعید نے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے کہ حارث بن شرید نے ان سے روایت کی ہے۔ البتہ دار قطنی نے اس حدیث کو مرسل ہونے کی وجہ سے معلل قرار دیا ہے۔ اور اس میں حضرت ابو ہریرہؓ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور سرپرستی دونوں شریکوں کو حاصل ہوتی ہے نیز اللہ تعالیٰ انکی تجارت میں برکت دے کر اور مال میں انکی مدد کر کے انکی دستگیری کرتا ہے۔ لیکن جب خیانت کا چکر چل پڑتا ہے تو ان کے مال سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ حدیث میں اس بات کی ترغیب ہے کہ شراکت کے اندر خیانت اور بے ایمانی نہیں ہونی چاہیے۔ اور خیانت سے باز رکھنے کے لئے حدیث میں ڈراوا بھی دیا گیا ہے۔

۸۲۹/۲ - وَعَنِ السَّائِبِ الْمَخْزُومِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ شَرِيكَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْبِعْثَةِ. فَجَاءَ يَوْمَ الْفَتْحِ، فَقَالَ: «مَرْحَباً بِأَخِي وَشَرِيكِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَابْنُ مَاجَهْ.(۱)

حضرت سائب مخزومی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بعثت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک رہے تھے۔ فتح مکہ کے دن وہ آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: "میرے بھائی اور میرے شریک کو خوش آمدید ہو۔" امام احمدؒ ابو داؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے اسکی روایت کی ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ: "سائب بن ابی السائب مولفہ القلوب میں سے ہیں۔ ان کی اسلامی زندگی بڑی عمدہ تھی اور ان کی عمر بڑی لمبی ہوئی۔ یہ حضرت معاویہؓ کے دور حکومت تک زندہ رہے۔ آغاز اسلام میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک رہے تھے۔ شراکت تجارت کے اندر تھی۔ فتح مکہ کے دن جب یہ آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے انہیں، "میرے بھائی، میرے شریک کو خوش آمدید ہو ایسا نہ جھگڑتا تھا نہ فریب دیتا تھا۔" کے الفاظ سے مخاطب فرمایا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "تم زمانہ جاہلیت میں میرے شریک تھے۔" یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شراکت اسلام سے پہلے بھی ثابت تھی اور پھر شارع نے اسی حالت میں اسے

---

(۱) حضرت سائب کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۴۸۳۶، سنن ابن ماجہ ۲۲۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۱۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۵۰۵، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۹۴، تلخیص، الحبیر ج ۳ ص ۴۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقی رہنے دیا۔

۸۳۰/۳ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: «اشْتَرَكْتُ أَنَا وَعَمَّارٌ وَسَعْدٌ فِيمَا نُصِيبُ يَوْمَ بَدْرٍ». الْحَدِيثَ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ(۱).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "غزوہ بدر میں جو کچھ ہمیں ملتا اس میں میں' عمار اور سعد شریک ہو جاتے" تا آخر حدیث' نسائی نے اسکی روایت کی ہے۔

(۱) حدیث کا باقی ماندہ حصہ یہ ہے "سعد دو قیدی لے کر آئے اور میں اور عمار کچھ نہیں لائے۔"

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کمائی کے اندر شراکت درست ہے ۔ اسے شرکہ الابدان کہتے ہیں۔ اس شراکت کی حقیقت یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک دوسرے شریک کو اس بات کا وکیل اور کارندہ بنا دے کہ وہ ملنے والے کام کو اسکی طرف سے قبول کر کے اسے سرانجام دے اور کام کی مقدار معلوم ہو نیز صنعت یعنی کام کا دونوں تعین کر لیں ۔امام ابو حنیفہؒ اور ہادویہ اس شراکت کی صحت کے قائل ہیں' امام شافعیؒ کے نزدیک یہ شراکت درست نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد غرر (مجہولیت اور دھوکہ دہی) پر ہے' اس لئے کہ دونوں کو منافع کا حصول یقینی نہیں ہوتا' کیونکہ ممکن ہے کہ کام ہی نہ ملے اور کوئی کام نہ ہو سکے۔ ابو ثور اور ابن حزم کا بھی یہی مسلک ہے ۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ "شرکہ الابدان کسی بھی چیز میں سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ اگر یہ ہو بھی جائے تو باطل ہو گی اور لازم نہیں ہو گی اور ہر ایک کی کمائی اسی کو مل جائے گی۔ اگر یہ دونوں کمائی آپس میں تقسیم کر لیں تو واجب ہو گا کہ جس نے جو کچھ لیا وہ دوسرے کو دیدے ورنہ اس کا بدل دے' کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جس کا وجود کتاب اللہ نہیں ہے۔ اس لئے یہ باطل ہے۔"

رہی ابن مسعود کی حدیث تو یہ انکے بیٹے ابو عبیدہ بن عبداللہ کی روایت ہے اور یہ منقطع روایت ہے (یعنی اس روایت کی سند متصل نہیں ہے' مترجم) کیونکہ ابو عبیدہ نے اپنے والد سے کسی بات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم نے وکیع کی سند سے' انہوں نے شعبہ سے اور انہوں نے عمرو بن مرہ سے یہ روایت کی ہے کہ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبیدہ سے پوچھا کہ آپ کو حضرت عبداللہ سے مروی کوئی بات یاد ہے؟ انہوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ اگر یہ روایت درست بھی ہوتی تو یہ اس شراکت کی صحت کے قائلین کے خلاف حجت

---

(۱) حضرت ابن مسعود کی روایت کا حوالہ :۔ سنن ابن ماجہ ۲۲۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی اس لئے کہ یہ بات سب سے پہلے انہوں نے کی ہے جب کہ تمام اہل اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ایسی شراکت ہے جو جائز نہیں اور اگر اہل لشکر میں سے کسی کو کوئی مال ہاتھ آ جائے تو وہ لشکر کے تمام لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ مال تنہا اپنے پاس نہیں رکھ سکتا' سوائے سلب کے جو قاتل کو مل جاتا ہے اگرچہ اس میں بھی اختلاف ہے۔ (سلب کافر مقتول کے اس سامان کو کہتے ہیں جو اسے قتل کرنے والے مسلمان مجاہد کو مل جاتا ہے - مترجم) اگر اہل لشکر میں سے کوئی شخص ہاتھ آیا ہوا مال اپنے پاس رکھ لے تو یہ غلول ہو گا جو گناہ کبیرہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر شراکت کی زیر بحث روایت درست بھی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ نے باطل کر کے یہ آیت نازل فرمائی ہے (قل الانفال لله ولرسوله ' ' آپ کہہ دیجئے'انفال اللہ اور اسکے رسول کے لئے ہے۔ سورہ انفال آیت نمبر۱) تا آخر آیت۔ اللہ نے اسے باطل کر دیا اور اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا -

پھر حنفیہ بھی شکار کرنے کے اندر شراکت کو جائز قرار نہیں دیتے اور مالکیہ بھی دو الگ الگ مقام پر ہونے والے کام میں شراکت کو جائز نہیں کہتے۔ اس لئے حدیث میں مذکورہ یہ شراکت بھی انکے نزدیک جائز نہیں ہے۔(اختتام کلام ابن عبدالبر)

یہ بحث تو اپنی جگہ رہی ' فقہاء نے شراکت کی چار قسمیں کی ہیں اور انکے متعلق نیز انکے فروعات پر طویل بحث کی ہے جو فقہ کی کتابوں میں موجود ہے' ہم یہاں اس کا ذکر کر کے بحث کو طویل کرنا نہیں چاہتے - ابن بطال نے کہا ہے:" اس پر سب کا اجماع ہے کہ درست شراکت کی صورت یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک اتنا مال لگائے جتنا دوسرا لگاتا ہے اور پھر دونوں سرمایوں کو اس طرح مخلوط کر دیا جائے کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔ پھر دونوں مل کر اس مخلوط سرمایہ میں تصرف کریں - الا یہ کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا دے۔ اس صورت کو شرکہ العنان کہیں گے - یہ شراکت اس صورت میں بھی درست ہوتی ہے جب ایک شریک دوسرے شریک سے کم سرمایہ لگائے اور سرمایے کی نسبت سے نفع نقصان میں دونوں شریک ہوں - اسی طرح اگر دونوں کوئی سامان تجارت مساوی طور پر خرید لیں یا ان میں سے ایک شریک دوسرے کی بہ نسبت زیادہ مال خرید لے تو اس کا حکم یہ ہے کہ نفع نقصان کے اندر ہر شریک اپنے ادا شدہ ثمن کی مقدار کی نسبت سے شرکت کرے گا - اس کی دلیل یہ ہے کہ شریکین نے جب دونوں سرمایوں کو مخلوط کر دیا تو مجموعی سرمایہ دونوں کے درمیان مشاع ہو گیا (مشاع ایسے مشترک مال کو کہتے ہیں جس کے ہر جز کے اندر شریکین کی شراکت ہو اور کسی شریک کا حصہ دوسرے کے حصے سے ممتاز نہ ہو-- مترجم) اور اس سرمائے سے جو مال بھی وہ خریدیں گے وہ ان کے درمیان مشاع ہو گا اور اس کے نتیجے میں مذکورہ مال کا ثمن' اس کا منافع اور اس کا نقصان بھی دونوں کے درمیان مشاع ہو گا' اور ان کا خریدا ہوا مال بھی اسی طرح ہو گا کیونکہ یہ مال انکے مشاع ثمن کا بدل ہو گا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذ/۸۳۱ ـ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللَّهِ رَضِيَ ٱللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أَرَدْتُ ٱلْخُرُوجَ إِلَى خَيْبَرَ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ «إِذَا أَتَيْتَ وَكِيلِي بِخَيْبَرَ، فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقاً». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ(۱).

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' آپؐ نے فرمایا: "جب تم خیبر میں میرے وکیل (کارندے) کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق لے لو۔" ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) حدیث کے باقیماندہ الفاظ یہ ہیں: "اگر وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو اپنا ہاتھ اس کی ہنسلی کی ہڈی پر رکھ دینا۔"

یہ حدیث وکالہ کی مشروعیت کی دلیل ہے۔ اس کی مشروعیت پر سب کا اجماع ہے۔ احکام کا تعلق وکیل کے ساتھ ہو گا۔ حدیث کے آخری حصے میں غیر کے مال میں قرینے کی بنیاد پر عمل کی دلیل ہے نیز یہ کہ عین (متعین مال) پر قبضے کی غرض سے بھیجے جانے والے قاصد اور پیغامبر کی قرینہ کی بنا پر تصدیق کی جائے گی۔ قبضے کے لئے آنے والے پیغامبر کی تصدیق کی علماء کی ایک جماعت قائل ہے۔ "الغیث" کے اندر المہدی نے اس تصدیق کو پیغامبر کی سچائی کے بارے میں غلبہ ظن کے ساتھ مقید کیا ہے۔ ہادویہ کے نزدیک پیغامبر کی تصدیق جائز نہیں ہے کیونکہ غیر کے مال کا معاملہ ہوتا ہے اس لئے اس کے بارے میں تصدیق درست نہیں ہو گی۔ انکی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر پیغامبر کی سچائی کے بارے میں غلبہ ظن ہو جائے تو یہ مال اسکے حوالہ کرنا جائز ہو گا۔

۸۳۲/۵ ـ وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِدِينَارٍ يَشْتَرِي لَهُ أُضْحِيَّةً...» الْحَدِيثَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي أَثْنَاءِ حَدِيثٍ، وَقَدْ تَقَدَّمَ(۲).

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک

---

(۱) حضرت جابرؓ کی حدیث کے حوالے: سنن ابی داؤد ۳۳۲' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۵۵' سنن کبری ج ۶ ص ۸۰' مشکوۃ المصابیح ۲۹۳۵' کنز العمال ۴۱۲۳۹

(۲) حضرت عروہ بارقی کی حدیث کی تخریج حدیث نمبر ۷۷۲' کے ذیل میں دیکھئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینار دیکر قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بازار بھیجا ....." تا آخر حدیث ' امام بخاری نے اس کی روایت ایک حدیث کے درمیان میں کی ہے۔ یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے۔

(۱)۔ یعنی کتاب البیوع کے اندر' اسکے متعلقہ احکام پر بھی بحث وہیں گزر چکی ہے۔

٨٣٣/٦ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: «بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ. . .» الْحَدِيثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو صدقات جمع کرنے پر بھیجا ....." تا آخر حدیث (متفق علیہ)۔

(۱)۔ پوری حدیث اس طرح ہے "کہا گیا کہ ابن جمیل ' خالد بن الولید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس نے انکار کر دیا"۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" ابن جمیل کو تو صرف یہی بات ناپسند ہے کہ وہ فقیر تھا اور پھر اللہ نے اسے مالدار کر دیا ' رہ گئے خالد تو تم ان سے زکواۃ طلب کر کے گویا ظلم کر رہے ہو کیونکہ انہوں نے تو اپنی زرہیں اور اپنا سامان حرب اللہ کی راہ میں لگا رکھا ہے۔ جہاں تک (چچا) عباس کا تعلق ہے تو انکی زکواۃ میرے ذمہ ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور'

ابن جمیل کا تعلق انصار سے ہے۔ یہ شروع میں منافق تھے پھر انہوں نے توبہ کر لی تھی۔ حدیث کے آخری حصے کے الفاظ کی تشریح

(۱) ماینقم' حرف قاف کے نیچے زیر' یعنی ناپسند نہیں کرتا' ابن جمیل کے بارے میں پورا فقرہ " تاکید المدح بمایشبہ الذم" کے باب سے ہے ۔ (مذمت سے مشابہت رکھنے والے فقرے کے ذریعے مدح کی تاکید ---- مترجم) کیونکہ اگر ابن جمیل کو مذکورہ عذر کے سوا کوئی اور عذر لاحق نہیں ہے تو پھر گویا انہیں کوئی عذر نہیں ہے' اس طرز بیان میں کفران نعمت کی تعریض ہے نیز برے طرز عمل پر ڈانٹ ہے۔

(۲) اعتادہ' یہ لفظ عتد (پہلے دونوں حرفوں پر زبر) کی جمع ہے' انسان جنگ کے لئے جو ہتھیار اور جانور وغیرہ تیار کرتا ہے اس پر یہ لفظ بولا جاتا ہے' ایک قول کے مطابق صرف گھوڑوں کو عتاد کہا جاتا ہے۔ امام بخاری نے اس کے معنی کو اس مفہوم پر محمول کیا ہے کہ حضرت خالدؓ نے اپنا مال زکواۃ جنگی سازو سامان کی تیاری پر لگا دیا تھا اور

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے:۔ مسلم شریف حدیث ۱۱ من الزکواۃ' سنن ابی داؤد باب ۲۲ من الزکواۃ ' سنن نسائی ج ۵ ص ۳۳' سنن کبری ج ۴ ص۱۱۱' ج ۶ ص ۱۶۴ سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۲۳ ' صحیح ابن خزیمہ ۲۳۳۰' شرح السنہ ج ۶ ص ۳۳' مشکواۃ المصابیح ۱۷۷۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے اللہ کی راہ میں صرف کر دیا تھا۔ یہ بات اس امر پر مبنی ہے کہ مال زکوٰۃ کی بجائے اسکی قیمت کی ادائیگی جائز ہے۔

(۳) فهی علی ومثلها معها (انکی زکواۃ میرے ذمہ ہے اور) ان الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کی طرف سے انکی زکواۃ کی ادائیگی کی ذمہ داری رضا کارانہ طور پر اٹھائی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر کی طرف سے رضا کارانہ طور پر اس کی زکوٰۃ ادا کر دینا درست ہے' اسکی نظیر حضرت ابو قتادہؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے میت کی طرف سے اس کے دین کی ادائیگی کی ذمہ داری رضاکارانہ طور پر خود لے لی تھی۔ یہ تشریح قریب ترین احتمال ہے' زیر نظر حدیث کی روایت کئی اور الفاظ کے واسطے سے ہوئی ہے جن کے اندر بہت سے احتمالات ہیں۔ مصنف نے "فتح الباری" کے اندر ان کا ذکر شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے اور شارح نے بھی انکی پیروی کی ہے۔ رہ گئی یہ حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے دو سالوں کی پیشگی زکواۃ طلب کی تھی تو اس کی روایت کئی طرق سے ہوئی ہے لیکن کوئی طریق بھی طعن اور تنقید سے محفوظ نہیں ہے۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام المسلمین زکوٰۃ کی وصولی کا کام کرنے والے کو اپنا وکیل اور کارندہ بنا سکتا ہے۔ اسی نکتہ کے پیش نظر مصنف نے یہ حدیث یہاں بیان کی ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ زکواۃ کی وصولی کے لئے کارندے بھیجنا سنت نبوی ہے' نیز یہ کہ غافل شخص کو یاد دہانی کرائی جائے کہ تم پہلے فقیر تھے پھر اللہ نے تمہیں مالدار بنا کر تم پر اپنا فضل فرمایا' تاکہ اس یاددھانی کے نتیجے میں وہ اللہ کا حق ادا کردے' نیز یہ کہ جو شخص واجب کی ادائیگی سے گریز کرے اس کی عدم موجودگی میں اس پر تنقید جائز ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ امام المسلمین نادہندہ مسلمانوں میں سے بعض کا بوجھ خود اٹھا لے' بعض کی طرف سے خود معذرت پیش کر دے اور بات کو اچھی تاویل کا رنگ دے۔

۸۳٤/۷ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ ثَلَاثاً وَسِتِّينَ وَأَمَرَ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنْ يَذْبَحَ الْبَاقِيَ». الْحَدِيثَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ خود نحر کئے اور باقیماندہ اونٹوں کو ذبح کرنے کا حکم حضرت علیؓ کو دیا....." تا آخر حدیث' امام مسلم نے اس کی روایت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اس حدیث پر گفتگو کتاب الحج کے اندر ہو چکی ہے ۔ اس میں اس بات کی دلالت موجود ہے کہ ہدی (قربانی کے جانور جنہیں حرم میں لے جا کر ذبح کیا جائے ۔۔۔۔ مترجم) کے اونٹوں کے نحر (اونٹوں کی ذبح کا طریقہ) کے لئے کسی کو اپنا کارندہ بنانا درست ہے ۔ اس پر اجماع ہے بشرطیکہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو اگر وہ کافر ہو اور اس کا تعلق اہل کتاب سے ہو تو امام شافعی کے نزدیک درست ہو گا بشرطیکہ ہدی کا مالک اپنے جانور اسے حوالہ کرتے وقت یا جانوروں کی ذبح کے وقت قربانی کی نیت کر لے۔

٨/٨٣٥ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي قِصَّةِ الْعَسِيفِ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا. فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا». الْحَدِيثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(٢).

حضرت ابو ہریرہؓ سے مزدور کے واقعہ کے سلسلے میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انیس ' تم کل صبح سویرے اس شخص کی بیوی کے پاس چلے جاؤ' اور اگر وہ زنا کاری کا اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دو..... " تا آخر حدیث (متفق علیہ)

(۱) عسیف (حرف عین ' حرف سین اور حرف یاء نیز حرف فاء) بمعنی اجیر یعنی مزدور

(۲) پوری حدیث کتاب الحدود کے اندر ذکر کی جائے گی ۔

یہاں اس حدیث کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ مامور شخص حد جاری کرنے میں امام کی طرف سے وکیل تھا۔ امام بخاریؒ نے ایک باب کا عنوان "باب الوکالہ فی الحدود" قائم کر کے اس حدیث کا نیز دوسری احادیث کا اس میں ذکر کیا۔ مصنف نے "فتح الباری" کے اندر بیان کیا ہے کہ " امام نے جب بذات خود حد قائم نہیں کی اور ایک دوسرے شخص کو اس کام پر مقرر کیا تو یہ بات غیر کو اس کام کے لئے وکیل بنانے کے مترادف ہو گئی ۔

---

(۱) حضرت جابرؓ کی حدیث کے حوالے:۔ مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۲' ۱۵۹

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۱۳۴' ۲۴۴' ۲۵۰' ج ۸ ص ۲۱۳' ۲۱۹' ۲۲۵' نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۱۴' ۳۲۹' فتح الباری ج ۴ ص ۴۹۲' ج ۵ ص ۳۲۴' مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۲' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۲' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۵۱' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۲۸۶' ج ۷ ص ۳۵۲' التمہید ج ۶ ص ۱۸۹' معانی الآثار ج ۳ ص ۱۳۵' مسند الحمیدی ۸۱۱

مخکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰- باب الاقرار

لغت میں اقرار اثبات کو کہتے ہیں - اور شرع میں اس کے معنی ہیں ایک انسان کا اپنے اوپر عائد شدہ بات کی خبر دینا' یہ لفظ جحود یعنی انکار کی ضد ہے -

۸۳۶/۱ - عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قُلِ الْحَقَّ وَلَوْ كَانَ مُرًّا». صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثٍ طَوِيلٍ (۱).

حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "حق بات کہو خواہ وہ کڑوی کیوں نہ ہو!" ابن ماجہ نے ایک طویل حدیث میں سے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) حافظ المنذری نے "الترغیب والترہیب" میں پوری حدیث بیان کی ہے۔ اس میں نبوی وصیتیں ہیں - اس کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا:۔ " میرے جگری دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ " میں اپنے سے کم تر کو دیکھوں اور اپنے سے برتر کو نہ دیکھوں - مساکین سے محبت رکھوں اور ان سے قریب رہوں' رشتہ داروں سے صلہ رحمی کروں خواہ وہ مجھ سے قطع رحمی کریں اور مجھ پر جفا کریں' حق بات کہوں خواہ وہ تلخ کیوں نہ ہو' اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں' کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں اور کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کروں کیونکہ یہ جنت کا ایک خزانہ ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد " حق بات کہو" اپنے خلاف حق بات کو اور غیر کے خلاف حق بات دونوں کو شامل ہے۔ یہ بات ارشاد باری (کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو على انفسكم اوالوالدين والاقربين) انصاف کے علم بردار بن جاؤ' اللہ کے لئے گواہی دینے والے' خواہ یہ تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہو یا والدین کے یا قریبی رشتہ داروں کے۔۔۔۔ سورہ نساء آیت۱۳۵)نیز(ولا تقولوا على الله الاالحق اور اللہ پر نہ کہو مگر حق بات' سورہ نساء آیت ۱۷۱) سے ماخوذ ہے - اسی عموم کی بنا پر مصنف نے اس حدیث کا یہاں

---

(۱)حضرت ابو ذرؓ کی حدیث کے حوالے:۔ موارد الظمان ۹۴' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۳۱' مشکوۃ المصابیح ۴۸۶۶' تہذیب تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۳۵۸' الدرالمنثور ج ۲ ص ۲۲۱' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکرکیا ہے۔ انہوں نے الرافعی کی پیروی میں یہ کہا ہے۔ کیونکہ الرافعی نے اس حدیث کا ذکر باب الاقرار میں کیا۔ اس حدیث کی دلالت اس امر پر ہے کہ تمام امور کے اندر انسان کا اپنے اوپر اقرار قابل اعتبار ہے۔ یہ بات تمام احکام کے لئے ایک عمومی امر ہے ۔ اس لئے کہ اپنی ذات کے خلاف حق بات کہدینا گویا ایسی بات کی خبر دینا ہے جو اس پر عائد ہے اور جس سے مال یا جان یا سامان کے بدلے چھٹکارا حاصل کرنا لازم ہے اور ضروری ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد: " خواہ وہ کڑوی کیوں نہ ہو۔ " تشبیہ کے باب سے ہے کیونکہ نفس پر حق بات کا اجراء بعض دفعہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ جس طرح تلخ گھونٹ گلے کے نیچے اتار لینا اس کی کڑواہٹ کی وجہ سے مشکل ہوتا ہے ۔ حدود اور قصاص کے باب میں اقرار سے متعلقہ دیگر احادیث کا ذکر ہو گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۱- باب العاریہ

العاریہ (حرف یاء کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ) ہے' اسے عارہ بھی کہا جاتا ہے ' "عارالفرس" سے ماخوذ ہے۔ یہ فقرہ اس وقت کہا جاتا ہے جب گھوڑا چلا جائے کیونکہ عاریت بھی عاریت دینے والے کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے یا یہ العار (عیب) سے ماخوذ ہے کیونکہ کوئی شخص عاریت کے طور پر ایک چیز اسی وقت حاصل کرتا ہے جب اسے ضرورت لاحق ہو اور کمی پیدا ہو گئی ہو۔ شرع میں عاریت اسے کہتے ہیں کہ عین (مال) کی ملکیت سے دست بردار ہوئے بغیر اس کے فوائد کی اباحت کر دی جائے۔

۸۳۷/۱ - عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَهُ» .رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ. وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۱).

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاتھ کے ذمہ وہ چیز ہے جو اس نے لی یہاں تک کہ وہ اس کی ادائیگی کر دے۔" امام احمدؒ اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) اسے صحیح کہنا اس بنا پر ہے کہ حضرت سمرہؓ سے حسن بصریؒ کا سماع ثابت ہے کیونکہ یہ حدیث حضرت سمرؓ سے حسن بصری کی روایت ہے - حفاظ حدیث کی اس سماع کے بارے میں تین آراء ہیں - پہلی رائے کے مطابق مطلقاً" سماع ثابت ہے' علی ابن المدینی' امام بخاری اور ترمذی کا یہی مسلک ہے۔ دوسری رائے ہے کہ مطلقاً" سماع ثابت نہیں ہے ' سعید القطان' یحییٰ بن معین اور ابن حسان کا یہی مسلک ہے - تیسری رائے کے مطابق حسن نے حضرت سمرہؓ سے صرف عقیقہ والی حدیث کا سماع کیا ہے ' نسائی کا یہی مسلک ہے۔ ابن عساکر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور محدث عبدالحق نے دعوی کیا ہے کہ یہی بات درست ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی مملوکہ چیز اپنے قبضے میں کر لے تو اس پر اسکی واپسی واجب ہے اور وہ اس وقت تک بری الذمہ نہیں ہو گا جب تک مذکورہ چیز اپنے مالک یا اس کے قائم مقام کے پاس پہنچ نہیں جاتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ " یہاں تک کہ وہ اس کی ادائیگی کر دے" اور

حضرت سمرہؓ کی حدیث کے حوالے:- سنن ابی داؤد ۳۵۶۱' سنن ابن ماجہ ۲۴۰۰' مسند احمد ج ۵ ص ۸' ۱۲' ۱۳' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۶۲' سنن کبری ج ۶ ص ۹۰' ۹۵' ج ۸ ص ۲۷۶' فتح الباری ج ۵ ص ۲۴۱' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۲۶' مشکوۃ المصابیح ۲۹۵۰' تلخیص الحبیر ۳۷۰' ص ۵۳' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۲۵۲' نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۷۶' ج ۴ ص ۱۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۴۶' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۰ ' کشف الخفاء ج ۲ ص ۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادائیگی درج بالا صورت میں ہی متحقق ہو گی - آپؐ کا یہ ارشاد غصب ' ودیعت اور عاریت سب کو عام ہے۔ عاریت کے باب میں اس کا ذکر اس بنا پر ہے کہ یہ اسے بھی شامل ہے - بعض دفعہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ عاریت مستعیر (عاریت لینے والے) کے زیر ضمانت ہوتی ہے (یعنی ضیاع کی صورت میں اسے اس کا تاوان بھرنا پڑے گا---- مترجم) اس بارے میں تین اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ مطلقاً قابل تاوان ہے - حضرت ابن عباسؓ' زید بن علی ' عطاء ' امام احمد ' اسحاق اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے اور اس کی بنیاد زیر نظر حدیث ہے - اگلی حدیث بھی اسی کے ہم معنی ہے- دوسرا قول الھادی اور ان کے ہم خیال دیگر اصحاب کا ہے - وہ یہ کہ عاریت کا تاوان صرف اسی صورت میں واجب ہو گا جب اسکی شرط عائد کی گئی ہو گی۔ انہوں نے حضرت صفوانؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے ' اس پر گفتگو آگے آئے گی - تیسرا قول حسن بصری ' امام ابو حنیفہ اور کچھ دیگر اصحاب کا ہے کہ عاریت ناقابل تاوان ہے خواہ اسے زیر ضمانت کیوں نہ دیا گیا ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " عاریت لینے والا اگر خائن نہ ہو اور ودیعت رکھنے والا اگر خائن نہ ہو تو ان پر کوئی تاوان نہیں۔" دار قطنی اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے اس حدیث کی تخریج کر کے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور شریح پر اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے -

حدیث میں مذکور لفظ (المغل) حرف میم پر پیش اور حرف غین کے ساتھ ہے۔ اس کا مصدر اغلال ہے "النھایہ" کے اندر مذکور ہے کہ "اگر وہ عاریت اور ودیعت میں خیانت نہ کرے تو اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہو گا۔" اغلال کے معنی خیانت کے ہیں۔ ایک قول کے مطابق "المغل" "المستغل" کے معنوں میں ہے اور اس سے قابض مراد ہے کیونکہ قبضے کی وجہ سے وہ مستغل (فائدہ اٹھانے والا) بن جاتا ہے۔ تاہم پہلا قول اولی ہے۔ اس صورت میں اس کے ذریعے کوئی حجت قائم نہیں ہو گی۔ اگر اس حدیث کا مرفوع ہونا درست بھی ہو جائے تو بھی اس کے ذریعے کسی حجت کا قیام نہیں ہو گا کیونکہ مراد یہ ہو گی کہ مستعیر ہونے کی حیثیت سے اس پر تاوان لازم نہیں آئے گا اس لئے کہ اگر وہ تاوان کا التزام کرے گا تو اس پر تاوان لازم ہو جائے گا۔ زیر نظر حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "ہاتھ کے ذمہ وہ چیز ہے جو اس نے لی یہاں تک کہ وہ اس کی ادائیگی کردے۔" سے لوگ تضمین (کسی کو ضامن بنانے) پر اکثر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ اس میں اس امر پر صریحاً کوئی دلالت نہیں ہے اس لئے کہ دیانتدار ہاتھ پر بھی لی ہوئی چیز کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ وہ اس کی ادائیگی کر دے۔ اسی بنا پر ہم نے کہا ہے "بعض دفعہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے" (دیکھئے درج بالا عبارت) اب عاریت کا تاوان بھروانے کے حق تاوان میں صرف حضرت صفوانؓ کی حدیث باقی رہ جاتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:" قابل تاوان عاریت" اس میں عاریت کو مضمونہ (قابل تاوان) کی صفت کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موصوف کیا گیا ہے جس میں یہ احتمال ہے کہ یہ صفت وضاحت بیان کرنے کے لئے ہے اور مراد یہ ہے کہ عاریت ایسی چیز ہے جس کی حیثیت تاوان والی ہے۔ اس صورت میں تاوان پر اس کی مطلقاً" دلالت ہو گی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مذکورہ صفت تقیید کے لئے ہو - یہی احتمال زیادہ واضح ہے کیونکہ یہ صفت تاسیس (ایک نئی بات پیدا کرنے) کے لئے ہے - دوسری وجہ یہ ہے کہ تقیید کے لئے صفت کثرت سے آتی ہے - پھر آپؐ کے مذکورہ ارشاد کا ظاہری معنی یہ ہے کہ آپؐ کی اس سے مراد یہ تھی کہ " یہ ایسی عاریت ہے جس کی ہم نے تمہارے لئے ضمانت دی ہے۔" اس صورت میں احتمال ہو گا کہ تاوان لازم ہے اور یہ احتمال بھی ہو گا کہ تاوان لازم نہیں ہے بلکہ یہ ایک وعدے کی طرح ہے۔ لیکن یہ ایک بعید احتمال ہے' اس لئے زیر نظر حدیث کے ذریعے ان لوگوں کی دلیل مکمل ہوجائے گی جو عاریت کے قابل تاوان ہونے کے قائل ہیں۔ یہی بات زیادہ واضح ہے۔ قابل تاوان تضمین (ضامن بنانے) کی صورت میں ہونا یا تو عاریت کے مالک کی طرف سے تضمین کے مطالبہ کے ذریعے ہو گا یا مستعیر کی طرف سے رضاکارانہ طور پر کسی کو ضامن بنانے کے ذریعے ہو گا۔

۲/۸۳۸ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَأَبُو دَاوُدَ وَحَسَّنَهُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَاسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ الرَّازِي، وَأَخْرَجَهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحُفَّاظِ. وَهُوَ شَامِلٌ لِلْعَارِيَّةِ(۱).

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امانت اس شخص تک پہنچا دو جس نے تمہیں امین بنایا۔ اور جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔" امام ترمذی اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور اسے حسن کہا ہے (حسن وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو لیکن ایسے عادل راویوں کے ذریعے منقول ہو جن کا حافظہ کچھ کمزور ہو اور شذوذ سے پاک ہو --مترجم) حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابو حاتم رازی نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے اسے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور یہ عاریت کو شامل ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ترمذی ۱۲۶۴' سنن ابی داؤد ۳۵۳۴' مسند احمد ۳ ص ۴۲۴' سنن کبری ج ۱۰ص ۲۷۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۶' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۵' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۳۴' ج ۸ ص ۱۵۰' المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۷۱' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۰۶' مشکوٰۃ المصابیح ۲۹۳۴' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۱۹' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴۵' میزان الاعتدال الا ۴۰۲۶' لسان المیزان ج ۴ ص ۴۳۷' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۱۴' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۵' مکارم الاخلاق ص ۳' التاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۳۶۰' تفسیر طبری ج ۵ ص ۹۳' مشکل الاثار ج ۲ ص ۳۳۸' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۹۳' الاحادیث المختارہ ۴۲۴' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۱۰۲' ۱۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) اور ودیعت وغیرہ کو بھی شامل ہے نیز یہ کہ ادائے امانت واجب ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے (ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا۔ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکان کو ادا کرو --- سورہ نساء آیت ۵۸)

حضور کا ارشاد" جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔" اس بات کی دلیل ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا جائے۔' جمہور نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے کیونکہ دو آیات اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں - پہلی آیت ہے (وجزاء سیئہ سیئہ مثلھا اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے ---سورہ شوری آیت ۴۰)۔ دوسری آیت ہے (وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ اور اگر تم سزا دو تو اس جیسی دو جو تمہیں دی گئی --- سورہ نحل آیت ۱۲۶) یہ صورت مسئلہ ظفر کے نام سے مشہور ہے (یعنی ہاتھ آجانے کا مسئلہ) اس کے متعلق علماء کے چند اقوال ہیں:

پہلا قول یہی جواز کا قول ہے اور یہ امام شافعی کا سب سے مشہور قول ہے - خواہ یہ بدلہ اس چیز کی جنس میں سے ہو جو اس سے لے لی گئی تھی یا اس کی جنس میں سے نہ ہو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا جواز اس وقت ہو گا جب بدلہ لی ہوئی چیز کی جنس میں سے ہو' غیر جنس میں سے نہ ہو کیونکہ ارشاد باری (بمثل ماعوقبتم بہ) نیز (مثلھا) سے یہی بات ظاہر ہے - یہ حنفیہ اور المویدکا مسلک ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ حاکم کے حکم کے بغیر اس کا جواز نہیں ہے ' اس کی بنیاد زیر نظر حدیث میں مذکور نہی کا ظاہری معنی ہے' نیز ارشاد باری ہے (ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل' اپنے اموال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ سورہ بقرہ آیت۱۸۸) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ زیر بحث صورت باطل طریقے سے مال کھانے کی شکل نہیں ہے اور مذکورہ حدیث میں نہی کو تنزیہہ پر محمول کیا جائے گا۔

چوتھا قول ابن حزم کا ہے کہ " مذکورہ شخص پر اپنے حق کے بقدر لے لینا واجب ہو گا خواہ ہاتھ لگنے والی چیز اس کے اپنے مال کی نوع میں سے ہو یا کسی اور نوع کی ہو۔ وہ اسے فروخت کر کے اپنا حق وصول کر لے گا۔ اگر حاصل شدہ چیز اسکے حق سے زائد ہو تو وہ زائد کو اس کے مالک کو یا اسکے ورثاء کو واپس کر دے گا اور اگر کم ہو تو دوسرے فریق کے ذمہ باقی رہ جائے گا - اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اللہ کے ہاں گنہگار ہو گا الایہ کہ وہ اسے بری الذمہ کر کے چھٹکارا دلا دے۔ ایسی صورت میں وہ اجر کا مستحق ہوگا - اگر اس کا حق اس نوعیت کا ہو کہ اس پر کوئی بینہ یعنی گواہی وغیرہ نہ ہو اور پھر اسے حق دبانے والے کا کوئی مال ہاتھ لگ جائے تو وہ اسے لے لے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر اس سے حاصل شدہ چیز کا مطالبہ کیا جائے گا تو وہ انکار کر دے گا اور اگر حلف اٹھوایا جائے گا تو حلف اٹھا لے گا' ایسا کرنے پر وہ ماجور ہو گا"۔ ابن حزم نے مزید کہا ہے کہ یہ امام شافعی اور ابو سلیمان اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ اسی طرح ہمارے نزدیک یہ ہر اس شخص کا حکم ہے جس کے ہاتھ کسی ظالم کا مال آ جائے تو اس پر یہ مال اپنے قابو میں کرنا اور ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانا فرض ہو گا۔" ابن حزم نے مذکورہ بالا دونوں آیتوں نیز درج ذیل آیات سے استدلال کیا ہے: ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئک ما علیهم من سبیل اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے لے تو ایسے ہی لوگ وہ ہیں جن پر گرفت کی کوئی راہ نہیں ہے -- سورہ شوری آیت ۴۱۰) اور: والذین اذا اصابهم البغی وهم ینتصرون اور وہ لوگ جنہیں اگر سرکشی دکھائی جائے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں ------ سورہ شوری آیت ۳۹) نیز فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم۔ جو شخص تمہارے ساتھ زیادتی کرے تو تم بھی اس کے ساتھ اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تمہارے ساتھ کی ہے۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۴) علاوہ ازیں انہوں نے درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ پہلی حدیث کا تعلق حضرت ابو سفیانؓ کی بیوی ہندہ سے ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر اپنے شوہر کی شکایت کی: وہ بڑے کنجوس آدمی ہیں اور مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتے جس سے میرا اور میرے بچوں کا گذارہ ہو سکے۔ پھر انہوں نے آپؐ سے پوچھا کہ اگر میں اپنے شوہر کے مال میں سے کچھ لے لوں تو کیا مجھے کوئی گناہ ہو گا؟ یہ سنکر آپؐ نے فرمایا:" اتنا لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو معروف طریقے سے کافی ہو جائے۔ " اسی طرح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا:" اگر تم کسی قوم کے ہاں اترو اور وہ تمہارے طعام و قیام کا مناسب انتظام کر دیں جس طرح مہمان کے لئے کیا جاتا ہے تو تم انکی مہمانی قبول کر لو اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے مہمان کا حق وصول کر لو۔" ابن حزم نے اس سے اس بنا پر استدلال کیا ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس ارشاد باری کی بنا پر گنہگار ہو گا: وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی

ہندہ کی حدیث کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۷۵' ج ۹ ص ۸۹' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۴۷' سنن ابن ماجه ۲۲۹۳ مسند احمد ج ۶ ص ۳۹' ۵۰' ۲۰۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۹' سنن کبری ج ۷ ص ۴۶۶' ۴۷۷' ج ۷۰' ص ۱۴۱' ۳۷۰' مسند شافعی ۲۶۶' ۲۸۸' مسند حمیدی ۲۴۲' فتح الباری ج ۴ ص ۴۰۵' ج ۹ ص ۵۰۷' ج ۱۳ ص ۱۳۸' ۱۷۱' تغلیق التعلیق ۷۷۰' ارواء الغلیل ۷۷۰ ص ۲۲۷' بدائع ۱۷۲۴' مشکل الاثار ج ۲ ص ۳۳۸' ۳۳۹' مشکواۃ المصابیح ۳۲۴۲' تلخیص الحبیر ۳۷۰' ص ۹۴' ج ۴ ص ۵۲' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۰۴' ج ۹ ص ۹۲۷' طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۷۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۸۴' تہذیب ابن عساکر ج ۶ ص ۴۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الاثم والعدوان (نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی میں تعاون نہ کرو --- سورہ مائدہ آیت نمبر۲) ابن حزم نے مزید کہا ہے کہ: "اگر ایک شخص کا گذر ایسی چیز کے پاس سے ہو جس کے سلسلے میں اس کے ساتھ یا کسی مسلمان یا ذمی کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہوئی ہو اور پھر وہ اس چیز کو ظالم کے ہاتھ سے چھین کر مظلوم تک نہ پہنچائے تو وہ بھی دو میں سے ایک ظالم شمار ہو گا اور یہ تصور ہو گا کہ اس نے اپنے رویے سے نیکی اور تقوی کی خاطر دست تعاون نہیں بڑھایا بلکہ گناہ اور سرکشی میں ہاتھ بٹایا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: "تم میں سے جو شخص کوئی غلط بات دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے بدل ڈالے اگر ایسا کر سکتا ہو۔" بنا بریں جو شخص ظلم کو ختم کرنے اور اسے روکنے اور ہر حقدار کو اس کا حق پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر وہ ایسا نہ کرے تو گویا یہ سمجھا جائے گا کہ اسے منکر یعنی غلط اور ناپسندیدہ چیز کو دور کرنے کی قدرت تھی لیکن اس نے اسے نہیں مٹایا اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔" پھر ابن حزم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کا ذکر کیا اور کہا کہ "یہ طلق بن غنام کی روایت ہے جو انہوں نے شریک اور قیس بن الربیع سے کی ہے۔ اور یہ تمام ضعیف راوی شمار ہوتے ہیں۔" مزید کہا کہ: "اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو واجب حق ہے نیز برائی اور غلط بات کو ٹھکرانا ہے خیانت تو یہ ہے کہ ایک شخص ظلم اور باطل طریقے کے ذریعے اس شخص کے ساتھ بد دیانتی کرے جس کے پاس اس کا کوئی حق دبا ہوا نہیں ہے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ ابن حزم کے موقف کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ: "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم!" مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کا مفہوم تو بالکل واضح ہے اور ظالم کی مدد اس طرح کی جائے گی کہ اسے ظلم کرنے سے باز رکھا جائے گا اور اس دائرے سے نکالا جائے گا۔ وہ اس طرح کہ از روئے ظلم اس نے دیگر افراد کا جو کچھ ہتھیایا ہو گا وہ اس سے لے لیا جائے گا اور حقداروں کو دے دیا جائے گا۔

٨٣٩/٣ - وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أَتَتْكَ رُسُلِي فَأَعْطِهِمْ ثَلَاثِينَ دِرْعاً». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَعَارِيَةً مَضْمُونَةً، أَوْ عَارِيَةً مُؤَدَّاةً؟ قَالَ: «بَلْ عَارِيَةً مُؤَدَّاةً». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

حضرت یعلی بن امیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "جب

حضرت یعلی بن امیہ کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۳۵۶۶، مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۲، نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۷۷، ج ۴ ص ۱۱۷، الاحادیث الصحیحہ ۲۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہارے پاس میرے پیغامبر آئیں تو انہیں تیس زرہیں دے دینا۔" میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! آیا یہ قابل ضمانت عاریت ہو گی یا انہیں واپس کر دیا جائے گا؟" آپ نے فرمایا: "بلکہ یہ قابل واپسی عاریت ہوگی۔" امام احمد' ابو داؤد اور نسائی نے اسکی روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) انہیں یعلی بن منیہ بھی کہا جاتا ہے (میم پر پیش' نون پر زبر اور یائے مشددہ کے ساتھ) یہ ایک مشہور صحابی ہیں۔

قابل تاوان (مضمون) وہ عاریت ہے جو اگر تلف ہو جائے تو اسکی قیمت کے ذریعے اس کا تاوان بھرا جائے گا اور قابل واپسی (موداۃ) وہ عاریت ہے جس کی واپسی واجب ہو اور بقائے عین بھی رہے۔ اگر یہ تلف ہو جائے تو اسکی قیمت کے ذریعے تاوان نہیں بھرا جائے گا۔ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ عاریت قابل تاوان نہیں ہے مگر صرف اس صورت میں جب کہ اس کا کسی کو ضامن مقرر کر دیا جائے اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ یہی سب سے واضح قول ہے۔

٨٤٠/٤ - وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ مِنْهُ دُرُوعاً يَوْمَ حُنَيْنٍ. فَقَالَ: أَغَصْبٌ يَا مُحَمَّدُ؟ قَالَ: «بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَأَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۱).

وَأَخْرَجَ لَهُ شَاهِداً ضَعِيفاً عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ حنین کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ زرہیں مستعار مانگیں۔ انہوں نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ غصب کے طور پر ہو گا؟" آپ نے جواب میں فرمایا: "نہیں' بلکہ قابل تاوان عاریت ہو گی۔" ابو داؤد' امام احمد اور

حضرت صفوان کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۳۵۶۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۱' ج ۶ ص ۶۵؛ سنن کبری ج ۶ ص ۸۹' ۹۰' ج ۷ ص ۱۸' مشکوۃ المصابیح ۲۹۵۵' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۵۳' نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۷۷' ج ۴ ص ۱۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسائی نے اسکی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے اسکے ایک کمزور شاہد کی روایت کی ہے۔

(ا) یہ قریشی ہیں اور اشراف قریش میں سے ہیں۔ فتح مکہ کے موقعہ پر فرار ہو گئے تھے' پھر انکے لئے امان حاصل کر لی گئی تو واپس آ گئے۔ غزوہ حنین اور طائف کے موقعہ پر حالت کفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ پھراسلام لے آئے اور بڑی اچھی اسلامی زندگی گذاری۔

(ا) (شاہد اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں اس کے راویوں کی حدیث فرد کے راویوں کے ساتھ لفظی اور معنوی یا صرف معنوی طور پر مشارکت ہو جائے لیکن صحابی میں اختلاف ہو۔۔۔۔ مترجم) زیر نظر حدیث کے شاہد کے الفاظ یہ ہیں: " نہیں' بلکہ قابل واپسی عاریت ہوگی"۔ عاریت کے طور پر لی جانے والی زرہوں کی تعداد کے بارے میں کئی روایات ہیں۔ابو داؤد کی روایت میں تیس سے چالیس کے مابین تعداد بتائی گئی ہے۔ بیہقی کی مرسل روایت میں بھی اسی (۸۰) بیان کی گئی ہے۔ حاکم نے حضرت جابرؓ سے جو روایت کی ہے اس میں ہے کہ ایک سو زرہیں اور ساتھ انہیں درست کرنے کے اوزار بھی تھے۔ امام احمد اور نسائی کی بیان کردہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ کچھ زرہیں گم ہو گئیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کو انکے تاوان کی پیشکش کی ' انہوں نے جواب میں کہا کہ:"اللہ کے رسول' آج مجھے اسلام لے آنے میں دلچسپی ہے۔"

حدیث میں لفظ (مضمونہ' قابل تاوان) پر بحث گذر چکی ہے اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ صفت کی اصل تقیید ہے (یعنی یہ ماقبل کے لئے قید ہوتی ہے) اور صفت اکثر تقیید کے لئے آتی ہے' اس طرح یہ لفظ تضمین (ضامن مقرر کرنے) کے ذریعے عاریت کے قابل تاوان ہونے کی دلیل ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ۔ یہ لفظ قابل احتمال نہیں ہے بلکہ ایک قول کے مطابق مجمل ہے۔ یہ بات شارح نے کہی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۔ باب الغصب

۱/۸۴۱ ۔ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنِ اقْتَطَعَ شِبْراً مِنَ الْأَرْضِ ظُلْماً طَوَّقَهُ اللَّهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے ازروئے ظلم ایک بالشت زمین بھی لے لی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں کا طوق پہنائے گا۔ (متفق علیہ)

(۱) حدیث کے لفظ اقتطع کے معنی ہیں "لے لی" یہ صحیحین کا لفظ ہے۔

(۲) طوق پہنانے کے مفہوم میں اختلاف رائے ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا مفہوم ہے کہ اسے سات زمینوں تک دھنسا دینے کے ذریعے سزا دی جائے گی اور پھر ایسی حالت کے اندر ہر زمین اس کے لئے طوق بن جائے گی۔

اس کی تائید حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ: "اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔" دوسرے قول کے مطابق اس نے ظلم کے تحت زمین کا جو قطعہ لے لیا ہو گا قیامت کے دن اس قطعے کو اٹھا کر میدان حشر تک لے جانے کا اسے مکلف بنایا جائے گا اور اس طرح یہ قطعہ اسکے گلے میں طوق کی طرح ہو گا' حقیقت میں طوق نہیں ہوگا۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ: "جو شخص بھی ظلم کے تحت ایک بالشت زمین حاصل کرے گا' اللہ تعالیٰ اسے مجبور کرے گا کہ وہ اسے کھودے' یہاں تک کہ یہ کھدائی ساتوں زمینوں کے پاتال تک پہنچ جائے' پھر اسے طوق بنا کر اسکے گلے میں ڈالا جائے گا اور لوگوں کے درمیان فیصلے ہونے تک وہ اسی حالت میں رہے گا(۲)"۔

طبرانی اور ابن (۳) حبان نے حضرت یعلی بن مرہ سے مرفوعاً" اس کی روایت کی ہے۔ امام احمد اور

---

(۱) حضرت سعید بن زید کی حدیث کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۱۳ من المظالم' مسلم شریف حدیث ۱۳۷ من السا قاۃ' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۲' سنن کبری ج ۶ ص ۹۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷۹' المستدرک ج ۴ ص ۲۹۶'

طبرانی اور ابن حبان کی حدیث " جو شخص بھی ظلم کے تحت ایک بالشت زمین لے گا..... الخ" کے حوالے :۔ مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۳' مشکوۃ المصابیح ۲۹۹۰' فتح باری ج ۵ ص ۱۰۴ موارد الظمان ۱۱۶۷' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۵

طبرانی اور ابن حبان کی حدیث " جو شخص کوئی زمین ناحق ہتھیا لے..... الخ" کے حوالے :۔ مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۲' ۱۷۳' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۶۵' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷۵' مشکوۃ المصابیح ۱۹۵۹' کنزا لعمال ۱۵۰۳۵ ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طبرانی کی روایت ہے: "جو شخص کوئی زمین ناحق ہتھیا لے اسے اس کی مٹی میدان حشر تک لے جانے کا مکلف بنا دیا جائے گا۔" اس میں دو قول اور بھی ہیں۔ زیر نظر حدیث غصب اور ظلم کی تحریم اور اس کی سزا کی شدت نیز زمین کے غصب کے امکان کی دلیل ہے نیز یہ کہ یہ فعل کبیرہ گناہ ہے اور یہ بھی کہ جو شخص کسی قطعہ زمین کا مالک بن جاتا ہے وہ اسکے پاتال تک کا مالک قرار پاتا ہے اور اسے حق حاصل ہوتا ہے کہ اپنی مملوکہ زمین سے زمین دوز نالی بنانے یا کنواں کھودنے کا ارادہ رکھنے والے کو اسکے ارادے سے روکدے نیز یہ کہ جو شخص کسی قطعہ زمین کی سطح کا مالک ہو جائے تو وہ اس کے اندرونی حصے کا بھی مالک ہو جائے گا اور اس میں موجود پتھروں 'عمارتوں اور معدنیات وغیرہ تمام چیزوں کا مالک بن جائے گا۔ اسے یہ بھی اختیار ہو گا کہ اپنی مملوکہ زمین کی کھدائی جہاں تک نیچے لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کھدائی سے اسکے پڑوسیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے ۔ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ساتوں زمینیں تہہ بہ تہہ ہیں اور کہیں سے بھی ایک دوسری سے علیحدہ نہیں ہیں اس لئے کہ اگر ان تہوں کے درمیان خلا ہوتا تو قطعہ زمین کے غاصب کے حق میں صرف اسی کا طوق پہنا دینا کافی ہوتا کیونکہ یہ مغصوبہ زمین نچلی زمینوں سے جدا ہوتی ۔

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ قطعہ زمین پر قبضہ اور غلبہ کے ساتھ ہی وہ مغصوبہ بن جاتی ہے۔ اگر ایسی زمین تلف ہو جائے تو کیا اس کا تاوان لیا جائے گا ؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا کیونکہ تاوان اس چیز کا ہوتا ہے جسے لے لیا گیا ہو اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : "ہاتھ پر اس چیز کی ذمہ داری ہو گی جو اس نے لے لی ہو یہاں تک کہ وہ اس کی ادائیگی کردے"۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ غیر منقولہ پر قبضے کے ثبوت کو منقولہ چیز کی نقل مکانی پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تصرف کے اندر یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ جمہور کا مسلک ہے کہ غصب کی وجہ سے مذکورہ زمین کا تاوان لیا جائے گا۔ اسے منقولہ چیز پر قیاس کیا گیا ہے جس کے متعلق اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اسکی منتقلی کے بعد تلف ہو جانے کی صورت میں اس کا تاوان وصول کیا جائے گا ۔ دونوں میں علت استیلاء یعنی قبضہ اور غلبہ ہے۔ منقولہ چیز میں یہ غلبہ اسکی نقل مکانی کے ذریعے وجود میں آجاتا ہے اور غیر منقولہ میں قبضے کے ثبوت کے ذریعے بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ ہاتھ ہی استیلاء ہے یعنی قبضہ ہی غلبے کا دوسرا نام ہے خواہ اسے دوسری جگہ منتقل نہ بھی کیا جائے۔ محاورہ بھی اس طرح ہے کہ کہا جاتا ہے: "استولی الملک علی البلد' استولی زید علی ارض عمرو۔" (بادشاہ کا شہر پر استیلاء یعنی قبضہ ہو گیا اور زید عمرو کی زمین پر مستولی یعنی قابض ہو گیا۔) کے بعض طرق میں (شبرا"۔ بالشت) کی بجائے (شیا" 'کوئی چیز) کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ عام ہے۔ تاہم فقہاء کا کہنا ہے کہ مغصوب کا کوئی قیمت والی چیز ہونا ضروری ہے۔ ان کے اس قول سے انکے خلاف یہ بات لازم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ جاتی ہے کہ ایسی صورت میں تو ایک شخص ایک صاع کھجور یا کشمش ایک ایک دانہ کر کے کھا جائے گا لیکن اس پر تاوان نہیں پڑے گا اور اس طرح وہ ساری زندگی حرام مال کھاتا رہے گا لیکن تاوان نہیں دے گا اگرچہ گنہگار ٹھہرے گا' جس طرح مثلاً وہ روٹیوں اور گوشت کے ڈھیر پر غلبہ حاصل کئے بغیر اور ان پر قبضہ جمائے بغیر ایک ایک لقمہ کر کے کھاتا جائے تو فقہاء کے اصول کے مطابق وہ غاصب نہیں ہو گا اور نہ ہی اس پر تاوان آئے گا۔

٨٤٢/٢ - وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ. فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَ خَادِمٍ لَهَا بِقَصْعَةٍ فِيهَا طَعَامٌ. فَضَرَبَتْ بِيَدِهَا. فَكَسَرَتِ الْقَصْعَةَ. فَضَمَّهَا، وَجَعَلَ فِيهَا الطَّعَامَ، وَقَالَ: «كُلُوا». وَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيحَةَ لِلرَّسُولِ، وَحَبَسَ الْمَكْسُورَةَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ. وَسَمَّى الضَّارِبَةَ عَائِشَةَ، وَزَادَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «طَعَامٌ بِطَعَامٍ، وَإِنَاءٌ بِإِنَاءٍ» وَصَحَّحَهُ(۱).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک زوجہ محترمہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ اس دوران ایک دوسری ام المومنین نے اپنے ایک خادم کے ہاتھ پیالے میں کھانے کی چیز رکھ کر پیالہ آپؐ کے پاس بھیجا۔ زوجہ محترمہ نے اس پر ہاتھ مارا اور پیالہ توڑ ڈالا۔ آپؐ نے پیالے کے ٹکڑے اکٹھے کر کے انہیں جوڑ دیا اور کھانے کی چیز اس میں رکھ کر فرمایا: "کھاؤ" اور پھر ایک صحیح سالم پیالہ نوکر کے حوالے کر دیا اور ٹوٹے ہوئے پیالے کو اپنے پاس رکھ لیا۔" امام بخاری اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور پیالہ توڑنے والی ام المومنین کا نام لیا ہے۔ یہ حضرت عائشہؓ تھیں۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "طعام کے بدلے طعام اور برتن کے بدلے برتن" امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) ابن حزم نے ان کا نام بتایا ہے یہ حضرت زینب بنت جحش تھیں۔

(۲) مصنف نے کہا ہے کہ انہیں اس خادم کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

اسی قسم کا واقعہ حضرت ام سلمہؓ کے ایک بڑے چوڑے پیالے کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا ہوا تھا۔ اس

---

(۱) حضرت انس کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف باب ۳۴ من المظالم ' باب۱۰۷ من النکاح ' سنن ابی داؤد ۳۵۶۷' سنن ترمذی ۱۳۵۹' فتح الباری ج ۵ ص ۱۲۴' ج ۹ ص ۳۲۰'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی روایت امام نسائی نے حضرت ام سلمہؓ سے کی ہے کہ" وہ ایک بڑے چوڑے پیالے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے لئے کھانے کی چیز ڈال کر لائیں۔ اتنے میں حضرت عائشہؓ ایک چادر میں لپٹی ہوئی آئیں۔ انکے ہاتھ میں ہتھیلی کی مقدار ایک چھوٹا پتھر تھا۔ انہوں نے اسے پیالے پر دے مارا اور پیالہ پھٹ گیا (تا آخر حدیث)

اسی طرح کا واقعہ حضرت حفصہؓ کے ساتھ پیش آیا تھا اور حضرت عائشہؓ نے برتن توڑ ڈالا تھا۔" حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت صفیہؓ کا بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا تھا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص غیر کی کوئی چیز خرچ یا ضائع کر دے گا اس سے اس کی مثل تاوان کے طور پر وصولی کی جائے گی۔ اناج وغیرہ مثلی اشیاء میں یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

جن چیزوں کا قیمت سے تعلق ہے یعنی ان کے متعلق تین اقوال ہیں: پہلا قول امام شافعی اور اہل کوفہ کا ہے کہ اس میں مثل واجب ہو گی خواہ صرف شدہ چیز جانور ہو یا کوئی اور چیز اور قیمت صرف اس صورت میں کفایت کرے گی جب مثل معدوم ہو۔

دوسرا قول ہادویہ کا ہے کہ قیمت سے تعلق رکھنے والی چیز کا تاوان اس کی قیمت کے ذریعے وصول کیا جائے گا۔ امام مالک اور حنفیہ کا قول ہے کہ جس چیز کا لین دین ناپ یا وزن کے ذریعے ہو (یعنی وہ مکیلات یا موزونات میں سے ہو) اس کا تاوان اس کی مثل کے ذریعہ لیا جائے گا اور اس کے سوا باقی ماندہ تمام اشیاء مثلاً اسباب اور حیوانات وغیرہ کا تاوان قیمت کے ذریعے لیا جائے گا۔ امام شافعیؒ اور انکے ہمنواؤں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ: "برتن کے بدلے برتن اور طعام کے بدلے طعام" نیز ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ " جو شخص کوئی چیز توڑ ڈالے وہ اسکی ہوگی اور اس پر اس کی مثل دینا واجب ہو گا۔"(۱) دار قطنی میں متن کی حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: "یہ فیصلہ ہوگیا" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر اس چیز کے بارے میں یہ عام حکم ہو گیا جس پر مذکورہ صورت کی طرح کوئی صورت گذری ہو۔ اس تشریح سے ان حضرات کی رائے کی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ: "یہ ایک خاص فیصلہ تھا اور اس میں عموم نہیں تھا۔" اگر بات ایسی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد" برتن کے بدلے برتن اور طعام کے بدلے طعام" دلیل کے لئے کافی ہوتا علاوہ ازیں آپؐ کی طرف سے طعام کا ذکر ایک عام قانون بنانے کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس لئے کہ اس واقعہ میں طعام کا تو کوئی تاوان نہیں تھا بلکہ برتن کا تاوان تھا۔ آپؐ کی طرف سے جو طعام

---

(۱) ابن ابی حاتم کی روایت کے حوالے:۔ فتح الباری ج ۵ ص ۱۲۶' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۴۰۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برتن میں ڈال کر دیا گیا تھا وہ دراصل آپؐ کا دیا ہوا ہدیہ تھا' کیونکہ مثل کے معدوم ہونے کی صورت میں تاوان وصول کرنے والے کو اختیار ہوتا ہے کہ مثل کے وجود میں آنے تک وہ تاوان کے معاملے کو یونہی رہنے دے یا پھر اس کی قیمت وصول کر لے۔

"البحر" وغیرہ میں قیمت کے وجوب کے قائلین کے حق میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جس نے مشترکہ غلام کے اندر اپنے حصے کو آزاد کر دیا تھا' یہ فیصلہ سنایا تھا کہ باقی ماندہ غلام کی قیمت لگا کر اس سے یہ قیمت وصول کی جائے اور پھر اس کے شریک کے حوالے کر دی جائے۔ ان حضرات کے قول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت کا فیصلہ سنایا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مشترکہ غلام کے اندر اپنے حصے کو آزاد کر دینے والے نے نہ تو کوئی چیز صرف کی تھی' نہ کوئی چیز غصب کی تھی اور نہ ہی سرے سے کوئی زیادتی کی تھی بلکہ اپنا حصہ آزاد کر دیا تھا جسے آزاد کرنے کی اللہ کی طرف سے اسے اجازت و اباحت تھی۔ پھر دلیل دینے والے کے خیال میں اس واقعہ کے اندر صرف ہو جانے والی چیز مذکورہ غلام کا آزاد شدہ حصہ تھا۔ اب ایک حصے کو دوسرے حصے کے بالمقابل پیش کرنا ذرا بعید بات ہے۔ اس لئے نقد رقم دل کو زیادہ لگنے والی بات تھی اور تنازعہ پیدا ہونے کا امکان بھی' اس لئے یہاں قیمت کی بات کی گئی۔ علاوہ ازیں لغت کے اندر تقویم کا لفظ مثل یا قیمت دونوں کے ذریعے مقدار کے تعین کو شامل ہے۔ لغت کے اس عموم کو اصطلاح کے اندر قیمت کے ساتھ خاص کر دیا ہے' جب کہ شارع کے کلام کی تفسیر لغت کے حوالے سے ہو سکتی ہے' بعد میں بنائی جانے والی اصطلاح کے حوالے سے نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ پیالے کے ٹکڑوں کو اسی گھر میں رکھ لیا تھا جہاں یہ پیالہ ٹوٹا تھا' اس سے حنفیہ اور ہادویہ کے حق میں استدلال کیا گیا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ غصب شدہ چیز کا اگر نام یا اس کا اکثر فائدہ غاصب کے فعل کی وجہ سے زائل ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ غاصب کی ملکیت بن جاتی ہے۔

ابن حزم نے کہا ہے: "ظالموں کو لوگوں کے اموال ہڑپ کرنے کی تعلیم و ترغیب مذکورہ بالا استدلال سے بڑھ کر کسی اور چیز کے ذریعے نہیں دی جا سکتی۔ اس استدلال کے نتیجے میں ہر فاسق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ: "کسی یتیم یا کسی اور کی گندم ہتھیانے یا اس کی بھیڑ بکریاں ہضم کرنے یا اسکے کپڑوں کو اپنے لئے حلال کرنے کا اگر تم ارادہ کرو تو اس کے لئے طریقہ یہ اختیار کرو کہ مالک کے علی الرغم اسکی گندم لے کر پسائی کرا لو' اس کی بھیڑ بکری ذبح کر کے گوشت پکا لو اور اسکے کپڑوں کے کئی ٹکڑے کر لو۔ یہ سب چیزیں تمہارے لئے حلال اور طیب ہو جائیں گی اور تم پر صرف انکی قیمت لازم آئے گی۔" حالانکہ یہ بات صریحاً قرآن کے خلاف ہے جس میں باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کی ممانعت کی گئی ہے' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مروی اس متواتر حدیث کے بھی خلاف ہے کہ :" تمہارے اموال تم پر حرام ہیں "۔

جو لوگ زیر بحث پیالے کے واقعہ میں دیئے جانے والے فیصلے کے خلاف ہیں ' جس پر بحث پہلے گذر چکی ہے' وہ بکری والے مشہور واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی اور بتایا کہ اس نے دعوت کے لئے ایک بکری خریدنے کا ارادہ کیا تھا لیکن بکری دستیاب نہیں ہوئی' مجبور ہو کر اپنی پڑوسن سے کہا کہ تم اپنے شوہر کی بکری مجھے بھیج دو' چنانچہ پڑوسن نے مذکورہ بکری اسے بھیج دی۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس بکری کا گوشت جنگ میں پکڑے جانے والے قیدیوں کو کھلا دیا جائے۔ ان حضرات نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب بکری پکائی گئی تو اس سے اس کے مالک کا حق ساقط ہو گیا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اول تو یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اگر صحیح قرار پائے تو یہ انھی کے خلاف حجت بن جائے گی ' کیونکہ یہ بات خود ان کے اپنے اصول کے خلاف ہے ' اس لئے کہ اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا گوشت اس خاتون کی ملکیت میں رہنے نہیں دیا جس نے بکری کے مالک کی اجازت کے بغیر یہ بکری لے لی تھی ' جب کہ ان حضرات کے قول کے مطابق یہ گوشت غاصب کا ہونا چاہئے تھا ' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غاصب خاتون کی اجازت کے بغیر مغصوبہ بکری کا یہ گوشت صدقہ کر دیا ۔ قیدیوں کو دی جانے والی بکری کی روایت پر ہم نے " منحۃ الغفار" کے اندر مفصل بحث کی ہے۔

۸۴۳/۳ - وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ، وَلَهُ نَفَقَتُهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَيُقَالُ إِنَّ الْبُخَارِيَّ ضَعَّفَهُ(۱).

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جس شخص نے کسی قوم کی زمین پر انکی اجازت کے بغیر کاشت کی اسے اس کاشت سے کچھ حاصل نہیں ہوگا' اسے صرف کاشت کا خرچہ ملے گا۔" امام احمد اور نسائی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔

---

(۱) حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد باب ۳۳ من البیوع ' سنن ترمذی ۱۳۶۶' سنن ابن ماجہ ۲۴۶۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱' سنن کبری ج ۶ ص ۱۳۶' ۱۳۷' مشکوۃ المصابیح ۲۹۷۹' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۴ ص ۳۳۹' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۳۱' مشکل الاثار ج ۳ ص ۲۸۰' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۵۴' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۳۵۰' تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۴۸' علل الحدیث ۱۴۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور ایک قول کے مطابق امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے (متصل سند والی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں جو کچھ کمزور حافظہ رکھنے والے راویوں کے واسطے سے منقول ہو ---- مترجم)

(۱) امام بخاری کی طرف سے اس بات کا ذکر خطابی نے کیا ہے' لیکن ترمذی نے خطابی کے برعکس امام بخاری سے اس حدیث کی تحسین نقل کی ہے یعنی انہوں نے اسے حسن کہا ہے۔ البتہ ابو زرعہ اور دیگر حضرات نے اس کی سند پر یہ تنقید کی ہے کہ ابن ابی رباح نے حضرت رافع بن خدیج سے سماع نہیں کیا تھا' حفاظ حدیث کے مابین اسکے متعلق بہت زیادہ اختلاف رائے ہے۔ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں جن سے اسکی تقویت ہوتی ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر زمین کا غاصب اس پر کوئی فصل کاشت کرے تو وہ اس فصل کا مالک نہیں بنے گا بلکہ یہ فصل زمین کے مالک کی ہو گی اور غاصب کو کاشت کا خرچہ اور بیج کی قیمت مل جائے گی۔ امام احمد' امام مالک اور اسحاق کا یہی مسلک ہے۔ اکثر علمائے مدینہ اور قاسم بن ابراہیم کا یہی قول ہے۔ ابن حزم کا مسلک بھی یہی ہے۔ یہ حدیث انکی دلیل ہے کہ "کسی ظالم جڑ اور اصل کا کوئی حق نہیں ہوتا۔" اس حدیث پر بحث آگے آ رہی ہے۔ کیونکہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص کسی غیر کی زمین میں ناحق اور بغیر شبہ کے شجر کاری کرے یا فصل بوئے یا عمارت بنائے یا نکھدائی کرے' امت کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ مغصوبہ زمین پر پیدا ہونے والی فصل بیج کے مالک یعنی غاصب کو ملے گی اور اس پر زمین کی اجرت لازم آئے گی۔ ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ: "فصل تو فصل کاشت کرنے والے کی ہوتی ہے' خواہ وہ غاصب ہی کیوں نہ ہو۔" تاہم اس حدیث کی کسی نے بھی تخریج نہیں کی ہے۔ "المنار" کے اندر اسکے مصنف نے لکھا ہے کہ "میں نے یہ حدیث بہت تلاش کی لیکن مجھے نہیں ملی۔" شارح نے یہ حدیث نقل کر کے اسکے حوالے کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔ انہوں نے حدیث "ظالم جڑ اور اصل کا کوئی حق نہیں ہوتا" سے بھی استدلال کیا ہے' اس پر بحث آئے گی' یہ حدیث پہلے قول کے قائلین کے حق میں استدلال کے لئے زیادہ واضح ہے۔

٨٤٤/٤ - وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَرْضٍ، غَرَسَ أَحَدُهُمَا فِيهَا نَخْلًا وَالْأَرْضُ لِلْآخَرِ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَرْضِ لِصَاحِبِهَا، وَأَمَرَ صَاحِبَ النَّخْلِ أَنْ يُخْرِجَ نَخْلَهُ وَقَالَ: «لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ(۱).

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَآخِرُهُ عِنْدَ أَصْحَابِ السُّنَنِ مِنْ رِوَايَةِ عُرْوَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، وَاخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ وَإِرْسَالِهِ، وَفِي تَعْيِينِ صَحَابِيِّهِ.

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے بتایا کہ دو آدمی ایک زمین کے بارے میں اپنا جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے اس پر کھجور کے پودے لگانے والے کو یہ پودے اکھاڑ لینے کا حکم دیا۔ ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور اسکی اسناد حسن ہے۔ اصحاب سنن کے نزدیک اس حدیث کا آخری حصہ عروہ سے مروی ہے اور انہوں نے سعید بن زید سے اس کی روایت کی ہے ' اس حدیث کے متصل اور مرسل ہونے اور اسکے راوی صحابی کی تعیین کے اندر اختلاف ہے۔

(۱) لعرق ظالم ۔ یہ ترکیب اضافی بھی ہو سکتی ہے اور ترکیب توصیفی بھی ۔ خطابی نے ترکیب اضافی پر نکیر کی ہے۔

(۲) ابو داؤد نے حضرت عروہؒ کے طریق سے اسکی مرسل روایت کی ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت کے تحت ایک اور طریق سے اسکی متصل روایت کی ہے: اس میں ہے: " نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا' اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ مذکورہ شخص حضرت ابو سعیدؓ ہیں۔ "

اس باب میں حضرت عائشہ سے بھی حدیث مروی ہے۔ اسکی تخریج ابو داؤد لسی نے کی ہے۔ اسی طرح ابو داؤد اور بیہقی نے حضرت سمرہؓ سے اور طبرانی نے حضرت عبادہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے اس باب میں احادیث نقل کی ہیں۔ "ظالم جڑ" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کسی قطعہ زمین پر شجرکاری کرکے اس پر اپنا حق جما دے۔ امام مالک نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد: " ہر وہ چیز ہے جو ناحق لے لی جائے ' ناحق کھدائی کی جائے اور ناحق شجرکاری کی جائے۔ " ربیعہ کا قول ہے کہ: "ظالم جڑ ظاہر میں بھی ہوتی ہے اور باطن میں بھی ۔ باطن یہ ہے کہ کوئی شخص کنواں کھو دے یا کھدائی کر کے معدنیات نکال لے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ کوئی عمارت بنا لے یا کوئی شجرکاری کر لے۔" ایک اور قول ہے :ظالم وہ شخص ہے جو کسی اور کی زمین میں ناحق اور کسی شبہے کے بغیر کوئی عمارت بنا لے یا فصل کاشت کر لے یا کھدائی کر لے۔

یہ بات تمام تفسیر میں مفہوم کے اعتبار سے قریب ہے ' اور اس بات کی دلیل ہے کہ غیر کی زمین میں کاشت کرنے والا ظالم ہوتا ہے اور کاشت شدہ فصل پر اس کا کوئی حق نہیں ہوتا' البتہ اسے یہ اختیار ہو گا کہ یا تو

---

(۱) حضرت عروہؒ کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد باب ۳۷ من الخراج' سنن ترمذی ۱۳۷۸' سنن کبری ج ۶ ص ۹۹' ۱۴۳' ۱۴۸' ۱ معجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۱۴' ج ۱۹' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷۴' تخلیق التعلیق ۸۱۹' مسند شافعی ۲۴۴' ۳۸۲' معانی الاثار ج ۴ ص ۱۱۸' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۵۴' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۶' ج ۴ ص ۲۲۷' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۴۱' الاحادیث الضعیفہ ۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی فصل اکھاڑ کر زمین خالی کر دے یا پھر فصل مالک کے لئے رہنے دے اور خرچہ لے لے۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی اور فصلوں اور درختوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا۔ یہ کہنا کہ مذکورہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ فصل غاصب کی ہو گی یہ دراصل حدیث کو اسکے ظاہر کے خلاف محمول کرنے کے مترادف ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شارع علیہ السلام تو یہ فرمائیں کہ "ظالم جڑ کا کوئی حق نہیں ہوتا۔" آپؐ اسے ظالم کہیں اور اس سے حق کی نفی کریں اور ہم کہیں کہ "نہیں' حق اسی کا ہے۔"

٨٤٥/٥ ـ وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنىً: «إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منی کے مقام پر یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کے اپنے خطبے میں فرمایا: "تمہاری جانیں اور تمہارے اموال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کا تمہارا یہ دن' تمہارے اس مہینے اور اس شہر کے اندر حرمت کا حامل ہے۔" متفق علیہ۔

جس مفہوم پر اس حدیث کی دلالت ہے وہ نہ صرف واضح ہے بلکہ اس پر اجماع ہے۔ اگر مصنف کتاب غصب کا باب اسی حدیث سے شروع کرتے تو یہ بات مناسب ترین بنیاد بھی فراہم کرتی ہے اور خوبصورت ترین افتتاح بھی۔

---

(۱) حضرت ابو بکرؓ کی حدیث کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۱ ص۲۱۵' ج ۵ ص ۲۴' مسلم شریف حدیث ۲۹ تا۳۱ من القسامہ' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۳' ۴۸۵' ج ۴ ص ۸۶' ۳۰۶' ج ۵ ص ۳۰' ۳۷' ۴۱۲' سنن کبری ج ۳ ص ۲۱۵' ج ۵ ص ۸ ۲۷۴' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۵ ص ۳۱۶' صحیح ابن خزیمہ ۲۸۰۹'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ باب الشفعہ

الشفعہ (حرف شین پر پیش اور حرف فاء ساکن) کے اشتقاق کے بارے میں تین اقوال ہیں؛ پہلا قول یہ ہے کہ یہ شفع بمعنی جوڑ سے نکلا ہے۔ دوسرا قول ہے کہ الزیادہ سے نکلا ہے اور تیسرے قول کے مطابق یہ الاعانہ سے نکلا ہے۔ شفعہ کا معنی ہے کسی شرعی سبب کی بنا پر ایک ایسے حصے کا کسی اور حصے کی طرف منتقل ہو جانا جو کسی اجنبی کی طرف منتقل ہو گیا تھا اور یہ انتقال مقررہ عوض کے مثل کے بدلے ہو۔ اکثر فقہاء نے کہا ہے کہ شفعہ کا ورود خلاف قیاس ہے کیونکہ شفعہ زبردستی حاصل کیا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کی اذیت کو دوسرے شخص کے ضرر کے ذریعے رفع تو نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قول کے مطابق شفعہ مذکورہ بالا قیاس کے خلاف ہے لیکن دیگر قیاسات کے مطابق ہے جن کے تحت دوسرے شخص کے ضرر کو ایک اور ضرر کے ذریعے دور کیا جاتا ہے اور پھر اس کا حق زبردستی لیا جاتا ہے جس طرح حاکم وقت سرکش اور قلاش اور اسی طرح کے دیگر افراد کی جائداد فروخت کر سکتا ہے۔

۸۴۶/۱ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: «قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(۱).

وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ «الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شِرْكٍ: فِي أَرْضٍ، أَوْ رَبْعٍ، أَوْ حَائِطٍ، لَا يَصْلُحُ - وَفِي لَفْظٍ: لَا يَحِلُّ - أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يَعْرِضَ عَلَى شَرِيكِهِ»(۲).

وَفِي رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ: «قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ». وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر غیر منقسم جائداد کے بارے میں شفعہ کا فیصلہ سنایا' پھر جب خرید شدہ جائیداد کی حدیں مقرر کر دی جائیں اور راستے تبدیل کر دئے جائیں (۲) تو اس کے بعد حق شفعہ ختم ہو جاتا ہے (متفق علیہ) الفاظ امام بخاری کی روایت کے ہیں۔ امام مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: "شفعہ ہر مشترک میں ہوتا ہے" زمین میں' یا دار (مکان) میں یا دیوار (باغ) میں یہ بات درست نہیں — ایک روایت میں ہے — یہ بات حلال (جائز) نہیں کہ شریک اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کی پیشکش کئے بغیر اپنا حصہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دے۔"

(۱) حضرت جابرؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف باب ۳۶ من الشفعہ ' سنن ابی داؤد ۳۵۱۴' سنن ترمذی ۱۳۷۰

(۲) حدیث "شفعہ ہر مشترک کے اندر ہے" کا مرجع:۔ مسلم شریف حدیث ۱۳۵ من المساقاۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طحاوی کی روایت کے الفاظ ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں شفعہ کا فیصلہ سنایا۔" اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۱) راستے اور سڑکیں

(۲) صرفت (حرف صاد پر پیش' حرف راء مشدد اور اسکے بعد حرف فاء) یعنی گذرگاہیں واضح کر دی جائیں

(۳) یعنی حضرت جابرؓ سے

(۴) یشترد ک یعنی مشترک

(۵) ربع (حرف راء پر زبر اور باء ساکن) معنی دار یعنی مکان نیز زمین پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۶) سیاق کلام کی دلالت کی بنا پر یہاں فعل "یبیع" کا فاعل خلیط یعنی شریک ہے۔

(۷) یعنی حضرت جابرؓ سے

حضرت جابرؓ سے مروی اس حدیث کے تمام طرق کے الفاظ اس امر پر دلالت کرنے میں ہم معنی ہیں کہ مکانوں' زمینوں اور باغات کے اندر شریک کے لئے حق شفعہ ثابت ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے بشرطیکہ شفعہ والی چیز قابل تقسیم ہو۔ اگر یہ قابل تقسیم نہ ہو مثلاً چھوٹا حمام وغیرہ تو اس میں اختلاف ہے۔ ہادویہ۔ (البحر) میں عترہ کا لفظ ہے یعنی اہل بیت) کا مسلک ہے کہ ہر چیز میں شفعہ درست ہے۔ "البحر" کے اندر امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ اس مسلک کی دلیل طحاوی سے مروی حدیث ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح کی مرفوع حدیث مروی ہے۔ اسکی روایت ترمذی نے کی ہے کہ: "ہر چیز میں شفعہ ہے!"[1] اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث کی مرفوع روایت غلط ہے تاہم حضرت ابن عباسؓ سے اس کی مرسل روایت ثابت ہے اور یہ بات اس کی مرفوع روایت کی شاہد ہے۔ علاوہ ازیں صحابی کی مرسل روایت حجت ہوتی ہے اگر صحابی تک اس کی روایت صحیح ہو۔ منصور سے مروی ہے کہ مکیل اور موزوں میں شفعہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ضرر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں بھی ضرر کا پہلو ہے وہ یہ کہ پڑوس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ نیز ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حق شفعہ کی علت ضرر ہے۔

اکثر حضرات کا مسلک ہے کہ منقولہ املاک کے اندر شفعہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ: "جب حدیں قائم ہو جائیں اور راستے تبدیل کر دیئے جائیں تو پھر

---

[1] حدیث "شفعہ ہر چیز کے اندر ہے" کے مراجع:۔ سنن ترمذی ۱۳۷۱' مسند احمد ج ۶ ص ۳۱۶' سنن کبری ج ۶ ص ۱۰۹' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۲۳' معانی الآثار ج ۴ ص ۱۲۵' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی شفعہ نہیں۔" یہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شفعہ صرف زمین کے اندر ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ دار یعنی مکان بھی امام مسلم کی اس حدیث کی بنا پر ملحق ہے کہ: "یا دار میں۔" دوسری وجہ یہ کہ منقولہ املاک میں ضرر شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عام کے بعض افراد کے حکم کا ذکر اس حکم کو انہی افراد تک محدود نہیں کرتا۔

عدم شفعہ کے قائلین نے یہ بھی کہا ہے کہ البزار نے حضرت جابرؓ سے اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے جو روایت کی ہے ان کے تحت شفعہ کا درج بالا دو امور کے اندر حصر ہے۔ پہلی روایت کے الفاظ ہیں: "شفعہ صرف دار یا باغ میں ہوتا ہے۔" دوسری کے الفاظ ہیں: "شفعہ صرف دار یا زمین میں ہوتا ہے۔" تاہم بیہقی نے روایت بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ: "اسناد کمزور ہے۔" اس استدلال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگر درج بالا روایتیں ثابت ہو جائیں تو ان سے درج بالا استدلال انکے مفہوم پر مبنی ہو گا اور یہ حضورؐ کے ارشاد" ہر چیز میں شفعہ ہے۔" کے منطوق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان میں سے بعض نے منقولہ املاک سے کپڑوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں شفعہ درست ہے۔

بعض نے جانوروں کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ انکے اندر شفعہ درست ہے۔ امام مسلم کی حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ شریک کے لیے اپنے حصے کی فروخت اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ اپنے شریک کے ہاتھ سے اسے فروخت کرنے کی پیشکش نہ کر لے۔ اور ایسا کرنے سے پہلے بیع اس پر حرام ہوگی۔ جن حضرات نے اسے کراہت پر محمول کیا ہے انہوں نے اسے نہی کی اصل کے خلاف پر بلا دلیل محمول کیا ہے۔

علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر شریک اپنے شریک کو اس بات کی اطلاع دے دے کہ وہ اپنا حصہ فروخت کر رہا ہے اور پھر اپنا حصہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دے تو کیا اس صورت میں شریک کو حق شفعہ حاصل ہو گا؟ ایک قول کے مطابق اسے یہ حق حاصل رہے گا اور شریک کو پیشگی اطلاع شفعہ کی صحت کے لئے مانع نہیں ہو گی۔ اکثر کا یہی قول ہے۔ سفیان ثوری، الحکم، ابو عبید اور محدثین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ شریک کو فروخت کی پیشکش کے بعد اس کی طرف سے خریداری نہ ہونے کی صورت میں اس کا حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ یہ بات حدیث کے الفاظ کے زیادہ موافق ہے۔ اور ہم نے " ضوء النہار" کے حاشیے میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ: " فروخت کرنا حلال نہیں ہوگا" کے اندر یہ اشارہ موجود ہے کہ شفعہ صرف عقد بیع کے تحت آنے والی املاک میں ثابت ہوتا ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ عقد بیع کے سوا دیگر صورتوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: " ہر چیز میں شفعہ ہے۔" اجارہ کو بھی شامل ہے۔ ہادویہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شفعہ عین کے اندر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے'

منفعت کے اندر نہیں ہوتا ہے لیکن ان کا استدلال اس بناء پر کمزور قرار دیا گیا ہے کہ منفعت بھی ایک شے ہے اور مشترک ہوتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ" ہر شرک یعنی مشترک میں " منفعت کو بھی شامل ہوں گے کیونکہ منفعت اگر شے نہ ہوتی اور مشترک نہ ہوتی تو نہ اس کا اجارہ درست ہوتا اور نہ ہی مہایاہ کی بنیاد پر اس کی تقسیم صحیح ہوتی (ایک مشترکہ مال سے باری باری فائدہ اٹھانے کو مہایاہ کہا جاتا ہے ۔۔ مترجم) یہ ایک مخصوص بیع ہے اس لئے ارشاد نبوت "فروخت کرنا حلال نہیں ہو گا" اسے شامل ہو گا۔ اس لئے حق بات یہ ہے کہ اجارہ میں بھی شفعہ ہے کیونکہ شفعہ کی دلیل اسے شامل ہے اور اس میں شفعہ کی علت بھی موجود ہے ۔ آپؐ کا ارشاد: " ہر شرک یعنی مشترک میں" اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ذمی کسی مسلمان کی ملکیت میں شریک ہو تو مسلمان پر ذمی کا حق شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے ۔ زیادہ واضح یہ ہے کہ مسلمان پر ذمی کا حق شفعہ جزیرۃ العرب سے باہر کے علاقوں میں ثابت ہو گا اس لئے کہ انہیں جزیرۃ العرب میں ٹھہرے رہنے کی اجازت نہیں ہے ۔

٨٤٧/٢ - وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ عِلَّةٌ(١).

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وار (مکان) کا پڑوسی اس مکان کا زیادہ حقدار ہے۔" نسائی نے اسکی روایت کی ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس میں ایک علت ہے۔

(۱) علت یہ ہے کہ ائمہ حفاظ حدیث نے قتادہ کے واسطے سے اس حدیث کی تخریج حضرت انسؓ سے کی ہے۔ جب کہ دیگر حضرات نے حسن بصری کے واسطے سے اس کی روایت حضرت سمرہؓ سے کی ہے اور کہا ہے کہ محفوظ بات یہی ہے ۔ ابن القاطن نے کہا ہے کہ: "یہ دونوں صحیح ہیں۔" یہ بات اولیٰ ہے ۔ تاہم اگر زیر بحث حدیث کے اندر ایک علت ہے تو اس سے اگلی حدیث صحیح ہے ۔

حضرت انسؓ کی حدیث کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۳۵۱۷' سنن ترمذی ۱۳۶۸' مسند احمد ج ۵ ص ۸' ۱۲ ۱۳' ۱۸' ج ۴ ص ۳۸۸' سنن کبری ج۶ ص ۱۰۶' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۲۳۶' ۲۳۸' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۳۷۷' موارد الظمان ۱۱۵۳' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۷۲' ۱۷۳' معانی الآثار ج ۴ ص ۱۲۲' ۱۲۳' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۲۹' ۸۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٨٤٨/٣ - وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ» أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَالْحَاكِمُ، وَفِيهِ قِصَّةٌ(۱).

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حق رکھتا ہے۔" امام بخاریؒ نے اس کی تخریج کی ہے اور حکم نے بھی۔ اس کے پس منظر میں ایک واقعہ ہے۔

(۱) بصقبہ' (حرف صاد پر زبر اور حرف قاف پر بھی زبر) معنی قرب

(۲) واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو رافعؓ نے حضرت مسور بن مخرمہؓ سے کہا' آپ انھیں (اشارہ حضرت سعدؓ کی طرف تھا) کیوں نہیں کہتے کہ انکے احاطہ میں واقع میرے دو مکان یہ مجھ سے خرید لیں۔" یہ سن کر حضرت سعدؓ نے کہا: "خدا کی قسم میں چار سو دینار سے زیادہ تمھیں نہیں دوں گا' خواہ یکمشت اور خواہ بالا قساط۔" اس پر حضرت ابورافع نے کہا: "سبحان اللہ' میں نے تو پانسو دینار نقد خریداری کی پیشکش بھی ٹھکرا دی تھی۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سن رکھا ہوتا کہ: "پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حقدار ہوتا ہے" تو میں کبھی بھی تمہارے ہاتھ فروخت نہ کرتا۔"

حضرت ابو رافعؓ نے اگرچہ اس حدیث کا ذکر بیع کے ضمن میں کیا ہے لیکن یہ شفعہ کو بھی شامل ہے۔ ہادویہ اور حنفیہ اور کچھ دوسرے حضرات مذکورہ بالا احادیث اور دیگر احادیث کی بنا پر شفعہ کے ثبوت کے قائل ہیں۔ دیگر احادیث میں حضرت الشرید بن سویدؓ کی یہ حدیث ہے: میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول' میری ایک زمین ہے اس میں نہ کسی کی شراکت ہے اور نہ ہی حصہ' البتہ پڑوس ہے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: "پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔" اس حدیث کی تخریج ابن سعد نے قتادہ سے کی ہے' انہوں نے عمرو بن شعیب سے اور انہوں نے حضرت شریدؓ سے۔ اسی طرح حضرت جابرؓ کی حدیث ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ امام شافعی' امام احمد' اسحاق وغیرہم کا مسلک ہے کہ پڑوس کی بنا پر کوئی شفعہ نہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ احادیث میں مذکور پڑوسی سے شریک مراد ہے۔ اس مراد پر حضرت ابو رافعؓ

حضرت ابو رافع کی حدیث کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۹ ص ۳۵ تا ۳۷' مسند احمد ج ۶ ص ۳۹۰' التمہید ج ۷ ص ۳۶' فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۳۵' ۳۳۹' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۳۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے نے خلیط (شریک) کو پڑوسی کا نام دیا ہے اور حدیث سے استدلال کیا ہے جب کہ وہ اہل زبان تھے اور حدیث کی مراد کو زیادہ سمجھنے والے تھے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ لغت میں شریک کو پڑوسی کہنا معروف نہیں ہے کیونکہ ہر وہ چیز پڑوسی کہلاتی ہے جو کسی دوسری چیز سے قریب ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابو رافعؓ حضرت سعدؓ کے شریک نہیں تھے بلکہ پڑوسی تھے کیونکہ وہ حضرت سعدؓ کے دار (احاطے) میں دو مکانوں کے مالک تھے' یہ نہیں کہ وہ حضرت سعدؓ کے مکان کے ایک مشترکہ حصے کے مالک تھے۔ ان حضرات نے ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو شریک کے لئے شفعہ کے بارے میں گذر چکی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث" جب حدیں قائم ہو جائیں اور راستے تبدیل کر دیئے جائیں تو پھر کوئی شفعہ نہیں!" اور اس طرح کی دیگر احادیث میں شفعہ کو تقسیم سے قبل کے اندر منحصر کر دیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی بات کہی جا سکتی ہے کہ شریک کے لئے شفعہ کا اثبات ہے اور پڑوسی سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے نہ تو منطوق کے تحت اور نہ ہی مفہوم کے تحت۔ اور راوی صحابی کے قول " نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شفعہ صرف ان املاک میں رکھا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہوں" میں حصر کا مفہوم صرف اس حالت کے ساتھ متعلق ہے جو مشتری اور شریک کے درمیان مبیع کی تقسیم سے قبل کی ہو' اس کا مدلول یہ ہے کہ تقسیم شفعہ کو باطل کردیتی ہے۔ یہ بات اس روایت میں صریح ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شفعہ صرف ان املاک میں رکھا ہے جو تقسیم نہ ہوں" اور خلیط یعنی شریک کے لئے شفعہ کے اثبات کی حدیثیں پڑوسی کے لئے اس کے ثبوت کو باطل نہیں کرتیں جب کہ اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو پہلے گذر چکے ہیں اور ایک دلیل ذیل کی حدیث ہے۔ زیادہ حقدار ہے' شفعہ کے سلسلے میں اس کا انتظار کیا جائے گا۔ خواہ وہ غائب کیوں نہ ہو جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔"

٨٤٩/٤ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ، يُنْتَظَرُ بِهَا - وَإِنْ كَانَ غَائِبًا - إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ(۱).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" پڑوسی شفعہ کا

حضرت جابرؓ کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۳۵۱۸' سنن ترمذی ۱۳۶۹' سنن ابن ماجہ ۲۴۹۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳' التمہید ج ۷ ص ۴۷' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور اسکے تمام راوی ثقہ ہیں ۔ مصنف کتاب نے اس حدیث کے رجال کی توثیق کر کے اور اس کی علت بیان نہ کر کے اچھا کیا ' ورنہ ناقدین حدیث نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیث کے فقرے " جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو" کی روایت تنہا عبدالملک بن ابی سلیمان العزرمی کی ہے ۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ عبدالملک ثقہ اور مامون ہے اور اس کا تنہا ہونا نقصان دہ نہیں ہے جیسا کہ اصول اور علوم حدیث میں معروف ہے ۔ یہ حدیث پڑوسی کے لئے حق شفعہ کی ایک دلیل ہے۔ تاہم یہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ " جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔" بعض علماء نے یہ شرط کی ہے اور کہا ہے کہ پڑوسی کے لئے شفعہ اس صورت میں ثابت ہو گا جب راستے کے اندر اشتراک ہو ۔ شرح کے اندر کہا گیا ہے کہ اس شرط کا اعتبار کوئی بعید بات نہیں ہے ' کیونکہ جہاں تک دلیل کا تعلق ہے تو حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے ' اور شرط کا مفہوم یہ ہے کہ اگر راستے مختلف ہوں تو پھر حق شفعہ ثابت نہیں ہو گا۔ اور جہاں تک تعلیل (علت بیان کرنے) کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شفعہ کی مشروعیت دفع ضرر کے پیش نظر ہوئی ہے ' اور اکثر احوال میں ضرر صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب اختلاط میں شدت ہو اور انتفاع کا جال موجود ہو۔ اور یہ بات صرف اس شخص کے وجود کی صورت میں پیش آتی ہے جو اصل (مکان وغیرہ) یا راستے میں شریک ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ضرر کا وقوع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت کردہ یہ حدیث ' جو شرط کے ساتھ مقید ہے ' اس تاویل کا احتمال نہیں رکھتی جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ اس لئے کہ اگر پڑوسی سے شریک مراد ہوتا تو پھر راستے کے ایک ہونے کی شرط عائد کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ بات اب خلیط (شریک) پر جا کر ختم ہوتی ہے اس لئے کہ راستہ ایک ہونے کی صورت میں حق شفعہ اس راستے کے اندر شراکت کی بنا پر ثابت ہو گا۔ یہی بات ہم نے " ضوء النہار کے " حاشیہ " منحۃ الغفار" میں ثابت کی ہے۔ ابن القیم نے کہا ہے کہ: "یہی قول سب سے معتدل قول ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت جابرؓ کی حدیث اس بارے میں صریح ہے کیونکہ اس حدیث نے راستہ ایک ہونے کی صورت میں پڑوس کی بنا پر شفعہ کی نفی کر دی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: "پھر جب حدیں قائم ہو جائیں اور راستے تبدیل کر لئے جائیں تو کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔" اس طرح حضرت جابرؓ کی زیر نظر حدیث کا مفہوم انکی ماقبل کی حدیث کا بعینہ منطوق ہے۔ ہر ایک حدیث دوسری حدیث کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے موافق ہے ' اسکی معارض نہیں ہے نہ ہی اس کی مخالف ۔ یہ دونوں حدیثیں حضرت جابرؓ کی روایت کردہ ہیں اس لئے روایتوں کے اندر موافقت اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مناسبت پیدا ہو گئی ' والحمد للہ!" (اختتام کلام ابن القیم)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "شفعہ کے سلسلے میں اس کا انتظار کیا جائے گا" یہ اس امر پر دال ہے کہ غائب شخص کا شفعہ باطل نہیں ہو گا خواہ اس کی آمد میں تاخیر کیوں نہ ہو جائے نیز یہ کہ خریداری کی خبر ملنے پر شفعہ کی خاطر گھر کی طرف روانگی اس پر واجب نہیں ہو گی۔ اب اگلی حدیث دیکھئے۔

۸۵۰/۵ - وَعَنْ ٱبْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «ٱلشُّفْعَةُ كَحَلِّ الْعِقَالِ». رَوَاهُ ٱبْنُ مَاجَهْ، وَٱلْبَزَّارُ، وَزَادَ: «وَلَا شُفْعَةَ لِغَائِبٍ». وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ(۱).

حضرت ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "شفعہ تو (اونٹ کے زانو میں بندھی ہوئی) رسی کھولنے کی طرح ہے۔" ابن ماجہ اور بزار نے اسکی روایت کی ہے۔ اور بزار نے اضافہ کیا ہے: "غائب شخص کے لئے کوئی شفعہ نہیں۔" اس کی اسناد کمزور ہے۔ اس حدیث کی بنیاد پر کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اسکی وجہ آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ ان دونوں حضرات کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "غائب شخص کے لئے کوئی شفعہ نہیں اور نہ نابالغ کے لئے اور شفعہ تو رسی کھول دینے کی طرح ہے۔" بزار نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ "اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔" ابو زرعہ نے کہا ہے: "یہ منکر ہے!" (منکر وہ حدیث ہے جس کی روایت ضعیف راوی نے کی ہو اور اس کی یہ روایت ثقہ راویوں کی روایت سے مختلف ہو ---- مترجم) بیہقی نے کہا ہے کہ " یہ ثابت نہیں ہے اور اس کی ہم معنی کئی احادیث ہیں جو سب کی سب بے اصل ہیں۔"

اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک رسی کھل جانا علی الفور ہوتا ہے۔ انہوں نے علی الفور کھل جانے کے وقت کے متعلق مختلف اندازے بیان کئے ہیں جو سب کے سب بے دلیل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شفعہ کی مشروعیت کی وجہ اگر دفع ضرر ہے تو یہ بات معاملے کو فی الفور نمٹانے کے لیے مناسب ہے' کیونکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ چیز کو معلق رکھ کر اس کے ضرر کو اور بڑھا دیا جائے۔ تاہم ایک حکم کے اثبات کے لئے استدلال کی مذکورہ مقدار کافی نہیں ہے جب کہ فی الفور نمٹانے کی شرط عائد نہ کرنا اصل ہے ' اور اصل کے خلاف یعنی فی الفور نمٹانے کے اثبات کے لئے کوئی دلیل

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابن ماجہ ۲۵۰۰' سنن کبری ج ۶ ص ۱۰۸' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۳۷۹' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۵۴' تاریخ بغداد ج ۶ ص ۵۷' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۴۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہئے جب کہ ایسی دلیل کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بیہقی نے "السنن الکبری" کے اندر بعض فقہاء کے کہے ہوئے ناپسندیدہ یعنی منکر الفاظ کے ذکر کی خاطر الگ سے ایک باب قائم کیا ہے۔ اور ان میں سے درج ذیل فقرات کو شمار کیا ہے: "شفعہ بندھن کھولنے کی طرح ہے' بچے کے لئے کوئی شفعہ نہیں اور نہ غائب شخص کے لئے' شفعہ نہ وارث ہوتا ہے اور نہ ہی وراثت میں ملتا ہے' بچہ بالغ ہونے تک اپنے حق شفعہ پر برقرار رہتا ہے' کسی عیسائی کے لئے کوئی شفعہ نہیں۔ نہ یہودی کے لئے شفعہ ہے اور نہ ہی نصرانی کے لئے" بیہقی نے اس کتاب میں مذکور زیر نظر حدیث کو بھی ان منکر احادیث میں شمار کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔۔ باب القراض

القراض (قاف کے نیچے زیر کے ساتھ) اس معاملہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی کارندہ کسی سرمایہ کار کے ساتھ حاصل ہونے والے منافع کے ایک حصے کے بدلے طے کرے۔ اہل حجاز کی لغت میں ایسا عقد قراض کہلاتا ہے۔ اسے مضاربہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ زمین میں چلنے پھرنے (الضرب فی الارض) سے ماخوذ ہے اس لئے کہ منافع عام طور پر زمین میں سفر کرنے کے ذریعے حاصل ہوتا ہے یا یہ (الضرب فی المال) سے ماخوذ ہے جس کے معنی تصرف کے ہیں۔

۸۵۱/۱ ۔ عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ، الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ، وَالْمُقَارَضَةُ، وَخَلْطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ، لا لِلْبَيْعِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ(۱).

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین باتوں کے اندر برکت ہے ایک مدت تک کے لئے ادھار بیع، مضاربہ اور گھریلو استعمال کے لئے گندم کی جو کے ساتھ آمیزش، لیکن یہ آمیزش بیع کے لئے نہ ہو۔ ابن ماجہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔

ان تین باتوں میں برکت کی وجہ یہ ہے کہ ایک مدت کے لئے ادھار بیع کر کے ضرورت مند شخص کے ساتھ کشادہ دلی اور نرم روی برتی جاتی ہے اور مہلت دے کر ادائیگی میں اس کی ایک طرح اعانت کی جاتی ہے۔ مقارضہ (مضاربہ) کے اندر لوگوں کا ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کا پہلو باعث برکت ہے اور جو کے ساتھ گندم کی آمیزش گھریلو استعمال کے لئے ہونی چاہئے، بیع کے لئے نہیں ہونی چاہئے کیونکہ بعض دفعہ اس میں خریدار کو دھوکہ دینے اور ٹھگنے نیز ملاوٹ کا پہلو ہوتا ہے۔

۸۵۲/۲ ۔ وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّهُ كَانَ يَشْتَرِطُ عَلَى الرَّجُلِ إِذَا أَعْطَاهُ مَالاً مُقَارَضَةً أَنْ لا تَجْعَلَ مَالِي فِي كَبِدٍ رَطْبَةٍ، وَلا تَحْمِلَهُ فِي بَحْرٍ، وَلا تَنْزِلَ بِهِ فِي بَطْنِ مَسِيلٍ، فَإِنْ فَعَلْتَ شَيْئاً مِن ذَلِكَ فَقَدْ ضَمِنْتَ مَالِي». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّإِ، عَنِ الْعَلاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: إِنَّهُ عَمِلَ فِي مَالٍ لِعُثْمَانَ عَلَى أَنَّ الرِّبْحَ بَيْنَهُمَا. وَهُوَ مَوْقُوفٌ صَحِيحٌ.(۲)

---

(۱) حضرت صہیبؓ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابن ماجہ ۲۲۹۰، نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۷۵، مشکوٰۃ المصابیح ۵۲۳۶، تنزیہ الشریعہ لابن عراق ج ۲ ص ۱۹۵، موضوعات ابن الجوزی ج ۲ ص ۲۴۹، الضعفاء للعقیلی ج ص ۲۴۹، ج ۳ ص ۱۵۱

(۲) حضرت حکیم بن حزام کی روایت کا حوالہ : موطا امام مالک ج ۲ ص ۶۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت حکیم بن حزام کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ کسی شخص کو مضاربہ کے طور پر مال دیتے تو اس پر یہ شرط عائد کر دیتے کہ: "تم میرا سرمایہ کسی جاندار میں نہیں لگاؤ گے' اسے لے کر سمندری سفر نہیں کرو گے اور کسی آبی گذرگاہ کے درمیان اسکے ساتھ قیام نہیں کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کیا (اور میرا مال تلف ہو گیا) تو تمہیں اس کا تاوان بھرنا ہوگا۔" دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے۔ اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔ امام مالک نے "الموطا" میں العلاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب سے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے انکے دادا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے سرمائے سے کاروبار کیا تھا اور منافع دونوں کے درمیان تقسیم ہونے کی شرط تھی۔" یہ موقوف اور صحیح روایت ہے۔ (ایسے قول یا فعل یا تقریر کو جس کی نسبت صحابی کی طرف کی جائے موقوف کہتے ہیں ---- مترجم)

مضاربہ کے جواز کے متعلق اہل اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا رواج تھا اور پھر اسلام نے اسے برقرار رکھا۔ یہ اجارہ کی ایک قسم ہے لیکن اس میں اجرت کے غیر متعین ہونے کو نظر انداز اور معاف کر دیا گیا ہے۔ اور شریعت کی طرف سے یہ رخصت دراصل لوگوں کے ساتھ نرمی برتنے کا ایک پہلو ہے۔ مضاربہ کے کچھ ارکان اور اس کی کچھ شرائط ہیں۔ اسکے ارکان یہ ہیں ایجاب یا ایجاب جیسے دیگر الفاظ اور قبول اور قبول جیسے دیگر الفاظ مثلاً امتثال (حکم بجا لانے) کے ذریعے ایسے دو افراد کے درمیان جن کے تصرفات شرعی اعتبار سے جائز ہوں' البتہ مسلمان کے مال سے کافر کا کاروبار کرنا اس سے خارج ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ عقد نقد مال پر ہونا چاہئے۔ یہ تو رہے اس کے ارکان' اسکے کچھ احکام ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں لاعلمی کا پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر کارندے کے ہاتھ میں مضاربہ کا مال تلف ہو جائے جب کہ اس میں کارندے کی کسی زیادتی کو دخل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس پر اس مال کا تاوان نہیں پڑے گا۔

اگر مضاربت دین پر ہو تو ایسی صورت میں اس کے جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کی ممانعت ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایسی صورت میں کارندے کے ذمہ دین ہو گا اور دین کی ادائیگی میں اس کی تنگدستی کا حائل ہو جانا ممکن ہے اس لئے اس کی طرف سے اس میں تاخیر نفع کی خاطر ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ ربوا ہو جائے گا جس کی شریعت میں ممانعت ہے۔' ایک اور قول کے مطابق ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کارندے کے ذمہ واجب الادا دین مضاربہ کی وجہ سے ضمانت سے نکل کر امانت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن جائے گا۔ ایک اور قول ہے کہ واجب الادا دین حقیقت میں موجود نہیں ہوتا اس لئے یہ مضاربہ کے مال کے طور پر متعین نہیں ہو سکے گا جب کہ مضاربہ کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ سرمایہ کار کے سرمایہ کے تحت عمل میں آئے۔ اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ طرفین میں سے اگر کسی نے اپنے لئے منافع میں سے کسی متعین زائد چیز کی شرط کر دی تو ایسی شرط جائز نہیں ہوگی بلکہ لغو قرار پائے گی۔

حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سرمایہ کار اگر کارندے کو کسی بات سے روکنا چاہے تو روک سکتا ہے۔ اگر کارندہ اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ تلف ہونے کی صورت میں اسے اس کا تاوان بھرنا پڑے گا۔ اور اگر مال یعنی سرمایہ صحیح سالم رہے تو مضاربہ اس صورت میں باقی رہے گا جب سرمایہ کار کی طرف سے لگائی ہوئی مذکورہ پابندی سرمایہ کی حفاظت کے لیے ہو۔ اگر سرمایہ کار کی مذکورہ شرط یعنی پابندی سرمایہ کی حفاظت کی خاطر نہ ہو بلکہ اس کا تعلق تجارت سے ہو مثلاً وہ کارندے کو ایک متعین قسم کے مال کی خریداری سے منع کر دے یا متعین شخص کے ہاتھ مال فروخت کرنے سے روک دے تو ایسی صورت میں کارندہ اس کی خلاف ورزی کر کے فضولی بن جائے گا (فضولی اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے یا اس کے لئے کوئی مال از خود خرید لے) پھر اگر سرمایہ کار کی طرف سے اس کی اجازت مل جائے گی تو بیع نافذ ہو جائے گی اور اگر اجازت نہیں ملے گی تو بیع نافذ نہیں ہو گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ باب المساقاة والاجارة

۸۵۳/۱ ۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱)

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا: فَسَأَلُوهُ أَنْ يُقِرَّهُمْ بِهَا عَلَى أَنْ يَكْفُوهُ عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ التَّمْرِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلَى ذَلِكَ مَا شِئْنَا». فَقَرُّوا بِهَا، حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ(۲)

وَلِمُسْلِمٍ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ إِلَى يَهُودِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَأَرْضَهَا عَلَى أَنْ يَعْتَمِلُوهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ، وَلَهُمْ شَطْرُ ثَمَرِهَا»(۳).

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ پھلوں یا فصلوں کی آدھی پیداوار پر معاملہ طے کیا تھا۔ (متفق علیہ)

بخاری اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں :۔ "اہل خیبر نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ انہیں انکی زمینوں اور باغات پر اس شرط کے تحت برقرار رہنے دیں کہ کھیتی باڑی اور باغات کی رکھوالی کی مشقت خود برداشت کریں گے اور انہیں کھجوروں کی پیداوار کا نصف مل جائے گا۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "ہم تمہیں جب تک چاہیں گے ان پر برقرار رکھیں گے(۲)۔" چنانچہ اہل خیبران پر برقرار رہے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے انہیں جلا وطن کر دیا۔

امام مسلم کی روایت کے الفاظ (۳) ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو خیبر کے کھجوروں کے باغات اور وہاں کی زمینیں اس شرط پر حوالے کر دیں کہ وہ اپنا سرمایہ لگا کر کاشت کاری کریں گے اور باغات کی رکھوالی کریں گے اور انہیں پھلوں کی پیداوار کا نصف ملے گا۔

یہ حدیث مساقات اور مزارعت کی صحت کی دلیل ہے۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ، امام احمدؒ، ابن خزیمہ اور تمام فقہائے محدثین کا یہی قول ہے کہ یہ دونوں باتیں اکٹھی صورت میں بھی جائز ہیں اور علیحدہ علیحدہ

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف باب ۲۲ من الاجارہ، مسلم شریف باب(۱) من المساقاۃ

(۲) حدیث "ہم تمہیں جب تک چاہیں گے ان پر برقرار رکھیں گے۔" کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۲۲ من الاجارۃ، مسلم شریف حدیث ۶ من المساقاۃ، مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۹، سنن کبری ج ۹ ص ۲۲۴، مصنف عبدالرزاق ۹۹۸۹، ۱۹۳۶۶، فتح الباری ج ۵ ص ۲۱

(۳) حدیث "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ..... الخ" کا حوالہ: مسلم شریف حدیث ۵ من المساقاۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے ہیں۔

بھی۔ تمام ادوار اور تمام امصار (شہروں) کے مسلمان مزارعت (بٹائی) پر زمین کاشت کرانے پر مسلسل عمل پیرا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "ہم جب تک چاہیں گے" مساقات اور مزارعت کی صحت پر دلالت کرتا ہے خواہ مدت نامعلوم کیوں نہ ہو۔ جمہور کا قول ہے کہ اجارہ کی طرح مساقات اور مزارعت بھی ایک معلوم مدت کے تحت ہی جائز ہوتی ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درج بالا ارشاد "ہم جب تک چاہیں گے" کی تاویل معاہدے کی مدت سے کی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ "ہم جب تک چاہیں گے تمہیں خیبر میں رہنے دیں گے اور جب چاہیں گے تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔" کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب سے یہودیوں کو نکال باہر کرنے کا پختہ ارادہ رکھتے تھے تاہم اس تاویل پر بھی اعتراض ہے۔ جہاں تک مساقات کا تعلق ہے تو اس کی مدت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ اجارہ ہے۔ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مساقات ایک معلوم مدت کے تحت ہی جائز ہو گی۔

ابن القیم نے "زادالمعاد" میں لکھا ہے: خیبر کا قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ پھلوں یا فصلوں کی پیداوار کے ایک حصے کے بدلے مساقات (باغات کی رکھوالی کا عقد) اور مزارعت (بٹائی پر کسی کو زمین دے دینا) جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا تھا اور اپنی وفات تک اسی پر قائم رہے اور اسے بالکل منسوخ نہیں کیا۔ پھر آپؐ کے خلفائے راشدین کا بھی اس پر عمل رہا۔ یہ بات مشارکت کے باب سے تعلق رکھتی ہے' مواجرت (کرائے پر لین دین) کے باب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ مضاربہ کی ہو بہو نظیر ہے' اس لئے جن حضرات نے مضاربہ کو حلال قرار دے کر مساقات اور مزارعت کو حرام کہا ہے انہوں نے گویا دو متماثل چیزوں کے درمیان فرق کیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو اس شرط پر زمینیں حوالہ کی تھیں کہ وہ اپنا سرمایہ لگا کر کاشت کاری کریں گے' آپ نے انہیں بیج فراہم نہیں کئے تھے نہ ہی آپؐ مدینہ منورہ سے انکے لئے بیج لاد کر لے گئے تھے۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپؐ نے زمین کے مالک کی طرف سے بیج مہیا کرنے کی عدم شرط کی طرف رہنمائی کر دی۔ نیز یہ کہ بیج کی فراہمی مزارع کی جانب سے ہونا جائز ہے۔ یہی آپؐ کا اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین کا طریقہ کار رہا۔ آپؐ سے منقول یہ طریق کار قیاس کے بھی مطابق ہے۔ اس لئے کہ زمین کی حیثیت مضاربہ کے اندر راس المال جیسی ہوتی ہے اور بیج زمین کی آب پاشی کے قائم مقام ہے۔ اسی بنا پر بیج زمین میں فنا ہو جاتا ہے اور مالک کی طرف اس کی واپسی کی شرط عائد ہوئی اور یہ بات مزارعت کو فاسد کر دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ درست قیاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے۔" (اختتام اقتباس از زادالمعاد") ابن القیم نے اپنی بحث کے دوران اس مسلک کی طرف اشارہ کر دیا ہے جسے حنفیہ اور ہادویہ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار کیا ہے ۔ وہ یہ کہ مساقات اور مزارعت درست نہیں ہے بلکہ فاسد ہے ۔ انہوں نے زیر نظر حدیث کی تاویل کی ہے کہ خیبر بزور شمشیر فتح ہوا تھا جس کے نتیجے میں وہاں کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ' اس لئے آپ ؐ نے جتنا کچھ لیا وہ آپ ؐ کا ہو گیا اور جتنا کچھ چھوڑ دیا وہ بھی آپ ؐ کا رہا۔ ہمارے نزدیک یہ قابل رد کلام ہے اور اس پر اعتماد نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

٨٥٤/٢ ـ وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. فَقَالَ: «لَا بَأْسَ بِهِ. إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ، وَأَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ، وَأَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ، فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا، وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا، وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّا هٰذَا، فَلِذٰلِكَ زُجِرَ عَنْهُ، فَأَمَّا شَيْءٌ مَعْلُومٌ مَضْمُونٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

وَفِيهِ بَيَانٌ لِمَا أُجْمِلَ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنْ إِطْلَاقِ النَّهْيِ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ.

حضرت حنظلہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "میں نے حضرت رافع بن خدیج ؓ سے سونے چاندی (دینار و درہم) کے بدلے زمین کو کرائے پر دینے کا مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا: "اس میں کوئی حرج نہیں ہے ' دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ آبی گذرگاہوں اور نالیوں کے سروں والی زمینوں اور زرعی پیداوار میں چند اشیاء کے بدلے اپنی زمینیں کرائے پر دے دیتے تھے (یعنی اپنی زمینوں کے ان قطعات کو اپنے لئے رکھ لیتے اور ان قطعات کی پیداوار اپنے لئے مخصوص کر لیتے اور باقی زمینیں کرائے پر دیدیتے تھے۔ مترجم) پھر یہ ہوتا کہ مالک کے لئے مخصوص زمین کی فصل تباہ ہو جاتی اور کرائے پر دی ہوئی زمین پر فصل بچ رہتی یا کرائے پر دیئے ہوئے قطعہ میں فصل تباہ ہو جاتی اور مالک کے لئے مخصوص قطعہ میں فصل بچ رہتی ۔ ادھر لوگوں کے لئے زمین کرائے پر دینے کی کوئی اور صورت نہیں تھی ۔ آپ ؐ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے سختی سے روک دیا ۔ لیکن اگر ایک چیز معلوم ہو نیز قابل تاوان (زیر ضمانت) ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے ۔ اس روایت میں اس اجمال کا بیان ہے جو متفق علیہ روایت کے مطابق زمین کو کرائے پر دینے کی مطلقاً" نہی کے سلسلے میں تھا۔

(ا) ماذیانات (حرف ذال کے نیچے زیر ' حرف یاء پر زبر ' پھر الف اور نون اور پھر حرف تاء) آبی گذر گاہوں (مسایل الماء) کو کہا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق چھوٹی ندیوں کے ارد گرد اگنے والی اشیاء کا یہ نام ہے ۔

(ا) حضرت حنظلہ کی روایت کا حوالہ :۔ مسلم شریف حدیث ۱۱۶ من البیوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) اقبال ا لجداول (ہمزہ پر زبر اور حرف قاف) نالوں کے سرے۔ حدیث کا مضمون اس بات کی دلیل ہے کہ سونے اور چاندی پر دیگر تمام اشیائے متقومہ (قیمت رکھنے والی اشیاء) کو قیاس کیا جائے گا۔ زمین کی پیداوار کی تہائی یا چوتھائی کے بدلے زمین کرائے پر دینا جائز ہے کیونکہ اس پر پہلی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث بھی کہ: "مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمینیں چھوٹی ندیوں پر واقع زمین کی پیداوار اور تھوڑے سے بھوسے کے بدلے کرائے پر دے دی جاتی تھیں' مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیا ہے۔" امام مسلمؒ نے اس روایت کی تخریج کی ہے اور یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی زمینیں پیداوار کی تہائی اور چوتھائی کے بدلے بٹائی پر دے دیتے تھے۔ 'پھر انہوں نے اسے ترک کر دیا۔" اس کی معارض روایت آگے آ رہی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ایک لفظ اربعاء آیا ہے' یہ ربیع کی جمع ہے جس کے معنی چھوٹی ندی کے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی اس حدیث نیز زیر بحث حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ اپنی زمینیں مزارعین کو بٹائی پروے دیتے تھے۔ مزارع بیج خود فراہم کرتا' اور شرط یہ ہوتی کہ آبی گذر گاہوں اور نالوں کے سروں پر واقع ارضی قطعات کی پیداوار مالک کو ملتی یا یہ صورت ہوتی کہ مثلاً زمین کا یہ قطعہ مالک کا ہوتا اور باقی قطعات مزارع کے ہوتے۔ پھر لوگوں کو اس سے روکدیا گیا کیونکہ اس میں دھوکے اور لا علمی کا پہلو تھا کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ مثلاً مالک کے لئے مخصوص قطعہ پر فصل تباہ ہو جاتی اور مزارع کو ملنے والے حصوں پر فصل ہو جاتی یا اسکے برعکس ہوتا۔

۸۵۵/۳ - وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَأَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ أَيْضاً(۱).

حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت (بٹائی پر زمین دینے) سے منع فرمایا اور مواجرت (کرائے پر زمین دینے) کا حکم دیا۔" اس کی روایت بھی امام مسلم نے کی ہے۔

امام مسلم نے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی زمینیں کرائے پر دیتے تھے' پھر انہیں اطلاع ملی

---

(۱) حضرت ثابت بن الضحاک کی روایت کے حوالے:۔ مسلم شریف حدیث ۱۱۹ من البیوع ' مسند احمد ج ۴ ص ۹۱۳' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ حضرت رافع بن خدیجؓ انصاری زمینوں کو کرائے پر دینے سے روکتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ ان سے ملے اور پوچھا کہ آپ زمین کو کرائے پر دینے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا روایت کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت رافعؓ نے کہا "میں نے اپنے دو چچاؤں کو جو بدری تھے (غزوہ بدر میں حصہ لیا تھا) اپنے گھر والوں سے باتیں کرتے سنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرما دیا تھا۔" یہ سن کر حضرت ابن عمرؓ نے کہا: "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں معلوم تھا کہ زمین کرائے پر دی جاتی ہے۔" پھر حضرت ابن عمرؓ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی نیا حکم دیا ہو جو پہلے نہیں تھا۔ یہ سوچ کر انہوں نے زمین کرائے پر دینا چھوڑ دیا۔

مزارعت سے ممانعت کی بہت سی ثابت احادیث ہیں۔ ان احادیث اور مزارعت کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث کے درمیان کئی طریقوں سے تطبیق دی گئی ہے۔ سب سے اچھی تطبیق یہ ہے کہ نہی کا تعلق ابتدائی زمانہ اسلام سے ہے اس لئے کہ لوگ اس وقت ضرورت مند تھے اور حضرات مہاجرینؓ کے پاس کاشت کاری کے لئے کوئی زمین نہیں تھی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انصارؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کا کریمانہ برتاؤ کریں۔ اس پر حضرت جابرؓ کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جس کی تخریج امام مسلم نے کی ہے کہ: انصار کے کچھ افراد کے پاس زائد زمینیں تھیں اور وہ ان زمینوں کو پیداوار کی تہائی اور چوتھائی کے بدلے کرائے پر دے دیتے تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کے پاس کوئی زرعی زمین ہو اس پر یا تو وہ خود کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو کاشت کے لئے عطیے کے طور پر دیدے[1]۔ اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہو تو پھر زمین اپنے پاس ہی رہنے دے۔" پھر یہ بات اسی طرح ہے جیسے صحابہ کرامؓ کو ابتداء میں قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، تاکہ وہ یہ گوشت صدقہ کریں (اور اس طرح ناداروں کو بھی عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر گوشت کھانا نصیب ہو جائے) پھر جب مسلمانوں کے اندر فراخی اور خوشحالی آ گئی تو یہ ضرورت ختم ہو گئی اور انہیں مزارعت کی اجازت دے دی گئی تاکہ مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ چاہے وہ اپنی زمین اجارے پر دے یا کوئی اور صورت اختیار کرے۔ اس پر مزارعت کا وہ عمل دلالت کرتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں جاری رہا۔ یہ بات تو عقلی طور پر بعید ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ آپؐ کی اس نہی سے غافل رہے ہوں اور

---

(۱) حدیث "جس شخص کے پاس زمین ہو وہ یا تو خود اس پر کاشت کرے ..... الخ" کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۱۴۱، ۲۱۷، مسلم شریف حدیث ۱۰۲ من البیوع، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۴ ص ۳۴۶، ۳۴۲، التمہید ج ۳ ص ۳۴، شرح السنہ ج ۸ ص ۲۵۷، فتح الباری ج ۵ ص ۲۲، ۲۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت رافعؓ نے اس مدت میں جا کر اس کا ذکر کیا ہو۔ خطابی نے کہا ہے: "حضرت ابن عباسؓ نے اس حدیث کا صحیح مفہوم سمجھا ہے' وہ یہ کہ نبی سے زمین کی پیداوار کے نصف کے بدلے مزارعت (بٹائی پر دینے) کی تحریم مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو کاشت کی خاطر زمینیں عطیے کے طور پر دیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں۔" حضرت زید بن ثابتؓ سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ: "اللہ تعالیٰ رافع کی مغفرت فرمائے' اس حدیث کے بارے میں مجھے ان سے زیادہ معلومات ہیں۔ اصل قصہ یہ ہوا تھا کہ انصار کے دو آدمی انکے پاس آئے۔ ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ رافع نے ان سے کہا کہ اگر تمہارا یہی حال ہے تو زمین کرائے پر نہ دیا کرو۔" گویا حضرت زیدؓ یہ کہنا چاہتے تھے کہ حضرت رافعؓ نے حدیث کو کاٹ دیا تھا اور اس کے اول حصے کی روایت کئے بغیر نہی کی روایت کر دی تھی' جس سے مقصود میں خلل واقع ہو گیا۔

بٹائی کے اندر اجرت کے نامعلوم ہونے کے سلسلے میں یہ عذر پیش کیا گیا ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے لئے روٹی کپڑے کے عوض دودھ پلانا درست قرار پایا ہے حالانکہ روٹی کپڑے کی مقدار نامعلوم ہوتی ہے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مزارعت کی اجرت فی الجملہ معلوم چیز کی طرح ہوتی ہے اس لئے کہ اکثر احوال میں پیداوار کے اندر یکسانیت ہوتی ہے اور دوسری طرف ملکیت کے اعتبار سے اس اجرت کی حد مقرر کر دی جاتی ہے یعنی نصف اور تہائی' اور پھر نص بھی موجود ہے۔ اس لئے تمام تکلفات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

٨٥٦/٤ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: «اَحْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعْطَى الَّذِي حَجَمَهُ أَجْرَهُ. وَلَوْ كَانَ حَرَاماً لَمْ يُعْطِهِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(١).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوئی اور سینگی لگانے والے کو اس کی اجرت دی۔ اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو آپؐ ہرگز نہ دیتے۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

بخاری کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "اگر آپؐ کو کراہت (حرمت) کا علم ہوتا تو اسے ہرگز اجرت کی رقم نہ دیتے۔" یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے' گویا وہ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے تھے جن کا خیال تھا کہ سینگی لگانے والے کو اسکی اجرت دینا حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔

سینگی لگانے والے کی اجرت کے مسئلے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ جمہور کا مسلک ہے کہ

---

(١) صحیح بخاری' باب ١٨ من الاجارہ' باب ٣٩ من البیوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حلال ہے۔ انہوں نے زیر نظر حدیث سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کمائی کے اندر اگرچہ گھٹیا پن ہے لیکن یہ حرام نہیں ہے۔ اور اس کمائی سے نہی کو انہوں نے تنزیہ پر محمول کیا ہے۔ کچھ حضرات نے تو نسخ کا دعوی کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کمائی پہلے حرام تھی پھر اس کی اباحت ہو گئی۔ اگر تاریخ کا پتہ چل جائے تو یہ تاویل درست ہے۔ امام احمد اور دیگر حضرات کا مسلک ہے کہ آزاد شخص کے لئے سینگی لگانے کو اپنا پیشہ بنا لینا مکروہ ہے اور اس سے حاصل شدہ اجرت کو اپنے اوپر خرچ کرنا حرام ہے۔ البتہ اسے اپنے غلاموں اور مویشیوں پر صرف کرنا جائز ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس کی تخریج امام مالکؒ، امام احمدؒ اور اصحاب سنن نے کی ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ حضرت محیصہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سینگی لگانے والے کی کمائی کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے اس سے روک دیا۔ پھر حضرت محیصہؓ نے آپؐ سے اپنی ضرورت بیان کی تو آپؐ نے فرمایا: "یہ کمائی پانی ڈھونے والی اپنی اونٹنیوں کو چارے کے طور پر کھلا دو۔" غلام کے لئے اس کسب کو علماء نے مطلقاً درست قرار دیا ہے۔ زیر نظر حدیث میں خون وغیرہ کے اخراج کے ذریعے علاج کرنے کا جواز موجود ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔

۸۵۷/۵ ۔ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حجام (سینگی لگانے والے) کی کمائی خبیث ہے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے خبیث طیب کی ضد ہے۔ آیا یہ لفظ اس کمائی کی تحریم پر دلالت کرتا ہے؟ ظاہر تو یہی ہے کہ تحریم پر دلالت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ارشاد باری ہے (ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون اور خبیث مال کا ارادہ نہ کرو کہ اس میں سے تم خرچ کرو (سورہ بقرہ آیت ۲۶۷) اللہ نے گھٹیا مال کو خبیث کا نام دیا لیکن اس کی تحریم نہیں فرمائی، ایک حدیث میں ہے کہ: "سینگی لگانے والے کی کمائی سحت میں سے ہے۔" اس حدیث نے خبیث کی تفسیر کر دی ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ سحت سے مراد طیب (پاکیزہ) نہ ہونا ہے۔ اسکی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) حضرت رافع بن خدیج کی روایت کے حوالے: مسلم شریف باب ۹ حدیث ۱۲ من المساقاۃ، سنن ابی داؤد ۳۴۲۱، سنن ترمذی ۱۲۷۵، مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۴، ۴۶۵، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۷۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۴ ص ۲۸۷، المستدرک ج ۲ ص ۴۲، تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۹۳، معانی الآثار ۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۵ ج ۶ ص ۲۷۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سینگی لگانے والے کو اس کی اجرت دی تھی۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ اس حدیث اور آپؐ کی طرف سے اجرت دینے کی حدیث کی تطبیق اس طرح ہو گی کہ جواز کا محل وہ ہو گا جب اجرت ایک معلوم عمل پر دی جائے اور انکار کا محل وہ ہو گا جب اجرت ایک نامعلوم عمل پر دی جائے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ بات اس صورت میں ہو گی جب یہ کہا جائے کہ سینگی لگانے والا اجرت کے طور پر جو کچھ لیتا ہے وہ حرام ہے۔ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ: سینگی لگانے پر اجرت لینا اس لئے مکروہ سمجھا گیا ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن کے ذریعے بوقت ضرورت ایک مسلمان کی طرف دوسرے مسلمان کی اعانت واجب ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر اجرت لینا مناسب ہی نہیں ہے۔"

٨٥٨/٦ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي، ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا، فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا. فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عزوجل نے فرمایا: "تین افراد ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا فریق مخالف بنوں گا: ایک شخص تو وہ ہے جو میرے نام کی قسم کھا کر عہد کرے اور پھر عہد توڑ دے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو فروخت کر کے اس کی قیمت ہڑپ کر لے اور تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو مزدوری پر رکھے اور اس سے پورا کام کرا لے اور اسے اس کی مزدوری نہ دے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

اس حدیث میں مذکورہ بالا افراد کے جرم کی سنگینی بیان کی گئی ہے نیز یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انکے ظلم کی زد میں آنے والے افراد کی طرف سے ان ظالموں کے مخالف فریق کا کردار ادا کرے گا۔ حدیث کا ایک فقرہ ہے "علی بی" اس کا مفہوم ہے۔ "میرے نام کی قسم کھا کر عہد کرے یا میرے نام پر اور میرے دین کے مشروعہ قوانین کے مطابق کسی کو امان دے۔

غداری اور عہد کی خلاف ورزی کی تحریم پر سب کا اجماع ہے۔ اسی طرح آزاد فرد کو فروخت کرنے کی حرمت پر بھی اجماع ہے۔ حدیث کے لفظ "استوفی منہ" مزدور سے پورا کام لے لیا اور اسے اجرت نہیں دی۔ یہ بات باطل طریقے سے مزدور کا مال کھا جانے کے مترادف ہے حالانکہ اس بے چارے نے اپنے طور پر محنت

(١) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف باب ١٠ من الاجارہ' ارواء الغلیل ج ٥ ص ٣٠٨' فتح الباری ج ٤ ص ٤٤٧' السنن الکبری ج ٦ ص ١٢' ٢١ مشکل الاثار ج ٢ ص ٣٥١' ج ٤ ص ١٤٢' نصب الرایہ ج ٤ ص ١٣٢

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی کی اور مشقت بھی اٹھائی۔

٨٥٩/٧ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْراً كِتَابُ اللَّهِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ(١).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس چیز پر تمھیں اجرت لینے کا سب سے زیادہ حق ہے وہ اللہ کی کتاب ہے۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت(٢)ؓ کی حدیث جس کی روایت ابو داؤد نے کی ہے اس حدیث کی معارض ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "میں نے اہل صفہ میں سے کچھ لوگوں کو قرآن پڑھایا' ان میں سے ایک شخص نے مجھے ایک کمان تحفے کے طور پر دی' میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو میرے لئے کوئی مال نہیں ہے۔ میں اللہ کے راستے میں اس سے تیر چلاؤں گا۔ پھر میں آپؐ کے پاس آیا اور عرض کیا: "اللہ کے رسول' جن لوگوں کو میں قرآن پڑھایا کرتا تھا ان میں سے ایک نے مجھے ایک کمان تحفے کے طور پر دی ہے' یہ میرے لئے کوئی مال نہیں ہے' میں اللہ کے راستے میں اس سے تیر چلاؤں گا۔" یہ سنکر آپؐ نے فرمایا: "اگر تم آگ کا ایک طوق پہننا پسند کرتے ہو تو اسے قبول کر لو۔"

ان دونوں حدیثوں پر عمل کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ جمہور کا' نیز امام امالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے خواہ تعلیم حاصل کرنے والا نابالغ ہو یا بالغ اور خواہ معلم کے ذمہ یہ تعلیم کیوں نہ لگی ہو۔ یہ مسلک حضرت ابن عباسؓ کی زیر نظر حدیث پر عمل کرتے ہوئے اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی تائید نکاح کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ہوتی ہے کہ آپؐ نے مرد کی طرف سے عورت کو قرآن کی تعلیم دینا عورت کے لئے مہر بنا دیا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت

---

(١) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف تعلیقاً ج ٧ ص ١٧١' السنن الکبری ج ١ ص ٣٣٠' ج ٦ ص ١٢٤' ج ٧ ص ٢٤٣' فتح الباری ج ١٠ ص ١٩٨' ١٩٩ شرح السنہ ج ٤ ص ٤٥١' ج ٥ ص ٢٢٢' ج ٨ ص ٢٦٧' موارد الظمان ١١٣١' مشکوۃ المصابیح ٤٩٨٥' سنن دارقطنی ج ٣ ص ٦٥

(٢) حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ٣٤١٦' المستدرک ج ٢ ص ٤١' مشکوۃ المصابیح ٢٩٩٠' السنن الکبری ج ٦ ص ١٢٥' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٦ ص ٣٢٣

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادہؓ کی حدیث حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی معارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث صحیح حدیث ہے' جب کہ حضرت عبادہؓ کی بروایت مغیرہ بن زیاد حدیث مختلف فیہ ہے ۔ امام احمد نے اس حدیث کے بارے میں لا علمی ظاہر کی ہے۔ اس حدیث میں ایک راوی الاسود بن ثعلبہ ہے جس پر تنقید کی گئی ہے۔ اس لئے یہ حدیث ایک ثابت شدہ حدیث کی معارض نہیں بن سکتی۔ ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ حضرت عبادہؓ کی حدیث اگر درست بھی ہو تو اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت عبادہؓ قرآن پڑھانے کے ذریعے رضا کارانہ طور پر نیکی کا کام کر رہے تھے اور اس پر اجرت لینے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنبیہ کی کہ وہ اپنی اجرت کیوں ضائع کر رہے ہیں اور انہیں ایک طرح کی دھمکی دی۔ رہ گیا اہل صفہ کا معاملہ تو ان حضرات سے اجرت لینا تو ویسے بھی بڑی گراوٹ اور کراہت کی بات تھی کیونکہ یہ بے چارے تو فقراء تھے اور اپنی گذر بسر لوگوں کے صدقات پر کرتے تھے۔ اس لئے ان سے مال لینا مکروہ قرار پایا۔ حنفیہ اور ہادویہ کا مسلک یہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا حرام ہے۔ انہوں نے حضرت عبادہؓ کی درج بالا حدیث سے استدلال کیا ہے' اور آپ کو اس حدیث کی اصل حقیقت تو معلوم ہو ہی چکی ہے ۔ ہاں ' امام بخاری نے مضمون کی مناسبت سے اس باب کے اندر جھاڑ پھونک پر اجرت لینے کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے کہ ایک صحابی نے کسی دیہاتی عرب کو دم کیا' لیکن دم کرنے سے پہلے بکریوں کا ایک گلہ لینے کی شرط لگا دی' انہوں نے مذکورہ شخص پر اپنا تھوک ڈالا اور الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر دم کیا۔ دم کرنا تھا کہ یوں محسوس ہوا کہ گویا وہ شخص بندھن سے آزاد ہو گیا اور چل پڑا اور اس کی بیماری کا نام ونشان مٹ گیا' اس نے اپنی شرط پوری کر دی۔ جب صحابہ کرامؓ نے حضورؐ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: "تم نے ٹھیک کیا' اب بکریاں آپس میں تقسیم کر لو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی نکالو۔" اس باب میں امام بخاری کی طرف سے اس واقعہ کا ذکر اگرچہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے سلسلے میں نہیں ہے لیکن اس میں یہ دلالت ضرور ہے کہ قرآن کی تلاوت کے بدلے معاوضہ لینا جائز ہے تاکہ اس کے ذریعے تعلیم وغیرہ کی غرض سے قرآن کی قرءات پر اجرت لینے کے جواز کی تائید ہو جائے کیونکہ تعلیم کے لئے اس کی قرءات اور علاج کے لئے اس کی قرءات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

۸۶۰/۷ ۔ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ(۱).

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَفِي ٱلْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ عِنْدَ أَبِي يَعْلَى وَٱلْبَيْهَقِيِّ، وَجَابِرٍ عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ، وَكُلُّهَا ضِعَافٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے اس کی مزدوری دے دیا کرو۔" ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔ اس باب میں ابویعلیٰ اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور طبرانی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے لیکن یہ تمام روایتیں ضعیف ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ایک راوی شرقی بن قطامی ہے اور محمد بن زیاد نے اس سے روایت کی ہے۔ اس طرح مسند ابی یعلیٰ اور بیہقی میں ہے' بیہقی میں پوری روایت اس طرح ہے: "اور کام کے دوران ہی اسے اس کی اجرت سے آگاہ کر دو۔" بیہقی نے اپنی سند سے یہ روایت بیان کرنے کے بعد کہا: "یہ ضعیف ہے۔"

٨٦١/٨ - وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنِ ٱسْتَأْجَرَ أَجِيراً فَلْيُسَمِّ لَهُ أُجْرَتَهُ». رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ. وَفِيهِ ٱنْقِطَاعٌ، وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي حَنِيفَةَ(٢).

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی کو مزدوری پر رکھے اس کی اجرت مقرر کر دے۔" عبدالرزاق نے اس کی روایت کی ہے' اس کی سند میں انقطاع ہے (یعنی اتصال نہیں ہے) بیہقی نے ابو حنیفہ کے طریق سے اس کی متصلاً روایت کی ہے۔ بیہقی نے کہا ہے: "ابو حنیفہ نے اسی طرح روایت کی ہے۔ میری کتاب میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔" ایک قول کے مطابق یہ ایک اور طریقہ سے بھی ضعیف ہے' یہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہونے کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے۔

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے: سنن ابن ماجہ ۲۴۴۳' السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۲۰' المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۰' المطالب العالیہ ۱۴۲۱' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۹۷' ۹۸' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۹' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۵۹' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۳۲۰' مشکوٰۃ المصابیح ۲۹۸۷' مشکل الآثار ج ۴ ص ۱۴۲' تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۳' تہذیب ابن عساکر ج ۱ ص ۳۰۶' الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۳۵۲

(۲) حضرت ابو سعیدؓ کی روایت کے حوالے: السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۲۰' جامع مسانید ابی حنیفہ ج ۲ ص ۴۴' ۴۹' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں مزدور کے کام کی اجرت مقرر کر دینے کے استحباب پر دلیل ہے تاکہ اجرت نامعلوم نہ رہے اور اس کے نتیجے میں آجر اور اجیر کے درمیان جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۶---باب احیاء الموات
بیابان

الموات (حرف میم پر زبر اور حرف باؤ کی تخفیف) پسماندہ اور بنجر زمین کو کہتے ہیں۔ آباد کاری کو زندگی کے ساتھ اور بے آبادی کو عدم حیات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ احیاء کے معنی آباد کرنا ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ شارع کی طرف سے احیاء کا لفظ مطلقاً" وارد ہوا ہے ' اور جو لفظ اس طرح ہو اس کے معنی کے تعین کے لئے عرف کی طرف رجوع کرنا واجب ہوتا ہے اس لئے کہ عرف شارع کے مطلقات کو بیان کر دیتا ہے۔ جس طرح فروخت شدہ اشیاء پر قبضے کا معاملہ اور سرقہ کے اندر محفوظ جگہ کا مفہوم ' ان کے اندر عرف کا حکم چلتا ہے۔ عرف کے اندر زمین کا احیاء یعنی اس کی آباد کاری پانچ اسباب میں سے کسی ایک کے ذریعے حاصل ہو جاتی ہے۔ زمین کی سطح کی صفائی ' زراعت کے لئے جھاڑ جھنکار سے اسے پاک کر دینا' اسکے چاروں طرف دیوار کھڑی کر دینا اور ایسی گہری خندق کھود دینا کہ جو شخص اس میں اترے وہ سیڑھی کے بغیر اوپر نہ آسکے' یہ امام یحییٰ کا کلام ہے۔

۸۶۲/۱ ـ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ عَمَّرَ أَرْضاً لَيْسَتْ لِأَحَدٍ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا». قَالَ عُرْوَةُ: وَقَضَى بِهِ عُمَرُ فِي خِلاَفَتِهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بواسطہ عروہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کوئی ایسی زمین آباد کرے جو کسی کی ملکیت نہ ہو' وہ اس کا سب سے بڑھ کر حقدار ہوگا۔" عروہ نے کہا: "حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسی کے مطابق فیصلے کئے۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) حدیث میں لفظ عمر آیا ہے ۔ یہ فعل ماضی ہے ' ایک روایت میں لفظ اعمر بھی آیا ہے لیکن پہلی روایت ہی درست ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ زمین آباد کرنے کی بنا پر اس کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ پہلے سے کسی مسلمان یا ذی کی ملکیت نہ ہو یا اس میں کسی غیر کا حق ثابت نہ ہوا ہو۔

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالے: مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۰' السنن الکبری ج ۶ ص ۱۴۲' ۱۴۷' مشکوٰۃ المصابیح ۲۹۹۱' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۶۱' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۴۸' فتح الباری ج ۵ ص ۱۸' بخاری شریف ج ۳ ص ۱۳۰ شرح السنہ ج ۸ ص ۲۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث کا ظاہری معنی تو یہی ہے کہ اس کی آباد کاری کے لئے امام المسلمین کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے ۔ امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ امام کی اجازت ضروری ہے ۔ جمہور کی دلیل زیر نظر حدیث ہے۔ نیز سمندری اور نہری پانی پر اور شکار شدہ پرندوں اور جانوروں پر اسے قیاس کیا گیا ہے ۔ ان چیزوں کے لئے امام کی اجازت کی شرط نہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے ۔ البتہ ایسی زمین جس پر پہلے سے غیر معین قبضہ ہو جس طرح وادیوں کے نشیبی حصے تو انکی آباد کاری امام کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس اجازت سے مفاد عامہ کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ ہادویہ فرقہ کے بعض افراد نے اس کا ذکر کیا ہے ۔ امام ابو حنیفہ اور المؤید نے کہا ہے کہ وادیوں کے نشیبی حصوں کی آباد کاری کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ ان وادیوں سے مسلمانوں کے لئے سیلابی پانی کے گذرنے کی وجہ سے انکی حیثیت املاک جیسی ہے اس لئے کہ یہ سیلاب کی گذر گاہیں ہیں ۔ امام مہدی نے کہا ہے اور یہ قوی قول ہے کہ اگر پانی گذرنے کا راستہ وہاں سے تبدیل ہو جائے تو امام کی اجازت سے انکی آباد کاری جائز ہو جائے گی کیونکہ ایسی صورت میں عامہ المسلمین کا حق ان سے منقطع ہو جائے گا۔ اور وہاں رہنے والوں کا بھی تعین نہیں ہو گا۔ ایسی صورت حال میں امام کی اجازت صرف مفاد عامہ کی خاطر ہو گی جس میں کسی نقصان کا پہلو نہ ہو۔ کافر کے ہاتھوں زمین کی آباد کاری جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : "خالی (بے آباد) زمین اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے اور پھر تمہاری ہے۔" یہ خطاب مسلمانوں کو ہے۔ حدیث میں عروہ کا قول "حضرت عمرؓ نے اس کے مطابق فیصلے کئے" مرسل ہے کیونکہ عروہ کی پیدائش حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخر میں ہوئی تھی۔

۸۶۳/۲ ۔ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَحْيَا أَرْضاً مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ». رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ: رُوِيَ مُرْسَلاً، وَهُوَ كَمَا قَالَ. وَاخْتُلِفَ فِي صَحَابِيِّهِ، فَقِيلَ: جَابِرٌ، وَقِيلَ: عَائِشَةُ، وَقِيلَ: عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ، وَالرَّاجِحُ الْأَوَّلُ(۱).

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے

---

(۱) حضرت سعید بن زید کی روایت کے حوالے : بخاری شریف ج ۳ ص ۱۳۹' سنن ابی داؤد ۳۰۷۳' سنن ترمذی ۱۳۷۸' ۱۳۷۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' ۳۸۱' السنن الکبری ج ۶ ص ۹۹' ۱۱۳' ۱۴۸' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۷۰' تعلیق التعلیق ۸۳۰' فتح الباری ج ۵ ص ۱۸' ۱۹' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۳۰' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۰۴' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷' ۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: "جو شخص بنجر زمین آباد کرے وہ اسی کی ہوگی۔" تینوں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی مرسل روایت ہوئی ہے اور یہ روایت امام ترمذی کے قول کے مطابق مرسل ہی ہے۔ اس روایت کے صحابی کے بارے میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا حضرت جابرؓ ہیں' کسی نے حضرت عائشہؓ کا نام لیا ہے اور کوئی کہتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں' پہلی بات راجح ہے۔

(۱) ان کا تعارف کتاب الوضوء میں گذر چکا ہے۔

(۲) یعنی کسی صحابی سے یہ روایت ہے۔

(۳) یعنی ان تین افعال میں سے پہلا قول ہی راجح ہے کہ حضرت جابرؓ اس کے راوی ہیں - اس روایت میں منقول ہے کہ دو شخص اپنا جھگڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے۔ ایک نے دوسرے کی زمین میں کھجور کے پودے لگا رکھے تھے۔ آپؐ نے زمین کا فیصلہ زمین کے مالک کے حق میں سنایا اور پودوں والے کو حکم دیا کہ وہ اپنے پودے وہاں سے اکھاڑ لے۔ اور فرمایا "میں نے انہیں دیکھا ہے' اب انکی جڑوں پر کلہاڑیوں سے ضرب لگائی جا سکتی ہے۔ ان کے قد اور انکی ڈالیاں مکمل ہو چکی ہیں۔" ان پودوں کو اس زمین سے نکال لیا گیا۔ اس حدیث کے فقہی پہلو پر بحث گذر چکی ہے نیز اس پر بھی کہ "ظالم جڑ کا کوئی حق نہیں ہوتا۔"

٨٦٤/٣ - وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «لَا حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[1].

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ لیثی نے انہیں بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو بھی محفوظ چراگاہ ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے -

(۱) صعب (صاد پر زبر' عین ساکن اور پھر حرف باء)

(۲) جثامہ (حرف جیم پر زبر' حرف ثاء پر تشدید اور میم پر زبر)

(۳) حمیٰ' اس لفظ کو مقصور (کھینچے بغیر) اور ممدود (کھینچ کر) پڑھتے ہیں۔ پہلی صورت اکثر ہے - یہ اس جگہ کو کہتے ہیں جسے گھیر کر محفوظ کر لیا گیا ہو' یہ مباح (عام اجازت والی جگہ) کی ضد ہے - اس کا مفہوم یہ ہے کہ امام المسلمین کسی مخصوص زمین میں اونٹ وغیرہ چرانے کی ممانعت کر دے تاکہ اسے مثلاً صدقہ کے اونٹوں کو

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کا حوالہ: بخاری شریف باب ۱۱ من السافاة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چرانے کے لئے مختص کر دیا جائے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ کوئی رئیس اگر لوگوں کو ایک خاص جگہ سے روک دینا چاہتا اور اسے اپنے لئے مخصوص کرلینا چاہتا تو ایک اونچی جگہ سے کسی کتے کو بھونکنے پر مجبور کرتا، پھر جہاں تک اس کی آواز جاتی وہ اسے چاروں طرف سے گھیر لیتا پھر وہاں کوئی اپنے مویشی چرا نہیں سکتا تھا جب کہ وہ دوسروں کے ساتھ مل کر اپنے مویشی چرا سکتا تھا۔ اسلام نے اس رواج کو باطل قرار دیا اور محفوظ چراگاہ کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ثابت کر دیا۔

امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ حدیث میں دو باتوں کا احتمال ہے: پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی شخص کو حق نہیں کہ وہ مسلمانوں کے لئے کوئی چراگاہ محفوظ کر لے سوائے ان چراگاہوں کے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محفوظ فرمایا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سوائے ایسی چراہ گاہ کے جسے اس طرح محفوظ کیا گیا ہو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محفوظ کیا تھا، پہلے احتمال کے مطابق مفہوم یہ ہو گا کہ آپؐ کے بعد کسی بھی حکمران کو چراگاہ محفوظ کرنے کا اختیار نہیں رہا اور دوسرے احتمال کے مطابق معنی یہ ہو گا کہ چراگاہ صرف وہی محفوظ کر سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہو یعنی خاص کر خلیفہ، اس دوسرے مفہوم کو اس روایت سے ترجیح ملتی ہے جسے امام بخاریؒ نے زہری سے تعلیقاً بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مقام شرف اور ربذہ کی چراگاہوں کو محفوظ کر لیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے ذریعے حضرت ابن عمرؓ سے بواسطہ نافع روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ربذہ کو صدقہ کے اونٹوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ شوافع نے علاقوں کے حکمرانوں کو حضرت عمرؓ کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ بھی چراگاہیں محفوظ کرسکتے ہیں بشرطیکہ اس عمل سے دوسرے مسلمانوں کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔

اس امر میں اختلاف رائے ہے کہ آیا امام المسلمین اپنے لئے کوئی چراگاہ محفوظ کر سکتا ہے یا نہیں؟ المھدی کا قول ہے کہ امام اپنے لئے اسے مخصوص کر سکتا ہے لیکن جس چیز کی خاطر وہ اسے مخصوص کرتا ہے اس کا وہ مالک نہیں ہوتا۔ امام یحییٰ اور فریقین کا قول ہے کہ صرف مسلمانوں کے گھوڑوں کے لئے وہ چراگاہ محفوظ کر سکتا ہے، اپنے لئے نہیں بلکہ صدقہ کے اونٹوں کے لئے اور ان کمزور مسلمانوں کے لئے جو چارے وغیرہ تلاش کرنے سے عاجز ہوں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو بھی محفوظ چراہ گاہ ہے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہے۔" تاہم یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس حدیث میں اختصاص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ رہ گیا حضرت عمرؓ کا قصہ تو وہ اختصاص پر دلالت کرتا ہے۔ ابو عبید، ابن ابی شیبہ، بخاری اور بیہقی نے اسلم سے اسکی روایت ان الفاظ میں کی ہے کہ "حضرت عمرؓ نے اپنے ایک غلام مسمی ہنی کو چراگاہوں کا نگران مقرر کیا اور اس سے کہا: "ہنی، مسلمانوں پر اپنے بازو جوڑ کر رکھو (جو چیز تمہارے لئے حلال نہیں اس کی طرف اپنا ہاتھ نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھاؤ) اور مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہو کیونکہ مظلوم کی بد دعا لگ جاتی ہے۔ اور بکریوں کے گلے والے کو اور تھوڑی سی بکریوں والے کو چراگاہ میں آنے دو اور ابن عوف اور ابن عفان کے مویشیوں کو ہرگز نہ چھیڑنا کیونکہ ان دونوں کے مویشی اگر ہلاک ہو جائیں تو یہ دونوں کھجور کے درختوں اور فصلوں کا رخ کریں گے اور بکریوں کے گلے والے اور تھوڑی بکریوں والے کی بکریاں اگر ہلاک ہو گئیں تو اپنے بیٹوں کو لے کر میرے پاس آئیں گے اور امیر المومنین کی دہائی دیں گے' تو کیا میں انہیں ان کی بدحالی پر چھوڑ دینے والا ہوں۔ کیا خیال ہے تمہارا بن باپ کے انسان! انہیں سونا چاندی دینے کی بہ نسبت انکے لئے پانی اور چارے کی فراہمی میرے لئے آسان ہے۔ خدا کی قسم' وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان پر ظلم کیا ہے اور یہ سرزمین ان کا علاقہ ہے۔ اسکے لئے وہ زمانہ جاہلیت میں اپنی جان کی بازی لگاتے رہے اور زمانہ اسلام میں وہ ان پر مسلمان ہوئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ مال (گھوڑے اور اونٹ) نہ ہوتے جنہیں اللہ کی راہ میں سواری اور باربرداری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو لوگوں کے علاقوں میں ان سے ماوراء چراگاہوں کو ہرگز محفوظ نہ کرتا۔"

حضرت عمرؓ کی یہ ہدایت اس امر میں صریح ہے کہ امام اپنے لئے کوئی چراگاہ مخصوص نہیں کر سکتا۔

٨٦٥/٤ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ» رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَابْنُ مَاجَه(١).

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ مِثْلُهُ، وَهُوَ فِي الْمُوَطَّإِ مُرْسَلٌ.

اور ان سے یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ کوئی ضرر ہے اور نہ کوئی ضرار" امام احمدؒ اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے' ابن ماجہ نے حضرت ابو سعیدؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ "موطا" کے اندر یہ مرسل روایت ہے۔

(۱) ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے اس کی روایت کی ہے اور امام مالک نے عمرو بن یحییٰ مازنی سے اور انہوں نے اپنے والد سے اس کی مرسل روایت کی ہے اور اس روایت میں یہ اضافہ ہے: "جو شخص کسی کو نقصان پہنچائے گا اللہ اسے نقصان پہنچائے گا اور جو شخص کسی سے دشمنی کرے گا اللہ اس سے دشمنی کرے گا۔" اس اضافی حصے کے ساتھ مذکورہ حدیث کی دار قطنی' حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعیدؓ سے

حدیث "لاضرر ولا ضرار" کے حوالے: سنن ابن ماجہ ۲۳۴۰' ۲۳۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۳' السنن الکبری ج ۶ ص ۶۹' ۷۰' ۴۵۷' ج ۱۰ ص ۱۳' المستدرک ج ۲ ص ۵۸' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲ ص ۸۱' ج ۱۱ ص ۳۰۲' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۰' سنن دارقطنی ج ۳ ص ۷۷' ج ۴ ص ۲۲۷' ۲۲۸' بلائع المنن ۱۳۳۰' مسند الشافعی ۲۲۴' التمہید ج ۱۰ ص ۲۳۰' تہذیب ابن عساکر ج ۶ ص ۳۲۵' ارواء الغلیل ج ۳ ص ۴۰۸' ۴۱۳' ج ۶ ص ۶۷' ج ۷ ص ۴۴' ۲۲۹'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرفوعاً" تخریج کی ہے۔ عبدالرزاق اور امام احمد نے اس حدیث کی تخریج حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ: "ایک شخص کو اپنے پڑوسی کی دیوار پر اپنی لکڑی رکھنے کا حق ہے اور استعمال ہونے والا مشترک راستہ سات گز ہے۔"

حدیث کی تشریح:۔ ضرر نفع کی ضد ہے ' جب کوئی نقصان پہنچائے تو کہا جاتا ہے " ضرہ ' یضرہ ضرا وضرارا" یا اضربہ یضرہ اضرارا" (پہلا فعل مجرد کے باب سے ہے اور دوسرا فعل باب افعال سے ہے۔ مترجم) اس کے معنی ہیں " اس نے اسے نقصان پہنچایا۔" حدیث کا مفہوم ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو نقصان نہ پہنچائے اور اس طرح اس کا حق نہ گھٹا دے۔ ضرار کا لفظ فعال کے وزن پر ہے اور یہ " اضر" سے نکلا ہے ' اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کو نقصان پہنچانے اور اس پر ضرر داخل کرنے کے ذریعے اسے بدلہ نہ دے۔ اس طرح الضر کا لفظ نقصان پہنچانے کے فعل کی ابتداء پر دال ہے اور الضرار کا لفظ نقصان کا بدلہ لینے پر دلالت کرتا ہے۔

میں(شارح) کہتا ہوں کہ ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لینے کا جواز اس تاویل کو بعید قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے: (ولمن انتصر بعد ظلمہ اور جو شخص اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے بعد اس کا بدلہ لے لے..... الخ سورۃ شوری آیت ۴۱) نیز (وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اور برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔ سورہ شوری آیت نمبر ۴۰) ایک قول کے مطابق ضرر اسے کہتے ہیں جس کے ذریعے آپ اپنے بھائی کو نقصان پہنچائیں اور خود فائدہ اٹھائیں ۔ اور ضرار یہ ہے کہ اپنے بھائی کو تو نقصان پہنچا دیں لیکن خود کوئی فائدہ نہ اٹھائیں ۔ ایک اور قول کے مطابق دونوں الفاظ ہم معنی ہیں اور انکی تکرار تاکید کا فائدہ دیتی ہے۔ زیر نظر حدیث ضرر کی تحریم پر دلالت کرتی ہے کیونکہ لائے نفی جنس کے ذریعے جب اس کی ذات کی نفی کر دی گئی تو یہ بات اس سے نہی پر بھی دال بن گئی ' اس لئے کہ نہی تو ایک فعل سے باز رہنے کی طلب کے لئے آتی ہے اور اس سے ذات فعل کا عدم لازم آتا ہے۔ اس طرح لازم کو ملزوم کے لئے استعمال کیا گیا۔ ضرر کی تحریم عقلی اور شرعی دونوں اعتبار سے معلوم اور واضح ہے۔ اس سے ضرر کی وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کی شریعت نے اس مفاد عامہ کے پیش نظر اباحت کر دی ہے جو مفسدات سے بڑھ کر ہے ۔ مثلاً اقامت حدود اور اسی طرح کے دیگر احکام ۔ شریعت کے تفصیلی احکام میں یہ صورت حال بالکل واضح ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دوسروں پر قتل اور ضرب کی شکل میں حدود جاری کرنے والے شخص کے یہ افعال ضرر نہ کہلائیں کیونکہ اس نے مجرم پر اللہ کی حد قائم کر کے اللہ کے حکم کی صرف بجا آوری کی ہے' اس لئے یہ تو اللہ کی طرف سے سزا ہے نہ کہ حد قائم کرنے والے کی طرف سے ضرر واقع کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حد جاری کرنے والے کی مذمت نہیں کی جاتی بلکہ اس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعریف کی جاتی ہے۔

٨٦٦/٥ ـ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَحَاطَ حَائِطاً عَلَى أَرْضٍ فَهِيَ لَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ(١).

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی زمین پر چار دیواری کھڑی کر دے وہ زمین اس کی ہو جائے گی۔" ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور ابن الجارود نے اسے صحیح کہا ہے۔

یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ: "جو شخص ایسی زمین آباد کرے جو کسی کی ملکیت نہ ہو وہ اس کی ہوجائے گی۔" اس حدیث نے آباد کاری کی ایک نوعیت کی طرف اشارہ کیا ہے تاہم یہاں بھی یہ قید ضروری ہے کہ مذکورہ زمین پر کسی کا کوئی حق نہ ہو' جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

٨٦٧/٦ ـ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ حَفَرَ بِئْراً فَلَهُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعاً عَطَناً لِمَاشِيَتِهِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه بِإِسْنَادٍ ضَعِيف(٢).

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کوئی کنواں کھودے اسکے مویشیوں کے بیٹھنے کے لئے کنوئیں کے ارد گرد چالیس گز جگہ اس کی ہو گی۔" ابن ماجہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔

(۱) اس کے لئے عطن کا لفظ آیا ہے (عین اور طاء پر زبر اور نون) لغت میں عطن حوض کے ارد گرد اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

(۲) اس لئے کہ اس کی سند میں اسماعیل بن سلم ہے' طبرانی نے اس حدیث کی تخریج اشعث سے اور انہوں نے حسن بصری سے کی ہے۔ اس باب میں امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں: "نئے کنویں کا حریم (ارد گرد کی جگہ) پچیس گز ہے اور پرانے کنویں کا حریم پچاس گز ہے۔(۳)" دار قطنی

---

(۱) سنن ابی داؤد (۳۰۷۷)

(۲) سنن ابن ماجہ ۲۴۸۶' کنز العمال ۴۲۰۵۸' نصب الرایہ (۲۹۱/۴)

(۳) حدیث "نئے کنویں کا حریم" کے حوالے:۔ مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۴' المستدرک ج ۴ ص ۹۷' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۲۰' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے زیر نظر حدیث کی تخریج سعید بن المسیب کے واسطے سے حسن بصری سے کی ہے' اور اس کے مرسل ہونے کی علت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ "جس نے اس حدیث کو مسند کہا ہے اسے وہم ہوا ہے۔ اس کی سند میں محمد بن یوسف المقدی ہیں اور یہ دار قطنی کے شیخ کے شیخ ہیں لیکن ان پر وضع حدیث کی تہمت لگی ہوئی ہے (مسند اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند اتصال کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو ۔۔۔۔ مترجم) بیہقی نے اس کی روایت یونس کے طریق سے کی ہے۔ انہوں نے زہری سے اور انہوں نے سعید بن المسیب سے مرسل صورت میں کی ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے: "زراعت والے کنویں کا حریم اس کے چاروں طرف سے تین سو گز ہے۔[1]" محدث حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے موصول اور مرسل دونوں طریقوں سے اس کی روایت کی ہے۔ موصول سند میں عمر بن قیس ایک ضعیف راوی ہے۔

یہ حدیث کنویں کے لئے حریم کے ثبوت کی دلیل ہے۔ حریم سے مراد وہ جگہ ہے جس میں آباد کاری کرنے والے کو زمین آباد کرنے سے اور کنواں کھودنے والے کو کنواں کھودنے سے روک دیا جاتا ہے۔ "النہایہ" میں مرقوم ہے: اسے حریم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے اسکے مالک کو روکنا حرام ہے نیز یہ کہ مالک کے سوا کسی اور شخص کا اس میں تصرف حرام ہوتا ہے۔" زیر نظر حدیث کنوئیں کے حریم ہونے کے بارے میں نص ہے۔ حضرت عبداللہؓ کی حدیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس بارے میں علت کنویں کے مالک کی وہ ضرورت ہے جو اسے اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے وقت پیش آتی ہے کیونکہ اس کے اونٹ پانی پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس امر پر دال ہے کہ اس بارے میں علت کنویں کی اپنی ضرورت ہے تاکہ اس کے قریب آبادکاری کا عمل نہ ہونے پائے۔ اسی وجہ سے نئے اور پرانے کنویں کی حالت مختلف ہو گئی ہے۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ ضرورت کس بات کی ہے ؟ آیا یہ ضرورت مویشیوں کو پانی پلانے کی وجہ پر مبنی ہے یا کنویں کی خاطر ہے۔ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ امام ابو حنیفہ' امام شافعی اور ہاودیہ کا مسلک ہے کہ اسلام میں کنوئیں کا حریم چالیس گز اور امام احمد کے نزدیک یہ حریم پچیس گز ہے۔ رہ گئے چشمے تو الھادی کا مسلک ہے کہ بڑا چشمہ جس سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہو اس کا حریم ہر طرف سے استحساناً پانسو گز ہے۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے گویا نرم زمین کو مد نظر رکھا جسے اتنی مقدار میں حریم کی ضرورت ہوتی ہے سخت زمین کو اس سے کم حریم کی ضرورت ہوتی ہے۔ تنہا مکان کا حریم اس کے سامنے کا میدان ہے اور اس کی مقدار مکان کی دیوار کا طول ہے۔ ایک قول کے مطابق گھر

---

(۱) حدیث "زراعت والے کنویں کا حریم ..... الخ" کا حوالہ:۔ السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۵۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے انہدام کی صورت میں اس کے پتھر اور اینٹ جہاں تک جاگریں وہ اس کا حریم ہے ۔ یہ مسلک زید بن علی وغیرہ کا ہے ۔ نہر کا حریم نہر سے نکالی ہوئی مٹی اور کوڑا کرکٹ جہاں تک پھینکا جائے اس کی مقدار ہے ۔ ایک قول کے مطابق ہر جانب سے نہر کے نصف کی مثل حریم ہے ۔ دوسرے قول کے مطابق نہر کی پوری زمین کے بقدر بمعہ زمین حریم ہے۔ یہ تمام اقوال کنویں پر قیاس ہیں اور دونوں میں مشترکہ علت ضرورت ہے ۔ یہ حکم مباح زمین کا ہے یعنی ایسی زمین جو سب کے لئے ہو' مملوکہ زمین میں حریم نہیں ہوتا بلکہ مالک اس میں جو کچھ چاہے کر سکتا ہے ۔

۸۶۸/۷ ۔ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَهُ أَرْضاً بِحَضْرَمَوْتَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

علقمہ بن وائل سے مروی ہے ' انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرموت میں ایک زمین جاگیر کے طور پر دی تھی۔" ابو داؤد اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ (۱)

(۱) امام ترمذی اور بیہقی نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے ۔

(۲) اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ نے بنجر زمین کا کچھ حصہ حضرت وائلؓ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ وہ زمین کے ساتھ مختص ہو گئے تھے اور اسے آباد کرنے کا ان لوگوں سے بڑھ کر انہیں حق ہو گیا تھا جنہوں نے اس کی آبادی کی طرف سبقت نہیں کی تھی۔

آبادکاری کا بنجر زمینوں کے ساتھ مختص ہونا شوافع ' ہادویہ اور دیگر حضرات کے کلام میں ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ اقطاع کا مفہوم یہ ہے کہ امام المسلمین اللہ کے مال میں سے کوئی چیز کسی ایسے شخص کے لئے خاص کر دے جسے وہ اس کا اہل سمجھے۔ انکے قول کے مطابق اس لفظ کا اکثر استعمال زمین کے سلسلے میں ہوتا ہے ' اور وہ یہ ہے کہ امام اپنی رائے اور صوابدید کے مطابق زمین کا کوئی قطعہ ایسے شخص کے حوالے کر دے جو اسے سنبھال لے یا تو اس طرح کہ امام اس قطعہ کو اس کی ملکیت میں دیدے اور وہ اسے آباد کر لے یا اس طرح کہ ایک خاص مدت تک کے لئے اس کی پیداوار اس کے لئے مخصوص کر دے۔ قاضی عیاض نے مزید کہا ہے کہ دوسری صورت وہ ہے جسے ہمارے اس زمانے میں اقطاع (جاگیر دینا) کہا

---

(۱) علقمہ بن وائل کی حدیث کے حوالے: ۔ سنن ابی داؤد ۳۰۵۸' ۳۰۵۹' سنن ترمذی ۱۳۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ میں نے اپنے اصحاب (شوافع) میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے اس کا ذکر کیا ہو اور فقہی طریقے سے اس کی تخریج بھی مشکل ہے۔ جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اقطاع کے ذریعے مذکورہ زمین کا اس شخص کے ساتھ اختصاص ہو جاتا ہے جسے یہ زمین دی گئی ہو۔ جس طرح کسی قطعہ زمین کے اردگرد پتھر نصب کرنے والے کا اس زمین کے ساتھ اختصاص ہوجاتا ہے لیکن وہ اس کے ذریعے اصل زمین کا مالک نہیں بن جاتا۔(اختتام کلام قاضی عیاض)

۱۔ المحب الطبری نے اسی کا یقینی ہونا ظاہر کیا ہے۔ اوزاعی نے دعوی کیا ہے کہ امام المسلمین کی طرف سے لشکر کے کسی فرد کے لئے کسی زمین کی پیداوار کی تخصیص کے جواز میں جب کہ مذکورہ فرد اس کا مستحق ہو ' اختلاف ہے۔ اسی بنا پر ابن التین نے کہا ہے کہ اسے اقطاع اس وقت کہیں گے جب یہ زمین یا جائداد میں سے ہو اور اسے نے (خراج وغیرہ) سے دیا جائے اور کسی مسلمان یا معاہد (ذمی) کے حق میں سے نہ دیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ قطاع کبھی تملیک کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی غیر تملیک کی شکل میں۔ یمن کے اندر بعد کے اس زمانے میں اقطاع یعنی جاگیر دینے کا جو طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ حکمران خاندان کے ممتاز افراد کو عشری زمینوں میں سے جاگیر دے دی جاتی ہے۔ اور وہ ان کی زکوٰۃ وصول کر کے اپنی ذات پر خرچ کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ خود بڑے مالدار ہوتے ہیں ' تو یہ ایک حرام طریقہ کار ہے۔ شریعت محمدیہ میں مالداروں پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (اب تو یمن میں نہ حکمران خاندان ہین نہ ہی زکوٰۃ کی وصولی ' وہاں تو جمہوریت کے لبادے میں ڈکٹیٹر شپ کا راج ہے ---------- مترجم)

٨٦٩/٨ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ حُضْرَ فَرَسِهِ، فَأَجْرَى الْفَرَسَ حَتَّى قَامَ، ثُمَّ رَمَى بِسَوْطِهِ. فَقَالَ: «أَعْطُوهُ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ» رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ. وَفِيهِ ضَعْفٌ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو انکے گھوڑے کی انتہائی رفتار کے بقدر جاگیر دی۔ انہوں نے گھوڑا پوری رفتار سے دوڑایا اور پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ پھر

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا حوالہ :۔ سنن ابی داؤد ۳۰۷۲ --- سنن ابی داؤد ۳۴۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت زبیرؓ نے اپنا کوڑا پھینکا ' آپؐ نے فرمایا: "جہاں تک ان کا کوڑا گیا ہے وہاں تک انہیں دے دو۔" ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور اس میں ضعف ہے۔

(۱) اس کے لئے حضر کا لفظ آیا ہے (حاء پر پیش' ضاد ساکن اور پھر حرف راء) یعنی گھوڑے کا اپنی دوڑ میں رفتار کی انتہا تک پہنچ جانا۔

(۲) کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک راوی العری المکبر ہے ' اس کا نام عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب ہے۔ اس پر تنقید ہوئی ہے۔ امام احمد نے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت زبیرؓ کو دی جانے والی جاگیر بنو نضیر کے اموال میں سے تھی۔ "البحر" کے اندر مرقوم ہے: "امام المسلمین کو بنجر زمینیں بطور جاگیر دوسروں کے حوالے کرنے کا اختیار ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو اپنے گھوڑے کی انتہائی رفتار کے بقدر جاگیر دی تھی اور امیرالمومنین حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔"

۹/ ۸۷۰ - وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: «النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي الْكَلَإِ، وَالْمَاءِ، وَالنَّارِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ(۲).

ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ میں گیا۔ میں نے آپؐ کو یہ فرماتے سنا: "تمام لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں: گھاس چارے پانی میں اور آگ میں" امام احمد اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۱) اس کے لئے لفظ الکلاء آیا ہے۔ اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور الف مقصورہ کے ساتھ بھی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کی ان الفاظ میں مرفوعاً روایت کی (۳) ہے: "تین چیزوں سے کسی کو روکا نہیں جا سکتا ' گھاس چارہ پانی اور آگ سے۔" اس کی اسناد صحیح ہے۔ اس باب میں بہت سی روایتیں ہیں تاہم یہ تنقید سے خالی نہیں ہیں۔ البتہ تمام روایتیں مل کر حجت اور دلیل کا کام دے سکتی ہیں۔ پانی کے بارے میں دلالت مسلم شریف وغیرہ میں احادیث کے نصوص میں موجود ہے۔ الکلاء گھاس کو کہتے ہیں خواہ

---

(۲) حدیث "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں" کا حوالہ :۔ سنن ابی داؤد ۳۴۷۷

(۳) حدیث "تین چیزوں سے روکا نہیں جا سکتا" کے حوالے: سنن ابن ماجہ ۲۴۷۳' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۶۵' تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۲۰' کنز العمال ۹۲۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خشک ہو یا تر ' جب کہ "حشیش" اور " ہشیم" خشک گھاس کو کہتے ہیں۔ البتہ "اخلا" (الف مقصورہ کے ساتھ) تر گھاس کے ساتھ خاص ہے جس طرح لفظ عشب اسکے ساتھ خاص ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ان مذکورہ اشیاء میں سے کسی کے ساتھ کسی شخص کا اختصاص نہیں ہے۔ مباح (غیر مملوکہ) زمین میں اور ان پہاڑوں پر موجود گھاس کے بارے میں جنھیں کسی نے محفوظ نہ کیا ہو ' اجماع ہے کہ ان سے گھاس حاصل کرنے سے کسی کو روکا نہیں جائے گا سوائے ان حصوں کے جن کو امام المسلمین نے محفوظ چراگاہ قرار دیا ہو ' جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ مملوکہ زمین میں یا ایسی زمین میں جس کے ارد گرد پتھر نصب کر دیئے گئے ہوں ' موجود گھاس کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ ہادویہ اور دیگر حضرات کے نزدیک ایسی گھاس بھی مباح ہے۔ زیر نظر حدیث کا عموم انکی دلیل ہے۔ حدیث میں مذکورہ آگ سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد وہ ایندھن ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد کسی کی آگ سے چراغ جلا لینا اور اس سے روشنی حاصل کرنا ہے۔ تیسرے قول کے مطابق اس سے مراد چقماق ہے یعنی وہ پتھر جسے رگڑ کر بنجر علاقوں میں آگ نکالی جاتی ہے۔ لیکن ان اقوال میں دل کو سب سے زیادہ لگنے والا قول یہ ہے کہ اس سے حقیقی آگ مراد ہے۔ اگر یہ آگ مملوکہ ایندھن سے حاصل کی گئی ہو تو ایک قول کے مطابق اس کا حکم وہی ہو گا جو اس کی اصل یعنی ایندھن کا ہے۔ ایک اور قول کے مطابق اس بات کا احتمال ہے کہ ایسی آگ میں بھی وہی اختلاف ہو جو پانی کے سلسلے میں ہے۔ اس لئے کہ آگ کی ضرورت تمام لوگوں کو ہوتی ہے اور لوگ اس کے سلسلے میں کشادہ چشمی سے کام لیتے ہیں۔ رہ گیا پانی تو اس پر بات پہلے گذر چکی ہے نیز یہ کہ مباح سر زمین میں بارش کے جمع شدہ پانی سے کسی کو روکنا حرام ہے۔ نیز یہ کہ ایسے پانی کا کوئی کسی سے بڑھ کر حقدار نہیں ہوتا مگر صرف اس وجہ سے کہ کسی کی زمین اس پانی سے قریب ہو۔ اگر مذکورہ پانی کسی مملوکہ زمین میں ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے تاہم زمین کا مالک اس کے ذریعے اپنی زمین کی آب پاشی نیز اپنے مویشیوں کو سیراب کرنے کا زیادہ حقدار ہوتا ہے ' اور اس پر اپنی ضرورت سے زائد پانی دوسروں کے لئے صرف کر دینا واجب ہوتا ہے۔ اگر کسی کی زمین میں یا مکان کے احاطے میں بہتا ہوا چشمہ یا کھدا ہوا کنواں ہو تو وہ پانی کا مالک نہیں ہو گا بلکہ اس کا حق اتنا ہو گا کہ اس پانی سے فائدہ اٹھانے میں وہ دوسروں پر مقدم ہو گا۔ اور یہ دوسرے لوگ پانی حاصل کرنے کی غرض سے اس کی زمین میں داخل ہو سکتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔ اگر یہاں یہ سوال اٹھایا جائے کہ آیا چشمے اور کنویں کی فروخت جائز ہے؟ تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب یہ ہے کہ انکی فروخت جائز ہے کیونکہ زائد پانی کی فروخت سے نہی آئی ہے ' لیکن خود کنوؤں اور چشموں کی بمعہ انکی گہرائیوں کے فروخت کی کوئی ممانعت نہیں آئی ہے ۔ ان کا خریدار اپنی ضرورت کے بقدر انکے پانی کا دوسروں سے بڑھ کر حقدار ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہودی سے رومہ کا کنواں خرید کر اسے مسلمانوں کے لئے وقف کر دینا ثابت ہے ۔

اگر یہ کہا جائے کہ پانی پر جب کسی کی ملکیت نہیں ہوتی تو پھر یہودی نے کس طرح کنویں کو مسلمانوں سے روک دیا تھا یہاں تک کہ اسے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ اسلام کے ابتدائی زمانے کا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ابھی مدینہ تشریف لائے تھے' اور یہودی پر ابھی احکام کا نفاذ نہیں ہوا تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو ابتداء میں اپنے طور طریقوں پر باقی رہنے دیا تھا اور ان کی مملوکہ اشیاء پر انکی ملکیت کو برقرار رکھا تھا ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۷۔ باب الوقف

لغت کے اعتبار سے وقف کا لفظ حبس (روک لینے) کے معنی ادا کرتا ہے۔ محاورہ ہے "وقف کذا" (میں نے فلاں چیز روک لی۔) شرعی طور پر اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی جائز مصرف پر کسی ایسے مال کو روک لینا جس کے عین (اصل) کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو اور اس کی اصل میں تصرف کو ختم کر دیا گیا ہو۔

۸۷۱/۱ ۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین اعمال باقی رہتے ہیں: صدقہ جاریہ' یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔" امام مسلم نے اسکی روایت کی ہے۔

مصنف نے باب الوقف میں اس حدیث کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ علماء کی تفسیر کے مطابق صدقہ جاریہ سے مراد وقف ہے۔ اسلام میں سب سے پہلا وقف حضرت عمرؓ کے ہاتھوں قائم ہوا جس کا واقعہ آگے آ رہا ہے۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا وقف حضرت عمرؓ کا صدقہ تھا۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ: "ہمیں صحابہ کرام کے نیز فقہائے متقدمین کے درمیان زمینوں کے وقف کے جواز کے بارے میں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے۔" امام شافعی نے یہ اشارہ دیا ہے کہ وقف اسلام کے خصائص میں سے ہے اور جاہلیت میں اس کا وجود نہیں تھا۔ وقف کے الفاظ یہ ہیں (وقفت' حبست' سبلت' ابدت) یہ سب الفاظ وقف کے ہم معنی ہیں۔ (یعنی ہر فقرے کا تقریباً" معنی یہی ہے کہ "میں نے وقف کر دیا" ۔۔۔۔۔ مترجم) یہ وقف کے صریح الفاظ ہیں۔ اور لفظ (تصدقت میں نے صدقہ کر دیا) وقف سے کنایہ ہے۔ فقرہ (حرمت میں نے حرام کر لیا) کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ وقف کے لئے صریح ہے اور دوسرے قول کے

---

(۱) صحیح مسلم' حدیث ۱۳ من الذکر والدعا' سنن ترمذی ۱۳۷۶' نصب الرایہ (۱۵۹۱۳) تلخیص الحبیر (۶۸۱۳) ابن ماجہ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابن ماجہ ۲۴۲' صحیح ابن خزیمہ ۲۴۹۰' مشکوٰۃ المصابیح ۹۰۵۴ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق صریح نہیں ہے۔)

حدیث کا فقرہ: "یاایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے۔" اس سے اخروی فائدہ مراد ہے۔ اس سے وہ علم خارج ہو جائے گا جس کا کوئی فائدہ نہیں مثلاً علم النجوم جس کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ شخص داخل ہو گا جس نے کوئی مفید علمی تصنیف کی ہو یا اسے پھیلایا ہو اور پھر اس سے یہ علم نقل کرنے والے باقی رہیں اور فائدہ اٹھاتے رہیں۔یا اس نے کسی مفید علم پر کتابیں لکھی ہوں۔ خواہ اجرت لے کر ہی مگر درست نیت کے ساتھ یا کتابیں وقف کی ہوں ۔ حدیث میں مذکور ولد کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے۔ ولد کے نیک ہونے کی شرط ہے تاکہ اس کی دعا مستجاب ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ موت کے بعد مذکورہ تین اعمال کے سوا انسان کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ ان تینوں اعمال کا اجر موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور اس کا ثواب نئے سے نیا ملتا رہتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ مسلسل ثواب ملنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں امور اس کی اپنی کمائی ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ والدین کی وفات کے بعد انکے ولد (بیٹے اور بیٹی) کی انکے حق میں دعا انہیں مل جاتی ہے۔ اسی طرح دعا کے علاوہ انکے حق میں صدقہ کا ثواب بھی انہیں مل جاتا ہے اور ان پر واجب الادا قرض کی ادائیگی وغیرہ کا فائدہ بھی انہیں پہنچتا ہے ۔

یہ معلوم رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا تینوں امور پر دیگر امور کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ جن کی روایت ابن ماجہ نے ان الفاظ میں کی ہے: "مومن کی وفات کے بعد اس کے درج ذیل اعمال اور حسنات کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔ کوئی مفید علم جسے اس نے پھیلایا ہو' کوئی نیک اولاد جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑی ہو یا کوئی قرآن مجید جسے وراثت میں چھوڑا ہو یا کوئی مسجد تعمیر کی ہو یا مسافروں کے لئے کوئی سرائے بنائی ہو یا کوئی نہر جاری کی ہو یا اپنے مال سے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں کوئی صدقہ نکالا ہو۔ ان سب کا ثواب اس کی موت کے بعد بھی اسے ملتا رہے گا۔" ان کے علاوہ بھی چند امور ہیں جو مذکورہ ان امور سے مل کر دس تک جا پہنچتے ہیں ۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے انہیں نظم میں پرو دیا ہے ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

(۱) "جب انسان وفات پا جاتا ہے تو دس اعمال کے سوا اس کے کسی عمل کا ثواب جاری نہیں رہتا۔

(۲) علوم جو اس نے پھیلائے ' اولاد کی دعا' شجر کاری ' اور جاری رہنے والے صدقات۔

(۳) وراثت میں چھوڑا ہوا قرآن' سرحد پر تعمیر شدہ رباط (قلعہ) ' کھودا ہوا کنواں یا جاری کردہ نہر۔

(۴) مسافر کے لئے بنایا ہوا ایسا ٹھکانہ جہاں وہ آ کر ٹھہر سکتا ہو یا ذکر الٰہی کے لئے بنائی ہوئی جگہ (مسجد)۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۷۲/۲ ـ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَرْضاً بِخَيْبَرَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْمِرُهُ فِيهَا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضاً بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالاً قَطُّ هُوَ أَنْفَسُ عِنْدِي مِنْهُ. قَالَ: «إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا». قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ: أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا، وَلَا يُورَثُ، وَلَا يُوهَبُ، فَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ، وَفِي الْقُرْبَى، وَفِي الرِّقَابِ، وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَابْنِ السَّبِيلِ، وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، وَيُطْعِمَ صَدِيقاً غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالاً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ(۱).

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «تَصَدَّقَ بِأَصْلِهَا: لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرُهُ».

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی۔ وہ اس کے متعلق مشورہ کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: "اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں ایک زمین ملی ہے اور مجھے آج تک کوئی ایسا مال ہاتھ نہیں آیا جو میرے نزدیک اس سے بڑھ کر نفیس ہو۔" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو اصل زمین کا صدقہ کر دو!" چنانچہ حضرت عمر نے اس کا صدقہ کر دیا کہ نہ تو اصل زمین کی فروخت ہو گی' نہ اس میں وراثت جاری ہو گی' نہ اس کا ہبہ ہو گا۔" حضرت عمرؓ نے اس کا صدقہ کر دیا" یعنی اس زمین کی آمدنی کو صرف فقراء' رشتہ داروں' غلام آزاد کرانے اور اللہ کی راہ میں' مسافروں اور مہمانوں کے لئے صدقہ کر دیا' اور یہ بھی کہہ دیا کہ جو شخص اس زمین کی دیکھ بھال کرے گا وہ اس کی پیداوار میں سے معروف طریقے سے کھا سکتا ہے اور دوست کو کھلا سکتا ہے اور مال بنانے والا نہ ہو (متفق علیہ)الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں۔ امام بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: "اس کی اصل کا صدقہ کر دو کہ نہ تو اسے فروخت کیا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے بلکہ اسکے پھلوں (پیداوار) کو صرف کیا جائے۔"

(۱) نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس سو راس (اونٹ) تھے' انہوں نے ان کے بدلے

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری ج ۳ ص ۲۶۰' ج ۴ ص ۱۴' ج ۸ ص ۱۷۸' مسلم شریف حدیث ۱۵ من الوصیہ' سنن نسائی ج ۶ ص ۲۳ سنن ابی داؤد ۸۷۸' سنن ترمذی ۱۳۷۵' سنن ابن ماجہ ۳۳۹۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۲' ۵۵' السنن الکبری ج ۶ ص ۱۵۹' ج ۵ ص ۳۵۴' ۳۵۵' ۳۹۹' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۸۷' صحیح ابن خزیمہ ۲۴۸۳' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۳۰' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۰۸' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۸۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۵۲' ج ۱۴' التمہید ج ۱ ص ۲۱۴' طبقات ابن سعد ۳/۱/۲۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیبر کے سو حصے خرید لئے۔

(۲) حضرت عمرؓ کے قریبی رشتہ داروں

(۳) امام بخاری کی روایت سے یہی بات معلوم ہوئی کہ "اسے فروخت نہ کیا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے' نیز یہ کہ وقف کی یہ کیفیت ہوتی ہے' اس سے امام ابو حنیفہ کے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ وقف کو فروخت کرنا جائز ہے' امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ کو یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اس کے قائل ہوتے اور وقف کی بیع کے قول سے رجوع کر لیتے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ وقف کو واپس کرلینا اجماع کے خلاف ہے اس لئے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

حدیث کے فقرے: "جو شخص اس زمین کی دیکھ بھال کرے گا وہ اس کی پیداوار میں سے معروف طریقے سے کھا سکتا ہے۔" کے بارے میں قرطبی نے کہا ہے کہ: "رواج یہ رہا کہ وقف کا کارندہ (متولی) وقف کی پیداوار میں سے کھا لیتا حتیٰ کہ اگر وقف کرنے والا متولی کے نہ کھانے کی شرط عائد کر دیتا تو اسے بڑی بری بات سمجھا جاتا۔" معروف سے مراد وہ مقدار ہے جو عرف کے مطابق ہو۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد وہ مقدار ہے جس کے ذریعے متولی اپنی بھوک مٹا سکے۔ دوسرے قول کے مطابق متولی اپنی کارکردگی کی مقدار وقف کا مال کھائے۔ لیکن پہلی بات اولیٰ ہے۔

حدیث کا فقرہ ہے: "اور مال بنانے والا نہ ہو۔" یعنی وہ وقف میں سے مال (جائداد) بنانے والا نہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ وقف شدہ مال کی اصل کا مالک نہیں بنے گا اور نہ ہی اس کی آمدنی اور پیداوار حاصل کر کے اس کے ذریعے اپنی جائداد بنائے گا بلکہ اس کا حق تو اتنا ہی ہے کہ اپنا خرچ وقف کی آمدنی سے حاصل کر لے۔ امام احمد نے اپنی روایت میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس وقف کی تولیت کی وصیت ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام اور انکے بعد آل عمر کے نام کی تھی۔ دار قطنی نے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے۔

٨٧٣/٣ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ الْحَدِيثَ، وَفِيهِ: «فَأَمَّا خَالِدٌ فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتَادَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

---

(۱) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے حوالے: بخاری شریف باب ۸۹ من الزکوۃ' مسلم شریف حدیث ۱ من الزکوۃ' سنن ابی داؤد باب ۲۲ من الزکوۃ' سنن نسائی باب ۱۵ من الزکوۃ' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۱) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو صدقہ (زکوٰۃ) جمع کرنے کے لئے بھیجا ..... الخ' اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:
"رہ گئے خالد تو انہوں نے اپنی زرہیں اور سازو سامان اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔" (متفق علیہ)

(۱) اس کے لئے لفظ "اعتاد" آیا ہے۔ اس کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے (یعنی اسلحہ اور جنگ میں کام آنے والے جانور) یہ حدیث مال زکوٰۃ میں سے کسی معین چیز کو وقف کر دینے کی صحت پر دلالت کرتی ہے نیز یہ کہ ایک شخص اپنے مال زکوٰۃ کے ذریعے جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے آلات حرب حاصل کر سکتا ہے۔ نیز حدیث کی اس پر بھی دلالت ہے کہ اسباب وغیرہ کو وقف کر دینا درست ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اسباب وغیرہ کا وقف درست نہیں ہے اس لئے کہ اسباب میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے جب کہ وقف ہمیشہ کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث احناف کے خلاف دلیل ہے۔ جانور کو وقف کرنے کی صحت پر بھی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مصارف زکوٰۃ کی مذکورہ آٹھ اصناف میں سے کسی ایک صنف پر پوری زکوٰۃ صرف کر دینا جائز ہے۔ ہمارے مذکورہ بالا بیان پر ابن دقیق العید نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مذکورہ واقعہ میں ان باتوں کا بھی احتمال ہے جو بیان ہوئیں اور ان کے سوا دیگر باتوں کا بھی' اس لئے اس واقعہ سے مذکورہ باتوں میں سے کسی پر بھی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت خالدؓ کا عمل یعنی اپنی زرہوں اور گھوڑوں وغیرہ کو روک رکھنا استعمال کے موقعہ کے انتظار کے پیش نظر ہو اور ابھی ان کے استعمال کی ضرورت پیش نہ آئی ہو' اور یہ وقف نہ ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۔ ہبہ۔ عمری اور رقبی کا باب

الھبہ ' حرف ھاء کے نیچے زیر کے ساتھ ۔ " وقف" فعل کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں " میں نے ہبہ کیا" شرعی طور پر اس کے معنی ہیں ' عقد کے ذریعے اپنی زندگی میں کسی عین (متعین مال) کی بلا معاوضہ تملیک کر دینا' اس لفظ کا اطلاق ہبہ شدہ مال پر بھی ہوتا ہے اور اس سے عام مفہوم پر بھی ہوتا ہے۔

۱ / ۸۷٤ ۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَاماً كَانَ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هٰذَا؟». فَقَالَ: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَارْجِعْهُ».

وَفِي لَفْظٍ: فَانْطَلَقَ أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُشْهِدَهُ عَلَى صَدَقَتِي. فَقَالَ: «أَفَعَلْتَ هٰذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ؟» قَالَ: لَا قَالَ: «اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ». فَرَجَعَ أَبِي. فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ: «فَأَشْهِدْ عَلَى هٰذَا غَيْرِي» ثُمَّ قَالَ: «أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا لَكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟». قَالَ: بَلَى. قَالَ: «فَلَا إِذَنْ»(۱).

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ ان کے والد انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: " میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام عطیے کے طور پر دے دیا ہے۔ " یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟" میرے والد نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے واپس کر لو!" ایک روایت میں ہے: "میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تاکہ آپؐ کو اس صدقہ پر گواہ بنائیں جو انہوں نے مجھ پر کیا تھا۔ آپؐ نے میرے والد سے پوچھا: "کیا تم نے اپنی تمام اولاد کے ساتھ اسی طرح کیا ہے؟" انہوں نے نفی میں اس کا جواب دیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو۔" پھر میرے والد واپس آئے اور اس صدقہ کو واپس لے لیا۔ (متفق علیہ)

---

(۱) حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۲۰۶' مسلم حدیث ۹ تا ۱۱' ۱۸ من الھبات ' سنن ترمذی ۱۳۶۷' سنن نسائی ج ۶ ص ۲۵۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۱' ۲۷۳' السنن الکبری ج ۶ ص ۱۷۷' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۲' فتح الباری ج ۵ ص ۲۱۱' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۹۶' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۱۹ ' بدائع المنن ۱۳۶۹' ۱۳۷۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸' الادب المفرد ۹۳' مسند الحمیدی ۲۹۱۹' ۲۹۲۲' مسند الشافعی ۱۷۴' معانی الآثار ج ۴ ص ۸۵' ۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مسلم کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اس پر میرے سوا کسی اور کو گواہ بنا لو۔" پھر فرمایا: "کیا تمہارے لئے یہ بات خوشی کا باعث ہو گی کہ تمہاری تمام اولاد تمہارے ساتھ حسن سلوک میں یکساں ہو؟" میرے والد نے جواب دیا: "کیوں نہیں" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "پھر اس طرح نہ کرو۔"

یہ حدیث ہبہ کے اندر اولاد کے درمیان مساوات برتنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ امام بخاری نے اس کی تشریح کی ہے' اور امام احمد' اسحاق' سفیان توری اور دیگر حضرات کا یہی قول ہے۔ نیز یہ کہ عدم مساوات کی صورت میں ہبہ باطل ہو جائے گا۔ حدیث کے الفاظ یہی کچھ بتاتے ہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہبہ واپس لے لینے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا: "اللہ سے ڈرو" "اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو!" "میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا" اور "پھر اس طرح نہ کرو!" مساوات قائم کرنے کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق بیٹے اور بیٹی کو ملنے والے عطیے یکساں ہوں' یہ بات نسائی کی روایت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ: "تم نے انکے درمیان مساوات کیوں قائم نہیں کی!" ابن حبان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "ان کے درمیان مساوات قائم کرو!" حضرت ابن عباسؓ کی روایت اس طرح ہے: "عطیہ دینے میں اپنی اولاد کے درمیان یکسانیت رکھو۔ اگر میں کسی کو فضیلت دے سکتا تو عورتوں کو فضیلت دیتا!" سعید بن منصور اور بیہقی نے سند حسن سے اس کی روایت کی ہے۔ ایک اور قول کے مطابق مساوات کا مفہوم یہ ہے کہ میراث کے اصول کے مطابق مذکر کو مونث کے دو حصوں کے برابر حصہ دیا جائے۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مساوات واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ ان حضرات نے زیر نظر حدیث کی تاویل میں بڑے طویل عذر پیش کئے ہیں۔ شرح کے اندر ان میں سے دس کا ذکر ہے لیکن یہ سب کے سب ناقابل ذکر ہیں۔ ہم نے ایک سوال کے جواب میں اس موضوع پر ایک کتابچہ تصنیف کیا ہے اور اس میں واضح کر دیا ہے کہ مساوات کے وجوب کا قول بہت قوی ہے اور اسکے بغیر ہبہ باطل ہو گا۔

۸۷۵/۲ - وَعَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ ٱلنَّبِيُّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ٱلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَٱلْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «لَيْسَ لَنَا مَثَلُ ٱلسَّوْءِ، ٱلَّذِي يَعُودُ فِي هِبَتِهِ كَٱلْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ»

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنا دیا ہوا

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۲۰' ۲۱۵' ج ۹ ص ۳۷' مسلم شریف باب ۲ حدیث ۸ من الھبات' سنن ابی داؤد باب ۸۳ کتاب البیوع' سنن نسائی باب ۲ ۳۴ من الھبہ' سنن ابن ماجہ ۲۳۵۸' مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۸' السنن الکبری ج ۶ ص ۱۸۰' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۵۳' فتح الباری ج ۵ ص ۲۱۶' ج ۱۲ ص ۳۴۵' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۲۶' الادب المفرد ۴۱۷' تغلیق التعلیق ۸۶۷' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۹۵' التمہید ج ۷ ص ۲۴۰' مشکوٰۃ المصابیح ۱۸۵۔ ۳' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۳' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۶۳'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہبہ واپس لینے والا اس کتے کی مانند ہے جو قے کر کے اسے چاٹ لیتا ہے۔" (متفق علیہ) بخاری کی ایک روایت میں ہے: "ہمارے لئے بری مثال نہیں ہے، جو شخص اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لے لیتا ہے وہ اس کتے کی طرح ہے جو قے کرتا ہے اور پھر اسے چاٹ لیتا ہے۔"

اس حدیث میں دیا ہوا ہبہ واپس لینے کی تحریم پر دلالت ہے۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ اس کے لئے امام بخاری نے ان الفاظ میں ایک باب قائم کیا ہے: "کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے ہبہ اور صدقہ کو واپس لے لے۔" جمہور نے اولاد وغیرہ کو دیا ہوا ہبہ واپس لینے کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ احناف اور ہادویہ رشتہ دار کو دیئے ہوئے ہبہ کے سوا ہبہ کی دیگر صورتوں میں واپس کر لینے کو حلال سمجھتے ہیں، صدقہ میں نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا ہے کہ زیر نظر حدیث میں کراہت کی تغلیظ مراد ہے۔ طحاوی نے لکھا ہے کہ حضورؐ کا ارشاد: "قے کر کے اسے چاٹ لینے والے کی طرح ہے" اگرچہ تحریم کا مقتضی ہے لیکن دوسری روایت میں (کالکلب کتے کی طرح) کے لفظ کا اضافہ عدم تحریم پر دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ کتا شرعی احکام کا پابند نہیں ہے چنانچہ قے اس پر حرام نہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ کتے کے فعل کے مشابہ فعل سے اپنا دامن بچایا جائے۔" طحاوی کے اس بیان پر تبصرے میں کہا گیا ہے یہ بہت بعید تاویل ہے اور سیاق حدیث اس تاویل سے گریزاں ہے۔ اس جیسی عبارت میں شرع کے عرف کے مطابق سخت ڈانٹ مراد ہوتی ہے جس طرح ملا نماز کے اندر کتے کی طرح بیٹھنے، کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے اور لومڑی کی طرح گردن موڑ موڑ کر دیکھنے اور اسی طرح کے دیگر امور کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور حدیث کے مقام ورود سے تو تحریم کے سوا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی، اور بعید تاویل کی طرف التفات نہیں کرنا چاہئے۔ اگلی حدیث بھی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔

۸۷۶/۳ - وَعَنِ ٱبْنِ عُمَرَ، وَٱبْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا: «لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يُعْطِيَ الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدُ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَٱلْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ٱلتِّرْمِذِيُّ، وَٱبْنُ حِبَّانَ، وَٱلْحَاكِمُ(۱).

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ(۲) سے مروی ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی

---

(۱) حدیث "ہمارے لئے بری مثال نہیں ہے ..... الخ" کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۲۱۵، ج ۹ ص ۲۵، سنن نسائی ج ۶ ص ۲۶۷، سنن ترمذی ۱۲۹۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۷، الادب المفرد ۳۱۷، فتح الباری ج ۵ ص ۲۳۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۷۹، ۳۱۵، مسند الحمیدی ۵۳۰

(۲) حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۳۵۳۹، سنن ترمذی ۱۲۹۹، سنن نسائی ج ۶ ص ۲۶۵، سنن ابن ماجہ ۲۳۷۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ: "کسی مسلمان شخص کے لئے عطیہ دے کر اسے واپس لے لینا حلال نہیں ہے' سوائے اس عطیے کے جو والد اپنی اولاد کو دیتا ہے۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔" امام ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث میں آپؐ کا ارشاد " حلال نہیں ہے " تحریم کے بارے میں بالکل ظاہر ہے اور یہ کہنا کہ مذکورہ فقرہ کراہت شدیدہ سے مجاز ہے ' اسے اس کے ظاہر سے موڑ دینے کے مترادف ہے ۔ آپؐ کے ارشاد میں " الا الوالد" کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ باپ اگر اپنی اولاد کو ہبہ کے طور پر کچھ دے تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے چاہے ہبہ لینے والا ولد نابالغ ہو یا بالغ۔ ہادویہ نے اسے طفل کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ یہ بات ظاہر حدیث کے خلاف ہے ۔ بعض علماء نے اس میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ ہبہ کے اندر رجوع حلال ہے صدقہ کے اندر نہیں ' کیونکہ صدقہ سے ثواب آخرت مقصود ہوتا ہے۔ تاہم یہ فرق حکم کے اندر غیر موثر ہے ' اکثر علماء کے نزدیک ماں کا حکم باپ کے حکم کی طرح ہے ۔

البتہ الھادی نے بیوی کی طرف سے اپنے شوہر کو مہر ہبہ کر دینے کی صورت کو اس حکم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے کہ بیوی کو رجوع کا حق نہیں رہے گا۔ اس جیسی بات کی امام بخاری نے نخعی اور عمر بن عبدالعزیز سے تعلیقاً روایت کی ہے ۔ زہری نے کہا ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو دھوکا دیا ہو تو اس صورت میں وہ مذکورہ ہبہ بیوی کو واپس کر دے گا۔ عبدالرزاق نے ایک منقطع سند کے حوالے سے روایت کی ہے کہ: "عورتیں رغبت اور خوف دونوں جذبوں کے تحت دیتی ہیں ' اس لئے جو عورت بھی اپنے شوہر کو کوئی ہبہ وغیرہ دے اور پھر واپس لینا چاہے تو واپس لے لے۔"

٨٧٧/٤ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ، وَيُثِيبُ عَلَيْهَا». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(١).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کرتے تھے۔ اور اسکے بدلے میں کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے " امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے ۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ ہدیہ قبول کرلیتے اور اس کا کچھ نہ کچھ بدلہ دے دیا کرتے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ "آپؐ اس کے بدلے

---

(١) حضرت عائشہؓ کی حدیث کا حوالہ:۔ بخاری شریف باب " من الھبہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس سے بہتر چیز دیتے۔"

ہدیہ پر بدلہ دینے کے وجوب پر ں حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل عادت بدلہ کے لزوم کی مقتضی ہے ' تاہم محض اتنی بات سے وجوب پر استدلال مکمل نہیں ہو گا اس لئے کہ بعض دفعہ یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل یہ کام اپنی مکارم اخلاق والی جبلت کی بنا پر کیا ہے ' اس کے وجوب کی بنا پر نہیں کیا ۔ ہادویہ کا مسلک ہے کہ عرف کے مطابق ہدیہ کا بدلہ دینا واجب ہے ۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ امر ہے کہ اعیان کے اندر عوض اصل ہوتی ہیں ۔ "البحر" کے اندر لکھا ہے " ہدیہ کا عرف کے مطابق بدلہ دینا واجب ہے۔" امام یحییٰ نے کہا ہے کہ "اگر ہدیہ مثلی ہو تو بدلہ بھی مثلی ہو گا" اگر قیمت سے متعلق ہو تو بدلہ بھی قیمت سے تعلق والا ہو گا اور اس کے بارے میں وصیت کر جانا واجب ہے۔" امام شافعی نے اپنے جدید قول میں کہا ہے کہ بدلے کی خاطر ہدیہ دینا باطل ہے اور اس طرح کے ہدیہ کا انعقاد ہی نہیں ہوتا کیونکہ یہ نا معلوم ثمن کے بدلے ایک طرح کی بیع ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہبہ کے اندر رضا کارانہ نیکی کا جذبہ ہوتا ہے اب اگر ہم بدلہ واجب کر دیں تو یہ معاوضہ کے معنوں میں ہو جائے گا جب کہ شرع اور عرف دونوں نے ہبہ اور بیع کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے کہ جس صورت میں عوض کا استحقاق ہو اس پر بیع کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے بخلاف ہبہ کے۔ ایک قول کے مطابق جن حضرات نے اسے بدلے کے لئے جائز قرار دیا ہے انہوں نے گویا اس میں عرف کو بمنزلہ شرط قرار دیا ہے اور وہ یہ کہ اس کی مثل بطور بدلہ دی جائے ۔ بعض مالکیہ کا قول ہے کہ اگر ہبہ کرنے والا ہبہ کو مطلق رکھے یا اس جیسا شخص بدلے کا طلبگار بن سکتا ہو مثلاً فقیر شخص مالدار شخص کو ہبہ دے تو ان صورتوں میں ہبہ کا بدلہ دینا واجب ہو گا بخلاف اس صورت کے جب اعلیٰ شخص کسی ادنیٰ کو ہبہ کرے ۔ اگر ہبہ کرنے والا بدلہ لینے پر رضا مند نہ ہو تو ایک قول کے مطابق اگر ہبہ لینے والا ہبہ دینے والے کو قیمت دے دے تو ہبہ لازم ہو گا' دوسرے قول کے مطابق یہ ہبہ صرف اس صورت میں لازم ہو جائے گا جب وہ اسے راضی کر لے۔ پہلا قول امام مالک سے مشہور ہے ۔ لیکن اگلی حدیث اس کی تردید کرتی ہے ۔

۸۷۸/۵ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: وَهَبَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَةً. فَأَثَابَهُ عَلَيْهَا، فَقَالَ: «رَضِيتَ؟» قَالَ: لَا. فَزَادَهُ، فَقَالَ: «رَضِيتَ؟» قَالَ: لَا. فَزَادَهُ، فَقَالَ: «رَضِيتَ؟؟» قَالَ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے :۔ مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۵ ' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۸ ' موارد الظمان ۱۱۴۶' الدرالمنثور ج ۵ ص ۶۳' طبقات ابن سعد ۱۸/۱/۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما[1] سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹنی ہبہ کے طور پر دی۔ آپؐ نے اسے اس کا بدلہ دیا اور فرمایا: "کیا تم راضی ہو گئے ؟ اس نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آپؐ نے بدلے میں اضافہ کر دیا اور پوچھا کہ اب راضی ہو گئے؟ اس نے پھر نفی میں جواب دیا' آپؐ نے پھر اضافہ کر دیا اور پوچھا کہ اب راضی ہو گئے؟ اس نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ امام احمد نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور واضح کیا ہے کہ بدلے میں چھ جوان اونٹنیاں دی گئی تھیں۔ اس حدیث میں ہبہ کرنے والے کی رضا مندی کی شرط کی دلیل سے نیز یہ کہ اگر واہب کو اسکے ہبہ کے بقدر بدلہ حوالہ کیا جائے اور وہ اس پر راضی نہ ہو تو بدلے میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ یہ گذشتہ دو قول میں سے ایک کی دلیل ہے۔ اور ابن عمرؓ کا قول بھی یہی ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ اگر بدلے میں رضا مندی کی شرط عائد کی تو کیا یہ بیع نہیں ہو گی جس کا انعقاد ہو گیا ہو!

٨٧٩/٦ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اَلْعُمْرَى لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[2].

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عمری اس شخص کے لئے ہے جسے اس کا ہبہ کر دیا گیا ہو۔" (متفق علیہ) امام مسلم کی روایت[3] کے الفاظ ہیں: "تم لوگ اپنے اموال اپنے پاس رکھو اور انہیں خراب نہ کرو' کیونکہ جو شخص اپنا مال کسی کو بطور عمری (زندگی بھر کے لئے) دیدے تو یہ اس شخص کا ہو جائے گا جسے یہ دیا گیا ہو خواہ وہ زندہ رہے یا مر جائے' اور پھر اسکی اولاد کا ہو جائے

---

(1) حضرت جابر کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۲۱۶' مسلم شریف حدیث ۲۵ ص ۱ الھبات ' سنن ابی داؤد ۳۵۵' سنن نسائی باب ۴ من العمری ' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۲' ۳۰۴ السنن الکبری ج ۶ ص ۱۷۳' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۳۷' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۵۰' معانی الآثار ج ۴ ص ۹۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا۔" ایک او روایت میں ہے : "جس عمری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا تھا وہ یہ ہے کہ دینے والا لینے والے سے کہے کہ: "یہ تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے ہے۔" لیکن اگر وہ کہے کہ :"یہ تمہارا ہے جب تک تم زندہ رہو۔" تو اس صورت میں یہ اس کے مالک کی طرف لوٹ آئے گا۔ ابو داؤد اور نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں : " رقبی نہ کرو نہ ہی عمری کرو ' جو شخص کوئی چیز بطور رقبی یا بطور عمری کسی کو دے گا تو وہ اس کے ورثاء کا ہو جائے گا۔"

(۱) العمری (حرف عین پر پیش ' میم ساکن اور الف مقصورہ) تشریح آگے آ رہی ہے۔

(۲) حضرت جابرؓ سے مروی حدیث

(۳) حضرت جابرؓ سے مروی حدیث

العمری اور الرقبی کی اصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کا رواج تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے کو اپنا مکاں دے دیتا اور کہتا کہ " میں نے یہ مکان تمہاری زندگی بھر کے لئے مباح کر دیا۔" (اعمر تک ایاھا) اس میں چونکہ عمر کا لفظ آتا ہے اس لئے اسے عمری کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اسے الرقبی بھی کہا جاتا تھا کیونکہ ہر شخص دوسرے کی موت کے انتظار میں رہتا (عربی میں انتظار کرنے کو الرقابہ کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اسے الرقبی کہا جاتا تھا۔ ------ مترجم) شریعت نے بھی اسے برقرار رکھا۔ اس حدیث میں العمری کی مشروعیت کی دلیل موجود ہے۔ نیز یہ کہ جس شخص کو عمری کے تحت مال ہبہ کیا جاتا اسے اس کی ملکیت میں دے دیا جاتا۔ تمام علماء کا یہی مسلک ہے' البتہ داؤد ظاہری سے ایک روایت ہے کہ عمری درست نہیں ہے۔ اب اس امر میں اختلاف ہے کہ تملیک کس چیز کی ہوتی ہے' تو جمہور کا مسلک ہے کہ دئے ہوئے مال کی گردن (ذات) کی تملیک ہوتی ہے جیساکہ ہبہ کی دیگر صورتوں کے اندر ہوتا ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک منفعت کی تملیک ہوتی ہے' اصل مال کی نہیں ہوتی ۔ اس کی تین قسمیں ہیں: اول ہمیشہ کے لئے: اگر واہب (ابدا") کا لفظ کہے۔ دوم مطلق: اگر واہب کوئی قید نہ لگائے۔ سوم مقید: اگر واہب مثلاً یہ کہے " جب تک تم زندہ رہو۔ پھر جب تم مرجاؤ گے تو یہ مال میری طرف لوٹ آئے گا۔"

اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ زیادہ درست بات یہ ہے کہ عمری اور رقبی تمام احوال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اندر درست ہیں نیز یہ کہ موہوب لہ (جسے مال ہبہ کیا جائے) کو اس کی پوری ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس میں فروخت وغیرہ جیسے تمام تصرفات کر سکتا ہے کیونکہ احادیث میں یہ تصریح ہے کہ عمری اس شخص کے لئے ہے جسے اسکے تحت مال ہبہ کیا گیا ہو خواہ وہ زندہ رہے یا وفات پا جائے۔ روایت کے الفاظ کے مطابق ہبہ کرنے والا کہے "عمری تمہارے لئے ہے جب تک تم زندہ رہو!" تو اس کی موت کے بعد اس کی واپسی مالک کی طرف ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ واہب نے اس قید کے ذریعے گویا یہ شرط لگا دی کہ موہوب لہ کی موت کے بعد عمری کی واپسی اس کی طرف ہو جائے گی۔ اس لئے اس کا حکم وہی ہو گا جو اس صورت کا ہوتا جس میں وہ مذکورہ شرط کی تصریح کر دیتا، مثلاً" ایک ماہ یا ایک سال کے لئے اسے مذکورہ مال دے دیتا۔ ایسی صورت میں یہ بالاجماع عاریت ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "تم لوگ اپنے اموال اپنے پاس رکھو" اور "تم لوگ رقبی نہ کرو" کراہت پر محمول ہے اور انہیں اپنے اموال کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک طرح کی ہدایت ہے کیونکہ لوگ عمری اور رقبی کرتے تھے اور موہوب لہ کے مرنے کے بعد انکی واپسی واہب کی طرف ہو جاتی تھی۔ پھر شرع نے آکر ان کا مزاج درست کیا اور اس رقبی کی درستی کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے ٹکرانے والی شرط کو باطل کر دیا۔ کیونکہ یہ شرط ہبہ میں رجوع کے مشابہ ہے اور ہبہ میں رجوع کی نفی صحیح روایت سے ثابت ہے۔ نسائی (۱) نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "عمری اس کے لئے ہے جسے وہ زندگی بھر کے لئے دیدے اور رقبی اس کے لئے ہے جسے یہ زندگی بھر کے لئے دے دے اور اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا اس شخص کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لے۔" اگر واہب شرط کی تصریح کر دے جیسا کہ حدیث کے اندر ہے اور کہے: "جب تک تم زندہ رہو" تو یہ موقت عاریت کی صورت ہو گی، ہبہ نہیں ہو گا۔ یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ: "اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا قے کر کے اسے چاٹ لینے والے کی طرح ہے۔" اگلی حدیث بھی اسی طرح کی ہے۔

۸۸۰/۷ - وَعَنْ عُمَرَ قَالَ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَأَضَاعَهُ صَاحِبُهُ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ. فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ. فَقَالَ: «لَا تَبْتَعْهُ، وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ. الْحَدِيثُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱).

---

(۱) حضرت عمرؓ کی روایت کے حوالے: بخاری، ہبہ، مسلم شریف باب امن الھبات حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے حوالے: الادب المفرد، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۶۹، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۶، نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۲۰، تلخیص ص ۴۴، تلخیص لابن عدی ج ۴ ص ۲۴۴، تنزیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں کہ: "میں نے ایک شخص کو اپنا گھوڑا اللہ کی راہ (جہاد) میں استعمال کرنے کے لئے دے دیا۔ اس کے مالک نے اسے ضائع کردیا میں نے خیال کیا کہ شاید وہ اسے سستے داموں فروخت کر دے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: "تم اسے مت خریدو خواہ وہ اسے ایک درہم کے بدلے تمہیں کیوں نہ دے دے ..... تا آخر حدیث" متفق علیہ

پوری حدیث اس طرح ہے: "کیونکہ اپنے دئے ہوئے صدقہ کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اسے چاٹ لیتا ہے۔"

(۱) یعنی اس نے اسکی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے اور کھلانے پلانے میں کوتاہی کی۔ ایک اور طریق میں ہے: "اپنے صدقہ کو واپس نہ لو" آپؐ نے اس کی خریداری کو صدقہ واپس لینا قرار دیا۔ ایک قول کے مطابق اسکی وجہ یہ تھی کہ ایسی صورت کے اندر عادۃً بائع کی طرف سے مشتری کے ساتھ ثمن کے اندر مسامحت اور نرمی برتی جاتی تھی' اس لئے نرمی برتنے کی مقدار پر رجوع کے لفظ کا اطلاق کیا گیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مذکورہ بات مبالغہ کے طور پر کہی گئی ہو نیز یہ کہ قیمت دے کر اسے واپس لے لینا رجوع کر لینے کی طرح تھا۔ نہی کا ظاہر تحریم ہے۔ کچھ لوگوں کا یہی مسلک ہے' جب کہ جمہور کا قول ہے کہ یہ نہی تنزیہ کے لئے ہے۔ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ ہبہ واپس لے لینا حرام ہے اور یہی بات دلالت کے اعتبار سے سب سے قوی ہے سوائے ان صورتوں کے جن کا استثناء کر دیا گیا ہے۔

طبری نے کہا ہے کہ حدیث کے عموم سے وہ صورتیں مخصوص کر دی گئی ہیں جن کے تحت کوئی شخص بدلہ حاصل کرنے کی شرط کے ساتھ ہبہ کرے یا باپ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو کچھ ہبہ کیا ہو نیز وہ ہبہ جس پر موہوب لہ نے قبضہ نہ کیا ہو اور وہ ہبہ جو میراث کے ذریعے واہب کی طرف واپس آگیا ہو' اس لئے کہ ہبہ کی ان صورتوں کے استثناء میں احادیث وارد ہیں۔ جن صورتوں میں مطلقاً رجوع نہیں ان میں سے ایک وہ صدقہ ہے جو ثواب آخرت کی نیت سے کیا گیا ہو۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ ہبہ کو واپس لینے کے بارے میں ہے۔ لیکن ہبہ کو نرید لینا جس کے متعلق زیر نظر حدیث کا سیاق ہے' ظاہر یہی ہے کہ اس میں مذکورہ نہی تنزیہ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے ہے' اور تحریم تو صرف ہبہ واپس لینے کے سلسلے میں ہے ۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں صورتوں کے بارے میں نہی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور اس کی اصل تحریم ہے۔

٨٨١/٨ - وعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «تهَادُوا تحابّوا». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ، وَأَبُو يعْلَى بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ(١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو ' اس سے آپس میں ایک دوسرے سے محبت پیدا ہوگی۔" امام بخاری نے "الادب المفرد" میں اس کی روایت کی ہے اور ابو یعلی نے عمدہ اسناد کے ذریعے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) بیہقی وغیرہ نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے ۔ لیکن ان سندوں کے تمام راویوں پر جرح ہوئی ہے۔ مصنف کتاب نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے ۔ یہ بات انہوں نے شاید اس کے ان شواہد کی بناء پر کہی ہے جن میں عملی حدیث بھی شامل ہے اگرچہ ضعیف ہے ۔

٨٨٢/٩ - وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلَّم: «تهَادُوا، فَإِنَّ الْهدِيَّةَ تَسُلُّ السَّخِيمَةَ». رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ(٢).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دوسرے کو ہدیہ دیا لیا کرو کیونکہ ہدیہ کینے کو دور کر دیتا ہے۔ البزار نے ضعیف اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔

(۱) اس کے لئے لفظ السخیمہ آیا ہے ۔ (سین پر پیش پھر حرف حاء اور پھر حرف یاء اور میم) قاموس میں مذکور ہے کہ السخیمہ (سین پر پیش کے ساتھ) حقد یعنی کینے کے معنوں میں ہے ۔

---

(۱) حدیث: (تهادوا تحابوا)

انظره فی: (الادب المفرد ۸۷ والسنن الکبری ۱۶۹/۶ ومجمع الزوائد ۱۴۶/۴. والتمهید ۱۱۶/۶. ونصب الرایه ۱۲۱،۱۳۰/۴. وارواء الغلیل ۴۴/۶. وتلخیص الحبیر ۶۹/۳. وتفسیر القرطبی ۱۹۹/۱۳. واصلاحص صابم عدء ۱۴۲۴/۴. وتنزهیه الشریعه لابن عراق ۳۸۰/۱)

(۲) حضرت انس کی روایت کا حوالہ :۔ کشف الاستار ۱۹۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیثیں اگرچہ جرح و تنقید سے محفوظ نہیں ہیں تاہم ہدیے اور تحفے کا دل پر جو اثر ہوتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

۸۸۳/۱۰ ۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے مسلم خواتین ' کوئی پڑوسن کسی پڑوسن کے لئے کوئی ہدیہ حقیر نہ سمجھے خواہ بکری کا کھر کیوں نہ ہو۔" (متفق علیہ)

(۱) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ سب سے مشہور نساء پر نصب یعنی زبر کا قول ہے کہ یہ منادی ہے اور المسلمات کی طرف مضاف ہے۔ یہ موصوف کی طرف صفت کی اضافت کے قبیل سے ہے' اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

(۲) فرسن (حرف فاء مکسور راء ساکن ' حرف سین مکسور اور اسکے بعد نون) یہ اونٹ کے قدم کا وہ حصہ ہے جو دیگر حانوروں میں کھر کی شکل میں ہوتا ہے ۔ بعض دفعہ مجازاً" اسے بکری کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ اس حدیث میں ایک لفظ محذوف ہے' اصل عبارت اس طرح ہے: " لا تحقرن جار لجارتها هدیه ولو فرسن شاة" (ترجمے میں اس لفظ کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ مترجم)

حدیث میں کھر کا ذکر حقیقی معنوں میں نہیں ہے بلکہ پڑوسنوں کو پڑوسنوں کی طرف ہدیہ اور تحفہ بھیجنے کے لئے پرزور طریقے سے ابھارا گیا ہے ' اس لئے کہ کھر بطور ہدیہ بھیجنے کا رواج نہیں تھا۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ہدیہ بھیجنے والے کو اپنا ہدیہ اس طرح حقیر سمجھنے سے روکا گیا ہے کہ اس کے نتیجے میں ہدیہ بھیجنے کا عمل ہی ختم ہو کر رہ جائے ۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کھر کا رخ اس شخص کی طرف ہو جسے ہدیہ بھیجا گیا ہو اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ آنے والے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ حقیقت میں حقیر کیوں نہ ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں کے دونوں مراد ہوں ۔ اس حدیث میں ہدیہ لینے دینے پر ابھارا گیا ہے' خاص طور سے پڑوسیوں کے درمیان خواہ ہدیہ حقیر ہی کیوں نہ ہو ' اس لئے کہ یہ طرز عمل ایک دوسرے کے لئے محبت اور انس کا سبب ہوتا ہے ۔

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۱۲' مسلم شریف حدیث ۹۰ من الزکواۃ' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۴' ۳۰۷' ۴۹۳' ۵۰۶' السنن الکبری ج ۴ ص ۶۰ ' ۱۶۹' فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۷' ج ۱۰ ص ۴۴۵' شرح السنہ ج ۶ ص ۱۴۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۸۴/۱۱ - وَعَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ وَهَبَ هِبَةً فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا مَا لَمْ يُثَبْ عَلَيْهَا». رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ، وَالْمَحْفُوظُ مِنْ رِوَايَةِ ٱبْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَوْلُهُ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص کوئی چیز ہبہ کرے وہ اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے جب تک اسے اس کا بدلہ نہ دے دیا جائے۔" حاکم نے اس کی روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے' تاہم محفوظ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ سے انکے قول کی روایت کی ہے۔

مصنف کتاب نے کہا ہے کہ حاکم اور ابن حزم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث میں ہبہ واپس لینے کا عدم جواز ہے جس کا واہب کو موہوب لہ کی طرف سے بدلہ دے دیا گیا ہو۔ اس پر بحث گذر چکی ہے۔ اور اس ہبہ کے حکم پر بھی گفتگو گذر چکی ہے جو بدلہ حاصل کرنے کی نیت سے کیا گیا ہو۔ اس بارے میں کتنی اچھی بات یہ کہی گئی ہے کہ ہبہ کرنے والا کسی نہ کسی غرض کے تحت ایسا کرتا ہے۔ اعلیٰ کی طرف سے ادنیٰ کو ہبہ کے طور پر کوئی چیز دینا اکثر بطور صدقہ ہوتا ہے۔ معاشرتی طور پر مساوی شخص کو بطور ہبہ کچھ دینے میں دوستی کا حصول اور حسن معاشرت مد نظر ہوتا ہے اور یہ بہت اہم غرض ہے اور یہ بات اپنے سے کم تر کو عطیہ دینے کی طرح ہے۔ تاہم اس میں صدقہ کا توہم ہوتا ہے۔ پھر عرف اور رواج میں یہ ایک حقیقت ہے کہ ہدیہ دینے اور لینے والے کے احوال کے اعتبار سے ہدیہ کی صورتیں بھی مختلف ہو جاتی ہیں۔ اگر ہدیہ دینے کی غرض طمع اور تحصیل (کچھ نہ کچھ حاصل کر لینا) ہو مثلاً کمائی کر کے گذارہ کرنے والا انسان بادشاہ کو کسی چیز کا ہدیہ پیش کر کے اپنی محبت کا اظہار کرے اور بادشاہ کی مہربانی کا امیدوار بن جائے۔ اب اگر بادشاہ اس ہدیہ کی صرف قیمت کی مقدار کو مد نظر رکھے گا تو ہدیہ دینے والا لازمی طور پر مذمت کی زد میں آ جائے گا۔ اور مذمت اس بات کا اشارہ ہو گا کہ اپنا ہدیہ واپس لے جاؤ بلکہ وہ یا تو اسے واپس کر دے گا یا اس سے بہتر ہدیہ اسے دے دے گا۔ اگر ہدیہ دینے والے کی غرض یہ ہو کہ اسکے اور ہدیہ قبول کرنے والے کے درمیان رابطہ پیدا ہو جائے' باہمی طور پر عمدہ اخلاق کا مظاہرہ ہو اور آپس کے تعلقات میں خلوص پیدا ہو جائے تو بدلے کے طور پر معمولی چیز بھی اسکے لئے کفایت کر جائے گی خواہ اس کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ۔ بلکہ کم سے کم مقدار والا بدلہ ہی زیادہ مناسب ہو گا تاکہ یہ اشارہ ہو جائے کہ معاوضہ حاصل کرنا غرض نہیں تھا بلکہ محبت و الفت کی تکمیل مقصود تھی نیز یہ کہ میری اور آپ کی مملوکہ اشیاء میں کوئی فرق نہیں ہے۔

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا حوالہ: المستدرک ج ۲ ص ۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۔ باب اللقطه

الاقطه لام پر پیش اور قاف پر زبر کے ساتھ ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کے سوا دیگر کوئی اعراب جائز نہیں ہے۔ خلیل نحوی نے کہا ہے کہ حرف قاف ساکن ہے' اس پر کوئی اور اعراب آ نہیں سکتا۔ اگر اس حرف پر زبر ہو تو یہ لاقط (گری پڑی چیز اٹھا لینے والے) کے معنوں میں ہو گا۔ ایک قول کے مطابق قیاس تو یہی ہے لیکن اہل لغت اور اہل حدیث کا اجماع حرف قاف کے زبر پر ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے اس کے سوا کوئی اور اعراب جائز نہیں ہے۔ (گری پڑی چیز کو لقطہ کہا جاتا ہے' مترجم)

۱ / ۸۸۵ ۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ: «لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم راستے میں پڑے ہوئے کھجور کے ایک دانے کے پاس سے گذرے اور فرمایا: "اگر مجھے خطرہ نہ ہوتا کہ یہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو تو میں اسے ضرور کھا لیتا۔" (متفق علیہ)

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حقیر چیز کو اٹھا لینا جائز ہے جو عام طور پر نظر انداز ہوتی ہے اور لوگ اسے دینے لینے میں کشادہ روی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسی چیز کی تشہیر واجب نہیں ہے۔ اسے لینے والا لیتے ہی اس کا مالک بن جاتا ہے۔ حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ حقیر چیز کو اٹھا لینا جائز ہے اگرچہ اس کا مالک معروف ہو۔ ایک قول کے مطابق یہ جائز نہیں الا یہ کہ اسکا مالک مجہول اور نامعلوم ہو۔ لیکن اگر معلوم ہو تو اس کی اجازت کے بغیر مذکورہ چیز کو اٹھا لینا جائز نہیں ہو گا خواہ وہ معمولی کیوں نہ ہو۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے اس دانے کو راستے میں کیوں پڑا رہنے دیا حالانکہ امام المسلمین پر اس مال کی حفاظت واجب ہے جس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو نیز زکواۃ کے مال کی حفاظت بھی اور اسے اس کے مصارف میں صرف کرنا بھی اسکی ذمہ داری ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ زیر نظر واقعہ میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حفاظت کی خاطر نہیں اٹھایا' بلکہ آپؐ نے پرہیز گاری کی

---

(۱) حضرت انسؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۱۶۴' مسلم شریف حدیث ۱۰۷۱' سنن ابی داؤد ۱۶۵۱' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۲' السنن الکبری ج ۷ ص ۳۰' مصنف عبدالرزاق ۱۸۶۴۲' تعلیق التعلیق ۸۳۹' فتح الباری ج ۵ ص ۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا بر اسے نہیں کھایا یا آپؐ نے اسے عمداً" وہاں رہنے دیا تاکہ وہاں سے گذرنے والا کوئی شخص اسے اٹھا کر کھا لے جس کے لئے صدقہ کا مال حلال ہو۔ امام المسلمین پر تو صرف ایسے مال کی حفاظت واجب ہوتی ہے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ اس کا مالک اس کی تلاش میں آئے گا ایسے مال کی حفاظت اس پر واجب نہیں جسے لوگ معمولی اور گھٹیا سمجھ کر نظرانداز کر دیتے ہیں اور اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس حدیث میں اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ ایسی چیز کھانے سے پرہیز کیا جائے جس کے حرام ہونے کا امکان ہو۔

۸۸۶/۲ - وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ. جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ. فَقَالَ: «اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنُكَ بِهَا». قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ. قَالَ: فَضَالَّةُ الإِبِلِ؟ قَالَ: «مَالَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ، وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ، حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت زید بن خالدؓ جہنی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور لقطہ کے متعلق استفسار کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "اسکے برتن اور اسکے سربند کی شناخت کرو اور ایک سال تک اسکی تشہیر کرو۔ اگر اس کا مالک آگیا تو فبہا ورنہ تم جانو اور تمہارا کام۔" اس شخص نے عرض کیا: "گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "یہ بکری تمہاری ہوگی یا تمہارے بھائی کی یا پھر بھیڑیے کی۔" انہوں نے کہا: "گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟" آپؐ نے جواب دیا: "تمہارا اس سے کیا کام، اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ اور جوتا ہے، گھاٹ پر جائے گا اور درختوں کے پتے کھاتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کے پاس پہنچ جائے گا۔" (متفق علیہ)

(۱) انکی کنیت ابو طلحہ یا ابو عبدالرحمٰن ہے۔ یہ کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے اور پچاسی برس کی عمر میں ۷۸ ہجری میں وہیں وفات پائی۔ ایک پورے گروہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۲) اس شخص کے تعین پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی۔

(۳) یعنی لقطہ کے شرعی حکم کے متعلق۔

---

(۱) حضرت زید بن خالد کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۲ من اللقطہ، مسلم شریف حدیث ۱۷۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) عفا صا (حرف عین مکسور' پھر فاء اور لفد اور اسکے بعد حرف صاد) کے معنی ہیں اس کا وعاء یعنی وہ برتن جس میں لقطہ رکھا ہوا ہو یعنی تھیلی وغیرہ ایک روایت میں خرقتھا (اس کا کپڑا) کا لفظ آیا ہے۔

(۵) وکاء ھا (حرف واؤ مکسور اور حرف کاف ممدودہ) وہ چیز جس کے ساتھ کوئی چیز باندھی جائے یعنی سربند۔

(۶) عرفھا (حرف راء کی تشدید کے ساتھ) تعریف مصدر سے امر کا صیغہ ہے یعنی تشہیر کراو۔

(۷) ضالہ الغنم' ضالہ کا لفظ جانور کے لئے بولا جاتا ہے اور جو جانور نہ ہو اسے لقطہ کہا جاتا ہے

(۸) یعنی اس کا معدہ' ایک قول کے مطابق اس کی گردن۔

(۹) حذائھا۔ (حرف ھاء مکسور' حرف ذال پر زبر) سے مراد اسکے موزے یعنی ٹاپ ہیں۔

لقطہ کو اٹھانے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اٹھا لینا افضل ہے یا پڑے رہنے دینا' امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اٹھالینا افضل ہے کیونکہ مسلمان پر اپنے بھائی کے مال کی حفاظت واجب ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک لقطہ کو نہ اٹھا نا افضل ہے۔ انکی دلیل یہ حدیث ہے: "مومن کی گمشدہ چیز آگ کی جلن ہے۔[1]" نیز یہ کہ تاوان بھرنے اور اسکے واجب الادا دین ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اسے اٹھا لینا واجب ہے اور انہوں نے درج بالا حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ اس کا مصداق وہ شخص ہے جو اسے شروع ہی سے فائدہ حاصل کرنے کی نیت سے اٹھائے اور اس کی تشہیر سے پہلے ہی وہ اس سے مستفید ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔

یہ بحث تو اپنی جگہ رہی' زیر نظر حدیث تین مسائل پر مشتمل ہے:

پہلا مسئلہ لقطہ کے حکم کے بارے میں ہے' یعنی اس گم شدہ چیز کے بارے میں جو جانور کے علاوہ ہو۔ جانور کے لئے ضالۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لقطہ اٹھانے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے برتن اور اس کے سربند کی اچھی طرح شناخت اور پہچان کر لے۔ حدیث میں مذکورہ صیغہ امر کا ہے۔ ظاہر تو یہی ہے کہ جن دو چیزوں کا ذکر ہوا ہے انکی شناخت اور پہچان اور پھر لقطہ کی تشہیر واجب ہے۔ اور

---

(۱) حدیث "مومن کی گمشدہ چیز آگ کی جلن ہے۔" کے حوالے :۔ سنن ترمذی ۱۸۸۱' سنن ابن ماجہ ۲۵۰۲' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵' ج ۵ ص ۵۰' سنن دارمی ح ۲ ص ۲۶۶' السنن الکبری ج ۶ ص ۱۹۰' ۱۹۱' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲ ص ۲۹۶' ج ۱۷ ص ۱۸۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۷' مصنف عبدالرزاق ۱۸۶۰۳' موارد الظمان ۱۱۷۰' ۱۱۷۱' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۳۸' شرح السنہ ج ۸ ص ۳۱۶' ۳۱۷' المعجم الصغیر للطبرانی ج ۲ ص ۲۸' التمہید ج ۳ ۱۱۲' فتح الباری ۵ ص ۹۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دوسری بات کے وجوب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی حدیث کی دلالت اور قوت پیدا کر دیتی ہے۔

۸۸۷/۳ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ آوَى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ، مَا لَمْ يُعَرِّفْهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے کسی گمشدہ چیز کو ٹھکانہ دیا (اپنے گھر میں رکھ لیا) وہ گمراہ ہے جب تک اسکی تشہیر نہ کرائے۔" امام مسلم نے اسکی روایت کی ہے۔

(۱) یعنی حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں آپؐ نے ایسے شخص کو گمراہی کی صفت سے موصوف کیا اگر وہ لقطہ کی تشہیر نہ کرائے۔ لقطہ کے برتن اور اسکے سربند کی شناخت کر لینے کے فائدے کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آ کر لقطہ کے بارے میں شناختی بیان دے دے تو لقطہ اسے واپس کیا جا سکے گا نیز اس شناختی بیان کے بعد اس کی بات قبول کی جا سکے گی، پھر لقطہ اسے واپس کرنا واجب ہو جائے گا۔ اس پر یہ حدیث اور امام بخاری کی روایت کردہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "اگر کوئی شخص تمہارے پاس آ کر لقطہ کے بارے میں خبر دے ------- ایک روایت میں ہے -------- اس کی تعداد، اسکے برتن اور اسکے سربند کے بارے میں خبر دے، تو یہ لقطہ اسے دے دو۔" امام احمد اور امام مالک کا یہی مسلک ہے۔ برتن یعنی تھیلی میں موجود دیناروں کے وصف اور انکی تعداد بیان کرنے کی زائد شرط لگائی ہے۔ انکے قول کے مطابق بعض روایات میں ان کا ذکر ہے۔ تاہم دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اگر برتن یعنی تھیلی اور اسکے سربند کی شناخت ہو جائے تو پھر اس میں رکھے ہوئے دیناروں وغیرہ کی تعداد کی لاعلمی سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اگر منصوص علیہ نشانیوں یعنی برتن اور سربند میں سے ایک کی شناخت ہو جائے اور دوسری کی شناخت نہ ہو سکے تو ایک قول کے مطابق آنے والے شخص کو کچھ نہیں ملے گا، اسے صرف ان دونوں نشانیوں کو بیان کرنے پر لقطہ حدیث "مدعی کے ذمہ گواہی پیش کرنا ہے:" کے حوالے حدیث نمبر ۷۳۶ کے حاشیہ میں دیکھئے۔

---

(۱) حدیث "جو شخص مسلمان کی گمشدہ چیز کو آگ کی جلن ہے نہ دے ..... الخ" کے حوالے :--- مسلم شریف ۱۲ من اللقطہ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷، السنن الکبری ج ۶ ص ۱۹۱، المستدرک ج ۲ ص ۶۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۵ ص ۲۹۸، التمہید ج ۳ ص ۱۱۳، مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۳۱، شرح السنہ ج ۸ ص ۳۱۸، معانی الآثار ج ۴ ص ۱۳۴
حدیث "مدعی کے ذمہ گواہی پیش کرنا ہے:" کے حوالے حدیث نمبر ۷۳۶ کے حاشیہ میں دیکھئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واپس کیا جائے گا ۔ دوسرے قول کے مطابق ایسی صورت میں ایک مدت کی مہلت کے بعد لقطہ اسکے حوالے کردیا جائے گا۔

پھر اس بارے میں بھی اختلاف رائے ہے کہ آیا جب مذکورہ شخص لقطہ کے برتن یعنی تھیلی وغیرہ اور اسکے سربند کی نشانیاں بتا دے تو کیا اس سے قسم اٹھوائے بغیر لقطہ اسکے حوالے کر دیا جائے گا یا قسم اٹھوانا بھی ضروری ہو گا ؟ ایک قول ہے کہ قسم لئے بغیر ہی لقطہ اسکے حوالے کر دیا جائے گا کیونکہ ظاہر حدیث یہی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ بینہ یعنی گواہی کے بغیر اسے لقطہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ بینہ ضروری قرار دینے والے حضرات کا کہنا ہے کہ لقطہ اٹھانے والے کو مذکورہ دونوں نشانیوں کی پہچان اور شناخت کر لینے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ لقطہ اسکے دیگر اموال کے ساتھ مخلوط اور گڈ مڈ ہونے نہ پائے ' اس پہچان کا حکم اس لئے نہیں ہے کہ جو شخص آکر لقطہ کے بارے میں شناختی بیان دیدے' لقطہ اسے واپس کر دیا جائے ' اس لئے بینہ پیش کئے بغیر لقطہ اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ آنے والا شخص مدعی ہو گا اور جس چیز کا اس نے دعویٰ کیا ہے بینہ کے بغیر وہ چیز اس کے حوالے نہیں کی جا سکتی ۔ یہ اصول شرعی طور پر مسلم ہے اور مدعی کی طرف سے صرف لقطہ کے برتن اور اسکے سربند کی نشانیاں بتلانے پر اس مسلمہ اصول سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ احادیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ شناختی بیان پر ہی لقطہ اسکے حوالے کر دینا واجب ہو گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تو یہ (لقطہ) اسے دے دو۔" اسکے بعد ایک فقرہ محذوف ہے کہ "پھر یہ اسے دے دو۔" یہ فقرہ شرط کا جواب ہے ' اور اسکے بارے میں علم ہونے کی بنا پر اسے کلام سے حذف کر دیا گیا۔ رہ گئی حدیث "مدعی کے ذمہ بینہ پیش کرنا ہے" تو بینہ صرف گواہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر اس امر کے لئے عار ہے جس کے ذریعے حق واضح ہو جاتا ہو' اور برتن نیز سربند کی نشانیوں کا بیان اسی میں سے ہے۔ علاوہ ازیں جن لوگوں نے بینہ کی شرط لگائی ہے انہوں نے کہا ہے کہ جب روایات میں مروی یہ اضافی حصہ "تو پھر یہ اسے دیدو" ثابت ہو جائے تو اس پر عمل ہوگا۔ اور یہ اضافی حصہ مصنف کتاب کی تحقیق کے مطابق درست ثابت ہو چکا ہے ۔ اس لئے اس پر عمل واجب ہو گا اور شناختی بیان کے بعد اسے واپس کرنا ضروری ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لقطہ کی تشہیر جس طرح واجب قرار دی ہے اسی طرح اس کے لئے ایک سال کی مدت بھی مقرر کر دی ہے۔ اس لئے سال بھر اسکی تشہیر واجب ہو گی' اسکے بعد کیا کیا جائے گا تو ایک قول کے مطابق سال کے بعد تشہیر واجب نہیں ہو گی۔ دوسرا قول ہے کہ واجب ہو گی لیکن دلیل پہلے قول کے ساتھ ہے۔ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک سال تک تشہیر ہو گی' آگے نہیں خواہ لقطہ معمولی چیز ہو یا گراں قدر ' پھر تشہیر کا کام لوگوں کے جمع ہونے کے مقامات پر ہو گا مثلاً بازاروں میں ' مساجد کے دروازوں پر اور پرہجوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجمعوں میں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "پھر تم جانو اور تمہارا کام۔" اس میں وارد لفظ "شانک" ترغیب کی بنا پر منصوب ہے' اس پر رفع بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر (بھا) ہے' اس ارشاد میں معاملہ گویا اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ اگر چاہے تو اسے محفوظ کر کے رکھ لے اور اگر چاہے تو اسے اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس ارشاد سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ لقطہ اٹھانے والے کے لئے اس میں ہر طرح کا تصرف جائز ہے خواہ وہ اسے اپنی ذات پر صرف کر دے چاہے خود امیر ہو یا فقیر' یا اسے صدقہ کردے تاہم ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جو اس امر کی متقاضی ہیں کہ وہ اس کا مالک نہیں ہو گا۔ امام مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "پھر ایک سال تک اسکی تشہیر کرو۔ اگر پھر بھی اس کا مالک نہ آئے تو یہ لقطہ تمہارے پاس ودیعت (امانت) کے طور پر رہے گا۔" ایک روایت میں ہے۔ "پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو' اگر پھر بھی اس کی شناخت نہ ہو سکے تو اسے صرف کر لو۔ تاہم تمہارے پاس اس کی حیثیت ودیعت کی ہو گی' پھر اگر اس کا طالب کسی بھی دن آ جائے تو اسے اس کے حوالے کر دو۔"

یہی وجہ ہے کہ ایک سال کے بعد لقطہ کے حکم کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا ہے "نہایۃ المجتہد" میں مرقوم ہے: "اسلامی شہروں کے فقہاء امام مالک' سفیان ثوری' اور اوزاعی اور امام شافعی کا اس پر اتفاق ہے کہ لقطہ اٹھانے والے کو (ایک سال کے بعد) اسکی ملکیت کا حق ہو جاتا ہے۔ یہی قول حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اسے اس کے سوا کسی اور بات کا حق نہیں کہ وہ اس کا صدقہ کردے۔ اسی طرح کا قول حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ تاہم تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اگر اس نے لقطہ صرف کر لیا تو اس کے مالک کو اس کا تاوان بھر دے گا۔ البتہ ظاہریہ کا قول ہے کہ ایک سال گذر جانے پر لقطہ اس کے لئے حلال ہو جائے گا اور اسکے دیگر اموال میں شامل ہو جائے گا اور اگر اس کا مالک آ بھی جائے تو وہ اسے اس کا تاوان ادا نہیں کرے گا۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ لوگ امام مسلم کی روایت کردہ حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث کے بارے میں کیا کہیں گے جو تاوان کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ دل کو سب سے زیادہ لگنے والا وہ قول ہے جسے امام شافعی نے اور ان کے ہم خیال حضرات نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقطہ صرف کر لینے کی اجازت دے دی تھی' صدقہ کر دینے کا اسے حکم نہیں دیا تھا' پھر صرف کر لینے کی اجازت دینے کے بعد اسے حکم دیا کہ اگر کسی بھی دن اس کا مالک آ جائے تو وہ یہ لقطہ اسے واپس کردے۔ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات لقطہ کا تاوان بھر دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ گمشدہ بکری کے بارے میں ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص آبادی سے دور بے آب و گیاہ مقام پر کسی بکری کو دیکھ کر اسے پکڑ لے تو وہ اسے کھا سکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :" یہ تمہاری ہو گی یا تمہارے بھائی کی یا پھر بھیڑئے کی۔" کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی بکری ہلاکت کی زد میں ہو گی اور اس حالت میں ہو گی کہ یا تو تم اسے پکڑ لو یا تمہارا بھائی اسے پکڑ لے۔ اس سے مراد زیادہ عام ہے یعنی خواہ اس کا مالک آ جائے یا کوئی اور اٹھانے والا۔ بھیڑئے سے مراد بکریاں کھا جانے والے درندے ہیں۔ حدیث میں ایسی بکری پکڑ لینے پر ابھارا گیا ہے ۔ آیا اس پر اس کے مالک کو اس کی قیمت کے تاوان کی ادائیگی واجب ہو گی یا نہیں ؟ جمہور کا قول ہے کہ وہ اسکی قیمت کا تاوان بھرے گا۔ امام مالک کا مشہور مسلک یہ ہے کہ وہ تاوان نہیں بھرے گا۔ ان کے حق میں اس امر سے استدلال کیا گیا ہے کہ لقطہ اٹھانے والے اور بھیڑیے کو یکساں درجے پر رکھا گیا ہے جب کہ بھیڑیے پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا۔ اسی طرح لقطہ اٹھانے والے پر بھی عائد نہیں ہوگا ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "الذئب" پر داخل حرف لام تملیک کے لئے نہیں کیونکہ بھیڑیا تو مالک نہیں بنتا جب کہ دوسری طرف سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر بکری کا مالک آ جائے اور پکڑنے والے نے اسے ابھی صرف نہ کیا ہو تو وہ اپنے مالک کی ملکیت میں باقی ہو گی ۔

تیسرا مسئلہ گمشدہ اونٹ کے بارے میں ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اسے پکڑا نہ جائے بلکہ اسے درختوں کے پتے کھانے اور گھاٹ پر جا کر پانی پینے کے لئے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کا مالک اس کے پاس پہنچ جائے ۔ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں خبردار کردیا ہے کہ اونٹ حفاظت کے معاملے سے آزاد اور اس کی ضرورت سے مستغنی ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے اسکی فطرت میں پیاس کی برداشت رکھ دی ہے اور اپنی لمبی گردن کی وجہ سے یہ باسانی پانی پی سکتا ہے اور چلنے پھرنے کی بھی اس کے اندر قوت ہوتی ہے۔ اس لئے کسی پکڑنے والے کی اسے ضرورت نہیں ہوتی۔ بخلاف بکریوں کے۔ احناف وغیرھم کا قول ہے کہ اسے پکڑ لینا اولی ہوگا۔ اسے پکڑ کرلے جانے کی نہی کی حکمت علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اگر یہ اپنی گمشدگی کے مقام پر موجود رہے تو مالک کے لئے اس کی تلاش اس صورت کی بہ نسبت آسان رہے گی کہ وہ آ کر اسے لوگوں کے ٹھکانوں پر تلاش کرتا پھرے۔

٤/٨٨٨ ـ وَعَنْ عِيَاضِ بنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى، عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَوَيْ عَدْلٍ، وَلْيَحْفَظْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا يَكْتُمْ، وَلَا يُغَيِّبْ، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا، وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ، وَابْنُ حِبَّانَ(۱)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص کوئی لقطہ پائے اس پر دو عادل آدمیوں کو گواہ بنا لے اور اس کے برتن اور سربند کی حفاظت کرے تاہم اسے چھپا کر نہ رکھے نہ ہی اسے غائب کرے' پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہو گا ورنہ یہ اللہ کا مال ہوگا۔ وہ جسے چاہتا ہے یہ مال دے دیتا ہے۔" امام احمد اور ترمذی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن خزیمہ' ابن الجارود اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) عیاض' حرف عین مکسور اور آخر میں حرف ضاد

(۲) ابن حمار' معروف جانور (گدھے) کے نام پر' یہ معروف صحابی ہیں۔ اسلام سے پہلے عربوں میں جانوروں کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھنے کا عام رواج تھا جیسے فہد' ثعلب وغیرہ۔ حضور نے مسلمانوں کو ایسے نام رکھنے سے روک دیا' جن کے معنی سے ناگواری کا پہلو نکلتا ہو۔ (مترجم)

لقطہ' عفاص اور وکاء پر بحث گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے ایک زائد بات معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ لقطہ اٹھانے کے عمل پر دو عادل افراد کو گواہ بنا لینا چاہئے۔ امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ لقطہ اور اسکی صفات پر گواہ بنانا واجب ہے۔ الھادی' امام مالک اور امام شافعی (دوسرے قول کے مطابق) کا مسلک ہے کہ گواہ بنانا واجب نہیں ہے کیونکہ صحیح احادیث میں گواہ بنانے کا ذکر نہیں اس لئے زیر نظر حدیث میں گواہ بنانے کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ پہلے حضرات نے کہا ہے کہ زیر نظر حدیث میں مذکور اضافی امر کے صحیح قرار پانے کی صورت میں اس پر عمل واجب ہو گا اور اس کے تحت گواہ بنانا واجب ہو جائے گا۔ اگر گواہ بنانے کا ذکر دیگر احادیث میں نہیں آیا تو یہ بات اس اضافی امر کے منافی نہیں ہے' گواہ بنانے کے وجوب کی بات ہی حق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ورنہ یہ اللہ کا مال ہو گا' اللہ جسے چاہتا ہے یہ مال دے دیتا

---

(۱) عیاض کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۱۷۰۹' سنن ابن ماجہ' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۵۶' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔" یہ ارشاد ظاہریہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ لقطہ اس شخص کی ملکیت بن جاتا ہے جو اسے اٹھا ۔۔ اس کا تاوان نہیں بھرتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے لیکن وہ احادیث جو تاوا وجوب پر دلالت کرتی ہیں ' وہ اس حدیث کو مقید کر دیتی ہیں۔ آپؐ کے ارشاد "وہ جسے چاہتا ہے یہ مال د۔ ہے" سے مراد یہ ہے کہ تشہیر کا ایک سال گذر نے کے بعد اس کے لئے لقطہ سے فائدہ اٹھانا حلال ہوتا ۔ اس سے پہلے نہیں۔

۸۸۹/۵ ۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان التیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کا لقطہ (گری پڑی چیزیں) اٹھانے (۲) سے منع فرمایا ہے۔ امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے ۔

(۱) یہ قریشی ہیں اور صحابی رسول حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے بھتیجے ہیں' ایک قول کے مطابق انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تو تھا لیکن آپؐ کی زیارت انہیں حاصل نہیں ہوئی ' یہ حدیبیہ کے واقعہ کے دن مسلمان ہوئے۔ ایک قول کے مطابق فتح مکہ کے دن' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔

(۲) یعنی حاجیوں کی گمشدہ چیزیں اٹھانے سے۔ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو مکہ میں گم ہو گئی ہوں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ یہ حدیث گذر چکی ہے کہ " مکہ کا لقطہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوتا سوائے اس کے جو اس کی تشہیر کرنے کے لئے اٹھائے۔" یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ جمہور نے اسے ملکیت میں لینے کی نیت سے اٹھانے کی نہی پر محمول کیا ہے ' تشہیر کے لئے نہیں۔ کیونکہ تشہیر کے لیے مکہ کا لقطہ اٹھانا حلال ہے۔ ان حضرات نے کہا کہ حاجیوں کی گری پڑی چیزوں کو نہی کے ساتھ اس لئے خاص کر دیا گیا ہے کہ انہیں انکے مالکان تک پہنچا دینا ممکن ہوتا ہے اس لئے کہ اگر لقطہ کسی کی ملکیت میں ہو تو بات واضح ہے اور اگر مکہ سے باہر رہنے والے کا ہو تو دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو مکہ مکرمہ آنے والوں سے خالی ہو۔ اس لئے لقطہ کو اٹھا لینے والا اگر ہر سال اس کی تشہیر کرے گا تو اس کے مالک کی معرفت تک اس کی رسائی آسان ہو جائے گی ۔ یہ بات ابن بطال نے کہی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مکہ مکرمہ بھی دیگر علاقوں کی طرح ہے۔ مکہ صرف تشہیر میں مبالغہ کے ساتھ مختص ہے ۔ لیکن پہلا قول ہی واضح ہے نیز یہ کہ نہی کی یہ حدیث حضرت

---

(۱) حضرت عبدالرحمٰن کی روایت کا حوالہ :۔ مسلم شریف حدیث ۱۷۲۴' من ا للقطہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو ہریرہؓ کی حدیث کے ساتھ مقید ہے کہ مکہ کا لقطہ اٹھانا کسی کے لئے حلال نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو تشہیر کے لئے اٹھائے۔ اس لئے جس امر کے ساتھ مکہ کا لقطہ مختص ہے وہ یہ ہے کہ اسے صرف اور صرف تشہیر کی غرض سے اٹھایا جائے۔ ملکیت میں لینے کی غرض سے اسے اٹھانا جائز نہیں ہے' یہ بھی احتمال ہے کہ حاجیوں کے لقطہ کے بارے میں یہ حدیث مکہ اور غیر مکہ کے سلسلے میں مطلق ہو کیونکہ یہاں یہ مطلق ہے اور مکہ میں ہونے کی تقیید پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

٦/ ٨٩٠ - وَعَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلَا لَا يَحِلُّ ذُو نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَلَا الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ، وَلَا اللُّقَطَةُ مِنْ مَالِ مُعَاهَدٍ، إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ(۱)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آگاہ رہو' کچلیوں والے درندے حلال نہیں' نہ ہی پالتو گدھے حلال ہیں نہ ہی کسی معاہد (ذمی) کے مال کا لقطہ الا یہ کہ وہ اس سے مستغنی ہو"۔ ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے۔

اس حدیث میں مذکور چیزوں کی تحریم پر بحث باب الاطعمہ میں آگے آئے گی۔ یہاں اس حدیث کا ذکر اس کے آخری جز " نہ ہی کسی معاہد کے مال کا لقطہ " کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ معاہد یعنی ذمی کے مال کا لقطہ مسلمان کے مال کے لقطہ کی طرح ہے۔ یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ یہ لقطہ ایسی جگہ سے اٹھایا گیا ہو جہاں کی غالب آبادی یا ساری آبادی ذمیوں کی ہو' ورنہ لقطہ اٹھاتے وقت یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کس انسان کا مال ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الا یہ کہ وہ اس سے مستغنی ہو" کو حقیر چیز پر محمول کیا گیا ہے۔ جس طرح یہ بات کھجور کے دانے اور اسی قسم کی دیگر معمولی اشیاء کے بارے میں گذر چکی ہے۔' یا اسے اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ تشہیر کے باوجود اس کے مالک کا پتہ نہ چل سکے۔ یہ بات بھی گذر چکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر استغناء کے لفظ سے کی ہے کیونکہ یہ بات اکثر احوال میں مال کے پتہ نہ چلنے کا سبب ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ اس سے مستغنی نہ ہوتا تو اسکی تلاش میں ضرور سرگرمی دکھاتا یا اسی طرح کی کوئی اور کوشش کرتا۔

---

(۱) حضرت مقدام کی روایت کا حوالہ :۔ سنن ابی داؤد ۳۸۰۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فائدہ نووی نے "شرح المھذب" میں لکھا ہے: "اس شخص کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے جو کسی باغ یا فصل یا مویشیوں کے پاس سے گذرے۔ جمہور نے کہا ہے کہ وہ وہاں کی کوئی چیز نہیں اٹھائے گا الا یہ کہ وہ اس کا ضرورت مند ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنی ضرورت کی چیز لے لے گا اور اس کا جرمانہ بھرے گا۔ یہ امام شافعی اور جمہور کا مسلک ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اس پر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہو گا۔ امام احمد نے کہا ہے کہ اگر باغ کا کوئی محافظ نہ ہو تو اس کے لئے تازہ پھل توڑ کر کھا لینا جائز ہو گا خواہ اسے اسکی حاجت نہ بھی ہو۔ امام احمد سے اس بارے میں مروی دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ دوسری روایت کے مطابق اگر ضرورت ہو تو توڑ کر کھا لے' دونوں حالتوں کے اندر اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہو گا۔ امام شافعی نے تاوان نہ دینے کے قول کو حدیث کے صحیح ہونے کے ساتھ معلق کر دیا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ حدیث ہے جو مرفوعاً" حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "جب تم میں سے کوئی شخص کسی باغ کے پاس سے گذرے وہ کھا لے (یعنی اس کا پھل) اور اپنے دامن کی تہہ میں کچھ نہ رکھے۔" امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور اسے غریب حدیث کہا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ یہ حدیث دیگر طرق سے بھی مروی ہے لیکن یہ قوی نہیں ہیں۔ مصنف کتاب نے کہا ہے: "حق بات یہ ہے کہ اس حدیث کے مجموعی طرق صحیح حدیث کے درجے تک پہنچتے ہیں اور لوگوں نے تو اس سے کمتر درجے کی حدیثوں سے بہت سے احکام کے اندر استدلال کیا ہے۔ میں نے یہ بات اپنی کتاب میں واضح کر دی ہے جس کا نام " المنحه فيما علق الشافعي القول به على الصحه" ہے اس مسئلے میں بڑا اختلاف اور بہت سے اقوال ہیں۔ شارح نے "المھذب" سے انہیں نقل کیا ہے۔ اباحت اور نہی کی احادیث کی روایت اصل کی روایت سے قوی نہیں ہے' وہ یہ کہ کسی بھی آدمی کا مال دوسرے پر حرام ہے اور نہی کی احادیث نے اس اصل کو تقویت دی ہے۔

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا حوالہ :۔ سنن ابن ماجہ ۲۳۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۰۔ باب الفرائض

فرائض فریضہ کی جمع ہے یہ فعیلہ کے وزن پر ہے اور مفروضہ کے معنوں میں ہے۔ یہ لفظ فرض سے ماخوذ ہے جس کے معنی "قطع" کے ہیں مواریث سائل میراث) کو لفظ فرائض کے ساتھ اس قول باری کی وجہ سے مخصوص کیا گیا ہے: "نصیبا مفروضا" یعنی مقررہ حصہ' سورہ نساء آیت ۷ یعنی معلوم مقدار' علم الفرائض سیکھنے پر ابھارنے کے لیے بہت سی احادیث منقول ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ دنیا سے اٹھا لیا جانے والا پہلا علم یہی علم ہو گا۔

۸۹۱/۱ - عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔" مقررہ حصے انکے حقداروں کو دیدو' پھر جو بچ رہے وہ سب سے قریبی مرد کا ہو گا" (متفق علیہ)

(۱) اس سے مراد وہ چھ حصص ہیں جو قرآن میں منصوص ہیں اور انکے حقدار بھی منصوص ہیں۔

(۲) حدیث میں لفظ "رجل" کا وصف لفظ "ذکر" بیان ہوا ہے ' اس مرکب توصیفی کے فائدے کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ اقرب بات یہ ہے کہ یہ وصف تاکیدی ہے 'شرح کے اندر اس پر لمبی چوڑی بحث کی گئی ہے لیکن اس کا فائدہ قلیل ہے۔ قرآن میں منصوص حصے چھ ہیں: آدھا ' چوتھائی ' آٹھواں حصہ' دو تہائی 'اور چھٹا حصہ۔ ان حصوں کے اہل سے وہ لوگ مراد ہیں جو نص قرآنی کی بنا پر ان حصوں کے مستحق قرار پاتے ہیں ۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ " سب سے قریبی مرد" سے مراد وہ مرد ہیں جو ذوی الفروض کے بعد عصبات بنتے ہیں۔ ان کے اندر میت سے جو زیادہ قریب ہو گا اسے حصہ مل جائے گا جو زیادہ دور ہو گا اسے نہیں ملے گا ۔ اگر میت سے قریب ہونے میں سب یکساں ہوں تو باقیماندہ میراث میں شریک ہو جائیں گے۔ اس سے وہ افراد مقصود نہیں ہیں جو آباء اور امہات (ماؤں اور باپوں) کے واسطوں سے میت کی طرف منسوب ہوں کیونکہ اگر یہ درجے میں یکساں ہوں تو اس صورت میں ان کا کوئی فرد کسی سے بڑھ کر نہیں ہو گا۔" ابن بطال کے سوا دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث میں مذکورہ لفظ سے چچا کے ساتھ پھوپھی' بھتیجے کے ساتھ بھتیجی' چچا زاد بھائی کے ساتھ چچا زاد بہن

---

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۸ ص ۱۸۷' ۱۸۸ ' ۱۸۹ ' مسلم شریف حدیث ۲' ۳ من الفرائض ' سنن ترمذی ۲۰۹۸' مسند احمد ۱ ص ۲۹۲' ۳۲۵' السنن الکبری ج ۶ ص ۲۳۴' ۲۳۸' ج ۱۰ ص ۳۰۶' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۳۶' شرح السنہ ج ۸ ص ۳۲۶' مشکوۃ المصابیح ۳۰۴۲' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۲۰' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵۱'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مراد ہیں ۔ اس سے اخیافی (ماں میں شریک) بھائی بہن یا علاتی (باپ میں شریک) بھائی بہن خارج ہیں کیونکہ یہ افراد اس نص قرآنی کے تحت وارث ہوں گے (وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین) اگر یہ مردوں اور عورتوں کی شکل میں بھائی بہن ہوں تو مذکر کو دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ملے گا' سورہ نساء آیت ۱۷۶) قریب ترین عصبہ بیٹے ہیں پھران کے بیٹے خواہ نیچے تک چلے جائیں' پھر باپ پھر دادا خواہ اوپر تک چلے جائیں' عصبات اور تمام ذوی الفروض کی تفصیلات فرائض کی کتابوں میں مکمل طور پر مذکور ہیں ۔

یہ حدیث اس امر پر مبنی ہے کہ مردوں میں سے عصبات موجود ہوں' اور اگر مردوں میں سے کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو باقی ماندہ میراث ان خواتین کو مل جائے گی جو ذوی الفروض میں داخل نہیں ہیں جیسا کہ بیٹی' پوتی اور بہن کے بارے میں آگے آ رہا ہے ۔

۸۹۲/۲ ۔ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہو گا۔" (متفق علیہ)

(۱) حدیث کی ابتداء میں مذکورہ لفظ مسلم فاعل ہے اور لفظ کافر مفعول ہے' اور حدیث کے دوسرے حصے میں صورت حال اس کے برعکس ہے۔ حدیث سے جو بات معلوم ہوتی ہے' جمہور کا مسلک بھی وہی ہے لیکن حضرت معاذؓ' حضرت معاویہؓ' مسروق' سعید بن المسیب' ابراہیم نخعی اور اسحاق سے اس کے خلاف قول منقول ہے' امامیہ اور ناصر کا مسلک بھی اس کے مطابق ہے ان کا کہنا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو گا لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکے گا۔ حضرت معاذؓ کا استدلال ہے

---

(۱) حضرت اسامہؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۸ ص ۱۹۴' مسلم شریف حدیث امن الفرائض' سنن ابی داؤد ۲۹۰۹' سنن ابن ماجہ ۲۷۲۹' ۲۷۳۰' مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۰' ۲۰۸' ۲۰۹' سنن دارمی ج ۲ ص ۳۷۰' ۳۷۱' السنن الکبری ج ۶ ص ۲۱۷' ۲۱۸' المستدرک ج ۴ ص ۳۴۵' مصنف عبدالرزاق ۹۸۵۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۳۷۳' مسند حمیدی ۵۴۰' مسند شافعی ۲۳۵' المطالب العالیہ ۱۴۸۵' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۱۵۴' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۸۴' ۱۴۵' بدائع المنن ۱۳۹۰' التمہید ج ۲ ص ۵۹' ج ۳ ص ۶۹' ج ۹ ص ۱۶۰' ۱۷۱' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۴۲' فتح الباری ج ۱۲ ص ۵۰' ۵۳ حدیث "اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں" کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۹۱۲' مسند احمد ج ۵ ص ۳۶' السنن الکبری ج ۶ ص ۲۰۵' ۲۵۴' ۲۵۵' المستدرک ج ۴ ص ۳۴۵' فتح الباری ج ۱۲ ص ۵۰' تنزیہ الشریعہ لابن عراق ج ۲ ص ۳۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ "اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔" ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ مسدد نے روایت کی ہے کہ دو بھائیوں کا جھگڑا حضرت معاذؓ کے سامنے پیش ہوا۔ ایک بھائی مسلمان تھا اور دوسرا بھائی یہودی تھا اور دونوں کا باپ یہودیت پر مرا تھا۔ اس کے یہودی بیٹے نے اس کی میراث سنبھال لی۔ اسکے مسلمان بیٹے نے اس کے ساتھ جھگڑا کیا۔ حضرت معاذؓ نے مسلمان بیٹے کو وارث قرار دیا۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن معقلؓ کے طریق سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "میں نے معاذؓ کے فیصلے سے بڑھ کر کوئی اچھا فیصلہ نہیں دیکھا۔ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں گے لیکن وہ ہمارے وارث نہیں ہوں گے۔ جس طرح انکی عورتوں سے ہمارا نکاح حلال ہے لیکن ہماری عورتوں سے ان کا نکاح حلال نہیں۔"

جمہور نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ متفق علیہ حدیث توریث کی ممانعت میں نص ہے اور حضرت معاذ کی حدیث میں میراث کی خصوصیت پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ اس میں تو صرف یہ بتایا گیا ہے کہ دین اسلام دیگر تمام ادیان پر فوقیت رکھتا ہے اور یہ بڑھتا ہی رہتا ہے، گھٹتا نہیں ہے۔

۸۹۳/۳ ۔ وَعَنْ ٱبْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ ۔ فِي بِنْتٍ، وَبِنْتِ ٱبْنٍ، وَأُخْتٍ ۔ فَقَضَى النَّبِيُّ صَلَّى ٱللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لِلْبَنَةِ النِّصْفُ، وَٱبْنَةِ الْٱبْنِ السُّدُسُ ۔ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ ۔ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیٹی، پوتی اور بہن کے حصوں کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سنایا: "بیٹی کے لئے نصف، پوتی کے لئے چھٹا حصہ، دو تہائی حصے مکمل کرنے کے لئے اور جو بچ رہے وہ بہن کا ہوگا۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

اس روایت میں اس امر پر دلالت ہے کہ بیٹی اور پوتی کے ساتھ بہن عصبہ بن جاتی ہے اور اسے میراث کا بچ رہنے والا حصہ ملتا ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے کہ بیٹوں کے ساتھ بہن عصبہ ہوتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے فتوی دیا تھا کہ بہن کو نصف ترکہ ملے گا پھر انہوں نے سائل سے کہا تھا کہ وہ یہ مسئلہ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی پوچھ لیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ سنا دیا۔ اس

---

(۱) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے حوالے:۔ فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۷، ۲۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۱۷، ۲۴، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا: "جب تک یہ عالم تمہارے اندر ہے اس وقت تک مجھ سے مسئلے نہ پوچھو۔"

ائمہ لغت نے حضرت ابو موسیٰؓ کے قول میں وارد لفظ "حبر عالم" کا اعراب اس طرح بیان کیا ہے (حرف حاء مکسور اور مفتوح) جب کہ تمام محدثین کی روایت حرف حاء پر زبر کے ساتھ ہے۔ ابو عبید نے کہا ہے کہ حبر اس عالم کو کہتے ہیں جسے کلام کو منقش و مزین کرنا اور اسے حسین بنانا خوب آتا ہو۔ ایک قول کے مطابق اسے حبر اس لئے کہتے ہیں کہ اسکے علوم کا اثر باقی رہتا ہے۔ راغب اصفہانی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ " لوگوں کے دلوں میں اس کے علوم کا اثر باقی رہتا ہے" اور اس کے آثار میں اس کے وہ اعمال حسنہ ہیں جن کی لوگ پیروی کرتے ہیں۔

٨٩٤/٤ - وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ بِلَفْظِ أُسَامَةَ، وَرَوَى النَّسَائِيُّ حَدِيثَ أُسَامَةَ بِهَذَا اللَّفْظِ(۱).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو مذہبوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔" امام احمد' چاروں اصحاب سنن اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔ حاکم نے حضرت اسامہ کے طریق سے اس کی روایت کی ہے اور نسائی نے حضرت اسامہ کی سند انہی الفاظ میں روایت کی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کفر کے دو مختلف مذاہب والوں یا اسلام اور کفر کے دو مختلف مذاہب والوں کے درمیان وراثت نہیں ہوتی۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ملتین سے مراد کفر اور اسلام ہے۔ اس بنا پر یہ حدیث اس حدیث کی طرح ہے جس کے الفاظ ہیں: "مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا..... الخ" انہوں نے کہا ہے کہ کافروں کا ایک دوسرے کے وارث بننے کی بات ثابت شدہ ہے۔ اوزاعی کے سوا کسی نے بھی نہیں کہا ہے کہ زیر نظر حدیث تمام ملتوں کو شامل ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہودی نصرانی کا وارث نہیں بنے گا اور نہ نصرانی یہودی کا۔ اسی طرح دیگر تمام ملتیں ہیں۔ حدیث کے ظاہر سے اوزاعی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ ہادویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہ حدیث قرآن کے ارشاد: (یو صیکم اللہ فی اولادکم

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ترمذی ۲۱۰۸' سنن ابی داؤد ۲۹۱۱' سنن ابن ماجہ ۲۷۳۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۸' ۱۹۵ ' السنن الکبری ج ۶ ص ۱۱' ج ۸ ص ۳۰' ج ۱۰ ص ۱۶۳' المستدرک ج ۲ ص ۲۴۰' مصنف عبدالرزاق ۹۸۵۷' ۹۸۷۱' موارد الظمان ۱۶۹۹' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۸۴' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۷۲' ۷۵' نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۹۵' ج ۴ ص ۳۳۰' التمہید ج ۹ ص ۱۶۷' ۱۷۰' ۱۷۱' ۱۷۲' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۴۶' ۳۰۴۷' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔ سورہ نساء آیت ۱۱) کی تخصیص کر رہی ہے کیونکہ آیت اولاد کے لئے عام ہے اس لئے کافراولاد کو خاص کر دیا جائے گا کہ وہ اپنے مسلمان باپ کی وارث نہیں ہو گی۔

٨٩٥/٥ ـ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ ٱبْنَ ٱبْنِي مَاتَ، فَمَا لِي مِنْ مِيرَاثِهِ؟ فَقَالَ: «لَكَ السُّدُسُ». فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ، فَقَالَ: «لَكَ سُدُسٌ آخَرُ». فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ. فَقَالَ: «إِنَّ ٱلسُّدُسَ ٱلآخَرَ طُعْمَةٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَٱلْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، عَنْ عِمْرَانَ، وَقِيلَ: إِنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ(۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ: "میرا پوتا وفات پا گیا ہے۔ اس کی میراث میں سے مجھے کیا ملے گا؟" آپ نے فرمایا: "تمہارے لئے چھٹا حصہ ہے۔" جب وہ واپس جانے لگا تو آپؐ نے اسے بلایا اور فرمایا: "یہ دوسرا چھٹا حصہ تمہارے لئے زائد ہے۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اسکی روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ یہ حسن بصری کی روایت ہے ' انہوں نے حضرت عمرانؓ سے اس کی روایت کی ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت عمرانؓ سے حسن بصری کا سماع نہیں ہے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ سائل کے ساتھ دیگر ورثاء کون تھے؟ ان کے قول کے مطابق دادا کا کم سے کم حصہ چھٹا حصہ ہے۔ اس مسئلے کی صورت یہ ہے کہ میت کی دو بیٹیاں اور یہ سائل وارث تھے۔ بیٹیوں کو دو تہائی حصہ مل گیا اور ایک تہائی باقی رہ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل یعنی دادا کو چھٹا حصہ تو اسکے ذوی الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے دے دیا کیونکہ چھٹا حصہ ہی اس کا حصہ بنتا تھا۔ اسے دوسرا چھٹا حصہ نہیں دیا تاکہ وہ یہ خیال نہ کرے کہ اس کا فرض یعنی مقررہ حصہ تہائی ہے۔ آپؐ نے اسے جانے دیا جب

---

(۱) حضرت عمران کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۸۹۶' سنن ترمذی ۲۰۹۹ ' مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۸' السنن الکبری ج ۶ ص ۲۴۴' سنن دارقطنی ج ۴ ص ۸۴' مشکواۃ المصابیح ۳۰۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ جانے لگا تو اسے بلایا اور فرمایا: "یہ دوسرا چھٹا حصہ طعمہ ہے۔" یعنی مقررہ حصے سے زائد۔ اس سے مراد یہ تھی کہ آپ اسے آگاہ کرنا چاہتے تھے کہ دوسرا چھٹا حصہ اس کے فرض (مقررہ حصے) سے زائد ہے۔ اسے فرض کے طور پر ایک چھٹا حصہ ملا اور عصبہ کے طور پر دوسرا چھٹا حصہ ملا۔

٨٩٦/٦ - وَعَنْ ٱبْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهَا أُمٌّ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ. وَصَحَّحَهُ ٱبْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ، وَقَوَّاهُ ابْنُ عَدِيٍّ(١).

حضرت بریدہؓ (۱) کے بیٹے سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ (دادی یا نانی) کو اس صورت میں چھٹا حصہ دیا تھا جب کہ میت کی ماں موجود نہیں تھی۔ ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور ابن خزیمہ اور ابن الجارود نے اسے صحیح کہا ہے اور ابن عربی نے اسے قوی کہا ہے۔

(۱) والد حضرت بریدہ بن الحصیب ہیں۔

(۲) اس سند میں ایک راوی عبداللہ العتکی ہیں' جن کے بارے میں ناقدین حدیث کی آراء مختلف ہیں تاہم ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جدہ کا حصہ چھٹا حصہ ہے خواہ وہ دادی ہو یا نانی۔ اس چھٹے حصے میں دو یا دو سے زائد دادیاں نانیاں شریک ہوں گی بشرطیکہ ان کا درجہ یکساں ہو۔ اگر درجے مختلف ہوں تو جو جدہ زیادہ دور ہوگی خواہ وہ دادی ہو یا نانی' وہ زیادہ جدہ کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔ جدات کو صرف ماں ساقط کرتی ہے اور باپ اپنی جہت کی جدہ (دادی) کو ساقط کر دیتا ہے۔

٨٩٧/٧ - وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ سِوَى التِّرْمِذِيِّ، وَحَسَّنَهُ أَبُو

---

(۱) حضرت بریدہ کے بیٹے کی روایت کا حوالہ :۔ سنن ابی داؤد ۲۸۹۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زُرْعَةَ الرَّازِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَابْنُ حِبَّانَ۔(۱)

حضرت مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ماموں اس کا وارث ہو گا جس کا کوئی وارث نہیں۔" امام احمد' ترمذی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ابو زرعہ رازی نے اسے حسن کہا ہے' حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس صورت میں میت کا ماموں وارث ہو گا۔ ماموں کا تعلق ذوی الارحام سے ہے۔

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔اہل بیت کے بہت سے علماء کا اور انکے علاوہ دیگر حضرات کا مسلک ہے کہ ذوی الارحام وارث ہوں گے۔ اس لئے اگر میت اپنے پیچھے اپنی پھوپھی اور خالہ چھوڑ جائے جب کہ ان دونوں کے سوا اس کا کوئی اور وارث نہ ہو تو پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی ترکہ مل جائے گا۔ ان حضرات نے زیر نظر حدیث سے نیز قول باری: واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض (اور ذوی الارحام میں بعض بعض سے زیادہ قریب ہیں' سورہ انفال آیت ۷۵) سے استدلال کیا ہے۔ ائمہ کے ایک گروہ نے اس کے خلاف رائے دیتے ہوئے کہا ہے کہ ذوی الارحام کے لئے کوئی میراث ثابت نہیں اس لئے کہ فرائض (وراثتی حصوں) کا ثبوت یا تو کتاب اللہ کے ذریعے ہوتا ہے یا سنت صحیح کے ذریعے یا اجماع کے ذریعے' اور یہ تینوں صورتیں یہاں مفقود ہیں۔ ان حضرات نے زیر نظر حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ صرف ماموں کے بارے میں نص ہے' کسی اور کے بارے میں نہیں۔ جہاں تک آیت کا تعلق ہے تو وہ مجمل ہے اور آیت میں جن رشتہ داروں کو اولوا الارحام کہا گیا ہے وہ ان رشتہ داروں سے مختلف ہیں جنہیں فقہاء کے عرف میں ذوی الارحام کہا جاتا ہے۔ کئی ایسی احادیث بھی ہیں جن کے اندر یہ بیان موجود ہے کہ پھوپھی اور خالہ کے لئے کوئی میراث نہیں ہے۔ اگرچہ ان احادیث پر تنقید بھی ہوئی ہے' تاہم اس بات سے انہیں تقویت ملتی ہے کہ عدم میراث اصل ہے یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل قائم ہو جائے جو ذوی الارحام کے لئے میراث ثابت کردے۔ جو لوگ ذوی الارحام کے وارث نہ ہونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو (ذوی الفروض اور عصبات میں سے) تو اس کا مال بیت المال میں چلا جائے گا بشرطیکہ بیت المال کا انتظام ہو

---

(۱) حضرت مقدام کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد باب ۸ من الفرائض' سنن ترمذی ۲۱۰۳' ۲۱۰۴' سنن ابن ماجہ ۲۷۳۸' ۲۷۳۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸' ۴۶' ج ۴ ص ۱۳۱' ۱۳۳' السنن الکبری ج ۶ ص ۲۱۴' ۲۱۵' ۲۴۳' سنن سعید بن منصور ۱۷۱' ۱۷۲' موارد الظمان ۱۲۲۵' ۱۲۲۷' مشکل الاثار ج ۴ ص ۷۴۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۶۴' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۳۷' ۱۳۹' نصب الرایہ ج ۴ ص ۵۹' دار قطنی ج ۴ ص ۸۵' ۸۶' معانی الاثار ج ۴ ص ۳۹۸' الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۲۶۳'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی وہ کسی عادل امام کے زیر تصرف ہو اور وہ بیت المال کے مال کو اس کے مصارف میں صرف کرتا ہو یا متعلقہ شہر میں کوئی قاضی ہو جس کے اندر قضاء کی ساری شرطیں موجود ہوں اور اسے مسلمانوں کے مفادات میں مال صرف کرنے کی اجازت ملی ہوئی ہو تو مذکورہ مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور وہ اس مال کو اس کے مصارف میں صرف کرے گا۔ ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے قول کی بنا پر ان کے حصص کی تفصیلات فرائض کی کتابوں میں موجود ہیں ' یہاں ان کا ذکر کر کے ہم بحث کو طویل کرنا نہیں چاہتے۔

۸۹۸/۸ - وَعَنْ أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «كَتَبَ عُمَرُ إِلَى عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ، وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالْأَرْبَعَةُ سِوَى أَبِي دَاوُدَ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

حضرت امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: "اللہ اور اس کا رسول اس شخص کے سرپرست ہیں جس کا کوئی سرپرست نہیں' اور ماموں اس شخص کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔" امام احمد اور ابو داؤد کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے یہ حدیث ان لوگوں کے قول کی تردید کرتی ہے کہ حضرت مقدامؓ کی روایت کردہ حدیث میں ماموں سے مراد سلطان یعنی حاکم وقت ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: "میں اس شخص کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں۔" ابو داؤد نے روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: "میں اس شخص کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں' میں اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا اور اس کا وارث بنوں گا۔" اس حدیث اور حضرت مقدامؓ نیز حضرت امامہؓ کی حدیثوں کے درمیان جو کہ اور وارث نہ ہونے کی صورت میں ماموں کے وارث ہونے کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں ' تطبیق کی شکل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس شخص کی تمام جہات یعنی ذوی الفروض ' عصبات اور ماموں میں سے کوئی بھی وارث نہ ہو آپؐ اس کے وارث ہوں گے اور آپؐ کے وارث ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ

---

(۱) حضرت امامہ بن سہل کی روایت کے حوالے: سنن ترمذی ۲۱۰۳' سنن ابن ماجہ ۲۷۳۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸' ۴۶' ج ۴ ص ۲۳۲' موارد الظمان ۱۲۲۷' مشکل الاثار ج ۴ ص ۷' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۰۶' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۸۶' تہذیب ابن عساکر ج ۳ ص ۸' معانی الاثار ج ۱ ص ۳۹۷' ۳۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ میت کا سارا مال مسلمانوں کے مصالح میں صرف ہوگا نیز یہ کہ میت کا ترکہ صرف اس صورت میں بیت المال میں جائے گا جب مذکورہ ورثاء یعنی ماموں وغیرہ میں سے کوئی وارث بھی موجود نہیں ہو گا۔

۸۹۹/۹ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُودُ وَرِثَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب بچہ زندہ پیدا ہو (پیدائش کے وقت رونے کی آواز نکالے) تو وہ وارث ہو گا۔ ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ حدیث میں رونے کے لئے لفظ استہلال آیا ہے۔ اس کی تفسیر میں ایک مرفوع مگر ضعیف حدیث البزار نے روایت کی ہے کہ "استہلال چیخنا ہے۔" ابن الاثیر نے کہا ہے کہ پیدائش کے وقت بچہ جب روتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ "استھل المولود" (نو زائیدہ بچہ رویا) یہ رونا اس بات کا اشارہ ہوتا ہے کہ وہ زندہ پیدا ہوا ہے خواہ وہ رونے کی آواز نہ نکالے بلکہ ایسے آثار نظر آ جائیں جو اس کے زندہ ہونے پر دلالت کرتے ہوں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر سقط (گر جانے والا حمل) ایسا ہو کہ اس میں استہلال پایا جائے تو اسکے لئے دیگر نو مولود بچوں کا حکم ثابت ہو جائے گا یعنی وہ وارث قرار پائے گا اور اس پر تمام دیگر احکام مثلاً غسل' تکفین اور نماز جنازہ وغیرہ کو قیاس کیا جائے گا۔ اور اگر اسے کوئی قتل کر دے گا تو اس پر اس کا قصاص یا اس کی دیت لازم آئے گی۔ اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ نو مولود کے استہلال کی خبر دینے کے لئے ایک عادل عورت کافی ہے یا دو عادل عورتوں کا ہونا ضروری ہے یا چار کا؟ پہلا مسلک ہادویہ کا ہے' دوسرا الھادی کا ہے اور تیسرا امام شافعی کا ہے۔ یہ اختلاف ہر اس مسئلہ میں جاری ہوتا ہے جس کا تعلق خواتین کے پوشیدہ امور سے ہو۔ زیر نظر حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر نو مولود استہلال نہیں کرے گا تو اس کے زندہ ہونے کا حکم عائد نہیں ہو گا۔ اور اس کے نتیجے میں مذکورہ بالا احکام میں سے کچھ بھی اس کے لئے ثابت نہیں ہو گا۔

---

(۱) حضرت جابرؓ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۹۲۰' موارد الظمان ۱۲۲۳' السنن الکبری ج ۶ ص ۲۵۷' المستدرک ج ۱ ص ۳۶۳' شرح السنہ ج ۸ ص ۳۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۰۰/۱۰ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِيرَاثِ شَيْءٌ» رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَقَوَّاهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ. وَأَعَلَّهُ النَّسَائِيُّ، وَالصَّوَابُ وَقْفُهُ عَلَى عَمْرٍو(۱).

عمرو بن شعیب سے مروی ہے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے انکے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قاتل کے لئے (مقتول کی) میراث میں سے کچھ نہیں ہے۔" نسائی اور دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے ابن عبدالبر نے اسے قوی کہا ہے' اور نسائی نے اسے معلول کہا ہے۔اس کا عمرو پر موقوف ہونا درست بات ہے۔ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں جن کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال ہے۔حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قاتل وارث نہیں ہو گا خواہ یہ قتل عمداً" ہوا ہو یا خطا"امام شافعی امام ابوحنیفہ اور انکے رفقاء نیز اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ قاتل نہ تو مقتول کی دیت میں اور نہ ہی اس کے مال میں وارث بنے گا۔ امام مالک اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ اگر قتل کا ارتکاب خطا" ہوا ہو تو قاتل مقتول کے مال میں وارث ہو گا۔ دیت میں نہیں۔ لیکن انکے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو مذکورہ دونوں صورتوں کے درمیان فرق کا بوجھ اٹھا سکے بلکہ بیہقی نے خلاس سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے پتھر اٹھا کر پھینکا' یہ پتھر اس کی ماں کو جا لگا اور ماں مرگئی' پھر اس نے ماں کی میراث میں اپنا حصہ لینا چاہا اس کے بھائیوں نے کہا کہ ماں کی میراث میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ جھگڑا حضرت علیؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:"اس کی میراث میں تمہارا حق تو صرف پتھر ہے۔" پھر آپ نے اس پر دیت کا جرمانہ عائد کر دیا اور ماں کی میراث میں سے اسے کچھ نہیں دیا۔ بیہقی نے جابر بن زید سے بھی روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جو شخص بھی کسی مرد یا کسی عورت کو عمداً" یا خطا" قتل کر دے اور وہ مقتول کا وارث بن رہا ہو تو اسے مقتول مرد یا مقتول عورت کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا۔" اگر قتل کا ارتکاب عمداً" کیا گیا ہو تو قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کر دیں۔ اگر وہ اسے معاف کر دیں تو مقتول کی دیت سے نہ ہی اس کے مال سے قاتل کو کچھ دیا جائے گا۔ یہی فیصلہ حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ اور قاضی شریح نیز دیگر مسلمان قاضیوں نے سنایا تھا۔

---

(۱) عمرو بن شعیب کی روایت کے حوالے :۔ السنن الکبریٰ ج ۶ ۲۲۰' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۳۷' الدرالمنثور ج ۲ ص ۱۴۸' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۱۷' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۹۳' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۰۱/۱۱ - وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَا أَحْرَزَ الْوَالِدُ أَوِ الْوَلَدُ فَهُوَ لِعَصَبَتِهِ مَنْ كَانَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِي، وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ(۲).

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ: "والد یا ولد جو کچھ سمیٹ لے وہ اس کے عصبہ کا ہوتا ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔" ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے' ابن المدینی اور ابن عبدالبر نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) سمیٹ لینے سے مراد یہ ہے کہ والد یا ولد یعنی اولاد جن حقوق کے مستحق بن جاتے ہیں وہ میراث کے طور پر عصبہ کو حاصل ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث کے پس منظر میں ایک واقعہ ہے۔ سنن کے اندر حدیث ان الفاظ میں مروی ہے: "رثاب بن حذیفہ نے ایک عورت سے شادی کرلی۔ اسکے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ پھر عورت مرگئی۔ یہ بیٹے اپنی ماں کے مکان اور اس کے آزاد کردہ غلاموں کی ولاء کے وارث ہوئے۔ حضرت عمرو بن العاص آئے اور اسی دوران مذکورہ عورت کا ایک آزاد کردہ غلام مرگیا اور اپنے پیچھے مال چھوڑ گیا۔ عورت کے بھائیوں کا حضرت عمروؓ کے ساتھ وراثت کے سلسلے میں تنازعہ ہو گیا اور معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو اس طرح ہے' پھر حضرت عمرؓ نے انہیں مذکورہ حدیث بتائی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاص کے لئے ایک دستاویز لکھ دی جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور ایک تیسرے شخص کی گواہی درج تھی۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ولاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اختلاف کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب کوئی شخص غلام آزاد کر دے اور پھر اس کی وفات ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے دو بھائی یا دو بیٹے چھوڑ جائے پھر ایک بیٹا مرجائے اور اپنے پیچھے ایک بیٹا چھوڑ جائے یا ایک بھائی مرجائے اور پیچھے اس کا ایک بیٹا رہ جائے تو اس صورت میں جو فقہاء وراثت کے قائل ہیں انکے قول کے مطابق اس کی میراث بیٹے اور پوتے یا بھائی اور بھتیجے کے درمیان تقسیم ہو گی اور عدم توریث کے قول پر ساری میراث صرف

---

(۱) حضرت عمرؓ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۹۱۷' سنن ابن ماجہ ۲۷۳۲' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷' السنن الکبری ج ۱۰ ص ۳۰۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۳۹۲' کنز العمال ۳۰۳۸۱' ۳۰۵۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹے کی ہوگی۔ (جو وراثت کے قائل نہیں ہیں)

۹۰۲/۱۲ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ». رَوَاهُ الْحَاكِمُ مِنْ طَرِيقِ الشَّافِعِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي يُوسُفَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَأَعَلَّهُ الْبَيْهَقِيُّ(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولاء کا تانا مانا نسب کے تانے بانے کی طرح ہے' نہ تو اسے فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا ہبہ ہو سکتا ہے۔" حاکم نے اس کی روایت امام شافعی کے طریق سے کی ہے۔ انہوں نے محمد بن الحسن سے اور انہوں نے ابو یوسف سے۔ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور بیہقی نے اسے معلول قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے طرق' اس کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں علماء نے بہت زیادہ کلام کیا ہے۔ کتاب البیع کے اندر یہ حدیث گذر چکی ہے اور یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولاء نہ تو بیع کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ہبہ کے ذریعے' ان دونوں پر نذر اور وصیت وغیرہ کی تمام تملیکات کو قیاس کیا جا سکتا ہے' اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کو نسب کی طرح قرار دیا ہے اور نسب نہ تو کسی عوض کے بدلے منتقل ہو سکتا ہے اور نہ ہی بغیر عوض کے۔

۹۰۳/۱۳ - وَعَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَفْرَضُكُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ»(۱). أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ سِوَى أَبِي دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ(۲).

ابو قلابہ سے مروی ہے' انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رویت کی ہے کہ رسول اللہ صلی

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی حدیث (۹۰۲) کے حوالے :۔ السنن الکبری ج ۶ ص ۲۴۰' ج ۱۰ ص ۲۹۲' ۲۹۳' المستدرک ج ۴ ص ۳۴۱' مستدرک ج ۴ ص ۳۳۱' مسند الشافعی ۳۳۸' بدائع السنن ۱۲۳۲' مصنف عبدالرزاق ۱۶۱۴۹' التمہید ج ۳ ص ۶۹' مجمع الروائد ح ۴ ص ۲۳۱' تلخیص الحبیر ح ۴ ص ۲۱۳' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۰۹' تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۶۲' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۶۳۵'

(۲) ابو قلابہ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ترمذی ۳۸۹۰' ۳۷۹۱' سنن ابن ماجہ ۱۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۷۹' فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۰' تہذیب ابن عساکر ج ۵ ص ۴۴۵' سنن سعید بن منصور ۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زید بن ثابت فرائض کے علم میں تم میں سب سے بڑھ کر ہیں۔" امام احمد اور ابوداؤد کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ترمذی' ابن حبان اور حاتم نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس میں ارسال کی علت ہے۔

(۱) ابو قلابہ (قاف مکسور اور لام کی تخفیف اور الف اور اس کے بعد حرف باء) ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔

(۲) علت کی وجہ یہ ہے کہ ابو قلابہ نے حضرت انسؓ سے اس حدیث کا سماع نہیں کیا' اگرچہ دیگر احادیث کا سماع ان سے ثابت ہے۔ متن میں مذکورہ حصہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے' پوری حدیث طویل ہے۔ اس میں سات صحابہ کا ذکر ہے۔ ان میں سے ہر صحابی خیر کی ایک صفت کے ساتھ مختص ہے۔ مصنف کتاب نے یہاں اس ٹکڑے کا ذکر کیا ہے جس کا تعلق فرائض کے باب کے ساتھ ہے کیونکہ یہ حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں اس بات کی گواہی ہے کہ آپ ان تمام صحابہ میں سب سے بڑھ کر فرائض کا علم رکھتے تھے جن سے اس وقت خطاب کیا جا رہا تھا۔ اس سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ فرائض کے کسی مسئلے میں اختلاف ہونے کی صورت میں ان سے رجوع کیا جائے۔ امام شافعی نے فرائض کے بارے میں ان پر اعتماد کیا ہے اور انہیں دیگر صحابہ پر ترجیح دی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۱۔۔ باب الوصایا

الوصایا وصیہ کی جمع ہے جس طرح ہدایا ھدیہ کی جمع ہے۔ شرعی طور پر وصیت وہ خاص عہد ہے جس کے احکام موت کے بعد جاری ہوتے ہیں۔

۹۰۴/۱ ۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس مسلمان شخص کا کوئی مال ہو اور وہ اس کے بارے میں وصیت کا ارادہ رکھتا ہو ضروری ہے کہ اس پر دو راتیں نہ گذریں مگر اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو۔" (متفق علیہ)

حدیث میں مذکور کلمہ "ما" نافیہ ہے اور "لیس" کے معنوں میں ہے۔ لفظ حق اس کا اسم ہے اور اس کی خبر حرف الا کے مابعد کا فقرہ ہے۔ حرف واؤ خبر کے فقرے میں زائد ہے' کیونکہ الا کی وجہ سے اسم اور خبر کے درمیان فصل واقع ہو گیا ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے: "حدیث کا معنی یہ ہے کہ مسلمان کے لئے حزم و احتیاط کی بات صرف یہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کی صورت میں کوئی چیز ہے اور وہ اس کے بارے میں وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کی یہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہونی چاہیے' کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ اس کی موت کب آجائے اور اس کی وصیت کے ارادے کے درمیان حائل ہو جائے۔"

امام شافعی کے سوا دیگر اہل علم نے کہا ہے کہ لغت کے اعتبار سے ثابت شدہ بات کو حق کہتے ہیں۔ شرعی طور پر اس کا اطلاق ایسے امر پر ہوتا ہے جس کے ذریعے حکم ثابت ہو جائے۔ ثابت شدہ حکم واجب اور مندوب (مستحب) دونوں کو عام ہے۔ اس کا مباح پر اطلاق بہت کم ہوتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ حرف (علیٰ) بھی ملا ہوا ہو تو یہ وجوب کے معنوں میں واضح ہوتا ہے ورنہ احتمال پر مبنی ہوتا ہے۔

---

(۱) حضرت ابن عمر کی حدیث (۹۰۴) کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۴ ص ۲' مسلم شریف حدیث ۱۶۲۷ من الوصیہ' سنن ابی داؤد ۲۸۶۲' سنن ترمذی ۹۷۴' ۲۱۱۸' سنن ابن ماجہ ۲۶۹۹' ۲۷۰۲' سنن نسائی ج ۶ ص ۲۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۸۰' السنن الکبری ج ۶ ص ۲۷۲' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۷۰' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۵۰' فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث کے الفاظ "وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہو" اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس پر وصیت کرنا واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ اس کے ارادے کے وقت ہوتا ہے۔ وصیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ آیا یہ واجب ہے یا مستحب۔ جمہور کا مسلک اس کے استحباب کا ہے جب کہ داؤد اور اہل ظواہر کا مسلک اسکے وجوب کا ہے۔ امام شافعی کے قدیم مسلک میں بھی یہی منقول ہے۔ ابن عبدالبر نے دعوی کیا ہے کہ وصیت کے عدم وجوب پر سب کا اجماع ہے۔ انہوں نے معنوی اعتبار سے استدلال کیا ہے کہ اگر مرنے والا وصیت نہ کرے تو اس صورت میں اس کا سارا مال بالاجماع اس کے ورثاء کے درمیان تقسیم ہو جائے گا۔ اگر وصیت واجب ہوتی تو وہ ضرور اپنے مال کا ایک حصہ وصیت کی جگہ نکال دیتا۔ ہادویہ اور ابو ثور نے وصیت کے وجوب کا جو قول اختیار کیا ہے اس میں اقرب بات یہ ہے کہ وصیت کا وجوب اس شخص پر ہے جس کے ذمہ کوئی شرعی حق ہو اور اسے خطرہ ہو کہ اگر اسکے متعلق وصیت نہیں کرے گا تو یہ ضائع ہو جائے گا مثلاً اس کے پاس کسی کی ودیعت (امانت) ہو یا اس پر اللہ کا یا کسی انسان کا کوئی قرض ہو۔ وصیت اس شخص پر واجب ہے جس کے ذمہ کوئی حق ہو اور اس کے پاس مال بھی ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس حق سے گلو خلاصی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس کی وصیت کر جائے۔ اگر ان باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو پھر کوئی وجوب نہیں ہو گا۔

حدیث کے اندر دو راتوں کا ذکر تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ تقریب کے لئے ہے ورنہ تین راتوں کی روایت بھی موجود ہے۔ طیبی نے کہا ہے کہ: "دو اور تین راتوں کی تخصیص میں مبالغہ کے ارادے کے سلسلے میں نرمی برتی گئی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ایک زمانہ گذر جانا مناسب نہیں ہے۔" امام مسلم نے حدیث کے راوی حضرت ابن عمرؓ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "میں نے ایک رات نہیں گذاری مگر میری وصیت میرے پاس لکھی ہوئی موجود رہی۔" ابن المنذر نے صحیح سند کے ذریعے نافع سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے انکے مرض الموت میں پوچھا گیا کہ آپ وصیت کیوں نہیں کر جاتے؟ "تو انہوں نے جواب دیا:" جہاں تک میرے مال کا تعلق ہے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ میں اس میں کیا کچھ کرتا تھا۔" اب اس روایت اور ماقبل کی روایت میں تطبیق اس طرح ہو گی کہ حضرت عمرؓ اپنا وصیت نامہ تحریری شکل میں اپنے پاس رکھتے اور اس کی حفاظت بھی کرتے اور جن باتوں کی اس میں وصیت ہوتی اسے پورا بھی کرتے رہتے یہاں تک کہ موت کا پروانہ انہیں ایسی حالت میں ملا جب ان کے پاس قابل وصیت کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی۔ ان کے مذکورہ حدیث کے الفاظ: "اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو" سے تحریر اور رسم الخط پر اعتماد کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے خواہ اس کے ساتھ گواہی کو منتہی نہ بھی کیا گیا ہو۔ بعض ائمہ شافعیہ کا قول ہے کہ یہ بات وصیت کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص ہے ' اور وصیت کی خبر کے ثبوت کے لئے گواہی کے بغیر صرف رسم الخط پر اعتماد کرنا جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب شارع نے وصیت کا امر کیا اور وصیت ضروری حقوق اور لازمی امور کے سلسلے میں ہوتی ہے تو اس کا حق بن گیا کہ ضرورت کے اوقات میں اسکی تجدید کی جائے اور ہر ایسے لازمی امر کے اندر گواہ کو ساتھ رکھنا جس سے ایک شخص اچانک موت آ جانے کے خطرے کے پیش نظر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو ' بہت مشکل ہے' بلکہ بعض اوقات محال ہوتا ہے ۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ یا تو وصیت کا عدم وجوب ہو یا گواہی کے بغیر صرف تحریر کی بنیاد پر اس کی مشروعیت ہو جائے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں حالانکہ وصیت کے بارے میں جو حکم ہے وہ ثابت ہو چکا ہے اور جس کا ذکر زیر نظر حدیث میں آیا ہے ۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ گواہی کے بغیر وصیت قبول کر لی جائے ۔

جمہور کا قول ہے کہ حدیث کے فقرے "اسکے پاس لکھی ہوئی موجود ہو" سے مراد یہ ہے کہ وصیت اپنی شرط کے تحت لکھی ہوئی ہو اور وہ شرط گواہی ہے ۔ ان حضرات نے ارشاد باری (شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمہارے درمیان گواہی کی صورت یہ ہے ..... الخ سورہ مائدہ آیت ۱۰۶) سے استدلال کیا ہے کیونکہ یہاں یہ وصیت کے لئے گواہی قائم کرنے کی بات کو ملحوظ رکھنے پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت کے اندر گواہی قائم کرنے کے ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ وصیت گواہی کے بغیر درست نہیں ہوتی ۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ لکھائی کی شناخت ہی معتبر ہے ۔ جب وصیت کنندہ کی لکھائی کی شناخت ہو جائے تو اس پر عمل کر لیا جائے۔ حاکم وقت کی لکھائی بھی اسی طرح ہے اور پرانے زمانہ سے آج تک اس پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوتی خطوط تحریر کر کے لوگوں کو ارسال کرتے تھے ۔ اور ان کے ذریعے بندوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے اور یہی خطوط ان لوگوں کے لئے اتمام حجت کا کام دیتے تھے۔ لوگ ہمیشہ اپنے دینی اور دنیوی معاملات میں ایک دوسرے کو خطوط لکھا کرتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اسی بنا پر وجادہ پر عمل ہوتا ہے اور یہ تمام صورتیں گواہی کے بغیر ہوتی ہیں۔ (وجادہ علم حدیث کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ طالب حدیث کو کسی شیخ کے قلم سے لکھی ہوئی احادیث مل جائیں جنہیں شیخ روایت کرتا ہو' طالب حدیث کو یہ بات معلوم ہو مگر اس نے شیخ سے نہ سماع کیا ہو نہ اجازت حاصل کی ہو ------ مترجم)

یہ حدیث حقوق وغیرہ سے متعلقہ کسی چیز کے بارے میں وصیت کرنے کی دلیل ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: "اس کے پاس کوئی چیز (مال) ہو اور وہ وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔" رہی یہ بات کہ وصیت نامے پر شہادتین کا کلمہ درج کیا جائے تو یہ صرف لوگوں کے درمیان ایک رسم کے طور پر جاری ہے۔ اس بارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی مرفوع حدیث معلوم نہیں ہے ۔ صرف عبدالرزاق نے صحیح سند کے ذریعے حضرت انسؓ سے مرفوعاً" روایت کی ہے کہ لوگ اپنے وصیت ناموں کے شروع میں لکھا کرتے تھے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ فلاں بن فلاں کا وصیت نامہ ہے وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اور قیامت آنے والی ہے ' اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اور اپنے پسماندگان کو وہ یہ وصیت کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہیں' آپس میں صلح صفائی رکھیں ' اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اگر وہ مومن ہیں۔ وہ انہیں اس بات کی وصیت کرتا ہے جس کی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو کی تھی کہ "اللہ نے تمہارے لئے دین اسلام کو چن لیا ہے اس لئے تم پر موت نہ آئے مگر صرف اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔" اس روایت کی ابتداء میں فعل (کانوا) کی ضمیر صحابہ کی طرف عائد ہے کیونکہ حدیث کے راوی ایک صحابی ہیں ۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وصیت کی تھی یا نہیں؟ اختلاف کی وجہ اس با ے میں روایات کا اختلاف ہے۔ بخاری شریف کے اندر حضرت ابن ابی اوفی سے مروی ہے کہ آپؐ نے وصیت نہیں کی ۔ حضرات علماء کے قول کے مطابق وصیت اس لئے نہیں کی کہ آپؐ کے پاس کوئی مال نہیں تھا۔ رہ گئی زمین تو وہ آپؐ نے اللہ کی راہ میں خیرات کر دی تھی اور ہتھیار اور خچر کے بارے میں فرما دیا تھا کہ ان کی وراثت نہیں ہو گی۔ نووی نے اسی طرح بیان کیا ہے ۔ ابن اسحاق کے " المغازی" میں مرقوم ہے کہ: " حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت صرف تین باتوں کی وصیت کی تھی۔ درس والے یعنی اصحاب صفہ' اشعریین ' یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری کے خاندان کے لوگ جو صفہ کی درسگاہ میں آئے ہوئے ہوں اور قبیلہ رہوہ کے افراد میں سے ہر گروہ کے لئے خیبر کی اتاری ہوئی سو وسق کھجوریں (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے ---- مترجم) دوم یہ کہ جزیرہ عرب میں دو دین رہنے نہ دئے جائیں (کفر کو ختم کر دیا جائے اور صرف دین اسلام باقی رہ جائے) سوم یہ کہ حضرت اسامہؓ کے لشکر کو مہم پر روانہ کر دیا جائے "۔ امام مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت کی تھی اول یہ کہ : " آنے والے وفود کی اسی طرح خاطر مدارات کرو جس طرح میں کیا کرتا تھا..... الخ" ابن ابی اوفی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے کتاب اللہ کی وصیت فرمائی۔ امام احمد ' نسائی اور ابن سعد کی روایت ہے کہ وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور غلاموں لونڈیوں کے بارے میں وصیت فرمائی۔ انصار اور اہل بیت کے بارے میں بھی آپؐ کی وصیت ثابت ہے لیکن یہ وفات کے وقت نہیں تھی۔ اس کے سوا اور بھی بہت سی روایات ہیں ۔ یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الموت میں اپنی امت کے لئے وصیت نامے کے طور پر ایک تحریر لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن آپؐ کے ارادے کے درمیان موت حائل ہو گئی۔ امام بخاری نے اسی طرح روایت کی ہے۔

۲/۹۰۵ ۔ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنَا ذُو مَالٍ، وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي وَاحِدَةٌ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ: «لَا» قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ؟ قَالَ: «لَا» قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ؟ قَالَ: «الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسولؐ" میں مالدار (۱) آدمی ہوں اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے' کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ نہ کردوں ؟ آپ نے فرمایا: " نہیں " میں نے عرض کیا: "کیا نصف مال صدقہ کر دوں آپؐ نے فرمایا نہیں : "میں نے عرض کیا: "کیا تہائی مال صدقہ کر دوں ؟ " آپؐ نے فرمایا: " تہائی' اور تہائی بھی بہت ہے۔ تمہارا اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں قلاش چھوڑ جاؤ کہ لوگوں سے مانگ مانگ کر اپنا گذارہ کریں!" (متفق علیہ)

(۱) حدیث میں لفظ ہے " ذومال" ایک روایت میں " ذومال کثیر" ہے یعنی بہت زیادہ مالدار

(۲) حدیث کا لفظ ہے "ان تذر" اس میں الف پر زبر بھی پڑھا گیا ہے اور زیر بھی ' زبر کی صورت میں لام تعلیل مقدر ہوگا اور زیر کی صورت میں یہ "ان" شرطیہ ہو گا اور اس کا جواب لفظ خیر ہو گا جو اصل میں فھو خیر" ہو گا۔

(۳) حدیث کا لفظ ہے "عالہ" یہ عائل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں : " لوگوں کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر سوال کریں۔" یہ حکم کب وقوع پذیر ہوا اس بارے میں اختلاف رائے ہے ۔ ایک قول کے

---

(۱) حضرت سعد کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۳' ج ۴ ص ۳' ۴' ۸' ۹' ۱۰ ' مسلم شریف حدیث ۵' ۸' ۹' ۱۰ من الوصیہ سنن ابی داؤد ۲۸۶۴' سنن ترمذی ۱۱۲۶' سنن نسائی باب ۳ من الوصایا ' سنن ابن ماجہ ۲۷۰۸' ۲۷۱۱' مسند احمد ج ' ص ۱۶۸' ۱۷۱ تا ۱۷۴' ۱۷۶ ' السنن الکبری ج ۶ ص ۲۶۸' ج ۹ ص ۲۸' سنن دارمی ج ۲ ص ۴۰۷' ج ۱۰ ص ۳۶۱ ' صحیح ابن خزیمہ ۲۳۵۵' نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۰۱ ' فتح الباری ج ۵ ص ۳۱۳' ۳۶۹' ج ۹ ص ۱۹۷ ' ج ۱۰ ص ۱۲۰ ' ج ۱۱ ص ۲۴۲' شرح السنہ ج ۵ ص ۲۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق مکہ میں حجتہ الوداع کے موقعہ پر' کیونکہ حضرت سعدؓ بیمار پڑ گئے تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم انکی عیادت کو گئے تو انہوں نے آپؐ سے اس بات کا ذکر کیا' یہ پس منظر زہری کی روایت میں بالکل صریح ہے۔ دوسرا قول ہے کہ یہ حکم فتح مکہ کے موقعہ پر دیا گیا' ترمذی نے ابن عیینہ سے اس کی روایت کی ہے۔' تاہم حفاظ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ وہم ہے اور پہلی بات ہی درست ہے۔ تیسرا قول ہے کہ ان دونوں موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے قول " میں بہت مالدار ہوں " سے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے تھوڑی مقدار کی وصیت نہیں کرنا چاہتے۔

ان کا یہ قول کہ:"میری ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں " اس کا مفہوم یہ ہے کہ میری اولاد میں اور کوئی وارث نہیں ہے' ورنہ وہ بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے اور بی زہرہ انکے عصبات تھے۔ یہ بات ان کے ہاں بیٹوں کی پیدائش سے پہلے ہوئی تھی' ورنہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ اس بات کے بعد انکے ہاں چار بیٹے پیدا ہوئے بلکہ ایک قول کے مطابق دس سے زائد بیٹے اور بارہ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

ان کے قول "کیا میں صدقہ کر دوں؟" میں احتمال ہے کہ انہوں نے فوری طور پر وصیت نافذ کرنے کی اجازت مانگی تھی یا موت کے بعد کا ارادہ کیا تھا تاہم ایک روایت میں لفظ " اوصی " (میں وصیت کردوں) ہے' دوسرا معنی زیادہ واضح ہے اس لئے پہلے معنی کو دوسرے پر محمول کیا جائے گا۔

ان کا قول ہے: "بشطر مالی" (میرے مال کا نصف) شطر سے مراد نصف ہے۔ حدیث کے لفظ : "والثلث کثیر (اور تہائی بہت ہے) میں ایک روایت کثیر ہے او ایک روایت کبیر ہے۔ یہ راوی کا شک ہے۔ بخاری شریف میں اسی طرح ہے۔ لیکن اکثر روایات کثیر کی ہیں۔ تہائی حصے کو کثرت کی صفت کے ساتھ موصوف کرنا اس سے کمتر حصوں کے اعتبار سے ہے' اسے کثرت کے وصف کے ساتھ موصوف کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کے دو احتمال ہیں اول یہ بتانا مقصود ہے کہ تہائی میں کسی اضافے کے بغیر اس پر اکتفا کرنا اولی ہے' یہی بات ذہن میں فوری طور پر آتی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے یہی کچھ سمجھا ہے اور کہا ہے کہ " میری تمنا ہے کہ لوگ وصیت کے سلسلے میں تہائی سے لیکر چوتھائی تک مال کے طریقے کو دانتوں سے پکڑ لیتے" دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ بیان مقصود ہے کہ تہائی مال کا صدقہ کر دینا ہی اعلی صورت ہے یعنی اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ پھر یہ متعلق کے حال کا بیان ہو گا۔ اس حدیث میں لاوارث شخص کے لئے تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کی ممانعت کی دلیل ہے اسی پر اجماع ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا تہائی مستحب ہے یا اس سے کم۔ "حضرت ابن عباسؓ' امام شافعیؒ اور علماء کے ایک گروہ کا مسلک ہے کہ تہائی سے کم مستحب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ نے تمہارے لئے تمہارے اموال کے تہائی حصے کی وصیت کو تمہاری نیکیوں میں اضافے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا سبب بنا دیا ہے[1]" آگے یہ بات آ رہی ہے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ زیر نظر حدیث ان لوگوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے جن کے وارث موجود ہوں۔ جن لوگوں کے وارث نہ ہوں تو انکے متعلق امام مالک کا مسلک ہے کہ ان کا معاملہ بھی وارث رکھنے والوں کی طرح ہے۔ اس لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت انکے لئے مستحب نہیں ہوگی ۔ احناف اور ھادویہ نے ایسے شخص کو اپنے کل مال کی وصیت کی اجازت دیدی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بھی یہی قول ہے ۔ اگر ورثاء تہائی سے زائد کی وصیت کی اجازت دیدیں تو یہ وصیت نافذ ہو جائے گی کیونکہ انہوں نے اپنا حق خود ہی ساقط کر دیا ۔ جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن ظاہریہ اور مزنی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا یہ فقرہ آگے آ رہا ہے: "الا یہ کہ ورثاء چاہیں۔" یہ اچھی بات ہے اور اس پر عمل ہونا چاہئے۔ ہاں اگر ورثاء اپنی دی ہوئی اجازت سے رجوع کر لیں تو اس کے متعلق ایک گروہ کا خیال ہے کہ وصیت کنندہ کی زندگی میں کوئی رجوع نہیں ہو گا ' نہ ہی اس کی وفات کے بعد انہیں رجوع کا حق ہو گا۔ ایک قول کے مطابق اگر ورثاء وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد رجوع کر لیں تو یہ رجوع درست نہیں ہو گا کیونکہ موت کی وجہ سے حق کا انقطاع ہو گیا ' بخلاف حالت زندگی کے ' کیونکہ اس حالت کے اندر انکے لئے حق کی تجدید ہوتی رہے گی۔ اس اختلاف کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مفہوم اخذ کرنے میں اختلاف ہے کہ " تمہارا انہیں مالدار چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں فلاش چھوڑ جاؤ..... الخ " آیا اس ارشاد سے وہ علت مفہوم ہوتی ہے جو تہائی سے زائد کی وصیت کی ممانعت کی بنیاد ہے نیز یہ کہ اس کا سبب وارث کے حق کی رعایت ہے نیز یہ کہ جب سبب ختم ہو جائے تو ممانعت کا حکم بھی ختم ہو جائے گا یا یہ کہ علت حکم تک متعدی نہیں ہو گی یا یہ کہ تمام مسلمانوں کو ورثاء کے بمنزلہ قرار دیا جائے جیسا کہ امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔ زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ علت حکم تک متعدی ہوگی اور اس حکم کا انتفاء اس شخص کے حق میں ہو گا جس کا کوئی معین وارث موجود نہ ہو ۔

۹۰۶/۳ ۔ وَعَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوصِ، وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ[2].

---

(۱) حدیث " اللہ نے تمہارے لئے تمہارے اموال میں تہائی حصے کی وصیت کی ..... الخ" کا حوالہ: معانی الاثار ج ۴ ص ۳۸۰

(۲) حضرت عائشہؓ کی حدیث کے حوالے: مسلم شریف حدیث ۱۰۰۴ من الزکواۃ' فتح الباری ج ۵ ص ۳۸۸' سنن ابی داؤد ۲۸۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: "اللہ کے رسول میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا اور وہ وصیت نہیں کر سکیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بولنے کا موقعہ ملتا تو ضرور صدقہ کرتیں۔ اگر میں انکی طرف سے صدقہ کروں تو کیا انہیں اس کا اجر ملے گا؟" آپؐ نے جواب دیا: "ہاں" (متفق علیہ)۔ حدیث کے الفاظ امام مسلم کے روایت کردہ ہیں۔

(۱) دوسری روایتوں میں ان کا نام آیا ہے کہ یہ حضرت سعد بن عبادہؓ تھے۔

(۲) افتلتت: (حرف فاء ساکن ' تاء پر پیش ' اور لام مکسور) انکی جان (اچانک لے لی گئی) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اولاد کا کیا ہوا صدقہ میت کو مل جاتا ہے یعنی اس کا ثواب اسے پہنچ جاتا ہے۔ ارشاد باری وان لیس للا نسان الا ماسعی انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے اس نے کوشش کی ------ (سورہ نجم آیت ۳۹)

اس حدیث کے معارض نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث ثابت ہے کہ: "بے شک تمہاری اولاد تمہاری کمائی میں سے ہے" اور اس طرح کی دیگر احادیث۔ میت کی اولاد اس کی سعی اور کمائی ہے۔ نیز یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ "یا نیک اولاد ہو جو اس کے لئے دعا کرتی ہو۔" اس بارے میں ہم نے کتاب الجنائز کے آخر میں بات کی ہے۔

٩٠٧/٤ - وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَحَسَّنَهُ أَحْمَدُ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَقَوَّاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ(۱).

وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَزَادَ فِي آخِرِهِ: «إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ». وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ(۲).

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ: "اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے ' اس لئے کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔" امام احمد اور نسائی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن الجارود نے اسے قوی حدیث قرار دیا ہے۔ دار قطنی نے حضرت

---

(۱) حضرت ابو امامہ کی حدیث کے حوالے کتاب کی حدیث نمبر ۱۴ کے حاشیے میں دیکھئے

(۲) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا حوالہ:۔ سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسکی روایت کی ہے اور آخر میں یہ اضافہ کیا ہے: "الا یہ کہ ورثاء چاہیں۔" اس کی اسناد حسن ہے۔

اس بارے میں ترمذی اور نسائی نے عمرو بن خارجہؓ سے روایت کی ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت انسؓ اور دار قطنی نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے انکے دادا سے روایت کی ہے' دار قطنی نے حضرت جابرؓ سے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کا مرسل ہونا درست بات ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ سے بھی روایت کی ہے لیکن ان تمام روایتوں کی اسانید تنقید اور جرح سے پاک نہیں ہیں' تاہم ان روایتوں کی مجموعی حیثیت اس قابل ہے کہ ان پر عمل کیا جائے بلکہ امام شافعی نے "الام" کے اندر قطعیت سے کہا ہے کہ یہ متن متواتر ہے کیونکہ اسے ایک بڑی تعداد نے ایک بڑی تعداد سے نقل کیا ہے اور یہ فرد واحد کی نقل سے زیادہ قوی ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اس حدیث کی بات یہی ہے کہ اس پر عمل واجب ہے اور امام شافعی کے مذکورہ بالا قول کی وجہ سے بھی وجوب عمل ثابت ہوتا ہے' اگرچہ فخر الدین رازی نے اس متن کے متواتر ہونے پر اعتراض کیا ہے لیکن یہ اعتراض اس حدیث کے ثبوت کے سلسلے میں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا' کیونکہ امت کی طرف سے اسے قبولیت حاصل ہوئی ہے جیسا کہ معروف ہے۔ امام بخاری نے اسے ایک باب کا عنوان بنایا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "باب' کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث گویا امام بخاری کی شرط پر پوری نہیں اتری' اس لئے اس کی تخریج نہیں کی' لیکن اس کے بعد آیت کی تفسیر میں انہوں نے حضرت عباسؓ سے بواسطہ عطاء بن ابی رباح اس کی موقوفاً تخریج کی ہے' اس لیے اسے مرفوع حدیث کی حیثیت حاصل ہے۔

یہ حدیث وارث کے لئے وصیت کی ممانعت کی دلیل ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ الھادی نیز ایک گروہ ایسی وصیت کے جواز کا قائل ہے۔ انہوں نے آیت: کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تم پر فرض کر دی گئی ہے ..... الخ (سورہ بقرہ آیت ۱۸) انہوں نے کہا ہے کہ وجوب کا نسخ جواز کی بقاء کے منافی نہیں ہوتا۔ ہم کہتے ہیں: "اگر زیر نظر حدیث نہ آتی تو تمہاری بات درست ہوتی' کیونکہ یہ حدیث مذکورہ وصیت کے جواز کی نفی کرتی ہے اس لئے کہ آیت مواریث کی بنا پر اس کے وجوب کا نسخ معلوم ہو چکا تھا' جس طرح حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ "مال اولاد کے لئے ہوتا ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وصیت والدین کے لئے ہوتی ہے۔ پھر اللہ نے جو چاہا اس میں سے منسوخ کر دیا اور مذکر کے لئے دو عورتوں کے حصوں کے برابر حصہ مقرر کر دیا' نیز ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ' بیوی کے لئے آٹھواں اور چوتھا حصہ اور شوہر کے لئے نصف اور چوتھا حصہ مقرر کر دیا۔" حدیث کے الفاظ "الا یہ کہ ورثاء چاہیں۔" اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر ورثاء اجازت دیں تو وارث کے حق میں وصیت درست ہو کر نافذ ہو جاتی ہے۔ تہائی سے زائد مال کی وصیت کے لئے ورثاء کی اجازت کے سلسلے میں بحث گذر چکی ہے آیا اس اجازت کی بنا پر وصیت نافذ ہو جائے گی یا نہیں نیز یہ کہ ظاہر یہ کا مسلک ہے کہ ورثاء کی اجازت کا کوئی اثر نہیں۔ حدیث کا ظاہر انکے حق میں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وارث کے لئے وصیت کی نہی فرما دی تو اسے اس جملے کے ساتھ مقید کر دیا کہ " الا یہ کہ ورثاء چاہیں"۔ لیکن جب تہائی سے زائد کی وصیت کی ممانعت کی تو اسے مطلق رکھا۔ اب ہمارے لئے آپ کے مطلق حکم کو مقید کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے' جن لوگوں نے اسے مقید کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ قید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ علت سے ماخوذ ہے کہ "تمہارا پی اولاد کو مالدار چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں فلاش چھوڑ جاؤ۔" اس لئے کہ یہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے تہائی سے زائد کی ممانعت کی وجہ ورثاء کے حق کی رعایت تھی اگر وہ اجازت دے دیں تو ان کا حق ساقط ہو جائے گا ' اس استدلال میں کچھ نہ کچھ قوت ضرور ہے ۔ یہ بحث تو وارث کے لئے وصیت کے بارے میں تھی ۔

اگر مریض اپنے مال میں سے کسی چیز کا وارث کے حق میں اقرار کرے تو اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اوزاعی اور ایک گروہ نے اسے مطلقا ' جائز قرار دیا ہے جب کہ امام احمد کا قول ہے کہ مریض کا اپنے وارث کے حق میں اقرار مطلقا" جائز نہیں ہے اور یہ دلیل پیش کی ہے کہ اپنے وارث کے حق میں وصیت ممنوع ہو جانے کے بعد عین ممکن ہے کہ وہ اسے اقرار میں بدل دے۔ پہلے گروہ نے جو دلیل پیش کی ہے وہ امام احمد کی دلیل کے جواب کو بھی شامل ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جان کنی میں مبتلا شخص پر ایسی تہمت لگانا بہت بعید بات ہے۔ نیز یہ کہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ مریض اگر مزید کسی وارث کا اقرار کر لے تو اس کا یہ اقرار درست ہو گا حالانکہ یہ اقرار مال کے سلسلے میں اقرار کو متضمن ہے نیز یہ کہ احکام کا مدار تو ظاہری احوال ہوتے ہیں ۔ اس لئے احتمال پر مشتمل ظن کی وجہ سے اس کے اقرار کو ترک نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا معاملہ تو اب اللہ کے سپرد ہے ۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ امام مالک نے اس صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کے تحت مریض اپنی بیٹی کے حق میں اقرار کرے اور اس کے ساتھ بیٹے کے سوا کوئی اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وارث شریک ہو مثلاً چچا زاد بھائی ' ایسی صورت میں مریض پر یہ تہمت عائد ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا حصہ بڑھانا اور اپنے بھتیجے کا حصہ گھٹانا چاہتا ہے ۔ اسی طرح وہ صورت بھی مستثنیٰ ہے جس کے تحت مریض اپنی بیوی کے حق میں اقرار کرے جس کے ساتھ اس کی محبت اور جس کی طرف اس کا میلان معروف ہو اور اس کے درمیان اور کسی اور بیوی سے پیدا شدہ بیٹے کے درمیان دوری اور بعد ہو' خاص طور پر جب اس پیاری بیوی کے بطن سے کوئی اولاد بھی ہو جو اس وقت موجود ہو۔ میں (شارح) کہوں گا کہ اس سلسلے میں سب سے اچھی بات وہ ہے جو بعض مالکیہ سے منقول ہے اور جسے شوافع میں سے الرویانی نے اختیار کیا ہے کہ اس مسئلے کا مدار تہمت کے ہونے اور نہ ہونے پر ہے ۔ اگر تہمت کا وجود نہ ہو تو اسکا جواز ہو گا ورنہ نہیں ۔ تہمت کے بارے میں احوال و کوائف کے قرائن کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے ۔ بعض فقہاء سے منقول ہے کہ مریض کا صرف اپنی بیوی کے مہر کے بارے میں اقرار درست ہوتا ہے ۔

۹۰۸/۵ ۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ زِيَادَةً فِي حَسَنَاتِكُمْ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ.

وَابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكُلُّهَا ضَعِيفَةٌ، لَكِنْ قَدْ يُقَوِّي بَعْضُهَا بَعْضاً[1]: وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہاری وفات کے وقت اموال کا تیسرا حصہ تمہاری نیکیوں میں اضافے کی خاطر تم پر صدقہ کر دیا ہے۔" دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے۔ امام احمد اور البزار نے حضرت ابو الدرداءؓ سے اس کی روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ یہ تمام روایتیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ایک دوسری کی تقویت کا باعث ہیں۔ واللہ اعلم ۔

---

(۱) حضرت معاذ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابن ماجہ ۲۷۰۹' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۵۰' مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۱ ' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۱۲' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۹۱' المطالب العلیہ ۱۴۶۵' میزان الاعتدال ۲۱۳۶' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۹۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت کی اسناد میں اسماعیل بن عیاش اور انکے شیخ عتبہ بن حمید ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ ناقدین حدیث کے نزدیک اسماعیل کی روایتوں کے بارے میں تفصیل ہے جو معروف ہے۔ یہ حدیث تہائی مال کی وصیت کی مشروعیت کی دلیل ہے نیز یہ کہ میت کو اس سے منع نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کا ظاہر زیادہ مال رکھنے والے اور کم مال رکھنے والے دونوں کے بارے میں مطلق ہے اور خواہ یہ وصیت وارث کے حق میں کی جائے یا غیر وارث کے حق میں کی جائے۔ تاہم گذشتہ سطور میں مذکورہ احادیث جو اس حدیث سے زیادہ صحیح ہیں' اس کے اطلاق کو مقید کرتی ہیں۔ اسکے نتیجے میں وارث کے لئے کی ہوئی وصیت نافذ نہیں ہو گی۔ فقہاء اربعہ اور دیگر حضرات کا یہی مسلک ہے۔ اور المویدباللہ نے زید بن علی سے اسی کی روایت کی ہے۔ ہادویہ کے نزدیک ایسی وصیت نافذ ہو جائے گی۔ انہوں نے اس پر اہل بیت کے اجماع کا دعوی کیا ہے لیکن ان کا یہ دعوی درست نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ قول باری (من بعد وصیة یوصین بها او دین) "اس وصیت کے بعد جو بیویوں نے کی ہو یا (قرض) دین کی ادائیگی کے بعد" سورہ نساء آیت ۱۱) کا ظاہر اس امر کا مقتضی ہے کہ میت کے ترکہ سے دین اور وصیت یکساں طریقے سے نکالے جائیں گے 'یعنی اگر دین پورا ترکہ سمیٹ لے تو اس میں وصیت کو بھی شریک کر لیا جائے گا' جب کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وصیت کے نفاذ پر دین کے اخراج کو مقدم رکھا جائے گا کیونکہ امام احمد اور ترمذی وغیرہ نے حارث الاعور کے واسطے سے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا ہے کہ وصیت سے پہلے دین ہے جب کہ تم دین سے پہلے وصیت کا ذکر دیکھتے ہو۔" امام بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے تاہم امام ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم کے ہاں اسی پر عمل ہے۔ امام بخاری نے گویا اس پر اس وجہ سے اعتماد کیا ہے کہ اس کے مقتضا پر اتفاق کے نتیجے میں اسے تقویت مل گئی ہے۔ اس کا ایک شاہد بھی امام ترمذی کے ہاں مروی ہے۔ وصیت پر دین کو مقدم کرنے کے بارے میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب معاملہ اس طرح ہے تو ارشاد باری تعالی کے اندر وصیت کو دین پر کیوں مقدم کیا گیا ہے؟

میں (شارح) کہتا ہوں کہ سہیلی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ وصیت نیکی اور صلہ رحمی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے جب کہ دین کا وقوع اکثر احوال میں اس شخص کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے افضل ہونے کی بنا پر وصیت کے ذکر سے ابتداء کی گئی' سہیلی کے علاوہ دیگر حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ وصیت کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ کسی عوض کے بغیر حاصل ہو جاتی ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین عوض کے بدلے حاصل کیا جاتا ہے ۔ اس لئے وصیت کا پورا کرنا قرض کی ادائیگی کی بہ نسبت وارث کے لیے زیادہ سخت ہو تا ہے اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی کا خدشہ بھی ہوتا ہے۔ بخلاف دین کے۔ اسی بات کے پیش نظر وصیت کو مقدم کر دیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وصیت اکثر احوال میں فقیر اور مسکین کا حصہ ہوتی ہے جب کہ دین قرض خواہ کا حصہ ہوتا ہے جس کا وہ سختی سے مطالبہ کرتا ہے اور باتیں بھی بناتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے وصیت کنندہ اپنی ذات کی طرف سے وصیت کو وجود میں لاتا ہے اس لئے اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینے کی خاطر اسے مقدم رکھا گیا بخلاف دین کے ' کیونکہ مرنے والے سے اسکی ادائیگی کا مطالبہ رہتا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہو یا ذکر نہ کیا گیا ہو یا یہ وجہ ہے کہ وصیت کا پورا کرنا ہر فرد کے لیے ممکن ہوتا ہے۔ وہ استحباب کے طور پر یا وجوب کے طور پر ادا کرتا ہے۔ اس لئے تمام مخاطبین شریعت اس میں شریک ہوتے ہیں ۔ اور اس کا وقوع مال اور عمل کے ذریعے ہوتا ہے اور بہت کم لوگ اس سے خالی ہوتے ہیں' بخلاف دین کے ' اس لئے جس چیز کا وقوع بکثرت ہوتا ہو وہ اس اعتبار سے اہم ہوتی ہے کہ اس کا ذکر پہلے کیا جائے اور اس کے بعد اس چیز کا جو کم وقوع پذیر ہوتی ہے ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۲۔ باب الودیعہ

ودیعت اس عین (متعین مال) کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک یا اس کا نائب کسی کے پاس حفاظت کی خاطر رکھ دے۔ یہ مستحب ہے بشرطیکہ ودیعت کے محافظ کو اپنی ذات پر امانت داری کے سلسلے میں پورا بھروسہ ہو۔ کیونکہ ارشاد باری ہے (وتعاونو اعلی البر والتقوی "اور نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو" ۔۔۔۔ (سورہ مائدہ آیت ۲) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:(۱) "اللہ بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے ۔ بعض دفعہ ودیعت رکھ لینا واجب ہو جاتا ہے جب کہ اس کے سوا کوئی اور شخص اس کام کے لئے مناسب نہ ہو اور اس کے قبول نہ کرنے پر اس کے تلف ہو جانے کا خطرہ ہو۔

۹۰۹/۱ ۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أُودِعَ وَدِيعَةً فَلَيْسَ عَلَيْهِ ضَمَانٌ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ(۲).

عمرو بن شعیب سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے اور انہوں نے ان کے دادا سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا جس شخص کے پاس کوئی ودیعت رکھی جائے اس پر کوئی تاوان نہیں۔" ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے اور اس کی اسناد ہی ضعیف ہے

(۱) ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک راوی المثنی بن الصباح ہے جو متروک الحدیث ہے ۔ اس حدیث کی روایت دار قطنی نے ان الفاظ میں کی ہے: "عاریت لینے والے پر جو خائن نہ ہو کوئی تاوان نہیں' ودیعت رکھنے والے پر جو خائن نہ ہو کوئی تاوان نہیں ہے"۔ اس روایت کی سند میں دو ضعیف راوی ہیں' دار قطنی نے کہا ہے:" یہ حدیث شریح سے مروی ہے اور مرفوع نہیں ہے۔" دار قطنی کی ایک روایت میں

---

(۱) حدیث " اللہ بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ ..... الخ " کے حوالے :۔ مسلم شریف حدیث ۲۰۷۴' سنن ابی داؤد ۵۲۳۰' سنن ترمذی ۱۴۲۵' ۱۹۳۰ ' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲' ۲۹۶' ۵۰۰' ۵۱۴' المستدرک ج ۴ ص ۳۸۳' الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۶۹

(۲) عمرو بن شعیب کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابن ماجہ ۲۴۰۱ ' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۹۷' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۱۵' ارواء الغلیل ج ۵ ص ۳۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر حدیث میں وارد لفظ (المغل) کی تفسیر خائن سے کی گئی ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد مستغل ہے یعنی اس باب میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت جابرؓ سے آثار منقول ہیں کہ ودیعت امانت ہوتی ہے۔ ان آثار پر اگرچہ جرح کی گئی ہے لیکن اجماع کی وجہ سے جرح کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اجماع اس امر پر ہے کہ ودیعت پر کوئی تاوان نہیں ہوتا۔ البتہ حسن بصری سے مروی ہے کہ اگر ودیعت رکھوانے والا ودیعت رکھنے والے پر تاوان کی شرط عائد کر دے تو اس صورت میں اسے تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ حسن بصری کے اس قول کی تاویل یہ کہہ کر کی جا سکتی ہے کہ تاوان اس صورت میں دینا پڑے گا جب اس نے اسکی حفاظت میں کوتاہی کی ہو۔

ودیعت یا امانت کے لئے بعض اوقات صریح الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً وہ کہے: "میں یہ ودیعت تمہارے پاس رکھتا ہوں۔" یا اسی قسم کے دیگر فقرے یا الفاظ جن سے معلوم ہوتا ہو کہ اس چیز کو حفاظت سے رکھوانا مقصود ہے اور دوسری طرف سے اسے لفظاً قبول کر لینا کافی ہو گا۔ ودیعت کبھی لفظ کے بغیر رکھوائی جاتی ہے مثلاً کوئی شخص کسی کی دکان میں اپنی کوئی چیز رکھ دے اور دکاندار موجود ہو لیکن وہ اسے ایسا کرنے سے نہ روکے یا کوئی اپنی چیز مسجد میں رکھ دے اور جس کے پاس رکھے وہ نماز میں نہ ہو، اگر وہ نماز میں ہو تو پھر نہیں کیونکہ نماز کے اندر ہوتے ہوئے یہ دوسرا شخص اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کر سکتا۔ ودیعت یا امانت کے بارے میں مسائل سے متعلق کتابوں میں بہت سی تفاصیل ہیں۔ فے اور غنیمت کا باب ان شاء اللہ باب الجہاد کے بعد آئے گا۔

(۱) یعنی آٹھوں اصناف کے درمیان صدقات کی تقسیم

(۲) اس کا باب الزکوٰۃ کے ساتھ متصل ہونا زیادہ مناسب تھا،

(۳) جہاد کے ساتھ اس کا متصل ہونا زیادہ مناسب تھا،

مصنف کتاب کو اس بات کے ذکر کی یہاں اس لئے ضرورت پیش آئی کہ شوافع کی فروع کی کتابوں میں یہ طریقہ جاری تھا کہ مذکورہ بالا دونوں ابواب کا ذکر کتاب النکاح سے کچھ پہلے ہو جاتا تھا، مصنف نے اس طریق کار سے اختلاف کرتے ہوئے ان دونوں ابواب کو انکے مناسب مقامات کے ساتھ ملحق کر دیا۔

اختتام ترجمہ کتاب البیوع، والحمد للہ رب العالمین

محمد عبدالقیوم لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب النکاح

لغت کے اعتبار سے النکاح کے معنی الضم اور التداخل (ضم کر دینا' ایک دوسرے میں داخل ہونا) کے ہیں' ہمبستری کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جہاں تک عقد کے معنوں میں اس کے استعمال کا تعلق ہے تو ایک قول کے مطابق یہ بطور مجاز ہے یعنی مسبب بول کر سبب مراد لینا' دوسرے قول کے مطابق یہ دونوں معنوں میں حقیقت ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ لفظ دونوں معنوں میں مشترک ہے' انکی مراد بھی یہی ہے' تاہم عقد کے معنوں میں اس کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ ایک قول کے مطابق تو یہ لفظ اس معنی میں حقیقت شرعیہ ہے اور قرآن مجید میں یہ عقد ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔

۱/۹۱۰ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ. فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: "اے گروہ جواناں' تم میں سے جس کو (نکاح کے اخراجات برداشت کرتے ہوئے) ہمبستری کی استطاعت ہو وہ نکاح کر لے کیونکہ اس سے نظریں زیادہ پاک اور شرمگاہ زیادہ محفوظ ہو جائے گی' اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے یہی اس کی جنسی شہوت کم کرنے کا ذریعہ ہے۔" (متفق علیہ)

(۱) الباءۃ حرف باء' ہمزہ اور مد کے ساتھ' (تشریح آگے آ رہی ہے۔)

(۲) وجاء' حرف واؤ کے نیچے زیر' جیم اور مد کے ساتھ' اس کی تشریح بھی آگے آ رہی ہے۔

---

(۱) حضرت ابن مسعود کی حدیث کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۳۴' ج ۷ ص ۳ مسلم شریف باب امن النکاح' سنن ابی داؤد باب امن النکاح' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۷۰' ج ۶ ص ۵۷' ۵۸' سنن ابن ماجہ ۱۸۴۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷' ۴۲۴' ۴۲۵' ۴۳۲' ۴۴۱' السنن الکبری ج ۴ ص ۲۹۶' ج ۷ ص ۴۴' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۲' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۰ ص ۱۴۹' مصنف عبدالرزاق ۱۰۳۸۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۶' مسند حمیدی ۱۱۵' فتح الباری ج ۹ ص ۱۰۶' ۱۱۲' ۱۰' شرح السنہ ج ۹ ص ۳' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۸۰' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۹۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو خطاب کیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انکے اندر ہی عورتوں کی خواہش زیادہ ہو سکتی ہے۔" الباءۃ" سے کیا مراد ہے ؟ اس کے متعلق اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے ہمبستری مراد ہے ' اس لئے حدیث کے الفاظ کا پورا مفہوم یہ ہو گا کہ " تم میں سے جس شخص کو نکاح کے وسائل میسر ہونے کی بنا پر ہمبستری کی استطاعت ہو وہ شادی کر لے اور وسائل میسر نہ ہونے کی وجہ سے جسے ہمبستری کی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے تاکہ اس طرح وہ اپنی جنسی خواہش کا دفعیہ کر سکے اور اپنے مادہ منویہ کے شر کو قطع کر دے جس طرح قوت مردانہ زائل کر کے اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔"

ابن حبان کی ایک روایت میں "الوجاء" کی تفسیر الاخصاء سے کی گئی ہے۔ ایک قول کے مطابق خصیتین کو کچل دینا وجاء ہے اور انہیں نکال دینا اخصاء ہے مراد یہ ہے کہ روزہ خصیتین کچل ڈالنے کا کام دے گا ۔ شادی کر لینے کا امر' ازدواجی زندگی کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت کی صورت میں' وجوب نکاح کا مقتضی ہے۔ داؤد ظاہری کا یہی مسلک ہے اور امام احمد سے بھی یہ ایک روایت ہے۔ ابن حزم کا قول ہے کہ استطاعت کی صورت میں ہمبستری کی قدرت رکھنے والے ہر شخص پر نکاح کرنا یا ہمبستری کے لئے لونڈی حاصل کرنا فرض ہو جائے گا۔ اگر وہ اس سے عاجز ہو تو پھر زیادہ سے زیادہ روزے رکھے۔ انکے قول کے مطابق سلف کے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث میں مذکور امر استحباب کے لئے ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: (فواحدۃ او ماملکت ایمانکم تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضے میں آئی ہیں) میں نکاح کرنے یا لونڈی حاصل کر لینے میں سے کسی ایک بات کا اختیار دے دیا ہے ' اور لونڈی حاصل کرنا چونکہ اجماعاً" واجب نہیں اس لئے نکاح بھی واجب نہیں ہو گا۔اس لئے کہ واجب اور غیر واجب کے درمیان تخییر نہیں ہوتی ' تاہم استحباب پر اجماع کا دعوی درست نہیں ہے کیونکہ داؤد ظاہری اور ابن حزم نے اس سے اختلاف کیا ہے ۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ بعض فقہاء نے تو اس شخص کے حق میں نکاح کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے جسے نکاح نہ کرنے پر بند تقوی ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو اور اسے نکاح کرنے کی قدرت حاصل ہو اور لونڈی حاصل کرنا مشکل ہو۔ قرطبی نے یہ بات اسی طرح بیان کی ہے۔ اس لئے جو شخص اس کے بغیر زنا کاری سے بچ نہ سکتا ہو اس پر نکاح کرنا واجب ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے ذکر کیا ہے کہ نکاح کس پر حرام ' کس کے لئے مکروہ ' کس کے لئے مستحب اور کس کے لئے مباح ہو گا۔ ایسے شخص پر نکاح حرام ہو گا جو ہمبستری کرنے اور خرچہ برداشت کرنے کے سلسلے میں بیوی کے ساتھ درست رویہ نہ رکھتا ہو حالانکہ اسے ان باتوں کی قدرت حاصل ہو اور بیوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خواہش بھی رکھتا ہو ۔ ایسے ہی شخص کے حق میں نکاح مکروہ ہو گا کیونکہ بیوی کو نقصان پہنچانے کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اباحت اس صورت میں ہو گی جب نکاح کے دواعی یا محرکات بھی نہ ہوں اور موانع بھی نہ ہوں۔ اور نکاح ہر اس شخص کے حق میں مستحب قرار پائے گا جس سے اولاد پیدا ہونے کی توقع ہو خواہ اسے ہمبستری کی کوئی خواہش نہ بھی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ..... "کیونکہ میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر کثرت تعداد میں سبقت لے جانا چاہوں گا۔" نیز نکاح پر ابھارنے اور اس کے متعلق امر کے سلسلے میں ظواہر نصوص موجود ہیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "وہ روزے رکھے!" روزے کے لزوم پر ابھارنے کے لئے ہے' فقرے میں مذکورہ ضمیر لفظ من کی طرف لوٹ رہی ہے جو معنیً مخاطب ہے ۔ روزے کو وجاء اس لئے کہا گیا کہ جب کھانے پینے میں کمی واقع ہو جائے گی تو جنسی شہوت کا پارہ خود بخود نیچے آ جائے گا۔ اللہ کی طرف سے روزے کو کسر شہوت کا ذریعہ قرار دینے میں کوئی نہ کوئی راز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزے کے بغیر صرف کھانے میں کمی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۔ خطابی نے اس سے دوائیوں کے ذریعے جنسی شہوت کم کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ بغوی نے "شرح السنہ" کے اندر اسے نقل کیا ہے ۔ تاہم خطابی کے قول کو ایسی دوا پر محمول کرنا چاہئے جو مسکن شہوت ہو' شہوت کو سرے سے ختم کر دینے والی نہ ہو ۔ کیونکہ ایسا شخص بعض دفعہ نکاح کر لینے اور ازدواجی زندگی کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ بلکہ اللہ نے تو وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص عفت کا راستہ اختیار کرے گا وہ اسے اپنے فضل سے غنی کر دے گا ۔ کیونکہ اللہ نے غنی کر دینے کو عفت مآبی کی غایت قرار دیا ہے ۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ خصیتین نکال دینے اور نامرد بن جانے کی ممانعت پر سب کا اتفاق ہے۔ اس لئے جو صورت اس کے ہم معنی ہو گی وہ بھی اس کے ساتھ ملحق ہو جائے گی۔ حدیث کے اندر اس ذریعے کو حاصل کرنے پر ابھارا گیا ہے جو نظروں کی پاکی اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے کا سبب بن سکتا ہو۔ حدیث سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ نکاح کے لئے ممکنہ اسباب کے حصول کی کوشش کی جائے مثلاً قرض وغیرہ لے لیا جائے' غیر ممکن اسباب کا تکلف نہ کیا جائے ۔ عراقی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عبادت میں تشریک یعنی عبادت میں کسی دوسرے فعل کو ملانا نقصان دہ نہیں ہے' ریا کاری نقصان دہ ہوتی ہے ۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس فعل کو ملایا گیا ہے وہ عبادت ہو جس طرح وہ فعل جس کے ساتھ ملایا گیا ہو عبادت ہے تو ایسی صورت نقصان دہ نہیں ہو گی ۔ اس لئے کہ روزے کے ذریعے فرج کی حفاظت اور غض بصر (نظر کی پاکی) دونوں عبادتیں حاصل ہو جاتی ہیں ۔

رہا کسی مباح چیز کو ملانا مثلاً ایک شخص ایسے آدمی کے ساتھ مخاطبت ترک کرنے کی خاطر نماز کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے کھڑا ہو جائے جس کے ساتھ اس کی مخاطبت حلال ہو ' تو یہ محل نظر ہے ' اس میں مذکورہ بالا عبارت پر قیاس کا بھی احتمال ہے ' ہاں البتہ اگر وہ غلط باتوں میں پڑنے یا غیبت سننے سے بچنے کی خاطر نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو یہ ایک درست مقصد ہو گا۔ اس حدیث سے مالکیہ نے استمناء (مشت زنی وغیرہ) کی تحریم پر استدلال کیا ہے کیونکہ استمناء بالید اگر مباح ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہدایت فرما دیتے' اس لئے کہ یہ آسان عمل تھا۔ بعض حنابلہ اور بعض حنفیہ نے استمناء بالید کو مباح قرار دیا ہے۔

۹۱۱/۲ - وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: «لَكِنِّي أَنَا أُصَلِّي، وَأَنَامُ، وَأَصُومُ، وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا: " لیکن میں (رات کے وقت) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں ' روزہ بھی رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں اور بیوی کے ساتھ مباشرت بھی کرتا ہوں ' اس لئے جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔" متفق علیہ

یہ امام مسلم کے الفاظ ہیں۔ اس حدیث کا ایک پس منظر ہے۔ وہ حضرت انسؓ کے قول کے مطابق یہ ہے کہ " تین افراد کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس آ کر آپؐ کی عبادت کے بارے میں استفسار کرنے لگا' جب انہیں اس کے متعلق بتایا گیا تو یوں محسوس ہوا کہ انہوں نے اسے بہت کم خیال کیا اور کہا کہ: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ نے آپ کے تو اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دئے ہیں۔" پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ "میں تو ہمیشہ ساری رات نمازیں پڑھتا رہوں گا۔" دوسرے نے کہا: "میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔" تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ بیویوں سے الگ رہوں گا اور کبھی ان کے ساتھ ہم بستری نہیں کروں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور پوچھا "کیا تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں ؟ خدا کی قسم ' میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا تقوی اختیار کرنے والا ہوں۔ لیکن (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' روزے بھی رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑ بھی دیتا ہوں ..... الخ " یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عبادات کے اندر میانہ روی مشروع ہے۔ عبادات میں انہماک ' جان کو نقصان پہنچانا اور جائز اشیاء سے

---

(۱) حضرت انسؓ کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف باب امن النکاح ' مسلم شریف باب امن النکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنارہ کشی درست نہیں ہے' نیز یہ کہ شریعت محمدیہ کی مشروعیت میانہ روی ' تسہیل ' آسانی اور سختی نہ کرنے پر مبنی ہے ۔ ارشاد باری تعالی ہے: یریداللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ' اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تنگی اور سختی کا ارادہ نہیں کرتا ' (سورہ بقرہ آیت ۱۸۵)۔ طبری نے کہا ہے کہ "اس حدیث میں ان لوگوں کی تردید ہے جو حلال اور پاکیزہ کھانوں اور لباس کے استعمال کو اپنے لئے ممنوع قرار دیتے ہیں۔" قاضی عیاض نے کہا ہے کہ: "اس کے متعلق سلف کے اندر اختلاف رائے ہے' بعض کا قول وہی ہے جس کا ذکر طبری نے کیا ہے اور بعض نے اس کے برعکس قول اختیار کیا ہے اور اس ارشاد باری سے استدلال کیا ہے: اذھبتم طیبا تکم فی حیاتکم الدنیا' (تم نے اپنی پاکیزہ چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں اڑا دیں) ' سورہ احقاف : آیت ۲۰) قاضی عیاض نے مزید کہا ہے کہ: "حق یہ ہے کہ درج بالا آیت کافروں کے بارے میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں اختیار کی ہیں' اور اولی یہ ہے کہ تمام امور میں میانہ روی اختیار کی جائے اور پاکیزہ چیزوں کے استعمال میں افراط سے کام نہ لیا جائے کیونکہ یہ طریق کار آرام طلبی اور عیش بگھارنے پر منتج ہوتا ہے اور مشتبہ امور میں پڑ جانے کے خطرے سے بھی دل کو اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ جو شخص اس کا عادی ہو جاتا ہے اسے بعض دفعہ اپنی دل پسند اشیاء میسر نہیں ہوتیں ' اور پھر وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا اور محظورات (شرعی طور پر ممنوعہ چیزوں) میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف جو شخص پاکیزہ اشیاء کے کبھی کبھار استعمال کو بھی اپنے لئے روا نہیں رکھتا وہ بعض دفعہ اس سلسلے میں اتنے غلو سے کام لیتا ہے کہ نتیجہ" وہ رسول اکرمؐ کے سنت طریقہ کو چھوڑ دیتا ہے جب کہ سنت رسول کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے درج بالا بیان پر اس صریح ارشاد باری کے تحت اعتراض وارد ہوتا ہے: (قل من حرم زینہ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق آپ کہہ دیجئے ' اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے تیار کردہ زیب و زینت اور رزق کی پاکیزہ اشیاء کو کس نے حرام کیا؟' (سورہ اعراف آیت ۳۲) اسی طرح عبادت کے اندر شدت اختیار کرنے کا طریق کار بعض دفعہ ایسی اکتاہٹ پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ عبادت سے دل سرے سے اٹھ جاتا ہے بلکہ فرائض کی ادائیگی کے تسلسل کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے' جب کہ دوسری طرف نوافل کا ترک سستی اور کاہلی پیدا کردیتا ہے اور عبادت کے لئے طبیعت کے نشاط اور اس کی چاہت کو مٹا دیتا ہے۔ اس لئے ان تمام امور میں میانہ روی کی حکمت عملی کو اپنانا ہی بہتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا" کا مفہوم یہ ہے کہ "جو شخص میرے طریقے پر چلنے سے گریز کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے " یعنی اس کا شمار اس راہ پر چلنے والے افراد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نہیں ہو گا جو فطرت انسانی سے قریب سیدھی' اور آسان ہے ۔ بلکہ ایسے شخص پر لازم ہے کہ روزے چھوڑے تاکہ آگے روزہ رکھنے کی اس کے اندر قوت پیدا ہو' نیند پوری کرے تاکہ قیام اللیل کی طاقت پیدا ہو۔ بیویوں سے ہمبستری کرے تاکہ اس کی نظریں پاک رہیں اور اس کے دامن پر کوئی شہوانی دھبہ نہ لگے۔ ایک قول کے مطابق اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور طریقے کو چھوڑ کر کسی اور طریقے پر چلنے والا شخص یہ سوچے کہ جو عبادت وہ کر رہا ہے اس کی حیثیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عبادت سے بہتر ہے تو اس صورت میں آپ ؐ کے ارشاد " وہ مجھ سے نہیں ہے " کا مفہوم یہ ہو گا کہ " وہ میری ملت کے افراد سے نہیں ہے " کیونکہ ایسا فاسد اعتقاد انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے ۔

۹۱۲/۳ ۔ وَعَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِالْبَاءَةِ وَيَنْهَى عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْياً شَدِيداً، وَيَقُولُ: «تَزَوَّجُوا الْوَلُودَ الْوَدُودَ. فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ.

اور انہی (حضرت انسؓ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (اپنی بیویوں سے) ہمبستری کا حکم دیتے تھے اور بیویوں سے قطع تعلق کی سختی سے ممانعت کرتے تھے اور فرماتے تھے : "ایسی عورت سے شادی کرو جو خوب بچے پیدا کرنے والی اور بہت پیاری ہو کیونکہ قیامت کے دن میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر کثرت تعداد میں سبقت لے جانا چاہوں گا۔" امام احمد نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابو داؤد' نسائی اور ابن حبان کے نزدیک اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جس کی روایت حضرت معقل بن یسار سے کی گئی ہے ۔

(۱) یعنی حضرت انسؓ سے

(۲) التبتل بیویوں سے قطع تعلق کرتے ہوئے ہمبستری ترک کر کے عبادت میں مصروف ہو جانے کو کہتے ہیں بلکہ اصل معنی قطع کے ہیں۔ اسی مفہوم میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت فاطمہؓ کو بتول کہا گیا ہے کیونکہ ان دونوں کو آخرت کی رغبت میں اپنے زمانے کی خواتین سے دینداری اور فضل و شرف میں ان کے ساتھ انکی کوئی مناسبت ہی نہیں تھی ۔

---

(۱) حضرت انس کی حدیث کے حوالے :۔ مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۸' ۲۴۵' ' سنن سعید بن منصور ۴۹۰' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۹۵' سنن ابی داؤد ۲۰۵۰' سنن نسائی باب ۱۱ من النکاح ' سنن ابن ماجہ ۱۸۴۶' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۲' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۲' ۳۵۸ موارد الظمان ۱۲۲۸' ۱۲۲۹' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۲' مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۹۱' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) الولود بہت زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت کو کہتے ہیں۔ اگر عورت باکرہ ہو تو اسکی دیگر رشتہ دار خواتین کے احوال معلوم کر کے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر یہ صفت ہے یا نہیں۔

(۴) حدیث میں مذکور لفظ کا مصدر مکاثرہ ہے جس کے معنی مفاخرہ کے ہیں یعنی فخر کرنے میں غالب آ جانا' آخرت میں مفاخرہ کا جواز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ؐ کی امت کی جس قدر کثرت ہوگی آپ ؐ کو ملنے والے ثواب کی بھی اتنی ہی کثرت ہوگی اس لئے کہ آپ ؐ کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ آپ ؐ کے پیروکاروں کو

٩١٣/٤ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»: مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مَعَ بَقِيَّةِ السَّبْعَةِ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: "عورت کے ساتھ چار باتوں کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے' اسکے مال کی بنا پر' اس کے حسب و نسب کی بنا پر' اسکے حسن و جمال کی بنا پر اور اس کی دینداری کی بنا پر' اس لئے دیندار خاتون کو (عقد نکاح کے ذریعے) حاصل کر لو' تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں! (متفق علیہ) نیز یا تمامندہ ساتوں اصحاب سنن

(۱) یعنی چار خصائل ایسے ہیں جو ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی طرف راغب کرتے ہیں اور دل میں اس کا داعیہ پیدا کرتے ہیں۔

(۲) یعنی امام بخاری اور امام مسلم کے درمیان

(۳) یعنی وہ ساتوں اصحاب جن کا ذکر اس کتاب کے دیباچے میں گذر چکا ہے۔

یہ حدیث اس امر کی خبر دے رہی ہے کہ ایک مرد کے دل میں کسی خاتون کے ساتھ نکاح کی رغبت مذکورہ بالا چار امور میں سے کسی ایک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مردوں کے نزدیک آخری صفت دینداری تھی' اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ جب دیندار خاتون نکاح کے لئے مل جائے تو پھر اسے

---

(۱) حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۹' مسلم شریف حدیث ۵۳ من الرضاع' سنن ابی داؤد ۲۰۴۷' سنن نسائی ج ۶ ص ۶۸' سنن ابن ماجہ ۱۸۵۸' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۴' سنن سعید بن منصور ۵۰۲' ۵۰۶' السنن الکبری ج ۷ ص ۷۹' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۹۴' فتح الباری ج ۹ ص ۳۲' مشکوۃ المصابیح ۳۰۸۲' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۰۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ کر کسی اور کا رخ نہ کریں۔ دینداری کے سوا کسی اور صفت کی بنا پر عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ابن ماجہ ' البزار اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً" روایت کی ہے کہ "عورتوں کے ساتھ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کرو۔ ممکن ہے کہ ان کا حسن و جمال ہی ان کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔ نہ انکے مال کی وجہ سے ' کیونکہ شاید ان کا مال انہیں سرکشی پر آمادہ کردے۔ بلکہ دینداری کی بنا پر ان سے نکاح کرو۔ ایک سیاہ فام اور بے وقوف سی دیندار لونڈی (دوسری عورتوں سے) افضل ہے۔ "

بہترین خاتون کی صفت میں نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "اللہ کے رسول ' کون سی عورت سب سے بہتر ہے ؟" آپؐ نے جواب میں فرمایا: "وہ عورت جس پر اگر اس کا شوہر نظر ڈالے تو اس کا دل لبھاوے ' اگر اسے کوئی حکم دے تو وہ اسے بجا لائے ' اور اپنی ذات اور اپنے مال کے سلسلے میں کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔"

انسان اور اس کے آبا وٴ اجداد کے اچھے افعال کو حسب کہتے ہیں ' امام ترمذی نے حضرت سمرہؓ سے ایک حدیث مرفوعاً" روایت کی ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ اس میں حسب کی تفسیر مال کے ذریعے کی گئی ہے۔ ' الفاظ یہ ہیں: "حسب مال ہے اور کرم تقوی ہے" تاہم زیر نظر حدیث میں حسب سے مال مراد نہیں ہے کیونکہ اسکے ساتھ ہی مال کا بھی ذکر ہے ' اس لئے یہاں پہلا معنی ہی مراد ہے ۔ زیر بحث حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہر معاملے میں دینداروں کی مصاحبت ہی بہتر ہے کیونکہ ان کے ساتھ چلنے والا ان کے اخلاق ' انکی برکتوں اور انکے طور طریقوں سے استفادہ کرے گا خاص طور پر جب کہ بیوی کا معاملہ ہو ' دینداری کے اعتبار اور لحاظ میں اس کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہی اس کی ہم خواب ہے ' اور اسکی اولاد کی ماں ہے۔ انکے مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں " کا مفہوم ہے "فقرو تنگدستی کی وجہ سے تمہارے ہاتھ مٹی سے جا ملیں ' یہ فقرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی بد دعا نہیں ہے بلکہ لوگوں کی آپس کی بول چال میں اس کا رواج تھا۔

٩١٤/٥ ـ وَعَنْهُ أَنَّ لِلنَّبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَّأَ إِنْسَاناً إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ: «بَارَكَ ٱللَّهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَابْنُ خُزَيْمَةَ ، وَابْنُ حِبَّانَ .

اور انہی (حضرت ابو ہریرہؓ) سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص شادی کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر زوجین کے حق میں موافقت اور حسن معاشرت کی دعا کرتے تو فرماتے: "اللہ تمہیں برکت دے اور تم پر برکت نازل کرے اور بھلائی میں تم دونوں کو یکجا کرے۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے' امام ترمذی' ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے

(۲) رفاء (حرف راء' فائے مشدد اور الف مقصورہ کے ساتھ) الرفاء موافقت اور حسن معاشرت کو کہتے ہیں۔ یہ "رفاالثوب" (اس نے کپڑے کو رفو کیا) سے نکلا ہے' ایک قول کے مطابق یہ "رفوت الرجل" سے ہے جس کا مفہوم ہے۔ "میں نے اس شخص کے اندر پیدا ہونے والے ڈر اور خوف کو ساکن کر دیا۔" یہاں مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شادی کرنے والے کے حق میں جب میاں بیوی کے درمیان موافقت اور حسن معاشرت کی دعا کرتے تو یہ الفاظ کہتے۔

بقی بن مخلد نے بنی تمیم کے ایک شخص سے اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ " ہم زمانہ جاہلیت میں نکاح کے موقعہ پر رفاء اور بیٹوں کی دعا دیتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا اور فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو۔ "..... تا آخر حدیث ۔" امام مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا سے پوچھتے کہ: "تم نے شادی کی ہے؟" وہ اس کا جواب اثبات میں دیتا' آپؐ فرماتے: "اللہ تمہیں برکت دے!" دارمی نے اضافہ کیا ہے: "اللہ تم پر برکت بھیجے!" اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نکاح کرنے والے کے حق میں دعا کرنا سنت ہے ۔ جہاں تک نکاح کرنے والے کا تعلق ہے تو اس کے لئے وہ طریقہ اور وہ دعا مسنون ہے جس کا ذکر عمرو بن شعیب کی روایت میں ہوا ہے۔ انہوں نے اس کی روایت اپنے والد سے انہوں نے انکے دادا سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے کہ: "جب تم میں سے کسی کو کوئی (بذریعہ عقد یا بذریعہ خریداری) کوئی عورت مل جائے یا کوئی خادم یا سواری کا جانور حاصل ہو جائے تو وہ اسے اسکی پیشانی سے پکڑے اور یہ دعا کرے: "اے اللہ' میں تجھ سے اس کی خیر کا اور جس فطرت پر اسے بنایا

(۱) حدیث " اللہ تمہیں برکت دے ..... کے حوالے: سنن ابی داؤد ۱۳۲۰' سنن ترمذی ۱۰۹۱' سنن ابن ماجہ ۷۰۸' مسند احمد ۳ ص ۴۵۱' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۴' السنن الکبری ج ۷ ص ۱۴۸' المستدرک ج ۲ ص ۱۸۳' موارد الظمان ۱۳۸۴' سنن سعید بن منصور ۵۲۲' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی ۵۹۶' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۶۲' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۵۲' فتح الباری ج ۹ ص ۲۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے نیز جس فطرت پر اسے ڈھالا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں!" ابو داؤد ' نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔

٦/٩١٥ - وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّه عَنْهُ، قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ: «إِنَّ الْحَمْدَ للَّهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا. مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ». وَيقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالْأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَالْحَاكِمُ. (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت کے سلسلے میں یہ تشہد پڑھنے کی تعلیم دی تھی: "تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں ' ہم اس کی حمد کرتے ہیں ' اس سے مدد مانگتے ہیں ' اس سے استغفار کرتے ہیں ' اور ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں ' جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ' اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔" اور تین آیتیں تلاوت کرے امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور ترمذی نیز حاکم نے اسے حسن کہا ہے۔

(۱) ابن کثیر نے " الارشاد" میں یہ اضافہ کیا ہے " نکاح وغیرہ میں۔"

(۲) تین آیتیں یہ ہیں (۱) (یایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا" (نساء آیت ۱' ۲) (یایھاالذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون" تا آخر آیت ' سورہ آل عمران: آیت ۱۰۲' ۱۰۳) (یایھاالذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما' سورہ احزاب آیت ۷۰) شرح میں اسی طرح مذکور ہے۔ ابن کثیر کے " الارشاد " میں ان آیات کا ذکر متن حدیث میں ہے۔

حدیث میں مذکور حاجت کا لفظ ہر حاجت کو عام ہے' اور نکاح بھی اس میں داخل ہے۔ ایک روایت میں اس کی تصریح آئی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے' بیہقی نے روایت کی ہے کہ شعبہ نے ابو اسحاق سے

---

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۲۱۱۸' سنن ترمذی ۱۱۰۵' سنن نسائی ج ۶ ص ۸۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۲' ۳۹۳' مشکوۃ المصابیح ۳۱۴۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دریافت کیا کہ آیا حدیث کے یہ الفاظ خطبۂ نکاح اور غیر خطبۂ نکاح میں پڑھے جائیں گے؟" انہوں نے جواب میں کہا کہ ہر حاجت کے موقعہ پر پڑھے جائیں گے۔ اس میں اس بات کی نشاندہی ہے کہ نکاح وغیرہ کے موقعہ پر اس کا پڑھنا سنت ہے۔ نکاح خواں عقد نکاح کے موقعہ پر خود ان الفاظ میں خطبۂ نکاح پڑھے گا۔ لوگوں نے اس سنت کو ترک کر دیا ہے۔ اہل ظواہر کا مسلک ہے کہ اس طرح خطبہ پڑھنا واجب ہے۔ شوافع میں سے ابو عوانہ نے انکی ہمنوائی کی ہے اور اپنی کتاب "صحیح ابن عوانہ" میں یہ باب باندھا ہے۔ باب وجوب الخطبہ عند العقد " (عقد نکاح کے موقع پر خطبہ پڑھنے کے وجوب کا باب) قائم کیا ہے ہماری اس کتاب کی حدیث ۹۱۸ کی شرح میں اس خطبہ کے عدم وجوب کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

۹۱۶/۷ - وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۱).

وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ(۲).

وَعِنْدَ ابْنِ مَاجَه، وَابْنِ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ(۲).

وَلِمُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً: «أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا؟» قَالَ: لَا. قَالَ: «اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا»(۳).

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص

---

(۱) حضرت جابر کی حدیث کا حوالہ:۔ سنن ابی داؤد ۲۰۸۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۴' المستدرک ' ج ۲ ص ۱۶۵' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۷' مشکوٰۃ المصابیح ۳۱۰۶' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۴۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۴۷' فتح الباری ج ۹ ص ۱۸۱' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۰۰

(۲) حضرت مغیرہ کی حدیث کے حوالے: سنن ترمذی ۱۰۸۷' سنن نسائی ج ۶ ص ۷۰' مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۶' السنن الکبری ج ۷ ص ۸۴' ۸۵' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۷' معانی الآثار ج ۳ ص ۱۴' فتح الباری ج ۹ ص ۱۸۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۴۶' ۲۵۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۵' ج ۴ ص ۳۵۵' سنن سعید بن منصور ۵۱۶' ۵۱۷ محمد بن مسلمہ کی روایت کے حوالے: سنن ابن ماجہ ۱۸۶۴' موارد الظمان ۱۲۳۵

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے:۔ مسلم شریف حدیث ۷۴ من النکاح ' سنن نسائی ج ۶ ص ۷۰' مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۶' السنن الکبری ج ۷ ص ۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر اس کے لئے اس کے جسم کا ایک حصہ دیکھ لینا ممکن ہو جو اس کے دل میں اس کے ساتھ نکاح کا داعیہ پیدا کر دے تو وہ ایسا کر لے۔" امام احمد اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ ترمذی اور نسائی نے حضرت مغیرہؓ سے اس کے ایک شاہد (۲) کی بھی روایت کی ہے اور ابن ماجہ نیز ابن حبان نے حضرت محمد بن مسلمہؓ سے اس شاہد کی روایت کی ہے (شاہد وہ حدیث ہے جس میں اس کے راویوں کی حدیث سے راویوں کی لفظی اور معنوی یا صرف معنوی طور پر شریک ہو جائے لیکن صحابی مختلف ہوں ۔ مترجم) امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے' جس کی ایک عورت سے شادی ہونے والی تھی (۳) پوچھا:" کیا تم نے ایک نظر اسے دیکھ لیا ہے" انہوں نے اس کا جواب نفی میں دیا ' یہ سنکر آپؐ نے فرمایا: " جاؤ جا کر اسے ایک نظر دیکھ لو!"

(۱) پوری حدیث اس طرح ہے: "حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں نے ایک لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں اسے چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کے جسم کا ایک حصہ دیکھ لیا جس نے میرے دل میں اس کے ساتھ نکاح کرنے کا داعیہ پیدا کر دیا اور پھر میں نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔"

(۲) اس کے الفاظ یہ ہیں: "حضرت جابرؓ نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا :" اسے ایک نظر دیکھ لو کیونکہ یہ بات تم دونوں کے درمیان ازدواجی تعلقات کو دوام دینے کے سلسلے میں زیادہ مناسب ہے۔"

(۳) انہوں نے اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا تھا۔

یہ تمام احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جس عورت کے ساتھ نکاح کا کسی کو ارادہ ہو اس پر نکاح سے پہلے ایک نظر ڈال لینا مستحب ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے ۔

نظر ڈالنا چہرے اور ہتھیلیوں پر ہو گا کیونکہ چہرہ دیکھ کر اس کے حسن و جمال یا اس کے برعکس صورت حال کا پتہ لگ سکتا ہے اور ہتھیلیوں کے ذریعے اس کی جسمانی کیفیت یعنی موٹاپے اور دبلے پن کا پتہ چل سکتا ہے ۔ اوزاعی کا قول ہے کہ اس کے جسم کے گوشت والے حصوں پر نظر ڈالی جائے گی ' داؤد ظاہری کا قول ہے کہ اس کے پورے جسم پر نظر ڈال کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرام نے اس مطلق حدیث سے جو کچھ سمجھا اسکی حقیقت عبدالرزاق اور سعید بن منصور کی روایت سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب حضرت علیؓ کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کرنا چاہا اور حضرت علیؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ اپنی ہونے والی بیوی کو ایک نظر دیکھ لیں تو حضرت عمرؓ نے ام کلثوم کی پنڈلی کھول کر دیکھ لی۔ دیکھنے کے اس عمل کے متعلق عورت کی رضا مندی شرط نہیں ہے بلکہ ہونے والا شوہر عورت کی غفلت کی حالت میں اسے دیکھ سکتا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کیا تھا۔ امام شافعی کے اصحاب نے کہا ہے کہ: "مناسب طریقہ یہ ہے کہ پیغام نکاح بھیجنے (منگنی کرنے) سے قبل اس پر ایک نظر ڈال لے تاکہ اگر وہ اسے ناپسند ہو تو کوئی ذہنی اذیت دیے بغیر اسے ترک کر دے۔ پیغام کے بعد اگر ایسا ہو گا تو اس سے عورت کو اذیت ہو گی۔" اگر عورت کو ایک نظر دیکھ لینا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے مستحب ہو گا کہ کسی قابل اعتماد عورت کو اس کے گھر بھیج کر اس کے تمام کوائف معلوم کر لے۔ حضرت انسؓ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیمؓ کو ایک عورت کے گھر بھیجا اور ان سے فرمایا: "اس کی ایڑی کے اوپر کا پٹھا دیکھنا اور اسکی گردن کے دونوں کناروں کو سونگھنا!" امام احمد' طبرانی' حاکم اور بیہقی نے اس کی روایت کی ہے' تاہم اس روایت میں کلام ہے۔ ایک روایت میں ہے "اسکے عوارض (سامنے کے دانتوں) کو سونگھنا!" عوارض عارض کی جمع ہے۔ یہ دانت منہ کی چوڑائی میں ثنایا (سامنے کے اوپر نیچے دو دو دانت) اور اضراس (ڈاڑھ کے دانتوں) کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس سے مراد منہ کی بو معلوم کرنا تھی۔ گردن کے دونوں کناروں کو معاطف کہا جاتا ہے۔ اس جیسا حکم عورت کے لئے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنے ہونے والے شوہر کو ایک نظر دیکھے گی اس لئے کہ مرد کو جس طرح عورت کی جسمانی خوبیاں پسند آتی ہیں اسی طرح عورت کو بھی مرد کی جسمانی خوبیاں پسند آتی ہیں۔ یہ کسی کا قول ہے لیکن اس بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ اصولی بات تو یہ ہے کہ اجنبی مرد اور اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے البتہ کسی دلیل کی بنا پر ایسا کیا جا سکتا ہے مثلاً اس عورت کو ایک نظر دیکھ لینے کے جواز کی دلیل جسے مرد پیغام نکاح بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

۹۱۷/۸ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَخْطُبُ أَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ، حَتَّى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ، أَوْ يَأْذَنَ لَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام نہ بھیجے یہاں تک کہ پیغام نکاح دینے والا پہلا شخص یا تو اس سے دست بردار ہو جائے یا دوسرے کو اسکی اجازت دیدے۔" (متفق علیہ) الفاظ امام بخاری کی روایت کے

---

(۱) حضرت ابن عمر کی حدیث کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۲۴' مسلم شریف ۶ من النکاح ' سنن ابی داؤد ۲۰۸۱' سنن ترمذی ۱۲۹۲' سنن ابن ماجہ ۱۸۶۷' ۱۸۶۸' سنن نسائی ج ۶ ص ۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲' ۱۲۴' ۱۵۳' ۳۱۸' ۳۶۳' ۴۸۹' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۵' السنن الکبری ج ۷ ص ۱۷۹' شرح السنہ ج ۹ ص ۸۸' بدائع المنن ۱۵۳۹' مسند شافعی ۱۸۶' ۲۷۵' معانی الآثار ج ۳ ص ۴' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۱۸' فتح الباری ج ۹ ص ۱۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔

(۱) خطبہ ' پیغام نکاح ' پہلے گذر چکا ہے کہ اس میں حرف خاء مکسور ہے۔

نہی کی اصل تو تحریم ہے الا یہ کہ کوئی دلیل اسے اس مفہوم سے پھیر دے ۔ نووی نے دعوی کیا ہے کہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ نہی تحریم کا معنی دیتی ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ نہی تادیب کے لئے ہوتی ہے ' تحریم کے لئے نہیں ہوتی۔ زیر نظر حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ کسی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح دینے سے روک دیا گیا ہے خواہ پہلے شخص کو کوئی جواب مل چکا ہو یا نہیں۔ ہم نے کتاب البیوع کے اندر بیان کر دیا ہے کہ تحریم صرف اس صورت میں ہوگی جب پہلے شخص کو اثبات میں جواب مل گیا ہو اور پھر دوسرا شخص نکاح کا پیغام بھیج دے۔ اس کی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔ مثبت جواب ملنے کے بعد پیغام نکاح بھیجنے کی تحریم پر اجماع کا انعقاد ہے ۔ اگر پیغام نکاح کا تعلق کفو یعنی برادری تک محدود ہو تو مخطوبہ کے مکلف یعنی بالغ ہونے کی صورت میں جواب اس کی طرف سے جائے گا اور نابالغ ہونے کی شکل میں جواب اس کے ولی یعنی سرپرست کی طرف سے جائے گا ۔ لیکن اگر پیغام نکاح کا تعلق غیر کفو یعنی برادری سے باہر کے ساتھ ہو تو نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہو گی۔ یہ اس قول پر مبنی ہے جس کے مطابق ولی کو ممانعت کا حق حاصل ہوتا ہے ۔ ان تمام احکام کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے جب مخطوبہ کی طرف سے قبول کر لینے کا صریح جواب آ جائے۔ لیکن اگر جواب غیر صریح اور گول مول ہو تو ایسی صورت میں اسے پیغام نکاح بھیجنے پر تحریم کا حکم عائد نہیں ہو گا' یہی قول زیادہ صحیح ہے ۔ یہی حکم اس صورت کا بھی ہے جب مخطوبہ کی طرف سے نہ تو اثبات میں جواب ملے اور نہ ہی نفی میں۔ امام شافعی کا صریح قول ہے کہ باکرہ کی خاموشی پیغام بھیجنے والے کے بارے میں رضا مندی ہو گی اس لئے یہ اثبات میں جواب شمار ہو گی ۔ پیغام نکاح کی تحریم کی صورت میں اگر عقد نکاح ہو جائے تو جمہور کے قول کے مطابق یہ عقد درست ہو گا جب کہ داؤد ظاہری کا مسلک ہے کہ دخول (تعلق زن و شو قائم ہونے) سے قبل اور اسکے بعد دونوں صورتوں میں نکاح فسخ ہو جائے گا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "یا وہ اسے اسکی اجازت دیدے" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اجازت مل جانے کے بعد اس کے لئے پیغام نکاح بھیجنا جائز ہو جائے گا۔ اجازت پانے والے کے حق میں تو اس کا جواز نص کی بنا پر ہو گا اور اسکے سوا دوسروں کے لئے اس کا جواز الحاق کی بنا پر ہو گا ' کیونکہ پہلے شخص کی طرف سے اجازت اس امر پر دال ہو گی کہ اس نے مذکورہ عورت سے اب اپنا منہ موڑ لیا ہے اس لئے ہر اس شخص کی طرف سے اس عورت کو پیغام نکاح بھیجنا جائز ہو جائے گا جو اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتا ہو ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد " اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر" کے سلسلے میں بحث گذر چکی ہے اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ فقرے سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کے پیغام نکاح پر پیغام بھیجنے کی تحریم ہے 'کافر کے پیغام نکاح پر نہیں۔ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف آراء کا بھی ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ اگر پیغام نکاح بھیجنے والا فاسق ہو تو کیا ایک پاکباز شخص کے لئے اسکے پیغام پر اپنے لئے پیغام بھیجنا جائز ہو گا ؟ امیر حسین نے "الشفاء" کے اندر لکھا ہے کہ فاسق کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجنا جائز ہے' امام مالک کے رفیق ابن القاسم سے بھی یہی منقول ہے' اور ابن العربی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہ بات اس صورت کے قریب قریب ہے کہ جب مخطوبہ پاکباز ہو 'ایسی صورت میں مذکورہ فاسق اسکے کفو میں شمار نہیں ہوگا اس لئے اس کا پیغام نکاح کالعدم قرار پائے گا۔ مذکورہ مخطوبہ کی طرف سے قبولیت کی علامتیں ظاہر ہو جانے کے بعد جمہور نے پھر مذکورہ بالا باتوں کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

۹۱۸/۹ - وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي، فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ، ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا. قَالَ: «فَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟». فَقَالَ: لَا وَاللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: «اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ، فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا؟». فَذَهَبَ، ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: لَا وَاللَّهِ، مَا وَجَدْتُ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ». فَذَهَبَ، ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: لَا وَاللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي - قَالَ سَهْلٌ: مَالَهُ رِدَاءٌ - فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ». فَجَلَسَ الرَّجُلُ، حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ، فَرَآهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا، فَأَمَرَ بِهِ، فَدُعِيَ بِهِ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: «مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟» قَالَ: مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا، عَدَّدَهَا فَقَالَ: «تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ؟». قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «اذْهَبْ، فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

وَفِي رِوَايَةٍ: قَالَ لَهُ: «انْطَلِقْ، فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا، فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْآنِ».

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «أَمْكَنَّاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ».

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلأَبِي دَاوُدَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «مَا تَحْفَظُ؟». قَالَ: سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَالَّتِي تَلِيهَا. قَالَ: «قُمْ فَعَلِّمْهَا عِشْرِينَ آيَةً»(۱).

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا "اللہ کے رسول' میں اپنی ذات آپؐ کو ہبہ کرنے کے لئے آئی ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نظر ڈالی اور اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر ہلایا۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں سنایا تو وہ بیٹھ گئی۔ اس پر آپؐ کے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا "اللہ کے رسول' اگر آپؐ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو اس کے ساتھ میرا نکاح کرا دیجئے!" آپ نے پوچھا "تمہارے پاس کوئی چیز بھی ہے؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں' خدا کی قسم' اللہ کے رسول!" آپؐ نے فرمایا: "جاؤ اپنے گھر چلے جاؤ اور وہاں جا کر دیکھو کہ کوئی چیز تمہارے ہاتھ لگتی ہے؟" یہ سن کر وہ چلے گئے اور پھر واپس آ کر عرض کیا: "نہیں خدا کی قسم' مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ جا کر دیکھو خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی کیوں نہ مل جائے۔" وہ شخص چلے گئے اور واپس آ کر عرض کیا: "اللہ کے رسول' نہیں بخدا لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی' لیکن یہ میری ازار ہے ------ سہل کہتے ہیں: اسکے پاس چادر نہیں تھی -------- اس ازار کا آدھا اس (عورت) کے لیے ہے" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا: "تم اپنی اس ازار کے ساتھ کیا کرو گے' اگر تم اسے پہن لوگے تو اس کا کوئی حصہ اس کے لئے نہیں بچے گا۔ اور اگر اسنے وہ پہن لے گی تو اس کا کوئی حصہ تمہارے لئے نہیں بچے گا یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گئے۔ جب بیٹھے بیٹھے دیر ہو گئی تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس جاتے ہوئے دیکھا تو انہیں بلانے کا حکم دیا چنانچہ انھیں آپؐ کے پاس لایا گیا تو' آپؐ نے ان سے پوچھا "تمہیں قرآن کا کتنا حصہ یاد ہے؟" انہوں نے جواب میں عرض کیا: "مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں!" انہوں نے ان سورتوں کی تعداد بتا دی۔ آپؐ نے پوچھا "کیا تم یہ سورتیں حفظ پڑھ سکتے ہو؟" انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا: "جاؤ' میں نے اس عورت کو تمہاری ملکیت میں قرآن کے اس حصے کے بدلے دے دیا (نکاح کرا دیا) جو تمہیں یاد ہے" (متفق علیہ) الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں "ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا: "جاؤ' میں نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کرا دیا' اسے قرآن پڑھاؤ۔" بخاری کی ایک روایت ہے: "تمہیں قرآن کا جو حصہ یاد ہے اس کے بدلے میں نے اس عورت کو تمہارے قابو میں کر دیا۔" ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اس

---

(۱) حضرت سہل کی حدیث کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۵۰ من النکاح' مسلم شریف حدیث ۱۴۲۵' سنن ابی داؤد ۲۱۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلے میں جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "تمہیں کیا یاد ہے؟" انہوں نے عرض کیا: "سورہ بقرہ اور اس سے اگلی سورت" یہ سن کر آپ ؐ نے فرمایا اٹھو ' جاؤ ' اسے بیس آیتیں پڑھا دو۔"

(۱) مصنف نے "فتح الباری" کے اندر لکھا ہے کہ "مجھے اس خاتون کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

(۲) یعنی اپنی ذات کا معاملہ ' اس لئے کہ آزاد مرد ہو یا عورت ' اپنی گردن کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

(۳) "النہایہ" میں مذکور ہے " اسی سے یہ حدیث ہے " آپ نے میرے جسم کے بالائی حصوں کو دیکھا اور زیریں حصوں پر بھی نظر دوڑائی اور میرے بارے میں غور کیا۔ یہ بات اس عورت کو ایک نظر دیکھ لینے کے جواز کی دلیل ہے جس کے ساتھ وہ نکاح کرنا چاہتا ہو۔" مصنف نے کہا ہے: " میرے نزدیک یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلمان اجنبی خواتین کو دیکھنا حرام نہیں تھا۔ دیگر لوگوں کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔"

(۴) مصنف کتاب نے کہا کہ مجھے ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

(۴) خواہ تمہیں لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ نظر آ جائے۔

(۵) اس عبارت میں لفظ "موجود" خبر ہے جو کہ محذوف ہے۔

(۶) یعنی اگر تم اسے سارا پہن لو گے تو اس کے لئے کچھ نہیں بچے گا اور اگر وہ اسے سارا پہن لے گی تو تمہارے لئے کچھ نہیں بچے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کے ذریعے شاید انہیں آگاہ کیا کہ ازار کی تقسیم کا نہ انہیں کوئی فائدہ ہوگا اور نہ عورت کو۔

یہ حدیث کئی مسائل پر دلالت کرتی ہے' ابن التین نے ان مسائل کا استقراء کرنے کے بعد کہا ہے کہ انکی تعداد ' اکیس ہے ' اور امام بخاری نے ان میں سے اکثر کے لئے باب باندھا ہے۔ اب ہم (شارح) ان مسائل پر نظر ڈالیں گے اور انکی وضاحت کریں گے:

پہلا مسئلہ : اگر عورت اپنی ذات کسی صالح انسان کے لئے پیش کر دے' یعنی نکاح کی خاطر' تو یہ جائز ہو گا۔ اسی طرح نکاح کے ارادے سے مرد کی طرف سے عورت پر نظر ڈالنا جائز ہے خواہ اس نے پیغام نکاح نہ بھی دیا ہو۔ یعنی دیکھنے کا جواز صرف پیغام نکاح دینے والے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس شخص کے لئے بھی اس کا جواز ہے جسے عورت پیغام نکاح دے' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس خاتون کو نظر بھر کر دیکھنا جب کہ اس نے اپنی ذات آپ ؐ سے نکاح کی خاطر پیش کر دی تھی ' اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ؐ نے اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا تھا ' لیکن دیکھ لینے کے بعد شاید کسی مصلحت سے آپ ؐ نے س تجویز پر عمل کرنا مناسب خیال نہ فرمایا۔ چنانچہ آپ ؐ نے اس سے صرف نظر کر لیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا مسئلہ: جس عورت کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو اور وہ نکاح کی اجازت دیدے تو امام المسلمین ایسے موقعہ پر اس عورت کے ولی کا کردار ادا کرے گا' البتہ بعض احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ مذکورہ خاتون نے اپنا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تھا۔ یہ توکیل (وکیل بنانے) کی صورت ہے۔ امام المسلمین ایسی خاتون سے یہ پوچھے بغیر اس کا عقد کرا دے گا کہ آیا اس کا کوئی ولی ہے یا نہیں ' اگر ہے تو یہاں موجود ہے یا نہیں ؟ اس سے یہ بھی نہیں پوچھا جائے گا کہ آیا وہ کسی کے عقد نکاح میں ہے یا نہیں۔ خطابی نے کہا ہے کہ ایک گروہ کا یہی مسلک ہے اور انہوں نے اسے ظاہر حال پر محمول کیا ہے۔ ہادویہ کا مسلک ہے کہ اجنبی عورت سے احتیاطاً" حلف لیا جائے گا۔

تیسرا مسئلہ: ہبہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب موہوب لہ اسے قبول کر لے۔

چوتھا مسئلہ: نکاح کے اندر مہر ضروری ہے۔ مہر کے طور پر معمولی چیز بھی درست ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد " خواہ لوہے کی انگوٹھی کیوں نہ ہو " مہر کی کم مقدار میں مبالغہ ہے۔ اس لئے ہر اس چیز کا مہر بن جانا درست ہو گا جس پر زوجین یا عقد نکاح کا ولی رضا مند ہو جائے اور اس چیز کے اندر فائدے کا پہلو ہو۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز مہر بن سکتی ہے جو کسی چیز کی قیمت اور ثمن بن سکتی ہو۔ قاضی عیاض نے اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ جس چیز کی کوئی قیمت نہ ہو اس کا مہر ہونا درست نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے نکاح حلال ہو گا۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ نکاح ہر اس مہر کے بدلے درست ہو جائے گا جو "شے" کہلاتا ہو۔ خواہ جو کا ایک دانہ کیوں نہ ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کیا تمہارے پاس کوئی چیز موجود ہے؟" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد " خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی کیوں نہ ہو " مہر کی کم مقدار کے اظہار میں مبالغہ کی صورت ہے اور لوہے کی انگوٹھی کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے' نیز یہ کہ حدیث میں ہے۔ " تم میں سے جو شخص بمبستری یعنی نکاح کی استطاعت رکھتا ہو ' اور جو شخص استطاعت نہ رکھتا ہو" یہ تعبیر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح اور بمبستری ایک ایسا امر ہے جس کی ہر شخص میں استطاعت نہیں ہوتی جب کہ جو کا دانہ ہر شخص کی استطاعت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری (ومن لم یستطع منکم طولا " تم میں سے جو شخص اتنی قدرت نہ رکھتا ہو۔ سورہ نساء آیت ۲۵) نیز (ان تبتغوا باموالکم کہ تم اپنے اموال کے بدلے نکاح کرنا چاہو۔۔۔ سورہ نساء آیت ۲۴) مہر کے اندر مالیت کے اعتبار پر دلالت کرتا ہے یہاں تک کہ بعض کا قول ہے کہ اس کی کم سے کم مقدار پچاس درہم ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ چالیس درہم ہے اور کسی نے پانچ درہم کہا ہے۔ اگرچہ ان مقداروں کے ساتھ مہر کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ حق بات یہ ہے کہ مہر ہر اس چیز کے ساتھ جائز ہے جس کی کوئی قیمت ہو خواہ یہ قیمت کتنی حقیر کیوں نہ ہو۔ مذکورہ احادیث اور آیات میں یہ احتمال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ان کا ورود غالب اور اکثر احوال کے اعتبار سے ہوا ہے نیز یہ کہ بیوی تو بطور مہر صرف ایسی چیز لینے پر رضامند ہو گی جس کی کوئی مالی صورت ہو اور اسے حاصل کرنا اس کے بس میں نہ ہو۔

پانچواں مسئلہ: عقد نکاح میں مہر کا ذکر ہونا چاہئے ' کیونکہ یہ بات بعد میں پیدا ہونے والی نزاع کو ختم کرنے میں مفید ہے۔ عورت کے حق میں زیادہ نفع بخش ہے ' اگر مہر کا ذکر کئے بغیر عقد نکاح ہو جائے تو عقد درست ہو جائے گا اور عورت کو دخول (تعلق زن و شو قائم ہو جانے) کی صورت میں مہر مثل ملے گا ' نیز یہ کہ مہر کی فوری ادائیگی مستحب ہے۔

چھٹا مسئلہ: اگر ایک شخص پر قسم اٹھانا ضروری نہ بھی ہو تو بھی وہ حلف اٹھا سکتا ہے نیز یہ کہ وہ اپنے گمان کے مطابق قسم کھا سکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے خواہشمند شخص کو اسکے حلف کے بعد فرمایا تھا کہ: "جاؤ گھر جا کر دیکھو کہ تمہیں کوئی چیز ہاتھ آتی ہے۔" یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے اپنے گمان پر قسم کھائی تھی۔ اگر ان کا قسم کھانا علم کی بنیاد پر ہوتا تو انہیں گھر جا کر کسی چیز کے حصول کا حکم دینا بے فائدہ ہوتا۔

ساتواں مسئلہ: کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی ضرورت کی کسی چیز کو اپنی ملکیت سے خارج کر دے۔ مثلاً ایسی چیز جو اس کی ستر پوشی کے کام آتی ہو یا اسکے کھانے پینے کی ضرورت کو پوری کرتی ہو اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شخص کو اپنے ازار کی تقسیم سے روکنے کی علت یہ بیان کی کہ " اگر وہ (تمہاری بیوی) اسے پہن لے گی تو تمہارے جسم پر اس کا کوئی حصہ نہیں رہے گا۔"

آٹھواں مسئلہ: تنگدستی کے دعویدار کو آزما لینا چاہئے ' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شخص کی طرف سے اپنی تنگ دستی کے دعوے کی ابتداء ہی میں تصدیق نہیں کی یہاں تک کہ وہ قرائن ظاہر ہو گئے جو اس کے اس دعوے کی تصدیق کر رہے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تنگدستی کے دعویدار کی قسم بھی قابل قبول نہیں ہوگی جب تک اس کی تنگدستی کے قرائن ظاہر نہ ہو جائیں۔

نواں مسئلہ: عقد نکاح کے لئے خطبہ پڑھنا واجب نہیں ہے کیونکہ زیر نظر حدیث کی جتنی بھی سندیں ہیں ان میں سے کسی کے اندر بھی خطبے کا ذکر نہیں آیا ' یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ ظاہریہ اس خطبے کے وجوب کے قائل ہیں لیکن یہ حدیث انکے قول کی تردید کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مہر میں کسی بھی ایسی چیز کا ہونا درست ہے جس سے فائدہ اٹھایا جا سکے '(یعنی ہر چیز مال کی شکل میں ہو بلکہ منفعت اور فائدے کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے ۔۔۔۔۔ مترجم) مثلاً تعلیم وغیرہ منفعت ہے اور اسی پر دوسری چیزوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس پر حضرت شعیب کے ساتھ حضرت موسیٰ کا قصہ بھی دلالت کرتا ہے۔ مہر کے منفعت ہونے کے جواز کا مسلک ہادویہ کا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کہ حنفیہ اس کے خلاف ہیں۔ انہوں نے زیر نظر حدیث کی تاویل میں بڑے تکلفات سے کام لیا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ مہر کے بغیر نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا' حالانکہ یہ بات اصل کے خلاف ہے۔

دسواں مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد " تمہارے پاس جو قرآن ہے اس کے بدلے" قاضی عیاض کے قول کے طابق دو احتمال رکھتا ہے ' زیادہ ظاہر یہ احتمال ہے کہ وہ اپنی بیوی کو قرآن کا اتنا حصہ پڑھا دیتے جو انہیں یاد تھا یا اس کے ایک معین حصے کی اسے تعلیم دیتے۔ اور یہی بات انکی بیوی کا مہر بن جاتی اس کی تائید زیر نظر حدیث کی بعض صحیح سندوں سے مروی الفاظ کے ذریعے ہوتی ہے کہ " اسے قرآن کی تعلیم دو " اور بعض میں دس آیات کا تعین ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حرف باء تعلیل کے لئے ہو نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہر کے بغیر ان کا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا ہو اور یہ قرآن کے بعض اجزاء کے حافظ ہونے کی بنا پر انکے اعزاز کا اظہار ہو۔ اس بات کی تائید ابو سلیم کے ساتھ ام سلیم کے قصے سے ہوتی ہے ' وہ یہ کہ ابو سلیم نے انہیں پیغام نکاح دیا جس کے جواب میں ام سلیم نے کہا کہ: " بخدا تم جیسے شخص کے پیغام کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں اور میرے لئے تمہارے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ البتہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہارا اسلام لے آنا میرا مہر ہو جائے گا اور میں تم سے کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ " چنانچہ ابو سلیم مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام لے آنا ام سلیم کا مہر بن گیا۔ اسکی روایت امام نسائی نے کی ہے اور حضرت ابن عباس سے اس کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے نیز انہوں نے اس کے لئے ایک باب باندھا ہے: "باب التزویج علی الاسلام " (اسلام پر نکاح کرانے کا باب) نیز حضرت سہل کی اس حدیث کو باب کا عنوان بنایا ہے اور کہا ہے: "سورہ بقرہ پر نکاح کرانے کا باب۔ " یہ بات امام نسائی کی طرف سے دوسرے احتمال کو ترجیح دینے کی نشاندہی کرتی ہے' تاہم پہلا احتمال زیادہ واضح ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے کہا ہے کیونکہ حضورؐ کے ارشاد: "اسے قرآن سکھا دو" کی روایت ثابت ہے۔

گیارھواں مسئلہ: تملیک کے لفظ کے ساتھ نکاح کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ حنفیہ اور ہادویہ کا یہی مسلک ہے۔ تاہم یہ بات مخفی نہیں ہے کہ زیر نظر حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ کہیں یہ لفظ تملیک کے ساتھ مروی ہے' کہیں لفظ تزویج کے ساتھ اور کہیں لفظ امکان (قابو میں دینے) کے ساتھ' درست روایت ان راویوں کی ہے جنھوں نے اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ "میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کرا دیا (قدزوجنکھا) کیونکہ اس لفظ کے راویوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور انھیں زیادہ جامع تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ یہ ایک ہی لفظ ہے اور اس کا تعلق ایک ہی واقعہ کے ساتھ ہے' لیکن حدیث کے ایک ہونے کے ساتھ ساتھ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ میں اختلاف ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہونے والا لفظ ایک تھا۔ اس لئے اس بارے میں ترجیح کے اصول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ دار قطنی سے منقول ہے کہ تمہارا نکاح کرا دیا " (قدزوجتکھا) کیونکہ اس لفظ کے راویوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور انہیں زیادہ حافظ تسلیم کیا جاتا ہے۔ مصنف کتاب نے "فتح الباری" کے اندر مذکورہ تین الفاظ کے سلسلے میں بڑی طویل بحث کی ہے۔ اور پھر کہا ہے "تزویج اور انکاح کی روایت زیادہ راجح ہے" رہ گیا ابن التین کا یہ قول کہ "اصحاب حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ (زوجنیھا) کی روایت ہی درست ہے نیز یہ کہ (ملکتکھا) "میں نے اسے تمہاری ملکیت میں دے دیا۔ " کی روایت وہم ہے۔ مصنف کتاب نے اس پر یہ رائے زنی کی ہے کہ " ابن التین نے یہ بات اپنے سے بطور مبالغہ کہی ہے " بغوی نے کہا ہے کہ "جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ یہ عقد لفظ تزویج سے عمل میں آیا تھا اور یہ بات نکاح کے خواہشمند اس شخص کے قول کے مطابق ہے کہ "زوجنیھا" (میرا نکاح اس کے ساتھ کرا دیجئے) کیونکہ عقود کے اندر یہی طریقہ غالب ہے اس لئے کہ عقد کرنے والے طرفین کے الفاظ کم ہی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ حنفیہ اور ہادویہ کا نیز مالکیہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ عقد نکاح ہر اس لفظ کے ساتھ جائز ہے جو اسکے معنی کا فائدہ دیتا ہو بشرطیکہ اس کے ساتھ مہر کا ذکر بھی ہو یا اس سے نکاح کا قصد کیا گیا ہو۔ مثلاً لفظ تملیک اور اسی طرح کے دیگر الفاظ' البتہ عاریت' اجارہ اور وصیت کے الفاظ کے ساتھ نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا۔

۹۱۹/۱۰ - وَعَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَعْلِنُوا النِّكَاحَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۱).

عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علی الاعلان نکاح کیا کرو۔" امام احمد نے اسکی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے

(۱) عامر تابعی ہیں ' انہوں نے اپنے والد سے حدیث کا سماع کیا تھا اور دیگر حضرات سے بھی' ۱۲۴ھ میں انکی وفات ہوئی۔

---

(۱) عامر بن عبداللہ کی روایت کے حوالے:۔ مسند احمد ج ۴ ص ۵' المستدرک ج ۳ ص ۱۸۳' موارد الظمان ۱۲۸۵' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۹' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۸۸' فتح الباری ج ۹ ص ۲۲۶' نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۶۸' مشکوٰۃ المصابیح ۳۱۵۲' شرح السنہ ج ۹ ص ۴۷' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۲۰۱' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۵۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) اس باب میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ "علی الاعلان نکاح کرو اور اس موقعہ پر غربال یعنی دف بجایا کرو۔" ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں ایک شخص عیسیٰ بن میمون ہے جو بقول امام ترمذی ضعیف ہے' ابن ماجہ اور بیہقی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اس کی سند میں خالد بن ایاس ہے جس کی روایت کردہ احادیث کو منکر کہا گیا ہے (منکر وہ حدیث ہے جس کی روایت ضعیف راوی نے کی ہو اور یہ روایت ثقہ راویوں کی روایت سے مختلف ہو' مترجم) امام احمد نے کہا ہے کہ " امام ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے' اور انکے قول کے مطابق یہ روایت حسن اور غریب ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ " نکاح علی الاعلان کرو' اس کا انعقاد مسجد میں کیا کرو اور اس موقعہ پر دف بجایا کرو' اور ولیمہ کرو خواہ ایک بکری کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح بھیجے اور اپنے بالوں کو خضاب لگا کر سیاہ کیا ہو تو اس عورت کو اس سے آگاہ کر دے تاکہ اسے دھوکہ نہ ہو۔" (غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت صرف ایک راوی نے کی ہو اور حسن وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی راوی بھی جھوٹ کی تہمت کی زد میں نہ آیا ہو۔ نہ ہی وہ شاذ ہو اور اس سند کے علاوہ دوسری سندوں سے بھی یہ مروی ہو۔ مترجم)

یہ احادیث علی الاعلان نکاح کے حکم پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اعلان اسرار (چھپ کر کام کرنے) کی ضد ہے نیز غربال بجانے کا بھی حکم ہے۔ اس کی تفسیر دف سے کی گئی ہے۔ اس بارے میں احادیث بہت ہیں اگرچہ ان میں سے ہر حدیث کے بارے میں کوئی نہ کوئی کلام ہے' تاہم یہ ایک دوسری کی تقویت کا ذریعہ ہیں۔ یہ امر دف بجانے کی مشروعیت پر بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ اعلان کے لئے یہ زیادہ موثر ہے۔ امر کا ظاہر تو وجوب ہے لیکن شاید کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے' اس لئے دف بجانا مسنون ہو گا بشرطیکہ اس کے ساتھ گانے بجانے کی حرام صورت شامل نہ ہو یعنی یہ کہ کوئی اجنبی عورت ترنم کے ساتھ ایسے اشعار گائے جن میں عورت کے قدو قامت اور رخسار کی تعریف کی گئی ہو بلکہ عربوں کے اس طریقہ کو مدنظر رکھا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھا۔ اسی طریقہ کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔ لیکن بعد میں لوگوں نے جو طریقے ایجاد کئے ہیں ان کا حکم نہیں ہے۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ آج کل کے زمانے میں اس کے ساتھ بہت سے دیگر حرام امور ملے ہوتے ہیں اس لئے ان امور کی وجہ سے دف بجانا بھی حرام ہو گا' فی نفسہ یہ حرام نہیں ہے۔

۹۲۰/۱۱ - وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي موسَى. عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَٱلْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ٱبْنُ الْمَدِينِي، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَٱبْنُ حِبَّانَ. وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ(۱).

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَرَوَى الإِمَامُ أَحْمَدُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ مَرْفُوعاً: «لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْنِ»(۲).

ابو بردہ بن ابی موسیٰ سے مروی ہے ' انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن المدینی ' ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس میں ارسال کی علت ہے۔ امام احمد نے حسن سے اور انہوں نے حضرت عمران بن الحصین سے مرفوعاً" روایت کی ہے کہ "ولی اور دو گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔" (۱)

ابن کثیر نے کہا ہے کہ داؤد ' ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہم نے اسرائیل سے اس کی روایت کی ہے اور ابو عوانہ ' شریک القاضی ' قیس بن الربیع ' یونس بن ابی اسحاق اور زہیر بن معاویہ سب نے ابو اسحاق سے اسی طرح اسکی روایت کی ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ شعبہ اور سفیان ثوری نے ابو اسحاق سے اسکی مرسل روایت کی ہے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ میرے نزدیک پہلی صورت زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن مھدی نے اسے صحیح کہا ہے ' جیسا کہ ابن خزیمہ نے ابو المثنی کے واسطے سے عبدالرحمٰن بن مھدی سے اس کی حکایت کی ہے۔ علی بن المدینی نے کہا ہے کہ نکاح کے بارے میں اسرائیل کی روایت کردہ حدیث صحیح ہے۔ اسی طرح بیہقی اور بہت سے دیگر حفاظ حدیث نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابو یعلی الموصلی نے اپنی مسند میں حضرت جابرؓ سے اس حدیث کی مرفوعاً" روایت کی ہے۔ الحافظ الضیاء نے کہا ہے کہ حضرت جابرؓ سے یہ روایت ایسی اسناد کے ذریعے ہوئی ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث آگے آ رہی ہے کہ "کوئی عورت کسی عورت

---

(۱) حدیث "ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں" کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۰۸۵' سنن ترمذی ۱۱۰۱' ۱۱۰۲' سنن ابن ماجہ ۱۸۸۰' ۱۸۸۱' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴' ۴۱۳' ۴۱۸' ج ۶ ص ۲۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۷' المستدرک ج ۳ ص ۱۶۹' ۱۷۰' ۱۷۱' ۱۷۲' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۰۷' ۱۰۸' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۸ ص ۳۵۱' ج ۱۱ ص ۳۴۰' ج ۱۲ ص ۱۴۴' سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۱۹ معجم الزوائد ج ۴ ص ۲۸۶' ۲۸۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۰' ۱۳۱' ج ۱۴ ص ۱۶۸' ۱۶۹ شرح السنہ ج ۹ ص ۳۸' ۴۰' معانی الآثار ج ۳ ص ۸۶' ۹' فتح الباری ج ۹ ص ۱۸۴' ۱۹۱' موارد الظمان ۱۲۴۳' ۱۲۴۶' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۳۵' مشکوٰۃ المصابیح ۳۱۳۰' مصنف عبدالرزاق ۱۰۴۷۳' ۱۰۴۷۵'

(۲) حدیث "ولی اور دو گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں" کے حوالے:۔ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۶' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۵۸' تاریخ بغداد ج ۸ ص ۷' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۷۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا نکاح نہ کرائے اور کوئی عورت اپنا نکاح بھی نہ کرائے" نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث بھی آ رہی ہے کہ "ولی کے بغیر نکاح باطل ہے" حاکم نے کہا ہے "اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ اور زینبؓ بنت جحش سے صحیح روایتیں منقول ہیں۔" نیز کہا ہے کہ "اس باب میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت ہے۔" پھر انہوں نے تیس صحابی گنوائے۔ زیر نظر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا کیونکہ نفی کے اندر اصل صحت (یعنی نکاح درست ہی نہیں) کی نفی ہے کمال کی نفی نہیں (یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ نکاح ناقص ہے کامل نہیں ہے)' ولی وہ شخص ہے جو عورت کا قریب ترین عصبہ ہو ' نہ کہ اسکے ذوی الارحام میں سے ہو۔ نکاح کے اندر ولی کی شرط کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ جمہور اس شرط کے قائل ہیں نیز یہ کہ عورت اپنا نکاح خود نہ کرائے' ابن المنذر سے مروی ہے کہ انکی رائے میں اس شرط کے متعلق صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی اختلاف رائے منقول نہیں ہے اور احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ امام مالک کا قول ہے کہ شریف عورت کے حق میں یہ شرط ہے ' رذیل عورت کے حق میں نہیں وہ اپنا نکاح خود کرا سکتی ہے۔ حنفیہ کا مسلک ہے کہ نکاح میں ولی کی مطلقاً شرط نہیں ہے۔ انہوں نے بیع پر قیاس کرتے ہوئے استدلال کیا ہے کیونکہ عورت اپنا مال خود فروخت کر سکتی ہے لیکن یہ قیاس فاسد ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے ' حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث " عورت نکاح نہ کرائے ..... الخ " کی شرح میں اس پر سیر حاصل بحث آئے گی ۔ ظاہریہ کا قول ہے کہ باکرہ عورت کے حق میں ولی کا اعتبار ہوگا کیونکہ حدیث ہے " ثیبہ (شوہر دیدہ عورت) اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہوتی ہے۔" اس پر بحث آئے گی اور یہ بھی بیان ہو گا کہ اس سے اسکی رضا مندی کا معتبر ہونا مراد ہے' اس طرح اس حدیث اور ولی کے معتبر ہونے کی احادیث کے درمیان تطبیق ہو جائے گی۔ ابو ثور نے کہا ہے کہ ولی کی اجازت سے عورت اپنا نکاح کرا سکتی ہے اس لئے کہ اگلی حدیث کا مفہوم اسی طرح کا ہے ۔

۹۲۱/۱۲ - وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ». أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ أَبُو عَوَانَةَ، وَابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ(۱).

(۱) حضرت عائشہ کی حدیث کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۰۸۳' سنن ترمذی ۱۱۰۲ ابن ماجہ ۱۸۷۹' مسند احمد ج ۶ ص ۶۴' ۱۶۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۷' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۴۳' فتح الباری ج ۹ ص ۱۹۱' سنن سعید بن منصور ۵۲۸'۵۲۹' مسند الحمیدی ۲۲۸' معانی الاثار ج ۳ ص ۷' مسند الشافعی ۲۲۰' ۲۷۵' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۱۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :" جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اس کا نکاح باطل ہو گا۔ اگر شوہر نے اس کے ساتھ تعلق زن و شو قائم کر لیا تو اس کی شرمگاہ کو حلال کرنے کی بنا پر اسے مہر ملے گا اور اگر عورت کے اولیاء رکاوٹ ڈالیں تو پھر سلطان وقت اس کا ولی ہو گا جس کا کوئی ولی نہیں۔" نسائی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور ابو عوانہ' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) ابن کثیر نے کہا ہے کہ یحییٰ بن معین اور دیگر حفاظ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابو ثور نے کہا ہے کہ حدیث کے فقرے "اپنے ولی کی اجازت کے بغیر" سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر ولی اسے اجازت دیدے تو اپنا نکاح کرا لینا اس کے لئے جائز ہو جائے گا۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث کا مفہوم مخالف ہے اور مفہوم مخالف میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ اس حدیث کا مقابلہ کر سکے جس میں ولی کی شرط کا صراحہ" ذکر ہے۔ یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ حنفیہ نے یہ کہہ کر حدیث پر طعن کیا ہے کہ اسے سلیمان بن موسی نے زہری سے روایت کیا ہے اور زہری سے جب اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اپنی لا علمی کا اظہار کیا' لیکن اس طعن کی روایت کرنے والے اسماعیل بن علیہ القاضی ہیں۔

انہوں نے اسکی روایت ابن جریج سے کی ہے جو اس حدیث کے راوی ہیں' انہوں نے سلیمان سے روایت کی ہے کہ سلیمان نے زہری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ اس حدیث کے بارے میں زہری کے نسیان سے لازم نہیں آتا کہ سلیمان بن موسیٰ کو بھی اس کے متعلق وہم ہو گیا تھا خاص طور پر جب کہ زہری نے سلیمان بن موسیٰ کی بڑی تعریف کی ہے' اس حدیث کے بارے میں علماء نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں' بیہقی نے "السنن الکبری" کے اندر ان کو جمع کر دیا ہے۔ اس حدیث کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن کے اندر ولی کا اعتبار کیا گیا ہے نیز دیگر احادیث سے بھی جن کا ذکر حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث کی شرح میں آئے گا۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کے اندر ولی کی اجازت کا اعتبار ہو گا۔ وہ اس طرح کہ ولی خود یا اس کا وکیل (کارندہ) عورت کا عقد نکاح کرے۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ تعلق زن و شو کے قیام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ ہی عورت مہر کی مستحق ہو جائے گی خواہ نکاح باطل کیوں نہ ہو' کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:" اگر مرد اس کے ساتھ تعلق زن و شو قائم کر لے تو مرد کی طرف سے عورت کی شرمگاہ کو حلال کرنے کی وجہ سے اسے مہر ملے گا۔"

اس حدیث میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ اگر نکاح کے ارکان میں سے کوئی رکن نہ پایا جائے تو ایسا نکاح باطل ہو گا خواہ اس کا علم ہو یا علم نہ ہو۔ نیز یہ کہ نکاح یا تو باطل ہوگا یا صحیح ہو گا' بیچ میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہادویہ نے واسطہ ثابت کیا ہے اور اسے عقد فاسد قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ واسطے کی صورت وہ ہے جو زوجین یا ان میں سے ایک کے مذہب کے خلاف ہو اور دونوں کو اس کا علم نہ ہو اور خلاف ہونے کی یہ بات کسی متفق علیہ مسئلے پر نہ ہو' اس عقد فاسد پر بہت سے احکام مرتب ہوں گے جن کا ذکر فروع کی کتابوں میں موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اگر وہ رکاوٹ ڈالیں۔" میں جمع کی ضمیر عورت کے اولیاء (سرپرستوں) کی طرف راجع ہے جن کی نشاندہی لفظ ولی کے ذکر سے ہوتی ہے اور سیاق کلام سے بھی حدیث کے لفظ استجار اسے مراد یہ ہے کہ عورت کے اولیاء عقد نکاح کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں لفظ عضل کا بھی یہی مفہوم ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اگر سب سے قریبی رشتہ دار رکاوٹ پیدا کر دے تو اس کی وجہ ولایت یعنی عورت کی سرپرستی سلطان وقت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ ایک قول کے مطابق سب سے دور کے رشتہ دار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور سلطان وقت کی طرف اس وقت منتقل ہوتی ہے جب سب سے قریبی اور سب سے دور کا رشتہ دار دونوں ہی رکاوٹ پیدا کر دیں۔ اس مفہوم کا احتمال موجود ہے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو سلطان وقت اس کا ولی ہو گا یعنی یا تو حقیقت میں کوئی ولی موجود نہ ہو یا موجود تو ہو لیکن نکاح کی راہ میں روڑے اٹکا رہا ہو۔ ولی کی غیر حاضری کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔ اس حدیث کی تائید حضرت ابن عباسؓ سے طبرانی کی مرفوع روایت سے ہوتی ہے:" ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں اور سلطان وقت اس کا ولی ہوتا ہے جس کا کوئی ولی نہیں ہوتا" اگرچہ اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ جیسا راوی بھی موجود ہے تاہم سفیان نے اپنی کتاب "الجامع" میں اور طبرانی نے اسی سند سے اپنی کتاب "الاوسط" میں عمدہ اسناد کے تحت حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً" اس کی تخریج کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:" رہنمائی کرنے والے ولی یا سلطان کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔" سلطان سے مراد وہ حاکم ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہو خواہ ظالم ہو یا عادل کیونکہ ان احادیث کے اندر عموم ہے جن میں سلطان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے خواہ وہ ظالم ہو یا عادل۔ ایک قول کے مطابق اس سے وہ عادل سلطان مراد ہے جو بندوں کے مفادات کا تحفظ کرتا ہو' ظالم سلاطین مراد نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں ہیں۔

۹۹۲/۱۳ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ ٱلْبِكْرُ حَتى تُسْتَأْذَنَ». قَالُوا: يَا رَسُولَ ٱللَّهِ، وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «أَنْ تَسْكُتَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کرایا جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کر لیا جائے۔" باکرہ (کنواری) کا نکاح اس وقت تک نہ کرایا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔" صحابہ نے عرض کیا:" اللہ کے رسول" اس کی اجازت کی کیا صورت ہو گی؟ " آپ" نے جواب دیا ":" یہ کہ وہ خاموش رہے۔" (متفق علیہ)

(۱) ایم اس عورت کو کہتے ہیں جو شوہر کی موت یا اس کی طلاق کی وجہ سے اس سے جدا ہو چکی ہو۔

(۲) لا تنکح کو مجزوم بھی پڑھا گیا ہے اور مرفوع بھی ' اس سے اگلا صیغہ بھی اس طرح ہے

(۳) استحمار کسی سے حکم اور مشورہ لینے کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ثیب (شوہر دیدہ) سے مشورہ لینا اور اس کا حکم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے ایسی عورت کا ولی اس کا نکاح اس وقت تک نہیں کرائے گا جب تک وہ اس کا عندیہ معلوم کر کے عقد کی اجازت حاصل نہیں کر لے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی رضا مندی کا اعتبار ہو گا۔ دوسری احادیث کے اندر یہ جو آتا ہے کہ ایسی عورت اپنی ذات کی زیادہ حقدار ہوتی ہے تو اس سے بھی یہی مراد ہے حدیث میں مذکور لفظ "ا لبکر" (باکرہ) سے مراد بالغ باکرہ ہے۔ اس کے معاملہ میں لفظ استیذان (اجازت طلب کرنا) استعمال ہوا اور ثیبہ کے لئے لفظ استحمار (امر طلب کرنا) لایا گیا تو ایسا کر کے ان دونوں کے فرق کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ ثیب سے مشورہ کرنے کی تاکید ہے اور ولی کو اس کے عقد نکاح کے سلسلے میں صریح الفاظ میں اسکی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہو گی جب کہ باکرہ کی اجازت صریح الفاظ سے بھی ہو جاتی ہے اور خاموش رہنے سے بھی' بخلاف مشورہ کے ' اس لئے کہ یہ صریح قول کی شکل میں ہوتا ہے۔ باکرہ کے سکوت پر

---

(۱) حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۲۳ ' ج ۹ ص ۳۳' مسلم شریف باب ۹ حدیث ۶۴ من النکاح' سنن نسائی باب ۳۲' ۳۴ من النکاح ' نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۹۴ ' فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لئے اکتفاء کر لیا گیا ہے کہ وہ بعض دفعہ صریح الفاظ میں اپنی رضا مندی ظاہر کرنے سے شرماتی ہے۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "اللہ کے رسول! باکرہ تو شرماتی ہے!" آپ نے فرمایا: "اسکی خاموشی اس کی رضامندی ہے۔" شیخین نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔ تاہم ابن المنذر نے کہا ہے کہ "یہ معلوم کر لینا مستحب ہو گا کہ اس کی خاموشی اس کی رضا مندی ہے۔" سفیان نے کہا ہے کہ اس سے تین دفعہ یہ کہا جائے گا کہ اگر تو رضامند ہے تو خاموش رہ اور اگر تجھے یہ رشتہ ناپسند ہے تو بول دے۔" اگر اس موقعہ پر وہ کچھ بولنے کی بجائے رو پڑے تو ایک قول کے مطابق رونے کے ساتھ سکوت رضامندی کی علامت نہیں ہو گا۔ دوسرا قول ہے کہ اس کا رونا اس وقت تک اس کی ناپسندیدگی اور ممانعت کی نشانی ہو گی اور اگر ٹھنڈے ٹھنڈے آنسو بہیں تو یہ رضامندی کی علامت ہو گی۔ تاہم بہتر بات یہ ہے کہ قرائن کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ قرائن پوشیدہ نہیں رہتے۔ زیر نظر حدیث اس حکم میں تمام اولیاء کو عام ہے خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور یہ کہ بالغ باکرہ کی اجازت ضروری ہے۔ حنفیہ، ہادویہ اور دیگر حضرات کا یہی مسلک ہے، انہوں نے حدیث کے عموم پر عمل کیا ہے اور اس خاص حدیث پر بھی جس کی تخریج امام مسلم نے کی ہے: اسکے الفاظ یہ ہیں: "باکرہ سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے گا۔" اس بارے میں اختلاف کا ذکر اور اس پر سیر حاصل بحث اگلی حدیث کی شرح میں آئے گی۔

٩٢٣/١٤ - وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ، وَإِذْنُهَا سُكُوتُهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

وَفِي لَفْظٍ: «لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ، وَالْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ» رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثیب اپنے ولی سے بڑھ کر اپنی ذات کی حقدار ہے۔ باکرہ سے مشورہ لیا جائے گا اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہوگی۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔ ایک سند (۱) کے الفاظ یہ ہیں: "ثیبہ کے ساتھ ولی کا کوئی کام نہیں اور یتیم لڑکی سے مشور لیا جائے گا" ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

---

(۱) حدیث "ثیبہ زیادہ حقدار ہے۔" کے حوالے :۔ مسلم شریف حدیث ٦٧، ٦٨، النکاح، تلخیص الحبیر ج ٣، ١٦٠، سنن نسائی ج ٦ ص ٥٨، سنن ابی داؤد ٢١٠٠، مسند احمد ج ١ ص ٣٣٤ السنن الکبری ج ٧ ص ١٦٨، سنن دارقطنی ج ٣ ص ٢٣٩، مصنف عبد الرزاق ١٠٢٩٩

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) یعنی حضرت ابن عباس کی روایت سے پہلے گذر چکا ہے کہ ثیب کا اپنی ذات سب سے بڑھ کر حقدار ہونا اس کی رضامندی کے لحاظ سے ہے جس طرح باکرہ سے اس کا عندیہ لینے کے سلسلے میں بات گذری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "ثیب کے ساتھ ولی کا کوئی کام نہیں" کا مفہوم ہے کہ اگر وہ رضا مند ہو' کیونکہ اس کی رضا مندی کے اعتبار کرنے کی دلیل گذر چکی ہے نیز اس بات کی دلیل بھی کہ عقد کا معاملہ ولی کے سپرد ہے۔

آپؐ کا ارشاد ہے: "یتیم لڑکی سے مشورہ لیا جائے گا۔" شرع میں یتیم لڑکی اس نابالغ لڑکی کو کہا جاتا ہے جس کا باپ نہ ہو۔ یہ حدیث امام شافعیؒ اور ناصر کے مسلک کی دلیل ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح صرف اس کا باپ کرا سکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یتیم لڑکی سے مشورہ لیا جائے گا اور مشورہ اس کے بلوغ کے بعد ہی لیا جا سکتا ہے اس لئے کہ نابالغ لڑکی سے مشورہ لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا' حنفیہ کا مسلک ہے کہ اولیاء اس کا نکاح کرا سکتے ہیں۔ انہوں نے ارشاد باری (وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی "اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو۔" سورہ نساء آیت ۳ تا آخر آیت) کے ظاہر سے نیز اس آیت کے سبب نزول سے استدلال کیا ہے۔ وہ یہ کہ ولی کی سرپرستی مین کوئی یتیم لڑکی ہو جس کے ساتھ اسے نکاح کر لینے میں کوئی دلچسپی نہ ہو بلکہ اس کے مال سے اسے دلچسپی ہو اور وہ مال کی خاطر اس سے نکاح کر لے۔ اس لئے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ تاہم اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ لڑکی کے بالغ نہ ہونے کی حالت میں اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے کیونکہ یہ احتمال تو ہے کہ اسکے بالغ ہونے تک وہ اسے نکاح کرنے سے روک دے اور پھر اس کے ساتھ نکاح کر لے۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اسے اختیار ہو گا۔ انہوں نے اسے لونڈی پر قیاس کیا ہے کہ اگر لونڈی آزاد ہو جائے اور وہ شادی شدہ ہو تو اسے نکاح باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہو گا' اور دونوں صورتوں (مقیس اور مقیس علیہ) کا جامع سبب تصرف کے حق کا حصول ہے۔ اس قول کا اور اس سے معلوم ہونے والے مسئلے یعنی فسخ نکاح کے جواز کا اور اس قیاس کا ضعف اور کھوکھلا پن کسی سے مخفی نہیں۔ اسی بنا پر امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ مذکورہ لڑکی کو کوئی اختیار نہیں ہوگا حالانکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ باپ کے سوا کسی اور ولی کی طرف سے ایسی لڑکی کا نکاح کرا دینا جائز ہے۔ انہوں نے شاید قیاس کے ضعف کی وجہ سے اختیار حاصل ہونے کی بات قبول نہیں کی۔ اس لئے راجح ترین قول وہ ہے جسے امام شافعی نے اختیار کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۲٤/۱۵ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ. (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرائے اور نہ کوئی عورت اپنا نکاح کرائے۔" ابن ماجہ اور دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کرانے کے اندر عورت کو ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ نہ اپنا نکاح کرانے میں اور نہ ہی کسی اور کا نکاح کرانے میں۔ نکاح کے ایجاب اور قبول میں اس کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ وہ ولی یا کسی اور کی اجازت سے اپنا نکاح نہیں کرا سکتی نہ ہی کسی اور کی ولی یا وکیل بن کر اس کا نکاح کرا سکتی ہے' نہ ہی ولی یا وکیل بن کر نکاح قبول کر سکتی ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ عاقلہ بالغہ اپنا نکاح اور اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کرا سکتی ہے اور دوسری عورت کی طرف سے اس کام کے لئے وکیل بن سکتی ہے۔ البتہ اگر اپنا نکاح غیر کفو میں کر لے تو اسکے اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق ہو گا۔ امام مالک کا قول ہے کہ نیچ ذات کی عورت اپنا نکاح کرا سکتی ہے شریف خاندان کی عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ یہ بات پہلے گذر چکی ہے۔

جمہور نے زیر نظر حدیث اور قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا ہے (فلا تعضلو هن ان ينكحن ازواجهن

تو پھر تم اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں ---- (سورہ بقرہ آیت ۲۳۲) امام شافعی نے کہا ہے کہ ولی کے اعتبار کرنے کی یہ سب سے صریح دلیل ہے' ورنہ اسکی رکاوٹ کا کوئی معنی نہ ہوتا۔ اس آیت کا سبب نزول حضرت معقل بن یسار کا واقعہ ہے۔ انہوں نے اپنی بہن کا نکاح کرا دیا ' پھر بہنوئی نے بہن کو ایک رجعی طلاق دے دی اور اسے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ عدت کے ایام گذر گئے اور پھر اس نے رجوع کر لینا چاہا۔ اس پر حضرت معقل نے قسم کھالی کہ وہ اپنی بہن کا نکاح اس کے ساتھ نہیں کریں گے۔ امام شافعی

---

(۱) حدیث "کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرائے" کے حوالے:۔ سنن ابن ماجہ ۱۸۸۲' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۳۷' مشکوٰۃ المصابیح ۳۱۳۷' ارواء الغلیل ج ٦ ص ۲۴۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قول کے مطابق یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ ابو داؤد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ: "میں نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور بہن کا نکاح اس کے ساتھ کرا دیا۔" اگر بہن کو اپنا نکاح کرانے کا اختیار ہوتا تو اسکے بھائی کو اس سے باز رہنے پر عتاب نہ ہوتا۔ اور آیت کا نزول اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہوتا کہ وہ اپنا نکاح کرا سکتی ہے۔ نزول آیت کے سبب سے ہی امام رازی کے قول کا ضعف معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت میں فاعل کی ضمیر شوہروں کی طرف راجع ہے اور "نہایہ المجتہد" کے مصنف کے اس قول کا ضعف بھی کہ " اس آیت میں اولیاء کو رکاوٹ ڈالنے سے ممانعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آیت سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ عقد کی صحت کے لئے ان کی اجازت شرط ہے نہ تو حقیقتاً" اور نہ ہی مجازاً" بلکہ اس سے مذکورہ مفہوم کی ضد سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ اولیاء کو ان افراد پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے جو انکی سرپرستی میں زندگی گذار رہے ہوں۔ " اس بیان پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ سلف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اولیاء کی اجازت کی شرط کو خوب سمجھ لیا تھا اور جس صحابی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی انہوں نے کسی تاخیر کے بغیر اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے اپنی بہن کا عقد اسکے سابقہ شوہر کے ساتھ کر دیا تھا۔ اگر اولیاء کا کوئی اختیار نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے واضح طور سے بیان کر دیتا۔ اس کے برعکس اللہ نے کئی آیات کے اندر اولیاء کے ہاتھ میں نکاح کا معاملہ ہونے کی بات بار بار دہرائی ' اور ایک آیت بھی ایسی نہیں آئی جس سے معلوم ہو کہ عورت کو اپنا نکاح کرانے کا حق حاصل ہے۔ یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے (حتی تنکح' زوجا غیرہ) "یہاں تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔" (سورہ بقرہ آیت ۲۳۰) میں عورت کی طرف نکاح کی نسبت سے ولی کے عقد کے تحت نکاح کرانا مراد ہے۔ اس لئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھتے کہ عورت اپنا نکاح کرا سکتی ہے تو آیت کے نزول کے بعد آپ" ایسا کرنے کا حکم فرما دیتے' اور مذکورہ بالا عورت کے بھائی پر واضح کر دیتے کہ اسے کوئی ولایت حاصل نہیں اور اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا اس کے لئے مباح نہیں ہے۔

نکاح کے لئے ولی کی شرط پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جس کی تخریج امام بخاری اور ابو داؤد نے عروہ سے کی ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہ" سے روایت کی ہے کہ بقول انکے زمانہ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے تھے: ایک طریقہ تو وہ تھا جو آج بھی لوگوں کے درمیان جاری ہے یعنی ایک شخص اپنی بیٹی یا سرپرستی میں موجود لڑکی کا پیغام نکاح دوسرے شخص کو بھیجتا ' پھر وہ شخص اس کا مہر ادا کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیتا۔ اس روایت کے آخر میں حضرت عائشہ" نے کہا: "پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر مبعوث کیا گیا تو جاہلیت کے نکاح کی تمام صورتیں ختم کر دی گئیں اور صرف وہی صورت باقی رہنے دی گئی جو آجکل لوگوں میں رائج ہے۔ "

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہؓ کا یہ بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو بر قرار رکھا جس کے اندر ولی کے وجود کو معتبر قرار دیا گیا ہے ۔ اور اس کی تاکید مزید ان احادیث سے ہو جاتی ہے جو آپ سن چکے ہیں ۔ اس پر حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ آپؐ کا نکاح اور ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ "انکے اولیاء میں سے کوئی بھی حاضر نہیں ہے۔ اس موقعہ پر آپؐ نے ان سے یہ نہیں کہا کہ "تم اپنا نکاح خود کرا لو!" حالانکہ یہ موقعہ اس حکم کے بیان کا موقعہ تھا۔ اس پر یہ ارشاد باری بھی دلالت کرتا ہے (ولا تنکحوا المشرکین) "اور مشرکین کے ساتھ نکاح نہ کراؤ "سورۃ بقرہ آیت ۲۲۱) یہ خطاب اولیاء کو ہے کہ وہ مسلمان عورتوں کا نکاح مشرکین کے ساتھ نہ کرائیں ۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ عورت کے لئے اپنا نکاح کرانا جائز ہے تو یہ آیت عورتوں کے لئے اس بات کی تحریم پر دلالت نہ کرتی اس لئے کہ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ عورت اپنا نکاح کرا سکتی ہے وہ یہ بھی کہے گا کہ اس کا ولی بھی اس کا نکاح کرا سکتا ہے ۔ اس سے یہ لازم آئے گا کہ مذکورہ آیت نے گویا اپنی دلالت کے ذریعے یہ بتایا ہی نہیں کہ مشرکین کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرا دینا حرام ہے۔ اس لئے کہ اس کی دلالت تو صرف اس بات پر ہے کہ اولیاء کو مشرکین کے ساتھ نکاح کرانے سے منع کیا گیا ہے۔ مسلمان عورتوں کو مشرکین کے ساتھ اپنا نکاح کرا لینے سے منع نہیں کیا گیا ۔ حالانکہ مسلمان عورتوں کے ساتھ مشرکین کے نکاح کی تحریم معلوم ہے' اس لئے معاملہ اولیاء کے سپرد کر دینا اس امر پر دلالت کرے گا کہ نکاح کے اندر عورت کو ولایت اور سپرداری حاصل نہیں ہے۔ "تہایہ المجتہد" کے مصنف نے اس آیت پر جو بحث کی ہے وہ انتہائی درجے کی گھٹیا بحث ہے۔ انکے قول کے مطابق آیت میں خطاب اولیاء اور سلطان وقت سے ہے پھر مزید کہا ہے کہ " اگر یہ کہا جائے کہ یہ خطاب عام ہے اور عام سلطان اور اولیاء دونوں کو شامل ہے' تو ہم کہیں گے کہ یہ خطاب صرف ممانعت کا خطاب ہے اور ممانعت شرع کے ذریعے ہوتی ہے ' اس لئے اس میں اولیاء اور دیگر افراد دونوں یکساں ہوں گے۔ اور شرع کے ذریعے ولی کا ممانعت کے حکم کے ساتھ مامور ہونا اس کے لئے اجازت کے سلسلے میں ولایت خاصہ کا موجب نہیں ہو گا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ خطاب اولیاء کے لئے ہے اور یہ نکاح کے اندر انکی اجازت کو واجب کرتا ہے تو پھر یہ مجمل ہو گا اور اس پر کسی قسم کا عمل درست نہیں ہو گا اس لئے کہ اس میں اولیاء کی اصناف اور انکے مراتب کا کوئی ذکر نہیں ہے اور جہاں تک بیان کا تعلق ہے تو ضرورت کے وقت سے اس کی تاخیر جائز نہیں ہوتی۔ "

اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ واضح تو یہ ہے کہ یہ خطاب تمام مکلف اہل ایمان کو ہے جنہیں صدر کلام میں ان الفاظ کے ذریعے خطاب کیا گیا ہے: (ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن) "اور مشرک عورت سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئے" ـــــ (سورہ بقرہ آیت ۲۲۱) اس سے مراد یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں نکاح کرانے کا اختیار ہے یعنی اولیاء وہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کریں۔ یا یہ خطاب اولیاء کو ہے اور اولیاء میں حکام وقت بھی اس صورت میں داخل ہیں جب اولیاء نہ ہوں یا ہوں مگر نکاح کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہوں کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اگر یہ لوگ رکاوٹ بنیں تو پھر سلطان وقت اس کا ولی ہو گا جس کا کوئی ولی نہیں۔" اس بنا پر "نہایہ المجتہد" کے مصنف کا یہ قول باطل ہے کہ زیر بحث آیت اولیاء اور سلطان وقت کے درمیان دائر ہے۔ اس طرح انکا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ: "ہم کہیں گے کہ یہ خطاب صرف شرع کے ذریعے ممانعت کا خطاب ہے۔" اور شرع کے ذریعے ممانعت میں اولیاء اور دیگر افراد دونوں یکساں ہیں۔"

ہم (شارح) یہ کہیں گے کہ درج بالا کلام انتہائی گرا ہوا کلام ہے کیونکہ یہاں شرع کے ذریعے ممانعت اولیاء کو ہے جو بطور جواز عقد نکاح کا معاملہ نمٹاتے ہیں جیسا کہ حنفیہ کا قول ہے یا بطور شرط وہ یہ کام کرتے ہیں جیسا کہ دیگر حضرات کا مسلک ہے' اس لئے تیسرا شخص یعنی اجنبی تو ممانعت کے حکم سے دور کھڑا نظر آئے گا اس لئے کہ اسے مثلاً زید کی بیٹیوں کی کوئی ولایت اور سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ بنابریں اسے کسی ایسے کام سے روکنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں جس کا وہ کسی طرح مکلف ہی نہیں ہے۔ اس لئے مکلف ہونے کی یہ صورت اولیاء کے ساتھ خاص ہو گی اور اس کی حیثیت وہی ہو گی جس طرح مالدار کو دست سوال دراز کرنے سے یا عورتوں کو بناؤ سنگھار کر کے باہر نکلنے سے روکا جائے۔ تکالیف شرعیہ میں بعض تو مردوں کے ساتھ خاص ہوتی ہیں اور بعض عورتوں کے ساتھ اور بعض فریقین میں سے بعض یا ایک فرد کے ساتھ اور بعض ہر دو فریق کو عام ہوتی ہیں۔ اگر مصنف موصوف کی مراد یہ ہو کہ ولی کی طرف سے مسلمان عورت کا مشرک مرد کے ساتھ نکاح کرانے کی صورت میں تیسرے شخص (اجنبی) پر لازم ہو گا کہ وہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھے اور اس پر بھر پور تنقید کرے تو یہ بات ہماری بحث کے دائرے سے خارج ہو گی۔ مصنف مذکور نے جو یہ کہا ہے کہ "اگر ہم کہیں کہ یہ خطاب اولیاء کو ہے تو پھر یہ مجمل ہو گا اور اس پر کسی قسم کا عمل درست نہیں ہو گا۔" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب مجمل نہیں ہے اس لئے کہ ان لوگوں کے زمانے میں جن پر یہ آیت نازل ہوئی تھی' اولیاء کے مفہوم سے تمام لوگ آگاہ تھے کہ: "ایک شخص اپنی سرپرستی میں موجود لڑکی کے نکاح کا پیغام دوسرے شخص کو دیتا" یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اولیاء مشہور و معروف تھے' اس طرح حضرت ام سلمہؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا کہ "میرے اولیاء میں سے کوئی حاضر نہیں ہے۔" ہم نے یہ سب کچھ اس لئے ذکر کیا ہے کہ شارح رحمہ اللہ علیہ نے "النہایہ" کا طویل اقتباس نقل کیا تھا اور حنفیہ کی رائے کی طرف اپنا میلان ظاہر کر کے اسے قوی قرار دیا تھا' جب کہ شارح کی بات میری نظروں میں قوی نہیں ہے اس لئے میں نے چاہا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بات میں ضعف کے جو پہلو ہیں وہ اجاگر کردوں ۔ اگر مجھے اختصار سے دلچسپی نہ ہوتی تو میں شارح کی ساری بحث نقل کرکے اس کے کمزور پہلوؤں کو واضح کر دیتا ۔ ولی کے اعتبار کی ایک دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ " ثیبہ اپنے ولی سے بڑھ کر اپنی ذات کی حقدار ہے۔ " آپ ؐ نے ولی کا ایک حق ثابت کر دیا۔ یہ بات حدیث کے لفظ "احق" سے معلوم ہوتی ہے اور ولی کی احقیت اسکی ولایت اور سرپرستی ہے اور عورت کی احقیت اس کی رضا مندی ہے کیونکہ ولایت کے تحت اس کا عقد نکاح اسکی رضا مندی کے بعد ہی درست ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر اپنی ذات پر عورت کا حق ولی کے حق سے زیادہ موکد ہے اس لئے کہ ولی کا حق عورت کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے ۔

۹۲۵/۱۶ ۔ وَعَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشِّغَارِ؛ وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ، وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَاتَّفَقَا مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَلَى أَنَّ تَفْسِيرَ الشِّغَارِ مِنْ كَلَامِ نَافِعٍ .

نافع سے مروی ہے' انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح کسی کے ساتھ اس شرط پر کر دے کہ وہ اس کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دے اور دونوں کے درمیان کوئی مہر نہ ہو۔ " متفق علیہ ' ایک اور طریق روایت کے اندر شیخین نے اتفاق کیا ہے کہ شغار کی تفسیر نافع کا کلام ہے ۔

(۱) اور اسکی تفسیر اگلے فقرے کے ذریعے ہوتی ہے ۔

(۲) امام شافعی نے کہا ہے کہ: "مجھے نہیں معلوم کہ یہ تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یا حضرت ابن عمر سے یا نافع سے یا امام مالک سے۔ " امام شافعی سے یہ بات بیہقی نے "المعرفہ" میں نقل کی ہے ۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ یہ تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے ' یہ امام مالک ؒ کا قول ہے۔ انہوں نے اسے مرفوع متن کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ ابن الحمدی اور القعنبی نے اسے بیان کیا ہے ۔ امام مالک کا قول ہونے پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ دار قطنی نے اس کی تخریج خالد بن مخلد کی سند سے کی ہے اور انہوں نے امام مالک سے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ شغار یہ ہے کہ ایک شخص ..... تا آخر حدیث امام بخاری ؒ نے کتاب "الحیل" کے اندر تصریح کر دی ہے کہ شغار کی تفسیر نافع کا قول ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ

---

(۱) نافع کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۲۸ من النکاح ' مسلم شریف حدیث ۱۴۱۵' امن النکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"شغار کی مذکورہ تفسیر درست ہے اور اہل لغت کے بیان کے مطابق ہے اگر یہ مرفوع ہے تو یہی مقصود ہے اور اگر یہ صحابی کا قول ہے تو بھی مقبول ہے کیونکہ صحابی مقام ورود کا زیادہ علم رکھتے ہیں اور ان حالات کو زیادہ سمجھتے ہیں جن میں رسول اکرمؐ نے کوئی ہدایت دی ہے۔" جب شغار کی نہی ثابت ہوگئی تو اب فقہاء کے اس اختلاف پر نظر ڈالئے کہ آیا یہ باطل ہے یا باطل نہیں ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ نہی کی وجہ سے یہ باطل ہے کیونکہ نہی بطلان کا تقاضا کرتی ہے۔ نہی کی علت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کا ذکر کر کے ہم بحث کو طویل کرنا نہیں چاہتے۔ تاہم اس بارے میں تمام اقوال تخمینی ہیں۔ حدیث کے الفاظ "دونوں کے درمیان کوئی مہر نہ ہو" یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہی کی علت یہی ہے۔ حنفیہ اور دیگر حضرات کا قول ہے کہ نکاح تو درست ہے اور مذکورہ شرط لغو قرار پائے گی۔ انہوں نے یہ بات ارشاد باری (فانکحو اما طاب لکم من النساء) عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کر لو" ـــــ سورہ نساء آیت ۳) کے عموم پر عمل کرتے ہوئے کہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہی نے اس عموم کو خاص کر دیا ہے۔

۹۲۶/۱۷ - وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا؛ «أَنَّ جَارِيَةً بِكْراً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ: أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ (۱).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک باکرہ لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگی کہ اسکے باپ نے اس کا نکاح کرا دیا جبکہ وہ اس رشتے کو ناپسند کرتی تھی' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا۔ امام ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اسکی روایت کی ہے۔ اس میں ارسال کی علت بیان کی گئی ہے

(۱) اس علت کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایوب بن سوید نے سفیان ثوری سے اور انہوں نے ایوب سے اس کی روایت موصولاً کی ہے۔ اس طرح معمر بن سلیمان الرقی نے زید بن ایان سے اور انھوں نے ایوب سے موصولاً اس کی روایت کی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کسی حدیث کے وصل اور ارسال میں اختلاف ہو جائے تو فیصلہ وصل کرنے والے کے حق میں ہوتا ہے۔ مصنف کتاب نے کہا ہے کہ: "اس حدیث پر طعن بے معنی ہے

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۰۹۶' سنن ابن ماجہ ۱۸۷۵' مسند احمد بن حنبل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اس کی روایت کے کئی طرق ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں" اس سے پہلے حضرت ابو ہریرہؓ کی متفق علیہ حدیث گذر چکی ہے جس کے الفاظ ہیں "باکرہ کا نکاح نہ کرایا جائے جب تک اس سے اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔" اس حدیث سے وہی بات معلوم ہو رہی ہے جو زیر بحث حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ باپ کی طرف سے باکرہ بیٹی کو نکاح پر مجبور کرنے کی تحریم پر حدیث کی دلالت ہے' باپ کے سوا دیگر اولیاء کے سلسلے میں یہ تحریم بطریق اولی ہو گی۔ حنفیہ اور ہادویہ اس حدیث اور امام مسلم کی روایت کردہ حدیث " باکرہ سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے گا" کی بنا پر باپ کے اجبار کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ اگرچہ بیہقی نے کہا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں باپ کے لفظ کا اضافہ غیر محفوظ ہے لیکن مصنف کتاب نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا ہے کہ یہ اضافہ ایک عادل راوی کا ہے یعنی اس پر عمل کیا جائے گا۔ امام احمد' امام شافعی اور اسحاق کا مسلک یہ ہے کہ باپ اپنی بالغ باکرہ بیٹی کو نکاح پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہے۔ انہوں نے یہ بات اس حدیث کے مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہی ہے کہ " ثیب (شوہر دیدہ) اپنی ذات کی سب سے بڑھ کر حقدار ہے۔" یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ باکرہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے نیز یہ کہ باکرہ کے بارے میں ولی کو سب سے بڑھ کر حق حاصل ہے۔ تاہم اس استدلال کی تردید یہ کہہ کر کی گئی ہے کہ یہ حدیث کا مفہوم مخالف ہے اور مفہوم مخالف حدیث کے صریح حکم کا مقابلہ نہیں کر سکتا' نیز یہ کہ اگر اسے اسکے عموم کے ساتھ لیا جائے تو باپ کے سوا دیگر اولیاء کے حق میں بھی اس کا لزوم ہو جائے گا اور اجبار کا جواز باپ کے ساتھ خاص نہیں رہے گا۔ بیہقی نے۔ امام شافعیؒ کے کلام کی تائید میں کہا ہے کہ "حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ مذکورہ باپ نے بیٹی کا نکاح غیر کفو میں کرا دیا تھا۔" مصنف کتاب نے کہا ہے کہ "بیہقی کا یہ جواب ہی لائق اعتماد ہے کیونکہ یہ متعین واقعہ تھا اس لئے مذکورہ واقعہ کی بنا پر حکم کا ثبوت عام کی شکل میں نہیں ہو سکتا۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ ان دونوں اماموں کا یہ کلام دراصل امام شافعی کے کلام کی وکالت ہے اور ان کے مسلک کا دفاع ہے ورنہ بیہقی کی تاویل کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر معاملہ اسی طرح ہوتا تو مذکورہ لڑکی اس کا ضرور ذکر کرتی کہ میرا نکاح غیر کفو میں ہوا ہے) لیکن اس کی بجائے اس نے کہا تھا کہ باپ نے اس کا نکاح کرا دیا ہے جب کہ وہ اس رشتے کو ناپسند کرتی ہے۔ اس لئے علت اسکی کراہت اور ناپسندیدگی ہے اور اسی پر اس کے اختیار کو معلق کر دیا گیا کیونکہ یہی مذکورہ علت ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ "تمہیں چونکہ یہ رشتہ ناپسند ہے اس لئے تمہیں اختیار ہے" مصنف کتاب کا یہ کہنا کہ " یہ متعین واقعہ تھا" درست نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام حکم ہے کیونکہ اس کی علت عام ہے' اس لئے جہاں بھی کراہت پائی جائے گی وہاں حکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہو جائے گا۔ نسائی نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ ایک نوجوان لڑکی ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا ہے اور میرے ذریعے وہ اس کی پستی کو ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن مجھے یہ ناپسند ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ پھر آپؐ تشریف لائے' لڑکی نے آپ سے اپنا واقعہ بیان کیا' آپؐ نے اس کے باپ کو بلوا بھیجا اور شادی کا معاملہ لڑکی کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس پر لڑکی نے کہا: "اللہ کے رسول' میرے باپ نے میرے لیے جو رشتہ طے کیا ہے اسے برقرار رکھتی ہوں لیکن چاہتی ہوں کہ عورتوں کو بتلا دوں کہ نکاح کے معاملہ میں باپ کو کوئی اختیار نہیں۔" اس روایت کا ظاہر تو یہی ہے کہ مذکورہ لڑکی باکرہ تھی اور شاید یہ وہی باکرہ ہے جس کا ذکر حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے۔ اس کے باپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ اس کا رشتہ طے کر کے اس کے کفو میں نکاح کرا دیا تھا اگر مذکورہ لڑکی ثیبہ ہوتو اس نے تصریح کر دی ہے کہ اس کا مقصد عورتوں کو صرف یہ بتلانا تھا کہ نکاح کے معاملے میں باپ کو کوئی اختیار نہیں۔ حدیث میں لفظ نساء باکرہ اور ثیبہ دونوں کو عام ہے۔ اس لڑکی نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہی تھی اور آپؐ نے اس کی بات کو برقرار رہنے دیا تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لڑکی کی ناپسندیدگی کی صورت میں باپ کو نکاح کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ سیاق کلام یہی ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہر صورت کو عام ہے۔

۹۲۷/۱۸ - وَعَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالْأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ(۱).

حسن سے مروی ہے' انہوں نے حضرت سمرہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جس عورت کا نکاح اسکے دو ولی کرا دیں وہ ان میں سے پہلے (شوہر) کی ہو گی"۔ امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے

(۱) یہ ابو سعید حسن بن ابی الحسین ہیں جو حضرت زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انکی پیدائش مدینہ

---

(۱) حسن بصری کی روایت کے حوالے:۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۸' ۱۸' سنن ابی داؤد ۲۰۸۸' سنن ترمذی ۱۱۱۰' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۵۴' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۳۴۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہوئی اس وقت حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال باقی رہ گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ بصرہ آگئے' اسی قول کے مطابق حضرت علیؓ سے انکی ملاقات ہوئی تھی' لیکن بصرہ میں حضرت علیؓ سے انکی ملاقات کی بات درست نہیں ہے۔ آپ علم' تقوی اور پرہیز گاری میں اپنے وقت کے امام تھے۔ آپ کی وفات رجب سن دس ہجری میں ہوئی۔

(۲) حضرت سمرہؓ سے حسن بصری کے سماع کے بارے میں اختلاف کا ذکر پہلے گذر چکا ہے' امام احمد اور نسائی نے اس حدیث کی روایت قتادہ کی سند سے کی ہے۔ انہوں نے حسن بصری سے اور انہوں نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے اسکی روایت کی ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ "اس حدیث کے سلسلہ روایت میں حضرت سمرہ نے حسن بصری کا طریق (سند) زیادہ صحیح ہے۔" ابن المدینی نے کہا ہے کہ حسن بصری نے حضرت عقبہؓ سے کسی چیز کا سماع نہیں کیا ہے۔" زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ایک عورت کا نکاح اس کے دو ولی دو مردوں سے کرا دیں اور یہ عقد آگے پیچھے ہوئے ہوں تو عورت ان میں سے پہلے شوہر کی بیوی ہو گی خواہ دوسرے شوہر نے اسکے ساتھ ہمبستری کر لی ہو یا نہ کی ہو۔ اگر دوسرے نے حقیقت حال جانتے ہوئے اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو تو یہ بالا جماع زنا کاری ہو گی اور عورت پہلے کی بیوی ہو گی۔ اگر اس نے حقیقت حال سے لا علم ہو کر اسکے ساتھ ہمبستری کی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہو گا تاہم لاعلمی کی وجہ سے اس پر حد زنا جاری نہیں ہو گی۔ اگر دونوں عقد بیک وقت ہوئے ہوں تو دونوں ہی باطل ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر اس کا علم ہو جائے لیکن پھر اختلاف پڑ جائے تو بھی یہ دونوں عقد باطل قرار پائیں گے البتہ اگر بیوی اقرار کر لے یا دونوں میں سے ایک شوہر اس کے ساتھ اسکی رضا مندی کے تحت ہم بستری کر لے تو یہ بات اس عقد کی توثیق کر دے گی جس کے پہلے واقع ہونے کا عورت نے اقرار کیا ہو کیونکہ حق تو اسی کے ذمہ ہو گا اس لئے اس کا اقرار درست ہو گا' اسی طرح اس کی رضا مندی کے تحت اسکے ساتھ ہم بستری بھی پہلے واقع ہونے کا قرینہ ہو گا کیونکہ معاملہ کو مثبت پہلو پر محمول کرنا واجب ہوتا ہے۔

۹۲۸/۱۹ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ أَوْ أَهْلِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ» رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ، وَكَذٰلِكَ آبْنُ حِبَّانَ(۱).

(۱) حضرت جابرؓ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۲۰۷۸' سنن ترمذی ۱۱۱۱' ۱۱۱۲' سنن ابن ماجہ ۱۹۶۰' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۱' ۳۸۴' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۲' السنن الکبری ج ۶ ص ۱۲۸' اورواء الغلیل ج ۶ ص ۳۵۱' مشکوٰۃ المصابیح ۳۱۳۵' مشکل الاثار ج ۳ ص ۲۹۷' نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو غلام بھی اپنے آقاؤں یا اپنے اہل کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو وہ زانی ہے۔ امام احمد ' ابو داؤد اور امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور اسی طرح ابن حبان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) عاھر زنا کار کے معنوں میں ہے۔

(۲) ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ سے اس حدیث کی روایت موقوفاً کی ہے نیز یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنے ایک غلام کو دیکھا کہ اس نے انکی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا ہے ' انہوں نے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا اور انکے عقد کو باطل قرار دے کر غلام کو حد میں کوڑے لگائے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح باطل ہے اور جمہور کے نزدیک اس کا حکم زنا کا حکم ہو گا البتہ اگر وہ اس تحریم سے لا علم ہو تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس کے ساتھ لاحق ہو جائے گا۔ داؤد ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح درست ہے کیونکہ انکے نزدیک نکاح دیگر فرائض کی طرح فرض عین ہے اور غلام کو اس کے لئے آقا کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داؤد کے نزدیک زیر نظر حدیث ثابت نہیں ہے۔ امام یحییٰ نے کہا ہے کہ یہاں باطل عقد کے لئے زنا کا حکم ثابت نہیں ہو گا خواہ اسے تحریم کا علم بھی ہو اس لئے کہ اس عقد میں ایسا شبہ ہے جس کی وجہ سے حد ٹل جائے گی۔ اب اگر آقا کی طرف سے اس عقد کی اجازت حاصل ہو جائے تو کیا یہ نافذ ہو جائے گا؟ تو امام شافعی اور ناصر کا قول ہے کہ اجازت کے باوجود بھی یہ نافذ نہیں ہو گا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ناکح کو زانی قرار دیا ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ اگر اجازت حاصل نہیں ہوگی تو وہ زانی قرار پائے گا تاہم امام شافعی موقوف عقد کے سرے سے قائل نہیں ہیں۔ زانی سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص زانی کی طرح ہے ' حقیقت میں زانی نہیں ہے۔

۹۲۹/۲۰ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۱۵' مسلم شریف باب ۴ حدیث ۳۳' سنن نسائی ج ۶ ص ۹۶' مسند احمد ج ۲ ص ۴۶۲' ۴۶۵' ۵۱۶' ۵۲۹' ۵۳۲' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۴' مشکوٰۃ المصابیح ۳۱۶۰' نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۷۰' شرح السنہ ج ۹ ص ۶۶' فتح الباری ج ۹ ص ۱۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورت اور اس کی پھوپھی کو (عقد نکاح میں) یکجا نہیں کیا جائے گا۔ متفق علیہ

(۱) لا مجمع یہ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور حرف لام نفی کے لئے ہے' اس لئے یہ صیغہ مرفوع ہے اور نہی کے معنی میں ہے۔ صحیح احادیث کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

اس حدیث میں ان عورتوں کو عقد نکاح میں یکجا کرنے کی تحریم کی دلیل ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ "مذکورہ عورتوں کو عقد نکاح میں یکجا کرنا حرام ہے' یہی قول ان تمام مفتی حضرات کا ہے جن سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ اس بارے میں انکے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ امام ترمذی کا بھی یہی قول ہے۔" ابن المنذر نے کہا ہے کہ اسکی ممانعت کے بارے میں آج تک مجھے کسی اختلاف رائے کا علم نہیں ہے۔ صرف خوارج کے ایک فرقہ نے اس کے جواز کا قول اختیار کیا ہے۔" ابن عبدالبر' ابن حزم اور قرطبی نے اس کے متعلق اجماع نقل کیا ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ زیر نظر حدیث نے ارشاد باری: (واحل لکم ماوراء ذلکم ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں (اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا) تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے ------ سورہ نساء آیت ۲۴) کے عموم کی تخصیص کر دی ہے۔ ایک قول کے مطابق حنفیہ پر لازم ہو گیا ہے کہ وہ مذکورہ خواتین کو عقد نکاح میں یکجا کر دینے کو جائز قرار دیں کیونکہ ان کا اصول ہے کہ کتاب اللہ کے عموم کو اخبار آحاد پر مقدم رکھا جائے گا' صاحب "الھدایہ" نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے اور مشہور حدیث کو قطعیت کا حکم حاصل ہوتا ہے' خاص طور پر جب کہ امت کا اس پر اجماع ہے اور اسکے خلاف جانے والے کو کسی شمار میں نہیں رکھا گیا ہے۔

۲۱ / ۹۳۰ - وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: «وَلَا يَخْطُبُ». وَزَادَ ابْنُ حِبَّانَ: «وَلَا يُخْطَبُ عَلَيْهِ»(۱).

---

(۱)۔ حضرت عثمانؓ کی روایت کے حوالوں کے لیے حدیث نمبر ۶۸۴ کا حاشیہ نمبر۱' دیکھئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ(۱) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "محرم (احرام باندھنے والا) نہ نکاح کرے اور نہ ہی نکاح کرائے۔ امام مسلم نے اسکی روایت کی ہے۔ انکی ایک روایت میں ہے " نہ ہی نکاح کا پیغام بھیجے ابن حبان نے اضافہ کیا ہے " اور نہ ہی اس کی طرف (اس کی سرپرستی میں موجود کسی لڑکی کے لئے) پیغام نکاح بھیجا جائے۔"

(۱) لا ینکح ' صرف مضارع کے زبر کے ساتھ ' یہ صیغہ نکح فعل ماضی کا صیغہ مضارع ہے۔

(۲) لا ینکح ' حرف مضارع پر پیش کے ساتھ ' اس کا ماضی انکح ہے۔

(۳) حضرت عثمان سے امام مسلم کی ایک روایت میں۔

(۴) نہ تو اپنے لئے اور نہ ہی کسی اور کے لئے

(۵) یہ روایت کتاب الحج میں گذر چکی ہے تاہم "ولا یخطب علیہ" کا فقرہ اس میں نہیں ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص محرم کو اس کی سرپرستی میں موجود کسی لڑکی کا پیغام نکاح نہ بھیجے۔

۹۳۱/۲۲ - وَعَنْ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: «تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما(۲) سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے ساتھ حالت احرام میں نکاح کیا تھا" متفق علیہ

اس حدیث کے بارے میں لوگوں نے طویل بحثیں کی ہیں کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے اس بارے میں دوسروں سے اختلاف کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "اس حکم کے بارے میں آثار کے اندر بڑا اختلاف ہے لیکن یہ روایت کہ آپؐ نے حضرت میمونہؓ کے ساتھ حالت حلال (غیر احرام کی حالت) میں نکاح کیا تھا' بہت سے طرق سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت صحیح الاسناد ہے تاہم ایک شخص کو وہم لاحق ہونا پوری جماعت کو وہم لاحق ہونے کے مقابلہ میں زیادہ قرین قیاس ہے۔ دونوں روایتوں کے بارے میں کم سے کم جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں میں تعارض ہے اس لئے ان دونوں کے سوا کسی اور حدیث سے دلیل حاصل کی جائے گی۔ محرم کے نکاح کی ممانعت میں حضرت عثمان کی روایت کردہ حدیث صحیح ہے' اس لئے اسی پر اعتماد کیا

---

(۱)۔ حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف باب ۳۰ من النکاح ' مسلم شریف حدیث ۱۴۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے گا۔" الاثرم نے کہا کہ "میں نے امام احمدؒ سے عرض کیا کہ ابو ثورؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو کس دلیل کے ذریعے دور کیا جائے گا یعنی اس روایت کی صحت کے ہوتے ہوئے؟" اس کے جواب میں امام احمد نے فرمایا: "اللہ ہی سے مدد لی جائے گی! ابن المسیب کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کو وہم ہو گیا ہے اور میمونہؓ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ حالت حلال میں نکاح کیا تھا۔" حضرت میمونہؓ کے حوالے سے امام احمدؒ کی مراد وہ حدیث ہے جس کی روایت ان سے امام مسلمؒ نے کی ہے۔ وہ یہ ہے:

۹۳۲/۲۳ - وَلِمُسْلِمٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ نَفْسِهَا رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا: «أَنَّ ٱلنَّبِيَّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ»(۱).

امام مسلمؒ نے خود میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت حلال میں انکے ساتھ نکاح کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کی حدیث سے بھی حضرت میمونہؓ کی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی بعض دفعہ یہ تاویل کی جاتی ہے کہ "آپؐ محرم تھے" کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ حرم کے اندر تھے یا اشہر حرم میں تھے۔ ابن حبان نے اس تاویل پر "صحیح ابن حبان" کے اندر اپنے جزم کا اظہار کیا ہے لیکن ہماری نظروں میں یہ ایک بعید تاویل ہے اور حدیث کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ اس کے متعلق بحث کتاب الحج میں گذر چکی ہے۔

۹۳۳/۲۴ - وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ يُوَفَى بِهِ مَا ٱسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ ٱلْفُرُوجَ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۲).

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شرطوں میں سے پوری ہونے کی سب سے زیادہ حقدار وہ شرط ہے جس کے ذریعے تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے!" متفق علیہ

یعنی نکاح کی شرطیں وہ ہیں جو تمام دوسری شرطوں سے بڑھ کر پوری ہونے کی حقدار ہیں اس لئے کہ نکاح کا معاملہ زیادہ احتیاط کا مقتضی ہے اور اس کا دروازہ زیادہ تنگ ہے۔

---

(۱) حضرت میمونہؓ سے امام مسلم کی روایت کا حوالہ :۔ مسلم شریف حدیث ۱۴۱۱

(۲) حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۳ ص ۲۴۹، مسلم شریف حدیث ۶۳ من النکاح ، سنن ابی داؤد ۲۱۴۹، سنن ترمذی ۱۱۲۷، سنن ابن ماجہ ۱۹۵۴، مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۴، ۱۵۲، السنن الکبری ج ۷ ص ۲۴۸، شرح السنہ ج ۹ ۵۳، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عقد نکاح میں مذکورہ شرطوں کو پورا کرنا ہی متعین ہے' خواہ یہ شرط عرض یعنی اسباب کی شکل میں ہو یا مال کی صورت میں۔ جب کہ یہ عورت کے حق میں لگائی گئی ہو' اس لئے کہ عورت کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کر لینا اس چیز کے ذریعے ہوتا ہے جس کا تعلق عورت کی ذات سے ہو یا جس پر عورت کسی غیر کی خاطر رضا مند ہو جائے۔

اس مسئلے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ خطابی نے کہا ہے کہ " نکاح کے اندر عائد شدہ شرائط کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ یہ وہ ہیں جن کا حکم اللہ نے دیا ہے کہ بیوی کو یا تو اچھی طرح اپنے عقد میں روکے رکھو یا پھر اسے اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔ بعض حضرات نے حدیث کو ان ہی معنوں پر محمول کیا ہے۔ بعض شرطیں ایسی ہیں جنہیں بالاتفاق پورا نہیں کرنا چاہئے مثلاً ہونے والی بیوی کی بہن کو طلاق دینے کی شرط کیونکہ اس کی نہی کی حدیث موجود ہے۔ بعض شرطیں وہ ہیں جن کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے مثلاً یہ شرط لگانا کہ شوہر اس بیوی پر کوئی سوکن نہیں لائے گا۔ نہ ہی ہم بستری کی خاطر کوئی لونڈی حاصل کرے گا' نہ ہی بیوی کو اس کے گھر سے منتقل کر کے اپنے گھر لے جائے گا۔ رہ گئی وہ شرطیں جنہیں عقد کنندہ اپنی ذات کے لئے مہر کے دائرے سے باہر عائد کرتا ہے تو ایک قول کے مطابق یہ شرطیں مطلقاً" عورت کے حق میں ہوں گی۔ ہادویہ اور ایک گروہ کا یہی قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق ایسی شرطیں شرط عائد کرنے والے کے حق میں ہوں گی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دیگر اولیاء کے سوا صرف باپ کے ساتھ مختص ہیں۔

امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر عقد کے دوران شرط کا وقوع ہو جائے تو یہ منجملہ مہر ہو گی یا اس کا وقوع عقد سے باہر ہو گا تو یہ اس شخص کے حق میں ہو گی جس کے لئے عائد کی گئی ہو۔ انکی دلیل عمرو بن شعیب کی وہ روایت ہے جسے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے انکے دادا سے نقل کیا ہے اور امام نسائی نے اس کی تخریج مرفوعاً" کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :" جو عورت بھی حبالہ عقد میں آنے سے قبل طے شدہ کسی مہر یا عطیہ یا وعدے پر نکاح کرے تو وہ اس کا ہو گا' اور حبالہ عقد میں آنے کے بعد جو شرط لگائی جائے گی وہ اس فرد کی ہو گی جس کے حق میں لگی ہو اور ایک شخص کی فیاضی کا سب سے بڑھ کر حقدار فرد اس کی بیٹی یا اس کی بہن ہے۔" امام ترمذی نے بھی اس جیسی حدیث عروہ کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے اور پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "بعض اہل علم صحابہ کے نزدیک اسی پر عمل رہا' ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں۔" نیز کہا: "اگر ایک شخص کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کر لے کہ وہ اسے اس کے میکے سے نہیں لے جائے گا تو یہ شرط لازم ہو جائے گی۔ یہی امام شافعیؒ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول ہے۔" اسکے بعد امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شافعیؒ سے اس مسلک کی نقل عجیب معلوم ہوتی ہے۔ شوافع سے معروف تو یہ ہے کہ شروط سے مراد وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح کی منافی نہ ہوں بلکہ اس کے مقتضیات اور مقاصد میں سے ہوں مثلاً حسن معاشرت' انفاق' کپڑا اور مکان وغیرہ کی شرائط نیز یہ شرط کہ وہ اس کی شب باشی اور خرچہ وغیرہ کے حق میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ اسی طرح شوہر کی طرف سے بیوی پر یہ شرائط عائد کر دینا کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ اور اس کے مال و اسباب میں کوئی تصرف نہیں کرے گی اور اسی طرح کی دیگر شرطیں۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اگر ان حضرات کی مراد یہ ہو کہ مذکورہ شرائط پر زیر نظر حدیث کو محمول کریں تو ایسا کرکے وہ اس کے فائدے کو محدود کر دیں گے اس لئے کہ مذکورہ بالا امور تو عقد نکاح کے ساتھ لازم ہوتے ہیں اور ان کے لئے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ان کی مراد اس کے سوا کچھ اور ہو تو پھر سوال ہو گا کہ وہ کیا ہے؟ البتہ اگر عورت عقد کی منافی شرائط عائد کرے مثلاً" یہ کہ شوہر اس کے لئے شب باشی کی باری مقرر نہیں کرے گا (بلکہ دوسری بیویوں کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ ہی شب باشی کرے گا) یا اس کے ہوتے ہوئے ہم بستری کے لئے کوئی لونڈی حاصل یا مقرر نہیں کرے گا۔ تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا امام ترمذی نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کی شرط سے اللہ کی شرط سبقت کر گئی ہے" اس لئے زیر نظر حدیث میں شرائط سے جائز شرطیں مراد ہیں۔ وہ شرطیں مراد نہیں ہیں جن سے روکا گیا ہے۔ رہ گئی عورت کی مذکور یہ شرط کہ شوہر اسے اس کے گھر سے کہیں اور نہیں لے جائے گا تو اس شرط کی نہی موجود نہیں ہے اس لئے اسے پورا کرنا ہی متعین ہوگا۔

٩٣٤/٢٥ ـ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ: «رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ، ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، ثُمَّ نَهَى عَنْهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے سال تین دنوں کے لئے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی اور پھر اس سے منع فرما دیا۔" امام مسلمؒ نے اس کی روایت کی ہے۔ فرقہ امامیہ کی کتابوں میں متعہ کی جو حقیقت بیان ہوئی ہے اس کے مطابق یہ ایک معلوم یا مجہول مدت کے لئے موقوف نکاح کا نام ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پنتالیس دن ہے۔ اگر عورت کو حیض آنا بند ہو چکا ہو تو مقررہ وقت کے گذر جانے کے ساتھ ہی نکاح ختم ہو جائے گا۔ اگر اسے حیض آتا ہو تو دو حیض گذر جانے

---

(١)۔ حضرت سلمہ بن الاکوع کی روایت کا حوالہ:۔ مسلم شریف ۳ حدیث ۱۸ من النکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر نکاح ختم ہو جائے گا اور اگر اس کا شوہر وفات پا گیا ہو تو چار مہینے دس دن گذر جانے کے ساتھ ہی نکاح ختم ہو جائے گا۔ اس نکاح کا حکم یہ ہے کہ طے شدہ شرط کے سوا عورت کو کوئی مہر وغیرہ نہیں ملے گا' نہ ہی وہ نان و نفقہ کی حقدار ہو گی نہ وراثت کی اور نہ ہی عدت گذارنا اس پر لازم ہو گا بلکہ مذکورہ بالا طریقوں کے ذریعے وہ صرف استبراء رحم کر لے گی۔ اس نکاح کی وجہ سے نسب بھی ثابت نہیں ہو گا الا یہ کہ اس کی شرط عائد کر دی گئی ہو۔ البتہ اس نکاح کے نتیجے میں حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ متعہ کے بارے میں فرقہ امامیہ کی یہ رہی گفتگو' حضرت سلمہؓ کی روایت کردہ زیر نظر حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور پھر اس سے منع فرما دیا تھا اور پھر یہ نہی جاری رہی اور رخصت منسوخ ہو گئی۔ سلف اور خلف میں سے تمام حضرات کا یہی مسلک ہے۔ متعہ کی رخصت کے بعد اس کی منسوخیت کا ذکر چھ مقامات پر آیا ہے: اول غزوہ خیبر میں' دوم عمرہ قضا میں سوم فتح مکہ کے سال میں' چہارم غزوہ اوطاس کے سال میں پنجم غزوہ تبوک میں اور ششم حجۃ الوداع میں۔ یہ وہ مواقع ہیں جن کا ذکر روایتوں میں وارد ہوا ہے البتہ ان میں سے بعض کے ثبوت کے بارے میں اختلاف ہے۔

نوویؒ نے کہا ہے کہ درست بات یہی ہے کہ متعہ کی تحریم اور اسکی اباحت کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔ غزوہ خیبر سے پہلے اس کی اباحت تھی پھر اس غزوہ کے موقعہ پر اسے حرام کر دیا گیا پھر فتح مکہ کے سال اس کی اباحت ہو گئی۔ یہی غزوہ اوطاس کا سال ہے۔ پھر ہمیشہ کے لئے اس کی حرمت ہو گئی۔ امت کی اکثریت اسی تحریم کی قائل ہے' تاہم صحابہ کی ایک جماعت اس کی رخصت کی بقاء کی قائل رہی۔ پھر ان کا رجوع اور منسوخیت کا قول ان سے مروی ہوا۔ ان صحابہ میں سے حضرت ابن عباس بھی ہیں۔ ان سے رخصت کی بقاء مروی ہوئی۔ پھر انہوں نے اس سے رجوع کر کے تحریم کا قول اختیار کر لیا۔ امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ متعہ منسوخ ہے۔" ابن ماجہ نے صحیح سند کے حوالے سے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین دنوں کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی اور پھر اسے حرام کر دیا تھا۔ بخدا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کسی محصن (شادی شدہ عاقل بالغ) نے متعہ کیا ہے تو میں اسے سنگسار کر دوں گا۔" حضرت ابن عمرؓ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ سے روکدیا تھا اور ہم ناجائز شہوت رانی کرنے والے نہیں تھے۔" اس روایت کی سند بھی قوی ہے۔ اب یہ کہنا درست نہیں ہے کہ متعہ کی اباحت قطعی ہے اور اس کا نسخ ظنی ہے۔ اس لئے کہ اس کی اباحت کے راویوں نے ہی اس کی منسوخیت کی روایت کی ہے اس لئے یہ یا تو دونوں جانب قطعی ہوں گی یا دونوں جانب ظنی ہوں گی۔ شرح کے اندر اسی طرح مذکور ہے:" "نہایہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المجتہد" کے اندر یہ ہے کہ "متعہ کی تحریم کے سلسلے میں روایات کا تواتر ہے البتہ صرف تحریم کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔" ہم نے "ضوء النہار" کے حواشی میں متعہ کی تحریم پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

۹۳۵/۲۶ ۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ خَيْبَرَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَعَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ، وَعَنْ أَكْلِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ». أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ إِلَّا أَبَا دَاوُدَ.

وَعَنْ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنِّي كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهَا. وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَأَحْمَدُ، وَابْنُ حِبَّانَ(۲).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے سال میں متعہ سے نہی کر دی تھی۔ متفق علیہ"

ان (حضرت علیؓ) سے یہ بھی مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے غزوہ خیبر کے دن منع فرما دیا تھا۔" ابو داؤد کے سوا باقی ماندہ اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ربیع ابن سبرہ کے واسطے سے ان کے والد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تمہیں عورتوں سے لذت اندوزی کی اجازت دی تھی اور اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اسے حرام کر دیا ہے۔ اس لئے جس شخص کے پاس کوئی ایسی عورت ہو وہ اسے جانے دے اور ایسی عورتوں کو تم جو کچھ دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو!" امام مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد اور ابن حبان نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) خیبر (حرف خاء اور حرف راء اور درمیان میں حرف یا اور حرف باء کے ساتھ)

---

(۱) حضرت علی کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۳۱ من النکاح، مسلم شریف حدیث ۱۴۰۷، سنن ترمذی ۱۱۲۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲۵، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۴، التمہید ج ۱۰ ص ۱۰۴، مسند حمیدی ۶۰۵، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۳۵۳

(۲) ربیع بن سبرہ کی روایت کے حوالے :۔ مسلم شریف حدیث ۲۱ من النکاح، ابو داؤد ص ۲۵۷۲، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲۶، السنن الکبری ج ۷ ص ۲۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) بخاری کی روایت میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ اور پالتو گدھوں سے غزوہ خیبر کے زمانے میں روک دیا تھا۔"

ایک مشہور علاقہ ' جن حضرات نے اس واقعہ کی نسبت غزوہ حنین کی طرف کی ہے' انہیں وہم ہوا ہے' (حنین کا لفظ ابتداء میں حرف حاء اور آخر میں حرف نون کے ساتھ ہے) نسائی اور دار قطنی نے اس کی تخریج کی ہے اور بعد میں کہا ہے کہ حنین کے سال کا ذکر وہم ہے۔

پھر ظاہر بات یہی ہے کہ امام بخاریؒ کی روایت کا دائرہ ایک ساتھ دو چیزوں تک پھیلا ہوا ہے' متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت تک ۔ جب کہ بیہقی نے روایت کی ہے کہ سفیان بن عیینہ کہا کرتے تھے کہ خیبر کے ساتھ پالتو گدھوں کی تحریم کا تعلق ہے' متعہ کی حرمت کا نہیں۔ بیہقی نے کہا ہے کہ "روایت میں یہ احتمال موجود ہے لیکن اکثر روایات یہی ہیں کہ خیبر کا تعلق ان دونوں چیزوں سے ہے۔" امام احمد کی روایت میں معمر سے انکی اپنی سند کے حوالے سے مذکور ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی کہ حضرت ابن عباسؓ نے عورتوں سے متعہ کی رخصت دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن متعہ سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا تھا۔" البتہ السھیلی نے کہا ہے کہ "اہل سیر اور آثار کے راویوں سے یہ بات معروف نہیں ہے کہ آپؐ نے غزوہ خیبر کے دن نکاح متعہ سے منع کر دیا تھا۔" انہوں نے مزید کہا ہے کہ جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بیان کے اندر تقدیم و تاخیر واقع ہو گئی ہے۔ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ حمیدی نے ابن عیینہ سے بیان کیا ہے کہ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت کی گئی تھی ' لیکن متعہ کی تحریم غزوہ خیبر کے موقع کے سوا کسی اور وقت ہوئی تھی ۔ ابو عوانہ نے " صحیح ابی عوانہ" میں لکھا ہے کہ "میں نے اہل علم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ حضرت علیؓ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ غزوہ خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت کر دی گئی تھی' رہ گیا متعہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سکوت اختیار کیا تھا اور پھر اس کی ممانعت فتح مکہ کے موقع پر ہی ہوئی تھی۔"

اوپر جو بات بیان ہوئی اس کے یہ حضرات اس بنا پر قائل ہیں کہ غزوہ خیبر کے بعد بھی متعہ کے بارے میں رخصت ثابت ہے ' اور حضرت ابن عباسؓ کے خلاف حضرت علیؓ کی دلیل صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے کہ نہی کا وقوع اخیر میں ہوا ہو۔ تاہم یہ کہہ کر اس سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کو فتح مکہ کے موقع پر متعہ کی رخصت کی اطلاع نہیں ہوئی کیونکہ نہی کچھ عرصہ قبل ہی آئی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علیؓ کو فتح مکہ کے موقع پر متعہ کی رخصت کے بارے میں علم ہو گیا ہو لیکن انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ یہ رخصت وقتی ہے یعنی ان ایام کے لئے جن کے اندر بیویوں سے الگ رہنے کی وجہ سے عورتوں سے ہم بستری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خواہش شدید ہوگئی تھی ' پھران ایام کے گذر جانے کے بعد متعہ ماقبل کی تحریم کی اصل پر باقی رہا۔ اس طرح حضرت ابن عباسؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی دلیل ٹھہر سکتی ہے۔

ابن القیم نے کہا ہے کہ: "مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے متعہ نہیں کرتے تھے۔" انکی مراد یہ ہے کہ خیبر کے سال نہی واقع نہ ہونے کی بات قوی ہے۔ کیونکہ اس مقام پر نکاح متعہ کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہاں مشرک عورتیں تھیں' کتابی عورتیں نہیں تھیں ' اس لئے کہ اہل خیبر اوس اور خزرج کے قبیلوں کے ساتھ شادی بیاہ کیا کرتے تھے۔ یہ اسلام سے پہلے کی بات تھی اس لئے ممکن ہے کہ وہاں ان قبیلوں کی عورتیں ہوں جن سے لوگ لذت اندوزی کرتے ہوں۔

۹۳۶/۲۷ - وَعَنْ ٱبْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «لَعَنَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالنَّسَائِيُّ، وَٱلتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ(۱).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کی خاطر حلالہ کیا گیا ہو دونوں پر لعنت کی ہے:" امام احمد ' نسائی اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس باب میں حضرت علیؓ سے بھی روایت ہے۔ نسائی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) حضرت علیؓ کی روایت کے الفاظ ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہو ' دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔" حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو ابن القطان اور ابن دقیق العید نے صحیح قرار دیتے ہوئے اسے امام بخاری کی شرط پر کہا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن اور صحیح حدیث قرار دیا ہے نیز کہا ہے کہ اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ ان میں حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عمرؓ شامل ہیں ' اور تابعین کے فقہاء کا بھی یہی قول ہے ۔ رہ گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کے اسناد میں ایک راوی مجالد ہے اور یہ ضعیف راوی ہے ۔ ابن السکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ترمذی نے

---

(۱) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد باب ۱۶ من النکاح ' سنن ترمذی ۱۱۱۹' ۱۱۲۰' سنن ابن ماجہ ۱۹۳۴ تا ۱۹۳۶' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۹' مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۰ ' ج ۲ ص ۳۲۳' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۰۸' المستدرک ج ۲ ص ۱۹۸' ۱۹۹ ' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۷' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۹۹' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۷۰ ' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۵۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۹۵' ۲۹۶ ' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۳۰۷' سنن سعید بن منصور ۲۰۰۸' العلل المتناھیہ ج ۲ ص ۱۵۸' ۱۵۹ ' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۲۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے معلول قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ اور حکم نے اس کی روایت حضرت عقبہ بن عامر سے کی ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ مستعار جنگلی بکرا کون ہے صحابہ نے عرض کیا بتائے' اللہ کے رسولؐ "آپ نے فرمایا: " حلالہ کرنے والا' اللہ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہو' اس پر لعنت کی ہے۔ "

زیر نظر حدیث حلالہ کے عمل کی تحریم کی دلیل ہے اس لئے کہ لعنت صرف حرام کام کے مرتکب پر ہوتی ہے اور ہر حرام کام کی ممانعت اور نہی ہوتی ہے اور نہی عقد کے فاسد ہونے کی مقتضی ہے۔ لعنت اگرچہ فاعل پر ہے لیکن اسے ایسے وصف کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے جس کا حکم کی علت بن جانا درست ہے۔ فقہاء نے حلالہ کے عمل کی کئی صورتیں بیان کی ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ حلالہ کرانے والا حلالہ کرنے والے سے عقد نکاح کے دوران کہہ دے کہ: "جب تم اس عورت کا حلالہ کردو تو پھر کوئی نکاح نہیں۔ " یہ اس نکاح کی طرح ہے جو ایک خاص مدت کی خاطر کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس سے عقد کے دوران کہے "جب تم حلالہ کر چکو تو اسے طلاق دے دینا۔ " تیسری صورت یہ ہے کہ طرفین حلالہ کے عمل پر گٹھ جوڑ کر لیں اور عقد کے وقت حلالہ کی نیت دل میں پوشیدہ ہو اور اس نکاح کو مستقل طور پر باقی رکھنا مقصود نہ ہو۔ حدیث میں مذکورہ لعنت فاسد عقد پر مبنی ان تمام صورتوں کو ظاہری طور پر شامل ہے۔ بعض صورتوں کے بارے میں کسی قوی دلیل کے بغیر اختلاف ہے اس لئے ان پر وقت صرف کرنا بے کار ہے۔

۹۳۷/۲۸ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَنْكِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا مِثْلَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُه ثِقَاتٌ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوڑوں کا سزا یافتہ زانی صرف اپنی مثل سے نکاح کرے۔ " امام احمدؒ اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت پر ایسے مرد کے ساتھ نکاح حرام ہے جس کی زنا کاری ظاہر ہو

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد باب ۵ من النکاح ' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۶' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکی ہو۔ حدیث کے اندر زنا کار مجلود (کوڑوں کا سزا یافتہ) کی صفت کے ساتھ موصوف کرنا ان لوگوں کے حق میں غالب احوال پر مبنی ہے جن کی زنا کاری ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مرد پر ایسی عورت کے ساتھ نکاح حرام ہے جس کی زنا کاری ظاہر ہو چکی ہو۔ یہ حدیث اس ارشاد باری کے موافق ہے: وحرم ذلک علی المؤمنین اور اہل ایمان پر اسے حرام کر دیا گیا۔ سورہ نور آیت ۳) تاہم اکثر علماء نے اس حدیث اور اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ حدیث کے لفظ (ینکح) کا مفہوم یہ ہے کہ کوڑوں کا سزا یافتہ صرف اپنی ہی جیسی عورت کے ساتھ نکاح کی رغبت رکھے گا اور زنا کار عورت زنا کار مرد کے سوا کسی اور سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھے گی۔ اہل علم نے اسی طرح ان دونوں (حدیث اور آیت) کی تاویل کی ہے۔ تاہم حدیث اور آیت کی جس مفہوم پر دلالت ہے وہ نکاح کی نہی ہے۔ مجرد رغبت کی خبر دینا نہیں ہے نیز یہ کہ زنا کار مرد کا پاکدامن عورت سے اور پاکباز مرد کا زنا کار عورت سے نکاح حرام ہے۔ اور ارشاد باری (وحرم ذلک علی المؤمنین) سے زیادہ صریح کوئی اور بات نہیں ہے۔ یعنی ایسے کامل ایمان والے جو زنا کار نہیں، ورنہ اکثر حضرات کے نزدیک زنا کار شخص ایمان کے مصداق سے خارج نہیں ہوتا۔

۹۳۸/۲۹ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَتَزَوَّجَهَا رَجُلٌ. ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، فَأَرَادَ زَوْجُهَا الْأَوَّلُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، فَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: «لَا، حَتَّى يَذُوقَ الْآخَرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الْأَوَّلُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ (۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر ایک اور شخص نے مطلقہ کے ساتھ نکاح کر لیا لیکن تعلق زن و شو کے قیام سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی پھر اس کے پہلے شوہر نے اس سے نکاح کرنا چاہا، جب اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "نہیں اس وقت تک نہیں جب تک دوسرا شوہر پہلے شوہر کی طرح اس کا شہد (۱) چکھ نہ لے۔"
متفق علیہ، روایت کے الفاظ امام مسلم کے ہیں

(۱) عسیلتها، عسیله عسل یعنی شہد کے تصغیر ہے، اسے مونث اس لئے لایا گیا کہ عسل مونث ہے،

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالے :۔ مسلم شریف باب ۱۷ من النکاح، بخاری شریف باب ۴ من النکاح، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۶، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۴۰، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۶۱، ۱۶۲، فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک قول کے مطابق یہ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ عسیلہ سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے انزال مادہ تولید مراد ہے نیز یہ کہ حلالہ کی تکمیل اس کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ حسن بصری کا یہی مسلک ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ شہد چکھنا جماع سے کنایہ ہے اور جماع اسے کہتے ہیں کہ مرد کا حشفہ عورت کی اندام نہانی میں غائب ہو جائے' اور یہ اس قدر کافی ہے جس کے تحت حد زنا اور مہر واجب ہو جاتا ہے۔ الازہری نے کہا ہے کہ درست بات یہ ہے کہ عسیلہ کا مفہوم ہم بستری کی وہ حلاوت اور لطف ہے جو اندام نہانی میں حشفہ کے داخل ہو جانے پر حاصل ہوتا ہے۔ ابو عبید نے کہا کہ جماع کی لذت کو عسیلہ کہتے ہیں۔ عرب کے لوگ ہر پر لطف اور مزیدار چیز کو عسل یعنی شہد کہتے ہیں' حدیث میں اس کا احتمال ہے۔ رہ گیا سعید بن المسیب کا قول کہ عقد صحیح کے ذریعے حلالہ کا عمل مکمل ہو جاتا ہے' تو اس کے متعلق ابن المنذر نے کہا ہے کہ "خوارج کے سوا کسی اور نے سعید بن المسیب کی اس رائے سے اتفاق کیا ہو اس کا ہمیں علم نہیں۔" یہ ممکن ہے کہ سعید کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو اور انہوں نے ظاہر قرآن سے استدلال کر لیا ہو۔ رہ گئی سعید بن جبیر سے اس طرح کی روایت ' تو کسی کتاب میں بھی یہ روایت ان سے مسند (وہ حدیث جس کی سند اتصال کے ساتھ حضورؐ تک مرفوع ہو) صورت میں موجود نہیں ہے۔ ابو جعفر النحاس نے اسے " معانی القرآن " میں نقل کیا ہے اور "شرح الرسالہ" کے اندر عبدالوہاب المالکی نے اس کی پیروی کی ہے۔ ابن الجوزی نے داؤد ظاہری سے سعید بن المسیب کے قول کی طرح قول نقل کیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ باب الكفاءة والخيار

مماثلت اور مساوات کو کفاءت کہتے ہیں ۔ دین میں کفاءت معتبر ہے اس لئے مسلمان عورت کا کافر مرد کے ساتھ نکاح بالا جماع حلال نہیں ہے۔

۹۳۹/۱ - عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ٱلْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْض، وَٱلْمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، إِلَّا حَائِكاً أَوْ حَجَاماً». رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَفِي إِسْنَادِهِ رَاوٍ لَمْ يُسَمَّ، وَٱسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِم.

وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ الْبَزَّارِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ (۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عرب کے لوگ ایک دوسرے کے کفو ہیں' موالی ایک دوسرے کے کفو ہیں سوائے جولاہے اور سینگی لگانے والے کے۔" حاکم نے اس کی روایت کی ہے۔ اس روایت کے اسناد میں بے نام کا ایک راوی ہے۔ ابو حاتم نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے ۔ اس روایت کا البزار کے نزدیک ایک شاہد ہے جس کی روایت ایک منقطع سند کے حوالے سے حضرت معاذ بن جبل سے ہوئی ہے ۔

ابن ابی حاتم نے اس حدیث کے بارے میں اپنے والد سے استفسار کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ: "یہ جھوٹ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔" ایک اور مقام پر اس روایت کو انہوں نے باطل کہا ہے۔ ابن عبدالبر نے "التمہید" کے اندر اس کی روایت کی ہے۔ دار قطنی نے "العلل" کے اندر لکھا ہے کہ "یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔" یہ حدیث ہشام بن عبید نے روایت کی اور پھر اس میں اضافہ کر دیا: "سوائے سینگی لگانے والے اور چمڑہ رنگنے والے کے۔" اس پر چمڑہ رنگنے والوں نے اس کا گھیراؤ کر لیا اور اس کی جان کے درپے ہوگئے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "یہ منکر اور موضوع ہے اور اس کے کئی طرق ہیں لیکن سب کے سب بے بنیاد ہیں۔

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے:۔ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۵' کشف الاستار ۱۴۲۴' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۵' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۲۳۶' ۱۲۶۷' العلل المتناهیه ج ۲ ص ۱۲۸' تاریخ اصفهان ج ۱ ص ۱۹۱ السنن الکبری ج ۷ ص ۱۳۴' ۱۳۵' تذکرة الموضوعات للفتنی ۱۰۸۷' فتح الباری ج ۱' ص ۱۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ایک دوسرے کے کفو ہونے میں عرب کے لوگ یکساں ہیں نیز یہ کہ موالی (آزاد شدہ غلام اور ان کی اولاد) عربوں کے کفو نہیں ہیں۔ کفو ہونے میں کن باتوں کا اعتبار ہوتا ہے؟ اس بارے میں اہل علم کے درمیان بہت زیادہ اختلافات ہیں' تاہم قوی بات وہ ہے جسے امام مالکؒ اور زید بن علی نے اختیار کیا ہے اور حضرت عمرؓ' حضرت ابن مسعودؓ' ابن سیرینؒ اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے منقول ہے۔ اور الناصر کا بھی ایک قول یہی ہے کہ کفو کے اندر دینداری کا اعتبار ہو گا کیونکہ ارشاد باری ہے (ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم) اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیز گار ہو گا ---- سورہ الحجرات آیت ۱۳) نیز حدیث ہے: "تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں۔" پوری حدیث اس طرح ہے "اور لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوی کی بنا پر۔" اس روایت کی تخریج ابن لالیؒ نے کی ہے اور اس کے الفاظ حضرت سہل بن سعد کی روایت کے الفاظ سے قریب قریب ہیں ۔ امام بخاریؒ نے بھی درج بالا قول کی تائید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: "دین کے اندر کفو کا باب"

نیز قول باری: (وھوالذی خلق من الماء بشرا وہی تو ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا) " (سورہ الفرقان آیت ۵۴)" اس طرح امام بخاری نے اس آیت سے بنی آدم کے درمیان مساوات کا مفہوم اخذ کیا ہے۔ اور اس کے متصل بعد بیان کیا ہے کہ حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح سالم کے ساتھ کرا دیا تھا جو ایک انصاری خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے جس کے الفاظ ہیں: "پھر تم دیندار خاتون کو لازم کر لو۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے تم سے جاہلیت کی برائی اور اس کا تکبر ختم کر دیا۔ لوگو' تمام لوگوں کی تو صرف دو قسمیں ہیں: ایک پرہیز گار مومن جو اللہ کے ہاں معزز ہے اور دوسرا بدکار و بد بخت جو اللہ کے ہاں ذلیل ہے۔" پھر آپؐ نے آیت تلاوت کی اور فرمایا: "جس شخص کو سب سے معزز انسان بننا اچھا لگے وہ اللہ سے ڈرے!"۔

(اس روایت میں ایک لفظ "عیبہ" آیا ہے جو حرف عین کے زبر اور زیر کے ساتھ ہے' اس کے معنی برائی کے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں نسب کی طرف التفات کو جاہلیت کی برائی اور اس کا تکبر قرار دیا ۔ پھر ایک مومن شخص کس طرح اسے قابل اعتبار سمجھ کر اس پر کسی شرعی حکم کی بنیاد رکھے گا۔ ایک حدیث میں ہے: "چار باتیں جاہلیت کے امور میں سے ہیں جنہیں لوگ ترک نہیں کریں گے - آپؐ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسب و نسب پر فخر کو ان میں شمار کیا۔ اس حدیث کی روایت ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔ احادیث کے اندر حسب و نسب کے تحت اپنے آپ کو بلند سمجھنے کی مذمت میں بہت سا مواد موجود ہے۔ آپؐ نے بنو بیاضہ کو حکم دیا تھا کہ وہ سینگی لگانے والے ابو ہند کا نکاح کرائیں اور اس موقعہ پر فرمایا تھا کہ: "وہ تو ایک مسلمان آدمی ہے۔" اس طرح آپؐ نے اس سبب کے بارے میں آگاہ کر دیا جو مسلمانوں کے درمیان مساوات کا مقتضی ہے اور وہ ہے اسلام کے وصف میں یکسانیت۔ اس مسئلے کے بارے میں لوگوں سے ایسی عجیب و غریب باتیں منقول ہیں جن کی بنیاد بڑائی اور ترفع کے سوا کسی اور دلیل پر نہیں ہے۔ میں لا الہ الااللہ کا کلمہ پڑھ کر کہتا ہوں کہ کتنی مومن خواتین اپنے اولیاء کی بڑائی اور اپنے آپ کو بلند خیال کرنے کی وجہ سے نکاح سے محروم رہیں۔ اے اللہ ' ہم تیرے سامنے ایسی شرط سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں جسے خواہشات نفس نے جنم دیا اور بڑائی کے تصور نے اس کی پرورش کی۔ یمن کے علاقے میں فاطمی خاندان کی کتنی خواتین ایسی ہیں جو اللہ کی طرف سے انہیں عطا کردہ حق نکاح سے صرف اس بنا پر محروم رہیں کہ ہادویہ مسلک کے بعض افراد نے یہ کہہ دیا تھا کہ فاطمی لڑکی کا نکاح فاطمی لڑکے کے سوا کسی اور سے حلال نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے اس دعوے کے حق میں کسی دلیل کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اس مسلک کے بانی امام ہادی کا یہ مسلک نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے تو اپنی بیٹیوں کا نکاح طبریہ کے رہنے والوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ اور یہ غلط مسلک ان کے بعد امام احمد بن سلیمان کے زمانے میں وجود میں آیا تھا اور ان کے حکمران خاندان نے اس کی پیروی کی تھی اور انہوں نے زبان حال سے کہہ دیا تھا کہ انکی شریف خواتین اپنے جیسے مردوں کے سوا فاطمی مردوں پر حرام ہیں۔ یہ تمام باتیں نہ تو کسی علم پر مبنی تھیں نہ کسی ہدایت نامے پر نہ دیگر ہی کسی روشن کتاب پر ' بلکہ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رویے کے خلاف بات ثابت ہے جس طرح اگلی حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے۔

۹۴۰/۲ - وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا: «أَنْكِحِي أُسَامَةَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اسامہ کے ساتھ نکاح کر لو!" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

یہ فاطمہ قریشیہ فہریہ تھیں۔ انکے بھائی ضحاک بن قیس تھے۔ ان کا شمار سب سے پہلے ہجرت کرنے والی خواتین میں ہوتا تھا ' علاوہ ازیں جمال و کمال اور فضیلت کے زیور سے آراستہ تھیں۔ ان کے شوہر ابو عمرو

---

(۱) حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا حوالہ :۔ مسلم شریف باب ۶ من الطلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن حفص بن المغیرہ نے جب انہیں طلاق دے دی تو عدت گذر جانے کے بعد یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم دونوں نے انہیں پیغام نکاح بھیجا ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "جہاں تک ابو جہم کا تعلق ہے تو وہ اپنی لاٹھی کبھی اپنے کندھے سے نیچے اتارتے نہیں، رہ گئے معاویہؓ تو وہ قلاش ہیں ان کے پاس مال وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے اسامہؓ بن زید سے نکاح کر لو ..... الخ" اس طرح آپؐ نے انہیں اسامہؓ سے نکاح کر لینے کا حکم دیا جب کہ وہ قریشی خاتون تھیں اور اسامہؓ آپؐ کے آزاد کردہ غلام زید کے بیٹے تھے اور اس طرح گویا وہ بھی آپؐ کے آزاد کردہ ہی تھے۔ آپؐ نے انہیں فاطمہؓ کے مذکورہ ہم کفو افراد پر مقدم رکھا اور مجھے نہیں معلوم کہ آپؐ نے فاطمہؓ کے کسی ولی سے یہ مطالبہ کیا ہو کہ وہ اپنا حق ساقط کر دے۔ مصنف کتاب رحمہ اللہ نے اس سے پہلی حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کے بعد یہ حدیث یہاں بیان کر کے گویا یہ اشارہ کر دیا کہ ہم کفو ہونے میں دینداری کے سوا کسی اور چیز کا اعتبار نہیں ہے، اس کے لئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث پیش کی ہے۔

۹۴۱/۳ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يَا بَنِي بَيَاضَةَ، أَنْكِحُوا أَبَا هِنْدٍ، وَانْكِحُوا إِلَيْهِ». وَكَانَ حَجَّاماً، رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالْحَاكِمُ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ(۱).

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے بنی بیاضہ! ابو ہند کا نکاح کراؤ اور اس کے ساتھ نکاح کرو۔" یہ صاحب سینگی لگانے کا کام کرتے تھے۔ ابو داؤد اور حاکم نے عمدہ سند کے حوالے سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

(۱) ان کا نام سیار تھا، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی لگائی تھی۔ یہ بنی بیاضہ کے غلام تھے زیر نظر حدیث کفو کے سلسلے میں نسب کے عدم اعتبار کی دلیل ہے۔ یہ بات صحیح حدیث سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ نے ہالہ بنت عوف سے نکاح کیا تھا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بہن تھیں اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کے ساتھ نکاح کی پیشکش حضرت سلمان فارسیؓ کو کی تھی۔

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۱۰۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۴، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۰۱، السنن الکبری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٩٤٢/٤ ـ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: «خُيِّرَتْ بَرِيرَةُ عَلَى زَوْجِهَا حِينَ عَتَقَتْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ.

وَلِمُسْلِمٍ عَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: «أَنَّ زَوْجَهَا كَانَ عَبْداً»، وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهَا: «كَانَ حُراً». وَالْأَوَّلُ أَثْبَتُ.

وَصَحَّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ عَبْداً(١).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "بریرہؓ جب آزاد ہو گئی تو اسے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیا گیا۔" (متفق علیہ)۔ یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے' امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ بریرہؓ کا شوہر ایک غلام تھا" ان سے ایک روایت میں ہے کہ وہ آزاد شخص تھا' لیکن پہلی روایت زیادہ ثابت (۱) ہے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباسؓ سے صحیح روایت کی ہے کہ وہ غلام تھا۔ (۲)

(۱) اس لئے کہ امام بخاری نے اس جزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ غلام تھا۔ اسی بنا پر اگلے فقرے میں اس کی وضاحت کر دی۔

(۲) علمائے مدینہ نے اس کی روایت کی ہے اور جب علمائے مدینہ کسی چیز کی روایت کریں اور اسے درست سمجھیں تو یہی چیز اصح ہو گی۔ ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے اس روایت کی ان الفاظ میں تخریج کی ہے: "بریرہ کا شوہر ایک سیاہ فام غلام تھا۔ اس کا نام مغیث تھا' پھر نبی صلی علیہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دیا اور عدت گزارنے کا حکم بھی دیا۔" امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ "یہ مغیث تھا' فلاں خاندان کا غلام یعنی بریرہ کا شوہر" بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ "بریرہ کا شوہر ایک سیاہ فام غلام تھا جس کا نام مغیث تھا"" دار قطنی نے کہا ہے کہ عروہؒ کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے مروی روایت کے اندر مغیث کے غلام ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس طرح جعفر بن محر نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ نوویؒ نے کہا ہے کہ "جو حضرات مغیث کے غلام ہونے کے قائل ہیں انکی تائید حضرت عائشہؓ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ مغیث غلام تھے۔ حضرت عائشہؓ اس واقعہ کی چشم دید گواہ ہیں اور وہی بتا رہی ہیں کہ وہ غلام تھے' اس لئے قوت' کثرت اور حفظ کے اعتبار سے ان کے غلام ہونے کا قول

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۱۸ من النکاح ' باب ۱۴' ۱۵' من الطلاق ' مسلم شریف باب ۲ من العتق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجح ہو گیا۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی جب آزاد ہو جائے اور اس کا شوہر غلام ہو تو اسے اپنے شوہر کے ساتھ بسنے یا نہ بسنے کا اختیار مل جاتا ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اگر شوہر آزاد ہو تو پھر اس مسئلے میں اختلاف رائے ہے۔

جمہور کا قول ہے کہ ایسی صورت میں اسے اختیار نہیں ملے گا' انہوں نے کہا ہے کہ شوہر غلام ہونے کی صورت میں اختیار کے ثبوت کی علت یہ ہے کہ بہت سے احکام میں غلام مرد اور آزاد عورت کے درمیان یکسانیت نہیں ہوتی۔ اس لئے جب وہ آزاد ہو جائے تو اس کے لئے یہ اختیار ثابت ہو جائے گا کہ آیا وہ اپنے شوہر کے حبالہ عقد میں باقی رہنا چاہتی ہے یا اس سے علیحدہ ہو جانا چاہتی ہے اس لئے کہ جب نکاح ہوا تھا اس وقت وہ اس اختیار کی اہلیت ہی نہیں رکھتی تھی۔

امام شعبیؒ' ہادویہ اور کچھ دوسرے حضرات کا مسلک یہ ہے کہ اسے اختیار حاصل ہو جائے گا خواہ اس کا شوہر آزاد مرد کیوں نہ ہو۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ بریرہؓ کا شوہر آزاد شخص تھا' تاہم پہلے قول کے قائلین نے اس استدلال کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ محولہ بالا روایت مرجوح ہے اور اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے قول کے قائلین نے مزید کہا ہے کہ جب اس کا نکاح کرایا گیا تھا اس وقت اسے کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کیونکہ اس کے آقا نے اس کا نکاح کرایا تھا خواہ اسے یہ رشتہ ناپسند ہی کیوں نہ تھا۔ پھر جب وہ آزاد ہو گئی تو نئے سرے سے اس کے اندر وہ حالت پیدا ہو گئی جو پہلے نہیں تھی۔ ابن قیم نے کہا ہے کہ "بریرہؓ کو اختیار ملنے کی خبر کے تین ماخذ ہیں۔" پھر انہوں نے دو ماخذوں کا ذکر کر کے انہیں ضعیف قرار دیا پھر تیسرے ماخذ کا ذکر کیا اور یہی سب سے راجح ماخذ ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ آقا نے ملکیت کے حکم کے تحت اس کا نکاح کرا دیا تھا کیونکہ وہ اس کی گردن (ذات) کا مالک تھا نیز اس کے منافع کا بھی' اور عتق اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ گردن یعنی ذات اور منافع دونوں کو آزاد ہونے والے کی ملکیت میں دے دیا جائے۔ یہی عتق کا مقصد اور حکمت ہے اس لئے جب لونڈی اپنی گردن کی مالک بن جاتی ہے تو وہ اپنے منافع کی بھی مالک ہو جاتی ہے' اور منافع بضع (جنسی لذت اندوزی کا حصول) بھی ان میں شامل ہیں' بنابریں اس کے اختیار کے تحت میں اسکے منافع بضع کی ملکیت حاصل کی جا سکے گی اس لئے شارع نے اسے دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کا حکم دیا کہ یا تو وہ اپنے شوہر کی زوجیت ہی میں رہے یا پھر اس سے نکاح فسخ کر لے۔

بریرہؓ کی حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ مذکور ہیں: "تو اپنی ذات کی مالک ہو گئی اس لئے اب اپنے اختیار سے کام لے!" میرے نزدیک یہ بات حکم یعنی اختیار کو بریرہؓ کی اپنی ذات کی مالک ہو جانے پر معلق کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی صورت ہے اور یہ تخییر کی علت کی طرف اشارہ ہے اور یہ چیز خیار کے ثبوت کی مقتضی ہے خواہ وہ کسی آزاد شخص کی زوجیت میں کیوں نہ ہوتی ۔ یہاں ایک مسئلہ اور ہے' وہ یہ کہ کیا لفظ اختیار سے فسخ نکاح واقع ہو جاتا ہے ؟ ایک قول کے مطابق ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث کے لفظ " خیرت" (بریرہ کو اختیار دے دیا گیا) کی اس کے حق میں دلالت ہو رہی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ لفظ فسخ کہنا ضروری ہے ۔ پھر جب آزاد شدہ لونڈی شوہر کی بجائے اپنی ذات کو اختیار کر لے تو شوہر کو رجعت کا حق حاصل نہیں ہو گا' وہ صرف اس کی رضا مندی پر نئے عقد کے ذریعے اس کی طرف رجعت کر سکے گا۔ آزاد ہو جانے کے بارے میں علم ہونے کے بعد اس وقت تک اسے خیار حاصل رہے گا جب تک شوہر اس کے ساتھ ہمبستری نہ کر لے۔ اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے جس کی روایت امام احمدؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے کہ "جب لونڈی آزاد ہو جائے تو اسے اس وقت تک خیار حاصل رہے گا جب تک شوہر اس کے ساتھ ہمبستری نہ کر لے۔ اگر وہ چاہے اس سے علیحدگی اختیار کر لے ' اور اگر وہ اس سے ہمبستری کر لے تو پھر اسے کوئی خیار حاصل نہیں ہوگا۔ دار قطنی نے ان الفاظ میں حدیث کی تخریج کی ہے: اگر وہ تمہارے ساتھ ہمبستری کر لے تو پھر تمہارے لئے کوئی خیار نہیں ہو گا۔" ابو داؤد نے اس کی تخریج ان الفاظ میں کی ہے: " اگر وہ تم سے قربت کر لے تو تمہیں کوئی خیار حاصل نہیں ہو گا۔" یہ روایتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ہمبستری خیار سے مانع ہے حنابلہ کا یہی مسلک ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ زیر نظر حدیث بہت جلیل القدر ہے۔ علماء نے اس کا ذکر اپنی کتابوں میں کئی مواقع پر کیا ہے۔ ' انہوں نے اس کا ذکر زکواۃ میں' عتق میں ' بیع میں اور نکاح میں کیا ہے۔ امام بخاری نے اس کا ذکر بیع میں کیا ہے۔ مصنف کتاب نے اس حدیث سے مستنبط ہونے والے فوائد کو گنوانے میں بڑی طویل بحث کی ہے اور ان کی تعداد ایک سو بائیس تک پہنچا دی ہے ۔ ہم یہاں ان فوائد کا ذکر کریں گے جن کا تعلق ہمارے زیر بحث باب سے ہے ۔

اگر میاں بیوی دونوں غلام اور لونڈی ہوں تو ان میں سے کسی ایک کی بیع جائز ہے۔ نیز شادی شدہ لونڈی کی بیع طلاق نہیں ہو گی' نیز ایسی لونڈی کی آزادی نہ تو طلاق ہو گی اور نہ فسخ ' نیز رقیق (غلام یا لونڈی) کو غلامی سے اپنی گردن چھڑانے کے لئے سعی کرنے کا اختیار ہو گا نیز کفو کا اعتبار آزادی میں ہوتا ہے ۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ زیر نظر حدیث نے لونڈی کی تخییر کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی مالک ہو جاتی ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں ' اس لئے آزادی میں کفو کے اعتبار کا استدلال مکمل نہیں ہے جب کہ اس کا اعتبار اس عورت کی رضا مندی کی بنا پر ساقط ہو جاتا ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو ۔ بریرہؓ کے واقعہ کے سلسلے میں بیان ہوا ہے کہ اس کا شوہر مدینہ کی گلیوں میں اس حالت میں اس کا پیچھا کرتا تھا اور اسکی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے۔ اس کی یہ کیفیت بریرہؓ کے ساتھ اس کی فرط محبت کی وجہ سے ہوگئی تھی۔ اس واقعہ سے لوگوں نے یہ اخذ کیا ہے محبت شرم و حیاء کو ختم کر دیتی ہے اور ایسا شخص معذور سمجھا جاتا ہے جب کہ وہ یہ سب کچھ بے اختیار کر رہا ہو۔ اس لئے اللہ کی محبت میں گرفتار لوگوں کو بھی معذور قرار دیا جائے گا جب ان پر ایسی باتیں سن کر وجد طاری ہو جائے جن کے اندر انکے احوال کی طرف اشارہ ہو اور وجد کی حالت میں ان سے بے اختیار صادر ہونے والی باتوں مثلاً رقص وغیرہ کو نظرانداز کر دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ امر مخفی نہیں کہ بریرہؓ کا شوہر اپنی پیاری بیوی سے بچھڑ جانے پر آنسو بہاتا تھا۔ رہ گیا اللہ سے محبت کرنے والا شخص تو وہ اللہ سے ملنے کے شوق میں اور اس کی ناراضگی کے خوف سے آنسو بہاتا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سن کر آنسو بہایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپؐ کے صحابہ کرام کی نیز ان حضرات کی حالت تھی جنہوں نے صحابہ کرام کی درست طریقے سے پیروی کی تھی۔ رہ گیا رقص کرنا اور تالیاں بجانا تو یہ فاسقوں اور بے حیائی کے علمبرداروں کا طریقہ ہے۔ اللہ سے محبت کرنے والوں اور اس سے ڈرنے والوں کی یہ شان نہیں ہوتی؛ اس لئے زیر نظر حدیث سے لوگوں کی اخذ کردہ درج بالا باتوں پر مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے۔ مصنف کتاب نے "فتح الباری" کے اندر ان باتوں کا ذکر کیا ہے اور پھر ہماری مذکورہ باتوں کے علاوہ بہت سی اور باتیں ذکر کی ہیں اور اس حدیث کے فوائد کی گنتی اس تعداد تک پہنچا دی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ان کے ذکر کردہ بعض فوائد کے اندر خفاء ہے اور ایسا تکلف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے شایان شان نہیں۔

۹۴۳/۵ - وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوزَ الدَّيْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي أُخْتَانِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ، وَأَعَلَّهُ الْبُخَارِيُّ[1].

ضحاک(۱) بن فیروز (۲) دیلمی سے مروی ہے، انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول، میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میری زوجیت میں دو سگی بہنیں ہیں۔"

---

(۱) ضحاک کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۲۴۳، سنن ابن ماجہ ۱۹۵۱، سنن ترمذی ۱۱۲۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۲، السنن الکبری ج ۷ ۱۸۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۳۲۸، ۳۲۹، موارد الظمان ۱۲۷۶، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۷۳، ارواء الغلیل ج ۶ ص ۳۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان دونوں میں سے جسے چاہو طلاق دے دو" امام احمد نے اور نسائی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن حبان ' دار قطنی اور بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے' اور امام بخاری نے اسے معلول قرار دیا ہے

(۱) یہ معروف تابعی ہیں ' انہوں نے اپنے والد سے حدیثوں کی روایت کی ہے ۔

(۲) فیروز (حرف فاء پر زبر' حرف یاء ساکن ' حرف راء پر پیش ' حرف واؤ ساکن اور آخر میں حرف زاء ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔

(۳) انہیں حمیری بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قبیلہ حمیر میں فروکش رہے تھے۔ یہ صنعاء میں بسنے والے ایرانیوں کی اولاد میں سے تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد کی صورت میں آئے تھے۔ انہوں نے مدعی نبوت اسود عنسی کذاب کو سن گیارہ ہجری میں قتل کیا تھا۔ اسود کے ظہور اور قتل ہونے کے درمیان چودہ مہینوں کا وقفہ تھا ' جب یہ اسے قتل کر کے آپ ؐ کے پاس آئے تو اس وقت آپ ؐ مرض الموت میں مبتلا تھے۔

(۴) اسے معلول قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ضحاک نے اپنے والد سے اس کی روایت کی ہے اور ان سے ابو وہب جیشانی (حرف جیم پر زبر' حرف یاء ساکن پھر حرف شین اور نون) نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ "ان میں سے بعض کا بعض سے سماع ہمیں معلوم نہیں ہے۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کافروں کے نکاحوں کا اعتبار ہو گا اگرچہ یہ اسلامی نکاح کے خلاف کیوں نہ ہوں نیز یہ کہ اسلام لانے کے بعد عورت شوہر کی زوجیت سے طلاق کے ذریعے آزاد ہوتی ہے نیز یہ کہ اسلام کے بعد بھی تجدید عقد کے بغیر نکاح باقی رہتا ہے ۔ امام مالک ؒ 'امام احمد ؒ اور امام شافعی ؒ نیز داؤد ظاہری ؒ کا یہی مسلک ہے جبکہ حنفیہ اور ہادویہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف وہی نکاح باقی رہتا ہے جو اسلامی نکاح کے موافق ہو۔ انہوں نے زیر نظر حدیث کی یہ کہہ کر تاویل کی ہے کہ طلاق سے مراد ایک سے علیحدہ ہو جانا اور دوسری بہن کو نئے عقد کے ذریعے اپنی زوجیت میں رکھنا ہے ۔ لیکن یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مذکورہ تاویل زبردستی کی تاویل ہے۔ ذرا یہ سوچنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو اس جیسا خطاب کیسے کر سکتے ہیں جو ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوا تھا اور احکام اسلام سے اسے واقفیت نہیں تھی۔ ان حضرات نے اگلی حدیث کی بھی اسی طرح کی تاویل کی ہے ۔

٦/ ٩٤٤ - وَعَنْ سَالِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : «أَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ أَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نِسْوَةٍ، فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَخَيَّرَ مِنْهُنَّ أَرْبَعاً». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ، وَأَعَلَّهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو زُرْعَةَ، وَأَبُو حَاتِمٍ (۱).

سالم سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ غیلان بن سلمہ جب مسلمان ہوئے تو انکے عقد میں دس بیویاں تھیں' وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ ان میں سے کسی چار کا انتخاب کر لیں۔" امام احمد اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام بخاری' ابو زرعہ اور ابو حاتم نے اسے معلول قرار دیا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے

(۲) یہ فتح طائف کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور ہجرت نہیں کی تھی' یہ ثقیف کے سرکردہ افراد میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ ء خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔

(۳) امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ کے قول کے مطابق یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔ مصنف کتاب نے "التلخیص" میں اس حدیث پر طویل بحث کی ہے۔ تاہم "الارشاد" کے اندر ابن کثیر کی بحث مختصر اور زیادہ مفید ہے۔' انہوں نے اس حدیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:" اسکی روایت دو اماموں ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ نے نیز(شیخین ترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے' اس اسناد کے رجال یعنی راوی کی شرط پر پورا اترتے ہیں۔ تاہم امام ترمذی نے کہا ہے کہ میں نے امام بخاری کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ یہ ایک غیر محفوظ حدیث ہے۔ اور صحیح وہ حدیث ہے جسے شعیب اور دیگر راویوں نے زہری سے روایت کی ہے انہوں کہا ہے کہ:" مجھے محمد بن شعیب ثقفی سے روایت بیان ہوئی ہے کہ غیلان .....الخ"امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ مجھے زہری سے روایت بیان ہوئی ہے۔ انہیں سالم سے اور انہیں اپنے والد سے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص تھا جس نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ اس سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ " تم اپنی بیویوں سے ضرور رجعت کر لو ..... الخ " ابن کثیر نے لکھا ہے کہ " اس حدیث کی روایت کرتے ہوئے امام احمد نے ان دونوں حدیثوں کو اس سند کے اندر یکجا کر دیا ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے جو کچھ کہا ہے وہ اس روایت کے لئے قادح نہیں ہے۔" اور پھر ابن کثیر نے نسائی سے اس حدیث کی روایت بیان کر دی۔ نسائی کی سند کے تمام

---

(۱) سالم کی روایت کا حوالہ :۔ سنن ترمذی ۱۲۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوی ثقہ ہیں۔ تاہم ابن کثیر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ الاثرم نے امام احمد سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث پر لوگوں کا عمل ہے ' اور یہ حدیث اسی حکم کی دلیل ہے جس پر ضحاک کی روایت کردہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ اور جس نے ضحاک کی حدیث کی تاویل کی اس نے اس حدیث کی بھی تاویل کی ہے۔

فائدہ : ثقیف کے ایک شخص کی طرف سے اپنی بیویوں کو طلاق کے واقعہ کی طرف اوپر اشارہ گذرا ہے ' اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے چار بیویوں کا انتخاب کر لیا تھا پھر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اس نے اپنی بیویوں کو طلاق دیکر سارا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا ۔ جب یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے اس سے کہا " میرے خیال میں شیطان جو اوپر کی باتوں کی سن گن لیتا رہتا ہے ' اس نے تمہاری موت کے بارے میں بھی سن لیا ہے ' اور پھر اس نے یہ بات تمہارے دل میں ڈال دی اور تمہیں بتادیا کہ تمہارے دن اب تھوڑے ہی رہ گئے ہیں ۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم اپنی بیویوں سے ضرور رجعت کرو گے اور اپنا مال ضرور واپس لو گے ورنہ میں تمہاری مطلقہ بیویوں کو تمہارا وارث بنا کر تمہاری قبر کو اس طرح سنگسار کرنے کا حکم دوں گا جس طرح ابو رغال کی قبر کو سنگ سار کر دیا گیا تھا .... الخ "

"الوسیط " کے اندر اس شخص کا نام ابن غیلان بتایا گیا ہے ' یہ وہم ہے بلکہ یہ غیلان ہے ' اس سے بڑھ کر وہم کی بات یہ ہے کہ " مختصر ابن الحاجب" میں اسے ابن عیلان (حرف عین کے ساتھ) کہا گیا ہے۔ " سنن ابی داؤد " میں ہے کہ قیس بن الحرث جب مسلمان ہوئے تو انکے عقد میں آٹھ بیویاں تھیں ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لیں۔ " امام شافعی اور بیہقی نے نوفل بن معاویہ سے روایت کی ہے کہ "میں جب مسلمان ہوا تو میری زوجیت میں پانچ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا : " ایک سے علیحدگی اختیار کر لو اور چار کو اپنی زوجیت میں رکھو" میں نے اپنی اس بیوی کو جو سب سے پرانی اور ساٹھ برس سے بانجھ تھی ' جدا کر دیا۔ " حضرت نوفل بن معاویہ حالت اسلام میں ایک سو بیس برسوں تک زندہ رہے جب کہ انہوں نے جاہلیت میں ساٹھ برس گذارے تھے ' حضرت عمرؓ کے کلام میں وراثت سے محروم کرنے کے لئے حیلہ سازی کے ابطال پر دلیل موجود ہے ' نیز یہ کہ شیطان بعض دفعہ بندے کے دل میں وہ بات ڈال دیتا ہے جس کی سن گن اس نے بندے کے احوال کے سلسلے میں ارد گرد سے لی ہوتی ہے ' نیز یہ کہ گنہگار کی قبر کو سزا اور اہانت کے طور پر سنگسار کیا جا سکتا ہے تاکہ لوگ اس جیسے گناہوں کے ارتکاب سے ڈرتے رہیں ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹٤٥/۷ - وَعَنْ ٱبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: «رَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ٱبْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ، بَعْدَ سِتِّ سِنِينَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ. وَلَمْ يُحْدِثْ نِكَاحاً». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ، وَٱلْحَاكِمُ(۱).

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کو چھ سال بعد پہلے نکاح کے تحت ابو العاص بن الربیع کی طرف لوٹا دیا اور نیا نکاح نہیں کرایا" امام احمدؒ، نسائیؒ کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور امام احمد اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے اسناد میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ امام احمدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ " زینبؓ ابو العاص سے چھ سال پہلے اسلام لے آئی تھیں " یہاں اسلام سے مراد انکی ہجرت ہے ورنہ حضرت زینبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیٹیوں کے ساتھ آپؐ کی بعثت کے بعد ہی اسلام لے آئی تھیں۔ انہوں نے غزوہ بدر کے کچھ عرصہ بعد ہجرت کی تھی اور بدر کی جنگ ہجرت نبوی کے دوسرے سال رمضان میں ہوئی تھی اور کافروں پر مسلمان عورتوں کی تحریم ذی قعدہ سن چھ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر ہوئی تھی۔ اس طرح حضرت زینب کا قیام اسکے بعد تقریباً دو سال تک رہا، یہی وجہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ " آپؐ نے دو سال بعد حضرت زینبؓ کو ابو العاص کی طرف واپس بھیج دیا تھا۔" ابو بکر بیہقی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ "اس حدیث کی وجہ معلوم نہیں ہوئی " وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں چھ سال یا تین سال یا دو سال بعد کس طرح آپؐ نے انہیں واپس بھیج دیا کیونکہ یہ بات بعید ہے کہ انکی عدت اتنی مدت تک جاری رہی اور کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے کہ مسلمان عورت اس صورت میں کافر مرد کی زوجیت میں برقرار رہے جب مرد کا مسلمان ہونا عورت کے مسلمان ہونے سے موخر ہو۔ اس بارے میں ابن عبدالبر نے اجماع نقل کیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ بعض اہل ظواہر نے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن انکی تردید بالاجماع کی گئی ہے۔ اور آخر میں اس کے متعلق اختلاف کا ثبوت حضرت علیؓ اور نخعیؒ سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں حضرات سے ابن ابی شیبہ نے اس کی تخریج کی ہے اور امام ابو حنیفہ کے شیخ حماد نے اسی کا فتوی دیا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے کافر جوڑے کے بارے میں نقل کیا ہے جب ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے کہ "وہ اسکی شرمگاہ کا دوسروں سے بڑھ کر مالک ہو گا جب تک عورت اپنے دارالہجرت میں

---

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ترمذی ۱۱۴۳، سنن ابن ماجہ ۲۰۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے۔" ایک اور روایت میں ہے "وہ اس کا دوسروں سے بڑھ کر حقدار ہو گا جب تک عورت اپنے شہر سے نہ نکلے۔" زہریؒ سے ایک روایت میں ہے کہ اگر عورت مسلمان ہو جائے لیکن اس کا شوہر اسلام نہ لائے تو اس صورت میں دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے جب تک سلطان وقت ان کے درمیان علیحدگی نہ کرا دے۔ جمہور کا قول ہے کہ اگر حربی عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر حربی رہے اور اس کی مدخولہ ہو (اس کے ساتھ ہمبستری کر چکا ہو) تو اس صورت میں اگر اس کی عدت کے دوران اس کا حربی شوہر مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہ جائے گا اور اگر عدت گذر جانے کے بعد مسلمان ہو جائے تو دونوں کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی۔ "البحر" کے اندر اسی بات پر اجماع کا دعوی کیا گیا ہے اور ابن عبدالبر نے بھی اسی اجماع کا دعوی کیا ہے' جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ جمہور نے حضرت زینب کے متعلق روایت شدہ حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی عدت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی ۔ یہ واقعہ کافر کی زوجیت میں مسلمان عورت کے رہنے کی تحریم والی آیت کے نزول کے بعد کا ہے اس عورت کی مقدار دو سال کچھ مہینے تھی' اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عورتوں کو حیض تاخیر سے آتا ہے اور حضرت زینب کی عدت چونکہ ختم نہیں ہوئی تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انکے شوہر کی طرف واپس بھیج دیا تھا۔

ایک قول کے مطابق روایت کے الفاظ " پہلے نکاح کے تحت" سے مراد یہ ہے کہ آپؐ نے کسی شرط یا مہر کا مزید اضافہ نہیں کیا' لیکن ابن القیم نے اس تاویل کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ " ہمیں کسی بھی حدیث سے عدت کے اعتبار کا پتہ نہیں چلتا نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورت سے پوچھتے کہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہے یا نہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف اسلام لانا ہی اگر علیحدگی ہوتا تو یہ بائن علیحدگی کی صورت ہوتی' رجعی کی صورت نہ ہوتی' اس لیے اگر اسلام لانا ان کے درمیان فوری علیحدگی کا سبب ہوتا تو عدت کے اندر شوہر دوسروں سے بڑھ کر بیوی کا حقدار نہ ہوتا' لیکن جس بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ایسا نکاح موقوف ہو گا' پھر اگر شوہر بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے ایمان لے آئے تو عورت اس کی بیوی رہے گی اور اگر اس کی عدت گذر جائے تو جس کے ساتھ چاہے نکاح کر لینے کا اسے اختیار ہوگا اور اگر چاہے تو اپنے کافر شوہر کا انتظار کرے' اگر وہ مسلمان ہو جائے تو تجدید نکاح کی ضرورت نہ ہو گی اور وہ اس کی بیوی رہے گی ایسا کوئی بھی شخص ہمارے علم میں نہیں جس نے اسلام لانے کے بعد اپنے نکاح کی تجدید کی ہو بلکہ واقع کے اعتبار سے دو باتوں میں سے ایک وقوع پذیر ہوتی تھی یا تو دونوں کے درمیان علیحدگی ہو جاتی اور عورت کسی اور سے نکاح کر لیتی یا پھر دونوں سابقہ نکاح پر باقی رہتے خواہ مرد کے مسلمان ہونے میں تاخیر کیوں نہ ہو جاتی رہ گئی فوری علیحدگی اور عدت کا اعتبار تو ہمیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک کے تحت فیصلہ سنایا ہو حالانکہ آپ ؐ کے عہد میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد مسلمان ہوئی اور میاں بیوی میں سے ایک کے اسلام لانے کا زمانہ دوسرے کے اسلام لانے کے زمانے سے قریب بھی ہوا اور بعید بھی۔" ابن القیم نے مزید کہا "اگر صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زوجین کو انکے نکاح پر برقرار رکھنے کا عمل نہ بھی ہوتا خواہ ایک کا مسلمان ہونا دوسرے کے مسلمان ہونے سے موخر ہی ہوتا تو بھی ہم اس ارشاد باری کی بنا پر عدت کا اعتبار کئے بغیر اسلام لانے کی وجہ سے فوری علیحدگی کا قول اختیار کرتے (لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن نہ یہ ان کے لیے حلال ہیں اور نہ ہی وہ ان کے لیے حلال ہیں ------ سورہ ممتحنہ آیت ۱۰) نیز ولا تمسکوا عصم الکوافر سورہ ممتحنہ (آیت ۱۰) "پھر ابن القیم نے وہ فیصلے گنوائے جن سے انکے مذکورہ بالا مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک زیر بحث میں ابن القیم کا یہ قول اقرب الاقوال ہے۔

۹٤٦/۸ - وَعَنْ عَمرو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي ٱلْعَاصِ بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ». قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثُ ابْنُ عَبَّاسٍ أَجْوَدُ إِسْنَاداً، وَٱلْعَمَلُ أَجْوَدُ عَلَى حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ(۱).

عمرو بن شعیب سے مروی ہے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کو نئے نکاح کے تحت ابو العاص کی طرف واپس بھیجا تھا" ترمذی نے کہا ہے کہ اسناد کے اعتبار سے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث عمدہ ترین ہے اور عمل عمرو بن شعیب کی ترمذی حدیث پر ہے۔

"الارشاد" کے اندر حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ "امام احمدؒ کے قول کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے' راوی حجاج نے عمرو بن شعیب سے اس حدیث کا سماع نہیں کیا بلکہ محمد بن عبداللہ العرزمی سے اس کا سماع کیا ہے اور العرزمی کی روایت کردہ حدیثیں کچھ بھی نہیں ہیں ' بلکہ صحیح حدیث وہی ہے جس کی روایت حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے۔ بعض وہ حدیث جس کا ذکر زیر نظر حدیث سے پہلے ہوا ہے۔ امام بخاری ترمذی ' دار قطنی اور بیہقی نے اسی طرح کہا ہے اور حفاظ حدیث سے اسی طرح کی رائے نقل کی ہے۔ البتہ ابن عبدالبر عمرو بن شعیب کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دینے اور حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے۔ یعنی وہ حدیث جس کا ذکر

---

(۱) (۱) عمرو بن شعیب کی روایت کا حوالہ:۔ سنن ترمذی ۱۱۴۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر حدیث سے پہلے ہوا ہے' امام بخاری ' امام ترمذی' دار قطنی اور بیہقی نے اسی طرح کہا ہے اور حفاظ حدیث سے اسی طرح کی رائے نقل کی ہے۔ البتہ ابن عبدالبر عمرو بن شعیب کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دینے اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے ساتھ اسے تطبیق دینے کی طرف مائل ہیں۔ اس کوشش میں انہوں نے حضرت ابن عباس کی حدیث کے الفاظ "پہلے نکاح کے تحت" کو "اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا" کے معنی پر محمول کیا ہے ۔ ہم نے ابھی ابھی اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے ۔ رہ گئی عمرو بن شعیب کی مروی حدیث تو اصول اس کی تائید کرتے ہیں اس میں صراحت ہے کہ نئے سرے سے نکاح ہوا نیا مہر مقرر ہوا ' اور صریح بات کو اختیار کرنا قابل احتمال بات کو اختیار کرنے سے اولی ہوتا ہے " (اختتام اقتباس از ابن کثیر) میں (شارح) کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی حدیث کی تاویل کی تردید ان کی اس تصریح سے ہو جاتی ہے کہ "آپؐ نے کوئی نئی گواہی قائم نہیں کی اور نہ ہی نیا مہر مقرر کیا " ابن کثیر نے "الارشاد" کے اندر اسکی روایت کی ہے اور اس کی تخریج کی نسبت امام احمد کی طرف کی ہے' رہ گیا امام ترمذی کا یہ قول کہ "عمرو بن شعیب کی حدیث عمل ہے " تو اس سے ان کی مراد اہل عراق کا عمل ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ قوی حدیث کو چھوڑ کر ضعیف حدیث پر ان کا عمل پیرا ہونا ضعیف حدیث کو قوی تو نہیں کرتا البتہ انکے اختیار کردہ عمل کی تضعیف کر دیتا ہے ۔

۹۴۷/۹ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «أَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ، فَتَزَوَّجَتْ، فَجَاءَ زَوْجُهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي كُنْتُ أَسْلَمْتُ وَعَلِمَتْ بِإِسْلَامِي، فَانْتَزَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْآخِرِ، وَرَدَّهَا إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَابْنُ مَاجَهْ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ[1].

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "ایک عورت مسلمان ہو گئی اور اس نے کسی سے نکاح کر لیا پھر اس کا شوہر آیا اور عرض کیا "اللہ کے رسول ' میں مسلمان ہو چکا تھا اور میری بیوی کو بھی میرے مسلمان ہو جانے کی بات معلوم تھی" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس کے موجودہ شوہر سے چھین کر اس کے پہلے شوہر کی طرف واپس کر دیا" امام احمد' ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے ۔
خواہ اس کی عدت گذری چکی ہو یا نہ گذر ہو ۔ یہ حدیث ابن القیم کی اس بحث کے دلائل میں سے ہے ۔

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کا حوالہ :۔ سنن ابی داؤد ۲۲۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور اسکے مسلمان ہونے کی بات عورت کو معلوم ہو تو وہ اس کے عقد نکاح میں رہے گی ' اور اگر اس نے کہیں اور نکاح کر لیا ہو تو یہ باطل نکاح ہو گا اور اسے اس دوسرے شوہر سے چھین لیا جائے گا۔

روایت کے الفاظ "میری بیوی کو میرے مسلمان ہو جانے کی بات معلوم تھی" میں یہ احتمال ہے کہ وہ بیوی کی عدت ختم ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا تھا یا اس سے قبل ' نیز یہ کہ عورت کو اس کی طرف ہر حال میں واپس کر دیا جائے گا نیز یہ کہ دوسرا نکاح کرنے سے پہلے شوہر کے مسلمان ہو جانے کے بارے میں بیوی کو علم ہونا اس کے نکاح کو مطلقاً" باطل کر دیتا ہے۔ خواہ اس کی عدت گذر چکی ہو یا نہ گذری ہو۔ یہ حدیث ابن القیم کی اس بحث کے دلائل میں سے ایک ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں ۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ استفسار نہ کرنا کہ عدت ختم ہو جانے کے بعد اسے شوہر کے مسلمان ہو جانے کا علم ہوا تھا یا اس سے پہلے ہوا تھا ' اس بات کی دلیل ہے کہ عدت کا کوئی کردار نہیں ' تاہم ابن القیم کی گذشتہ بحث پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ: "عدت گذر جانے کے بعد جس سے چاہے نکاح کر لے۔" والی بات صرف اس صورت میں پوری ہو سکتی ہے کہ وہ عدت کے اندر ہی نکاح کر لے۔ شارح رحمہ اللہ نے اسی طرح کہا ہے لیکن اس کا قابل اشکال ہونا کسی سے مخفی نہیں ہے اس لئے کہ اگر دوسرے شخص سے نکاح پہلے شوہر کیوجہ سے لاحق ہونے والی عدت گذر جانے کے بعد ہوا ہو تو اس کا یہ نکاح درست ہو گا اور اگر عدت گذرنے سے پہلے ہوا ہو تو یہ نکاح باطل ہو گا الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ شوہر اس وقت مسلمان ہو گیا تھا جب کہ بیوی ابھی عدت میں تھی ' اور جب شوہر بیوی کی عدت کے دوران مسلمان ہو جائے تو دونوں کے درمیان سابقہ نکاح باقی رہتا ہے اس لئے شوہر کے مسلمان ہو جانے کے بعد عورت کا کسی اور سے نکاح باطل ہو گا کیونکہ عورت ابھی اپنے اصل شوہر کے عقد نکاح کے اندر ہو گی۔ یہ بات اقرب ہے۔

۹۴۸/۱۰ - وَعَنْ زَيْدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: تَزَوَّجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَالِيَةَ مِنْ بَنِي غِفَارٍ، فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ وَوَضَعَتْ ثِيَابَهَا، رَأَى بِكَشْحِهَا بَيَاضاً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْبَسِي ثِيَابَكِ، وَالْحَقِي بِأَهْلِكِ». وَأَمَرَ لَهَا بِالصَّدَاقِ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَفِي إِسْنَادِهِ جَمِيلُ بْنُ زَيْدٍ، وَهُوَ مَجْهُولٌ، وَاخْتُلِفَ عَلَيْهِ فِي شَيْخِهِ اخْتِلَافاً كَثِيراً[1].

---

(۱) زید بن کعب کی روایت کے حوالے:۔ المستدرک ج ۴ ص ۳۴' مشکل الاثار ج ۱ ص ۲۶۷' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۲۷۴' سنن سعید بن منصور ۸۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زید بن کعب بن عجرہ(۱) سے مروی ہے ' انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار کی العالیہ سے نکاح کیا' پھر جب وہ آپؐ کے پاس خلوت میں آئیں اور اپنے کپڑے اتارے تو آپؐ نے ان کی کوکھ پر سفید دھبہ دیکھا۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے میکے چلی جاؤ۔ آپؐ نے انہیں مہر دینے کا حکم دیا۔ حاکم نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے اسناد میں ایک راوی جمیل بن زید ہے۔ یہ مجہول شخص ہے اس کے شیخ کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔

(۱) غفار (حرف غین کے نیچے زیر' پھر حرف فاء اور الف اور پھر حرف راء) یہ ایک معروف قبیلہ ہے۔

(۲) بکشحها' کشح کا لفظ حرف کاف پر زبر' حرف شین ساکن اور پھر حرف حاء کے ساتھ ہے۔ کمر سے لیکر پسلیوں تک کے حصے کو کشح کہا جاتا ہے (یعنی کوکھ) قاموس میں اسی طرح ذکر ہے۔

(۳) جمیل سے اس حدیث کی روایت میں اختلاف ہے' ایک قول کے مطابق اس کی روایت جمیل سے ہے جیسا کہ مصنف کتاب نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی روایت حضرت ابن عمرؓ سے ہے ' تیسرے قول کے مطابق حضرت کعب بن عجرہ سے ہے اور چوتھا قول ہے کہ کعب بن زید سے ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ برص کی بیماری مریض سے دوسرے افراد کو نفرت دلاتی ہے لیکن اس کی صریح دلالت اس امر پر نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اپنے میکے چلی جاؤ" میں احتمال ہے کہ آپؐ نے یہ فرما کر طلاق دینے کا ارادہ کیا ہو' تاہم ابن کثیر نے یہ حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار کی ایک خاتون سے نکاح کیا۔ جب وہ خلوت میں آپؐ کے پاس آئیں تو آپؐ نے اس کی کوکھ پر ایک سفیدی دیکھی۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے انہیں انکے گھر لوٹا دیا اور فرمایا: تم لوگوں نے میرے ساتھ تدلیس (فریب کاری) سے کام لیا۔" یہ بات فسخ نکاح پر دلالت کرتی ہے۔

ابن کثیر نے اس حدیث کو نکاح کے اندر خیار اور عیب کی وجہ سے واپس کر دینے کے باب میں بیان کیا ہے۔ عیوب کی وجہ سے فسخ نکاح کے مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ اس کے ثبوت کے قائل ہیں اگرچہ تفصیلات کے اندر ان کا اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ بیویوں کو صرف چار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باتوں کی وجہ سے واپس کیا جائے گا: دیوانگی ' جذام ' برص اور اندام نہانی میں بیماری کی وجہ سے۔ اس روایت کے اسناد میں انقطاع ہے ۔ بیہقی نے عمدہ اسناد کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ "چار قسم کی عورتیں ایسی ہیں جن کی نہ خرید و فروخت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ان سے نکاح کیا جا سکتا ہے: دیوانی' کوڑھن ' برص زدہ اور فرج کی بیماری والی۔" اس میں مرد بھی عورت کا شریک ہے اور اسے بھی اس کے عضو تناسل کٹے ہونے نیز نامردی کی وجہ سے واپس کر دیا جائے گا۔ نامردی کے بارے میں اختلاف ہے۔ نفرت دلانے والے امور کی انواع و اقسام کے بارے میں بھی اختلاف رائے ہے۔ ابن القیم کے نزدیک مختار صورت یہ ہے کہ ہر وہ عیب جو جوڑے کے ایک فرد کو دوسرے سے نفرت دلائے اور جس کی وجہ سے مقصود نکاح یعنی باہمی الفت اور ہمدردی حاصل نہ ہو' خیار کو واجب کر دیتا ہے اور یہ خیار بیع کے خیار سے اولی ہے جس طرح نکاح کے اندر مذکورہ شرطیں بیع کے اندر مذکورہ شرطوں سے بڑھ کر پوری کی جانے کی مستحق ہوتی ہیں ۔ ابن القیم نے کہا ہے کہ: "جو شخص شرع کے مصادر ' اسکے موارد ' اس کے عدل اور اسکی حکمت نیز اسکے مشمولہ مصالح کی روشنی میں اس کے مقاصد پر غور کرے گا اسکی نظروں میں درج بالا قول کا راجح ہونا اور شریعت کے قواعد سے اس کا قریب ہونا مخفی نہیں رہے گا۔" انہوں نے مزید کہا ہے کہ "دو یا تین یا چار یا پانچ یا چھ یا سات یا آٹھ عیبوں پر اقتصار کر لینا اور ان سے جو بڑھ کر ہوں یا انکے مساوی ہوں انہیں نظر انداز کر دینا اسکی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اندھا پن ' گونگا پن ' بہرا پن ' دونوں ہاتھوں یا پیروں یا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کا کٹا ہونا نفرت دلانے والی باتوں میں سے بڑی باتیں ہیں اور انکے بارے میں خاموشی اختیار کرنا قبیح ترین تدلیس اور دھوکہ بازی ہے اور دینداری کے بھی منافی ہے' جب کہ اطلاق کی صورت عیوب سے پاک ہونے کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اس لئے اطلاق عرف کے اعتبار سے مشروط کی طرح ہے ' امیرالمومنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے اس شخص سے جس کی اولاد نہیں ہوتی تھی اور اس نے ایک عورت سے نکاح کر لیا فرمایا تھا کہ " تم اپنی ہونے والی بیوی سے کہہ دو کہ تم بانجھ ہو " تو پھر آپ ان عیوب کے بارے میں کیا کہیں گے جن کی نسبت سے زیر بحث عیب کمال ہے نقص نہیں ہے۔" داؤد ظاہری اور ابن حزم کا مسلک یہ ہے کہ کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا ' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا زیر نظر حدیث انکے نزدیک ثابت ہی نہیں' اور چونکہ یہ لوگ قیاس کے قائل نہیں ہیں اس لئے فسخ کے بھی قائل نہیں ہوئے ۔

۹۴۹/۱۱ ۔ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا فَوَجَدَهَا بَرْصَاءَ، أَوْ مَجْنُونَةً، أَوْ مَجْذُومَةً فَلَهَا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصَّدَاقُ بِمَسِيسِهِ إِيَّاهَا، وَهُوَ لَهُ عَلَى مَنْ غَرَّهُ مِنْهَا». أَخْرَجَهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَمَالِكٌ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ(۱).

سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو شخص بھی کسی عورت سے نکاح کر لے اور پھر ہمبستری کے دوران اسے برص زدہ یا دیوانی یا جذام زدہ پائے تو ہمبستری کی وجہ سے اسے مہر ملے گا اور وہ مہر کی رقم اس شخص سے وصول کرے گا جس نے عورت کے بارے میں اسے دھوکہ دیا ہو۔" سعید بن منصور' امام مالک اور ابن ابی شیبہ نے اسکی روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

عیب کی وجہ سے فسخ نکاح پر بحث گذر چکی ہے اور روایت میں ضمیر (ھو) مہر کی طرف راجع ہے' یعنی ادا شدہ مہر شوہر اس شخص سے وصول کرے گا جس نے اسے دھوکہ دیا ہو۔ امام مالک' الھادی اور اصحاب شافعی کا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ اس شخص کی وجہ سے شوہر کو یہ جرمانہ لاحق ہوا تھا' تاہم ان حضرات نے یہ شرط عائد کی ہے کہ مذکورہ شخص کو اس عیب کا علم ہو' لیکن اگر وہ عیب کے بارے میں لاعلم ہو تو اس پر کوئی جرمانہ عائد نہیں ہو گا۔ حضرت عمرؓ کا قول: "اس شخص پر ہو گا جس نے اسے دھوکہ دیا ہو۔" اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کی طرف سے دھوکہ دہی اس صورت میں ہو گی جب اسے اس کا علم ہو۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مسلک ہے کہ شوہر مذکورہ شخص سے کسی جرمانہ کی وصولی نہیں کرے گا تاہم امام شافعی نے اپنے جدید مسلک کے اندر یہ قول اختیار کیا ہے۔ "الارشاد" کے اندر ابن کثیر نے کہا ہے کہ "امام شافعی نے اپنے قدیم مسلک میں حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے دھوکہ کھانے والے کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ ادا شدہ مہر کی رقم اس شخص سے وصول کرے گا جس نے اسے دھوکہ دیا ہو۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ "جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔" پھر امام شافعی نے اپنے مسلک جدید میں کہا ہے کہ ہم نے اپنی بات اس حدیث کی بنا پر ترک کر دی کہ "جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے اس کا نکاح باطل ہو گا اور شوہر نے اس کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کیا اس لئے اسے مہر ملے گا۔" انہوں نے کہا کہ آپؐ نے باطل نکاح کے اندر عورت کے لئے مہر ثابت کر دیا حالانکہ عورت نے ہی اسے دھوکہ دیا تھا اس لئے صحیح نکاح کے اندر جس میں شوہر کو اختیار حاصل ہوتا ہے' عورت کے لئے مہر کا اس طرح ثابت ہونا کہ دھوکہ دینے والے سے کوئی وصولی نہ کی جائے' بطریق اولی ہو گا۔" یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک مطلق حکم ہے جسے اس باب کی حدیث کے ذریعے مقید کر دیا گیا ہے۔

---

(۱) سعید بن المسیب کی روایت کا حوالہ :۔ موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲/ ۹۵۰ - وَرَوَى سَعِيدٌ أَيْضاً، عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ، وَزَادَ، : «وَبِهَا قَرْنٌ، فَزَوْجُهَا بِالْخِيَارِ، فَإِنْ مَسَّهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا».

سعید بن منصور نے حضرت علی سے بھی اسی قسم کا قول نقل کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: "اور اس کی فرج میں ابھار ہو' تو اس کے شوہر کو خیار حاصل ہو جائے گا اور وہ اس کے ساتھ ہمبستری کر لے گا تو اس کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کرنے کی وجہ سے عورت کو مہر ملے گا۔"

(۱) قرن (حرف قاف پر زبر اور حرف راء پر سکون) غدہ کو کہتے ہیں (حرف عین پر زبر' حرف فاء پر زبر اور حرف لام کے ساتھ) یہ وہ ابھار ہے جو عورتوں کی فرج اور اونٹنی کی پیشاب گاہ میں ہوتا ہے' جس طرح مردوں کے اندر پھولا ہوا خصیہ یعنی فوطہ ہوتا ہے۔

۱۳/ ۹۵۱ - وَمِنْ طَرِيقِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَيْضاً قَالَ: «قَضَى عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْعِنِّينِ أَنْ يُؤَجَّلَ سَنَةً». وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

اور سعید بن المسیب کے طریق سے یہ روایت بھی ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نامرد کے بارے میں ایک سال کی مہلت دینے کا فیصلہ سنایا تھا۔" اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۱) یعنی سعید بن منصور نے سعید بن المسیب کے طریق سے روایت کی ہے۔

(۲) عنین (حرف عین' حرف نون' حرف یاء اور حرف نون کے ساتھ) بروزن سکین وہ شخص ہے جو عضو تناسل میں انتشار پیدا نہ ہونے کے عجز کی وجہ سے ہمبستری کرنے کے قابل نہ ہو اور نہ ہی اس کے دل میں عورت کی خواہش ہو یعنی نامرد' اس کا اسم عنانہ' تعنین اور عنینہ (حرف عین کے نیچے زیر اور نون پر شد کے ساتھ) ہے۔ اور اعنہ بھی اسم ہے یہ اس محاورہ سے نکلا ہے۔ "عتن عن المراۃ" (قاضی نے اسکے بارے میں اپنی بیوی سے نامرد ہونے کا فیصلہ دیا یا جادو کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کے قابل نہ رہا۔)

یہ اثر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نامردی ایک عیب ہے اور اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جائے گا اگر نامردی ثابت ہو جائے' اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ پھر فسخ نکاح کے قائلین کے درمیان شوہر کو اس کی نامردی ثابت کرنے کی خاطر مہلت دینے کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ مہلت ایک سال ہو گی۔ یہ بات حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ حضرت عثمانؓ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروی ہے کہ انہوں نے اسے مہلت نہیں دی تھی۔ حارث بن عبداللہ سے مروی ہے کہ اسے دس ماہ کی مہلت دی جائے گی۔ امام احمد اور الھادی کا مسلک ہے کہ نامردی کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہو گا۔ انہوں نے استدلال کیا ہے کہ عدم فسخ اصل ہے۔ اور زیر بحث اثر کے اندر کوئی دلیل نہیں ہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رفاعہؓ کی بیوی کو نکاح فسخ کر لینے کا اختیار نہیں دیا تھا حالانکہ انہوں نے آپؐ سے اپنے شوہر کی نامردی کی شکایت کی تھی اور موقعہ بھی تعلیم کا تھا۔ "البحر" کے اندر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "ہم یہ کہیں گے کہ ان کے شوہر نے اپنی نامردی سے شاید انکار کیا ہو اور اسے تسلیم نہ کیا ہو' اور ظاہر احوال بھی شوہر کے ساتھ ہے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حضرت رفاعہؓ کی بیوی نے اپنے شوہر کا شکوہ نہیں کیا تھا کیونکہ اصل صورت حال یہ تھی کہ انہوں نے بیوی کو طلاق دے دی تھی پھر ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر کے ساتھ ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنے شوہر کا ان الفاظ میں شکوہ کیا تھا کہ "ان کے پاس جو کچھ ہے وہ تو اس کپڑے کی جھالر کی طرح ہے۔" (یعنی ان کے اندر قوت مردی بالکل مفقود ہے۔) یہ سن کر آپؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم رفاعہ کی طرف واپس چلی جانا چاہتی ہو؟ نہیں تم اس وقت تک ایسا نہیں کر سکتیں جب تک وہ تمہارا شہد اور تم اس کا شہد چکھ نہ لو۔" "الموطاء" کی روایت میں ہے:" رفاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی تمیمہ بنت وہب کو تین طلاقیں دے دیں۔ ان کا نکاح عبدالرحمٰن بن الزبیر کے ساتھ ہو گیا۔ لیکن نئے شوہر نے ان سے بے رخی برتی اور ان کے ساتھ ہمبستری نہ کر سکے چنانچہ انہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر رفاعہ نے ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہا۔ یہ انکے پہلے شوہر تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا: "کیا تم رفاعہ کی طرف واپس جانا چاہتی ہو؟" ..... تا آخر حدیث

اس بیان کے ذریعے رفاعہ کے واقعہ سے استدلال کی صحت معلوم کی جا سکتی ہے' کیونکہ مذکورہ خاتون نے فسخ نکاح کا مطالبہ نہیں کیا تھا لیکن آپؐ نے از خود یہ سمجھا تھا کہ رفاعہ انکی طرف مراجعت کا ارادہ رکھتے ہیں' اور انہیں بتا دیا کہ عبدالرحمان نے چونکہ ان کا شہد نہیں چکھا ہے اور نہ ہی انہوں نے عبدالرحمٰن کا شہد چکھا ہے اس لئے وہ رفاعہ کے لئے حلال نہیں ہو سکتیں۔ اب مذکورہ خاتون کی حدیث کو کس طرح اس مفہوم پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے فسخ نکاح کا مطالبہ کیا تھا۔ امام مالک نے " الموطا" میں روایت کی ہے کہ عبدالرحمٰن ان کے ساتھ ہمبستری نہ کر سکے اس لیے انہیں طلاق دے دی۔ پھر رفاعہ نے جو انکے پہلے شوہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے انکے ساتھ نکاح کرنا چاہا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فتوی پوچھنے آئیں۔ آپؐ نے انہیں بتایا کہ وہ رفاعہ کے لئے حلال نہیں ہوئیں۔ رہ گیا ابو رکانہ کا واقعہ تو وہ اس طرح ہے کہ انہوں نے مزینہ قبیلہ کی ایک خاتون سے نکاح کر لیا۔ اور پھر انکی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ان کا شکوہ کرنے لگیں کہ: "ابو رکانہ بس میرا اتنا ہی کام چلا سکتے ہیں جتنا یہ بال۔" (انہوں نے اپنے سر کا ایک بال لے کر اسکی طرف اشارہ کیا) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حمیت آئی اور آپؐ نے رکانہ اور انکے بھائیوں کو بلا بھیجا اور پھر اپنے رفقاء سے فرمایا: "کیا تم فلاں کو دیکھتے ہو ------ اشارہ " ایک بیٹے کی طرف تھا ---- کہ وہ عبد یزید (رکانہ) کی فلاں فلاں باتوں میں مشابہت رکھتا ہے۔ اور تم فلاں کو دیکھتے ہو ------ اشارہ رکانہ کے دوسرے بیٹے کی طرف تھا ------ کہ وہ عبدیزید کے ساتھ فلاں فلاں باتوں میں مشابہت رکھتا ہے ؟ " صحابہ کرام نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدیزید (رکانہ) سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو۔ چنانچہ انہوں نے طلاق دے دی ..... تا آخر حدیث۔" اس حدیث کی تخریج ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔ اس حدیث سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ رکانہ کی بیوی نے اپنے شوہر کے خلاف جس نامردی کی شکایت کی تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ثابت نہیں ہوئی کیونکہ یہ خلاف اصل تھی نیز یہ کہ آپؐ نے قیافہ شناسی کے ذریعے رکانہ کی اولاد کی شناخت کر لی تھی اور پھر اسکے متعلق اپنے صحابہ کرام کی رائے بھی معلوم کر لی تھی۔ یہ صورت حال اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رکانہ کا نامرد ہونا ثابت نہ ہو سکا۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں طلاق کا حکم دے دیا اور یہ رہنمائی کر دی کہ رکانہ کے لئے بیوی سے علیحدگی ہی مناسب ہے کیونکہ بیوی نے ان سے اسی کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ طلاق دینا ان پر واجب تھا۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ ابن المنذر نے کہا ہے: "اہل علم کا اس عورت کے بارے میں اختلاف ہے جو اپنے شوہر سے ہمبستری کا مطالبہ کرے۔ اکثر حضرات نے کہا ہے کہ اس کے ساتھ تعلق زن و شو قائم ہونے کے بعد اگر وہ ایک مرتبہ بھی ہمبستری کر چکا ہو تو اسے نامرد والی مہلت نہیں دی جائے گی۔ اوزاعی' سفیان ثوری' امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور اسحاق کا یہی مسلک ہے۔ ابو ثور نے کہا ہے کہ اگر اس نے کسی بیماری کی وجہ سے ہمبستری چھوڑ رکھی ہو تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی اور اگر کوئی بیماری نہ ہو تو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ "تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کو جماع کا حق حاصل ہے اس لئے اگر وہ بے خبری میں کسی مقطوع الذکر یا کسی نامرد سے نکاح کر لے تو اس کے لئے خیار ثابت ہو جائے گا۔ نامرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی تاکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی نامردی دور ہونے کو آزمایا جا سکے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ ان حضرات نے کسی قابل ذکر دلیل سے ایک سال کی مقدار پر استدلال نہیں کیا۔ بس فقہاء نے یہ ذکر کیا ہے کہ ایک سال کی مدت مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب سال کے چاروں موسم اس پر سے گذر جائیں گے تو پھر اس کی حالت واضح ہو جائے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب عشرة النساء

لفظ العشرة حرف عین کے نیچے زیر' حرف شین ساکن کے ساتھ ہے' جس کا مفہوم شوہروں کا اپنی بیویوں کے ساتھ سلوک اور گذارہ ہے۔

۹۵۲/۱ ـ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُد، وَالنَّسَائِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، لَكِنْ أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی عورت کی دبر میں جنسی عمل کرے وہ ملعون ہے۔" ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے۔ الفاظ نسائی کی روایت کے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت ارسال کی وجہ سے معلول ہے۔

یہ حدیث ان ہی الفاظ میں کئی سندوں سے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ اس جماعت میں یہ حضرات شامل ہیں: حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت خزیمہؓ حضرت علی بن طلقؓ حضرت طلق بن علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت جابرؓ حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن عمرؓ حضرت براء' حضرت عقبہ بن عامرؓ حضرت انسؓ اور حضرت ابوذرعہؓ اس روایت کے تمام طرق پر اعتراضات ہیں لیکن کثرت طرق اور راویوں کے متفرق ہونے کی وجہ سے اس کے طرق ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

یہ حدیث عورتوں کے ساتھ ان کی دبر میں جنسی عمل کرنے کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ چند کے سوا پوری امت کا اس حدیث کی بنا پر یہی مسلک ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تحریم مباشرت اصل ہے سوائے اس صورت کے جسے اللہ نے حلال کر دیا ہے اور اللہ نے صرف فرج کو اس عمل کے لیے حلال کیا ہے۔ جیسا کہ یہ ارشاد باری اس پر دلالت کرتا ہے: (فاتوا حرثکم انی شئتم تم اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔ سورہ بقرہ آیت ۲۲۳) نیز (فاتوهن من حيث' امر الله' تم ان کے پاس اسی طریقے سے آؤ جس کا اللہ نے

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۱۶۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۹' ۴۴۴' مشکوٰۃ المصابیح ۱۹۳' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۸۰' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمھیں حکم دیا ہے ۔۔۔ سورہ بقرہ آیت ۲۲۲) اللہ نے کھیتی کے مقام کی اباحت کر دی اور کھیتی سے مطلوب فصل کا اگنا ہوتا ہے۔ یہی بات عورتوں کی ہے کہ انکے ساتھ ہمبستری کی غرض نسل کی طلب ہوتی ہے نہ کہ قضائے شہوت۔ اور نسل کی طلب صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب جنسی عمل عورت کی فرج میں کیا جائے۔ اس لئے فرج کے سوا کھیتی کے دوسرے تمام مواضع حرام ہوں گے۔ اس پر دوسرے مواضع کو قیاس نہیں کیا جائے گا کیونکہ فصل حاصل کرنے کے محل کے اعتبار سے ان کے درمیان کوئی مشابہت نہیں ہے' البتہ فرج کے سوا دیگر مقامات سے جنسی لذت اندوزی ایک اور دلیل سے ماخوذ ہے' وہ یہ کہ حائضہ عورت کے ساتھ فرج سے پرے پرے مباشرت جائز ہے ۔ امامیہ کا مسلک ہے کہ بیوی ' لونڈی بلکہ غلام کی دبر میں جنسی عمل کرنا جائز ہے۔ (نعوذ باللہ)

امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ دبر میں جنسی عمل کی تحلیل اور تحریم کے بارے میں کوئی چیز منقول نہیں ہے ۔ اور قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ حلال ہے۔ لیکن الربیع نے کہا ہے کہ: "قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ امام شافعی نے اپنی چھ کتابوں میں اس فعل کی تحریم پر نص کر دی ہے ' اور کہا جاتا ہے کہ امام شافعی اپنے مسلک قدیم میں اس کی حلت کے قائل تھے۔ "الھدی النبوی" میں امام شافعی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا :" میں اس کی رخصت نہیں دیتا بلکہ اس سے روکتا ہوں" "الھدی" کے مصنف نے کہا ہے کہ جس کسی نے ائمہ سے اس فعل کی اباحت نقل کی ہے اس نے ائمہ کے بارے میں ایک انتہائی فاش اور قبیح غلط بیانی کی ہے ۔

ائمہ نے جس چیز کی اباحت کی ہے وہ یہ ہے کہ دبر کی طرف سے عورت کی فرج میں جنسی عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح گویا مرد عورت کی دبر کی طرف سے فرج میں جماع کرے گا نہ کہ دبر میں کرے گا ۔ لیکن یہ بات سامع کے لئے مشتبہ ہو گئی۔ " امام مالک سے اس کا جواز منقول ہے' لیکن اصحاب مالک نے اس کی تردید کی ہے ۔ اس مسئلے پر شارح نے ایک طویل بحث کی ہے جس کے ذکر کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے اور آخر میں اسی بات کی توثیق کر دی ہے کہ یہ فعل حرام ہے اور اس کی تحریم کے دلائل میں سے ایک دلیل اگلی حدیث ہے ۔

۲/۹۵۳ ـ وعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي اللَّهُ عَنْهُما، قال: قال رَسُولُ اللَّهِ صلَّى اللَّهُ عليْه وسلَّم: «لا يَنْظُرُ اللَّهُ إلى رَجُلٍ أتى رَجُلاً أو امْرَأَةً في دُبُرِهَا». رواهُ التِّرْمذيُّ، والنَّسائيُّ، وابْنُ حِبَّان، وأُعِلَّ بالْوَقْف(۲).

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے :۔ سنن ترمذی ۱۱۶۵' السنن الکبری ج ۷ ص ۱۹۸'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اس شخص پر نظر نہیں ڈالے گا جس نے کسی مرد یا عورت کی دبر میں جنسی عمل کیا ہو۔" امام ترمذی، نسائی اور ابن حبان نے اس کی روایت کی ہے۔ اسے وقف کی بنا پر معلول قرار دیا گیا ہے۔ یہ روایت حضرت ابن عباس پر جا کر موقوف ہو گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہے۔ لیکن اس مسئلے میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے خاص طور پر اس قسم کی وعید کے ذکر کی کیونکہ اجتہاد کے ذریعے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ روایت مرفوع روایت کے حکم میں ہے۔

٣/٩٥٤ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْراً، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْراً». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

وَلِمُسْلِمٍ: «فَإِنْ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ، وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا، وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا»(١).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے اور عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو کیونکہ انکی خلقت ایک پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں اس کا بالائی حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اسے سیدھی کرنے لگو تو توڑ ڈالو گے اور اگر اسے چھوڑ دو گے تو وہ اسی طرح ٹیڑھی رہے گی۔ اس لئے عورتوں کے بارے میں بھلی وصیت قبول کرو۔" متفق علیہ

امام بخاری کی روایت میں ہے۔ اگر تم عورت سے لذت اندوزی کرو گے تو اسکی ٹیڑھ پن کے ساتھ ہی لذت اندوزی کر سکو گے اور اسے سیدھی کرنے لگو تو اسے توڑ لو گے طلاق دینا اسے توڑ ڈالنا ہے۔"

---

(١) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے حوالے:۔ مسلم شریف حدیث ٥٩،٦٠ من الرضاع، فتح الباری ج ٩ ص ٢٥٢

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) ضلع (حرف ضاد کی زیر ' حرف لام پر زبر اور سکون کے ساتھ) پسلی کے معنوں میں ہے اور اس کی جمع اضلاع ہے۔

(۲) یعنی انکے متعلق وصیت قبول کرو ' مطلب یہ ہے کہ " میں انکے بارے میں تمھیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں " یا یہ معنی ہیں کہ تم انکے بارے میں ایک دوسرے کو بھلائی کی وصیت کرو۔

(۳) عوج 'زیادہ راجح قول کے مطابق اسکے پہلے حرف کے نیچے زیر ہے ' کجی اور ٹیڑھ پن اس لفظ کا معنی ہے۔ یہ حدیث پڑوسی کے حق کی عظمت کی دلیل ہے نیز یہ کہ جو شخص اپنے پڑوسی کو ستائے گا وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا نہیں ہو گا۔ اس سے اگرچہ لازم آتا ہے کہ پڑوسی کو ستانا کفر ہے اور ستانے والا کافر ہے تاہم اسے مبالغہ پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ پڑوسی کو اذیت نہ دینا دراصل ایمان کا حق ہے ۔ اس لئے کسی مومن کو حدیث میں مذکورہ رویے کے ساتھ متصف نہیں ہونا چاہئے۔ پڑوسی کو ستانے کے عمل کو کبائر میں شمار کیا گیا۔ اس لئے حدیث کے الفاظ کی مراد یہ ہے کہ " جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان کامل رکھتا ہو۔" اللہ نے قرآن میں پڑوسی کے بارے میں وصیت کی ہے۔ پڑوسی ہونے کی حد چالیس گھروں تک ہے۔ جیسا کہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ "ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: "اللہ کے رسول ' میں فلاں قبیلے کے محلے میں مقیم ہوں ' اور ان میں سے جس کا مکان میرے گھر کے قریب ترین ہے وہی میری ایذا رسانی میں سب سے بڑھ کر ہے۔" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ ' حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا کہ مسجد میں جا کر اعلان کر دیں کہ: " چالیس گھروں تک پڑوسی ہیں اور جس شخص کی برائیوں سے اسکے پڑوسی خوف زدہ رہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" طبرانی نے "المعجم الکبیر" اور "المعجم الاوسط " میں روایت نقل کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ ایک صالح مسلمان کے ذریعے اسکے پڑوسیوں کے سو گھروں میں سے برائیوں کو دور کر دیتا ہے۔" اس روایت میں پہلی روایت پر اضافہ ہے ' کسی مومن کو اذیت دینا مطلقاً" حرام ہے ۔ ارشاد باری ہے (والذین یوء ذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا) جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ان کے کسی قصور کے بغیر اذیت دیتے ہیں ' وہ اپنے اوپر ایک بڑے بہتان اور ایک واضح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں ---- سورہ احزاب آیت ۵۸)

لیکن پڑوسی کے حق میں تو اسکی تحریم زیادہ شدید ہے اس لئے اس کی کوئی صورت بھی بخش دینے کے قابل نہیں ہوگی۔ اذیت سے مراد ہر وہ بات ہے جو عرف میں اذیت شمار ہوتی ہو ۔ یہاں تک کہ حدیث میں وارد ہے " وہ اپنے پڑوسی کو (چولھے پر چڑھی ہوئی) اپنی ہنڈیا (میں پکنے والے گوشت وغیرہ) کی خوشبو کے ذریعے بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اذیت نہ دے الا یہ کہ اس کے شوربے کی ایک ڈوئی اس کے لئے بھی بھیج دے' اس سے اسکی اجازت کے بغیر ہوا کی آمدورفت کو بھی نہ روکے اور اگر پھل خریدے تو اس کا کچھ حصہ تحفے کے طور پر اسے بھیج دے۔" امام غزالی کی کتاب "احیاء العلوم" میں پڑوسی کے حقوق پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔

حدیث کے فقرے "انکے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو" کا مفہوم بیان ہو چکا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فقرے کی علت یہ کہہ کر بیان فرما دی ہے کہ "انکی پیدائش ایک پسلی سے ہوئی ہے۔" مراد یہ ہے کہ پیدائشی طور پر ان کے اندر ٹیڑھ پن ہوتا ہے اس لئے کہ انہیں ایک ٹیڑھی اصل سے پیدا کیا گیا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ انکی اصل حضرت حواء ہیں جو حضرت آدم کی ایک پسلی سے پیدا ہوئی تھیں۔ ارشاد باری ہے (وخلق منها زوجها اور اس میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا ---- سورہ نساء آیت ۱) اس سے پہلے ارشاد ہے (خلقكم من نفس واحدة تمھیں ایک جان سے پیدا کیا ---- سورہ نساء آیت ۱) ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ "حواء کی تخلیق آدم کی بائیں جانب کی چھوٹی پسلی سے اس وقت ہوئی جب وہ سو رہے تھے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ ..... الخ" اس بات کی خبر دیتا ہے کہ عورت کی پیدائش پسلی کے سب سے ٹیڑھے حصے سے ہوئی ہے۔ یہ دراصل عورتوں کے لئے ٹیڑھ پن کی صفت ثابت کرنے کی خاطر مبالغہ آمیز تعبیر ہے۔ آپؐ کے ارشاد "تقیمه وکسرته" میں ضمیر غائب پسلی کی طرف عائد ہے کیونکہ ضلع یعنی پسلی کا لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ امام بخاری کی روایت میں تقیمها وکسرتها" کے الفاظ میں یہ بھی احتمال ہے کہ مذکورہ ضمیر عورت کی طرف راجع ہو۔ امام مسلم کی روایت اس بارے میں صریح ہے اسکے الفاظ یہ ہیں: "اسے طلاق دینا اسے توڑ ڈالنا ہے!"

زیر نظر حدیث میں عورتوں کے بارے میں نیک وصیت کا حکم ہے' نیز انہیں برداشت کرنے اور انکی ٹیڑھی فطرت پر صبر کرنے کی بھی تلقین ہے' اور یہ بھی اشارہ ہے کہ انکے اخلاق کو درست کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے بلکہ انکی فطرت میں کجی کی موجودگی از بس ضروری ہے اور یہ کجی انکی اصل فطرت میں شامل ہے۔ حدیث میں مذکور (عوج) کا حرفی اعراب بیان ہو چکا ہے' اہل لغت کا یہ بھی قول ہے کہ اگر یہ لفظ حرف عین پر زبر کے ساتھ ہو تو یہ ہر کھڑی چیز مثلاً دیوار اور لکڑی وغیرہ کے بارے میں ٹیڑھ پن کو بیان کرے گا اور اگر یہ حرف عین کی زیر کے ساتھ ہو تو یہ چٹائی یا دین یا معاش کے اندر موجود ٹیڑھ پن کو بیان کرے گا۔ محاورہ ہے: "فلان فی دینه عوج" (فلاں کی دینداری میں ٹیڑھ پن ہے) اس فقرے میں عوج کا حرف عین مکسور ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٤/٩٥٥ ـ وعنْ جابرٍ قالَ: كُنَّا مَعَ النَّبيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ. فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ. فَقَالَ: «أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلاً ـ يَعْنِي عِشَاءً ـ لكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ، وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(١).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے ۔ پھر جب ہم واپس مدینہ پہنچ گئے اور اپنے اپنے گھر جانے لگے تو آپ" نے فرمایا: "ابھی ٹھہرو' رات یعنی عشاء کے وقت گھر جانا تاکہ بکھرے بالوں والی خاتون کنگھی کر لے اور غائب خاوند والی کو موے زہار صاف کرنے کا موقعہ مل جائے۔" متفق علیہ ' بخاری کی ایک (۲) روایت میں ہے: "جب تم میں سے کوئی ایک عرصے تک گھر سے باہر رہے تو رات کے وقت گھر پر نہ پہنچے"

(۱) الشعثه (حرف شین پر زبر ' عین مکسور' حرف ثاء پر زبر) ایسی عورت جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہوں

(۲) تستحد ۔ حرف سین اور حاء کے ساتھ' واحد مونث غائب کا صیغہ ' موئے زیر ناف صاف کرنے کے لئے استرہ وغیرہ کے استعمال کو استحداد کہتے ہیں۔

(۳) المغیبه' (حرف میم پر پیش ' حرف غین مکسور ' حرف یاء ساکن ' حرف باء پر زبر) اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر سفر وغیرہ کی وجہ سے اس سے غائب رہے۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ گھر آنے والے شخص کے لئے اس قدر توقف کرنا اچھی بات ہے کہ گھر والوں کو اسکی آمد کی اطلاع ہو جائے اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے انہیں کافی وقت مل جائے تاکہ اہل خانہ کو حدیث میں مذکورہ امور یعنی کنگھی کرنے اور استرے وغیرہ کے استعمال کے ذریعے جسم کے ان مقامات سے بال وغیرہ صاف کرنے کا پورا موقعہ مل جائے جہاں سے اس کی صفائی کو عادۃً" پسند کیا جاتا ہے ۔ اور اس طرح وہ اپنے شوہر کی گھر میں آمد سے پہلے اپنی ظاہری ہیئت درست کر لیں ۔ یہ ہدایات اس لئے دی گئی ہیں تاکہ شوہر کی اپنے اہل خانہ پر اچانک آمد نہ ہو اور وہ انہیں غیر مناسب ہیئت میں نہ دیکھے اور ان سے اسے نفرت پیدا

---

(۱) حضرت جابر کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۶' ۵۰' ۱۲۳' مسلم شریف حدیث ۱۸۱ من الامارۃ' حدیث ۵۷ من الرضاع ' سنن ابی داؤد ۲۷۷۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳ ' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۴۲' فتح الباری ۹ ص ۳۴۱' ۳۴۳' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۵۴'

(۲) بخاری کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۵۰' مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہو جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کو یہ طریقہ کار اس وقت اپنانا چاہئے جب وہ ایک طویل عرصے تک سفر میں رہنے کے بعد گھر واپس آ رہا ہو۔ دونوں حدیثوں کی دلالت اسی مفہوم پر ہے۔

(۴) یعنی حضرت جابرؓ سے

(۵) اہل لغت کے نزدیک رات کے وقت سفر وغیرہ سے اہل خانہ کی بے خبری کے عالم میں گھر آنے کو طروق کہتے ہیں۔ رات کے وقت ہر آنے والے کو طارق کہا جاتا ہے اور دن کے وقت آنے والے پر مجازاً اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

حدیث کے لفظ " رات کے وقت " سے بظاہر رات کے ساتھ نہی کی تقیید معلوم ہوتی ہے نیز یہ کہ دن کے وقت گھر والوں کے پاس آمد میں کوئی کراہت نہیں ہے جب کہ انہیں اس کی آمد کی خبر نہ ہو۔ دن اور رات کے درمیان فرق رکھنے کی علت کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ امام بخاری کے ان الفاظ میں باب کا عنوان قائم کر کے علت کی طرف اشارہ کر دیا ہے: "اس امر کا باب کہ ایک شخص رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس نہ پہنچے جب کہ وہ دیر تک گھر سے باہر رہا ہو' تاکہ گھر والوں کی نگرانی یا انکی لغزشوں کی ٹوہ لگانے کا شبہ نہ ہو۔" اس تعلیل کی بنا پر رات علت کا جز ہو گی اس لئے کہ مشکوک سرگرمیاں رات کے وقت ہوتی ہیں اور دن کے وقت ان کا وقوع شاذو نادر ہوتا ہے۔ اگر علت وہی ہو جس کی تصریح حدیث کے الفاظ میں کر دی گئی ہے "تاکہ بکھرے بالوں والی کنگھی کر لے ..... الخ" تو یہ صورت دن اور رات دونوں میں پائی جاتی ہے۔ ایک قول کے مطابق اوپر بیان کردہ دونوں صورتوں کے اندر اس کا اعتبار ہوگا کیونکہ صفائی اور زیب و زینت سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جنسی اتصال کا حصول پوری رغبت کے ساتھ ہو جائے اور یہ بات اکثر احوال میں رات کے وقت ہوتی ہے۔ اس لئے دن کے وقت گھر کے قریب آ جانے والے شخص کو چاہئے کہ وہ ذرا صبر سے کام لے اور بناؤ سنگھار کا موقعہ مل جائے بخلاف اس شخص کے جس کی آمد رات کے وقت ہو۔ اسی طرح گھر میں کسی اجنبی کے وجود سے آگاہ ہو جانے کا خطرہ اکثر رات کے وقت ہوتا ہے۔ ابن خزیمہ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر سے آنے والے شخص کو رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچنے سے منع کر دیا تھا۔ دو آدمیوں نے اس ارشاد کی خلاف ورزی کی اور دونوں رات کے وقت اہل خانہ کے پاس جا پہنچے اور پھر ہر ایک نے اپنی بیوی کے پاس ناپسندیدہ بات دیکھ لی۔"

ابو عوانہ نے " صحیح ابی عوانہ " کے اندر حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ "حضرت عبداللہ بن رواحہؓ رات کے وقت اپنی بیوی کے پاس سفر سے آئے۔ بیوی کے پاس ایک اور عورت بیٹھی کنگھی کر رہی تھی۔ انہوں نے اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرد سمجھ کر اس پر تلوار سونت لی ' جب اس واقعہ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے سامنے ہوا تو آپ نے رات کے وقت اپنے اہل خانہ کے پاس جا پہنچنے سے لوگوں کو روک دیا' زیر نظر حدیث میں لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ اہل خانہ کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ میں لگے رہنے سے پرہیز کریں اور ایسے امور پر ابھارا گیا ہے جن کے نتیجے میں زوجین کے درمیان الفت و محبت پیدا ہو ' نیز یہ کہ اہل خانہ اور دیگر افراد کے بارے میں سوء ظن پیدا کرنے والے امور سے گریز کرنا اور انہیں نہ چھیڑنا اولی ہے۔ حدیث میں یہ بھی دلالت ہے کہ شوہر کے لئے بناؤ سنگھار کی خاطر موئے زہار وغیرہ کی صفائی شرع کے نزدیک پسندیدہ فعل ہے۔ اس میں اللہ کی خلقت کو بدل ڈالنے کا کوئی پہلو نہیں ہے جس کی شریعت میں ممانعت ہے۔

٩٥٦/٥ - وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ(١).

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ کے نزدیک درجہ کے اعتبار سے بد ترین انسان وہ مرد ہو گا جو اپنی بیوی سے ہمبستری کرے اور بیوی اس کے ساتھ ہمبستر ہو اور پھر وہ مرد اس کا راز فاش کر دے۔" امام مسلم نے اس کی تخریج کی ہے۔

(۱) " یفضی الی امراءتہ " کا فقرہ "افضی الرجل الی المراۃ" کے محاورہ سے نکلا ہے۔ یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مرد عورت کے ساتھ جماع کر لے یا اس کے ساتھ تنہائی اختیار کرے خواہ ہمبستری کرے یا نہ کرے ' "القاموس" میں یہی مفہوم بیان ہوا ہے۔

(۲) اور عورت مرد کا راز فاش کر دے

(۳) اس کے الفاظ ہیں " ان من اشر الناس " قاضی عیاض نے کہا ہے کہ "اہل نحو کے قول کے مطابق "اشر" اور "اخیر" جائز نہیں ہے بلکہ یوں کہا جائے گا " "ھو خیر منہ وشر منہ " وہ اس سے بہتر ہے ' وہ اس سے بد تر ہے) انہوں نے کہا ہے کہ " صحیح احادیث کے اندر یہ دونوں لغتیں آئی ہیں جو ان دونوں کے جواز

---

(۱) حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث کا حوالہ:۔ مسلم شریف حدیث ۱۴۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے حجت ہیں نیز اس بات کی بھی حجت ہیں کہ یہ دو نعتیں ہیں۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جنسی عمل کے سلسلے میں جو امور واقع ہوں مرد پر ان کا افشاء حرام ہے ' نیز ہمبستری کی تفصیلات بیان کرنا اور اس دوران عورت کی طرف سے رد عمل کے طور پر سرزد ہونے والے اقوال اور افعال کا ذکر کرنا حرام ہے ۔ کسی ضرورت کے بغیر صرف جماع کا ذکر مکروہ ہے کیونکہ یہ مروت و شرافت کے خلاف ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ: "جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ یا تو کوئی بھلی بات اپنے منہ سے نکالے یا پھر خاموش رہے۔" البتہ اگر جماع کے ذکر کی ضرورت پیش آ جائے اور اس کے ذکر پر کوئی فائدہ ہو مثلاً مرد اپنی بیوی سے رو گردانی کرنے کا انکار کر رہا ہو اور اس موقعہ پر اس کے ساتھ ہمبستری کا ذکر کرے یا بیوی اس کے خلاف جماع سے عاجز ہونے کا ذکر کرے اور وہ اس دعوے کی تردید یا جماع کا ذکر کرے یا ایسی ہی کوئی صورت ہو' تو پھر جماع کے ذکر میں کوئی کراہت نہیں ہو گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور یہ (کسی زوجہ محترمہ کی طرف اشارہ کر کے) مذکورہ فعل کرتے ہیں۔" آپ ؐ نے حضرت ابو طلحہؓ سے پوچھا تھا: "کیا تم نے آج رات شب باشی کی تھی ؟" اور حضرت جابرؓ نے فرمایا تھا:"دانا ہو دانا" "عورت کے لیے بھی مرد کا راز افشاء کرنا جائز نہیں ہے' اس سلسلہ میں ایک نص وارد ہوئی ہے ۔

٩٥٧/٦ - وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا حَقُّ زَوْجِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: «تُطْعِمُهَا إِذَا أَكَلْتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَعَلَّقَ الْبُخَارِيُّ بَعْضَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ(١).

حکیم بن معاویہ سے مروی ہے انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول ' ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے ؟" آپ نے فرمایا: "جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ اور جب خود پہنو تو اسے بھی پہناؤ' اسکے چہرے پر نہ مارو ایسی بات نہ کہو جو اسے بری لگے اور

---

(١) حکیم بن معاویہ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۴۱۴۲' سنن ابن ماجہ ۱۸۵۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶' ۴۴۷ ج ۵ ص ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف گھر میں اس سے کنارہ کشی کرو۔" امام احمد' ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے بعض حصے کا امام بخاری نے تعلیقاً" ذکر کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) حکیم بن معاویہ بن حیدہ (حرف حاء پر زبر' یاء ساکن اور دال کے ساتھ) معاویہؓ صحابی ہیں ان سے ان کے بیٹے حکیم نے روایت کی ہے اور پھر حکیم سے ان کے بیٹے بہز نے روایت کی ہے (یہ لفظ حرف باء پر زبر' حرف ھاء ساکن اور حرف زاء کے ساتھ ہے)

(۲) اصل عبارت " زوج احدنا" ہے' تاء تانیث کے بغیر۔ یہی فصیح لغت ہے اور حرف تاء کے ساتھ زوجہ بھی آتا ہے۔

(۳) انہوں نے کہا ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج سے انکے گھروں کے سوا کہیں اور جا کر کنارہ کشی کرنے کا باب' اور معاویہ بن حیدہ سے اس فقرے کا مرفوع ہونا مذکور ہے کہ " صرف گھر میں اس سے کنارہ کشی کرو " لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔"

زیر نظر حدیث بیوی کے روٹی کپڑے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے نیز یہ کہ شوہر پر بیوی کا خرچہ شوہر کی وسعت کے مطابق واجب ہو گا اور اس کی وسعت سے بڑھ کر اسے اس کا مکلف نہیں بنایا جائے گا کیونکہ آپ ؐ کا ارشاد ہے: " جب تم کھاؤ اسے بھی کھلاؤ ..... الخ " یہ بات اسی طرح کہی گئی ہے تاہم مذکورہ لفظ سے یہ معنی اخذ کرنا واضح نہیں ہے بلکہ اس میں خفاء ہے۔ مرد جس وقت نفقہ حاصل کرنے کی قدرت پائے گا اس پر واجب ہو جائے گا کہ اس نفقہ کو صرف اپنی ذات کے ساتھ خاص نہ کرلے بلکہ بیوی کو بھی اس میں شامل کرے' شاید یہ بات اس مقدار کے ساتھ مقید ہے جو شوہر کی اپنی ضرورت سے زائد ہو کیونکہ حدیث ہے " اپنی ذات سے ابتداء کرو " کپڑوں کے بارے میں بھی یہی قول ہے۔

زیر نظر حدیث میں تا دیباً" پٹائی کے جواز کی دلیل ہے تاہم بیوی وغیرھا یعنی لونڈی کے چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے۔ حدیث کا فقرہ " ایسی بات نہ کہو جو اسے بری لگے " کا مفہوم ہے " ایسی بات نہ سناؤ جو اسے پسند نہ آئے مثلاً تم اسے قبحک اللہ (اللہ تجھے خیر سے محروم کر دے) یا اسی قسم کا کوئی اور فقرہ کہو: "کیونکہ اس میں اجڈ پن اور بد اخلاقی ہے۔ حدیث کے فقرے "اور صرف گھر میں اس سے کنارہ کشی کرو!" سے آپ ؐ کی مراد یہ ہے تادیب کی خاطر خواب گاہ کے اندر بیوی سے کنارہ کشی کر لی جائے' جیسا کہ ارشاد باری ہے (واھجروھن فی المضاجع اور بستروں میں ان سے کنارہ کشی کرو --- سورہ نساء آیت ۳۴) اس لئے صرف شہر کے اندر ہی مرد اس سے کنارہ کشی کرے گا اور کسی اور مکان میں نہ خود منتقل ہو گا اور نہ ہی اسے منتقل کرے گا تاہم بخاری کی جس روایت کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنی ازواج سے انکے گھروں کے سوا کہیں اور جا کر کنارہ کشی اختیار کی تھی اور خود اپنے ایک مشربہ (ایسی نرم زمین جو ہمیشہ سرسبز رہے) کی طرف نکل گئے تھے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ روایت معاویہ کی حدیث سے اصح ہے۔

یہ بحث تو اپنی جگہ رہی، یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ؐ کا فعل بیویوں سے انکے گھروں کے سوا کہیں اور جا کر کنارہ کشی اختیار کر لینے کے جواز پر دلالت کرتا ہے اور معاویہ کی حدیث گھروں کے اندر ان سے کنارہ کشی کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اس صورت میں حصر کا مفہوم مراد نہیں ہو گا۔ ہجر یعنی کنارہ کشی کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

جمہور نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کے پاس جانا ترک کر دے، اور انکے ساتھ اقامت چھوڑ دے۔ یہ تفسیر ظاہر آیت پر مبنی ہے، اس صورت میں یہ لفظ ہجران سے نکلے گا جو بعد اور دوری کے معنوں میں ہے۔ ایک اور قول کے مطابق وہ بیوی کے ساتھ بستر پر لیٹ جائے گا لیکن اپنی پشت اس کی طرف کر لے گا۔ ایک اور قول کے مطابق وہ بیوی کے ساتھ ہمبستری ترک کر دے۔ ایک قول ہے کہ ہمبستری تو کرے لیکن کلام نہ کرے۔ اس لفظ کے ماخذ کے متعلق دوسرا قول ہے کہ یہ لفظ ہجر سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں "بات کرنے میں سخت لہجہ اپنانا۔" ایک قول ہے کہ یہ ہجار سے نکلا ہے جو اونٹ باندھنے والی رسی کے معنوں میں ہے یعنی "انہیں گھروں میں باندھ کر رکھو" یہ بات طبری نے کہی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔ لیکن ابن العربی نے اسے بڑی کچی بات کہا ہے۔

۹۵۸/۷ - وعَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قالَ: كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ: إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ فنزلَتْ: ﴿نِساؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ، فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ [البقرة: ۲۲۳] مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ (۱).

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "یہود کہا کرتے تھے کہ اگر مرد اپنی بیوی کے

---

(۱) حضرت جابر کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف باب ۳۹ من السوق، باب ۲ من کتاب التفسیر، مسلم شریف باب ۱۹ من النکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ اس کی دبر کی طرف سے اس کی فرج میں جنسی عمل کرے تو پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہو گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (نساء کم حرث لکم فاء توا حرثکم انی شئتم تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں تم اپنی کھیتی میں جس طرف سے چاہو آؤ ------ سورہ بقرہ آیت ۲۲۳) متفق علیہ' روایت کے الفاظ امام مسلم کے ہیں۔

بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: "میں نے حضرت جابرؓ کو یہ کہتے سنا تھا کہ یہود کہا کرتے تھے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اس کے پیچھے کی جانب سے جنسی عمل کرے (یعنی اس کی فرج میں' جیسا کہ پہلی روایت سے اسکی تفسیر ہوتی ہے) تو پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہو گا۔ اس پر آیت (نساء کم حرث لکم فاء تو احرثکم انی شئتم) نازل ہوئی۔"

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں تین مختلف اقوال ہیں:۔

پہلا قول وہ ہے جس کا ذکر مصنف کتاب نے روایت شیخین کے تحت کیا ہے کہ یہ بیوی کے ساتھ اس کی فرج میں پیچھے کی طرف سے جماع کرنے کے بارے میں ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے حضرت جابرؓ وغیرہ سے اسی معنی میں حدیث روایت کی ہے جس میں چھتیس طرق یکجا ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض طرق کے اندر یہ صراحت ہے کہ جماع صرف فرج کے اندر ہی حلال ہوتا ہے اور اکثر طرق میں یہود کی تردید ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بیوی کی دبر میں جنسی عمل کی حلت کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اس کی تخریج ایک گروہ نے بارہ طرق سے حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے۔ (لیکن یہ قول باطل ہے کیونکہ یہ زیر بحث آیت کے خلاف ہے --- حاشیہ)

تیسرا قول یہ ہے کہ آیت بیوی سے عزل کرنے کی حلت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اصحاب حدیث کے ائمہ نے حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن عمرؓ اور سعید بن المسیب سے اس کی تخریج کی ہے' تاہم یہ بات مخفی نہیں کہ صحیحین میں مذکورہ بات دوسری باتوں پر مقدم ہے۔

بنابریں پہلا قول راجح ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت میں اختلاف ہے' یہ کہنا کہ اس سے عزل مراد ہے تو یہ بات آیت کے لفظ کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔ ابن الحنفیہ سے روایت ہے کہ قول باری (انی شئتم) کا معنی یہ ہے کہ یہ لفظ (انی) کا بیان ہے جو بمعنی (اذا) ہے' اس صورت میں یہ مذکورہ بالا اسباب نزول میں سے کسی پر دلالت نہیں کرے گی بلکہ اس پر دلالت کرے گی کہ بیوی کے ساتھ ہمبستری کا معاملہ خاوند کی مشیت اور صوابدید کے حوالے ہے۔

۹۵۹/۸ ۔ وعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلَّمَ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ أَبَدًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا چاہے تو اگر اس وقت یہ دعا پڑھے "بسم اللہ ' اے اللہ ' ہمیں شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو ہمارے اس بچے سے دور رکھ جو تو ہمیں دینے والا ہے۔" تو اس ہمبستری کے نتیجے میں بچہ پیدا ہونے کی صورت میں شیطان اسے کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔" متفق علیہ (۱)

(۱) یہ امام مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دعا ہمبستری کے ارادے کے وقت ہمبستری سے پہلے کی جائے۔ یہ روایت اس روایت کی تفسیر کرتی ہے جس کے الفاظ ہیں :" اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت یہ دعا پڑھے ..... تا آخر حدیث " امام بخاری نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔ اس کی تفسیر یہ ہوئی کہ یہاں اس سے مراد " جس وقت وہ ہمبستری کا ارادہ کرے!" روایت کے لفظ (جنبنا) میں ضمیر شوہر اور اسکی بیوی کے لئے ہے ' جب کہ طبرانی کی روایت میں یہ ضمیر مفرد کی صورت میں ہے یعنی "جنبنی وجنب مارزقتنی" (مجھے دور رکھ اور بچے کی صورت میں مجھے جو دے اسے بھی دور رکھ) حدیث کے فقرے " شیطان اسے کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ " کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس پر کبھی بھی مسلط نہیں ہو سکے گا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے "یہاں ضرر کی تمام انواع کے اعتبار سے علی العموم ضرر کی نفی مراد نہیں ہے اگرچہ نفی کے صیغے کے ساتھ تابید (ہمیشگی) کا مفہوم ہونے کی صورت میں بظاہر تمام احوال میں نفی مراد ہوتی ہے۔ ہماری اس بات کی وجہ یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ ہر انسانی بچے کی پیدائش کے وقت شیطان اسکے پیٹ میں انگلی مارتا ہے۔ شیطان کے اس عمل سے صرف حضرت مریم علیہا السلام اور انکے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچ سکے ہیں' یہ انگلی چبھونا فی الجملہ ضرر کی ایک صورت ہے اور اس کے ساتھ یہ نومولود کی چیخ کا بھی سبب ہے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ قاضی عیاض کی یہ بات دینی اور دنیوی ضرر کے عموم پر مبنی ہے۔ جب کہ ایک قول یہ ہے کہ اس سے دینی ضرر مراد ہے اور اس طرح پیدا ہونے والا بچہ اللہ کے ان بندوں میں سے ہوتا ہے جن کے متعلق ارشاد باری ہے (ان عبادی لیس لک علیھم سلطان میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں

---

(۱) حدیث: (صحیح بخاری' الباب ۷۶ من النکاح و صحیح مسلم' الباب ۱۸ من النکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلے گا ۔۔۔ سورہ حجر آیت ۴۲) اس کی تائید حسن بصری سے روایت کردہ اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی تخریج عبدالرزاق نے کی ہے۔ اس میں یہ مذکور ہے "اگر عورت کو حمل ٹھہر گیا تو توقع ہو گی کہ پیدا ہونے والا بچہ نیک ہو گا۔" یہ روایت مرسل ہے لیکن یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی ۔۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے: "یہ احتمال ہے کہ شیطان ایسے بچے کو اسکے دین کے سلسلے میں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے ' لیکن اس سے لازم آتا ہے کہ ایسے بچے کو عصمت یعنی گناہوں سے معصومیت کا درجہ حاصل ہو جائے حالانکہ یہ درجہ صرف انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انبیاء کے حق میں عصمت بطریق وجوب ہوتی ہے جب کہ یہ عصمت اس بچے کے حق میں بطریق جواز ہوتی ہے جس کے لئے زیر نظر دعا مانگی گئی ہو ۔۔ اس لئے ایسے فرد کی موجودگی کوئی بعید بات نہیں ہے جس سے عمداً کسی معصیت کا صدور نہ ہوا ہو اگرچہ یہ بات اسکے لئے واجب نہ بھی ہو۔

ایک قول ہے کہ حدیث کے الفاظ "شیطان اسے کبھی ضرر نہیں پہنچائے گا۔" سے مراد یہ ہے کہ شیطان اسے اسکے دین کے سلسلے میں فتنے میں مبتلا نہیں کر سکے گا کہ وہ کفر تک جا پہنچے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ معصیت سے اسے عصمت حاصل ہو گی۔۔ ایک قول کے مطابق اس کی ماں کے ساتھ اس کے باپ کی بمبستری میں شیطان کی مشارکت اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اس کی تائید مجاہد کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "جو شخص بمبستری کرنے کے موقعہ پر بسم اللہ نہیں پڑھتا شیطان اسکے قضیب کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور جماع میں اسکے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق یہی قریب ترین جواب ہے ۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہاں اس شخص کا ذکر نہیں ہوا جس نے مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے ۔ پھر یہ مرسل روایت ہے علاوہ ازیں زیر نظر حدیث ایک فائدے کی خاطر بیان ہوئی ہے جو پیدا ہونے والے بچے کو حاصل ہوتا ہے' یہ فائدہ اسے مذکورہ بالا تشریح کے تحت حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس تشریح کا قائل شاید یہاں یہ کہے کہ بچے کی ماں کے ساتھ اسکے باپ کی بمبستری میں شیطان کی عدم مشارکت کا فائدہ بھی تو بچے کی طرف لوٹے گا۔

زیر نظر حدیث میں بسم اللہ پڑھنے کا استحباب بیان ہوا ہے اور ہر حالت میں اس کی برکت بیان ہوئی ہے نیز یہ کہ شیطان کے مقابلہ میں اللہ کے نام اور اسکے ذکر کی پناہ حاصل کی جائے اور تمام برائیوں سے اس کی پناہ مانگی جائے اور اسکے نام سے برکت حاصل کی جائے ۔ اس حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ شیطان کسی بھی حالت میں ابن آدم سے الگ نہیں ہوتا ' وہ صرف اس وقت اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٩/٩٦٠ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ أَنْ تَجِيءَ، فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(١).

وَلِمُسْلِمٍ: «كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطاً عَلَيْهَا حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :" جب شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے اور پھر شوہر غصے کی حالت میں رات گذارے تو صبح ہونے تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ " متفق علیہ' روایت کے الفاظ امام بخاری کے ہیں ۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے "اور آسمان پر رہنے والا اس سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔"

(ا) امام بخاری کی بعض روایت میں فقرہ " حتی ترجع " بھی ہے' اس بنا پر پورے فقرے کا مفہوم یہ ہو گا "فرشتوں کی لعنت اس عورت پر جاری رہتی ہے یہاں تک کہ صبح ہو جائے اور دوسری طرف عورت اپنی نافرمانی سے رجوع کر لے۔ " زیر نظر حدیث میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ شوہر جب اپنی بیوی کو ہمبستری کے لئے بلائے تو بیوی پر اسے قبول کر لینا واجب ہو گا۔ اس لئے کہ حدیث کا لفظ "اپنے بستر پر بلائے" ہمبستری سے کنایہ ہے جس طرح یہ کنایہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد " بچہ بستر کا ہے " کے اندر موجود ہے ۔ شوہر کی بات ماننے کے وجوب کی دلیل فرشتوں کی اس پر لعنت ہے۔ کیونکہ فرشتے اللہ ہی کے حکم سے کسی پر لعنت کرتے ہیں اور یہ لعنت سزا کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی اور سزا ترک واجب پر ملتی ہے ۔

حدیث کے الفاظ "یہاں تک کہ صبح کر لے" اس امر کی دلیل ہیں کہ عورت پر رات کے وقت ہی اپنے شوہر کی بات مان لینا واجب ہو گا۔ رات کے ذکر کا یہاں کوئی مفہوم نہیں ہے' صرف اتنی بات ہے کہ غالب احوال کے اعتبار سے اس کا یہاں ذکر ہوا ہے ورنہ دن کے وقت بھی اگر شوہر اپنی خواہش کا اظہار کرے تو اسے پورا کرنا عورت پر واجب ہو گا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس روایت کی مرفوع صورت میں اور رات کی قید سے آزاد شکل میں تخریج کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں :" تین افراد ایسے ہیں جن کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ نہ ہی

(ا) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۳۹' مسلم شریف حدیث ۱۲۲ من النکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انکی کوئی نیکی اوپر جاتی ہے: بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ واپس آجائے' نشے میں ذھت فرد یہاں تک کہ نشہ اتر جائے' ایسی عورت جس سے اس کا خاوند ناراض ہو یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے۔" اگرچہ اس روایت میں شوہر کی ناراضگی کا علی الاطلاق ذکر ہوا ہے۔ خواہ یہ ناراضگی بمبستری کے سوا کسی اور امر کے سلسلے میں ہو اور اس میں لعنت کا بھی ذکر نہیں ہے ' لیکن اس میں شدید وعید کا ذکر ہے جس میں رات یا دن کے وقت بمبستری کے سلسلے میں مرد سے عورت کی نافرمانی بھی داخل ہے ۔ امام بخاری نے "بدء الخلق" کی روایت میں یہ اضافہ کیاہے " وہ یعنی شوہر بیوی پر غصے کی حالت میں رات گذارے"ایک قول کے مطابق اسی اضافے میں لعنت کا ذکر ہے توایسی صورت میں عورت کی نافرمانی کا ثابت ہونا متحقق ہو جائے گا۔ بخلاف اس صورت کے جب شوہراس سے ناراض نہ ہو' پھروہ لعنت کی مستحق نہیں ہو گی ۔

حدیث کے لفظ "فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں" میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ حقدار جب اس شخص سے اپنا حق طلب کرے جس کے ذمہ یہ حق عائد ہو تو اس کی طرف سے اس کی عدم ادائیگی اس پر اللہ کی ناراضگی کو واجب کر دیتی ہے۔ خواہ یہ حق بدنی ہو یا مالی۔ ایک قول کے مطابق زیر نظر حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ گنہگار مسلمان کو معصیت میں مبتلا ہونے سے ڈرانے کی خاطر اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ پھر جب وہ معصیت کر ہی لے تو اب لعنت کی بجائے اسکے لئے توبہ اور مغفرت کی دعا کی جائے گی ۔ مصنف کتاب نے " فتح الباری" کے اندر المہلب سے یہ بات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "یہ تقیید حدیث سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ دیگر دلائل سے یہ مستفاد ہوتی ہے اور حق بات تو یہ ہے کہ جن حضرات نے لعنت کرنے سے روکا ہے انہوں نے لعنت کا لغوی معنی مراد لیا ہے یعنی رحمت سے دور کر دینا۔ یہ بات ایسی ہے کہ ایک مسلمان کے خلاف اس کی دعا مناسب ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کے لئے ہدایت ' توبہ اور معصیت سے رجوع کی دعا ہونی چاہئے دوسری طرف جن حضرات نے لعنت کی اجازت دی ہے انہوں نے اس کا عرفی معنی مراد لیا ہے یعنی مطلق برا بھلا کہنا۔ اور یہ مخفی نہیں ہے کہ اس کا محل و مقام وہ ہے جب اس بات کی توقع ہو کہ عاصی شخص ڈانٹ اور ڈپٹ اور برا بھلا سن کر گناہ کے ارتکاب سے رک جائے گا اور باز آجائے گا۔ فرشتوں کی لعنت سے ہماری لعنت کا جواز لازم نہیں آتا' اس لئے کہ مکلف ہونے کی نوعیتیں مختلف ہیں۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ المہلب کا یہ کہنا قابل رد ہے کہ عاصی کو معصیت میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈرانے کی خاطر لعنت کی جائے گی' اس لئے کہ معصیت میں گرنے سے پہلے اس پر لعنت کرنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ کیونکہ معصیت میں گرنا لعنت کا سبب ہوتا ہے اس لئے سبب کے وقوع سے پہلے مسبب کو واقع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پھر زیر نظر حدیث کے اندر شوہر کی طرف سے بلاوے کو اگر عورت رد کر دے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر لعنت کا ترتب ہوا ہے ' اور اس حدیث "شراب پینے والے پر اللہ کی لعنت ہے " کے اندر شرابی کے شراب پینے کے وصف پر لعنت کا ترتب ہوا ہے۔ پھر حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ " اگر لعنت کا عرفی معنی مراد ہو تو لعنت جائز ہے۔" تو یہ امر مخفی نہیں کہ شارع کے نزدیک اس کا عرفی معنی مراد ہی نہیں ہے۔ اسکے نزدیک تو صرف لغوی معنی مراد ہوتا ہے۔ یہاں تحقیقی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا کہ مذکورہ افراد پر فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ شرابی پر اللہ نے لعنت کی ہے لیکن اس پر لعنت کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اب اگر اس پر لعنت کرنے کا حکم آ جائے تو ہم پر اس کی بجا آوری لازم ہو گی۔ اور جب تک اس کی توبہ کا علم نہ ہو گا اس وقت تک اس پر لعنت ہوگی' اور اس کے حق میں توبہ استغفار کی توفیق کی دعا کرنا ہمارے لئے مستحب ہو گا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ مذکورہ افراد پر فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ اور یہ بات تو معلوم ہے کہ یہ لعنت حکم الٰہی کے تحت ہوتی ہے۔ اللہ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ فرشتے زمین پر رہنے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں' یہ ایک عام حکم ہے جو ان تمام اہل ایمان کو شامل ہے جن پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ آیت میں یہی لوگ مراد ہیں۔ اس لئے کہ نافرمانوں سے اہل ایمان مراد ہیں کیونکہ یہی لوگ استغفار کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ مذکورہ آیت اس ارشاد باری کے ساتھ مقید ہے (ربنا وسعت کل شی رحمہ وعلما فاغفر للذین تابوا) اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم تمام چیزوں سے وسیع ہے اس لئے توبہ کرنے والوں کو بخش دے ---- سورہ غافر آیت ۷) جیسا کہ ایک قول ہے' اس لئے کہ توبہ کر لینے والے کی بخشش ہو جاتی ہے' انکے لئے دعائے مغفرت تو ایک تعبدی امر ہے اور اسکے ذریعے توبہ کرنے والوں کی شان بڑھا دی جاتی ہے۔ حدیث کے اس عموم میں کافر داخل نہیں ہیں۔ اس وضاحت کے ذریعے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ملائکہ نے دونوں کام کئے ہیں جیسا کہ ہم اس کی طرف اشارہ کر آئے ہیں۔

زیر نظر حدیث کے اندر بندے پر اللہ کی نگہبانی کا اور قضائے شہوت کے سلسلے میں بندے کی بات نہ ماننے والی بیوی پر لعنت کا ذکر ہے۔ بندہ حقیر پر مالک الملک کی نگہبانی سے بڑھ کر اور کس کی نگہبانی ہو سکتی ہے۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے آقائے حقیقی کی نعمتوں کو یاد رکھے۔ اسکے احسانات کا شکر گذار رہے اور اس کی نافرمانیوں کے ارتکاب سے ڈرتا رہے' اور رسول اللہ کے کلام کے اس نکتہ عالیہ کو دہراتا رہے۔

۹۶۱/۱۰ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱)..

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے : بخاری شریف ج ۶ ص ۱۸۴' ج ۷ ص ۲۱۴' مسلم شریف باب ۳۳ حدیث ۱۱۷' ۱۱۸' ۱۱۹' سنن ابی داؤد ۴۱۶۸' سنن نسائی باب ۲۲' ۲۳' ۶۵' ۹۷ من الزینہ ' سنن ابن ماجہ ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۱' ۳۳۰' ۴۶۲' ج ۲ ص ۳۳۹' ج ۵ ص ۲۵' مشکل الاثار ج ۲ ص ۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واصلہ (۱)، مستوصلہ (۲)، واشمہ (۳) اور مستوشمہ (۴) پر لعنت کی ہے۔ متفق علیہ

(۱) واصلہ (حرف صاد کے ساتھ) اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بالوں کو جوڑ دیتی ہے خواہ وہ یہ کام اپنے لئے کرے یا کسی اور عورت کے لیے۔

(۲) مستوصلہ وہ عورت ہے جو یہ کام کرائے' شرح کے اندر اضافہ ہے "اور اس کے ساتھ یہ کام کر دیا جائے" لیکن یہ لفظ اس زائد مفہوم پر دلالت نہیں کرتا۔

(۳) واشمہ بروزن فاعلہ (حرف شین کے ساتھ) یہ لفظ وشم سے بنا ہے۔ وہ یہ کہ سوئی یا اسی قسم کی کوئی چیز عورت کی ہتھیلی کی پشت پر یا اس کے لبوں یا اسکے جسم کے کسی اور حصے پر' چبھوئی جاتی رہے یہاں تک کہ خون نکل آئے اور پھر اس مقام کو سرمہ اور چونے سے بھر دیا جائے اور وہ جگہ سبز ہو جائے (ہمارے عرف میں اسے گودنا کہتے ہیں' مترجم)

(۴) مستوشمہ وہ عورت ہے جو یہ کام کرائے۔

یہ حدیث مذکورہ چاروں افعال کی تحریم کی دلیل ہے۔ عورت کے لئے اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال جوڑنا حرام ہے خواہ یہ دوسرے بال حرام ہوں یا حلال' آدمی کے ہوں یا کسی اور کے اور خواہ عورت بناؤ سنگھار والی ہو یا ایسی نہ ہو' شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ اس مسئلے میں شوافع اور ھادویہ کا اختلاف ہے اور اسکی تفصیلات ہیں لیکن انکے حق میں کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ مروی احادیث بال جوڑنے اور انہیں جڑ سے کاٹ ڈالنے کی مطلق تحریم کا فیصلہ سناتی ہیں۔ جس طرح یہ گودنے کا عمل کرنے اور کسی سے یہ عمل کروانے کی مطلق تحریم کا فیصلہ دیتی ہیں۔ لعنت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ معاصی کبائر میں سے ہیں۔ یہ بحث ایک طرف رہی' بعض احادیث میں وشم کی تحریم کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ اللہ کی خلقت کو بدل ڈالنے کے مترادف ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سفید بالوں میں مہندی اور خضاب وغیرہ لگانا بھی اس علت کی زد میں آتا ہے۔ اگر یہ علت اسے شامل بھی ہو تو کہا جائے گا کہ یہ بالاجماع مخصوص ہے نیز یہ کہ مذکورہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ہو چکا ہے بلکہ آپؐ نے عورت کی انگلیوں کی سفیدی کو خضاب کے ذریعے دور کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ہندہ کے قصے میں مذکور ہے۔

بالوں کو ریشمی ٹکڑے وغیرہ سے جوڑنے کے بارے میں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ: "اس مسئلے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء کا اختلاف ہے ۔ امام مالک ' طبرانی اور کثیر لوگوں یا اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ بالوں کے ساتھ کسی بھی چیز کو جوڑنا ممنوع ہے خواہ عورت اون یا ریشمی ٹکڑے کے ساتھ انہیں جوڑ دے یا سوتی ٹکڑوں کے ساتھ۔ انہوں نے امام مسلم کی حضرت جابرؓ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع کیا ہے کہ "عورت اپنے سر کے ساتھ کوئی چیز جوڑ دے۔" لیث بن سعد کا قول ہے کہ نہی بالوں کے ساتھ بالوں کو جوڑنے کے عمل کے ساتھ مختص ہے ' اگر اون یا کپڑے کے ٹکڑوں کے ساتھ جوڑنے کا عمل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہر چیز کے ساتھ جوڑنا جائز ہے۔ حضرت عائشہؓ سے یہی مروی ہے' لیکن ان سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ "رنگین ریشمی دھاگوں وغیرہ سے جو بالوں کے مشابہ نہیں ہوتے' بالوں کو باندھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نہ وصل ہے اور نہ ہی اس کا تعلق وصل کا معنی مقصود سے ہے' یہ تو صرف خوبصورتی پیدا کرنے اور آرائش کے لیے ہوتا ہے" معنی مناسب سے قاضی صاحب کی مراد یہ ہے کہ اس میں شوہر کو دھوکہ دینے کی ذلت آمیز حرکت ہوتی ہے اس لئے بالوں کے ساتھ جوڑی جانے والی چیز کا رنگ اگر بالوں کے رنگ سے جدا ہوگا تو پھر اس میں دھوکہ دہی کا کوئی پہلو نہیں ہو گا۔

۹۶۲/۱۱ ۔ وَعَنْ جُذَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُنَاسٍ، وَهُوَ يَقُولُ: «لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ فَلَا يَضُرُّ ذَلِكَ أَوْلَادَهُمْ شَيْئًا». ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں چند دیگر افراد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' آپؐ اس وقت فرما رہے تھے کہ: "میں نے غیلہ (۲) (دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ ہمبستری) سے منع کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا' پھر میں نے رومیوں اور ایرانیوں کو دیکھا کہ وہ غیلہ کرتے تھے اور ان کا یہ عمل انکی اولاد کو کوئی نقصان نہیں دیتا تھا۔ پھر لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ زندہ درگور کرنے کا ایک مخفی طریقہ ہے۔" امام مسلم نے اسکی روایت کی ہے۔

(۱) جذامہ (جیم پر پیش اور حرف ذال کے ساتھ) حرف دال کے ساتھ بھی مروی ہے لیکن ایک قول کے مطابق یہ تصحیف ہے ' جذامہؓ عکاشہ بن محصنؓ کی بہن ہیں' دونوں کی ماں ایک ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ

(۱) حضرت جذامہؓ کی روایت کے حوالے :۔ مسلم شریف باب ۲۴ من النکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت کی تھی ۔ یہ انیس (تصغیر انس) بن قتادہ کی بیوی تھیں ۔

(۲) غیلہ (حرف غین مکسور اور حرف یاء ساکن اور لام مفتوح کے ساتھ) اسکی تشریح آگے آئے گی۔ یہ حدیث دو مسئلوں پر مشتمل ہے:

پہلا مسئلہ غیلہ کا ہے۔ اسکے حرفی اعراب کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اسے الغیل بھی کہا جاتا ہے (حرف غین اور حرف یاء پر زبر کے ساتھ) اور الغیال بھی (حرف غین کے نیچے زیر کے ساتھ) اس سے مراد عورت کے ساتھ اسکے دودھ پلانے کے زمانے میں ہمبستری کرنا ہے ۔ امام مالک ' اصمعی اور دیگر حضرات نے یہی کہا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت اپنے حمل کے زمانے میں بچے کو دودھ پلائے۔ اطباء کے قول کے مطابق یہ بیماری ہے ۔ عرب کے لوگ اسے ناپسند کرتے اوراس سے بچتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس خیال کی تردید کر دی اور بیان فرما دیا کہ اس عمل سے بچنے کو وہ ضرر لاحق نہیں ہوتا جس کا تصور عرب کے لوگ اور اطباء کرتے تھے۔ آپ ؐ نے یہ بات اس طرح بیان کی کہ ایرانی اور رومی یہ عمل کرتے ہیں لیکن انکی اولاد کو اس سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا ۔ آپ ؐ کا ارشاد "وہ لوگ غیلہ کرتے تھے" (اغال ' یغیل 'اغالہ) سے ماخوذ ہے ۔

دوسرا مسئلہ عزل کا ہے ' یہ لفظ حرف عین پر زبر اور حرف زاء ساکن کے ساتھ ہے ' اس کا مفہوم یہ ہے کہ مرد اپنا عضو تناسل عورت کی فرج میں داخل کرنے کے بعد انزال کے وقت اسے باہر نکال لے تاکہ مادہ تولید کا اخراج اس سے باہر ہو ۔ یہ کام دو میں سے ایک مقصد کے لئے کیا جاتا تھا۔ لونڈی کے ساتھ یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ اسے حمل نہ ٹھہرے کیونکہ لونڈی کے بطن سے بچے کی پیدائش کو ناپسند کیا جاتا تھا ۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حمل کی وجہ سے لونڈی کی فروخت مشکل ہو جاتی تھی۔ آزاد عورت کے ساتھ یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ اس کے حاملہ ہونے کی صورت میں دودھ پینے والے بچے کو پہنچنے والا ضرر ناپسند ہوتا تھا یا اس لئے کہ عورت حاملہ نہ ہو جائے ۔ پوچھنے والوں کے جواب میں آپ ؐ کا یہ فرمانا کہ "یہ زندہ درگور کرنے کا مخفی طریقہ ہے" اس کی تحریم پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ بچی کو زندہ درگور کر دینا" واد " کہلاتا ہے۔ ابن حزم نے اس کی تحریم کا ہی جزم کیا ہے اور زیر نظر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ آزاد عورت سے اس کی اجازت کے تحت اور لونڈی سے اسکی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز ہے۔ آزاد مرد کے ساتھ بیاہی ہوئی لونڈی سے عزل کرنے کے بارے میں ان حضرات کے درمیان اختلاف رائے ہے ۔ جمہور نے کہا ہے کہ زیر نظر یہ حدیث دو حدیثوں کی معارض ہے: پہلی حدیث حضرت جابر ؓ کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: "ہماری لونڈیاں تھیں اور ہم ان سے عزل کرتے تھے۔ یہودیوں نے کہا کہ یہ تو زندہ درگور کی ہوئی بچی کی چھوٹی صورت ہے۔ پھر اس کے متعلق رسول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ ؐ نے فرمایا: "یہود نے جھوٹ کہا! اگر اللہ اسے پیدا کرنا چاہتا تو تم اسے رد نہ کر سکتے۔" نسائی اور ترمذی نے اس روایت کی تخریج کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

دوسری حدیث کی تخریج نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے کی ہے' وہ بھی اسی طرح ہے۔ طحاوی نے کہا ہے کہ ان احادیث کے درمیان اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حدیث جذامہ میں نہی کو تنزیہ پر محمول کیا جائے۔" ابن حزم نے جذامہ کی حدیث کو ترجیح دی ہے نیز یہ کہ اس میں مذکورہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ ترجیح کے سلسلہ میں انہوں نے کہا ہے کہ جذامہ کے سوا دیگر حضرات کی حدیث اصل اباحت کو ترجیح دیتی ہے جب کہ جذامہ کی حدیث اس سے مانع ہے' اس لئے جو شخص یہ دعوی کرے کہ عزل کی ممانعت کے بعد پھر اسکی اباحت ہو گئی تھی اس کے ذمہ کا بیان عائد ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "یہ زندہ درگور کرنے کی محض ایک صورت ہے۔" کی تحریم پر صراحتاً" دلالت کے سلسلے میں ابن حزم ؒ پر اعتراض ہوا ہے' اس لئے کہ تحریم تو حقیقی طور پر زندہ درگور کرنے کی ہے جس کے تحت ایک حقیقی زندگی کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ عزل کے اندر اس مادہ حیات کو قطع کر دیا جاتا ہے جو زندگی تک پہنچانے کا سبب ہوتا ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو "واد" (زندہ درگور کرنے) کے ساتھ تشبیہ دی ہے لیکن مشبہ مشبہ بہ سے کم تر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو اس لئے واد کا نام دیا ہے کہ اس کے ساتھ منع حمل کا قصد متعلق ہے۔ عزل سے نہی کی علت کیا ہے؟" تو احادیث کی دلالت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اس کے اندر قضاوقدر کے ساتھ معاندت کا پہلو موجود ہے۔ اگر علت یہ ہے تو پھر آزاد عورت اور لونڈی کے درمیان فرق نہ ہونے پر اس کی دلالت ہو گی۔

فائدہ: عزل کے بارے میں جو اختلاف آراء ہے اس کی بنیاد پر نطفہ میں روح پڑنے سے پہلے عورت کی طرف سے اسقاط حمل کی تدبیر کا جواز اور عدم جواز نکلتا ہے۔ اس بنا پر جن حضرات نے عزل کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے اسقاط حمل کی تدبیر کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ اور جنہوں نے اسے حرام کہا ہے انہوں نے مذکورہ تدبیر کو بطریق اولی حرام قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ وہ صورتیں بھی ملحق ہیں جنہیں اختیار کر کے عورت حمل کے امکان کو سرے سے ختم کر دیتی ہے۔ بعض شوافع نے ممانعت کا فتوی دیا ہے لیکن یہ فتوی ان کی طرف سے عزل کی مطلق اباحت کے پس منظر میں بڑا پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔

۹۶۳/۱۲ - وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي جَارِيَةً، وَأَنَا أَعْزِلُ عَنْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرِّجَالُ، وَإِنَّ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْيَهُودَ تَحَدَّثُ: أَنَّ الْعَزْلَ الْمَوْءُودَةُ الصُّغْرَى. قَالَ: «كَذَبَتِ الْيَهُودُ، لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصْرِفَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَالنَّسَائِيُّ، وَالطَّحَاوِيُّ. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ(۱).

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! میری ایک لونڈی ہے، میں اس سے عزل کرتا ہوں اور مجھے اس کا حاملہ ہوجانا پسند نہیں ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں جو لوگ چاہتے ہیں۔ لیکن یہود کہتے ہیں کہ عزل زندہ درگور کی ہوئی بچی کی چھوٹی صورت ہے۔" یہ سن کر آپ نے فرمایا: "یہود نے جھوٹ کہا: اگر اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہتا تو تم اسے باز نہ رکھ سکتے۔" امام مسلم اور ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے۔ نسائی اور طحاوی نے بھی اس کی روایت کی ہے اور سند کے تمام لوگ ثقہ ہیں۔

یہ حدیث نہی والی حدیث کی معارض ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو واد خفی (زندہ درگور کرنے کی مخفی صورت) کا نام دیا تھا جب کہ اس زیر نظر اس حدیث میں آپؐ نے یہود کے اس قول کی تکذیب کر دی ہے کہ عزل زندہ درگور کی ہوئی بچی کی چھوٹی صورت ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے درمیان یہ کہہ کر تطبیق کی صورت پیدا کی گئی ہے کہ نہی کی حدیث کو نہی تنزیہ اور تکذیب یہود پر محمول کیا جائے کیونکہ انہوں نے اس سے حقیقی تحریم مراد لی تھی۔

آپؐ کے ارشاد: "اگر اللہ اسے پیدا کرنا چاہتا ..... الخ" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی جان کی تخلیق مقدر کر دیتا ہے تو اس کا پیدا ہونا ضروری ہو جاتا ہے نیز یہ کہ تمہارے مادہ منویہ کا جو حصہ سبقت کر کے عورت کے رحم میں داخل ہو جاتا ہے اسے دفع کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے اور اس بارے میں تمہاری تمنا سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اللہ کی قضاء و قدر کی تکمیل کی خاطر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عزل کرنے والے کے مادہ تولید کا کچھ حصہ سبقت کر کے رحم میں پہنچ جاتا ہے اور اسے اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ امام احمد اور البزار نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے اور ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ: "ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "اگر وہ مادہ تولید جس سے کسی بچے کی پیدائش مقدر ہو، کسی چٹان پر بھی بہا دیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس سے بچہ پیدا کر دے!" اس روایت کے دو شاہد ہیں: ایک شاہد تو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جس کا ذکر طبرانی کی

---

(۱) حضرت ابو سعید خدری کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۱۷۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"المعجم الکبیر" میں ہے اور دوسرا شاہد حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے جس کا ذکر طبرانی کی المعجم الاوسط میں ہے۔

۹٦٤/۱۳ - وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ: «كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَٱلْقُرْآنُ يَنْزِلُ، وَلَوْ كَانَ شَيْئاً يُنْهَى عَنْهُ لَنَهَانَا عَنْهُ الْقُرْآنُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِمُسْلِمٍ: «فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِيَّ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ»(۲).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن بھی نازل ہوتا رہا۔ اگر عزل قابل ممانعت عمل ہوتا تو قرآن ہمیں اس سے روک دیتا۔" متفق علیہ، امام مسلم کی روایت ہے: (۲)"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی لیکن آپؐ نے ہمیں اس سے نہیں روکا۔"(۳)

(۱) امام بخاری نے حضرت جابرؓ کے اس فقرے کی روایت نہیں کی ہے کہ " اگر عزل قابل ممانعت عمل ہوتا ..... الخ " بلکہ اس کی روایت امام مسلم نے ایک راوی سفیان کے کلام میں سے کی ہے۔ بظاہر اس نے استنباط کے طور پر یہ بات کہی ہے۔ مصنف کتاب نے " فتح الباری" کے اندر لکھا ہے کہ " میں نے تمام مسانید کا تتبع کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ سفیان سے اس حدیث کے اکثر راویوں نے اس اضافے کا ذکر نہیں کیا ہے۔" یہاں مصنف نے اس اضافے کو حدیث کا جز بنا دیا ہے۔ یہی بات "العمدہ" کے مصنف سے بھی سرزد ہوئی ہے۔ ابن دقیق العید نے اس اضافے کی شرح کرتے ہوئے حضرت جابرؓ کے اس استدلال کو بڑا عجیب و غریب سمجھا ہے جو انہوں نے اللہ کی طرف سے لوگوں کے لئے عزل کو برقرار رکھنے کی بنیاد پر کیا ہے۔

(۲) یعنی حضرت جابرؓ سے

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگوں کے لئے عزل کو برقرار رہنے دینا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قول کے مطابق قرآن سے حضرت جابرؓ کی مراد وہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی تھی خواہ اس کی تلاوت ایک امر تعبدی تھی یا کچھ اور لیکن وہ آپؐ پر نازل کردہ وحی کا حصہ تھی۔ گویا حضرت جابرؓ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "ہم نے یہ کام تشریع (شرعی قانون سازی) کے زمانے میں کیا، اگر یہ حرام ہوتا تو ہمیں اس پر برقرار رہنے نہ

---

(۱) حضرت جابر کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۹٦ من النکاح، مسلم شریف حدیث ۱۴۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا جاتا۔" ایک قول کے مطابق اس تشریح سے ابن دقیق کا استغراب زائل ہو جاتا ہے' البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں اس امر کا ہونا ضروری تھا کہ انہوں نے یہ فعل کیا ہے۔

زیر نظر حدیث عزل کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس کا مکروہ تنزیہی ہونا جس پر نہی کی احادیث کی دلالت ہے' اسکے جواز کے منافی نہیں ہے۔

٩٦٥/١٤ - وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ». أَخْرَجَاهُ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ(١).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج پر چکر لگاتے اور پھر آخر میں ایک دفعہ غسل کر لیتے۔" بخاری اور مسلم نے اس کی تخریج کی ہے اور روایت کے الفاظ امام مسلم کے ہیں۔

غسل کے باب میں اس پر بحث گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ازواج کے لئے باری مقرر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دن کی ایک گھڑی ایسی تھی جسے ازواج کے ساتھ گذارنے کے لئے باری مقرر کرنا آپ ؐ پر واجب نہیں تھا۔ وہ تھی عصر کے بعد کی گھڑی' اگر آپ ؐ کی یہ گھڑی دیگر امور میں مشغولیت کے اندر گذر جاتی تو مغرب کے بعد یہ گھڑی آتی۔"

ابن العربی نے شاید اپنی یہ بات حضرت عائشہ ؓ کی اس روایت سے اخذ کی ہے جس کی تخریج امام بخاری نے کی ہے کہ: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنی ازواج کے پاس جاتے اور ان میں سے کسی ایک کے قریب جا بیٹھتے۔" روایت کے آخری فقرے میں احتمال ہے کہ شاید آپ ؐ ہمبستری کرتے۔ تاہم بعض روایت میں ہے کہ " یہ قرب ہمبستری کے بغیر ہوتا۔" اس لئے حضرت عائشہ ؓ کی یہ روایت ابن عربی کے قول کا ماخذ تام نہیں بن سکتی۔ امام بخاری نے حضرت انس ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں تمام ازواج پر چکر لگا لیتے تھے۔ اس وقت آپ کی ازواج کی تعداد نو تھی۔"

---

(١) حضرت انس کی روایت کے حوالے:۔ مسلم شریف باب ٦ حدیث ٢٨ من الحیض' مسند احمد ج ٣ ص ٢٢٥' مسند ابی عوانہ ج ١ ص ٢٨٠' شرح السنہ ج ٢ ص ٧۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر رات سے مراد مغرب کے بعد کا وقت ہو جیسا کہ ابن العربی نے کہا ہے تو پھر استدلال تام نہیں ہو گا اس لئے کہ وقت کے اندر اتنی گنجائش نہیں ہوتی خاص طور پر جب کہ عشاء کی نماز کے لئے بھی انتظار ہوتا۔ یہ کسی کا قول ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ قول محض استبعاد ہے یعنی اسے خواہ مخواہ بعید سمجھ لیا گیا ہے ورنہ بظاہر مذکورہ وقت کے اندر اسکی گنجائش موجود ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز موخر کر دیتے تھے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپؐ کو اس کی وہ قوت عطا ہوئی تھی جو کسی اور کو عطا نہیں ہوئی تھی۔ زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی ازواج کے لئے باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا۔ یہی بات اس قول سے ظاہر ہوتی ہے (ترجی من تشاء منھن) ان میں سے آپؐ جسے چاہیں موخر رکھیں ------ سورہ احزاب آیت ۵۱) اہل علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے۔ جب کہ جمہور کا قول ہے کہ آپؐ پر اپنی ازواج کے درمیان باری مقرر کرنا واجب تھا۔ انہوں نے زیر نظر حدیث کی یہ کہہ کر تاویل کی ہے کہ آپؐ باری والی زوجہ محترمہ کی اجازت سے ایسا کرتے تھے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ باریاں ختم ہو جانے کے بعد آپؐ ایسا کر لیتے اور پھر نئے سرے سے باری تقسیم کر دیتے نیز یہ احتمال بھی ہے کہ آپؐ نے یہ طرز عمل باری مقرر کرنے کے وجوب کے حکم سے پہلے اختیار کیا تھا۔

حضرت انسؓ کا قول ہے کہ اس وقت آپ کی ازواج کی تعداد نو تھی۔ اور امام بخاری کی روایت میں ہے کہ " وہ گیارہ تھیں۔ " دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی جائے گی کہ نو کی تعداد بتانے والے کے قول کو ان ازواج کی تعداد پر محمول کیا جائے گا جو آپؐ کے پاس یکجا ہو گئی تھیں۔ آپؐ کے پاس نو سے زیادہ ازواج یکجا نہیں ہوئیں اور آپؐ کی وفات کے وقت بھی یہی تعداد تھی' جیسا کہ حضرت انسؓ کا قول ہے۔ اس کی تخریج الضیاء نے " المختارہ " کے اندر حضرت انس سے کی ہے۔ جن حضرات نے آپؐ کی ازواج کی تعداد گیارہ بتائی ہے انہوں نے ماریہ اور ریحانہ کو بھی ان میں شامل کر لیا ہے اور بطور تغلیب ان پر ازواج کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ زیر نظر حدیث میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجولیت کے اعتبار سے مکمل ترین مرد تھے کہ جس کے نتیجے میں آپؐ کو یہ قوت حاصل تھی۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ آپؐ کو تیس مردوں کی قوت حاصل تھی۔ الاسماعیل کی روایت میں چالیس مردوں کی قوت کا ذکر ہے۔ ابو نعیم سے بھی جنت کی صفت کے سلسلے میں اس طرح کی روایت منقول ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے "اہل جنت کے مردوں میں سے" احمد اور نسائی نے حضرت زید بن ارقم سے روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح روایت قرار دیا ہے۔ "جنت کے اندر مرد کو کھانے پینے 'جماع کرنے اور شہوت میں چالیس آدمیوں کی قوت دی جائے گی"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳ -- باب الصداق (مہر)

الصداق (حرف صاد کے زبر اور زیر کے ساتھ) صدق سے ماخوذ ہے کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی ذات میں سچی دلچسپی اور بڑی رغبت ہے۔ اس لفظ میں سات لغات اور اس کے آٹھ نام ہیں۔ جنہیں درج ذیل شعر میں جمع کر دیا گیا ہے:

صداق و مهر نحله و فريضه حباء واجر ثم عقر علائق

مہر کو صداق ' مہر' نحلہ ' فریضہ ' حباء' اجر ' عقر اور علائق کہا جاتا ہے

ہم سے پہلے لوگوں کے شرائع میں مہر کی رقم عورت کے اولیاء کو ملتی تھی ۔ " المستعذب على المهذب" کے مصنف نے اسی طرح کہا ہے۔

۹۶۶/۱ - عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے صفیہؓ کو آزاد کر دیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ " متفق علیہ

(۱) ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب حضرت ہارون بن عمران کے قبیلے سے تھیں ' یہ ابن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں جو غزوہ خیبر کے موقعہ پر قتل ہو گیا تھا۔ حضرت صفیہؓ جنگی قیدی بن گئیں ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے لئے پسند فرما لیا اور آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا ' اور انکی آزادی کو انکا مہر قرار دیا۔ ان کی وفات سن ۱۵ ہجری میں ہوئی۔ کسی نے تاریخ وفات کچھ اور بھی بتائی ہے ۔

زیر نظر حدیث آزادی کو مہر قرار دینے کی صحت کی دلیل ہے۔ یعنی ایسی تعبیر ہو جس سے یہ معنی معلوم ہو جائے۔ اس معنی کو بیان کرنے کے لئے عبارت کی کیفیت کے بارے میں فقہاء کی کئی تعبیرات ہیں ۔ امام احمد ' اسحاق اور ھادویہ وغیرھم نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے آزادی کو مہر قرار دینے کی صحت کا مسلک اختیار کیا ہے جب کہ اکثر اہل علمؒ نے آزادی کو مہر قرار دینے کی عدم صحت کا مسلک اپنایا ہے ۔ انہوں نے زیر نظر حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو اس شرط پر آزاد کیا تھا کہ آپؐ ان کے ساتھ نکاح کر لیں گے اس لئے انکے ذمہ انکی قیمت آپؐ کے حق میں واجب ہو گئی ' اور یہ

---

(۱) حضرت انس کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۱۳ من النکاح ' مسلم شریف حدیث ۱۳۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیمت معلوم تھی اس لئے آپ ؐ نے اس قیمت کے بدلے ان سے نکاح کر لیا ۔ لیکن یہ تاویل اس بنا پر قابل رد ہے کہ امام مسلم نے جو روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں : " پھر آپ ؐ نے انکے ساتھ نکاح کر لیا اور انکی آزادی کو انکا مہر قرار دیا۔" اس روایت کے راوی عبدالعزیز کہتے ہیں کہ ثابت نے حضرت انس ؓ سے اس حدیث کی روایت کے بعد پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیا مہر دیا تھا ؟ جواب میں انہوں نے فرمایا: "انکی ذات' اور انہیں آزاد کر دیا" یہ الفاظ بظاہر یہی بتا رہے ہیں کہ آپ ؐ نے نفس آزادی کو مہر قرار دیا تھا۔ کسی نے کہا ہے کہ یہ بات حضرت انس ؓ نے از خود سمجھی اور پھر اس کی تعبیر مذکورہ بالا الفاظ میں کر دی اور ہوسکتا ہے کہ انکا یہ فہم درست نہ ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس ؓ الفاظ کو زیادہ پہچاننے والے اور انکی زیادہ سمجھ رکھنے والے تھے' انہوں نے صراحتاً یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادی کو مہر قرار دیا ۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے راوی ہیں اور انکے ثقہ ہونے کے بارے میں حسن ظن اس امر کا موجب ہے کہ افعال کے سلسلے میں انکی روایت کو اسی طرح قبول کر لیا جائے جس طرح اقوال کے بارے میں انکی روایت قبول کر لی گئی ہے ۔ ورنہ پھر افعال و اقوال کا رد لازم آ جائے گا کیونکہ صحابہ کرام نے بہت ہی کم الفاظ نبوی نقل کئے ہیں اور ان حضرات کی اکثر روایتیں روایت بالمعنی کی صورت میں ہوئی ہیں۔ یہ بات معروف ہے ۔ اور روایت بالمعنی کا ستون راوی کا اپنا فہم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ حضرت انس ؓ نے مذکورہ بات کا سلسلہ آپ ؐ تک نہیں پہنچا یا بلکہ اپنے ظن سے کام لے کر کہا ہے' بظاہر روایت کے الفاظ کے خلاف ہے ۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ "انکی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔" اس سے ان کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی ۔ طبرانی اور ابو الشیخ نے حضرت صفیہ ؓ سے روایت کی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر دیا اور میری آزادی کو میرا مہر قرار دیا۔" یہ روایت حضرت انس ؓ کی روایت کے معنی میں بالکل صریح ہے۔ نیز یہ کہ حضرت انس ؓ نے یہ بات اپنے گمان سے نہیں کہی تھی' جیسا کہ کہنے والوں نے کہا ہے ۔

جمہور نے اس حدیث کے خلاف مسلک اختیار کر کے اس کی تاویل کر دی ہے تو ان کے قول کے مطابق اس کا سبب یہ ہے کہ یہ حدیث دو وجہ سے قیاس کے خلاف ہے ۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ انکے ساتھ نکاح یا تو انھیں آزاد کرنے سے پہلے ہوا ہو گا لیکن یہ بات محال ہے یا بعد میں ہوا ہو گا لیکن پھر یہ انکے لئے لازم نہیں ہو گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم آزادی کو مہر قرار دیں تو پھر عتق کا وجود یا تو حالت رق (غلامی کی حالت) میں ہوا ہو گا۔ لیکن یہ بھی محال ہے اس لئے کہ آزادی اور غلامی ایک دوسری کی ضدیں ہیں یا آزادی کی حالت میں ہوا ہو گا ۔ اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ عقد نکاح سے پہلے آزادی کا وجود ہو گیا تھا لیکن یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات لازم آئے گی کہ آزادی کا وجود اس حالت میں ہو گیا تھا جس حالت میں ہم نے اس کا عدم فرض کر رکھا تھا اور یہ بھی محال ہے ۔ کیونکہ مہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ نصاً" یا حکماً" نکاح پر مقدم ہو تا کہ بیوی اسے طلب کرنے کی مجاز ہو ' لیکن تقدم والی یہ بات آزادی کے تحت نہیں حاصل ہو سکتی اس لئے آزادی کا مہر بننا محال ہے۔

اس کا پہلا جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ واقعہ کی صحت ثابت ہو جانے کے بعد ان جزئیات کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جمہور نے اس بارے میں جو کہا ہے اس کو تسلیم کرتے ہوئے ہم پہلی بات کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عقد نکاح آزادی کے وجود کے بعد ہوا تھا۔ اگر وہ اس سے باز رہتیں تو ان پر اپنی قیمت کی ادائیگی کے لیے کام کاج ضروری ہو جاتا' اور اس میں کوئی رکاوٹ کی بات نہیں ہے۔ دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ آزادی ایک منفعت ہے اور اس کا معاوضہ درست ہے۔ اور منفعت کی جب یہ کیفیت ہو تو اس پر عقد نکاح درست ہو گا ۔ مثلاً گھر میں رہائش ' شوہر کی خدمت اور اسی طرح کی دیگر منفعت ۔ کسی نے کہا ہے کہ آزاد کرنے کا بڑا ثواب ہے' اس لئے اس عمل کو مہر قرار دیکر یہ ثواب ہاتھ سے گنوانا مناسب نہیں ہے ' اور آزادی کے سوا کسی اور چیز کو مہر قرار دینا ممکن تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ افضل کو چھوڑ کر مفضول پر عمل کر لیتے تھے تاکہ تشریع (شرعی قانون سازی) بیان سے ہو جائے اور اس بیان کا جو ثواب ہے وہ افضل پر عمل کرنے کے ثواب سے زیادہ ہے' اس لئے آپ" کے حق میں یہی افضل ہے ۔

حضرت جویریہؓ کے واقعہ کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کو حضرت صفیہؓ کی حدیث کی تائید قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ : "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے جب وہ آپ" کے پاس اپنی مکاتبت کی رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں مدد لینے کے لئے آئیں ' فرمایا "کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ میں تمہاری مکاتبت کی رقم کی ادائیگی کردوں اور پھر تم سے نکاح کر لوں؟" انہوں نے جواب دیا: " ہاں مجھے منظور ہے! " ابو داؤد نے اس کی تخریج کی ہے۔ تائید کی یہ بات درست نہیں ہے اس لئے کہ اس میں مہر وغیرہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے اس لئے یہ ہماری بحث سے خارج ہے

۹۶۷/۲ - وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: «سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَةً وَنَشًا، قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَةٍ، فَتِلْكَ خَمْسُمَائَةِ دِرْهَمٍ، فَهَذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَزْوَاجِهِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

(۱) ابو سلمہ کی روایت کا حوالہ :۔ مسلم شریف حدیث ۱۴۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے مروی ہے کہ " میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کتنا مہر دیا جاتا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ "اپنی ازواج کو آپؐ بارہ اوقیہ (۲) اور ایک نش (۳) مہر میں دیتے تھے " ' پھر پوچھا کہ " تمہیں معلوم ہے کہ نش کیا ہوتا ہے؟" میں نے اس کا جواب نفی میں دیا ' اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: نصف اوقیہ " اس طرح کل رقم پانچ درہم ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہی مہر اپنی ازواج کو دیا جاتا رہا۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری القرشی ایک قول کے مطابق مدینہ کے مشہور فقہاء میں سے تھے اور مشاہیر تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نام ہی انکی کنیت ہے ۔ بڑے وسیع الحدیث اور وسیع الروایت ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے ایک جماعت نے حدیث روایت کی۔ سن ۷۴ ہجری میں انکی وفات ہوئی ۔ ایک قول کے مطابق سن ۱۰۴ ہجری میں انتقال ہوا۔ اس وقت انکی عمر ستر برس تھی۔

(۲) اوقیہ (ہمزہ پر پیش اور حرف یاء پر شد) چالیس درہم

(۳) نش '(حرف نون پر زبر' اور حرف شین پر شد) نصف اوقیہ

زیر نظر حدیث میں مذکورہ اوقیہ سے حجاز کا اوقیہ مراد ہے۔ یہ چالیس درہم ہے۔ حضرت عائشہؓ نے مہر کی جو بات کہی ہے وہ اغلب احوال کے مطابق ہے ورنہ حضرت صفیہؓ کی آزادی انکا مہر تھی۔ یہی کیفیت حضرت جویریہؓ کی تھی اور حضرت خدیجہؓ کے مہر کی مقدار اتنی نہیں تھی۔ جب کہ حضرت ام حبیبہؓ کے مہر کی رقم نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار ہزار درہم اور چار ہزار دینار کی صورت میں ادا کی تھی۔ نجاشی نے یہ ادائیگی رضا کارانہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کی خاطر کی تھی۔ آپؐ نے ایسے کرنے کا حکم نہیں دیا تھا ۔ شوافع کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے مہر کی رقم پانچ درہم مقرر کرنا سنت ہے ۔ مہر کی کم سے کم مقدار جس کی بناء پر عقد نکاح درست ہو جائے تو اس کے متعلق ہم پہلے گفتگو کر آئے ہیں ۔ اکثر کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے ۔ ارشاد باری ہے (وآتیتم احداھن قنطارا) اور تم ان میں سے ایک کو ڈھیروں مال دے دو ۔۔۔۔۔ سورہ نساء ' آیت ۲۰) ایک قول کے مطابق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قنطار بارہ سو اوقیہ سونے کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول ہے: "بیل کی کھال بھر سونا۔" تیسرا قول ہے: ستر ہزار مثقال!" چوتھا قول ہے " سو رطل سونا" حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں مہر کی زیادہ سے زیادہ رقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے مہر کی رقموں تک محدود کر دینے اور زائد کو بیت المال میں جمع کرنے کا ارادہ کیا اور پھر اپنے خطبہ میں اس کا ذکر کیا۔ تو ایک خاتون اٹھی اور حضرت عمرؓ کی بات رد کرتے ہوئے درج بالا آیت بطور دلیل پیش کر دی یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا: " تم سب عمرؓ سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے

۹۶۸/۳ - وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ. قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَعْطِهَا شَيْئاً». قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ. قَالَ: «فَأَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۱).

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ سے حضرت علیؓ کا نکاح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اسے کچھ دے دینا!" حضرت علیؓ نے جواباً عرض کیا: "میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔" آپؐ نے فرمایا: " تمہاری وہ حطمی (۲) زرہ کہاں ہے ؟ " ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) حضرت فاطمہؓ تمام دنیا کی خواتین کی سیدہ ہیں' انکے ساتھ حضرت علیؓ کا نکاح رمضان سن دو ہجری میں ہوا تھا اور رخصتی ذی الحجہ میں ہوئی تھی۔ انکے بطن سے حسن ' حسین ' محسن' زینب ' رقیہ اور ام کلثوم نے جنم لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تین ماہ بعد مدینے میں انکی وفات ہو گئی۔ ہم نے " الروضہ الندیہ " میں ان کے حالات زندگی شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

(۲) الحطمیہ ' (حرف حاء پر پیش اور حرف طاء پر زبر) کی نسبت حطمہ کی طرف ہے جو قبیلہ محارب کا تھا اور یہ عبدالقیس قبیلے کی ایک شاخ تھی' زرہ سازی ان لوگوں کا پیشہ تھا۔ اس حدیث میں یہ رہنمائی موجود ہے کہ بیوی کے پاس جانے سے پہلے اسے کوئی چیز پیش کرنا چاہئے تاکہ اس کی دل جوئی ہو جائے۔ یہ بات تمام لوگوں کے نزدیک معروف ہے۔ روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو مذکورہ زرہ دے دی تھی

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۱۲۵ سنن نسائی باب ۳۷ من النکاح ' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۵۲ ج ۱۰ ص ۲۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا کچھ اور دیا تھا۔ بہت سی روایتوں میں حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کو پیش کی ہوئی چیز کی تعیین کا ذکر ہے لیکن یہ روایتیں مستند نہیں ہیں۔

٤/ ٩٦٩ ـ وعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ عَلَى صَدَاقٍ، أَوْ حِبَاءٍ، أَوْ عِدَةٍ، قَبْلَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لَهَا، وَمَا كَانَ بَعْدَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لِمَنْ أُعْطِيَهُ، وَأَحَقُّ مَا أُكْرِمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ ابْنَتُهُ أَوْ أُخْتُهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ. وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ(١).

عمرو بن شعیب نے اپنے والد (۱) سے روایت کی، انہوں نے انکے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو عورت حبالہ عقد میں آنے سے پہلے طے شدہ کسی مہر یا عطیے (۱) یا وعدے (۲) پر نکاح کر لے تو وہ اس کا ہو گا۔ اور جو حبالہ عقد میں آنے کے بعد ہو وہ اس کا ہو گا جس کے ساتھ طے کیا گیا ہو۔ اور ایک شخص کی فیاضی کا سب سے بڑھ کر حقدار اس کی بیٹی یا اس کی بہن ہے۔" امام احمد اور ترمذی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) حباء (حرف حاء مکسور اور ہمزہ ممدودہ کے ساتھ) عطیہ جو دوسرے کو یا شوہر کی طرف سے بیوی کو اسکے مہر کے علاوہ دیا جائے۔

(۲) عدہ (حرف عین کے نیچے زیر کے ساتھ) شوہر کا کیا ہوا وعدہ، اگرچہ وعدے سے متعلقہ چیز موجود نہ بھی ہو یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شوہر جس چیز کا تعین کر دے وہ بیوی کی ہو گی خواہ اس نے اس کا تعین بیوی کے سوا کسی اور مثلاً باپ یا بھائی کے لئے کیا ہو۔ یہی حکم اس چیز کا ہے جس کا تعین عقد کے وقت کیا جائے، اس مسئلے کے اندر اختلاف ہے۔ حدیث سے جو مفہوم اخذ ہوتا ہے اسے امام مالک، حضرت عمر بن العزیزؒ، ثوریؒ اور الھادی نے اپنا مسلک بنایا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مسلک ہے کہ مذکورہ باپ یا بھائی کے لئے شرط (شوہر کی طرف سے متعین کی ہوئی چیز) لازم ہو جائے گی اور نکاح درست ہو گا۔ امام شافعی کا مسلک ہے کہ ایسی صورت میں مہر کا تعین فاسد ہو گا اور اسے مہر مثل ملے گا، امام مالک کا مسلک ہے کہ اگر شرط عقد نکاح کے موقعہ پر لگائی گئی ہو تو وہ بیٹی کے حق میں جائے گی اور اگر نکاح کے بعد لگائی گئی ہو تو وہ

---

(۱) عمرو بن شعیب کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۲۱۲۹، سنن ابن ماجہ ۱۹۵۵، سنن نسائی ج ٦ ص ۱۲۰، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲، فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باپ کے حق میں جائے گی "نہایہ المجتہد" میں لکھا ہے کہ "ان حضرات کے اختلاف کا سبب اس بارے میں نکاح کو بیع کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ جن حضرات نے نکاح کے کارندے یعنی ولی کو سامان کی فروخت کی خاطر مقرر شدہ وکیل کے ساتھ تشبیہ دی ہے جب کہ اس نے اپنی ذات کے لئے عطیے کی شرط لگا دی ہو تو انکے نزدیک بیع کے عدم جواز کی طرح نکاح بھی جائز نہیں ہوگا' اور جن حضرات نے اس بارے میں نکاح کو بیع سے مختلف شمار کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ نکاح جائز ہو جائے گا۔ امام مالک نے عقد نکاح سے پہلے اور بعد کی صورتوں میں فرق رکھا ہے ' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اگر مذکورہ شرط عقد نکاح کے اندر ہو گی تو اس سے نکاح کے ولی پر نہ تہمت لگ سکتی ہے کہ اس نے یہ شرط مہر مثل کی رقم میں کمی پیدا کرنے کی خاطر اپنی ذات کے لئے لگائی ہے ۔ لیکن اگر یہ شرط انعقاد نکاح اور مہر پر جانبین کے اتفاق کے بعد لگائی گئی ہو تو پھ مذکورہ بالا تہمت لگنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ " مذکورہ بالا کتاب کے مصنف نے اس اختلاف کی جو علت بیان کی ہے وہ آپ نے سن لی ' انہوں نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس پر تنقید ہو ئی ہے ۔

یہ بحث تو اپنی جگہ رہی ' عرف اور رواج کے مطابق شوہر آپس میں الفت پیدا کرنے کی خاطر جو کچھ دے مثلاً کھانا وغیرہ تو اس کی شرط اگر عقد کے اندر لگائی گئی ہو تو یہ مہر شمار ہو گی اور جو چیز عقد نکاح سے پہلے حوالے کی گئی ہو وہ مباح ہو گی اور اگر وہ باقی ہو تو اسے واپس لے لینا درست ہو گا بشرطیکہ اس چیز کو رواج کے مطابق تلف کرنے کے لئے حوالے کیا جاتا ہو اوار اگر اسے باقی رکھنے کے لئے حوالے کیا جاتا ہو تو تلف ہو جانے کے بعد شوہر اسکی قیمت وصول کر لے گا ۔ البتہ اگر عورت کے رشتہ دار اسے مذکورہ شوہر کے نکاح میں دینے سے باز رہیں تو شوہر دونوں صورتوں میں اس کی قیمت وصول کرے گا ۔ اگر ہونے والی بیوی مر جائے یا شوہر نکاح کرانے سے خود باز رہے تو وہ اس چیز کو واپس کر لے گا جسے باقی رہنے کے لئے حوالہ کیا گیا تھا اور وہ چیز بھی واپس لے گا جو اپنے معتاد وقت سے پہلے تلف ہو گئی ہو۔ معتاد وقت کے بعد تلف ہو نے والی چیز میں واپسی نہیں ہوگی۔ نیز وہ چیز بھی واپس ہو گی ' جسے ' عقد کے بعد اس نے ہبہ یا ہدیہ کے طور پر علی حسب الحال حوالے کیا ہو یا رشوت کے طور پر دی ہو بشرطیکہ یہ رشوت صرف عقد کی بنا پر ہی دی گئی ہو۔ اگر شادی کے موقعہ پر پکنے والا کھانا شوہر نے بیوی کے ولی کی طرف بھیجا ہو اور عقد میں یہ شرط رکھی گئی ہو کہ یہ کھانا ولی کے نابالغ افراد کے لئے ہوگا اور اسے کھایا جائے تو اس کھانے سے دیگر افراد مثلاً رشتہ دار وغیرہ کا کھا لینا جائز ہو گا اس لئے کہ شوہر نے کھانا بھیجنے کی شرط لگا کر کھانا اس لئے حوالے کیا تھا کہ اسے کھا لیا جائے نہ یہ کہ وہ شوہر کی ملکیت ہی رہے ۔ اس بارے میں اصل اعتبار عرف کا ہے ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٥ / ٩٧٠ ـ وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، وَلَمْ يَفْرِضْ لها صداقاً، وَلَمْ يَدْخُلْ بِها حَتى مَاتَ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُود: «لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا، لَا وَكْسَ، وَلَا شَطَطَ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ»، فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ. فَقَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ ـ امْرَأَةٍ مِنَّا ـ مِثْلَ مَا قَضَيْتَ، فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ جَمَاعَةٌ(١).

علقمہ سے مروی ہے ' انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ ان سے ایک شخص کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کر لیا لیکن اس کے لئے مہر مقرر نہیں کیا' نہ ہی اس کے ساتھ ہمبستری کی اور پھر وہ وفات پا گیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ " اسے اپنے خاندان کی عورتوں کے مہر جیسا مہر ملے گا۔ نہ اس میں کمی (۲) ہو گی نہ بیشی۔ (۳) اس پر عدت لازم ہو گی اور اسے شوہر سے میراث ملے گی۔ " یہ سنکر معقل (۴) بن سنان الا شجعی (۶) اپنی جگہ کھڑے ہوگئے اور کہا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری ایک عورت بروع (۷) بنت واشق (۸) کے بارے میں بھی اسی طرح کا فیصلہ سنایا تھا جو آپ نے ابھی سنایا۔" یہ سن کر حضرت ابن مسعودؓ بہت خوش ہوئے ۔ امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور محدثین کے ایک گروہ (۹) نے اسے حسن قرار دیا ہے ۔

(۱) علقمہ بن قیس ابی شبل بن مالک ' ان کا تعلق بنی بکر بن النخع سے ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایتیں کی ہیں۔ یہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ یہ حضرت ابن مسعودؓ سے حدیثیں روایت کرنے اور انکی صحبت میں رہنے کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ یہ اسود نخعی کے چچا ہیں۔ انکی وفات سن اکسٹھ ہجری میں ہوئی۔

(۲) وکس (حرف واؤ پر زبر' حرف کاف ساکن اور پھر حرف سین) کے معنی کمی کے ہیں ' یعنی اسے اسکے مہر مثل سے کم نہیں دیا جائے گا۔

(۳) شطط (حرف شین اور حرف طاء کے ساتھ) کے معنی جور اور ظلم کے ہیں۔ یعنی اسے مہر مثل سے زائد

---

(۱) علقمہ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۱۱' سنن ترمذی ۱۱۴۵' سنن نسائی ج ٦ ص ۱۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رقم دے کر اس کے شوہر پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(۴) معقل (حرف میم پر زبر' عین ساکن اور حرف قاف کے نیچے زیر) انکی کنیت ابو محمد ہے۔ یہ فتح مکہ میں شریک ہوئے اور کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔ انکی روایت کردہ حدیثیں اہل کوفہ تک محدود رہیں۔ خارجیوں کے خلاف حضرت علیؓ کی مشہور جنگ واقعہ حرہ میں یہ بھوکے پیاسے قتل ہوئے۔

(۵) سنان (حرف سین مکسور' حرف نون پر زبر پھر الف پھر نون کے ساتھ) معقل کے والد ہیں۔

(۶) الاشجعی (ہمزہ پر زبر' شین ساکن) قبیلہ اشجع کی طرف نسبت

(۷) بروع (باء پر زبر' راء ساکن' واؤ پر زبر اور پھر عین)

(۸) واشق (واؤ پر زبر' پھر الف' پھر شین اور پھر قاف)

(۹) ایک جماعت نے' ان میں ابن حزم اور ابن مہدی شامل ہیں۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں طعن کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس کا اسناد صحیح ہے۔ یہی بات بیہقی نے "خلافیات" میں کہی ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ "مجھے یہ حدیث کسی ایسے طریق سے حفظ نہیں ہے جس کی بنا پر اس جیسی حدیث ثابت ہو جائے) نیز کہا: "اگر بروع والی حدیث ثابت ہوتی تو بھی اس کا قائل ہوتا۔" انہوں نے "الام" کے اندر کہا ہے: "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ہو تو یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر کسی کی ذات میں کوئی حجت نہیں خواہ یہ ذات کتنی بڑی کیوں نہ ہو۔ اس کے قول کی بھی کوئی حیثیت نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اس کی فرماں برداری کی جائے۔ مجھے یہ حدیث کسی ایسے طریق سے یاد نہیں ہے جس کی بناء پر اس جیسی حدیث ثابت ہو جائے کیونکہ کبھی تو معقل بن سنان سے اسکی روایت کی جاتی ہے اور کبھی معقل بن یسار سے اور کبھی قبیلہ اشجع کے ایک شخص سے جس کا نام نہیں لیا جاتا" گویا سند میں اضطراب کی وجہ سے امام شافعی نے اسکی تضعیف کی ہے۔

واقدی نے اس حدیث کی تضعیف اس بنا پر کی ہے کہ یہ حدیث اہل کوفہ کی طرف سے اہل مدینہ کے ہاں آئی لیکن اہل مدینہ نے اسے نہیں پہچانا' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے یہ کہہ کر اس حدیث کو رد کر دیا تھا کہ معقل بن سنان اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے ایک بدو ہیں۔ امام شافعی کے اعتراضات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سند میں اضطراب اس کے لئے قادح نہیں ہے کیونکہ اس میں دو صحابیوں کے درمیان اضطراب واقع ہے اور اس کی بنا پر روایت کے بارے میں کوئی طعن نہیں کیا جا سکتا۔ رہ گئی یہ بات کہ بعض دفعہ قبیلہ اشجع کے ایک شخص سے اس کی روایت کی گئی ہے تو اس سے بھی اس حدیث کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اس لئے کہ اس ایک شخص کی تفسیر بیان ہو چکی ہے کہ یہ معقل ہیں' اس طرح یہ واضح ہو گیا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ شخص ایک صحابی ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں علمائے مدینہ کی عدم معرفت سے اسے کوئی نقصان نہیں اس لئے کہ راوی عادل ہیں۔ رہ گئی حضرت علیؓ سے مبینہ روایت تو "البدر المنیر" میں لکھا ہے کہ یہ روایت درست نہیں ہے حاکم نے حرملہ بن یحییٰ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے سنا تھا کہ "اگر بروع بنت واشق کی حدیث درست ہو گئی تو میں اس کا قائل ہو جاؤں گا۔" پھر حاکم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "یہ حدیث صحیح ہو گئی اس لئے اس کے قائل ہو جاؤ" دار قطنی نے "العلل" کے اندر اس حدیث کے متعلق اختلاف کا ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے: "اسناد کے اعتبار سے ان میں سب سے زیادہ مناسب حدیث قتادہ کی روایت کردہ حدیث ہے لیکن اس میں یہ قباحت ہے کہ قتادہ نے صحابی کا نام یاد نہیں رکھا۔" میں (شارح) کہتا ہوں کہ محدثین کی رائے کے مطابق صحابی کے نام کی مجہولیت روایت شدہ حدیث کے لئے کسی طرح نقصان دہ نہیں ہوتی۔ مصنف کتاب نے کہا ہے کہ بروع کی حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جس کی روایت حضرت عقبہ بن عامرؓ نے کی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے ایک عورت کا نکاح کرا دیا اور اس کے لئے مہر مقرر نہیں کیا۔ پھر مرد نے اس کے ساتھ ہمبستری کی اور اس کے بعد شوہر وفات پا گیا۔ مرتے وقت اس نے کہا کہ "میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ خیبر کے اندر میرا جو حصہ ہے وہ اس کے لئے ہے۔" ابو داؤد اور حاکم نے اس کی تخریج کی ہے، لیکن یہ بات مخفی نہیں کہ اس روایت کی ہماری زیر نظر روایت کے حق میں کوئی گواہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسی عورت کے بارے میں ہے جس کے شوہر نے اس کے ساتھ ہمبستری کر لی تھی۔ ہاں مذکورہ بالا روایت میں ایک شاہد یہ موجود ہے کہ مہر مقرر کئے بغیر نکاح درست ہو جاتا ہے۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر کی موت پر بیوی پورے پورے مہر کی مستحق ہو جاتی ہے خواہ شوہر نے اسکے لئے مہر مقرر نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ ہمبستر ہوا ہو۔ عورت ایسی صورت میں مہر مثل کی مستحق ہو گی۔ اس مسئلے کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا قول تو اس حدیث پر عمل کا ہے نیز یہ کہ عورت مہر کی مستحق ہو گی جیسا کہ روایت میں مذکور ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول اجتہاد تھا لیکن دلیل کے موافق تھا۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام احمد اور دیگر حضرات کا قول ہے، انکی دلیل زیر بحث حدیث ہے اور اس پر جو اعتراضات ہوئے ہیں وہ بھی آپ سن چکے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مذکورہ عورت صرف میراث کی مستحق ہوگی، یہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، امام مالک، اور الھادی کا مسلک ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ مہر دراصل ایک عوض ہے، اس لئے جب شوہر نے معوض عنہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وہ چیز جس کا عوض مقرر کر دیا گیا ہو) کی پوری وصولی نہ کی تو عوض بھی لازم نہیں ہوا' یہ بات مبیع کے ثمن پر قیاس کر کے کہی گئی ہے ' نیز ان حضرات نے کہا ہے کہ زیر نظر حدیث پر کئی طریقوں سے طعن ہوا ہے ' ہم کہیں گے کہ طعن کی ان صورتوں کا جواب دے دیا گیا ہے اور انہیں دور کر دیا گیا ہے اس لئے یہ حدیث استدلال کے لئے پوری طرح درست ہے اور یہ قیاس سے اولیٰ ہے ۔

٩٧١/٦ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ امْرَأَةٍ سَوِيقاً، أَوْ تَمْراً فَقَدِ اسْتَحَلَّ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَأَشَارَ إِلَى تَرْجِيحِ وَقْفِهِ(١).

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایک عورت کے مہر میں ستو (۱) یا کھجوریں دیدے اس نے حلال کر لیا" ابو داؤد نے اسکی تخریج کی ہے اور اس کے موقوف ہونے کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۲)

(۱) سویق بھنی ہوئی گندم یا جو یا جوار یا کسی اور بھنے ہوئے دانے کے آٹے کو کہتے ہیں یعنی ستو

(۲) مصنف کتاب نے "التلخیص" کے اندر لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی موسیٰ بن رومان ہے جو ضعیف ہے۔ اس حدیث کی روایت موقوف شکل میں ہوئی ہے اور یہی بہتر ہے" مصنف کو چاہئے تھا کہ اپنی عادت کے مطابق یہ اشارہ کر دیتے۔ کہ اس حدیث کے اندر ضعف ہے۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث کی تخریج "بلاغ" کی صورت میں کی ہے (یعنی کہا ہے " بلغنی" مجھے یہ روایت پہنچی ہے ---- مترجم)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مہر اگر نقود یعنی درہم و دینار کے سوا کوئی اور چیز مثلاً جنس وغیرہ ہو جائے تو بھی درست ہو گا۔ نیز یہ کہ مطلق ستو اور کھجوروں سے کام چل جائے گا یعنی بظاہر اگر وہ بہت ہی کم کیوں نہ ہو' مہر کی کم سے کم مقدار کے بارے میں علماء کے اقوال اس حدیث کی شرح میں گذر چکے ہیں جس کا تعلق اس عورت سے تھا جس نے اپنی ذات ہبہ کر دی تھی ۔

٩٧٢/٧ - وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجَازَ نِكَاحَ امْرَأَةٍ عَلَى نَعْلَيْنِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَخُولِفَ فِي ذَلِكَ.

---

(۱) حضرت جابر کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۲۱۱۰' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۳۸' شرح السنہ ج۹ ص ۱۲۰' مشکوۃ المصابیح ۳۲۰۵' نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۰۰

(۲) تخریج پہلے گذر چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں کے ایک جوڑے پر ایک عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا" امام ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے' لیکن اس بارے میں انکی مخالفت ہوئی ہے۔

(۱) انکی کنیت ابو محمد ہے' نام عبداللہ بن عامر بن ربیعہ العنزی ہے (حرف عین کے زبر' نون کے سکون' اور حرف زاء کے ساتھ) انکے نسب کے بارے میں زبردست اختلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت انکی عمر چار یا پانچ برس تھی' انکی وفات سن پچاس ہجری میں ہوئی۔

(۲) یعنی اس حدیث کو صحیح قرار دینے میں امام ترمذی سے اختلاف کیا گیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ: بنو فزارہ کی ایک عورت نے جوتوں کے ایک جوڑے پر نکاح کر لیا' حضورت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تم اپنی ذات اور مال کے بدلے جوتوں کے ایک جوڑے پر رضا مند ہو گئیں ؟" اس نے جواب اثبات میں دیا جس پر آپ" نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ایسی چیز مہر بنائی جا سکتی ہے جس کا کوئی ثمن اور قیمت ہو اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جس چیز کا ثمن بننا درست ہو گا۔ اس حدیث میں اس حکم کا بھی ماخذ موجود ہے جو دیگر احادیث میں وارد ہوا ہے کہ بیوی اپنے مال میں صرف اپنے شوہر کی رائے سے تصرف کر سکتی ہے۔

۹۷۳/۸ - وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «زَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً امْرَأَةً بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ». أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، وَهُوَ طَرَفٌ مِنَ الْحَدِيثِ الطَّوِيلِ الْمُتَقَدِّمِ فِي أَوَائِلِ النِّكَاحِ (۱).

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ " رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کا نکاح لوہے کی ایک انگوٹھی پر ایک عورت سے کرا دیا۔" حاکم نے اس کی تخریج کی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جس کا ذکر باب النکاح کے اوائل میں گذر چکا ہے حضرت سہلؓ کی روایت کردہ پوری حدیث اس خاتون کے ذکر میں گذر چکی ہے جس نے اپنی ذات ہبہ کر دی تھی۔ اس میں بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے مذکورہ خاتون کو پیغام نکاح دیا تھا' حکم دیا تھا کہ وہ مہر کے لئے کوئی چیز لے آئے خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی کیوں نہ ہو' لیکن اسے یہ بھی میسر نہیں ہوئی۔ اس پر آپ" نے اس کا نکاح اس

---

(۱) حضرت سہل کی روایت کے حوالے :۔ اسکی تخریج حدیث نمبر ۹۱۸ میں حاشیہ نمبر ۱ کے تحت گذر چکی ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاتون سے اس معاوضہ پر کرا دیا تھا کہ وہ اسے قرآن کی کچھ تعلیم دے دے ۔ اگر یہ حدیث وہی ہے تو پھر لوہے کی انگوٹھی کو مہر بنانے کی بات پوری نہیں ہوئی' جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گیا' اور اگر کوئی دوسری حدیث مراد ہے اس کا احتمال ہے لیکن یہ بعید احتمال ہے کیونکہ مصنف نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس طویل حدیث کا حصہ ہے جس کا ذکر باب النکاح کے اوائل میں گذر چکا ہے' تاہم اس تقدیر پر کہ اس حدیث سے وہی حدیث مراد ہے اس کی تاویل یہ ہو گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی انگوٹھی کو مہر بنانے کی اجازت دے دی تھی' اگرچہ اس پر عقد نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔

٩٧٤/٩ ـ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «لَا يَكُونُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْقُوفاً، وفي سَنَدِهِ مَقَالٌ(١).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا" دار قطنی نے موقوف صورت میں اس کی تخریج کی ہے' اور اس کی سند میں طعن ہے ۔

یہ روایت حضرت علیؓ پر موقوف ہے' اسے حضرت جابرؓ سے مرفوع صورت میں روایت کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے ۔ یہ حدیث ان مرفوع احادیث کی معارض ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جو اس امر پر دال ہیں کہ جس چیز کو مہر بنانا درست ہو اس پر عقد نکاح درست ہوتا ہے ۔ جیسا کہ آپ جان چکے ہیں ۔اس حدیث پر جو طعن ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی مبشر بن عبید ہے جس کے متعلق امام احمد کی رائے ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

١٠/٩٧٥ ـ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(٢).

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہترین مہر وہ ہے جو آسان ترین ہو۔"

(۱) یعنی مرد کے لئے اس کا حصول سب سے آسان ہو۔

---

(۱) حضرت علی کی روایت کا حوالہ :۔ سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۵۴

(۲) حضرت عقبہ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۲۱۱۷' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۳۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں تخفیف مہر کے استحباب پر دلالت ہے' اگرچہ اس کے خلاف معاملہ بھی جائز ہے جیساکہ اس ارشاد باری میں اشارہ ہے (واتیتم احداھن قنطارا اور تم ان میں سے ایک کو ڈھیروں مال دے دو ------ سورہ نساء آیت ۲۰) نیز یہ بھی گذر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مہر میں بڑی بڑی رقمیں دینے کو روکنا چاہا تو ایک خاتون نے کہا: "عمر' تمہیں اس کا اختیار نہیں ہے۔ اللہ کہتا ہے (واتیتم احد اھن قنطارا" من ذھب) یہ سن کر حضرت عمر نے کہا: "ایک عورت نے عمرؓ سے جھگڑا کیا اور اس میں وہ جیت گئی۔" اس کی تخریج عبدالرزاق نے کی ہے۔ روایت کے اندر آیت میں (من ذھب) کے الفظ حضرت ابن مسعودؓ کی قرآت کے مطابق ہیں ۔ یعنی ڈھیروں سونا اس روایت کے کئی اور طرق بھی ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ خیریت سے مراد گھر میں آنے والی عورت کی برکت ہو۔ حدیث میں ہے: "ان میں سب سے زیادہ بابرکت وہ عورت ہے جس کا بوجھ سب سے ہلکا ہو"

۹۷۶/۱۱ ۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ عَمْرَةَ بِنْتَ الْجَوْنِ تعوذت مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُدْخِلَتْ عَلَيْهِ تَعْنِي لَمَّا تَزَوَّجَهَا ۔ فَقَالَ: «لَقَدْ عُذْتِ بِمُعَاذٍ». فَطَلَّقَهَا؛ وَأَمَرَ أُسَامَةَ فَمَتَّعَهَا بِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ. أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ. وَفِي إِسْنَادِهِ رَاوٍ مَتْرُوكٌ(۱).

وَأَصْلُ الْقِصَّةِ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "عمرہ بنت الجون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی جب انہیں آپؐ کے پاس خلوت میں پہنچا دیا گیا ---- حضرت عائشہؓ کی مراد اس سے یہ ہے کہ جب ان کا نکاح آپؐ کے ساتھ ہو گیا ----- یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "تم نے ایسی ذات کی پناہ حاصل کی جس سے پناہ حاصل کی جاتی ہے۔" پھر آپؐ نے انہیں طلاق دے دی اور حضرت اسامہ کو حکم دیا کہ انہیں تین کپڑے دے دیں -- ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے ۔ اسکے اسناد میں ایک متروک راوی ہے' اصل واقعہ ابو اسید الساعدی کی روایت کردہ صحیح حدیث میں ہے۔

(۱) الجون -- حرف جیم پر زبر' حرف واؤ ساکن اور پھر نون

(۲) معاذ -- حرف میم پر زبر' ایسی چیز جس کے ذریعے پناہ حاصل کی جائے

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابن ماجہ ۲۰۳۷' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۸' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۲۶۲' طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹' مشکل الاثار ج ۱ ص ۲۶۳' ۲۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر حدیث میں اس خاتون کا نام عمرہ بتایا گیا ہے' تاہم اسکے نام و نسب کے بارے میں بہت اختلاف ہے لیکن نام و نسب کے ساتھ کسی شرعی حکم کا تعلق نہیں ہوتا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں پناہ مانگی تو اس کے مختلف اسباب بیان ہوئے ہیں ۔ ابن سعد کی روایت کردہ ایک حدیث میں ہے کہ جب انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچانے کے لیے لیا گیا' اور یہ ایک خوبصورت ترین خاتون تھیں' تو آپؐ کی ازواج کے دل میں زبردست رشک پیدا ہو گیا' چنانچہ عمرہ کو یہ پٹی پڑھائی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں صرف وہی عورت (جچتی) ہے جو آپؐ کے پاس خلوت میں جاتے ہی کہے "میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔" ابن سعد کی ایک اور روایت میں جس کی تخریج انہوں نے امام بخاری کی سند سے کی ہے' ذکر ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونوں عمرہ کے پاس اس وقت گئیں جب انہیں ابھی لایا ہی گیا تھا۔ دونوں نے مل کر انکی کنگھی کی اور مہندی لگائی اور پھر ایک نے ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ آپؐ جب بیوی کے پاس خلوت میں جائیں تو وہ کہے "میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔" کئی اور اسباب بھی بیان ہوئے ہیں ۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ تعلق زن و شو سے پہلے ہی اگر بیوی کو طلاق ہو جائے تو اسے متعہ (کچھ خرچہ) دینا مشروع ہے۔

اکثر ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس منکوحہ کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور پھر اسے قبل الدخول طلاق ہو جائے تو اسے متعہ دینا واجب ہو گا ۔ البتہ امام مالک اور لیث بن سعد اس کے قائل نہیں ہیں ۔ ارشاد باری ہے (لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمصوو هن او تفرضوا لهن فريضه ' ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقترقدره -- تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم بیویوں کو طلاق دیدو جب کہ ابھی تم نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا ہو یا ان کے لئے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو' اور انہیں متعہ دو' خوش حال پر اس کی حیثیت کے مطابق اور تنگدست پر اسکی حیثیت کے مطابق ------ سورہ بقرہ آیت ۲۳۶)

امر بظاہر وجوب کے لئے ہوتا ہے ۔ بیہقی نے "اپنی سنن" میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ: "مس سے مراد نکاح ہے اور فریضہ سے مراد مہر ہے" اور ((متعوهن) کی ذمہ داری شوہر پر ہے کہ وہ ایک عورت سے مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر لیتا ہے اور پھر دخول سے پہلے اسے طلاق دے دیتا ہے اس پر اللہ نے اسے حکم دیا ہے کہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق مطلقہ کو متعہ دے۔" حضرت ابن عباس سے ابن جریر' ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ "متعہ طلاق میں سب سے اونچا درجہ تو خادم حوالہ کرنا ہے' پھر اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑے ہیں۔" یہاں ایک بات ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت کو متعہ دیا تھا ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے اس کے لئے مہر مقرر نہ کیا ہو اس لئے متعہ دے دیا جس طرح کہ آیت کا فیصلہ ہے' اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ نے مہر مقرر کر دیا تھا لیکن پھر اسے فضل اور احسان کے طور پر متعہ بھی دے دیا ۔ رہ گئی وہ عورت جس کے لئے اس کے شوہر نے مہر مقرر نہ کیا ہو یا سکے ساتھ خلوت اختیار کرنے کے بعد اس سے علیحدگی اختیار کر لی ہو' اسے متعہ دینے کے بارے میں اختلاف رائے ہے' حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور امام شافعی اس کے وجوب کے قائل ہیں اور ان کا عمل اس ارشاد باری پر ہے (وللمطلقات متاع بالمعروف اور طلاق یافتہ عورتوں کے لئے رواج کے مطابق متعہ ہے ----- سورہ بقرہ آیت ۲۴۱) حنفیہ اور ھادویہ کا مسلک ہے کہ ایسی عورت کے لئے صرف مہر مثل واجب ہو گا کوئی اور چیز واجب نہیں ہو گی۔ انکے قول کے مطابق درج بالا آیت کا عموم اس عورت کی وجہ سے مخصوص ہو گیا ہے جس کے ساتھ شوہر نے خلوت نہ کی ہو۔ اسے ایک اور آیت نے بھی مخصوص کر دیا ہے جس میں متعہ واجب کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ہاتھ نہ لگانے کی شرط ہے جب کہ زیر بحث شخص نے اسے ہاتھ لگا دیا ہے ۔ رہ گئی یہ آیت (فتعالین امتعکن تم آؤ میں تمہیں متعہ دے دوں ---- ورہ احزاب آیت ۲۸) تو اس میں احتمال ہے کہ یہ عدت کا نفقہ اور خرچہ ہے لیکن اس احتمال کے حق میں کوئی دلیل نہیں ہے ۔ یہ اشارہ پہلے ہی دیا جا چکا ہے کہ لیث بن سعد وجوب متعہ کے مطلقاً" قائل نہیں ہیں ۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر متعہ واجب ہوتا تو اس کی مقدار بتا دی جاتی ' اس کا جواب یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار کو خرچہ دینا واجب ہے لیکن اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔

ابو اسید کی روایت کے حوالے۔ بخاری شریف باب ۳ من الطلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴ --- باب الولیمہ

الولیمہ کا لفظ الولم سے مشتق ہے (حرف واؤ پر زبر اور لام ساکن) جس کے معنی یکجا کرنے کے ہیں اس لئے کہ زوجین کی یکجائی ہوتی ہے 'الازہری وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ اس سے فعل (اولم) ہے۔ ولیمہ کا لفظ ہر اس کھانے اور طعام کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی واقعہ پر خوشی کے اظہار کے لئے پکایا جائے' شادی کا ولیمہ وہ کھانا ہے جو نکاح خوانی کے وقت یا دلہن کے ملاپ کے موقعہ پر پکا کر کھلایا جائے۔

۹۷۷/۱ ـ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ: «مَا هٰذَا؟» قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ. قَالَ: «فَبَارَكَ اللَّهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ (۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے کپڑوں پر زردی یعنی زعفران کے دھبے دیکھے اوران سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا: "اللہ کے رسول' میں نے ایک گٹھلی بھر سونے کی ڈلی پر ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے" یہ سنکر آپ نے فرمایا: "اللہ تمہیں برکت دے' اب ولیمہ کرنا خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو" متفق علیہ' حدیث کے الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں۔

(۱) روایات کے اندر زردی کی تفسیر آئی ہے کہ زعفران کے دھبے تھے' روغ (حرف راء پر زبر' پھر حرف دال اور پھر حرف عین) زعفران کے دھبے کو کہتے ہیں۔

اگر یہاں یہ کہا جائے کہ زعفران سے نہی معلوم تھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تنقید کیوں نہیں کی؟ اس کے جواب میں کہوں گا کہ یہ نہی کی تخصیص کر دینے والی روایت ہے وہ یہ کہ دولہا کو زعفران لگانا جائز ہے۔ ایک قول کے مطابق ہو سکتا ہے کہ زعفران کے دھبے اس بنا پر ان کے کپڑوں پر جسم پر نہیں تھے کہ کپڑوں پر زعفران لگانا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور ان کے پیروکاروں نے کپڑوں پر بھی زعفران لگانے سے روکا ہے۔ کپڑوں پر زعفران لگانے کا جواز امام مالک اور علمائے مدینہ سے مروی ہے۔ ان کے حق میں استدلال اس نہی کے مفہوم سے کیا گیا ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے جس طرح حضرت ابو موسیٰ کی

---

(۱) حضرت انس کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف باب ۶۸ من النکاح' مسلم شریف حدیث ۱۴۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرفوع حدیث کہ "اللہ تعالیٰ اس مرد کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے جسم پر خلوق (ایک قسم کی خوشبو) لگی ہو۔" اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ نہی کا مفہوم ہے اور یہ اس نہی کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس کا ثبوت صحیح احادیث سے ہے۔ نیز یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن کا واقعہ نہی سے پہلے کا واقعہ تھا یعنی ہجرت کے ابتدائی ایام میں۔ ایک جواب یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن کے کپڑوں پر جو زردی دیکھی تھی ہو سکتا ہے کہ یہ زردی ان کی بیوی کی طرف سے انہیں لگ گئی ہو' اس صورت میں یہ زردی انکے لئے غیر مقصود تھی' نووی نے اسی تاویل کو ترجیح دی ہے اور اس کی نسبت محققین کی طرف کی ہے اور بیضاوی نے اسی کو بنیاد بنایا ہے۔

(۲) ایک قول کے مطابق اس سے کھجور کی ایک گٹھلی مراد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں یہ چوتھائی دینار کے برابر ہوتی تھی اس قول کی تردید یہ کہہ کر کر دی گئی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں مختلف ہوتی ہیں پھر انہیں وزن کے تحت آنے والی اشیاء کے لئے معیار کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟ ایک اور قول کے مطابق گٹھلی بھر سونے کی ڈلی اس مقدار سے عبارت ہے جس کی قیمت چاندی کے پانچ درہم کے برابر تھی' خطابی نے اسی قول کا تیقن کیا ہے اور الازھری نے یہی قول اختیار کیا ہے اور قاضی عیاض نے اکثر علماء سے اسے نقل کیا ہے۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں گٹھلی بھر سونے کی ڈلی جس کی قیمت پانچ درہم لگائی گئی تھی۔ بیہقی نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ "جس کی قیمت ۳.۷۵ درہم لگائی گئی تھی۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ لیکن امام احمد نے اسی کا تیقن کیا ہے۔ سونے کی اس ڈلی کی قیمت کے بارے میں اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ بعض مالکیہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کے نزدیک گٹھلی کی مقدار چوتھائی دینار ہوتی ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دولہا کے لئے برکت کی دعا کی جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت لگ گئی تھی' اس کا اظہار انہوں نے یہ کہہ کر کیا تھا کہ اگر میں ایک پتھر اٹھاتا تو مجھے امید ہوئی کہ وہاں سے مجھے چاندی یا سونا ہاتھ آ جائے گا۔ امام بخاری نے اس روایت کے آخر میں حضرت عبدالرحمٰن سے اس کی روایت کی ہے۔

(۳) یہ الفاظ شادی کے موقعہ پر ولیمہ کرنے کے وجوب کی دلیل ہیں' اہل ظواہر کا یہی مسلک ہے اور "الام" کے اندر امام شافعی کا بیان بھی یہی ہے۔ امام احمد نے بریرہ سے جو روایت کی ہے وہ انکی دلیل ہے' وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے لئے حضرت علیؓ کے پیغام نکاح کے موقعہ پر فرمایا: "ولیمہ ضروری ہے" اس روایت کی سند اچھی بھلی ہے اور یہ روایت ولیمہ کے لزوم پر دلالت کرتی ہے اور یہ وجوب کے معنی میں ہے۔ اسی طرح وہ روایت بھی ان حضرات کی دلیل ہے جس کی تخریج ابو الشیخ اور طبرانی نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"المعجم الاوسط" میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً" کی ہے کہ "ولیمہ حق اور سنت ہے' اس لئے جس شخص کو ولیمے پر بلایا جائے اور وہ نہ جائے تو وہ گنہگار ہو گا" لفظ حق سے وجوب کا معنی ظاہر ہوتا ہے ۔ امام احمد نے کہا ہے کہ ولیمہ سنت ہے۔ جب کہ جمہور کے قول کے مطابق ولیمہ مستحب ہے۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ "مجھے کسی ایسے اہل علم کے بارے میں کوئی علم نہیں جس نے ولیمہ کو واجب کہا ہو۔" شاید انہیں اس بارے میں اختلاف کی خبر ہی نہیں ہوئی۔

ولیمہ کے استحباب پر امام شافعی کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے کہ "مجھے نہیں معلوم کہ حضرت عبدالرحمٰن کے سوا کسی اور کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہو' اور نہ ہی مجھے یہ علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ولیمہ کرنا ترک کیا ہو۔" امام شافعی سے بیہقی نے یہ روایت کی ہے۔ اس طرح یہ بات ولیمہ کے غیر واجب ہونے پر مبنی قرار پائی ہے۔ لیکن اس استدلال کے جو کمزور پہلو ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ۔ ولیمہ کرنے کا وقت کونسا ہوتا ہے؟ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا یہ عقد کے وقت کیا جائے یا اس کے بعد یا جب دولہا دلہن کا ملاپ ہو۔ مالکیہ کے مسلک میں یہ اقوال ہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے ولیمہ عقد نکاح کے وقت اور دولہا دلہن کے ملاپ کے بعد کیا جائے ۔ شوافع میں سے الماوردی نے تصریح کر دی ہے کہ ولیمہ دخول (ملاپ) کے وقت کیا جائے ' ابن السبکی نے کہا ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد ہوا تھا۔ وہ گویا اس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کا تعلق حضرت زینب بنت جحش کے نکاح سے ہے۔ اس سلسلے میں حضرت انس کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے ساتھ شب باشی کی اور پھر لوگوں کو دعوت دی ۔ بیہقی نے اس پر باب کا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے "ولیمیلق کے وقت کا باب"

ولیمے کی مقدار کیا ہونی چاہئے؟ تو حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کے درست ہونے کی کم سے کم مقدار ایک بکری ہے تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت ام سلمہ وغیرھا کا ولیمہ بکری سے کم پر کیا تھا اور حضرت زینب کا ولیمہ ایک بکری پر کیا تھا ۔ حضرت انسؓ کا کہنا ہے کہ آپؐ نے حضرت زینب سے نکاح کے موقعہ پر جو ولیمہ کیا تھا اس سے زائد کسی اور کے ساتھ نکاح کے موقعہ پر نہیں کیا۔" البتہ آپؐ نے حضرت میمونہ بنت الحارث کے ساتھ مکہ میں فیصلے کے سال نکاح کے موقعہ پر جو ولیمہ کیا تھا اس میں اہل مکہ کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی تھی لیکن جتنے لوگ حضرت زینب کے ولیمے میں شامل ہوئے تھے اس سے زائد افراد اس ولیمے میں شمولیت سے باز رہے" ۔ حضرت انسؓ گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت زینب کے ولیمے کے موقعہ پر ایک بکری کے اندر اتنی برکت ہوئی جو کسی اور کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولیمے کے موقعہ پر نہیں ہوئی۔ اس ولیمے میں مہمانوں نے پیٹ بھر کر روٹی اور گوشت کھایا' اس لئے زینب کے ولیمے میں مہمانوں نے جس طرح پیٹ بھر کر روٹی اور گوشت کھایا آپ ؐ کے کسی اور ولیمے میں نہیں کھایا۔

۹۷۸/۲ ۔ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَلِمُسْلِمٍ: «إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُجِبْ، عُرْساً كَانَ أَوْ نَحْوَهُ»(۲).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (۱) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو ولیمیلق پر بلایا جائے تو وہاں جائے۔" متفق علیہ' امام مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: "جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کو دعوت دے تو وہ اس دعوت کو قبول کر لے' خواہ یہ شادی کے موقعہ پر کی گئی دعوت ہو یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت"

(۱) حضرت ابن عمر سے مروی پہلی حدیث ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور دوسری حدیث ہر دعوت قبول کرنے کے وجوب پر دال ہے ۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اگرچہ یہ دونوں ایک ہی راوی سے مروی ہیں اس حدیث کے ظاہر پر اہل ظواہر اور بعض شوافع کا عمل ہے ۔ ان کا قول ہے کہ ہر دعوت کو قبول کرنا مطلقاً" واجب ہے۔

ابن حزم کا دعوی ہے کہ جمہور اور تابعین کا یہی قول ہے۔ ان میں سے بعض نے شادی کے ولیمے اور دیگر دعوتوں میں فرق رکھا ہے۔ ابن عبدالبر اور قاضی عیاض نیز نووی نے شادی کے ولیمے کو قبول کرنے کے وجوب پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے ۔ جمہور شوافع اور حنابلہ نے تو کہا ہے کہ یہ فرض عین ہے اور اس پر امام مالک نے بھی نص کیا ہے۔ بعض سے اس کا فرض کفایہ ہونا منقول ہے ۔ امام شافعی کے کلام میں شادی کے ولیمے کی دعوت قبول کرنے کے وجوب کی طرف اشارہ ہے ۔ اور دوسری دعوتوں کے سلسلے میں عدم رخصت

---

(۱) حضرت ابن عمر کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۳۱ ' مسلم شریف حدیث ۹۶ تا ۹۸ من النکاح ' سنن ابی داؤد ۳۷۳۶' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۶۰' ۲۶۱' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۳۸' فتح الباری ج ۹ ص ۴۰

حضرت ابن عمر سے امام مسلم کی روایت کے حوالے:۔ مسلم شریف حدیث ۱۰۰ من النکاح ' سنن ابی داؤد ۳۷۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۶' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۶۲' مصنف عبدالرزاق ۱۹۶۶۶' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۴۲' ا تمہید ج ۱ ص ۲۷۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے: "ولیمہ کی دعوت پر جانا حق ہے اور ولیمہ وہی ہے جو شادی کے ولیمے کے نام سے معروف ہے اور ہر وہ دعوت بھی ولیمہ ہے جس میں کسی کو بلایا جائے۔ اسے ترک کرنے کی میں کسی کو رخصت نہیں دیتا' اگر کوئی یہ دعوت ترک کر دے تو میرے لئے یہ واضح نہیں کہ ایسا شخص گنہگار ہو گا جس طرح یہ بات واضح ہے کہ شادی کے ولیمے پر نہ جانے والا گنہگار ہوتا ہے۔

المھدی کے "البحر" میں منقول ہے کہ اہل بیت کا اس پر اجماع ہے کہ ولیمے کی دعوت قبول کرنا واجب نہیں ہے۔ تمام ولیموں کا یہی حکم ہے۔ وجوب کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن دقیق العید نے "شرح الاعام" میں کہا ہے: "اعذار کی بنا پر ولیمے میں نہ جانے کی گنجائش ہے۔ ایک عذر یہ ہے کہ پیش کئے جانے والے کھانے کے بارے میں شبہ ہو یا یہ کھانا مالداروں کے ساتھ خاص ہو یا ولیمے کی دعوت میں موجود کسی شخص کی وجہ سے اسے اذیت محسوس ہو' یا وہ اس کے ساتھ بیٹھنے کے لائق ہی نہ ہو یا لوگوں نے اسے صرف اس کے شر کے خوف سے بلایا ہو یا اسکے جاہ و مرتبہ کے پیش نظر اسے دعوت دی ہو یا کسی غلط کام میں اس سے مدد حاصل کرنے کی خاطر اسے مدعو کیا ہو یا میزبان کے ہاں شراب یا لہو و لعب کا دور چل رہا ہو یا ریشمی دریاں بچھی ہوں یا گھر کی دیواروں پر ریشمی پردے پڑے ہوں یا گھر میں کوئی تصویر موجود ہو یا میزبان سے معذرت کر لی جائے اور پھر وہاں نہ جایا جائے یا اس کی باری تیسرے چکر میں آنے والی ہو جیسا کہ بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے' یہ اور ان جیسے دیگر اعذار جب ولیمہ قبول کرنے کے وجوب کے قول کے باوجود ولیمہ ترک کیا جا سکتا ہے' اس لئے ولیمہ قبول کرنے کے استحباب کے قول پر ان اعذار کی وجہ سے ولیمہ بطریق اولی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو دعوت پر بلایا۔ انہوں نے گھر کی ایک دیوار پر پردہ پڑا ہوا دیکھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ "اس بارے میں ہماری خواتین ہم پر غالب آ گئی ہیں۔" یہ سن کر حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا: "کسی اور کے بارے میں تو مجھے خطرہ ہو سکتا تھا لیکن تمہارے بارے میں مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا' خدا کی قسم' میں تمہارے گھر میں کھانا نہیں کھاؤں گا" یہ کہا اور کھائے بغیر واپس ہو گئے۔ اس کی روایت امام بخاری نے تعلیقاً کی ہے جب کہ امام احمد نے اپنی "مسند" میں اور مسرد نے اسکی موصولاً روایت کی ہے۔ طبرانی نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ " میرے والد کے زمانے میں میری دعوت ولیمہ ہوئی۔ ہم نے لوگوں کو اسکی اطلاع دی۔ ان میں حضرت ابو ایوب بھی تھے' میرے گھر والوں نے میرے کمرے کی دیواروں کو سبز دھاری دار کپڑے سے سجا دیا۔ حضرت ابو ایوب آئے' سر اٹھایا اور اس پردے کو دیکھ لیا' اور پھر فرمایا: عبداللہ' تم لوگ دیواروں پر پردے لٹکاتے ہو؟" میرے والد نے ذرا جھجکتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے کہا: "حضرت اس معاملہ میں عورتیں ہم پر غالب آ گئی ہیں!" یہ سن کر حضرت ابو ایوب نے فرمایا: "تمہیں کس کے بارے میں خطرہ تھا کہ عورتیں اس پر غالب آ جائیں گی؟" اس پر لوگوں نے حضرت ابو ایوب کو ساری صورت حال بتا دی۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام آنا شروع ہو گئے۔ جو پہلے آتا پہلے بیٹھ جاتا یہاں تک کہ حضرت ابو ایوب بھی آ گئے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت ابوایوبؓ سے کہا: "میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ واپس چلے جائیں۔" یہ سن کر حضرت ابو ایوب نے کہا: "اور میں نے اپنے آپ سے عزم کر رکھا ہے کہ آج کے دن میں کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔" یہ کہہ کر وہ واپس ہو گئے

امام احمد نے کتاب الزہد میں روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ کو شادی پر آنے کی دعوت دی، وہ جب اس کے گھر گئے تو دیکھا کہ گھر میں نماز کے مصلوں کے پردے لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "اوفلاں، تم نے کب سے اپنے گھر کو کعبہ میں تبدیل کر لیا ہے؟" پھر انہوں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے دیگر صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر کہا: "ہر شخص اپنے ساتھ والا پردہ پھاڑ دے۔" یہ حدیث اور اس سے ماقبل کی حدیث دیواروں پر پردے لگانے کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔

ابو داؤد وغیرہ نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "دیواروں پر کپڑوں کے پردے نہ لٹکاؤ!" اس روایت میں ضعف ہے اور اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حضرت سلمان سے موقوفاً روایت کی ہے کہ انہوں نے گھر میں پردوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا: "کیا تمہارے گھر کو بخار ہو گیا ہے یا اسے تم نے کعبہ میں تبدیل کر لیا ہے۔" پھر فرمایا: "جب تک یہ پردے پھاڑ نہیں دئے جائیں گے اس وقت تک میں اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔" اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے تو دیوار پر پردہ لٹکانے کی قطعیت کے ساتھ تحریم کر دی ہے اور جمہور شوافع کا کہنا ہے کہ یہ مکروہ ہے امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو لباس پہنانے کا حکم نہیں دیا۔" یہ کہہ کر آپؐ نے پردے کو کھینچ کر اسے پھاڑ دیا۔ اس کا تعلق ایک معروف واقعہ کے ساتھ ہے۔ کافی عرصہ ہوا ہم نے اس مسئلے میں ایک سوال کے جواب کے طور پر ایک رسالہ تحریر کیا تھا۔ طبرانی نے "الاوسط" کے اندر حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت کی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت طعام قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔" نسائی نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے "جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ کبھی ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس میں شراب کا دور چل رہا ہو۔" اس روایت کی سند عمدہ ہے۔ ترمذی نے ایک اور طریق سے حضرت جابرؓ سے اس کی روایت کی ہے، اس کی سند میں ضعف ہے۔ امام احمد نے حضرت عمرؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اسکی تخریج کی ہے' خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعوت اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے اور منکرات کا وجود اس سے مانع ہوتا ہے۔ اس طرح مقتضی اور مانع کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا۔ اس لئے مانع کے حق میں حکم عائد ہو گا۔

۹۷۹/۳ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ: يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا؛ وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بدترین کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس سے ان لوگوں کو روک دیا جائے جو شریک ہونا چاہتے ہوں اور ان لوگوں کو بلایا جائے جو آنا نہ چاہتے ہوں اور جو شخص دعوت قبول نہ کرے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا نافرمان ہے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) یعنی فقراء اس پر طبرانی کی حضرت ابن عباس سے روایت کردہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ "بد ترین کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں ان لوگوں کو بلایا جائے جو پہلے سے سیر ہیں اور بھوکوں کو اس میں شریک نہ ہونے دیا جائے۔" اگر دونوں گروہوں کی اس میں شمولیت ہو جائے تو اس کی برائی زائل ہو جائے گی۔

(۲) یعنی مالدار لوگ

یہاں ولیمہ سے مراد شادی کا ولیمہ ہے کیونکہ ابھی قریب ہی گذر چکا ہے کہ جب کسی قید کے بغیر اسے مطلق بولا جائے تو اس سے شادی کا ولیمہ مراد ہو گا۔ ولیمہ کے کھانے کی برائی کی وجہ بیان ہو گئی۔ یہ فقرہ کہ "اس میں ان لوگوں کو بلایا جائے جو آنا نہ چاہتے ہوں" جملہ مستانفہ ہے اور اس کے ذریعے کھانے کی برائی کی وجہ بیان کر دی گئی ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جسے دعوت دی جائے اس پر یہ دعوت قبول کر لینا واجب ہو جاتا ہے۔ خواہ اسے بد ترین کھانے کی کیوں نہ دعوت دی گئی ہو۔ نیز یہ کہ جو شخص دعوت قبول نہیں کرتا وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس پر بحث پہلے گذر چکی ہے۔

۹۸۰/٤ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِماً فَلْيُصَلِّ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِراً فَلْيَطْعَمْ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ أَيْضاً(۱).

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ نَحْوُهُ وَقَالَ: «فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ»

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۱) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو وہ اسے قبول کر لے' اگر وہ روزہ دار ہو تو دعا کرے اور اگر روزے کے بغیر ہو تو کھا لے" اس کی تخریج بھی امام مسلم نے کی ہے' انہوں نے حضرت جابرؓ سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے۔ اس میں ہے": اگر چاہے تو کھا لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے"

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ روزہ دار کو اگر دعوت طعام دی جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے روزے کو عذر نہ بنائے۔ حدیث میں لفظ ہے (فلیصل) اس کے معنی مراد میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کھانا کھلانے والوں کے لئے مغفرت اور برکت کی دعا کرے۔ ایک اور قول کے مطابق اس سے معروف صلواۃ یعنی نماز مراد ہے کہ وہ نماز میں مشغول ہو جائے تاکہ اس کی اس نماز کی فضیلت اور برکت کھانا دینے والوں اور حاضرین کو حاصل ہو جائے۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعوت طعام قبول کرنے کے لئے اپنا روزہ نہ توڑے۔ اگر اس نے فرض روزہ رکھا ہو تو روزہ توڑنے کی حرمت کے بارے کوئی اختلاف نہیں ہے اور اگر نفلی روزہ ہو تو روزہ توڑ دینا جائز ہو گا۔ حدیث کا لفظ "تو کھالے" کھانے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ شوافع کے نزدیک زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ولیمہ اور غیر ولیمہ میں کھانا کھا لینا واجب نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ظاہر امر کی وجہ سے کھا لینا واجب ہو گا۔ اور اس کی کم سے کم حد ایک لقمہ ہے اس سے زائد واجب نہیں' جو لوگ کھا لینے کو واجب نہیں کہتے ان کا قول ہے کہ مذکورہ امر استحباب کے لئے ہے۔ اور استحباب کی طرف لوٹانے والا قرینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جس کی تخریج امام مسلم نے حضرت جابر سے کی ہے کہ "اگر چاہے کھا لے اور اگر چاہے چھوڑ دے۔" اس لئے کہ آپؐ نے اسے اختیار دے دیا۔ اور تخییر کھانے کے عدم وجوب کی دلیل ہے' یہی وجہ ہے کہ مصنف کتاب نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ کی پہلی حدیث کے بعد بیان کیا۔

۹۸۱/۵ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «طَعَامُ الْوَلِيمَةِ أَوَّلَ يَوْمٍ حَقٌّ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ، وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللَّهُ بِهِ» رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاسْتَغْرَبَهُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ.

وَلَهُ شَاهِدٌ عَنْ أَنَسٍ عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ(۱).

---

(۱) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے حوالے:۔ سنن ترمذی ۱۰۹۷' سنن ابن ماجہ ۱۹۱۵' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۶۰' المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۰ فتح الباری ج ۹ ۲۴۳' مشکواۃ المصابیح ۳۲۲۴' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولیمے کا کھانا پہلے دن حق ہے اور دوسرے دن کا کھانا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا دکھلاوا ہے اور جو شخص ریاکاری کرے گا اللہ اسے رسوا کر دے گا۔" امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور اسے غریب قرار دیا ہے (جس حدیث کی روایت صرف ایک راوی نے کی ہو اسے غریب کہتے ہیں ---------- مترجم) اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں ابن ماجہ نے حضرت انس سے اس کے ایک شاہد کی روایت کی ہے۔

(۱) یعنی واجب یا مستحب ہے۔

(۲) انہوں نے کہا ہے کہ "ہمیں یہ حدیث صرف زیاد بن عبداللہ البکائی کی روایت کے ذریعے ملی ہے اور یہ شخص بہت زیادہ منکر اور عجیب و غریب روایتیں کرتا تھا۔" مصنف کتاب نے گویا امام ترمذی کی اس رائے کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ "اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔" تاہم مصنف نے یہ بھی کہا ہے کہ "زیاد مختلف فیہ ہے اور اس کے شیخ عطاء بن السائب کی عقل خراب ہو گئی تھی اور اس اختلاط کے بعد زیاد نے ان سے سماع کیا تھا" میں (شارح) کہتا ہوں کہ ایسی صورت میں مصنف کا یہ کہنا درست نہیں کہ اس روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں' اس کے بعد مصنف نے کہا ہے کہ "ابن ماجہ نے حضرت انس سے اس کے ایک شاہد کی روایت کی ہے۔"

اس شاہد کے اسناد میں عبدالملک بن حسین ایک ضعیف راوی ہے' اس باب میں بہت سی دیگر احادیث ہیں لیکن وہ بھی طعن سے خالی نہیں ہیں - (شاہد وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی حدیث کی فرد کے راویوں کے ساتھ لفظی اور معنوی یا صرف معنوی طور پر مشارکت ہو جائے لیکن صحابی مختلف ہوں ------- مترجم)

زیر نظر حدیث ولیمہ میں دو دن تک ضیافت کی مشروعیت کی دلیل ہے۔ پہلے دن تو واجب ہے جیسا کہ حدیث کے لفظ (حق) سے اس کا اشارہ ملتا ہے کیونکہ ثابت اور لازم بات کو حق کہتے ہیں۔ اس بارے میں بحث پہلے گذر چکی ہے۔ دوسرے دن ضیافت سنت ہے یعنی ایسا جاری طریقہ جس پر عمل کے لوگ عادی ہیں۔ اس میں میزبان کی طرف سے کسی ریاکاری اور دکھلاوے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ تیسرے دن ولیمہ کی ضیافت ریاکاری اور دکھلاوا ہے اس لئے اس پر عمل حرام ہو گا اور اسے قبول کرنا بھی حرام ہو گا۔ اکثر علماء کا یہی مسلک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ نووی نے کہا ہے: "اگر کوئی شخص تین دن تک ولیمہ کرے تو تیسرے دن اس میں شرکت مکروہ ہو گی اور دوسرے دن کی شرکت مطلقاً" واجب نہیں ہوگی اور اس کا استحباب اس طرح کا نہیں ہوگا جس طرح کا پہلے دن کا ہو گا۔ ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ تیسرے دن ولیمہ میں شرکت اس شخص کے حق میں مکروہ نہیں ہو گی جسے پہلے اور دوسرے دن مدعو نہ کیا گیا ہو۔ اس لئے کہ اگر مدعوئین کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ایک ہی دن ان کو اکٹھا کرنا مشکل ہو تو پھر ہر دن باری باری ایک ایک گروہ کو بلانے میں کوئی دکھلاوا اور ریاکاری نہیں ہو گی۔ یہ بات قرین قیاس ہے۔ امام بخاری کا میلان اس طرف ہے کہ سات دن تک ضیافت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ انہوں نے ایک باب کا عنوان قائم کرتے ہوئے کہا ہے: "ولیمہ اور دعوت قبول کرنے کے حق کا نیز ایسے شخص کا باب جو سات دنوں یا اتنے جیسے دنوں تک ولیمہ کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یا دو دن کا وقت مقرر نہیں کیا۔" امام بخاری نے اس کے ذریعے اس روایت کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس کی تخریج ابن ابی شیبہ نے حفصہ بنت سیرین سے کی ہے حفصہ نے کہا: "جب میرے والد نے نکاح کیا تو سات دن تک صحابہ کی دعوت کرتے رہے" ایک روایت میں آٹھ دن کا ذکر ہے' اسی طرف امام بخاری نے اپنے قول "یا اتنے جیسے دنوں تک" کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔ امام بخاری نے یہ کہہ کر کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یا دو دن کا وقت مقرر نہیں کیا" یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ انکے نزدیک زیر نظر حدیث صحیح نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ "ہمارے اصحاب نے خوش حال اور اہل ثروت افراد کے لئے سات دنوں تک ولیمہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ اس طرح مالکیہ نے امام بخاری کے کلام کے مدلول کو اپنا مسلک بنایا ہے۔

٩٨٢/٦ - وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: «أَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيرٍ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ(١)

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ کا ولیمہ دو مد جو سے کیا تھا۔" امام بخاری نے اس کی تخریج کی ہے۔

(١) صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحجبی' ان کا تعلق بنی عبدالدار سے تھا' ایک قول کے مطابق انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی اور دوسرے قول کے مطابق زیارت نہیں ہوئی تھی' ابن سعد نے قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ موصوفہ تابعین میں سے ہیں۔

---

(١) صفیہ بنت شیبہ کی روایت کا حوالہ :۔ فتح الباری ج ٩ ص ٢٣٨

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) مصنف کتاب نے کہا ہے کہ "اس زوجہ ' محترمہ کے نام کی تعیین کا مجھے پتہ نہیں چل سکا" پھر انہوں نے کہا: "اس باب میں دیگر احادیث بھی ہیں جن سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ حضرت ام سلمہ تھیں۔" ایک قول کے مطابق یہ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کا ولیمہ تھا۔ حدیث کا لفظ ہے "اپنی بعض نساء کا" اس سے مراد وہ خاتون ہے جس کی نسبت آپؐ کی طرف فی الجملہ تھی یعنی حضرت فاطمہؓ۔ اگرچہ یہ تاویل خلاف متبادر ہے تاہم اسماء بنت عمیس سے طبرانی کی روایت سے اسکی تائید ہوتی ہے ۔ اسماء کے قول کے مطابق حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کا ولیمہ کیا۔ اس زمانے میں دیا جانے والا کوئی ولیمہ مذکورہ ولیمے سے افضل نہیں تھا' حضرت علیؓ نے اپنی زرہ نصف مدجو کے بدلے ایک یہودی کے پاس گروی رکھ دی۔ ' زیر نظر حدیث میں مذکور دو مد جو سے شاید یہی مراد ہو۔ کیونکہ دو مد نصف صاع کے برابر ہیں۔ گویا انہوں نے یہ کہا کہ " نصف صاع جو" اس طرح اس کا انطباق اس واقعہ پر ہو جائے گا جو ہمارے زیر بحث ہے ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ولیمے کی نسبت اس بنا پر مجازی نسبت ہو گی کہ آپؐ نے ہی مذکورہ یہودی کو جو کی ادائیگی کی تھی یا اس کی کوئی اور وجہ ہوگی۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ اس تاویل کا تکلف کسی سے مخفی نہیں ہے۔ جب کہ اس امر میں کوئی امر مانع نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مد جو کے ذریعے ولیمہ کیا ہو اور حضرت علیؓ نے بھی دو مد جو سے ولیمہ کا انتظام کیا ہو۔ اور اس باب میں جس ولیمے کا ذکر ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ ہو۔

۹۸۳/۷ ۔ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: «أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ، فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ، فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ، وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ، فَأُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْأَقِطُ وَالسَّمْنُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(۱).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین رات تک قیام کیا جس کے دوران حضرت صفیہ کی رخصتی ہوئی ' میں نے مسلمانوں کو آپؐ کے ولیمے کی دعوت دی ۔ اس ولیمے میں روٹی اور گوشت نہیں تھا' بس آپؐ نے چمڑے کی چند دریاں بچھانے کا حکم دیا' جب یہ بچھ گئیں تو ان پر کھجوریں اور پنیر نیز گھی لا کر رکھ دیا گیا" متفق علیہ حدیث کے الفاظ امام

---

(۱) حضرت انس کی روایت کے حوالے :۔ فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۶'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری کی روایت کے ہیں۔

(۱) یبنی ۔۔ مضارع مجہول کا صیغہ ہے' یعنی آپ ؐ کے لئے ایک نیا خیمہ حضرت صفیہ کی وجہ سے یا انکی رخصتی کے لئے لگایا گیا۔

(۲) الاقط' قاموس کے اندر اقط بروزن ابل بیان ہوا ہے اقط یعنی پنیر بکریوں کے دودھ سے مکھن نکالنے کے بعد اس کی چھاچھ سے بنایا جاتا ہے کھجور پنیر اور گھی کے مجموعے کو حیس کہا جاتا ہے جو ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ بکری ذبح کئے بغیر بھی ولیمہ ہو سکتا ہے نیز سفر کے دوران بھی دلہن کی رخصتی ہو سکتی ہے نیز یہ کہ نئی بیوی کو شب باشی کے لئے تین راتیں مل سکتی ہیں خواہ سفر کی حالت کیوں نہ ہو۔

٩٨٤/٨ - وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا اجْتَمَعَ دَاعِيَانِ فَأَجِبْ أَقْرَبَهُمَا بَاباً، فَإِنْ سَبَقَ أَحَدُهُمَا فَأَجِبِ الَّذِي سَبَقَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ.(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "اگر دو افراد کی طرف سے کھانے کی دعوت ملے تو اس فرد کی دعوت قبول کر لو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو' اگر دونوں میں سے ایک کی دعوت پہلے آجائے تو اسکی دعوت کو قبول کر لو۔" ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(۱) "التلخیص" میں یہ اضافہ ہے "کیونکہ ان دونوں میں سے جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو گا اس کا پڑوس تم سے زیادہ قریب ہو گا۔"

(۲) لیکن اسکے اسناد کے تمام راوی قابل اعتماد ہیں' اب یہ نہیں معلوم کہ مصنف نے کس وجہ سے اسکی سند کو ضعیف کہا ہے' کیونکہ ابو داؤد نے ہناد بن السری سے' انہوں نے عبدالسلام بن حرب سے' انہوں نے ابو خالد الالانی سے' انہوں نے ابو العلاء الاودی سے' انہوں نے حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے اس کی روایت کی ہے' اور ان تمام راویوں کی توثیق ائمہ حدیث نے کی ہے البتہ ابو خالد الدالانی ایسا راوی ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابو حاتم نے اس کی توثیق کی ہے' امام احمد اور ابن معین نے کہا ہے کہ "اس میں کوئی خرابی نہیں" ابن حبان نے کہا ہے کہ نرم (کمزور)

---

(۱) مسلم شریف حدیث ۱۳۶۵ حضور کے ایک صحابی کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۳۷۵۶' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔" ابن شریک نے کہا ہے کہ "یہ فرقہ مرجیہ سے تعلق رکھتا تھا۔"

زیر نظر حدیث مصنف کے بیان کردہ سیاق میں بظاہر موقوف روایت ہے۔ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ اگر دو افراد کی طرف سے کسی کو دعوت طعام ملے تو جس کی دعوت پہلے آئی ہو گی اس کا زیادہ حق ہو گا۔ اگر دونوں یکساں ہوں تو پھر پڑوسی کو مقدم کرو' اور پڑوسیوں کے بھی کئی مراتب ہیں' ان میں سب سے بڑھ کر حقدار وہ ہوگا جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو گا۔ اگر اس اعتبار سے بھی دونوں یکساں ہوں تو پھر دونوں کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی۔

۹۸۵/۹ ۔ وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا آكُلُ مُتَّكِئًا». رَوَاهُ ٱلْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) حدیث میں مذکورہ لفظ متکئا "کا مصدر الاتکاء ہے' یہ الوکاء سے ماخوذ ہے' اس میں حرف تاء حرف واؤ سے بدل گیا ہے' وکاء اس بندھن کو کہتے ہیں جس کے ذریعے تھیلی وغیرہ کا سرا باندھ دیا جاتا ہے۔ گویا ٹیک لگا کر بیٹھنے والا اپنے مقعد کا منہ اس فرش پر بیٹھ کر باندھ دیتا ہے جو اسکے نیچے ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ فرش یا بستر پر جم کر سیدھے بیٹھنا۔ خطابی نے کہا ہے کہ "یہاں المتکئ سے مراد وہ شخص ہے جو چوکڑی مار کر یا اسی طرح کی کسی اور صورت میں اپنے نیچے بچھے ہوئے بستر یا فرش پر جم کر بیٹھا ہو۔" انہوں نے کہا ہے کہ "جو شخص فرش پر سیدھا بیٹھا ہو وہ متکئ کہلاتا ہے' لیکن عوام الناس متکئ اس شخص کو کہتے ہیں جو بیٹھنے کی حالت میں اپنے جسم کی ایک جانب جھکا ہوا ہو۔"

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ "جب میں کھانا کھاتا ہوں تو ٹیک لگا کر نہیں بیٹھتا جس طرح وہ شخص بیٹھتا ہے جو زیادہ کھانا چاہتا ہو' لیکن میں گذارے کے مطابق کھاتا ہوں' اس لئے میرا بیٹھنا بس اتنا ہوتا ہے کہ گویا میں اٹھنے کے لئے تیار ہوں" جن حضرات نے اتکاء کو جسم کی ایک جانب جھک کر بیٹھنے پر محمول کیا ہے انہوں

---

(۱) حضرت ابو جحیفہ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۹۳' سنن ابی داؤد ۳۷۶۹' مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۸'۳۰۹' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۸۳' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۰۲' مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۶۸' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۲۸۶' مسند الحمیدی ۸۹۱' طبقات ابن سعد ۱/۲/۱۰۰' شمائل ۶۴' ۷۷' فتح الباری ج ۹ ص ۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اطباء کے مسلک کے مطابق اس کی تاویل کی ہے کہ اس طرح بیٹھنا نقصان دہ ہے' اس لئے کہ ایسی صورت میں کھانا آسانی سے طعام کی نالیوں سے نیچے نہیں اترتا اور نہ ہی اس طرح کھانے میں لطف آتا ہے۔ بلکہ بعض وقعہ اس سے تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۰/۶، ۹ ۔ وعَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا غُلَامُ، سَمِّ اللَّهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت عمر بن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:" اے لڑکے' بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ' اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ "متفق علیہ"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کھانے پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے کیونکہ اس کا امر کیا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق کھانے پر بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔ اس پر پینے کو بھی قیاس کیا جائے گا۔ حکماء نے کہا ہے کہ "اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھے تاکہ دوسرے بھی سنیں اور خبردار ہو جائیں۔ اگر کوئی شخص نسیان وغیرہ کے سبب کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھے تو کھانے کے دوران کہے "بسم اللہ اولہ و آخرہ" (کھانے کے اول اور اخر میں اللہ کے نام سے کھانا کھاتا ہوں) کیونکہ ابو داؤد ترمذی اور دیگر حضرات کی اس بارے میں روایت کردہ حدیث موجود ہے جسے ترمذی نے حسن اور صحیح کہا ہے' وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص جب کھانا کھانے لگے تو بسم اللہ پڑھے' اگر کھانے کی ابتداء میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو پھر یہ کہے " بسم اللہ اولہ و آخرہ " جب بہت سے لوگ اکٹھے بیٹھ کر کھا رہے ہوں تو ہر ایک کو بسم اللہ پڑھنا چاہئے' اگر صرف ایک شخص بسم اللہ پڑھ لے تو اسکے بسم اللہ پڑھنے سے سنت ادا ہو جائے گی۔ یہ بات امام شافعی نے فرمائی ہے۔ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ نے خبر دی ہے کہ شیطان اس کھانے کو اپنے لئے حلال کر لیتا ہے جس پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو' اگر کھانے والوں میں سے ایک شخص بھی اللہ کا نام لے لے تو اس کھانے پر یہ بات صادق آ جائے گی کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ "

---

(۱) عمرو بن ابی سلمہ کی روایت کے حوالے :۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۸۸' مسلم شریف حدیث ۱۰۸ فی الاشربہ ' سنن ابن ماجہ ۳۲۶۷' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۷۷' فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۱' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۲۷۵' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم صرف واجب ترک کرنے والے کو بد دعا دیتے تھے۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپؐ نے اسے اسکے تکبر کی وجہ سے بد دعا دی ہو' اور اس احتمال میں بھی کوئی منافات نہیں کہ آپؐ کی بددعا اس کی مذکورہ دونوں باتوں کی وجہ سے ہو۔

حدیث کے فقرے: "اپنے سامنے سے کھاؤ" میں یہ دلیل موجود ہے کہ اپنے سامنے سے کھانا واجب ہے نیز یہ کہ ہم نشیں کے ساتھ حسن معاشرت ہونا چاہئے نیز یہ کہ انسان کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اس کے ہم نشیں کو بری لگے اور اس میں برے برتاؤ کا پہلو ہو یا ترک مروت ہو۔ کیونکہ بعض دفعہ اس کے ہم نشیں کو اس بات سے گھن آتی ہے کہ وہ اپنے سامنے سے کھانے کی بجائے بڑے برتن میں ادھر ادھر ہاتھ مار رہا ہو' خاص طور پر جب کہ کئی لوگ مل کر ایک بڑے پیالے میں ثرید (شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی) اور شوربہ کھا رہے ہوں یا اسی طرح کا کوئی اور کھانا تناول کر رہے ہوں۔ البتہ پھلوں کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے۔ امام ترمذی وغیرہ نے عکراش بن ذویب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: "ہم ایک بڑا پیالہ لے کر آئے جس میں بہت سا ثرید اور وذر (حرف واوؔ پر زبر'حرف ذال پر زبر اور پھر حرف راء' وذرہ کی جمع معنی ہڈی کے بغیر گوشت کا ٹکڑا) تھا۔ میرے ہاتھ اس تھال کے مختلف کناروں پر پڑنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے سے کھا رہے تھے' آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ۔ عکراش' ایک ہی جگہ سے کھاؤ کیونکہ یہ ایک ہی کھانا ہے۔" پھر ہم ایک بڑی سی طشتری لے کر آئے جس میں رنگ برنگ کی کھجوریں تھیں۔ میں نے اپنے سامنے سے کھانا شروع کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پوری طشتری میں پھر رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: "عکراش' جہاں سے چاہو کھاؤ کیونکہ یہ کھجوریں ایک ہی رنگ کی نہیں ہیں"۔ یہ حدیث کھانوں اور پھلوں کے درمیان فرق پر دلالت کرتی ہے ۔ بلکہ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر خورونی شے خواہ وہ کھانا ہو یا کچھ اور ' مختلف رنگوں اور قسموں کی ہو تو کھانے والا برتن کے جس جانب سے کھانا چاہے اسے کھانے کی اجازت ہو گی۔ اسی طرح اگر کھانے والے کے سامنے کچھ نہ بچے تو اسے اجازت ہو گی کہ برتن کے تمام جوانب سے کھانے کی چیز اٹھا کر کھالے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی ' حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ: "میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا گیا۔ میزبان نے جو کی روٹیاں اور کدو کا شوربہ لا کر رکھا ۔ اس شوربے میں گوشت کے ٹکڑے بھی تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پیالے کے کناروں میں کدو کی قاشیں تلاش کر رہے تھے۔ میں اسی دن سے کدو کی قاشیں تلاش کرتا رہتا ہوں۔" اس حدیث میں ہے کہ " جب میں نے یہ دیکھا تو کدو کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاشیں آپؐ کی طرف ڈالنے لگا اور خود نہ کھایا۔" یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ کدو کی قاشیں تلاش کر کے آپؐ کے ساتھ اپنی محبت کی وجہ سے حضرت انسؓ پورے پیالے سے کدو کی قاشیں تلاش کر کے آپؐ کو دیتے رہے۔ یہ بحث تو اپنی جگہ رہی' پیالے کے درمیان سے بھی کھانے کی ممانعت ہے جس پر اگلی حدیث دال ہے۔

۹۸۷/۱۱ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيدٍ. فَقَالَ: «كُلُوا مِنْ جَوَانِبِهَا، وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهَا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِي وَسَطِهَا». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ. وَهَذَا لَفْظُ النَّسَائِيِّ ، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ[1].

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑے پیالے میں ثرید بھر کر لائی گئی۔ آپؐ نے فرمایا:" اسکے کناروں سے کھاؤ' اسکے درمیان سے نہ کھاؤ اس لئے کہ اس کے وسط میں برکت نازل ہوتی ہے۔" چاروں اصحاب سنن نے اسکی روایت کی ہے۔ حدیث کے الفاظ نسائی کی روایت کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔

یہ حدیث پیالے کے درمیان سے کھانے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی وجہ آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ پیالے کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے اور اگر اسکے درمیان سے کھایا جائے تو گویا کھانے پر برکت نازل نہیں ہوگی۔ نہی تحریم کی مقتضی ہے۔ ایک شخص خواہ لوگوں کے ساتھ مل کر کھائے یا تنہا کھائے دونوں صورتوں میں حکم یکساں رہے گا۔

۹۸۸/۱۲ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا عَابَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَاماً قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَى شَيْئاً أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[2].

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی

---

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۳۷۷۲' سنن ابن ماجہ ۳۲۷۵' سنن ترمذی ۱۸۰۵' المستدرک ج ۴ ص ۱۱۶' ۱۱۷' مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۱۱' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۸۳' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۳۱۳' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۳۹

(۲) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے حوالے :۔ بخاری شریف باب ۲۱ من الاطعمہ' مسلم شریف باب ۳۵ حدیث ۱۸۷' ۱۸۸' من الاشربہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانے کی عیب چینی نہیں کی اگر آپ ؐ کو ایک چیز کی اشتہا ہوتی تو اسے کھا لیتے اور اگر وہ چیز مفید نہ ہوتی تو اسے چھوڑ دیتے۔ " متفق علیہ اس حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کھانے کی عیب چینی نہیں کرتے تھے نہ ہی اسکی مذمت کرتے تھے ۔ آپ ؐ مثلاً یہ نہ کہتے تھے کہ "اس میں نمک زیادہ ہے یا یہ کھٹا ہے۔ " یا اسی طرح کا کوئی اور فقرہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعام کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ جس کھانے کی آپ ؐ کو اشتہاء ہوتی کھا لیتے اور جس کی اشتہاء نہ ہوتی چھوڑ دیتے۔ کسی کھانے کو آپ ؐ کا چھوڑ دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ کھانے میں نقص نکالنا حرام ہے ۔

۹۸۹/۱۳ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تَأْكُلُوا بِالشِّمَالِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِالشِّمَالِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا :" بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ " امام مسلم نے اسکی روایت کی ہے ۔ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ زیر نظر حدیث بائیں ہاتھ سے کھانے کی تحریم کے دلائل میں سے ایک ہے ۔ اگرچہ جمہور کا مسلک صرف اسکی کراہت کا ہے۔ پینے کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے ۔ یہ روایتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شیطان حقیقتاً" کھاتا اور پیتا ہے ۔

۹۹۰/۱٤ - وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۲).

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جب تم میں سے کوئی شخص پانی پئے تو برتن کے اندر سانس نہ لے۔ " متفق علیہ

---

(۱) حضرت جابرؓ کی روایت کے حوالے :۔ مسلم شریف باب ۱۳ حدیث ۱۰۴ من الاشربہ ' سنن ابن ماجہ ۳۲۶۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۴' الاحادیث الصحیحہ ج ۳ ص ۲۳۹

(۲) حضرت ابو قتادہ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۲' ص ۵۰' ج ۷ ص ۱۴۶' سنن ترمذی ۱۸۸۹' مسلم شریف حدیث ۱۶۶۸ من الاشربہ ' سنن نسائی ج ۱ ص ۴۳' سنن ابن ماجہ ۳۴۲۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۳' ج ۵ ص ۳۰۹ ' شرح السنہ ج ۱ ص ۳۶۷' ج ۱۱ ص ۱۷۳' فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۳' ج ۱۰ ص ۹۲' ۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) تین دفعہ

شیخین نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پینے کے دوران تین دفعہ سانس لیتے تھے یعنی پینے کے دوران ' پینے کے برتن میں نہیں۔ اس کی وجہ امام مسلم کی روایت میں وارد ہوئی ہے کہ یہ طریقہ پیاس کو زیادہ ختم کرنے والا اور زیادہ صحت مند ہے کیونکہ اس میں ہضم ہونے کی صورت موجود ہے اور معدے کو ٹھنڈا کر دینے کے عمل سے بھی یہ پاک ہے ' یہ طریقہ زیادہ پر لطف بھی ہے کیونکہ اس میں سہولت ہے ۔ ایک قول کے مطابق اسکی علت یہ ہے کہ سانس لئے بغیر پانی پینے میں دوسرے شخص کو نفرت دلانے کا خطرہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں پینے والے کے منہ سے کوئی چیز نکل کر پانی میں مل سکتی ہے اور اس طرح یہ پانی دوسرے شخص کے لئے قابل نفرت ہو جائے ۔

۹۹۱/۱۵ - وَلأَبِي دَاوُدَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا نَحْوَهُ، وَزَادَ: «وَيَنْفُخْ فِيهِ». وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ(۱).

ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے "اور نہ ہی اس میں پھونک مارے" ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے ۔

(۱) مرفوعاً" روایت کی ہے ۔

(۲) مذکورہ بالا امور پر اضافے کے ساتھ

اس حدیث میں پانی کے برتن میں پھونک مارنے کی تحریم پر دلالت ہے۔ امام ترمذیؒ نے حضرت ابو سعیدؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کیا "اگر برتن میں کوئی تنکا دیکھے تو؟" آپؐ نے فرمایا: "اسے بہا دو" مذکورہ شخص نے پھر عرض کیا کہ " میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا" آپؐ نے فرمایا: " پھر برتن کو اپنے منہ کے پاس سے ہٹا دو اور پھر سانس لے لو " پانی کو تین گھونٹ میں پینے کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :" پانی کو ایک ہی دفعہ نہ پیو جس طرح اونٹ پیتا ہے لیکن اسے دو یا تین دفعہ کر کے پیو ' اور جب پینے لگو تو بسم اللہ پڑھو ' اور جب منہ سے برتن ہٹاؤ تو اللہ کی حمد کرو! " اس سے یہ معلوم ہوا کہ دو دفعہ کر کے پینا بھی سنت ہے' البتہ مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پینے سے نہی آئی ہے شیخین نے حضرت ابن عباسؓ

---

(۱) ابو داؤد کی حضرت ابن عباس سے روایت کے حوالے :۔ سنن ترمذی ۱۸۸۹' سنن ابی داؤد ۳۷۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ شیخین نے حضرت ابو سعیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزوں کے اختناث سے منع فرمایا ہے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: "مشکیزوں کا اختناث یہ ہے کہ انکے سرے الٹا دیئے جائیں اور پھر ان سے پانی پیا جائے۔"

حضرت کبشہؓ سے مروی حدیث درج بالا حدیث کی معارض ہے ' وہ کہتی ہیں کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور ایک معلق مشکیزے سے منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پی لیا۔ میں مشکیزے کے پاس گئی اور اس کا سر کاٹ کر رکھ لیا یعنی میں نے اسے تبرک کے طور پر رکھ لیا۔ ہم اسے بیماری سے شفاء کے لئے بھی استعمال کرتے تھے۔" امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور کہا ہے یہ حسن ' غریب اور صحیح حدیث ہے۔ ابن ماجہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے اور دونوں روایتوں کے درمیان یہ کہہ کر تطبیق دی ہے کہ بڑی مشک سے اس طرح پانی پینے کی نہی ہے جب کہ قربہ چھوٹا مشکیزہ ہوتا ہے۔ یا یہ کہ نہی تنزیہ کے لئے ہے تاکہ لوگ اس طریقے کو عادت نہ بنا لیں ' اگر کبھی کبھار ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے کی نہی کی علت یہ ہے کہ بعض دفعہ مشکیزے میں کوئی کیڑا ہوتا ہے جو پینے والے کے منہ میں پہنچ جاتا ہے اور وہ اسے پانی کے ساتھ نگل لیتا ہے جس طرح کہ روایت ہے کہ ایک شخص نے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا اور مشکیزے سے ایک سانپ نکل پڑا۔ اسی طرح کھڑے ہو کر پانی پینے کی نہی بھی ثابت ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر پانی ہرگز نہ پیئے' جو شخص بھول جائے وہ یہ پانی قے کر کے خارج کر دے۔" حضرت انسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے ڈانٹ پلائی ہے 'قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا "کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے ؟" تو حضرت انسؓ نے جواب دیا: "یہ زیادہ سنگین اور زیادہ خبیث طریقہ ہے۔ تاہم اس کی معارض وہ حدیث ہے جس کی روایت امام مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے کہ: میں نے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا' آپؐ نے کھڑے ہو کر یہ پانی پیا۔" ایک سند میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا۔" صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بیان تشریع واجب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی بات بہت سے مواقع پر صادر ہوئی تھی ' رہ گئی یہ بات کہ کھڑے ہو کر پانی پینے والا قے کر کے پانی خارج کرے تو ایسا کرنا اس کے لئے مستحب ہو گا کیونکہ اس بارے میں صحیح حدیث وارد ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کر کے نکال دینے کی حدیث بظاہر یہ بتاتی ہے کہ یہ عمل مطلقاً مستحب ہے خواہ کسی نے بھول کر یا جان بوجھ کر قیام کی حالت میں پانی پیا ہو۔ ان دونوں کے سوا کسی اور نے بھی اگر ایسا کیا ہو تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ: "جو شخص بھول کر قیام کی حالت میں پانی پی لے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر پینے والے کے پاس دیگر لوگ بھی بیٹھے ہوں اور وہ ان سب کو پانی پلانا چاہے تو اسے اپنے دائیں سے پانی پلانے کی ابتداء کرنی چاہئے جیسا کہ شیخین نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی کا پیالہ دیا۔ آپؐ نے پیا ' آپؐ کی بائیں جانب حضرت ابو بکرؓ اور دائیں جانب ایک بدو تھا ' حضرت عمرؓ نے کہا: "اللہ کے رسول ' پیالہ ابو بکر کو دیجئے " لیکن آپؐ نے بدو کو پیالہ دیتے ہوئے جو آپؐ کی دائیں جانب تھا ' فرمایا: " دایاں پہلے! " شیخین نے حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ لایا گیا ' آپؐ نے اس میں سے پیا اور آپ کے دائیں جانب لڑکے تھے جو تمام لوگوں میں کم سن تھے یعنی عبداللہ بن عباسؓ ' اور بڑی عمر کے لوگ آپؐ کی بائیں جانب تھے ' آپؐ نے فرمایا: "او لڑکے ' کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں یہ پیالہ بزرگوں کو دے دوں " حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا " اللہ کے رسول ' آپؐ کا جوٹھا پانی پینے کے لئے میں اپنی ذات پر کسی اور کو ترجیح دینے والا نہیں۔ " چنانچہ آپؐ نے پیالہ انہیں پکڑا دیا۔

پانی پینے کے مکروہات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ پیالے کے سوراخ سے پانی پیا جائے۔ کیونکہ ابوداؤد نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کی پھٹن (سوراخ) سے پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے کا بیان

۹۹۲/۱ ۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لِنِسَائِهِ، فَيَعْدِلُ، وَيَقُولُ: «اللَّهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ، وَلٰكِنْ رَجَّحَ التِّرْمِذِيُّ إِرْسَالَهُ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے لئے باری مقرر کرتے تھے اور اس بارے میں عدل کرتے اور فرماتے:" اے اللہ ' یہ ہے میری طرف سے باری مقرر کرنے کا عمل جو میرے اختیار میں ہے ' اس لئے جو میرے اختیار میں نہیں ' اس پر مجھے ملامت نہ کرنا۔" چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے ۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن ترمذی نے اس روایت کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔

(۱) القسم (حرف قاف پر زبر کے ساتھ) ہر بیوی کے ساتھ اس کی باری پر شب باشی کا نام ہے

(۲) امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اس سے آپؐ کی مراد محبت اور الفت ہے

(۳) ابو زرعہؒ نے کہا ہے کہ " مجھے نہیں معلوم کہ کسی راوی نے اس روایت کے اتصال کے سلسلے میں حماد بن سلمہ کی متابعت کی ہو۔ " تاہم ابن حبان نے حماد بن سلمہ کے طریق سے مروی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حماد نے اس کی روایت ایوب سختیانی سے کی ہے ' انہوں نے ابو قلابہ سے ' انہوں نے عبداللہ بن یزید سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اس کی موصولاً روایت کی ہے' جس راوی نے اس کی روایت مرسل صورت میں کی ہے وہ حماد بن یزید ہیں۔ انہوں نے ایوب سے ' انہوں نے حضرت عائشہ سے اس کی روایت کی ہے ۔ ترمذی نے کہا ہے کہ مرسل روایت زیادہ صحیح ہے۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ ابن حبان کی طرف سے اس کی موصول روایت کو صحیح قرار دینے کے بعد مرسل اور موصول دونوں ایک دوسرے کی موید ہو گئی ہیں۔

زیر نظر حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۲۱۳۴' سنن ترمذی ۱۱۴۰' سنن ابن ماجہ ۱۹۷۱' سنن نسائی ج ۷ ص ۶۴' مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۸۶' مشکل الاثار ج ۱ ص ۸۸' طبقات ابن سعد ۲/۲/ ۲۸' ج ۸ ص ۱۲۱' فتح الباری ج ۹ ص ۳۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شب باشی کی باری مقرر کرتے تھے ۔ اس بات کی طرف اشارہ گذر چکا ہے کہ آیا باری مقرر کرنا آپ ؐ پر واجب تھا یا واجب نہیں تھا ۔ ایک قول کے مطابق واجب نہیں تھا کیونکہ ارشاد باری ہے : (ترجی من تشاء منھن) ان میں سے جسے چاہو مؤخر رکھو ۔۔۔۔ سورہ احزاب آیت ۵۱) تا آخر آیت ۔۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ مباح کر دیا تھا کہ آپ ؐ اپنی ازواج کے درمیان مساوات اور باری کو ترک کر دیں یہاں تک کہ آپ ؐ کو اختیار تھا کہ جس زوجہ محترمہ کے ہاں شب باشی کی باری ہوتی اسے مؤخر کر دیں اور جس کی باری نہ ہوتی اس کے ہاں شب باشی کر لیں ۔ نیز یہ کہ مذکورہ طریق کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا ۔ یہ بات اس بنیاد پر کہی گئی ہے کہ "منھن" کی ضمیر زوجات کی طرف راجع ہے ' جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ ؐ پر ازواج کے درمیان باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا تو اس کے باوجود آپ ؐ کی طرف سے ان کے درمیان شب باشی کے لئے باری کا تقرر آپ ؐ کے حسن خلق کا کمال اور حسن معاشرت کا جمال تھا اور ازواج کی تالیف قلوب کا ایک ذریعہ تھا ۔ زیر نظر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دلی میلان اور محبت بندے کے اختیار سے باہر امور ہیں ' بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں اور ان پر بندے کو کوئی اختیار نہیں ۔ اس پر یہ ارشاد باری دلالت کرتا ہے: ولکن اللہ الف بینھم ' لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی ۔۔۔۔۔ سورہ انفال آیت ۶۳)

اس سے پہلے ارشاد ہے : لو انفقت ما فی الا رض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ' اگر تم زمین کی تمام چیزیں صرف کر دیتے تو پھر بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے ۔۔۔۔۔۔۔ سورہ انفال آیت ۶۳) یہی تفسیر اس ارشاد باری کی ہے (واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ) جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے ۔۔۔۔ سورہ انفال آیت ۲۴)

۹۹۳/۲ ۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس شخص کی دو

---

(۱)حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ۲۱۳۳' سنن ترمذی ۱۱۴۱' سنن نسائی ج ۷ ص ۶۳' سنن ابن ماجہ ۱۹۶۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۷' ۴۷۱' مشکل الاثار ج ۳ ص ۱۳۳' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۴۳' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۵۰ تفسیر طبری ج ۵ ص ۲۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیویاں ہوں اور اس کا میلان ان میں سے ایک ہی کی طرف رہے تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک کنارہ ایک طرف جھکا ہو گا" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بیویوں کے درمیان مساوات قائم کرنا شوہر پر واجب ہے اور ان میں سے کسی ایک کی طرف میلان حرام ہے ۔ ارشاد باری ہے (فلا تمیلوا کل المیل تم پوری طرح ایک کی طرف مائل نہ ہو جاؤ ۔ سورہ نساء آیت ۱۲۹) میلان سے مراد باری مقرر کرنے اور نفقہ میں میلان ہے ' محبت کے اندر میلان مراد نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے محبت کے اندر میلان بندے کے بس میں نہیں ہے ۔ ارشاد باری میں " پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ" کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تھوڑا بہت میلان ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ جائز ہے ۔ لیکن زیر نظر حدیث کا اطلاق اس مفہوم کی نفی کرتا ہے ' البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آیت کے مفہوم کے ذریعے حدیث کے اطلاق کو مقید کر دیا جائے ۔

۹۹۴/۳ - وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعاً، ثُمَّ قَسَمَ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثاً، ثُمَّ قَسَمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(۱).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : "اگر ایک شخص ثیبہ بیاہ لائے تو اس کے ہاں تین دنوں تک شب باشی کرے اور پھر باری مقرر کر دے۔" متفق علیہ۔ الفاظ امام بخاری کی روایت کے ہیں ۔

حضرت انسؓ کی مراد یہ ہے کہ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا ' اس لئے یہ روایت مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ اس بنا پر حضرت انسؓ سے اس روایت کے راوی ابو قلابہ کا قول ہے کہ "اگر میں چاہتا تو کہہ سکتا تھا کہ حضرت انسؓ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔" ان کی مراد یہ ہے کہ اس طرح وہ گویا اس کی روایت بالمعنی کرتے ہیں۔ کیونکہ "سنت طریقہ" کا مطلب روایت کا مرفوع ہونا ہے تاہم ابو قلابہ نے حضرت انسؓ کے قول کی محافظت کو اولیٰ سمجھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس روایت کا مرفوع ہونا اجتہادی طور پر محتمل ہے جب کہ روایت کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف صریح

---

(۱) حضرت انس کی روایت کے حوالے :۔ فتح الباری ج ۹ ص ۳۱۳' ۳۱۴' مسلم شریف حدیث ۱۴۶۱ من الرضاع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا کرتی ہے' اور راوی کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ ایک محتمل روایت کو نقل کر کے اس روایت کی شکل دے دے جو نص اور غیر محتمل ہو۔ ابن دقیق العید نے اسی طرح کی بات کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرات محدثین کے نزدیک سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوتی ہے۔" اس حدیث کو ائمہ محدثین نے حضرت انسؓ سے کئی طرق کے تحت بواسطہ ابو قلابہ مرفوعاً" روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کے عقد میں پہلے سے ایک بیوی موجود ہو اور پھر وہ کوئی اور عورت بیاہ لائے تو اسے شب باشی میں ترجیح حاصل ہو گی۔ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ "جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ زکاف کے سبب یہ عورت کا حق ہے' خواہ اس کے عقد میں پہلے سے کوئی بیوی موجود ہو یا موجود نہ ہو۔" نوویؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے تاہم حدیث کی دلالت اس بات پر ہے کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے عقد میں پہلے سے کوئی بیوی موجود ہو۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ حدیث کے اندر مذکورہ امر کے ذریعے باکرہ اور ثیبہ کے درمیان فرق رکھا جائے گا۔ بظاہر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے اور نئی بیوی کا یہ حق ہے' اور تمام بیویوں کے بارے میں اختلاف ہے جس کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو دیگر احادیث کا مقابلہ کر سکے۔ نئی بیوی کے پاس قیام کرنے کی ترجیح سے مراد وہ طریق کار ہے جو حدیث کے اس خطاب کے وقت رائج تھا۔ ظاہر بات یہ ہے کہ دوسری بیویوں پر نئی بیوی کی ترجیح شب باشی اور دوپہر کے وقت قیلولے کے ذریعے عمل میں آ جائے گی۔ یہ نہیں کہ دن اور رات کی تمام ساعتیں اسکے پاس گذاری جائیں جیسا کہ ایک گروہ کا خیال ہے' یہاں تک کہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں بعض فقہاء نے مبالغہ سے کام لے کر کہا ہے کہ نئی بیوی کے قیام کی وجہ سے وہ جمعہ کی نماز بھی ساقط کر سکتا ہے۔

سات راتیں اور تین راتیں گذارنے کی دونوں صورتوں کے اندر تسلسل واجب ہے۔ اگر تسلسل ٹوٹ جائے تو نئے سرے سے راتیں گذارنا واجب ہو جائے گا۔ اس مسئلے میں آزاد عورت اور لونڈی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے' اگر سات دنوں یا تین دنوں کے درمیان کوئی اور نئی بیوی بیاہ لائے تو ظاہر ہے کہ وہ پہلے ان مدتوں کو پورا کرے گا کیونکہ پہلے سے آئی ہوئی نئی بیوی اس مدت کی مستحق ہو چکی تھی۔

٤/٩٩٥ - وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَهَا أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، وَقَالَ: «إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ، إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ، وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

---

(١) حضرت ام سلمہؓ کی روایت کا حوالہ :۔ مسلم شریف حدیث ۱۴۶۰ من الرضاع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ ؐ نے ان کے پاس تین دن قیام کیا اور فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن گذار سکتا ہوں' اور اگر تمہارے پاس سات دن گذاروں تو اپنی دیگر بیویوں کے پاس بھی سات سات دن گذاروں گا۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: " آپ ؐ نے حضرت ام سلمہ کے پاس شب باشی کی' جب آپ ؐ نے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے آپ ؐ کے کپڑے پکڑ لئے' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس قیام میں اضافہ کر سکتا ہوں اور تمہارے ساتھ باکرہ کے لئے سات دن اور ثیبہ کے لئے تین دن والے اصول کے تحت حساب کر سکتا ہوں۔"

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یہ حدیث شب باشی کی مذکورہ مدتوں پر باکرہ اور ثیبہ کے استحقاق پر دال ہے' دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر شوہر بیوی کی رضا مندی کے تحت مقررہ مدت سے تجاوز کر جائے تو اس سے بیوی کو ملنے والا حق ترجیح ساقط ہو جائے گا اور شوہر پر اس نئی بیوی کے پاس گذارے ہوئے زائد دن دوسری بیویوں کے پاس بھی گذارنا واجب ہو گا۔ لیکن اگر شوہر نے بیوی کی رضا مندی کے بغیر مقررہ مدت سے تجاوز کیا ہو تو اس سے بیوی کا مذکورہ حق ثابت رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "اگر تم چاہو" کا یہی مفہوم ہے۔ آپ ؐ کے ارشاد " تمہارے گھر والے کے یعنی میرے دل میں تمہارا مقام پست نہیں ہے۔" کا معنی یہ ہے کہ " ہماری طرف سے تمہیں کوئی ذلت لاحق نہیں ہو گی' نہ ہی ہم تمہارا کوئی حق ضائع کریں گے بلکہ تم اپنا حق پورا پورا وصول کرو گی۔" پھر آپ ؐ نے حضرت ام سلمہ ؓ کو آگاہ کر دیا کہ انہیں اس بات کا اختیار ہے کہ انکے پاس سات دن گذارے جائیں اور پھر کسی اور زوجہ کے پاس یہ دن پورے نہ کئے جائیں یا یہ کہ ان کے پاس تین دن گذارے جائیں اور پھر کسی اور زوجہ کے پاس یہ دن پورے نہ کئے جائیں یا یہ کہ ان کے پاس سات دن گذارے جائیں اور یہ گذارے ہوئے زائد دن دیگر ازواج کے پاس بھی پورے کئے جائیں۔ اس مکالمے میں اہل خانہ کے ساتھ ملاطفت برتنے کا پہلو ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کے حقوق کے ذیل میں کون سی باتیں آتی ہیں اور کون سی نہیں آتیں نیز انہیں اپنے حاصل شدہ حقوق کے بارے میں اختیار دینا مطلوب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۹۶/۵ - وَعَنْ عَائِشَةَ: «أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ. وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے اپنی باری کا دن انہیں دے دیا

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے لئے ان کی باری کے دن کے ساتھ حضرت سودہؓ کی باری کا دن بھی مخصوص کر دیتے تھے۔ متفق علیہ

(۱) سودہ بنتؓ زمعہ (حرف زاء پر زبر' حرف میم پر زبر اور حرف عین کے ساتھ)' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ سے نکاح کیا تھا۔ سن چون ہجری میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔

(۲) امام بخاری کی روایت میں اضافہ ہے: "اور ان دنوں کی راتیں بھی" انہوں نے اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ "حضرت سودہؓ اس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی تھیں' اس کی تخریج ابو داؤد نے کی ہے۔ اور اس میں ہبہ کا سبب بھی بیان کیا ہے۔ اس روایت کی سند کے رجال امام مسلم کے رجال ہیں۔ وہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت سودہؓ جب بوڑھی ہو گئیں اور انہیں خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے علیحدگی اختیار نہ کر لیں تو انہوں نے عرض کیا:۔ اللہ کے رسول' میری باری کا دن بھی عائشہؓ کے لئے ہے" آپؐ نے ان کی یہ پیشکش قبول کر لی۔ ان کے اور ان کی طرح دیگر عورتوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ((وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے سرکشی یا بے رخی کا خطرہ ہو سورہ نساء آیت ۱۲۸)) تا آخر آیت۔۔ ابن سعد نے ثقہ راویوں کے واسطے سے قاسم بن ابی بزہ سے مرسلاً روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو طلاق دے دی' وہ آپؐ کی گذر گاہ پر بیٹھ گئیں اور پھر آپؐ سے کہنے لگیں: "اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے مجھے مردوں کی کوئی چاہت نہیں ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپؐ کی ازواج کے ساتھ اٹھائی جاؤں۔ میں آپؐ کو اس ذات کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ جس

---

(۱) حضرتؓ عائشہ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف باب ۹۸ من النکاح' مسلم شریف حدیث ۱۴۶۳ من الرضاع'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے آپ ؐ پر قرآن نازل کیا کہ آیا آپ ؐ نے کسی ناراضگی کی وجہ سے مجھے طلاق دی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نفی میں دیا۔اس پر حضرت سودہؓ نے کہا: "پھر میں اللہ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ آپ ؐ ضرور مجھ سے رجعت کر لیں!" چنانچہ آپ ؐ نے ان سے رجعت کر لی اور حضرت سودہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں میں اپنی باری کا دن عائشہ کو دیتی ہوں۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ عورت کی طرف سے اپنی باری اپنی سوکن کو ہبہ کر دینا جائز ہے۔اس میں شوہر کی رضا مندی معتبر ہو گی' کیونکہ شوہر کو اپنی بیوی پر حق ہوتا ہے اور بیوی کو اس کی رضا مندی کے بغیر اس کا حق ساقط کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ۔ اگر عورت اپنی باری شوہر کو ہبہ کر دے تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے' اکثر حضرات کا قول ہے کہ یہ ہبہ درست ہو گا' اور پھر شوہر اس باری کو اپنی جس بیوی کے لئے چاہے گا مخصوص کر دے گا۔ یہی بات واضح اور ظاہر ہے' ایک قول کے مطابق شوہر کو یہ اختیار نہیں ہو گا بلکہ ایسی بیوی کالعدم بن جائے گی۔ ایک اور قول کے مطابق اگر بیوی شوہر سے کہدے کہ میری باری جس بیوی کے لئے چاہو مخصوص کر دو تو پھر یہ جائز ہو گا' لیکن اگر وہ شوہر کے لئے اس ہبہ کو مطلق رکھے تو جائز نہیں ہو گا ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر عورت اپنی باری ہبہ کر دے تو اس کا اپنے اس ہبہ سے رجوع کر لینا درست ہو گا۔ اس لئے کہ حق میں تجدد ہوتا ہے۔

٩٩٧/٦ - وَعَنْ عُرْوَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: «يَا ابْنَ أُخْتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفَضِّلُ بَعْضَنَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْقَسْمِ مِنْ مُكْثِهِ عِنْدَنَا، وَكَانَ قَلَّ يَوْمٌ إِلَّا وَهُوَ يَطُوفُ عَلَيْنَا جَمِيعاً فَيَدْنُو مِنْ كُلِّ امْرَأَةٍ مِنْ غَيْرِ مَسِيسٍ، حَتى يَبْلُغَ الَّتِي هُوَ يَوْمُهَا. فَيَبِيتُ عِنْدَهَا». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ. وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(١).

عروہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا: "اے میرے بھانجے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ازواج میں سے بعض کو بعض پر باری یعنی ہمارے پاس ٹھہرنے میں فضیلت نہیں دیتے تھے' کوئی دن کم ہی ایسا ہو گا کہ آپ ؐ نے ہم سب کے پاس چکر نہ لگایا ہو ۔ آپ ؐ اپنی ہر زوجہ --- کے قریب بیٹھ جاتے بغیر اس

---

(١) عروہ کی روایت کے حوالے :۔ سنن ابی داؤد ٢١٣٥' السنن الکبری ج ٧ ص ٧٤' الاحادیث الصحیحہ ج ٣ ص ٤٦٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کہ مباشرت کا عمل ہو۔ یہاں تک کہ اس زوجہ کے پاس پہنچ جاتے جس کے ہاں باری ہوتی اور پھر اس کے پاس رات گذارتے۔" امام احمد اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے ' الفاظ ان کی روایت کے ہیں' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ (۱) اس روایت میں لفظ مسیس آیا ہے جب کہ ایک اور روایت میں لفظ وقاع (جماع) آیا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر کے لئے اپنی باری والی بیوی کے سوا دیگر بیویوں کے پاس جانا' ان سے الفت کا اظہار کرنا اور بوس و کنار کرنا جائز ہے۔ اس حدیث میں اپنی ازواج کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خلق کا بیان ہے نیز یہ کہ آپؐ اپنی ازواج کے لئے بہترین شوہر تھے۔ اس میں ابن العربی کے اس قول کی تردید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دن کی ایک گھڑی ہوتی جس میں ازواج کے لئے باری مقرر کرتے ' یہ آپؐ کے لئے واجب نہیں تھا ' یہ گھڑی عصر کے بعد ہوتی ' اس کی طرف ہم نے پہلے بھی اشارہ کر دیا تھا۔ مصنف کتاب کہتے ہیں کہ ابن العربی نے جو کچھ کہا ہے اس کے لئے مجھے کہیں کوئی دلیل نظر نہیں آئی۔ اگلی حدیث نے اس گھڑی کی تعیین کر دی ہے جس کے اندر آپؐ اپنی ازواج کا ایک چکر لگاتے تھے۔

۹۹۸/۷ - وَلِمُسْلِمٍ ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ، ثُمَّ يَدْنُو مِنْهُنَّ». الْحَدِيثَ(۱).

امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عصر کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی ازواج کا ایک چکر لگا لیتے اور پھر ان سے قریب ہو جاتے " تا آخر حدیث

(۱) یعنی اس ملاقات میں بوس و کنار تو ہوتا لیکن جماع کا عمل نہیں ہوتا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔

۹۹۹/۸ - وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: «أَيْنَ أَنَا غَدًا؟» يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ، فَأَذِنَّ لَهُ أَزْوَاجُهُ يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ، فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۲).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الموت کے

---

(۱) امام مسلمؒ کی روایت کے حوالے:۔ بخاری ج ۲ ص ۱۶' ج ۷ ص ۴۴' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۹۸' فتح الباری ج ۹ ص ۳۱۷' مسلم شریف حدیث ۴۱۸ فی الصلوٰۃ

(۲) حضرت عائشہؓ کی روایت (۹۹۸) کے حوالے:۔ مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۵۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوران پوچھتے رہے کہ "کل مجھے کس زوجہ کے ہاں قیام کرنا ہے؟" آپؐ اس سوال کے ذریعے حضرت عائشہ کی باری کا دن مراد لیتے تھے' اس پر آپؐ کی ازواج نے آپؐ کو اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں رہیں' پھر آپؐ بیت عائشہ میں رہے۔ متفق علیہ۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کی بیماری کی ابتداء حضرت میمونہؓ کے گھر سے ہوئی۔ امام بخاری نے کتاب المغازی میں اس کی تخریج کی ہے۔

(۱) حضرت عائشہؓ سے امام احمدؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے فرمایا: "میں تمہاری کوٹھڑیوں کا چکر لگانے کی طاقت نہیں رکھتا' اگر تم چاہو تو مجھے اجازت دے دو' پھر آپؐ کو اجازت مل گئی۔ ابن سعد نے صحیح سند کے واسطہ سے امام زہریؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے امہات المومنین سے یہ بات کہی کہ آپؐ کے لئے آنا جانا اب بہت مشکل ہو گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب کی ہو اور حضرت فاطمہؓ نے بھی آپ کے لئے اجازت مانگی ہو۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی' ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر میں سوموار کے روز داخل ہوئے اور اگلے سوموار کو آپؐ کا انتقال ہو گیا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر بیوی اجازت دے دے تو وہ باری اپنے حق میں ساقط کر دینے والی قرار پائے گی' نیز یہ کہ اگر شوہر بیمار ہو تو قرعہ اندازی کافی نہیں ہوگی جس طرح سفر کے لئے قرعہ اندازی کافی ہوتی ہے جس پر اگلی حدیث دلالت کرتی ہے۔

۱۰۰۰/۹ - وَعَنْهَا قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے' پھر جس کے نام قرعہ نکل آتا اس کے ساتھ سفر پر روانہ ہو جاتے۔" متفق علیہ

(۱) ابن سعد نے اس کی تخریج کی ہے اور حضرت عائشہؓ سے یہ اضافہ بھی روایت کیا ہے کہ اگر میرے سوا کسی اور زوجہ کے نام قرعہ نکل آتا تو آپؐ کے چہرے پر کبیدگی کے آثار پیدا ہو جاتے۔

---

(۱) حضرت عائشہ کی حدیث (۱۰۰۰) کے حوالے :۔ بخاری ج ۳ ص ۲۰۸' ۲۳۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۷' ۱۹۷' ۲۶۹' السنن الکبری ج ۷ ص ۲۹۶' ۳۰۲' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۳' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۵۳' فتح الباری ج ۵ ص ۲۱۸' ۲۹۲' ۲۹۵' ج ۹ ص ۳۱۰ مشکواۃ المصابیح ۲۳۲' مشکل الآثار ج ۱ ص ۳۲۲' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۶۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک سے زائد بیویوں والا شوہر جب سفر پر جانا چاہے اور اپنے ساتھ ان میں سے کسی ایک کو لے جانا چاہے تو اس مقصد کے لئے بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرے۔ تاہم یہ فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ امام شافعیؒ کا مسلک اس کے وجوب کا ہے۔ ہادویہ کا مسلک ہے کہ وہ جس بیوی کے ساتھ چاہے سفر کر سکتا ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے بیوی کا تعین اس پر لازم نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ سفر کے دوران چونکہ بیویوں کے لئے باری مقرر کرنا واجب نہیں ہوتا اس لئے بلا قرعہ اندازی کسی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے جانا جائز ہو گا۔ رہ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل' تو وہ آپؐ کے مکارم اخلاق' حسن معاملات اور لطف شمائل پر مبنی تھا۔ اس لئے اگر کوئی شخص اپنی ایک بیوی کے ساتھ سفر کرے تو سفر میں گذارے ہوئے دن دیگر بیویوں کے پاس گذارنا اس پر واجب نہیں ہو گا۔ امام شافعیؒ' ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ خاوند خواہ بذریعہ قرعہ اندازی یا بلا قرعہ اندازی ایک بیوی کے ساتھ سفر کرے تو سفر میں گذارے ہوئے دنوں کے برابر دن دوسری بیویوں کے ساتھ بھی گذارے' امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر وہ بذریعہ قرعہ اندازی ایک بیوی کو ساتھ لے گیا ہو تو سفر والے دنوں کے برابر دن دوسری بیویوں کے ساتھ گذارنے اس پر لازم نہیں ہوں گے اور اگر اس نے بلا قرعہ اندازی ایسا کیا ہو تو دوسری بیویوں کے ساتھ اتنے دنوں کا گذارنا اس پر لازم ہو جائے گا۔ ہمارے نزدیک مطلقاً وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ مفصلاً وجوب کی۔ اگر کوئی یہ استدلال کرے کہ باری مقرر کرنا واجب ہے اور سفر کی وجہ سے واجب ساقط نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس واجب کو تو سفر زیادہ ساقط کر دیتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایسا شوہر کسی بھی بیوی کو ساتھ لئے بغیر سفر کر سکتا ہے اور پھر سفر سے واپسی پر سفر میں گذارے ہوئے دنوں کے برابر دن بیویوں کے ساتھ گذارنا اس پر واجب نہیں ہوگا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ زیر نظر حدیث قرعہ اندازی کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ایک فعل ہے' اس حدیث میں شرکاء اور اس طرح کے دیگر لوگوں کے درمیان قرعہ اندازی کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ سے مشہور روایت تو یہی ہے کہ قرعہ اندازی کا کوئی اعتبار نہیں۔ قاضی عیاضؒ نے کہا ہے: "یہی بات امام مالکؒ اور ان کے اصحاب سے مشہور ہے' کیونکہ قرعہ اندازی قمار بازی اور داؤ پر لگانے کے باب سے ہے۔ حنفیہ سے قرعہ اندازی کی اجازت منقول ہے" جو لوگ قرعہ اندازی کو تسلیم نہیں کرتے ان کا استدلال ہے کہ سفر کے اندر ایک بیوی زیادہ مفید ہوتی ہے اور دوسری نہیں ہوتی' اگر قرعہ ایسی بیوی کے نام نکل آئے جو سفر کے اعتبار سے بے کار ہو تو یہ بات شوہر کے لیے زیادہ نقصان دہ ہوگی۔ اسی طرح بعض عورتیں اقامت کے اندر گھریلو معاملات کی نگرانی اور انہیں سلجھانے کی زیادہ ماہر ہوتی ہیں۔ اب اگر قرعہ اسی بیوی کے نام نکل آئے تو اس سے شوہر کو بہت نقصان پہنچے گا یعنی اسکے گھریلو معاملات بگڑ جائیں گے۔ اور انہیں سنبھالنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والا کوئی نہیں ہوگا۔ قرطبی نے کہا ہے کہ قرعہ اندازی کی مشروعیت اس صورت کے ساتھ مختص ہے جب تمام بیویوں کے احوال یکساں ہوں تاکہ شوہر ایک بیوی کو مخصوص نہ کر لے اور اس سے پھر ترجیح بلا مرجح لازم آ جائے۔ ایک قول کے مطابق یہ تو زیر نظر حدیث کے عموم کی اس معنی کے ذریعے تخصیص ہے جس کی خاطر حکم کی مشروعیت ہوئی ہے۔ ہماری نظر میں حدیث کے ظاہر پر عمل پیرا ہونا جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے' زیادہ درست رویہ پر مبنی ہے۔

١٠٠١/١٠ ـ وَعَنْ عَبْدِ ٱللَّهِ بْنِ زَمْعَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَجْلِدْ أَحَدُكُمْ ٱمْرَأَتَهُ جَلْدَ ٱلْعَبْدِ». رَوَاهُ ٱلْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کوڑے نہ مارے جس طرح غلام کو مارے جاتے ہیں۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے عبداللہ بن زمعہ بن الاسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزی مشہور صحابی ہیں' بخاری کے اندر اس حدیث کے سوا ان کی کوئی اور روایت نہیں ہے۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔

(۲) حدیث کے الفاظ ہیں "جلد العبد" یہاں لفظ جلد مصدریت (مفعول مطلق ہونے) کی بنا پر منصوب ہے۔

(۳) حدیث کا آخری حصہ ہے "اور پھر اس کے ساتھ ہمبستری کرے" ایک روایت میں ہے: "اور شاید پھر وہ اسے اپنے پہلو میں سلائے۔"

اس حدیث میں بیوی کی ہلکی پٹائی کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں: "جس طرح غلام کو کوڑے مارے جاتے ہیں۔" نیز ابو داؤد کی روایت میں آپؐ کے الفاظ ہیں: "تم اپنی پردہ نشیں (بیوی) کی پٹائی اس طرح نہ کرو جس طرح اپنی لونڈی کی کرتے ہو۔" نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں: "جس طرح غلام یا لونڈی کی پٹائی کرتے ہو۔ بخاری کی روایت میں ہے "جس طرح سانڈ یا غلام کی پٹائی کرتے ہو۔" یہ تمام روایتیں پٹائی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں تاہم پٹائی اس طرح نہیں ہونی چاہئے جس طرح جانوروں اور غلاموں لونڈیوں کی ہوتی ہے۔ ارشاد باری بھی ہے (واضربو هن) اور ان کی پٹائی کرو' سورہ نساء آیت ۳۴) اس روایت میں بیویوں کے سوا دیگر افراد کی زبردست پٹائی کے جواز کی دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "پھر وہ اس کے ساتھ

---

(۱) حضرت عبداللہ بن زمعہ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۷ ص ۴۲' فتح الباری ج ۹ ص ۳۰۲' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمبستری بھی کرے۔" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نہی کی علت یہ ہے کہ یہ طرز عمل عقلاء کے لئے نفسیاتی طور پر مستحسن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جماع اور ہم بستری اسی وقت مناسب ہوتی ہے جب زندگی گذارنے کے معاملات میں ایک دوسرے کی طرف میلان اور رغبت ہو' جب یہ ایک حقیقت ہے کہ کوڑے کھانے والا کوڑے لگانے والے سے متنفر ہوتا ہے' البتہ پسندیدہ تادیب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس سے طبیعتوں میں نفرت پیدا نہیں ہوتی' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پٹائی نہ کرنا' چشم پوشی کر جانا اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کرنا کوڑے لگانے اور پٹائی کرنے سے زیادہ بلند اور معیاری طریق کار ہے' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا۔ نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ اپنی کسی زوجہ کی پٹائی کی اور نہ ہی کسی خادم کی اور اللہ کی راہ کے سوا کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا' الا یہ کہ اللہ کے محارم کی بے حرمتی کی جاتی تو اس وقت آپ' اللہ کے لئے اس کا انتقام لے لیتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶- باب الخلع

یہ لفظ حرف خاء پر پیش اور لام ساکن کے ساتھ ہے' اور اس کے معنی ہیں مال کے بدلے بیوی سے علیحدگی اختیار کر لینا' یہ "خلع الثوب"(اس نے کپڑے اتار دیے) کے محاورے سے ماخوذ ہے۔ اس لئے کہ عورت مجازی طور پر مرد کا لباس ہوتی ہے۔ مصدر پر پیش کی وجہ حقیقی اور مجازی معنوں میں فرق کرنا ہے۔ اس میں اصل یہ ارشاد باری ہے: (فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ اور اگر تمہیں خدشہ ہو کہ میاں بیوی اللہ کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہو گا کہ بیوی کچھ دے دلا کر اپنی جان چھڑا لے ---- سورہ بقرہ آیت ۲۲۹)

۱۰۰۲/۱ - وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعِيبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ، وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ» فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وفي رِوَايَةٍ لَهُ: «وَأَمَرَهُ بِطَلَاقِهَا»(۱).

وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِي، وَحَسَّنَهُ: أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَّتَهَا حَيْضَةً(۲).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کی: "اللہ کے رسول میں (اپنے شوہر) ثابت بن قیس کی دیانت داری اور خوش اخلاقی کے سلسلے میں ان پر کوئی انگشت نمائی نہیں کرتی لیکن میں اسلام کے اندر کفر والی باتوں کو ناپسند کرتی ہوں۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اسے اس کا باغ واپس کر دو گی؟" انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا: "باغ قبول کر لو اور ایک طلاق دے دو۔" امام بخاریؒ نے اس کی روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے:۔ بخاری شریف ج ۷ ص ۶۰' فتح الباری ج ۹ ص ۳۹۵' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۶۹' سنن ابن ماجہ ۲۰۵۷' مصنف عبدالرزاق ۱۱۷۵۹' تفسیر طبری ج ۲ ص ۲۸۱' الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۸۰' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۳' شرح السنہ ۱۹۳۹

(۲) ابو داؤد اور ترمذی کی روایت کے حوالے:۔ سنن ابی داؤد ۲۲۲۹' سنن ترمذی ۱۱۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور آپ ؐ نے انہیں اسے طلاق دینے کا حکم دیا" ابو داؤد اور ترمذی کی روایت ہے جسے ترمذی نے حسن قرار دیا ہے کہ "ثابت بن قیس کی بیوی نے ان سے خلع کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی عدت ایک حیض مقرر کر دی۔

(۱) امام بخاری نے اس خاتون کا نام جمیلہ بتایا ہے۔ انہوں نے یہ بات عکرمہ سے مرسلاً روایت کی ہے۔ بیہقی نے بھی مرسلاً روایت کی ہے کہ ان کا نام زینب بنت عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ اس کے سوا بھی اقوال ہیں۔

(۲) یہ خزرجی اور انصاری ہیں' غزوہ احد اور مابعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ اعیان صحابہ میں سے تھے۔ آپ انصار کے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں جنت کی گواہی دی تھی۔

(۳) ماعیب ' ایک روایت میں (ماعتب) ہے ' حرف تاء پر پیش اور زیر کے ساتھ العتب سے ماخوذ ہے یعنی " میں ناراضگی کا اظہار نہیں کرتی۔ " زیر نظر روایت میں یہ لفظ حرف باء ساکن کے ساتھ عیب سے ماخوذ ہے ' اور معنی مراد کو ظاہر کرنے میں یہ زیادہ مناسب ہے۔

(۴) خلق' حرف خاء پر پیش اور حرف لام پر پیش کے ساتھ ' اسے ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ یعنی خوش اخلاق

(۵) یعنی حضرت ابن عباس سے

خاتون کے اس فقرے "میں اسلام کے اندر کفر کو ناپسند کرتی ہوں " کا مفہوم یہ ہے کہ "انکی زوجیت میں رہنے کو اس لئے ناپسند کرتی ہوں کہ کہیں ایسے امور میں مبتلا نہ ہو جاؤں جو کفر کے تقاضے ہیں۔ " اس سے مراد وہ امور جو اسلام کے متضاد ہیں مثلاً شوہر سے سرکشی دکھانا' اس سے نفرت کرنا اور اس طرح کے دیگر امور۔ انہوں نے اسلامی اخلاق کے منافی امور پر کفر کا اطلاق بطور مبالغہ کیا ' اس میں دیگر معانی کا بھی احتمال ہے۔ حدیث میں مذکور لفظ حدیقہ سے مراد ان کا باغ ہے کیونکہ حضرت ثابتؓ نے اپنے ایک کھجور کے باغ پر ان سے نکاح کیا تھا۔

اس حدیث میں خلع کی مشروعیت اور اس کی صحت کی دلیل ہے نیز یہ کہ بیوی سے معاوضہ لینا شوہر کے لئے حلال ہے۔ اہل علم کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا خلع کی صحت کے لئے بیوی کا سرکش ہونا شرط ہے یا نہیں ؟ اہل ظواہر اور ھادویہ پہلے قول کے قائل ہیں۔ ابن المنذر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ان کا استدلال حضرت ثابتؓ کے اسی واقعہ سے ہے ' اس لئے کہ طلاق کا مطالبہ سرکشی ہے۔ نیز اس ارشاد باری سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں (الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللہ) الا یہ کہ ان دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے ---- سورہ بقرہ آیت ۲۲۹) نیز ارشاد باری ہے : (الا ان یاتین بفاحشہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبینہ) یہ کہ وہ کسی صریح بد چلنی کا ارتکاب کر لیں ۔ ------ سورہ نساء آیت ۱۹) امام ابو حنیفہؒ' امام شافعیؒ' المؤید اور اکثر اہل علم نے دوسرا قول اختیار کیا ہے' اور کہا ہے کہ زوجین کی باہمی رضا مندی سے خلع کا عمل درست ہوتا ہے ۔ خواہ دونوں کے درمیان حالات نارمل کیوں نہ ہوں۔ معاوضہ لینا حلال ہے کیونکہ ارشاد باری ہے (فان طبن لکم عن شئی منہ نفسا) البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ دے دیں۔ (سورہ نساء آیت ۴) اس آیت میں دونوں صورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا' نیز یہ حدیث رسول بھی اس کی دلیل ہے: "مگر یہ کہ اپنی خوش دلی سے۔" انہوں نے کہا ہے کہ زیر نظر ثابت حدیث میں خلع کے لئے عورت کی سرکشی کی شرط کی کوئی دلیل نہیں ہے ۔ اور آیت میں احتمال ہے کہ خوف عورت کو ہو یعنی مستقبل کے بارے میں گمان اور اندازہ۔ یہ بات خلع کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ حال کے حالات دونوں کے درمیان نارمل کیوں نہ ہوں اور دونوں فی الحال اللہ کے حدود کو قائم کر رہے ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد لی جائے کہ زوجین جانتے ہوں کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم نہیں کر رہے ہیں ۔ اور یہ علم صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کا تحقق حال کے اندر ہو۔ ایک قول کے مطابق بعض دفعہ یہ کہا جاتا ہے کہ علم کا ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ سرکشی کا وجود مستقبل میں ہوجائے اور اس صورت میں حضرت ثابتؓ کی بیوی کی مراد یہ ہو کہ "میں فی الحال یہ جانتی ہوں کہ میں اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے مستقبل کے اندر اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔" اس تشریح کی بنا پر آیت میں دونوں صورتوں کے تحت سرکشی کی شرط کی کوئی دلیل نہیں ہوگی ۔

زیر نظر حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ خلع کی صورت میں شوہر اپنا دیا ہوا مال بیوی سے واپس لے لے گا اور زائد نہیں لے گا۔ تاہم اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ آیا زائد لینا جائز ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ اگر سرکشی عورت کی طرف سے ہو تو دیئے ہوئے مال سے زائد لینا شوہر کے لئے حلال ہو گا ۔ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ : "میں ہمیشہ سے یہی سنتا رہا ہوں کہ خلع کا فدیہ مہر کے برابر یا اس سے زائد جائز ہے کیونکہ ارشاد باری ہے (فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ تو دونوں پر اس مال کے بارے میں کوئی گناہ نہیں ہو گا جسے دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے ---- سورہ بقرہ آیت ۲۹)" ابن بطالؒ نے کہا ہے کہ : "جمہور کا مسلک یہ ہے کہ شوہر کے لئے خلع کے اندر اپنے دیئے ہوئے مال سے زائد وصول کر لینا جائز ہے۔ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ: "میں نے کسی بھی ایسے شخص کو جس کی اقتداء کی جاتی ہو' اس سے منع کرتے نہیں دیکھا لیکن یہ بات مکارم اخلاق میں سے نہیں ہے۔" رہ گئی وہ روایت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "زائد مال کی بات نہیں چلے گی" تو اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں ہے' عطاءؒ' طاؤسؒ' امام احمدؒ' اسحاقؒ' ھادویہ اور دیگر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ زائد مال لینا شوہر کے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائز نہیں ہے۔ اس کی دلیل زیر نظر حدیث ہے ' نیز یہ بات کہ : زائد مال کی بات نہیں چلے گی۔ اس فقرے کی تخریج زیر نظر حدیث کے آخری حصے میں امام بیہقی اور ابن ماجہ نے ابن جریج سے اور انہوں نے عطاء سے مرسلاً" کی ہے ۔ دار قطنی نے بھی اس طرح کی روایت کی ہے ۔ نیز یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم ثابت کا باغ اسے واپس کرو گی تو انہوں نے جواب میں کہا کیا کچھ زائد بھی؟ " اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" زائد کی بات نہیں چلے گی' " اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں ' بس اس میں اتنی سی کسر ہے کہ یہ مرسل ہے۔ جو حضرات زائد مال کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے جواب دیا ہے کہ زیر نظر حدیث میں زائد مال پر نہ نفیاً" کوئی دلالت ہے اور نہ ہی اثباتاً" ۔ رہ گئی وہ حدیث جس کے الفاظ ہیں: " زائد کی بات نہیں چلے گی " تو اس کا جواب یہ گذر چکا ہے کہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں ہے نیز یہ کہ یہ مرسل ہے۔ اگر اس کا مرفوع ہونا ثابت بھی ہو جائے تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات انہیں بطور مشورہ فرمائی ہو ۔ نیز یہ کہ زائد مال دینا اس پر لازم نہیں ہے یہ بات نہیں کہ آپ" خبر دے رہے ہیں کہ زائد مال شوہر پر حرام ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ثابت کو یہ حکم کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دیں' تو یہ محض رہنمائی کا حکم ہے' ایجابی حکم نہیں ہے۔ اسی طرح ایک قول میں کہا گیا ہے ۔ لیکن بظاہر یہ حکم اپنی اصل یعنی ایجاب پر باقی ہے ۔ اس پر یہ ارشاد باری بھی دلالت کرتا ہے (فامساک بمعروف اوتسریح باحسان) یا تو معروف طریقے سے اسے (اپنی زوجیت میں) روک رکھنا ہے یا پھر بھلے طریقے سے اسے آزاد کر دینا ہے ۔۔۔۔۔ سورہ بقرہ آیت ۲۲۹) آیت سے مراد یہ ہے کہ شوہر پر دو میں سے ایک امر واجب ہے اور زیر بحث صورت کے اندر معروف طریقے سے روک رکھنا مشکل ہو گیا کیونکہ وہ جدائی کا مطالبہ کر رہی ہے اس لئے شوہر پر اچھے طریقے سے اسے آزاد کر دینا ہی متعین ہو جائے گا۔ پھر ظاہر تو یہی ہے کہ طلاق کے لفظ کے ساتھ خلع کا وقوع ہو جائے گا۔ نیز یہ کہ طلاق کی خاطر مہر واپس کرنے کے بارے میں زوجین کا گٹھ جوڑ بھی طلاق کو خلع میں بدل دیتا ہے ۔ اگر خلع کا لفظ بولا جائے تو کیا اس سے طلاق ہو جائے گی اس بارے میں اختلاف رائے ہے۔ جمہور علماء اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ یہ طلاق ہو گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ کہنے کا اختیار صرف شوہر کو ہوتا ہے اس لئے یہ طلاق ہی کی صورت ہو گی۔ اور اگر فسخ نکاح کی صورت ہوتی تو مہر کے سوا کسی اور رقم پر اس کا جواز نہ ہوتا جس طرح بیع کے اندر اقالہ ہوتا ہے اور جمہور کے نزدیک خلع تھوڑے اور بہت مال کے بدلے ہو جاتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ طلاق ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ اور کچھ دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرات کا مسلک ہے کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔ امام احمدؒ کا مشہور مسلک بھی یہی ہے۔ اس کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ آپؐ نے انہیں ایک حیض کے ساتھ عدت گذارنے کا حکم دیا تھا۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اندر ان حضرات کے لیے سب سے قوی دلیل موجود ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے اس لئے کہ اگر یہ طلاق ہوتی تو عدت کے لئے صرف ایک حیض پر اکتفا نہ کیا جاتا۔ جو لوگ فسخ نکاح کے قائل ہیں انہوں نے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں پہلے بیان فرمایا ہے کہ " الطلاق مرتان" طلاق دو دفعہ ہوتی ہے ـــــ سورہ بقرہ آیت ۲۲۹) پھر افتداء (خلع) کا ذکر آیا اور پھر فرمایا (فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره) اگر وہ پھر اسے طلاق دے دے تو اسکے بعد وہ اسکے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کر لے ـــــــــــــ سورہ بقرہ آیت ۲۳۰) اگر افتداء یعنی خلع طلاق ہوتی تو وہ طلاق جس کے بعد کسی اور مرد سے نکاح کئے بغیر وہ اسکے لئے حلال نہیں ہوگی چوتھی طلاق ہوتی۔ یہ استدلال حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ ان سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا تھا کہ ایک شوہر اپنی بیوی کو دو طلاق دے دیتا ہے اور پھر اس سے خلع کر لیتا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ "وہاں وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے "کیونکہ خلع طلاق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کی ابتداء اور انتہا پر طلاق کا ذکر کیا اور خلع دونوں کے درمیان ہے ' اس لئے خلع کوئی چیز نہیں' پھر فرمایا (الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان) پھر انہوں نے تلاوت کی (فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره) ہم نے ضوء النهار" کے حاشیے " منحه الغفار" میں ثابت کر دیا ہے کہ خلع طلاق نہیں ' وہاں ہم نے اس کے دلائل کی بھی وضاحت کردی ہے اور اس پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہ لوگ خلع کو طلاق کہتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ طلاق بائن ہوتی ہے اس لئے کہ اگر شوہر کو رجعت کا حق ہوتا تو پھر فدیہ دینے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ خلع سے متعلقہ احکام کے بارے میں کتب فقہیہ کے اندر فقہاء کی بڑی طویل بحثیں اور بہت سی فروعات مذکور ہیں ۔ ہمارا مقصود تو بس اس بات کی شرح ہے جس پر زیر نظر حدیث دلالت کرتی ہے ہم نے اس میں ضرورت کے مطابق طوالت کر دی ہے۔

۲/۱۰۰۳ - وَفِي رِوَايَةِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ: «أَنَّ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ كَانَ دَمِيماً، وَأَنَّ امْرَأَتَهُ قَالَتْ: لَوْلَا مَخَافَةُ اللَّهِ إِذَا دَخَلَ عَلَيَّ لَبَصَقْتُ فِي وَجْهِهِ»(۱).

(۱) عمرو بن شعیب کی روایت کا حوالہ: سنن ابن ماجہ ۲۰۵۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرو بن شعیب سے ایک روایت مروی ہے(۱)' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی ہے کہ " ثابت بن قیس بد شکل تھے ' اور ان کی بیوی نے کہا تھا کہ "اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو جس وقت یہ پہلی مرتبہ میرے پاس خلوت میں آئے تھے' میں ان کے چہرے پر تھوک دیتی " ابن ماجہ نے اسکی روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ ثابتؓ کی بیوی رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں :" اللہ کے رسول ' میرا سر اور ثابت کا سر دونوں کبھی بھی یکجا نہیں ہوسکتے۔ میں نے خیمے کا ایک گوشہ اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آ رہے ہیں ' لیکن وہ ان میں سب سے زیادہ کالے' سب سے بڑھ کر کوتاہ قد اور سب سے زیادہ بدشکل ہیں۔ " تا آخر حدیث ' اس روایت نے وضاحت کر دی کہ مذکورہ خاتون نے کیوں طلاق کا مطالبہ کیا تھا

٣/١٠٠٤ ـ وَلأَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ: «وَكَانَ ذٰلِكَ أَوَّلَ خُلْعٍ فِي الإِسْلَامِ»(٧).

امام احمدؒ نے حضرت سہل بن ابی خیثمہؓ سے روایت کی ہے کہ " اسلام میں خلع کا یہ سب سے پہلا واقعہ تھا۔"

یہ خلع کا پہلا واقعہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیش آیا۔ایک قول کے مطابق پہلا واقعہ زمانہ جاہلیت میں پیش آیا تھا۔ وہ یہ کہ عامر بن الظرب (حرف ظاء پر زبر اور حرف راء مکسور پھر حرف باء) نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا تھا ' جس کا نام عامر بن الحارث تھا۔ جس وقت وہ خلوت میں اس کے پاس گئی تو اس سے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔اس کی شکایت اس کے باپ سے کی گئی : باپ نے داماد سے کہا :" میں تم پر تمہاری بیوی اور تمہارے مال کے فراق کو یکجا نہیں کروں گا۔ تم نے اسے جو کچھ دیا تھا اس کے بدلے میں میں تم سے خلع لیتا ہوں۔ "

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ پورے عرب میں خلع کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

---

(۱) حضرت سہیلؓ کی روایت کا حوالہ: مسند احمد ج ۴ ص ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الطلاق

لغت میں طلاق بندھن کھولنے کو کہتے ہیں' یہ لفظ اطلاق سے مشتق ہے جس کے معنی چھوڑ دینے اور ترک کر دینے کے ہیں۔ جب کہا جاتا ہے کہ "فلان طلق الیدین بالخیر" تو اس کے معنی ہوتے ہیں "فلاں شخص بہت زیادہ خرچ کرنے والا اور اس کے لیے اپنے دونوں ہاتھ کھلے رکھنے والا ہے۔" شرع میں نکاح کا بندھن کھول دینے کو طلاق کہتے ہیں۔ امام الحرمین کے قول کے مطابق یہ لفظ زمانہ جاہلیت کا ہے اور اسلام نے اسے اسی طرح برقرار رکھا ہے۔

۱/۱۰۰۵ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ؛ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَرَجَّحَ أَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ. (۱)

حضرت ابن عمرؓ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کو تمام حلال امور میں طلاق سب سے زیادہ مبغوض ہے۔" ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابو حاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔

اسی طرح دار قطنی اور بیہقی نے بھی اس کے ارسال کو ترجیح دی ہے۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ حلال اشیاء میں بعض ایسی بھی ہیں جو اللہ کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ امر طلاق ہے۔ اس طرح مجازاً" اس کے یہ معنی ہوں گے کہ طلاق کے فعل میں نہ تو کوئی ثواب ہے اور نہ ہی تقرب الٰہی کا کوئی پہلو۔ بعض علماء نے حلال لیکن مبغوض چیز کی مثال اس فرض نماز سے دی ہے جسے کسی عذر کے بغیر مسجد کے سوا کسی اور جگہ ادا کیا جائے۔

---

(۱) حدیث "اللہ کو تمام حلال امور میں طلاق سب سے زیادہ مبغوض ہے" کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۱۷۸' سنن ابن ماجہ ۲۰۱۸' شرح السنہ ج ۹ ص ۱۹۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۳۳' علل الحدیث لابی حاتم ۱۲۹۷' تہذیب ابن عساکر ج ۲ ص ۷۲' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲' الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۴۵۳' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۲۲' الاسرار المرفوعہ ۲۸۰' التذکرۃ للزرکشی ۳۵' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۱۴۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک گنجائش ہو طلاق دینے سے گریز کرتے رہنا اچھا ہے۔ بعض علماء نے طلاق کی تقسیم پانچ قسموں میں کی ہے: حرام یعنی طلاق بدعت' مکروہ اور ایسی طلاق جو ازدواجی زندگی درست ہونے کے باوجود بلاوجہ واقع ہو جائے۔ یہی قسم وہ طلاق ہے جو باوجود حلال ہونے کے مبغوض ہے۔

۱۰۰۶/۲ ـ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَته وَهِيَ حَائِضٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عُمَرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: «مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: «مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا طَاهِراً أَوْ حَامِلاً»

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى لِلْبُخَارِيِّ: «وَحُسِبَتْ تَطْلِيقَةً»

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: «أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً أَوِ اثْنَتَيْنِ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي أَنْ أُرَاجِعَهَا ثُمَّ أُمْسِكَهَا حَتى تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرَى، ثُمَّ أَمْهِلَهَا حَتى تَطْهُرَ، ثُمَّ أُطَلِّقَهَا قَبْلَ أَنْ أَمَسَّهَا، وَأَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلاَثاً فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلاَقِ امْرَأَتِكَ»

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: فَرَدَّهَا عَلَيَّ وَلَمْ يَرَهَا شَيْئاً، وَقَالَ: «إِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْ أَوْ لِيُمْسِكْ»

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد

---

(۱) حدیث: "اس سے کہو کہ رجوع کر لے' پھر اسے زوجیت میں رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے... الخ" کے حوالے: بخاری شریف ج ۷ ص ۵۲' مسلم شریف باب ۴ من الطلاق' سنن ابی داؤد باب ۴ من الطلاق' سنن ترمذی ۱۱۷۶' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶' ۴۳' ۵۴' بدائع المنن ۱۶۳۰' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۰۶' مسند شافعی ۱۰۱' ۱۹۳' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲' ص ۳۱۶' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۶' ۷' ۱۱' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۱۳۰' ۱۵۷' فتح الباری ج ۹ ص ۳۴۵' ۳۴۹' ۳۵۱' ۳۵۵' معانی الآثار ج ۳ ص ۵۱' ۵۲' ۵۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس وقت طلاق دی جب وہ حیض کی حالت میں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا' آپؐ نے فرمایا: "اس سے کہو کہ بیوی سے رجوع کر لے' اور اسے اپنی زوجیت میں رکھے' یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے۔ پھر اسے حیض آئے اور پھر وہ پاک ہو جائے اور پھر اگر چاہے تو اس کے بعد اسے اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اگر چاہے تو ہاتھ لگانے سے پہلے اسے طلاق دے دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے لیے اللہ نے بیویوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے!" (متفق علیہ)

امام مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: "اس سے کہو کہ بیوی سے رجوع کر لے اور پھر اسے پاکی یا حمل کی حالت میں طلاق دے دے[1]۔" امام بخاری کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "اور اسے ایک طلاق شمار کیا گیا[2]۔"

امام مسلم کی ایک اور روایت میں مذکور ہے[3]: "حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "تم نے تو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں' مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کر لوں اور پھر اسے زوجیت میں رہنے دوں یہاں تک کہ اسے دوسرا حیض آ جائے۔ پھر اسے پاک ہونے تک مہلت دوں اور پھر ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دوں۔ جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تم نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور اس طرح تم نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے سلسلے میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اس کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے۔" ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیوی کو مجھ پر لوٹا دیا اور اسے کوئی چیز یعنی طلاق نہیں سمجھا اور فرمایا: "جب یہ حیض سے پاک ہو جائے تو پھر طلاق دے دے یا اپنی زوجیت میں رہنے دے۔"[4]

۱۔ "اس سے کہو کہ بیوی سے رجوع کر لے" کے فقرے میں اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

(۱) حدیث: "اس سے کہو کہ رجوع کر لے پھر پاکی یا حمل کی حالت میں طلاق دے دے۔" کے حوالے: مسلم شریف حدیث ۵ من الطلاق' سنن ابی داؤد ۲۱۸۱' سنن ترمذی ۱۱۷۵' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۱' سنن ابن ماجہ ۲۰۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳' شرح السنۃ ج ۹ ص ۲۰۲۔

(۲) حدیث: "اسے ایک طلاق شمار کیا گیا" کے حوالے: بخاری شریف ج ۷ ص ۵۲' فتح الباری ج ۹ ص ۳۵۱۔

(۳) روایت: "تم نے تو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں" کا حوالہ: مسلم شریف حدیث(۱)' من الطلاق۔

(۴) حدیث: "جب یہ پاک ہو جائے تو پھر طلاق دے دے یا زوجیت میں رہنے دے!" کا حوالہ: مسلم شریف حدیث ۱۴ من الطلاق۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کر لینے کا حکم دینے والے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے بیٹے کو یہ بات پہنچانے پر مامور تھے کہ اسے رجوع کر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی نظیر یہ ارشاد باری ہے: (قل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلوۃ) آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جو ایمان لا چکے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں۔ ابراھیم: ۳۱) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اقامت صلوۃ کا حکم دینے پر مامور ہیں اور ہم اللہ کی طرف سے پابند ہیں' اسی طرح حضرت ابن عمر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پابند تھے' اس لیے یہ وہم نہ کیا جائے کہ زیر بحث مسئلے کا تعلق اس بات سے ہے کہ آیا ایک بات کے امر کا امر کرنا اس بات کا امر کرنا ہے؟ وہ مسئلہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرح ہے کہ "اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو۔" وہ زیر بحث مسئلے کی طرح نہیں ہے۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضرت ابن عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مراجعت کا حکم ملا تھا تو آیا یہ امر وجوب کے لیے تھا کہ رجوع کر لینا واجب ہو جائے گا یا نہیں۔ امام مالک نے پہلی بات کو اپنا مسلک قرار دیا ہے اور امام احمد سے بھی یہ ایک روایت ہے۔ احناف میں سے "صاحب الھدایہ" نے رجوع کر لینے کے وجوب کی بات کو صحیح قرار دیا ہے۔ داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل رجوع کا امر ہے۔ ان کے قول کے مطابق اگر شوہر رجوع کرنے سے باز رہے تو حاکم وقت اس کی تادیب کرے گا اور اگر باز رہنے پر اصرار کرے گا تو حاکم اس سے رجوع کرائے گا۔ جمہور کا مسلک ہے کہ رجوع صرف مستحب ہے ان کے قول کے مطابق نکاح کرنا واجب نہیں ہوتا تو اسے باقی رکھنے کا حکم بھی اسی طرح کا ہو گا۔ اس لیے قیاس اس بات کا قرینہ بن جائے گا کہ مذکورہ امر استحباب پر مبنی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا چونکہ حرام ہے اس لیے حیض کے دوران نکاح کو باقی رکھنا واجب ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور پھر اسے حیض آ جائے۔" اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر دوسرے طہر میں اسے طلاق دے گا پہلے طہر میں نہیں۔ امام مالک نے اس طہر میں طلاق کی تحریم کا مسلک اختیار کیا ہے اور شوافع کے نزدیک یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ دوسرے طہر تک انتظار مستحب ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔ ان حضرات نے حضرت ابن عمرؓ سے امام مسلمؒ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ: "اس سے کہو کہ رجوع کر لے اور پھر حالت طہر یا حمل میں اسے طلاق دے۔" اس ارشاد میں طہر کو مطلق رکھا گیا ہے' نیز یہ کہ طلاق کی تحریم حیض کی وجہ سے تھی' اس لیے جب حیض زائل ہو گیا تو تحریم کا موجب بھی اس کے ساتھ زائل ہو گیا' اور پھر اسی طہر میں اسے طلاق دینا جائز ہو گا جس طرح اگلے طہر میں یہ جائز ہے۔ نیز جس طرح اس طہر میں طلاق دینا جائز ہے جس سے قبل حیض کے اندر طلاق نہ دی گئی ہو۔ ان حضرات کے استدلال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا قریب المقصود ہونا کسی سے مخفی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اسے ہاتھ لگانے سے پہلے" اس بات کی دلیل ہے کہ اگر شوہر نے طہر کی حالت میں بیوی کو ہاتھ لگانے (ہم بستری کرنے) کے بعد طلاق دی ہو تو یہ طلاق بدعت اور حرام ہو گی۔ جمہور نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ بعض مالکیہ کا قول ہے کہ ایسی صورت میں شوہر کو اسی طرح رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا جس طرح کہ اس صورت میں جبکہ اس نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "پھر وہ پاک ہو جائے!" نیز آپؐ کے ارشاد: "پاکی کی حالت میں" کا کیا مفہوم ہے۔ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے کہ آیا اس سے حیض کے خون کا بند ہو جانا مراد ہے یا حیض کی وجہ سے واجب ہونے والا غسل کرنا بھی ضروری ہے؟ امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ غسل کا اعتبار ضروری ہے کیونکہ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "جب تک وہ اپنے دوسرے حیض سے غسل نہ کر لے تو وہ اسے ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ طلاق دے دے' اور اگر اسے اپنی زوجیت میں رکھنا چاہے تو رکھ لے۔" یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا دونوں ارشادات کی تفسیر کرتی ہے۔

۲۔ یعنی اپنے اس ارشاد میں اجازت دی ہے: (فطلقوھن لعدتھن' انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دو۔ الطلاق: ۱) امام مسلم کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی (یا ایھاالنبی) تا آخر آیت" اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اقراء (جمع قرء) سے مراد اطہار (جمع طہر) ہیں کیونکہ طہر کے اندر طلاق دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ قول باری (فطلقوھن لعدتھن' کا مفہوم ہے "ان کی عدت کی ابتدا کے وقت انہیں طلاق دو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "یا حمل کی حالت میں" اس بات کی دلیل ہے کہ حاملہ بیوی کو طلاق دینا طلاق سنت ہے۔ جمہور کا بھی یہی مسلک ہے۔

جب آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ طلاق بدعت کی نہی کی گئی ہے اور اسے حرام قرار دیا گیا ہے تو اب اس سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا طلاق بدعت واقع ہو جاتی ہے اور اسے طلاق شمار کیا جائے گا یا یہ سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی؟ جمہور کا قول ہے کہ ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ انھوں نے زیربحث حدیث اور امام بخاری کی نقل کردہ ایک اور روایت کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ: "اسے ایک طلاق شمار کیا جائے گا۔" روایت کا لفظ (حسبت) فعل مجہول ہے اور حساب سے مشتق ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس طلاق کو ان تین طلاقوں میں سے ایک شمار کیا جائے گا جن کا مالک شوہر ہوتا ہے۔ تاہم یہاں مذکورہ فعل کے فاعل کی تصریح نہیں کی گئی ہے۔ اگر فاعل حضرت ابن عمرؓ ہوں تو یہ فقرہ حجت قرار نہیں پائے گا اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو یہ فقرہ حجت بن جائے گا۔ تاہم اس روایت کے سوا دوسری روایت میں فاعل کی تصریح موجود ہے جس طرح کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مسند ابن وھب" کے الفاظ ہیں۔ "ابن ابی ذئب نے روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے' اور یہ ایک طلاق ہے۔" دار قطنی نے اس کی تخریج ابن ابی ذئب اور ابن اسحاق کی روایت سے کی ہے' اور ان سب نے نافع سے' انہوں نے حضرت ابن عمرؓ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "یہ ایک طلاق ہے۔" یہ بات بھی مروی ہے کہ ایک طلاق کا حساب لگانے والے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ بات ایسے طرق سے مروی ہے جن میں سے بعض بعض کو تقویت دیتے ہیں۔

۳۔ جب کسی سائل نے حضرت ابن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اپنے ذاتی واقعہ کے حوالے سے اس کا جواب دیا۔ یہ روایت حیض کی حالت میں طلاق کی تحریم پر دلالت کرتی ہے اور حضرت ابن عمرؓ کا قول: "آپؐ نے مجھے رجوع کر لینے کا حکم دیا۔" وقوع طلاق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ رجوع طلاق کی فرع ہے' تاہم یہ مسئلہ قابل بحث ہے۔ طاؤس' خوارج اور روافض (اہل تشیع) نے اس کی مخالفت کی ہے۔ "البحر" کے اندر الباقر' الصادق اور الناصر سے یہ قول نقل کیا گیا ہے' ان کے قول کے مطابق کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی۔ ابن حزم' نے اس قول کی تائید کی ہے اور ابن تیمیہ نیز ابن القیم نے اسے ترجیح دی ہے۔ ان حضرات نے زیر نظر حدیث کے ایک طریق میں وارد الفاظ سے استدلال کیا ہے۔ اس طریق کی روایت امام مسلمؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے کہ "عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیوی کو مجھ پر لوٹا دیا اور اسے کوئی چیز یعنی طلاق نہیں سمجھا اور فرمایا: "جب یہ پاک ہو جائے تو پھر چاہے اسے طلاق دے یا چاہے اپنی زوجیت میں رہنے دے۔" ابو داؤد کی روایت میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں: "آپؐ نے اسے مجھ پر لوٹا دیا اور اسے کوئی چیز نہیں سمجھا"۔ اس روایت کی سند صحیح روایت کی شرط پر ہے البتہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ: "اور اسے کوئی چیز نہیں سمجھا" کا فقرہ منکر فقرہ ہے (منکر وہ حدیث ہے جس کی روایت ضعیف راوی نے کی ہو اور یہ روایت ثقہ راویوں کی روایت سے مختلف ہو۔ مترجم) جس میں اس جیسے دوسرے ضعیف راوی نے اس سے اختلاف کیا ہو تو پھر ایسے راوی سے اختلاف کی صورت میں یہ کس طرح حجت ہو گا جو اس سے اثبت ہو۔ اگر روایت کا مذکورہ فقرہ درست ہوتا تو وہ اثبت راوی کی روایت کے ہم معنی ہوتا۔ واللہ اعلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کو کوئی درست چیز اس لیے قرار نہیں دیا کہ یہ طلاق سنت کے مطابق واقع نہیں ہوئی تھی۔ خطابی نے کہا ہے کہ "اصحاب حدیث نے فرمایا ہے کہ ابوالزبیر نے اس حدیث سے بڑھ کر کوئی منکر حدیث روایت نہیں کی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ زیر بحث فقرے کا مفہوم یہ ہو کہ: "آپؐ نے اس طلاق کو کوئی ایسی بات نہیں سمجھا جس سے رجوع کرنا حرام قرار پائے۔" یا یہ کہ آپؐ نے اس طلاق کو ایسی بات نہیں سمجھا جو سنت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رو سے جائز اور مرد کو حاصل شدہ تین طلاق کے اختیار پر اثرانداز ہو اگرچہ طلاق کا وقوع مذکورہ اثراندازی کے لیے ایک لازم ہو جانے والے امر کی حیثیت رکھتا ہے۔" بیہقی نے "المعرفۃ" کے اندر امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابوالزبیر کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "نافع" ابوالزبیر سے اثبت ہے اور دو حدیثوں میں اگر اختلاف ہو تو ان میں سے اثبت ابن عمرؓ کے اس قول کو کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کو کوئی چیز نہیں سمجھا" اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ "آپؐ نے اس طلاق کو کوئی ایسی درست بات شمار نہیں کیا جس میں خطا کا کوئی پہلو نہ ہو۔" بلکہ اس طرح طلاق دینے والے کو کہا جائے گا کہ وہ اس پر قائم نہ رہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کر لینے کا حکم دیا تھا۔ اگر حضرت ابن عمرؓ حالت طہر میں اپنی بیوی کو طلاق دیتے تو انہیں رجوع کر لینے کا حکم نہ دیا جاتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے کام یا اپنے جواب میں غلطی کر جائے اور پھر اس کے بارے میں کہا جائے کہ: "اس نے کچھ نہیں کیا" یعنی اس نے کوئی درست کارکردگی نہیں دکھائی۔" ابن القیم نے زیر نظر طلاق کے عدم وقوع کے قول کی تائید میں طویل بحث کی ہے لیکن اس امر کے ثبوت کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ طلاق کو ایک طلاق شمار فرمایا' ہر عبارت بے کار اور ہر تائید بے اثر ہو جاتی ہے۔ ہم بھی مذکورہ طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور ہم نے تو اس پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا لیکن پھر ہم اس بارے میں ایک مدت تک توقف کی حالت میں رہے اور اس کے بعد ہماری رائے یہ ہو گئی کہ مذکورہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

تنبیہ: زیر نظر طلاق کے عدم وقوع کا پہلو جس کا ہم فتویٰ دیا کرتے تھے ابتدا میں قوی دلائل کی بنا پر بڑا قوی تھا جن کا ذکر ہم نے ایک رسالے میں کیا ہے۔ اس رسالے کا نام "الدلیل الشرعی فی عدم وقوع الطلاق البدعی" ہے۔ ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ ایسی طلاق بدعت کی طرف منسوب ہے اور اسی نام سے مسمی ہے جبکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کو کسی شرعی حکم کے نافذ ہونے میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ شرعی حکم اس بدعت کی وجہ سے واقع ہوتا ہے بلکہ بدعت تو باطل ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے تمام راویوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس حدیث کی جو مسند اور مرفوع طریق ہے اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک طلاق کا حساب حضرت ابن عمرؓ کے کھاتے میں ڈال دیا ہو' نہ ہی آپؐ نے یہ فرمایا کہ "یہ طلاق واقع ہو گئی" نہ ہی حضرت ابن عمرؓ نے اس کی مرفوع روایت کی ہے بلکہ صحیح مسلم میں مذکورہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ طلاق کا واقع ہونا صرف حضرت ابن عمرؓ کی اپنی رائے تھی اور جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "میں اسے طلاق کیوں نہ شمار کروں اگرچہ میں عاجز ہو گیا تھا اور بے وقوف بن گیا تھا۔" ان کی یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انہیں اس بارے میں رسول اللہ صلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم کی کسی نص کا علم نہیں تھا کیونکہ ایسی نص اگر ان کے پاس ہوتی تو وہ ضرور اس کی روایت کرتے اور مذکورہ ضعیف علت کا سہارا نہ لیتے اس لیے کہ عاجزی اور بے وقوفی کو طلاق کی صحت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر حضرت ابن عمرؓ کے پاس کوئی نبوی نص ہوتی تو ان کا قول یہ ہوتا "میں اسے طلاق کیوں نہ شمار کروں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق شمار کرنے کا مجھے حکم دیا ہے۔" امام کبیر محمد بن ابراہیم وزیر نے تصریح کی ہے کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ روایت کے اندر وقوع طلاق کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہے۔ السید محمد نے طلاق بدعت کے عدم وقوع پر سولہ دلائل پیش کیے ہیں۔ ان دلائل کی تلخیص ہم نے اپنے مذکورہ رسالے میں کر دی ہے۔ اب اس کے بعد قارئین کو اس مسئلے میں ہمارے رجوع کر لینے کا علم ہوا ہو گا اس لیے "سبل السلام" کے نسخوں میں ہمارا یہ رجوع درج کر لیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے" سے وقوع طلاق پر اس بنیاد پر استدلال کرنا کہ رجوع کرنا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے درست استدلال نہیں ہے اس لیے کہ طلاق کے بعد کی قید کے ساتھ مقید رجعت ایک شرعی عرف ہے جو بعد کی ایجاد ہے کیونکہ لغت کے اعتبار سے رجعت کا لفظ اس سے زیادہ عام ہے۔ زیر نظر حدیث حیض کے دوران طلاق دینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے نیز یہ کہ رجعت کا اختیار شوہر کو ہوتا ہے' بیوی اور ولی کی رضامندی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ رجعت کا معاملہ شوہر کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے نیز ارشاد باری ہے (وبعولتھن احق بردھن فی ذلک) ان کے شوہر اس عدت کے دوران انہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لینے کے حقدار ہیں۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸) نیز یہ کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "طہر یا حمل کی حالت میں" یہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا اس لیے کہ حمل کے دوران طلاق کو مطلق رکھا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حاملہ کے حیض کا چونکہ عدت کو طویل کرنے کے عمل پر کوئی اثر نہیں ہوتا لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا گیا اس لیے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے نیز یہ کہ عدت کے اندر اقراء (جمع قروء) سے مراد اطہار (جمع طہر) ہیں۔ امام غزالی نے کہا کہ حائضہ کو طلاق دینے کی حرمت کے حکم سے خلع والی طلاق مستثنیٰ ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابتؓ کی بیوی سے یہ تفصیل دریافت نہیں فرمائی تھی کہ آیا وہ حالت طہر میں ہے یا حالت حیض میں اور حضرت ثابتؓ کو حکم دے دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ احتمال کے مقام میں تفصیل معلوم کر لینے کو ترک کر دینا حکم کے عموم کے بمنزلہ ہوتا ہے۔

۱۰۰۷/۳ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ؟ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "جس معاملے میں لوگوں کو سوچ بچار اور مہلت سے کام لینا چاہیے تھا اس میں انہوں نے جلد بازی کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے' اس لیے اگر ہم اس معاملے کو ان پر نافذ کر دیں (تو بہتر رہے گا)"۔ یعنی ان کی دی ہوئی تین طلاقوں کو تین شمار کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے لوگوں پر جاری کر دیا۔ امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) اناۃ' حرف ہمزہ کے زبر کے ساتھ' یعنی مہلت

یہ حدیث کئی طرق سے حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے' اس میں یہ اشکال ہے کہ حضرت عمرؓ سے اس بات کی مخالفت کس طرح درست ہو سکتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور پھر حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جاری رہی اور پھر حضرت عمرؓ کی خلافت کی ابتدا میں بھی اس کا چلن رہا۔ حضرت ابن عباسؓ کے کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسئلے پر سب کا اجماع تھا۔ اس اشکال کے چھ جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اسی طرح تھا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد ہی میں یہ منسوخ ہو گیا تھا۔ ابوداؤد نے یزید النحوی کے طریق سے روایت کی ہے' انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہ "ایک شوہر جب اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو اسے بیوی سے رجعت کر لینے کا حق ہوتا خواہ اس نے تین طلاقیں کیوں نہ دی ہوتیں' پھر یہ منسوخ ہو گیا" البتہ حکم کی یہ منسوخیت مشہور نہ ہو سکی جس کی وجہ سے منسوخ حکم پر عمل جاری رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسے ختم کر دیا۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اگر نسخ کی روایت ثابت ہو جائے تو فبہا ورنہ اس کی تضعیف حضرت عمرؓ کا یہ قول کر رہا ہے کہ "جس معاملے میں لوگوں کو سوچ بچار اور مہلت سے کام لینا چاہیے تھا اس میں انہوں نے جلدبازی کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے۔" یہ قول اس بارے میں واضح ہے کہ یہ محض ایک رائے تھی' سنت نہیں تھی' امام مسلم کی روایت کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا حوالہ: مسلم شریف باب ۲ من الطلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالصہباء سے کہا کہ : "حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب لوگوں نے تین طلاقوں کا رواج بنا لیا تو انہوں نے لوگوں پر اسے جاری کردیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی یہ حدیث مضطرب ہے (اس حدیث کو مضطرب کہیں گے جو مختلف اور متعارض شکلوں میں مروی ہو اور جن کو باہم جمع کرنا ممکن نہ ہو نیز یہ تمام روایات ایسے طرق سے مروی ہوں جو ہر لحاظ سے یکساں درجے کے ہوں۔ مترجم) قرطبی نے "شرح مسلم" میں لکھا ہے : "اس حدیث کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے اختلاف کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ میں بھی اضطراب واقع ہو گیا ہے۔ اس کا ظاہر سیاق تو یہ ہے کہ یہ حکم اس زمانے کے تمام لوگوں سے منقول ہے اور یہ بات اس امر کی عادۃً مقتضی ہے کہ مذکورہ حکم ظاہر ہو کر پھیل چکا ہو اور صرف حضرت ابن عباسؓ تک محدود نہ رہا ہو۔ یہ بات اگر اس حکم کے بطلان کی قطعیت کا تقاضا نہ بھی کرے تو کم از کم اس کے ظاہر پر عمل سے توقف کی مقتضی ہو جائے گی۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ وضاحت محض دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے کیونکہ سنت نیز پیش آمدہ واقعات کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن کی صرف ایک راوی نے روایت کی ہے اور روایت کے اندر راوی کی انفرادیت سے اس روایت کو کوئی نقصان نہیں ہوتا خاص طور پر جبکہ راوی حضرت ابن عباسؓ جیسا شخص ہو جن کا لقب "حبر الامۃ" (امت کا عالم) ہے' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ "تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔" اس کی تائید ابو رکانہ کی حدیث سے ہوتی ہے' اگرچہ اس حدیث میں کلام ہے' اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ زیر نظر حدیث ایک خاص صورت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ طلاق دینے والا "انت طالق' انت طالق" (تجھے طلاق ہے' تجھے طلاق ہے) کہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عصر نبوت اور اس کے بعد کے زمانے کی بات تھی جبکہ لوگوں کے احوال کو سلامت روی اور سچائی پر محمول کرتے ہوئے طلاق دینے والے کے اس دعوے کو قبول کر لیا جاتا تھا کہ دوسری طلاق پہلی طلاق کی محض تاکید تھی کسی اور طلاق کی بنیاد نہیں تھی' اسے اپنے اس دعوے میں سچا تسلیم کر لیا جاتا تھا' لیکن جب عمرؓ نے دیکھا کہ لوگوں کے احوال میں تغیر آ گیا ہے اور غلط دعووں کی کثرت ہو گئی ہے تو آپ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ متکلم کو اس کے کلام کے ظاہر پر برقرار رکھا جائے اور اس کے ضمیر کے دعوے کی تصدیق نہ کی جائے۔ اس جواب کو قرطبی نے پسند کیا ہے اور نووی کے قول کے مطابق یہی جواب درست ترین جواب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس تاویل سے یہ بات مخفی نہیں رہتی کہ حضرت عمرؓ کی ممانعت محض ایک رائے تھی اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر زمانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اندر لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں' ان میں سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی جبکہ انسان کے مافی الضمیر کی معرفت صرف اس کے کلام کے ذریعے ہو سکتی ہے اس لیے اس کا قول قبول کر لیا جائے گا خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے غلط ہی کیوں نہ ہو' اس لیے ظاہر پر حکم عائد ہو گا اور دل میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ کے سپرد کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے قول: "تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں" کا ظاہر تو یہی ہے کہ ایسا ہوتا تھا' خواہ اس کے لیے جو بھی تعبیر اختیار کی جاتی۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے قول "تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں" کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نیز حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جو طلاق دی جاتی تھی وہ اکثر احوال میں ایک دی جاتی تھی' تین نہیں دی جاتی تھیں' اس لیے حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ تھی کہ تم لوگ جو طلاق تین کی صورت میں دیتے ہو وہ مذکورہ عہد میں ایک کی صورت میں دی جاتی تھی اس طرح حضرت عمرؓ کا قول "اگر ہم اسے لوگوں پر جاری کر دیں (تو بہتر ہو گا)" اس معنی میں ہو جائے گا کہ "اگر ہم اسے اس حکم کے مطابق جاری کر دیں جو مشروع ہے یعنی تین طلاق (تو یہ بہتر رہے گا)"۔ یہ جواب کسی تکلف کے بغیر حضرت عمرؓ کے قول "جس معاملے میں لوگوں کو سوچ بچار اور مہلت سے کام لینا چاہیے تھا اس میں انہوں نے جلد بازی کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے" کے قریب قریب ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے طلاق دینے میں لوگوں کی عادات کے اختلاف کی خبر دی جا رہی ہے' طلاق واقع ہونے کے بارے میں خبر نہیں دی جا رہی ہے کیونکہ یہ حکم تو پختہ اور ثابت ہے۔ ابن العربی نے اس تاویل کو ترجیح دی ہے اور اس کی نسبت ابوزرعہ کی طرف کی ہے۔ اسی طرح بیہقی نے بھی ابوزرعہ سے اس تاویل کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ "اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم لوگ جو طلاق تین طلاقوں کی صورت میں دیتے ہو' وہ لوگ اسے ایک طلاق کی شکل میں دیتے تھے۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل صرف اس صورت میں مکمل ہو سکتی ہے جب اس بات پر اتفاق ہو جائے کہ عہد نبوت میں ایک ہی مرتبہ تین طلاق دینے کا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ ابو رکانہ اور دیگر حضرات کی روایت کردہ حدیث اس بات کو رد کرتی ہے اور حضرت عمرؓ کا قول "اگر ہم اسے لوگوں پر جاری کر دیں (تو بہتر رہے گا)" بھی اس سے گریزاں ہے کیونکہ ان کے قول کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ مذکورہ زمانے میں یہ بات جاری نہیں ہوئی تھی اور حضرت عمرؓ نے اسے جاری کرنے کی رائے کا اظہار کیا۔ یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ عہد نبوت میں مذکورہ طلاق دی تو جاتی تھی لیکن جاری نہیں ہوتی تھی' اس لیے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مذکورہ عہد میں ایک ہی مرتبہ تین طلاق دینا کوئی نادر امر تھا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول "تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں" مرفوع حدیث کے حکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نہیں ہے بلکہ یہ ان پر موقوف ہے۔ یہ بڑا کمزور جواب ہے کیونکہ اصول حدیث اور اصول فقہ کے اندر یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ صحابی کا قول "ہم یہ کرتے تھے" یا یہ کہ "لوگ ایسا کرتے تھے" مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کے قول "تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں" سے "البتہ" کا لفظ مراد ہے۔ اگر شوہر کہے "انت طالق البتہ" (تمہیں بائن طلاق ہے)۔ اس کا ذکر حدیث رکانہ میں آئے گا (اس لفظ کے لغوی معنی یقیناً کے ہیں اور فقہی اصطلاح میں اسے طلاق بائنہ پر محمول کیا جاتا ہے۔ مترجم) جب شوہر یہ فقرہ کہتا اور اس کی تفسیر ایک یا تین طلاق سے کرتا تو اس کی یہ تفسیر قبول کر لی جاتی' لیکن جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو پھر ایک طلاق کے ساتھ اس کی تفسیر قبول نہیں کی جاتی تھی۔ ایک قول کے مطابق امام بخاری نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے اس باب میں ان آثار کو درج کیا ہے جن کے اندر البتہ کا لفظ مذکور ہے۔ نیز اس باب میں انہوں نے وہ احادیث بھی درج کی ہیں جن کے اندر تین طلاقوں کی تصریح ہے۔ گویا انہوں نے یہ اشارہ کر دیا ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز یہ کہ جب لفظ البتہ کا علی الاطلاق ذکر ہو تو اسے تین طلاقوں پر محمول کیا جائے گا۔ الا یہ کہ طلاق دینے والا ایک طلاق کا ارادہ کر رہا ہو' ایسی صورت میں اس کی بات قبول کر لی جائے گی۔ اس بنا پر بعض راویوں نے لفظ البتہ کی روایت تین طلاقوں سے کر دی۔ مراد یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نیز حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں طلاق البتہ ایک طلاق ہوتی تھی۔" تا آخر حدیث۔

میں کہتا ہوں کہ اس تاویل کا بعید ہونا کسی سے مخفی نہیں ہے نیز راوی کے بارے میں یہ بدگمانی کرنا کہ اس نے روایت کے لفظ میں تبدیلی کر دی ہے' بڑی زیادتی ہے۔ ایک اور بات بھی اس تاویل کو بعید قرار دیتی ہے وہ یہ کہ البتہ کے لفظ سے طلاق دینا انتہائی نادر الوقوع ہے۔ اس لیے زیر نظر حدیث میں مذکور لفظ کو اس پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ حضرت عمرؓ کا قول "جس معاملے میں لوگوں کو سوچ بچار سے کام لینے کی ضرورت تھی اس میں انہوں نے جلد بازی کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عہد نبوت میں بھی تین کے لفظ کے ساتھ طلاق دی جاتی تھی' یہاں اقرب بات یہی ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی اپنی رائے تھی جو ان کے نزدیک قابل ترجیح بن گئی تھی' جس طرح انہوں نے اپنی رائے سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو حج تمتع کرنے سے روک دیا تھا اسی طرح کے دیگر مسائل بھی ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کے قول کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور ترک بھی کیا جا سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ زیر نظر مسئلہ میں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج مسئلے سے ہٹ کر قدم اٹھایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَلْبَتَّةَ، فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تھا تو اس کی نظیر حج تمتع کی صورت میں موجود ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے' باقی رہے وہ تکلفات جو مذکورہ بالا جوابات کے اندر اس غرض سے کیے گئے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام عصر نبوت میں ثابت شدہ امر کے موافق ہو جائے تو ہمارے نزدیک ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ نامناسب بھی ہیں کہ حضرت عمرؓ سے ایسے اجتہادات ثابت ہیں جنہیں عصر نبوت کے مسائل کے ساتھ تطبیق دینا بڑا ہی مشکل امر ہے' ہاں اگر تطبیق کی کوئی صحیح صورت نکل آئے تو فبہا المراد۔

١٠٠٨/٤ - وَعَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ. رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أُخْبِرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعاً، فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ: «أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ». حَتى قَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَقْتُلُهُ؟. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرُوَاتُهُ مُوَثَّقُونَ(١).

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ یہ سن کر آپؐ غصے کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر فرمایا: "کیا اللہ کی کتاب کو کھیل تماشہ بنایا جا رہا ہے جبکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں؟" اس پر ایک شخص نے عرض کیا: "اللہ کے رسول ﷺ' کیا میں اسے قتل نہ کر دوں!" نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۱) محمود بن لبید بن ابی رافع انصاری اشلی' ان کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوئی تھی اور انہوں نے آپؐ سے کئی حدیثوں کی روایت کی تھی۔ امام بخاری کے قول کے مطابق انہیں صحبت رسول ﷺ حاصل ہوئی تھی۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ ہمیں ان کی صحبت رسول ﷺ کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ امام مسلم نے ان کا ذکر تابعین میں کیا ہے۔ ان کا شمار اہل علم حضرات میں ہوتا تھا' ان کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی تھی' امام احمد نے "مسند احمد" میں ان کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے اور ان کی احادیث کا ذکر اس باب میں کیا ہے' ان احادیث میں قابل تنقید کوئی بات نہیں ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سماع کی انہوں نے تصریح کر دی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا بدعت ہے۔ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک' امام ابو حنیفہ اور الھادی کا مسلک ہے کہ یہ بدعت ہے جبکہ امام شافعی' امام احمد اور امام یحییٰ

(۱) حضرت محمود بن لبید کی حدیث کے حوالے: سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۲' فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا قول ہے کہ یہ بدعت نہیں ہے اور نہ ہی مکروہ ہے۔ پہلے گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضبناک ہو جانے اور آپؐ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ: "کیا اللہ کی کتاب کو کھیل تماشا بنایا جا رہا ہے!... الخ" نیز سعید بن منصور کی اس روایت سے بھی جس کا ذکر انہوں نے صحیح سند کے واسطے سے حضرت انسؓ سے کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب کسی ایسے شخص کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوتیں تو آپ اس کی پشت کو مار مار کر لال کر دیتے۔ حضرت عمرؓ نے شاید اس کی تحریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اخذ کیا تھا کہ: "کیا اللہ کی کتاب کو کھیل تماشا بنایا جا رہا ہے۔"

دوسرے گروہ نے ارشاد باری "فطلقوهن لعدتهن" سورۂ طلاق آیت ۱ (انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دو) سے نیز "الطلاق مرتان" سورۂ بقرۃ (طلاق دو بار ہے) سے اور لعان کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور جس میں مذکور ہے کہ کسی عورت کے شوہر نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دے دیں اور آپؐ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اس استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں آیتیں مطلق ہیں اور زیر نظر حدیث تین طلاقوں کی تحریم کے سلسلے میں صریح ہے' اس لیے مذکورہ آیتوں کو اس حدیث کے ساتھ مقید کر دیا جائے گا۔ نیز یہ کہ لعان کرنے والے شوہر کی اپنی بیوی کو طلاق دراصل محل طلاق میں طلاق دینے کا عمل نہیں ہوتا کیونکہ لعان کرنے کے ساتھ ہی وہ اس سے بائن ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے' یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ حضرت محمود بن لبید کی روایت کردہ گذشتہ حدیث کے اندر کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق دینے والے شوہر پر اسے جاری اور نافذ کر دیا تھا یا اسے ایک طلاق قرار دیا تھا۔ مصنف (حافظ ابن حجر) نے اس کا ذکر صرف یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تین طلاقیں دینے کا رواج تھا۔

۱۰۰۹/۵ - وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ، طَلَّقَ أَبُو رُكَانَةَ أُمَّ رُكَانَةَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «رَاجِعِ امْرَأَتَكَ». فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا. قَالَ: «قَدْ عَلِمْتُ، رَاجِعْهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ(۱).

وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ: طَلَّقَ أَبُو رُكَانَةَ امْرَأَتَهُ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ ثَلَاثًا، فَحَزِنَ عَلَيْهَا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَإِنَّهَا وَاحِدَةٌ». وَفِي سَنَدِهِمَا ابْنُ إِسْحَاقَ، وَفِيهِ مَقَالٌ.

---

(۱) حضرت ابن عباس کی حدیث کا حوالہ: سنن ابی داؤد ۲۱۹۶، ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَدْ رَوَى أَبُو دَاوُدَ بِنْ وَجْهٍ آخَرَ أَحْسَنَ مِنْهُ: أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دے دی' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اپنی بیوی سے رجوع کر لو!" ابو رکانہ نے جواب میں عرض کیا: "میں نے اسے تین طلاقیں دے دی ہیں" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "مجھے معلوم ہے' بس تم اس سے رجوع کر لو!" ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے۔ امام احمد کی روایت کے الفاظ ہیں: "ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں' پھر انہیں اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "یہ تین طلاقیں ایک طلاق ہے۔" دونوں روایتوں کی سند میں ابن اسحاق ہے جس کے متعلق تنقید موجود ہے۔ ابوداؤد نے ایک اور طریق سے روایت کی ہے جو پہلے طریق سے احسن ہے کہ "ابو رکانہؓ نے اپنی بیوی سہیمہؓ کو طلاق البتہ (بائن طلاق) دے دی اور پھر کہا: "بخدا میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا"۔

(۱) ابو رکانہؓ حرف راء پر پیش اور الف کے بعد حرف نون کے ساتھ

(۲) یعنی حضرت ابن عباسؓ سے

(۳) یعنی ابو داؤدؒ اور امام احمدؒ کی روایت کردہ احادیث میں

(۴) یعنی محمد بن اسحاق جنہوں نے "سیرۃ ابن اسحاق" کے نام سے سیرت کی مشہور کتاب لکھی ہے۔

(۵) ہم نے اپنی کتاب "ثمرات النظر فی علم اہل الاثر" میں نیز "ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتہاد" میں تحقیق کے ساتھ ہے کہ ابن اسحاق پر تنقید درست نہیں ہے اور اس سے ان کی روایت مجروح نہیں ہوتی۔

(۶) سہیمۃ حرف سین پر پیش کے ساتھ سہمہ کی تصغیر ہے۔

(۷) ابو یعلی نے اس کی تخریج کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ اس کے تمام طرق محمد بن اسحاق کی روایت سے ہیں۔ انہوں نے اس کی روایت داؤد بن الحصین سے' انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔ علماء نے اس جیسے اسناد سے مروی احادیث پر بہت سے احکام کے سلسلے میں عمل کیا ہے مثلاً یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی پہلے نکاح کی بنیاد پر ابوالعاص کے پاس واپس بھیج دی تھی۔ اس حدیث کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ زیر نظر حدیث کو ابوداؤد نے صحیح کہا ہے کیونکہ انہوں نے ایک اور طریق سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی تخریج کی ہے۔ اس کی طرف مصنف موصوف نے اپنے قول "جو پہلے طریق سے احسن ہے" کے ذریعے اشارہ کر دیا ہے۔ وہ طریق یہ ہے کہ ابوداؤد نے اس کی تخریج نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ کی روایت سے کی ہے کہ "رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی . . ." تا آخر حدیث' ابن حبان اور حاکم نے بھی اسے صحیح کہا ہے' تاہم اس حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اسے صحیح کہتے ہیں اور بعض اس کی تضعیف کرتے ہیں۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوں گی

اس مسئلے میں علماء کے چار اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ یہ طلاق بدعت ہے۔ اس قول کے قائلین اور ان کے دلائل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا یہی مسلک ہے اور حضرت علیؓ سے بھی یہ ایک روایت ہے' فقہاء اربعہ اور جمہور سلف و خلف بھی اسی مسلک کے قائل ہیں۔ ان حضرات نے آیات طلاق سے استدلال کیا ہے نیز یہ کہ یہ آیات ایک اور تین کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتیں۔ اس استدلال کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ مذکورہ آیات مطلق ہیں اور ان میں احادیث کے ذریعے تقیید (مقید کرنا) کا احتمال ہے۔ ان حضرات نے صحیحین کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ عویمر العجلانیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور آپؐ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ یہ بات تین طلاقوں کو یکجا کرنے کی اباحت پر دلالت کرتی ہے۔ نیز ان کے وقوع پر بھی دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ درج بالا وضاحت جواز پر دلالت نہیں کرتی' نہ ہی تین کے وقوع پر اس لیے کہ نبی صرف اس صورت کے بارے میں تھی جس کا تعلق اس طلاق سے ہے جس کی وجہ سے وہ نکاح ختم ہو کر رہ جائے جس کا دوام مطلوب تھا۔ جبکہ لعان کرنے والے صحابی نے اس گمان پر بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں کہ اسے زوجیت میں رکھنے کا حق ابھی باقی ہے اور انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ لعان کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے علیحدگی ہو چکی تھی' خواہ یہ علیحدگی نفس لعان کی وجہ سے عمل میں آئی ہو یا حاکم وقت کی تفریق کی بنا پر۔ اس طرح یہ حدیث مطلوب پر دلالت نہیں کرتی۔ ان حضرات نے فاطمہ بنت قیسؓ کی متفق علیہ حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دے دی تھیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: "مطلقہ کے لیے کوئی نفقہ نہیں اور اس پر عدت ہے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں تین طلاقیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی تھیں اس لیے یہ حدیث مطلوبہ دعوے پر دلالت نہیں کرے گی۔ ان حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس تفصیل کا معلوم نہ کرنا کہ آیا یہ طلاقیں ایک مجلس میں دی گئیں یا کئی مجالس میں' اس امر پر دال ہے کہ ایک اور تین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپؐ نے تفصیل اس لیے نہیں دریافت فرمائی کہ اس زمانے میں ایک ساتھ تین طلاق دینے کا غالباً رواج نہیں تھا۔ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے۔ ہم نے غالباً اس لیے کہا ہے کہ یہ اعتراض پیدا نہ ہو کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ عہد نبوت میں تین طلاقیں دینے کے واقعات ہوئے تھے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ واقعات ہوئے تھے لیکن بہت ہی نادر الوقوع تھے' یہی صورت حال اس استدلال کی ہے جو ان حضرات نے حضرت عائشہ کی روایت سے کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' مطلقہ نے آگے نکاح کر لیا' اور پھر دوسرے شوہر نے بھی اسے طلاق دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آیا اب یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گئی؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں جب تک دوسرا شوہر اس کا شہد چکھ نہ لے۔" (یعنی جماع نہ کر لے)۔ اس کی تخریج امام بخاری نے کی ہے۔ اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ ان حضرات نے سنت سے ایسے دلائل بیان کیے ہیں جن کے اندر ضعف کا پہلو ہے اور ان کے ذریعے کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی اس لیے ہم ان دلائل کا ذکر کر کے اپنی کتاب کا حجم بڑھانا نہیں چاہتے۔ اسی طرح ان حضرات نے صحابہ کرام کے فتاویٰ سے جو استدلال کیا ہے وہ بھی انفرادی اقوال ہیں جو بطور دلیل کام نہیں دے سکتے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ مروی ہے۔ الھادی' القاسم' الصادق اور الباقر کا یہی مسلک ہے۔ ان کی تائید امام ابن تیمیہؒ نے کی ہے اور ان کی پیروی میں ان کے شاگرد ابن القیمؒ نے بھی اس مسلک کی تائید کی ہے۔ ان حضرات نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا دونوں احادیث سے استدلال کیا ہے جو مطلوبہ مسئلہ کے بارے میں صریح ہیں۔ نیز یہ کہ دیگر اقوال دلائل کا کام نہیں دے سکتے' پہلے اور دوسرے قول کے بارے میں تو آپ جان چکے ہیں' ان کے سوا دیگر اقوال کے نقائص کا آگے ذکر ہو گا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ مدخول بہا اور غیرمدخول بہا کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ اگر بیوی کے ساتھ شوہر کی ہم بستری ہو گئی ہو یعنی وہ مدخول بہا ہو تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور غیرمدخول بہا پر ایک طلاق واقع ہو گی۔ حضرت ابن عباسؓ کے اصحاب کے ایک گروہ کا یہی قول ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا یہی مسلک ہے۔ ان حضرات نے ابوداؤد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ: "کیا تمھیں نہیں معلوم کہ اگر کوئی شخص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی بیوی کو تعلق زن و شو قائم ہونے سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسے ایک طلاق قرار دیا جاتا۔" تا آخر حدیث۔ ان حضرات نے قیاس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب شوہر اپنی غیرمدخول بہا بیوی کو کہے کہ " تمھیں طلاق ہے" تو وہ اس سے بائن ہو جائے گی' پھر اگر وہ اسی فقرے کا اعادہ کرے تو اس کے انطباق کے لیے محل طلاق باقی نہیں ہو گا اور یہ لغو ہو جائے گا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات مدخولہ اور غیرمدخولہ دونوں کے حق میں ثابت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس لیے ابوداؤد کی حدیث کا مفہوم حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ احادیث کے عموم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ احادیث کا ظاہر تو یہ ہے کہ اگر شوہر کہے کہ " تمھیں تین طلاق" یا وہ طلاق کے لفظ کی تین دفعہ تکرار کرے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فروع کی کتابوں میں الفاظ طلاق الگ الگ کہنے کے بارے میں بہت سے اقوال اور بڑا اختلاف ہے تاہم ان کی تائید میں کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ فروعی مسائل میں بحث کرنے والوں نے اس مسئلے کے بارے میں بڑی لمبی لمبی باتیں کی ہیں۔ مذاہب اربعہ والوں نے ایسی صورت میں حضرت عمرؓ کی متابعت میں تین طلاقوں کا انطباق کیا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے اسے تین طلاق قرار دیا تھا۔ ان حضرات نے اپنے مخالفین پر اس سلسلے میں تنقید کی بوچھاڑ کر دی ہے۔ ان کے نزدیک یہ مسئلہ روافض اور مخالفین کی نشانی بن گیا۔ اور اس کے متعلق فتویٰ دینے کی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو سزا بھی دی گئی اور ان کے شاگرد حافظ ابن القیم کو تین طلاق واقع نہ ہونے کا فتویٰ دینے پر اونٹ پر بٹھا کر پھرایا گیا۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ ایک ایسے فرعی مسئلے کے اندر محض شدید تعصب کا مظاہرہ تھا جس کے بارے میں امت کے سلف اور خلف کے اندر اختلاف رائے موجود رہا ہے۔ اس لیے اگر ایک شخص مختلف فیہ اقوال میں سے کوئی قول اختیار کر لے تو اس پر نکیر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ بات اہل علم کے درمیان معروف ہے۔ اسی قسم کی صورتحال میں بڑے بڑے علماء اور اتقیاء میں سے منصف مزاج افراد غیرمنصف مزاج افراد سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔

۱۰۱۰/۶ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ عَدِيٍّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ضَعِيفٍ: «الطَّلَاقُ وَالْعَتَاقُ وَالنِّكَاحُ»(۱).

حضرت ابو ہریرہ(۱) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین باتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے۔ وہ ہیں: نکاح' طلاق اور رجوع" نسائی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ ایک اور ضعیف طریق سے ابن عدی کی روایت کے الفاظ ہیں: "طلاق' عتاق اور نکاح"۔

(۱) یہ روایت بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے۔

زیر نظر حدیث کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی حدیث سے ہو گئی ہے۔

۱۰۱۱/۷ - وَلِلْحَارِثِ بْنِ أَبِي أُسَامَةَ مِنْ حَدِيثِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - رَفَعَهُ: «لَا يَجُوزُ اللَّعِبُ فِي ثَلَاثٍ: الطَّلَاقِ، وَالنِّكَاحِ، وَالْعِتَاقِ، فَمَنْ قَالَهُنَّ فَقَدْ وَجَبْنَ». وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ(۲).

حارث بن ابی اسامہ نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث کی روایت ہے کہ "تین باتوں کو کھیل بنانا جائز نہیں' وہ ہیں: طلاق' نکاح اور عتاق' جو شخص بھی انہیں اپنی زبان سے ادا کرے گا تو یہ واجب (واقع) ہو جائیں گی۔" اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

(۱) ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس سند میں ابن لہیعہ ہے اور اس سند میں انقطاع بھی ہے۔

یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر کوئی شخص مذاق مذاق میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور طلاق صریح کی صورت میں نیت کی ضرورت نہیں ہو گی۔ احناف' شوافع اور ہادویہ کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد' الناصر' الصادق اور الباقر کا مسلک ہے کہ نیت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ حدیث "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" کا عموم اس کا مقتضی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث عام ہے اور مذکورہ بالا احادیث نے اس کی تخصیص کر دی ہے۔ اس پر باب العتق کے اندر گفتگو ہو گی۔

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت: "تین باتیں ایسی ہیں... الخ" کے حوالے: سنن ترمذی ۱۱۸۴' سنن ابی داؤد ۲۱۹۴' سنن ابن ماجہ ۲۰۳۹' المستدرک ج ۲ ص ۱۹۷' ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۲۴' ج ۷ ص ۱۳۹' نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۹۳' ۲۹۴' مشکوۃ المصابیح ۳۲۸۴' معانی الآثار ج ۳ ص ۹۸' الدر المنثور ج ۱ ص ۲۸۶' سنن سعید بن منصور ۱۶۰۳' شرح السنۃ ج ۹ ص ۲۱۹' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۰۹' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۱۵' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۵۶' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۸۹

(۲) حارث ابن ابی اسامہ کی روایت کا حوالہ: مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۱۲/۸ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان کے دلوں میں پیدا ہونے والی باتوں کو اس وقت تک معاف رکھا ہے جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے یا انہیں زبان پر نہ لایا جائے۔" متفق علیہ۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے اس حدیث کی جو روایت کی ہے اس میں (دلوں میں پیدا ہونے والی باتوں) کی بجائے یہ الفاظ ہیں: "ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو" اور حدیث کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے "اور ان امور کو جن پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔"

مصنف (حافظ ابن حجر) نے کہا ہے کہ "میرے خیال میں یہ اضافہ مدرج ہے (یعنی متن حدیث میں باہر سے یہ الفاظ شامل کر دیئے گئے ہیں) گویا یہ الفاظ راوی ہشام بن عمار کے ذریعے ایک حدیث سے دوسری حدیث میں داخل ہو گئے ہیں۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں طلاق کی بات کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ ابن سیرین، زہری اور امام مالک سے (ایک روایت کے مطابق) مروی ہے کہ اگر شوہر اپنے دل میں بیوی کو طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابن العربی نے یہ کہہ کر اس مسلک کی تائید کی ہے کہ جو شخص دل میں کفر کا اعتقاد رکھے نیز جو شخص معصیت پر اصرار کرے وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے دل میں کسی مسلمان کو قذف کرے تو وہ بھی گنہگار قرار پاتا ہے۔ یہ تمام صورتیں اعمال قلب سے تعلق رکھتی ہیں اور زبان کے اعمال میں ان کا شمار نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کے دلوں میں پیدا ہونے والی باتوں پر ان کی گرفت نہیں کرے گا نیز ارشاد باری ہے (لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا اللہ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶) جبکہ دل میں پیدا ہونے والی بات انسان کے بس سے باہر ہوتی ہے، البتہ نفس کے ساتھ اس کے باطل خیالات کے سلسلے میں نرم رویہ اختیار کرنا بندے کے اندر غلط کام کا قصد پیدا کر دیتا

---

(۱) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اللہ نے میری امت کو... الخ" کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۱۹۰، ج ۷ ص ۵۹، ج ۸ ص ۱۶۸، مسلم شریف حدیث ۲۰۱، ۲۰۲، من الایمان، سنن ابن ماجہ ۲۰۴۰، ۲۰۴۷، سنن ابی داؤد ۲۲۰۹، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۳، ۳۹۳، ۴۲۵، ۴۷۴، ۴۸۱، ۴۹۱، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۰۹، ۳۹۸، ج ۱۰ ص ۶۱، صحیح ابن خزیمہ ۸۹۸، ارواء الغلیل ج ۷ ص ۱۳۹، فتح الباری ج ۱۱، ص ۳۲۸، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۹۰۷، ۱۱۸۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور پھر حرام کاموں میں اس کے پڑ جانے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ ایسے خیالات کے پیدا ہوتے ہی انہیں فوراً ذہن سے جھٹک دینا مناسب ہو گا۔

ابن العربی نے کفر اور ریاکاری سے جو استدلال کیا ہے تو اس میں کوئی خفاء نہیں کہ ان دونوں کا تعلق اعمال قلب سے ہے' ان دونوں اعمال کی حیثیت سے اس بنا پر تخصیص کر دی گئی ہے کہ اعتقاد اور ریاکاری کا قصد دل میں پیدا ہونے والی باتوں سے خارج ہے۔ رہ گیا وہ شخص جو معصیت پر اصرار کرتا ہے اور اس پر ڈٹ جاتا ہے تو اسے گناہ معصیت کے اس ارتکاب پر ہوتا ہے جو اصرار سے پہلے وجود میں آ چکا ہوتا ہے کیونکہ اس کا اصرار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے مذکورہ معصیت سے توبہ نہیں کی۔ زیر نظر حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ جو شوہر طلاق لکھ دے اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس نے اپنے دل سے عزم اور قصد کر کے تحریر کے ذریعے اس پر عمل کر لیا۔ جمہور کا یہی قول ہے جبکہ امام مالک نے تحریر پر گواہی کی شرط عائد کی ہے۔ اس پر گفتگو آگے آ رہی ہے۔

۱۰۱۳/۹ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَالْحَاكِمُ، وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: لَا يَثْبُتُ(۱).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو درگزر کر دیا ہے اور اس سے بھی جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔" ابن ماجہ اور حاکم نے اس کی روایت کی ہے' ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

(۱) نووی نے "الروضة" کے اندر طلاق تعلیق کے باب میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اس طرح "الاربعین" کے اواخر میں بھی انہوں نے یہی بات کی ہے۔ اس حدیث کے کئی اسانید ہیں۔ ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے اسانید کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سب منکر اور موضوع احادیث ہیں۔ عبداللہ بن احمد نے "العلل" میں کہا ہے کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے سختی سے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اس کی روایت صرف حسن بصری سے ہوئی ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت کی ہے۔ الخلال نے امام احمد سے ان کا یہ قول نقل کیا

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے: سنن ابن ماجہ ۲۰۴۵' نصب الرایہ ج ۲ ص ۶۴' ۶۵' ارواء الغلیل ج ۱ ص ۱۲۳' زاد المسیر ج ۱ ص ۳۴۷' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۹' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۲۲' مشکوۃ المصابیح ۶۲۸۴' الکامل ج ۲ ص ۵۰۸' ج ۳ ص ۱۱۷۲' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۸۲۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ خطا اور نسیان معاف ہے اس نے گویا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل خطا میں کفارہ واجب کیا ہے۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ امت محمدیہ سے سزا کے اخروی احکام معاف کر دیئے گئے ہیں جب ان احکام کو واجب کرنے والے اعمال ان سے خطا یا نسیان یا اکراہ کے تحت واقع ہو جائیں۔ رہ گئی یہ بات کہ ان پر شرعی احکام اور سزاؤں کی بنیاد رکھی جائے گی تو اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ بھول کر طلاق دینے والے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے کہ ان کی رائے میں یہ طلاق عمد کی طرح ہے الا یہ کہ شرط لگا دی گئی ہو۔ حسن بصری سے ابن ابی شیبہ نے اس کی روایت کی ہے۔ عطاء سے مروی ہے کہ زیر نظر حدیث کی بنا پر ایسی طلاق واقع نہیں ہو گی۔ جمہور کا یہی قول ہے' جمہور کا یہ بھی مسلک ہے کہ غلطی سے طلاق دینے والے کی طلاق واقع نہیں ہو گی۔ احناف سے مروی ہے کہ واقع ہو جائے گی' مکرہ یعنی ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق کے بارے میں بھی اختلاف ہے جسے طلاق دینے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔ جمہور کے نزدیک یہ طلاق واقع نہیں ہو گی' نخعی سے مروی ہے کہ واقع ہو جائے گی' احناف کا بھی یہی قول ہے۔ جمہور نے اس قول باری تعالیٰ سے استدلال کیا ہے "الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان" (مگر وہ شخص جسے کفر پر مجبور کر دیا گیا ہو در انحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو) سورۂ نحل آیت ۱۰۶)۔ عطاء نے کہا ہے کہ "شرک طلاق سے زیادہ سنگین ہے" امام شافعیؒ نے اس استدلال کی توثیق کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس شخص سے کفر کے کلمے کو معاف کر دیا جس نے اکراہ کی حالت میں یہ کلمہ کہا ہو اور اس سے کفر کے احکام کو ساقط کر دیا تو اسی طرح اس نے مکرہ یعنی مجبور شخص سے اس کا وہ عمل بھی ساقط کر دیا جو کفر سے کمتر ہے اس لیے کہ جب ایک بڑی بات ساقط ہو سکتی ہے تو اس سے کمتر بات بطریق اولیٰ ساقط ہو جائے گی۔

۱۰۱۴/۱۰ - وَعَنْ ٱبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: «إِذَا حَرَّمَ ٱمْرَأَتَهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ. وَقَالَ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ٢١] رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

وَلِمُسْلِمٍ عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ: «إِذَا حَرَّمَ الرَّجُلُ ٱمْرَأَتَهُ فَهُوَ يَمِينٌ يُكَفِّرُهَا»(۱).

حضرت ابن عباسؓ(۱) سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جب شوہر اپنی بیوی کو حرام کر لے تو یہ

---

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت "جب شوہر اپنی بیوی کو حرام کر لے تو یہ کوئی بات نہیں۔" کا حوالہ: بخاری شریف باب ۸ من ابواب الطلاق۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت "جب مرد اپنی بیوی کو حرام کر لے تو یہ قسم ہو گی!" کا حوالہ: مسلم شریف باب ۳ من الطلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی بات نہیں!" اور فرمایا : "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (تمہارے لیے رسول اللہؐ کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے! سورۂ احزاب آیت ۲۱) امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو حرام کر لے تو اس کی یہ حرکت قسم ہو گی جس کا وہ کفارہ دے گا"۔(۱)

یہ موقوف حدیث ہے اور اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینا طلاق نہیں ہے اگرچہ اس میں قسم کا کفارہ دینا لازم ہو گا۔ امام مسلم کی روایت کی اس پر دلالت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول "یہ کوئی بات نہیں!" سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ طلاق نہیں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ اس فعل کا سرے سے کوئی حکم نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے امام بخاری نے اس حدیث کی تخریج ان الفاظ میں کی ہے : "جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کی یہ حرکت قسم ہو گی جس کا وہ کفارہ ادا کرے گا۔" یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ قول سے مراد یہ ہے کہ یہ طلاق نہیں ہے اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ اس سے کوئی چیز لازم نہیں آئے گی' اس صورت میں قسم کی روایت ایک اور روایت ہو گی اور اس طرح اس مسئلے میں ان کے دو قول ہو جائیں گے۔ اس میں سلف صحابہ و تابعین میں اور بعد میں آنے والے ائمہ مجتہدین کے اندر اختلاف رہا ہے۔ یہاں تک کہ اصل کے اعتبار سے اقوال کی تعداد تیرہ تک اور ان سے متفرع ہونے والے مسالک کی تعداد بیس تک پہنچ گئی۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ لغو ہے اور کسی طرح بھی اس کا کوئی حکم نہیں ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور ظاہریہ کا یہی مسلک ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ تحلیل و تحریم کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے : "ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب" اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھا کرو۔ سورۂ نحل آیت ۱۱۶) اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا : "لم تحرم ما احل اللہ لک" جو چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں تم انہیں کیوں حرام کرتے ہو۔ سورۂ تحریم آیت ۱) نیز فرمایا : "یایھا الذین آمنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم" اے ایمان لانے والو' ان پاکیزہ چیزوں کو جنہیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے' حرام مت کرو۔ سورۂ المائدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت ۸۷) نیز یہ کہ حرام کو حلال قرار دینے اور حلال کو حرام کر دینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر پہلی صورت باطل ہے تو دوسری صورت بھی باطل ہونی چاہیے۔ پھر شوہر کا قول: "یہ حرام ہے" اگر انشاء پر مبنی ہو تو تحریم کا انشاء یعنی اسے وجود میں لانا اس کے ذمہ نہیں ہے اور اگر اس فقرے سے خبر دینا مراد ہو تو یہ جھوٹ ہو گا۔ اس قول کے قائلین نے مزید کہا ہے کہ ہم نے اس قول کے سوا زیر نظر مسئلے کے بارے میں دیگر اقوال کا جائزہ لیا تو ہم نے انہیں مضطرب پایا جن کے حق میں اللہ کی طرف سے کسی برہان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس لیے ہمارا یہی قول متعین ہو جائے گا۔ اس قول پر حضرت ابن عباس کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے اور اس آیت کی ان کی طرف سے تلاوت بھی کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یہ اس پر دال ہے کہ شوہر کی طرف سے اپنے اوپر ایک چیز حرام کر لینے سے وہ چیز اس پر حرام نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اس کی تحریم کی گرفت کی جسے اس نے آپؐ کے لیے حلال قرار دیا تھا۔ اس کا ظاہر تو یہی ہے کہ کفارہ بھی لازم نہیں ہو گا۔ رہ گیا یہ ارشاد باری کہ: "قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم" تم پر اللہ نے اپنی قسمیں کھول دینا فرض کر دیا ہے۔ (سورۂ تحریم آیت ۲) تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلف کا کفارہ ہے جیسا کہ طبری نے صحیح سند کے حوالے سے مشہور تابعی زید بن اسلم سے ان کے قول کی روایت کی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کے گھر میں اپنے بیٹے ابراہیم کی ماں سے ہم بستری کر لی (یہ آپؐ کی لونڈی تھیں۔ مترجم) آپؐ کی زوجہ محترمہ نے کہا: "اللہ کے رسول' میرے گھر میں اور میرے بستر پر!" اس پر آپؐ نے اپنی مذکورہ لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ زوجہ محترمہ نے عرض کیا: "اللہ کے رسول' آپؐ حلال کو کس طرح حرام کر سکتے ہیں؟" اس پر آپؐ نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ "میں اس سے مجامعت نہیں کروں گا!" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تحریم کے سلسلے میں دو میں سے ایک قول یہی ہے۔ دوسرا قول ایلاء کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تحریم کے بیان میں آئے گا۔ مذکورہ بالا حدیث اگرچہ مرسل ہے تاہم نسائی نے صحیح سند کے حوالے سے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی تھیں جن کے ساتھ آپؐ مجامعت کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ آپؐ کے پیچھے پڑ گئیں حتیٰ کہ آپؐ نے مذکورہ لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: "یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک" سورۂ تحریم آیت ۱) اس آیت کی شان نزول کے بارے میں یہ سب سے زیادہ صحیح روایت ہے۔ زید بن اسلم سے مرسل روایت کی یہ روایت شاہد ہے (شاہد وہ حدیث ہوتی ہے جس میں اس کے راویوں کی حدیث فرد کے راویوں کے ساتھ مشارکت ہو جائے لیکن صحابی میں اختلاف ہو۔ مترجم) اس لیے کفارہ قسم کا ہو گا محض تحریم کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ زید بن اسلم نے یہی مفہوم لیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا: "کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ "تم مجھ پر حرام ہو" تو یہ لغو اور فضول بات ہو گی' ہاں اگر وہ حلف اٹھائے تو پھر اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔" بنابریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تحریم کو لغو قرار دیا جائے گا اور قسم کھانے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ میرے نزدیک یہ قول مذکورہ اقوال میں سب سے اقرب اور سب سے بڑھ کر راجح ہے۔ اس لیے میں نے دیگر اقوال کی حکایت یہاں ضروری نہیں سمجھی۔

۱۰۱۵/۱۱ ـ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ ٱبْنَةَ الْجَوْنِ لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَدَنَا مِنْهَا قَالَتْ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ، فَقَالَ: «لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيمٍ، ٱلْحَقِي بِأَهْلِكِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب جون کی بیٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخصت کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب آئے تو اس نے کہا: "میں آپؐ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں!" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "تو نے ایک عظیم ذات کی پناہ حاصل کر لی ہے' اب اپنے میکے چلی جا!" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

جون کی اس مذکورہ بیٹی کے نام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے اور اس کے نام کے تعین کا بھی کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اس لیے ہم بھی اسے نقل نہیں کریں گے۔ ابن سعد نے عبدالواحد بن ابی عون کے طریق سے روایت کی ہے کہ نعمان بن ابی الجون الکندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: "اللہ کے رسول' میں عرب کی سب سے خوبصورت بیوہ کا نکاح آپ کے ساتھ کرتا ہوں۔ وہ اپنے چچازاد کی زوجیت میں تھی پھر اس کی وفات ہو گئی' اب اسے آپ کی ذات سے دلچسپی ہے۔" آپؐ نے جواب میں ہاں کر دی۔ اس پر ابوالجون نے کہا کہ اسے اپنے پاس لانے کے لیے کسی کو بھیج دیجئے۔ چنانچہ آپؐ نے ابوالجون کے ساتھ حضرت ابواسید الساعدی کو بھیج دیا۔ ابواسید کہتے ہیں کہ میں نے تین دن قیام کیا اور پھر انہیں پالکی میں سوار کرا کے اپنے ساتھ لے آیا یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ میں نے اس خاتون کو بنو ساعدہ کے ہاں اتارا

---

(۱) حضرت عائشہ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۷ ص ۵۳' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۰' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۹' المستدرک ج ۴ ص ۳۵' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۸۷' فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۶' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۸۲' طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا۔ آپؐ اس وقت بنو عمرو بن عوف کے ہاں تھے۔ میں نے خاتون کی آمد کی آپؐ کو اطلاع دی۔" ابن ابی عون کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ربیع الاول ۷ ہجری میں پیش آیا تھا' اور پھر اس واقعہ کی تخریج انہوں نے دو طریق سے کی۔ اس واقعہ کے آخر میں مذکور ہے کہ اس خاتون سے کہا گیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر تم آپؐ سے پناہ مانگنا۔ اس سے آپؐ کی نظروں میں تمہارا مرتبہ بڑھ جائے گا۔" اس طرح اس خاتون کا حسن و جمال دیکھ کر اسے فریب دیا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان خواتین کا ذکر ہوا جنہوں نے اسے یہ بات کہنے کی ترغیب دی تھی تو آپؐ نے فرمایا: "یہ سب یوسف (علیہ السلام) کو اپنے دام میں پھنسانے والی عورتوں کی طرح ہیں اور ان کا یہ فریب بھی اسی طرح کا ہے۔"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شوہر کا اپنی بیوی سے یہ کہہ دینا طلاق ہے کہ "جاؤ اپنے خاندان کے پاس چلی جاؤ۔" کیونکہ کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ آپؐ نے مذکورہ خاتون کو اس سے زائد کوئی لفظ کہا ہو۔ اس لیے یہ طلاق سے کنایہ ہو گا اور جب اس سے طلاق کا ارادہ ہو گا تو یہ لفظ طلاق بن جائے گا۔ بیہقی نے کہا ہے کہ ابن ذئب نے زہرہ سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ "اپنے میکے چلی جاؤ" اور آپؐ نے اسے ایک طلاق قرار دیا۔" یہ فقرہ کنایہ طلاق ہے۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ حضرت کعب بن مالک کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ: "اپنے میکے چلی جاؤ' اور وہیں ٹھہری رہو۔" انہوں نے یہ کہہ کر طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا اس لیے ان کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی۔ فقہاء اربعہ وغیرھم کا یہی مسلک ہے۔ ظاہریہ کا قول ہے کہ مذکورہ بالا فقرے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالجون کی بیٹی سے عقد نکاح نہیں کیا تھا بلکہ اسے نکاح کا پیغام دینے کے لیے بلوا بھیجا تھا' اس لیے کہ اس خاتون کے واقعہ کے بارے میں روایات کے اندر اختلاف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے ساتھ عقد نکاح نہیں کیا تھا۔ اس پر بخاری شریف کی یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آپؐ نے اس سے فرمایا: "اپنی ذات مجھے ہبہ کردو۔" اس نے جواب میں کہا: "کیا کوئی ملکہ اپنی ذات ایک عام آدمی کو ہبہ کر سکتی ہے؟" یہ سن کر آپ جھکے تاکہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اطمینان دلائیں تو اس نے کہا: "میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں!" ان حضرات کے قول کے مطابق ہبہ طلب کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپؐ نے اس سے عقد نکاح نہیں کیا تھا۔ لیکن اس قول کی تردید راوی کے ان الفاظ سے ہو جاتی ہے کہ "اس پر ہاتھ رکھنے کے لیے۔" نیز اس سے بھی کہ: "جب آپؐ خلوت میں اس کے پاس گئے" کیونکہ ایسا تو صرف بیوی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہ گیا آپؐ کا یہ قول کہ "اپنی ذات مجھے ہبہ کر دو" تو آپؐ نے یہ بات صرف اس کی دل جوئی کی خاطر اور اسے اپنی طرف مائل کرنے کے لیے فرمائی تھی۔ اس کی تائید اس روایت کے الفاظ سے ہوتی ہے جو اس بحث کی ابتدا میں گزر چکی ہے کہ: "اسے آپؐ کی ذات سے دلچسپی ہے!" یہ بھی ایک روایت ہے کہ مہر کی مقدار پر اپنے باپ کے ساتھ وہ متفق ہو گئی تھی۔ یہ باتیں اگرچہ اس کے ساتھ عقد نکاح کے سلسلے میں صریح نہیں ہیں تاہم یہ دونوں احتمالات میں سے قریب تر احتمال ہے۔

۱۰۱۶/۱۲ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا طَلَاقَ إِلَّا بَعْدَ نِكَاحٍ، وَلَا عِتْقَ إِلَّا بَعْدَ مِلْكٍ». رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَهُوَ مَعْلُولٌ(۱).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نکاح کے بعد ہی کسی طلاق کا وجود ہو سکتا ہے اور ملکیت کے بعد ہی آزاد کیا جا سکتا ہے۔" ابویعلی نے اس کی روایت کی ہے' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ ایک معلول روایت ہے۔ (جس روایت میں کوئی علت یعنی باریک نقص کا پتہ لگ جائے اسے معلول کہیں گے۔ مترجم)

(۱) انہوں نے مزید کہا ہے کہ "مجھے شیخین (امام بخاری' امام مسلم) پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو کس طرح نظرانداز کر دیا۔ یہ حدیث ان دونوں کی شرط پر صحیح ہے اور حضرت ابن عمرؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی احادیث میں سے ہے"۔

(۲) معلول ہونے کی وجہ دار قطنی کا یہ قول ہے کہ "درست بات یہی ہے کہ یہ مرسل حدیث ہے اور اس میں حضرت جابر نہیں ہیں۔" یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ "نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں" کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درست نہیں ہے"۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "اس کی کئی طرق سے روایت ہوئی ہے

---

(۱) حضرت جابر کی روایت کے حوالے: السنن الکبری ج ۷ ص ۳۱۸' ۳۲۰' ۳۲۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۱۹' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۸۷' ۳۳۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶' ج ۱۴' ص ۲۲۴' المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۸۰' نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۱' ۲۳۲' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۰۸' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۱۵۱' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۱۰' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷' ۳۶' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۴۵۵' الکامل لابن عدی' ج ۱ ص ۴۱۷' ج ۵ ص ۱۸۷۳' العلل المتناهیہ ج ۲ ص ۱۱۵' علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۲۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن علماء حدیث کے نزدیک یہ معلول ہے"۔ تاہم درج ذیل روایت اس کی شاہد ہے۔

۱۰۱۷/۱۳ - وَأَخْرَجَ ٱبْنُ مَاجَهْ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ مِثْلَهُ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، لٰكِنَّهُ مَعْلُولٌ أَيْضاً(۱).

ابن ماجہ نے حضرت مسور بن مخرمہ سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ اس کی سند حسن ہے لیکن یہ بھی معلول ہے۔

(۱) حرف میم مکسور' حرف سین ساکن' حرف واؤ پر زبر اور اس کے بعد حرف راء

(۲) حرف میم پر زبر اور حرف خاء ساکن

(۳) اس لیے زہری پر آ کر اس روایت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ راوی علی بن الحسین بن واقدی نے سلسلہ سند اس طرح بیان کیا ہے: "ہشام سے' انہوں نے سعید سے' انہوں نے زہری سے' انہوں نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت مسور سے۔" جبکہ حماد بن خالد راوی نے اسے اس طرح بیان کیا ہے: "ہشام سے' انہوں نے سعید سے' انہوں نے زہری سے' انہوں نے عروہ سے' انہوں نے حضرت عائشہؓ سے' حضرت ابوبکرؓ سے' حضرت ابو ہریرہ سے' حضرت ابو موسیٰ اشعری سے' حضرت ابو سعید خدری سے' حضرت عمران بن حصینؓ سے اور دیگر حضرات سے۔" بیہقی نے "الخلافیات" میں ان سب باتوں کا ذکر کیا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ "اس بارے میں صحیح ترین حدیث وہ حدیث ہے جو عمرو بن شعیب سے مروی ہے۔ انہوں نے اس کی روایت اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے کی ہے۔" ترمذی نے کہا ہے کہ "اس باب میں مروی احادیث میں سے یہی حدیث سب سے اچھی ہے۔" اصحاب سنن کے نزدیک اس حدیث کے الفاظ ہیں: "جو عورت ملکیت (نکاح) میں نہ ہو مرد پر اس کی طلاق نہیں ہے۔" تا آخر حدیث بیہقی کے قول کے مطابق امام بخاری نے فرمایا: "اس بارے میں صحیح ترین اور مشہور ترین روایت عمرو بن شعیبؒ کی روایت کردہ حدیث ہے جس کی روایت انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے کی ہے۔" اس کا ذکر آ رہا ہے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ سے زہری کی روایت کا مدار جویبر پر ہے جس نے ضحاک سے' انہوں نے نزال بن سبرۃ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے اس کی روایت کی ہے جبکہ جویبر متروک الحدیث ہے۔ (یعنی محدثین نے اس کی حدیثوں کی روایت ترک کر دی تھی۔ مترجم) پھر بیہقی نے مزید کہا ہے کہ:

---

(۱) حضرت مسور بن مخرمہؓ کی روایت کا حوالہ: سنن ابن ماجہ ۲۰۴۸

(۲) امام ترمذی کی روایت "جو عورت ملکیت میں نہ ہو... الخ" کا حوالہ: مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ابن ماجہ نے اچھے اسناد کے حوالے سے اس کی روایت کی ہے۔"

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اجنبی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اگر یہ طلاق فوری ہو تو اس کے واقع نہ ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے اور اگر نکاح کے ساتھ معلق ہو مثلاً کوئی کہے کہ "اگر میں فلانی کے ساتھ نکاح کر لوں تو اسے طلاق ہے" تو اس بارے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ مطلقاً" طلاق واقع نہیں ہو گی۔ شوافع' امام احمد' داؤد اور ہادویہ نیز دیگر حضرات کا یہی مسلک ہے۔ امام بخاری نے بائیس صحابہؓ سے اس کی روایت کی ہے' اس قول کی دلیل اس باب کی زیر نظر حدیث ہے۔ اگرچہ اسناد کے اعتبار سے اس حدیث پر طعن ہے تاہم کثرت طرق کی وجہ سے اس میں قوت پیدا ہو گئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول کتنا اچھا ہے کہ ارشاد باری ہے: "یا ایھاالذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن" (اے ایمان لانے والو' جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں طلاق دے دو۔ سورۂ احزاب آیت ۴۹) اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ "جب تم انہیں طلاق دے دو اور پھر ان سے نکاح کر لو۔" نیز یہ کہ جب طلاق دینے والا کہے "اگر میں فلانی سے نکاح کر لوں تو اسے طلاق ہے" یعنی وہ کسی اجنبی عورت کو طلاق دے' کیونکہ انشائے طلاق کے وقت وہ اجنبیہ ہو گی اور اس کے ساتھ نکاح ایک نئی بات ہو گی' اس لیے یہ صورت اس جیسی صورت کی طرح ہو گی جب کوئی شخص کسی اجنبیہ سے کہے "اگر تم گھر میں داخل ہوئیں تو تمہیں طلاق!" اور پھر وہ گھر میں اس وقت داخل ہو جب وہ اس کی بیوی بن چکی ہو۔ ایسی صورت میں اسے بالاجماع طلاق نہیں ہو گی۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ تعلیق مطلقاً" درست ہے' المؤید باللہ کا بھی یہ ایک قول ہے۔ امام مالک اور دوسرے بہت سے حضرات کا قول ہے کہ اس میں تفصیل ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر طلاق دینے والا تخصیص کر دے مثلاً وہ یہ کہے کہ فلاں قبیلے یا فلاں شہر کی جس عورت سے بھی وہ نکاح کرے اسے طلاق ہے یا یہ کہے کہ فلاں وقت جس عورت سے بھی وہ نکاح کرے اسے طلاق ہے' تو ان صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر وہ بات کو عام رکھتے ہوئے کہے کہ "ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے" تو کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی۔ "نھایۃ المجتھد" میں مرقوم ہے کہ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیا وقوع طلاق کی شرط یہ ہے کہ ملکیت کا وجود زمانے کے لحاظ سے طلاق پر مقدم ہو یا یہ شرط نہیں ہے' جو حضرات اس شرط کے قائل ہیں ان کا قول ہے کہ اجنبیہ کے ساتھ طلاق کا تعلق نہیں ہوتا' اور جو لوگ کہتے ہیں کہ صرف ملکیت کا وجود ہی وقوع طلاق کی شرط ہے ان کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ شرطیت کے دعوے کی کوئی دلیل ہونی چاہیے اور جو لوگ یہ دعویٰ نہیں کرتے ان کے پاس دلیل اصل ہے۔ "نھایۃ المجتھد" نے مزید کہا ہے کہ "تخصیص اور تعمیم کے درمیان فرق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استحسان ہے جو مبنی بر مصلحت ہے۔ یہ اس وقت ہو گا جب طلاق میں تعمیم واقع ہوئی ہو۔" اگر ہم ایسی صورت میں وقوع طلاق کا قول اختیار کریں گے تو اس کی وجہ سے نکاح کرنا ممتنع ہو جائے گا اور پھر مذکورہ شخص کے لیے حلال نکاح کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔ اس لیے یہ صورت معصیت کی نذر کے باب سے شمار ہو گی لیکن اگر تخصیص واقع ہوئی ہو تو اس سے متعلقہ شخص کے لیے نکاح کرنا ممتنع نہیں ہو گا"۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اس کا جواب گزر چکا ہے جو یہ ہے کہ شرطیت کے دعوے کی کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ جو اختلاف زیر نظر نکاح کے مسئلے میں ہے وہی عتاق کے بارے میں بھی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک عتاق کے سلسلے میں تعلیق مطلقاً" درست ہے۔ امام احمد کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول جس پر ان کے اصحاب قائم ہیں اور ابن القیم بھی ان میں شامل ہیں' یہ ہے کہ طلاق اور عتاق میں فرق ہے۔ انہوں نے طلاق کے سلسلے میں اسے باطل قرار دیا ہے اور عتاق کے سلسلے میں اسے درست کہا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عتاق کے اندر قوت ہوتی ہے اور وہ غیر کی ملکیت تک سرایت کر سکتا ہے' نیز یہ کہ ملکیت کو عتاق کا سبب بنانا درست ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص غلام اس نیت سے خریدے کہ وہ اسے کفارہ یا نذر میں آزاد کرے گا یا اسے عتاق کی شرط کے ساتھ خریدے۔ نیز یہ کہ عتاق تقرب الٰہی اور طاعات کے باب سے تعلق رکھتا ہے اور اس نیت سے نذر ماننا درست ہے اگرچہ نذر مانتے وقت وہ اس کی ملکیت میں نہ بھی ہو مثلاً آپ کہیں: "اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنا فضل عطا کرے تو میں اتنا مال صدقہ کر دوں گا" اس کا ذکر "الھدی السنور" میں ہوا ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا استدلال میں جو جھول ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اس لیے کہ غیر کی ملکیت تک عتاق کے سرایت کر جانے کی صورت وہ ہے جب مذکورہ شخص اس غلام کے ایک حصے کی ملکیت رکھتا ہو' ایسی صورت میں شارع نے سرایت کا حکم عاید کیا ہے اس لیے کہ عتاق کے حصے نہیں ہو سکتے۔ رہ گئی یہ دلیل کہ ملکیت کو عتاق کا سبب بنانا درست ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص آزاد کرنے کے لیے کوئی غلام خریدے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا غلام جسے مذکورہ شخص نے خریدا ہے صرف اس صورت میں آزاد ہو گا جب خریدنے والا آقا اسے آزاد کر دے جس طرح اس نے کہا تھا کہ وہ اسے آزاد کرنے کے لیے خرید رہا ہے' اور یہ صورت اپنے مملوکہ غلام کو آزاد کرنے کی صورت ہے۔ رہ گئی یہ دلیل کہ اس نیت سے نذر ماننا درست ہے اور پھر اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ نذر ماننے والا کہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنا فضل عطا کرے تو میں اتنا مال صدقہ کر دوں گا۔" تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے اور مخالف کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ابن آدم جس چیز کا مالک نہ ہو اس میں اس کی کوئی نذر نہیں" یہ بات اگلی حدیث سے معلوم ہو جائے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

١٠١٨/١٤ ـ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا عِتْقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ. وَنُقِلَ عَنِ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ أَصَحُّ مَا وَرَدَ فِيهِ(١).

عمرو بن شعیب سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابن آدم کی اس چیز میں کوئی نذر نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہ ہو' اور جس (غلام یا لونڈی) کا وہ مالک نہیں ہوتا اسے وہ آزاد کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا اور جس عورت کا وہ (نکاح کی بنا پر) مالک نہیں ہوتا اسے اس کی کوئی طلاق نہیں پڑتی۔" ابو داؤد اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور موخرالذکر نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور امام بخاری سے منقول ہے کہ اس باب میں وارد ہونے والی احادیث میں سے یہ صحیح ترین حدیث ہے۔

اس بارے میں سیرحاصل گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

١٠١٩/١٥ ـ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبُرَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ، أَوْ يُفِيقَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ(٢).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین قسم کے افراد سے قلم اٹھا لیا گیا ہے' سوئے ہوئے شخص سے جب تک بیدار نہ ہو جائے' نابالغ سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور دیوانے سے جب تک اسے عقل نہ آ جائے یا افاقہ نہ ہو جائے۔" امام احمد اور ترمذی کے سوا

---

(١) عمرو بن شعیب کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ٢١٩٠' ٢١٩١' ٢١٩٢' سنن ترمذی ١١٨١' سنن نسائی ج ص ٢٩' سنن ابن ماجہ ٢٠٤٧' مسند احمد ج ٢ ص ١٩٠' ج ٤ ص ٤٢٩' ٤٣٢' المستدرک ج ٢ ص ٢٠٥' نصب الرایہ ج ٣ ص ٢٣١' ٢٧٨' ج ٤ ص ٤٤' شرح السنۃ ج ٩ ص ١٩٩' مشکوۃ المصابیح ٣٢٨٢

(٢) حضرت عائشہ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ٤٣٩٨' سنن ابن ماجہ ٢٠٤١' موارد الظمآن ١٤٩٦' ١٤٩٧' فتح الباری ج ١٢ ص ١٢١' مجمع الزوائد ج ٦ ص ٢٥١' المعجم الکبیر للطبرانی ج ٧ ص ٣٤٥' سنن ترمذی ١٤٢٣

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیگر اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے اس کی تخریج کی ہے۔

(۱) یعنی قلم سرے سے چلتا نہیں' یہ نہیں ہے کہ رکھنے کے بعد اسے اٹھا لیا گیا' رفع قلم سے عدم مواخذہ مراد ہے۔ ثواب کے کاموں میں قلم کا نہ چلنا مراد نہیں ہے۔ اس لیے یہ حدیث سمجھ دار بچے کے مسلمان ہو جانے کے مفہوم کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک یہودی کے لڑکے کے بارے میں یہ بات ثابت ہے۔ یہ لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا' آپؐ نے اسے اسلام لے آنے کو کہا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "الحمدللہ کہ اس نے اسے آگ سے نجات عطا کر دی۔" اسی طرح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک عورت نے ایک بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور پوچھا کہ آیا اس پر بھی حج ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: "ہاں' اور ثواب تمھیں مل جائے گا۔" احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

(۲) اس روایت کے بارے میں ائمہ حدیث نے بہت کچھ تنقید کی ہے۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ تینوں قسم کے افراد کے ساتھ تکلیف شرعی کا کوئی تعلق نہیں ہوتا یعنی انھیں شرعی احکام بجا لانے کا مکلف قرار نہیں دیا جاتا۔ گہری نیند میں سوئے ہوئے شخص کے بارے میں تو اجماع ہے اور نا سمجھ نابالغ کے بارے میں اختلاف ہے جب اس میں سمجھ اور عقل آ جائے' جبکہ حدیث نے تو اس کے غیر مکلف ہونے کی حد اس کی بلوغت مقرر کی ہے' اس لیے اختلافی مسئلے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کے اندر روزہ رکھنے کی طاقت پیدا ہو جائے اور نماز کی رکعتوں کا شمار کر سکے تو شرعی احکام کا مکلف ہے۔ یہ امام احمد کا قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق اس کی عمر بارہ سال کو پہنچ جائے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب قریب البلوغ ہو جائے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ بالغ ہو جائے۔ اور مذکر کے حق میں بلوغت احتلام کے ذریعے ثابت ہوتی ہے یعنی انزال ہو جائے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ البتہ ہادویہ کے نزدیک مؤنث کے حق میں بھی یہی معیار ہے۔ اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ پندرہ برس کی عمر کا ہو جانا بلوغت ہے' اور ہادویہ کے نزدیک نو برس کی عمر میں شرمگاہ میں سیاہ اور گھنے بالوں کا نکل آنا بلوغت ہے۔ اس طرح بیداری کی حالت میں شہوت سے سخت منی کا اخراج بھی بلوغت ہے' ان تمام صورتوں کے بارے میں بڑا مشہور اختلاف ہے۔

مجنون سے ایسا فرد مراد ہے جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ مجنوں کے حکم میں وہ شخص بھی شامل ہے جو حالت نشہ میں ہو یا نابالغ ہو۔

دی ہوئی طلاق کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حضرت عثمانؓ' حضرت جابرؓ' حضرت زیدؒ' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور سلف کے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد اور اہل ظواہر کا بھی یہی مسلک ہے۔ ان کی دلیل زیر نظر حدیث اور یہ ارشاد باری ہے: "لاتقربوا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا مانقولون" نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم کیا کہہ رہے ہو) اللہ نے نشہ میں مدہوش شخص کے قول کو غیر معتبر قرار دے دیا کیونکہ اسے پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے نیز یہ کہ وہ غیر مکلف ہوتا ہے کیونکہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ عقل مکلف ہونے کی شرط ہے اس لیے جس شخص کو اس بات کی عقل نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے وہ مکلف قرار نہیں پا سکتا' یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اسے زبردستی شراب پلا دی گئی ہو یا اسے علم نہ ہو کہ یہ شراب ہے تو ایسی صورتوں میں اس کی دی ہوئی طلاق کا پڑ جانا لازم ہو جاتا لیکن ہمارے مخالف فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے۔ امام ابو حنیفہ' امام شافعی' امام مالک اور الھادی کا یہی مسلک ہے۔ ان کا استدلال اس ارشاد باری سے ہے (لاتقربوا الصلوۃ و انتم سکاری' سورۂ نساء آیت ۴۳) اس میں نشے کی حالت میں مسلمانوں کو نماز کے قریب جانے کی نہی کر دی گئی ہے اور نہی حالت سکر میں ان کے مکلف ہونے کی مقتضی ہے' اور جو شخص مکلف ہوتا ہے اس کے انشاء (ایک قول کو عدم سے وجود میں لانے) کی تمام صورتیں درست ہوتی ہیں' نیز یہ کہ حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کو واقع قرار دینا اس کے لیے ایک گونہ سزا ہے نیز یہ کہ طلاق دینے پر طلاق کے واقع ہو جانے کا ترتب احکام کو ان کے اسباب کے ساتھ مربوط کرنے کے باب سے ہے' اس لیے اس عمل کے اندر نشے کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ نیز یہ کہ صحابہ کرام نے نشہ میں مدہوش شخص کو اس کی گفتگو اور کلام کے اندر نشے سے آزاد شخص کے قائم مقام قرار دیا ہے' چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص جب شراب پی لیتا ہے تو اس پر نشہ طاری ہو جاتا ہے اور جب نشہ طاری ہو جاتا ہے تو وہ ہذیان بکنے لگتا ہے اور جب ہذیان بکنے لگتا ہے تو جھوٹی تہمت لگاتا ہے اور جھوٹی تہمت لگانے والے کی سزا اسی درے ہیں۔ نیز یہ کہ سعید بن منصور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "طلاق میں کوئی قیلولہ (فسخ' واپسی) نہیں" جواب میں کہا گیا ہے کہ محولہ بالا آیت میں مسلمانوں کو حالت صحو (جب نشے کی حالت نہ ہو) میں خطاب ہے اور نشے کے تحت آنے سے پہلے انہیں اس حالت میں نماز کے قریب جانے کی ممانعت کر دی گئی ہے جس میں انہیں معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں' اس لیے مذکورہ آیت ہماری دلیل ہے' یہ بات پہلے گزر چکی ہے' نیز یہ کہ طلاق کو سزا قرار دینے کے لیے کوئی دلیل چاہیے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نشہ میں مدہوش شخص کو اس کی بیوی سے علیحدہ کرنے کے ذریعے سزا دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے تو اس کی سزا اسی کوڑوں کی شرعی حد مقرر کی ہے۔ نیز یہ کہ طلاق دینے پر طلاق کے واقع ہو جانے کا ترتب ایک نزاعی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ ہے۔ امام احمد اور عثمان البتی نے کہا ہے کہ سکران پر نہ تو کوئی عقد لازم ہوتا ہے نہ بیع اور نہ ہی کوئی اور چیز' جو حضرات طلاق دینے پر طلاق واقع ہو جانے کے ترتب کے قائل ہیں ان پر لازم آتا ہے کہ وہ دیوانے' سوئے ہوئے شخص اور بچے کی دی ہوئی طلاق کی صحت کے قائل ہو جائیں نیز اس کے بھی کہ سکران اپنے سکر اور نشے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوتا۔ رہ گئی صحابہ سے منقول دلیل کہ "کوئی شخص جب شراب پی لیتا ہے تو اس پر نشہ طاری ہو جاتا ہے... الخ" تو اس کے متعلق ابن حزم کا قول ہے کہ یہ جھوٹی' باطل اور متناقض دلیل ہے کیونکہ اس میں ہذیان بکنے والے پر حد واجب کر دی گئی ہے حالانکہ ہذیان بکنے والے پر کوئی حد واجب نہیں ہوتی' نیز یہ کہ حدیث "طلاق میں کوئی قیلولہ نہیں" صحیح روایت نہیں ہے اور اگر درست بھی ہو جائے تو اس سے عاقل مکلف کی طلاق مراد ہے' غیرعاقل کی نہیں۔ اس قول کے ماننے والوں کے اور بہت سے دلائل بھی ہیں لیکن وہ دلائل ان کے دعوے کو ثابت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ باب الرجعت

۱۰۲۰/۱ ۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ ثُمَّ يُرَاجِعُ وَلَا يُشْهِدُ؟ فَقَالَ: «أَشْهِدْ عَلَى طَلَاقِهَا، وَعَلَى رَجْعَتِهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ هٰكَذَا مَوْقُوفاً، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ(۱).

وَأَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ بِلَفْظِ: «أَنَّ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سُئِلَ عَمَّنْ رَاجَعَ امْرَأَتَهُ، وَلَمْ يُشْهِدْ، فَقَالَ: فِي غَيْرِ سُنَّةٍ؟ فَلْيُشْهِدِ الْآنَ». وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ فِي رِوَايَةٍ: «وَيَسْتَغْفِرِ اللَّهَ».

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے کسی شخص کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جو اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع کر لیتا تھا لیکن اس پر گواہ نہیں بناتا تھا؟ جواب میں انہوں نے فرمایا: "عورت کی طلاق اور اس سے رجوع کر لینے پر گواہ بناؤ" ابو داؤد نے اس کی اسی طرح موقوف روایت کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ بیہقی نے اس کی تخریج ان الفاظ میں کی ہے "حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھا گیا جو اپنی بیوی سے رجوع کر لیتا ہے لیکن اس پر گواہ نہیں بناتا۔ انہوں نے جواب دیا: "سنت طریقے کے بغیر؟ اب اسے گواہ مقرر کر لینا چاہیے۔" طبرانی نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا ہے "اور اللہ سے استغفار کرنا چاہیے۔"

یہ حدیث رجوع کر لینے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس مسئلے میں اصل یہ ارشاد باری ہے: "و بعولتھن احق بردھن" (اور ان کے شوہر انہیں دوبارہ زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ سورۂ بقرۃ آیت ۲۲۸)۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ طلاق رجعی کے اندر مطلقہ جب تک عدت کے اندر ہو اس وقت تک اس کا شوہر اسے واپس اپنی زوجیت میں لے لینے کا حق رکھتا ہے اور اس سلسلے میں عورت کی یا اس کے ولی کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا بشرطیکہ مذکورہ طلاق ازدواجی تعلق (ہم بستری کرنے کے) بعد دی گئی ہو۔ رجوع کر لینے کی صحت کے حکم پر سب کا اجماع تھا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ زیر نظر حدیث اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے جس پر سورۂ طلاق کی آیت "واشھدوا ذوی عدل منکم" (اور اپنوں میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنا لو' سورۂ طلاق آیت ۲) دلالت کرتی ہے۔ اس آیت کا ذکر طلاق کے ذکر کے بعد ہوا ہے' امر کا ظاہر گواہ

---

(۱) حضرت عمران کی روایت کا حوالہ: سنن ابی داؤد باب ۵ من الطلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنانے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ امام شافعی کے قدیم مسلک میں ان کا یہی قول ہے۔ تاہم عدم وجوب پر ان کا مسلک بالاخر تک گیا کیونکہ المرزی نے "تیسیر البیان" میں لکھا ہے کہ "لوگوں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ گواہ مقرر کیے بغیر طلاق دینا جائز ہے۔ رہ گیا رجوع کر لینا تو اس میں احتمال ہے کہ یہ بھی طلاق کے معنوں میں ہو کیونکہ یہ بھی طلاق کے ساتھ ساتھ ہے' اس لیے اس میں بھی گواہ مقرر کرنا واجب نہیں ہو گا اس لیے کہ یہ شوہر کا حق ہے اور اپنے حق پر قبضہ کے لیے گواہ بنانا اس پر واجب نہیں ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ گواہ بنانا واجب ہو کیونکہ خطاب الٰہی کا ظاہر یہی ہے۔"

(۱) یعنی کیا اس نے سنت طریقے کے بغیر بیوی سے رجوع کر لیا؟

زیر نظر حدیث میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت عمرانؓ نے یہ بات اپنے اجتہاد سے کہی ہو کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ البتہ ان کا قول ہے "کیا اس نے سنت طریقے کے بغیر بیوی سے رجوع کر لیا؟" اور کہا جاتا ہے کہ کسی صحابی کی زبان پر اگر سنت کا لفظ آ جائے تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہوتی ہے۔ اس بنا پر مذکورہ روایت مرفوع تصور ہو گی' تاہم یہ ایجاب (گواہ بنانے کو واجب کرنے) پر دلالت نہیں کرے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مفہوم ایجاب پر بھی دلالت کر سکتا ہے اور استحباب پر بھی۔ اگر رجوع کر لینا صریح قول کے ذریعے ہو تو اس پر گواہ بنانا تو ظاہر ہے اور قول کے ذریعے رجوع کر لینا متفقہ طور پر درست ہے۔ البتہ اگر رجعت فعل کے ذریعے ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام یحییٰ کا قول ہے کہ فعل تو حرام ہوتا ہے اس لیے اس کے ذریعے بیوی حلال نہیں ہو گی نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اشہاد (گواہ بنانے) کا ذکر کیا ہے اور اشہاد صرف قول پر ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری ہے "الا علی ازواجھم" (مگر اپنی بیویوں پر) اور مطلقہ اس کی بیوی ہے اور اس پر گواہ بنانا واجب نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ فعل کے ذریعے رجعت درست ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ فعل کے لیے آیا نیت بھی شرط ہے یا نہیں؟ امام مالک کا قول ہے کہ نیت کی بنا پر ہی فعل کے ذریعے رجوع کرنا درست ہوتا ہے گویا انہوں نے حدیث "انما الاعمال بالنیات" کے عموم کے پیش نظر یہ بات کہی ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ نیت کے بغیر بھی فعل کے ذریعے رجوع کرنا درست ہوتا ہے۔ کیونکہ شرعی طور پر وہ اس کی بیوی ہے اور قول باری (الا علی ازواجھم) میں داخل ہے۔ اور بیوی کو چھونے' اس کا بوسہ لینے اور اس طرح کے دیگر امور کے لیے بالاجماع نیت شرط نہیں ہے۔

اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ آیا شوہر پر اپنے رجوع کی اطلاع دینا واجب ہے یا نہیں کہ اس نے رجوع کر لیا ہے تاکہ کوئی اور شخص اس سے نکاح کرنے نہ پائے۔ جمہور علماء کا مسلک ہے کہ اطلاع دینا اس پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجب نہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ واجب ہے' اس اختلاف سے پیدا ہونے والا مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کو اس رجوع کا علم نہ ہو سکے اور اس سے پہلے وہ نکاح کر لے تو اس نکاح کا کیا حکم ہو گا۔ پہلے گروہ کا قول ہے کہ یہ نکاح باطل ہو گا اور مذکورہ عورت اپنے اس شوہر کی بیوی ہو گی جس نے اس سے رجوع کیا ہے۔ انہوں نے اپنے استدلال میں کہا ہے کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مذکورہ رجوع درست ہے خواہ مطلقہ کو اس کا علم نہ بھی ہو' نیز یہ کہ اس پر بھی اجماع ہے کہ پہلا شوہر کسی اور عورت سے نکاح کر لینے سے پہلے پہلے اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ مذکورہ عورت دوسرے شوہر کی ہو گی خواہ اس نے اس کے ساتھ ہم بستری کی ہو یا نہ کی ہو۔ انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے ابن وہب نے یونس سے' انہوں نے ابن شہاب سے اور انہوں نے سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ "جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر پھر اس سے رجوع کر لے اور پھر اپنے اس رجوع کو چھپائے رکھے اور مطلقہ عدت سے باہر آ جائے اور پھر کسی اور کے ساتھ نکاح کر لے اس کے متعلق سنت یہی رہی ہے کہ اسے اس پر کوئی اختیار نہیں ہو گا اور یہ عورت اس شخص کی بیوی قرار پائے گی جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوا ہے۔" تاہم اس استدلال کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ صرف ابن شہاب زہری سے مروی ہے' اس لیے یہ ان کا اپنا قول ہو گا اور حجت قرار نہیں پائے گا۔ جمہور کے قول کی گواہی ترمذی کی روایت دیتی ہے جس کے راوی حضرت سمرہ بن جندبؓ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس عورت کا نکاح دو مردوں سے ہو جائے وہ ان میں سے پہلے مرد کی بیوی ہو گی۔" یہ حدیث زیر نظر صورت پر صادق آتی ہے۔

یہ بات جان لینی چاہیے کہ ارشاد باری ہے: "و بعولتھن احق بردھن ان ارادوا اصلاحا" (ان کے شوہر انہیں اپنی زوجیت میں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہوں گے اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸) یعنی وہ انہیں عدت کے اندر واپس لینے کے زیادہ حقدار ہوں گے بشرطیکہ شوہر اسے اپنی زوجیت میں واپس لینے میں اصلاح کا ارادہ رکھتا ہو۔ اصلاح سے مراد حسن معاشرت اور زوجیت کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ اگر وہ رجوع کے ذریعے اس کے سوا کچھ اور ارادہ رکھے مثلاً کوئی شخص اپنی مطلقہ بیوی سے اس ارادے سے رجوع کرے کہ وہ اسے طلاق دینا چاہتا ہو جیسا کہ عوام الناس کرتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے پھر کہیں اور چلا جاتا ہے اور پھر عورت کو بائن کرنے کے لیے اسے طلاق دے دیتا ہے تو یہ ایسا رجوع ہو گا جس کے ذریعے نہ تو اصلاح کا ارادہ ہے اور نہ ہی اللہ کے حدود کو قائم کرنا' اس لیے یہ رجوع باطل ہو گا کیونکہ مذکورہ آیت اس بارے میں واضح ہے کہ صرف اصلاح کے ارادے کی بنا پر اس کے لیے رجوع کرنا مباح ہو گا اور بیوی کو اپنی زوجیت میں واپس لینے کا وہ زیادہ حق دار قرار پائے گا۔ اب اگر طلاق دینے کی نیت سے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے رجوع کرے گا تو اس میں اصلاح کا کون سا پہلو ہو گا؟ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ قول باری "ان ارادوا اصلاحا" رجوع کے لیے شرط نہیں ہے ان کا یہ قول کسی دلیل کے بغیر ظاہر آیت کے خلاف ہے۔

۱۰۲۱/۲ ـ وَعَنْ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ لَمَّا طَلَّقَ ٱمْرَأَتَهُ قَالَ ٱلنَّبِيُّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ: «مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے جب اپنی بیوی کو طلاق دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: "اسے جا کر کہو کہ وہ اس سے رجوع کر لے۔" متفق علیہ۔

اس حدیث پر سیر حاصل گفتگو گزر چکی ہے اور یہاں اس پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔

www.KitaboSunnat.com

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے حدیث نمبر ۱۰۰۶ کے ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ایلاء' ظہار اور کفارے کا باب

لغت میں ایلاء حلف کو کہتے ہیں اور قسم کے ذریعے بیوی کے ساتھ مجامعت سے باز رہنا اس کا شرعی معنی ہے۔ ظہار (حرف ظاء کے نیچے زیر کے ساتھ) کا لفظ ظہر (پشت) سے مشتق ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے "تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو" اور کفارہ کا لفظ تکفیر معنی "چھپا لینا" سے نکلا ہے۔

۱۰۲۲/۱ ۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: «آلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ وَحَرَّمَ، فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا، وَجَعَلَ لِلْيَمِينِ كَفَّارَةً». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایلاء کیا یعنی انہیں اپنے اوپر حرام کر لیا' پھر آپؐ نے حرام کو حلال کر لیا اور اپنی قسم کا کفارہ دیا۔" امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

امام ترمذی نے اس روایت کے موصول ہونے پر اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔

یہ حدیث اپنی بیوی کے بارے میں قسم کھانے کے جواز کی دلیل ہے۔ اس میں اس ایلاء کی تصریح نہیں ہے جو عرف شرع میں ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے' یعنی بیوی کے ساتھ مجامعت نہ کرنے کی قسم کھا لینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کا سبب کیا تھا اور کس چیز کو آپؐ نے حرام کر لیا تھا۔ اس کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔

ایک روایت تو یہ ہے کہ اس کا سبب حضرت حفصہؓ کی طرف سے اس بات کا افشاء تھا جو آپؐ نے ان سے راز کے طور پر فرمائی تھی۔ پھر راز کے طور پر کہی جانے والی بات کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام بخاری نے ایک طویل حدیث میں مذکورہ بات کی روایت حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے حضرت عمرؓ سے کی ہے۔ بخاری کی اس روایت میں مذکورہ بات مجمل طور پر بیان ہوئی ہے اور اس کی تفسیر اس روایت میں آئی ہے جس کی تخریج حضرات شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) نے کی ہے کہ یہ ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرنے کی بات تھی اور آپؐ نے حضرت حفصہؓ کو راز کے طور پر یہ بات بتائی تھی اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کو اس کی اطلاع دے دی تھی۔ یا یہ بات آپؐ کی طرف سے اپنے اوپر شہد حرام کر لینے کی تھی۔ ایک قول کے مطابق

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کا حوالہ: سنن ترمذی ۱۲۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے حضرت حفصہؓ کو راز کے طور پر بتایا تھا کہ ان کے والد حضرت ابوبکرؓ کے بعد خلیفہ بنیں گے اور فرمایا تھا کہ "عائشہ کو مت بتانا کہ میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔"

دوسری روایت یہ ہے کہ آپؐ کے ایلاء کا سبب یہ تھا کہ آپؐ کے پاس کوئی چیز ہدیہ کے طور پر آئی' آپؐ نے اپنی بیویوں کے درمیان اسے تقسیم کر دیا' لیکن حضرت زینب بنت جحش اپنے حصے پر خوش نہیں ہوئیں۔ آپؐ نے دوسری دفعہ اس میں اضافہ کر دیا لیکن وہ پھر بھی راضی نہیں ہوئیں' اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا: "آپ نے تو اپنا چہرہ سیدھا رکھا ہوا ہے' (جس کے نتیجے میں) وہ (یعنی حضرت زینب) آپ کا ہدیہ آپ کو واپس کر رہی ہے" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "تم سب کی حیثیت اللہ کی نظروں میں اس سے کمتر ہے کہ وہ مجھے غمگین کر دے' میں تم سب کے پاس ایک ماہ تک نہیں جاؤں گا" اس کی تخریج ابن سعد نے عمرہ کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے کی ہے' اور زہری کے طریق سے بواسطہ عمرہ حضرت عائشہؓ سے اسی طرح کی روایت ہے۔

تیسری روایت ہے کہ ایلاء کا سبب یہ تھا کہ ازواج مطہرات نے آپؐ سے نفقہ (خرچہ) کا مطالبہ کیا تھا' امام مسلم نے حضرت جابرؓ سے اس کی تخریج کی ہے۔

یہ رہے تین اسباب: یا تو سبب یہ تھا کہ حضرت حفصہؓ نے راز افشاء کر دیا تھا اور راز تین باتوں میں سے ایک تھا یا ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی بات تھی یا شہد کو حرام کرنے کی یا حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کی بات تھی (اس آخری فقرے کا ذکر شرح میں نہیں ہے' مترجم) یا سبب یہ تھا کہ بیویوں کے درمیان مذکورہ ہدیہ تقسیم کرنے کے سلسلے میں آپؐ کا دل مجروح ہو گیا تھا۔ یا یہ سبب تھا کہ نفقہ کا مطالبہ کر کے بیویوں کی طرف سے آپؐ کو پریشانی میں مبتلا کر دیا گیا تھا۔ مصنف (ابن حجر) نے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق' آپؐ کی وسعت قلبی اور آپؐ کی کثرت درگزری کے پیش نظر یہی بات مناسب ہے کہ یہ تمام امور مجموعی طور پر بیویوں سے آپؐ کی علیحدگی کا سبب بن گئے تھے"۔ حضرت عائشہؓ کے قول "اور آپؐ نے حرام کر لیا" سے مراد یہ ہے کہ آپؐ نے ماریہ یا شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس میں اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ تحریم ہم بستری کے لیے تھی کہ پھر یہ شرعی ایلاء کی صورت بن سکے۔ اس لیے ابن بطال وغیرہ کی طرف اس قطعیت کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ مہینے کے دوران اپنی ازواج کے ساتھ ہم بستری سے باز رہے تھے۔ اگر ابن بطال نے یہ بات زیر نظر حدیث سے اخذ کی ہے جبکہ ان کے پاس کوئی اور روایت دلیل کے طور پر نہیں ہے تو ذرا مصنف (ابن حجر) کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے' وہ کہتے ہیں: "اس بارے میں مجھے کوئی صریح روایت ہاتھ نہیں لگی کیونکہ بیویوں کے پاس آپؐ کے نہ جانے کی بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؐ کی کوئی زوجہ مطہرہ آپؐ کے پاس اس جگہ نہیں جاتی تھیں جہاں آپؐ نے تنہائی اختیار کر لی تھی البتہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر مذکورہ مکان مسجد میں کوئی جگہ ہو تو ایسی صورت میں بیویوں کے پاس آپؐ کے نہ جانے اور مسجد میں مسلسل قیام رکھنے سے اس امر کے لزوم کی تکمیل ہو جائے گی کہ آپؐ نے ہم بستری ترک کرنے کا عزم کر لیا تھا کیونکہ مسجد میں ہم بستری کرنا ممنوع ہے۔

۱۰۲۳/۲ - وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَقَفَ الْمُولِي حَتَّى يُطَلِّقَ، وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ حَتَّى يُطَلِّقَ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "جب چار مہینے گزر جائیں تو ایلاء کرنے والے کو آگاہ کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ طلاق دے دے' اور اس پر طلاق واقع نہیں ہو گی حتیٰ کہ وہ طلاق نہ دے دے۔" امام بخاری نے اس کی تخریج کی ہے۔

یہ روایت اس ارشاد باری کی گویا تفسیر ہے "للذین یؤلون من نساء هم تربص اربعة اشهر" (جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کر لیتے ہیں ان کے لیے چار ماہ تک انتظار کرنا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۶) ایلاء کے چند مسائل میں علماء کا اختلاف ہے۔

پہلا مسئلہ قسم کا ہے۔ اس کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ جمہور کے قول کے مطابق مجامعت سے باز رہنے کی ہر قسم کے ذریعے ایلاء کا انعقاد ہو جائے گا خواہ اللہ کے نام کی قسم کھائی گئی ہو یا کوئی اور صورت ہو' جبکہ ہادویہ کا قول ہے کہ ایلاء کا انعقاد صرف اللہ کے نام کی قسم کے ذریعے ہو گا۔ ان کے قول کے مطابق صرف اللہ کے نام کی قسم ہی یمین ہوتی ہے اس لیے اللہ کے سوا کسی اور نام کی قسم مذکورہ بالا آیت میں شامل نہیں ہو گی۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہی بات حق ہے۔

دوسرا مسئلہ اس امر کے بارے میں ہے جس کے ساتھ ایلاء کا تعلق ہے یعنی مجامعت ترک کر دینا' خواہ یہ صراحۃً ہو یا بطور کنایہ یا بات چیت ترک کر دینا جیسا کہ بعض کا قول ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ایلاء کے لیے ضروری ہے کہ مجامعت سے باز رہنے کی بات کی تصریح ہو' بیوی کے پاس جانے سے صرف باز رہنے کی بنا پر ایلاء نہیں ہو گا۔ اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ ایلاء کے بارے میں اصل یہ ارشاد باری ہے (للذین یؤلون من نساء هم تربص اربعة اشهر سورۂ بقرہ آیت ۲۲۶) کیونکہ یہ آیت زمانہ جاہلیت کی اس رسم کو

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کے قول کے حوالے: بخاری شریف باب ۲۱ من الطلاق' فتح الباری ج ۹ ص ۴۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باطل کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی جس کے تحت ایلاء کی مدت طویل کر دی جاتی تھی' وہ اس طرح کہ شوہر اپنی بیوی سے ایک سال یا دو سال کے لیے ایلاء کر لیتا تھا' اللہ نے اسے باطل کر دیا اور ایلاء کرنے والے کو چار ماہ کی مہلت دے دی کہ اس کے بعد یا تو وہ رجوع کر لے یا طلاق دے دے۔

تیسرا مسئلہ ایلاء کی مدت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور نیز احناف کے نزدیک اس مدت کا چار ماہ سے زائد ہونا ضروری ہے جبکہ حسن بصری اور دیگر حضرات کا قول ہے کہ مدت تھوڑی ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں ایلاء کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ارشاد باری ہے "للذین یؤلون من نساء ھم" (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۶) اس استدلال کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا ہے کہ آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں "اربعة اشھر" (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۶) فرما کر مدت کی مقدار مقرر کر دی ہے۔ اللہ نے شوہر کو مہلت دینے کے لیے چار ماہ کو مدت قرار دیا ہے اور یہ مدت قرض کی مدت کی طرح ہے (یعنی ایسی مدت جس کے گزرنے پر قرض کی ادائیگی کا وقت ہو جاتا ہے) کیونکہ ارشاد باری ہے (فان فاووا اگر وہ لوٹ آئیں ۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۶) اس میں حرف فاء تعقیب کے لیے ہے (ایک چیز کا دوسری کے بعد آنا تعقیب کہلاتا ہے) اس لیے یہ رجوع کرنا مدت گزرنے کے بعد وجود میں آئے گا۔ بنابریں اگر مدت چار ماہ ہو یا اس سے کم تو یہ گزر چکی ہو گی اور پھر اس کے بعد ایلاء کرنے والے سے رجوع کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکے گا' یہاں تعقیب مدت کے لیے ہے ایلاء کے لیے نہیں کیونکہ آیت میں ایلاء کا ذکر مدت کے ذکر کی بہ نسبت زیادہ فاصلے پر ہوا ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ ایلاء کی مدت کا گزر جانا جمہور کے نزدیک طلاق نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں گے تو عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ جمہور نے کہا ہے کہ چار ماہ گزر جانا طلاق نہیں ہے اس کی دلیل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں رجوع اور طلاق کے عزم کے مابین شوہر کو اختیار دے دیا ہے۔ اس لیے یہ دونوں باتیں ایک وقت میں ہوں گی اور یہ صورت چار ماہ گزر جانے کے بعد ہو گی۔ اگر چار ماہ گزر جانے پر طلاق ہو جائے اور رجوع چار ماہ بعد ہو تو یہ تخییر نہیں ہو گی اس لیے کہ ان دونوں باتوں کے اندر تخییر کے حامل شوہر کا حق یہ ہے کہ ان میں ایک کا وقوع اسی وقت کے اندر ہو جس میں دوسری بات بھی درست ہو جس طرح کفارہ کے اندر ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزم طلاق کی نسبت مرد کی طرف کی ہے جبکہ مدت کا گزر جانا مرد کا فعل نہیں ہوتا۔ نیز ہمارے نزدیک حضرت ابن عمرؓ کی زیر نظر حدیث کی بنا پر بھی یہ بات درست ہے۔ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے تاہم اس سے دیگر دلائل کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ آیت میں مذکور "فاؤوا" کے معنی رجوع کے ہیں۔ پھر ائمہ کے درمیان اس امر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اختلاف ہے کہ رجوع کس بات کے ذریعے ہو گا؟ ایک قول کے مطابق یہ مجامعت کے ذریعے ہو گا۔ یہ اس شوہر کے لیے ہے جسے مجامعت کی قدرت حاصل ہو اور مجامعت سے معذور شوہر اپنا عذر بیان کرے گا۔ مثلاً وہ کہے گا کہ اگر "مجھے قدرت ہوتی تو میں رجوع کر لیتا" کیونکہ اسے صرف اسی بات کی قدرت ہو گی اس لیے کہ ارشاد باری ہے: "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" (اللہ کسی کو مکلف نہیں کرتا مگر اس کی طاقت اور قدرت کے مطابق۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶) ایک قول کے مطابق اس کا رجوع اس کے اس قول کے ذریعے ہو گا "میں نے اپنی قسم سے رجوع کر لیا" یہ ہادویہ کا مسلک ہے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ واپسی سے مراد قسم سے اس کا رجوع ہے نہ کہ جس بات کی اس نے قسم کھائی ہے اسے واقع کر دینا ہے۔ ایک اور قول کے مطابق معذور کے حق میں رجوع نیت کے ذریعے ہو گا کیونکہ یہ توبہ ہے اور اس میں عزم کر لینا ہی کافی ہے۔ اس قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا ہے کہ یہ ایک مخلوق کے حق سے توبہ ہے اس لیے اس کا یہ بتا دینا ضروری ہو گا کہ وہ اس امر سے رجوع کر رہا ہے جس کا اس نے عزم کر لیا تھا۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا رجوع کر لینے والے پر کفارہ واجب ہو گا؟ جمہور کا قول ہے کہ کفارہ واجب ہو گا کیونکہ یہ ایک ایسی قسم ہے جس میں وہ حانث ہو گیا اس لیے اس پر اس حدیث کی وجہ سے کفارہ واجب ہو جائے گا جس کے الفاظ یہ ہیں "جو شخص کسی بات کی قسم کھا بیٹھے اور پھر دوسری بات کو اس سے بہتر سمجھے تو اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور دوسری بات جو بہتر ہے اسے کر گزرے۔" ایک قول کے مطابق اس پر کفارہ واجب نہیں ہو گا کیونکہ ارشاد باری ہے (فان فاووا فان اللہ غفور رحیم اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔ البقرہ آیت ۲۲۶) اس کا جواب یہ ہے کہ بخشش گناہ کے ساتھ مختص ہے کفارہ کے ساتھ نہیں۔ پانچویں مسئلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل ارشاد دلالت کرتا ہے۔

۱۰۲۴/۳ ۔ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: «أَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَتَفُونَ الْمَوْلِي». رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ (۱)

سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ "میں نے دس سے کچھ اوپر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا کہ وہ سب کے سب ایلاء کرنے والے کو آگاہ کرتے تھے۔" امام شافعی نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) سلیمان بن یسار (حرف یاء پر زبر' سین پر زبر اور پھر الف کے بعد حرف راء کے ساتھ) کی کنیت ابو ایوب ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام اور عطاء بن یسار کے بھائی ہیں۔ سلیمان فقہاء مدینہ میں شمار ہوتے ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں' بڑے ثقہ' فاضل پرہیز گار اور حجت ہیں۔ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سات فقہاء میں سے ایک ہیں جنہوں نے حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سلمہؓ سے روایتیں کی ہیں ان کی وفات ۱۰۷ ہجری میں ہوئی' اس وقت ان کی عمر تہتر سال تھی۔

(۲) ابن کثیر نے "الارشاد" میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے درج بالا حدیث کی روایت کرنے کے بعد فرمایا: "کم از کم تیرہ" ان کی مراد یہ تھی کہ لفظ "بضعة عشر" کا اطلاق کم از کم تیرہ پر ہوتا ہے۔ زیر نظر روایت کے لفظ "یقفون" کے معنی ہیں "چار ماہ پر اسے آگاہ کرتے۔" جیسا کہ اسماعیل بن ابی اویسؓ نے بھی سلیمان سے اس کی تخریج کی ہے کہ انہوں نے کہا "ہم نے لوگوں کو پایا کہ جب چار ماہ گزر جاتے تو وہ ایلاء کے بارے میں (شوہر کو) آگاہ کرتے۔" اس بنا پر کتاب (بلوغ المرام) کی روایت کے اطلاق کو اس مقید روایت پر محمول کیا جائے گا۔ دار قطنی نے سہیل بن ابی صالح کے طریق سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے بارہ صحابہ کرام سے ایلاء کرنے والے شخص کے متعلق دریافت کیا تو ان حضرات نے فرمایا: "اس پر کوئی چیز عائد نہیں ہو گی حتیٰ کہ چار ماہ گزر جائیں' پھر اسے آگاہ کیا جائے گا۔ اگر وہ رجوع کرلے تو فبہا ورنہ طلاق دے دے گا۔" مذکورہ بالا اسماعیل نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جب چار ماہ گزر جائیں تو اسے آگاہ کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ طلاق دے دے اور جب تک وہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے گا اس پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔" الاسماعیلی نے حضرت ابن عمرؓ کا اثر ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: "جو شخص بھی اپنی بیوی سے ایلاء کرلے تو چار ماہ گزر جانے پر اسے آگاہ کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے طلاق دے دے یا رجوع کرلے اور چار ماہ گزرنے پر جب تک اسے آگاہ نہیں کیا جائے گا اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔"

اس باب میں سلف سے بہت سے آثار منقول ہیں جو سب کے سب یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ چار ماہ گزر جانے کے بعد ایلاء کرنے والے شوہر کو آگاہ کر دینا ضروری ہے۔ آگاہ کر دینے کا معنی یہ ہے کہ اس سے رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ صرف مدت گزر جانے پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔ جمہور کا یہی مسلک ہے اور اسی پر آیت کے ظاہر کی دلالت ہے کیونکہ ارشاد باری "وان عزموا الطلاق فان الله سمیع علیم" (اور اگر وہ طلاق دینے کا عزم کرلیں تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ سورۂ بقرہ ۲۲۷) میں لفظ (سمیع) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طلاق ایسے قول کے ذریعے واقع ہو گی جس کا تعلق سماع سے ہو' اگر مدت گزر جانے پر طلاق واقع ہو جاتی تو آیت میں لفظ (علیم) ہی کافی ہوتا۔ اس لیے قرآن کی بلاغت کا یہ معروف طریقہ ہے نیز یہ کہ آیات کے فواصل (اختتامی کلمات) اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس پر سابقہ جملے کی دلالت ہوتی ہے۔ جب طلاق واقع ہو جائے تو جمہور کے نزدیک یہ رجعی طلاق ہو گی۔ یہی بات ظاہر ہے' دیگر حضرات کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزدیک اس بارے میں جو تفصیلات ہیں ان کی تائید کسی دلیل سے نہیں ہوتی۔

١٠٢٥/٤ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: «كَانَ إِيْلَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ. فَوَقَّتَ اللَّهُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَلَيْسَ بِإِيْلَاءٍ». أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "زمانہ جاہلیت میں ایلاء ایک یا دو سال کے لیے ہوتا تھا' پھر اللہ نے اس کے لیے چار ماہ کا وقت مقرر کر دیا' اس لیے اگر یہ چار ماہ سے کم کے لیے ہو تو ایلاء نہیں ہو گا۔" بیہقی نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) طبرانی نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تخریج کی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: "زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ تین باتوں کی قسم کھاتے تھے۔" ایک روایت کے الفاظ ہیں "وہ طلاق' ظہار اور ایلاء کا اطلاق کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایلاء اور ظہار کو جاہلیت کے دور میں رائج مفہوم یعنی بیوی سے جدائی واقع ہونے کے معنی سے منتقل کر کے انہیں وہ معنی عطا کر دیا جس پر شرع کے اندر ان دونوں کا حکم آ کر ٹھہر گیا ہے اور طلاق کا حکم سابقہ حالت پر باقی رہا۔"

زیر نظر روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایلاء کے انعقاد کی کم سے کم مدت چار ماہ ہے۔

١٠٢٦/٥ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا ظَاهَرَ مِنَ امْرَأَتِهِ، ثُمَّ وَقَعَ عَلَيْهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي وَقَعْتُ عَلَيْهَا قَبْلَ أَنْ أُكَفِّرَ، قَالَ: «فَلَا تَقْرَبْهَا حَتَّى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللَّهُ بِهِ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ إِرْسَالَهُ. وَرَوَاهُ الْبَزَّارُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، وَزَادَ فِيهِ: «كَفِّرْ وَلَا تَعُدْ»(۱).

اور انہی (سابقہ راوی) سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا اور پھر اس کے ساتھ مجامعت کر لی۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ "میں نے کفارہ دینے سے پہلے ہی بیوی کے ساتھ مجامعت کر لی۔" اس پر آپؐ نے فرمایا: "آئندہ تم اس وقت تک اس کے قریب

---

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت "اس کے قریب نہ جانا... الخ" کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۲۲۱ تا ۲۲۲۵' سنن ترمذی ۱۱۹۹' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۶۷' سنن ابن ماجہ ۲۰۶۵' المستدرک ج ۲ ص ۲۰۴' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۲۳۶' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۱۷۱' الدر المنثور ج ۶ ص ۱۸۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ جانا جب تک وہ کام نہ کر لو جس کا اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے۔" چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے' امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام نسائی نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔ البزار نے ایک اور طریق سے اس کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے۔ اس روایت میں یہ اضافہ ہے: "کفارہ دو اور پھر ایسا نہ کرو"۔

یہ حدیث ظہار کے باب سے ہے۔ اس کا مرسل ہونا اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہے' جیسا کہ ہم نے بار بار کہا ہے۔ اس کا دو طریقوں سے مروی ہونا جن میں سے ایک مرسل ہو اور دوسرا موصول' اس کے اندر علت پیدا کرنے کا سبب نہیں بنتا بلکہ اس کی قوت میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔ ظہار کا لفظ ظہر بمعنی پشت سے مشتق ہے کیونکہ یہ وہ بات ہے جو شوہر اپنی بیوی سے اس فقرے کی شکل میں کہتا ہے کہ "تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو۔" لفظ "ظہار" "ظہر" سے ماخوذ ہے' اور ظہر کے لفظ سے کنایہ کے طور پر وہ بات مراد ہوتی ہے جس کا ذکر قبیح سمجھا جاتا ہو' اس لفظ کی نسبت ماں کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ماں کسی شخص پر حرام شدہ خواتین میں پہلے نمبر پر ہے۔ ظہار کی تحریم اور ظہار کرنے والے کے گنہگار قرار پانے پر تمام علماء کا اجماع ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "و انھم لیقولون منکرا من القول و زورا" اور یہ مکروہ اور جھوٹی بات کرتے ہیں۔ سورۂ مجادلہ آیت ۲) ظہار کر لینے کے بعد اس کا جو حکم ہے وہ آگے آ رہا ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی کو ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار واقع ہو جاتا ہے' البتہ ظہار کے چند مسائل کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہے:

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر شوہر ماں کی پشت کے سوا اس کے کسی اور عضو کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دے تو کیا ظہار واقع ہو جائے گا؟ اکثر حضرات کا مسلک یہ ہے کہ اس سے بھی ظہار واقع ہو جائے گا' ایک قول کے مطابق ظہار اس وقت ہو گا جب وہ کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے گا جس پر نظر ڈالنا حرام ہو۔ آپ کو تو یہ معلوم ہی ہے کہ نص کے اندر صرف پشت کا ذکر ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو ماں کے سوا اپنی کسی اور محرم خاتون کے ساتھ تشبیہ دے دے تو اس کا کیا حکم ہو گا۔ اس کے متعلق اختلاف رائے ہے' ہادویہ کا قول ہے کہ یہ ظہار نہیں ہو گا اس لیے کہ نص میں ماں کا ذکر ہے۔ دیگر حضرات میں امام مالک' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ شامل ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے ظہار ہو جائے گا خواہ اس نے اپنی کسی رضاعی محرم خاتون کے ساتھ تشبیہ کیوں نہ دی ہو۔ ان کی دلیل قیاس ہے' اس لیے کہ ہمیشہ کے لیے تحریم اصل علت ہے اور یہ محارم کے اندر اسی طرح ثابت ہے جس طرح یہ ماں کے اندر ثابت ہے۔ امام مالک اور امام احمد کا قول ہے کہ ظہار کا انعقاد ہو جاتا ہے خواہ وہ عورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو ہمیشہ کے لیے اس مرد پر حرام نہ بھی ہو مثلاً اجنبی عورت' بلکہ امام احمد نے یہاں تک کہہ دیا ہے چوپائے کے ساتھ تشبیہ دینے سے بھی ظہار ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ نص کا ورود تو صرف ماں کے بارے میں ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ مذکورہ خواتین کا الحاق قیاس کے ذریعے اور مفہوم کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے اور یہ صورت دلیل کا کام نہیں دے سکتی۔

تیسرا مسئلہ : علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا کافر بھی ظہار کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب ایک قول کے مطابق اثبات میں دیا گیا ہے اس لیے کہ آیت کے اندر خطاب میں عموم ہے' دوسرے قول کے مطابق کافر کا ظہار نہیں ہوتا اس لیے کہ کفارہ ظہار کے لوازم میں سے ہے اور کافر کی طرف سے کفارہ کی ادائیگی درست نہیں ہوتی۔ جو حضرات ظہار واقع ہو جانے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ظہار کرنے والا کافر غلام آزاد کر کے یا کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرے گا' روزے کے ذریعے نہیں' کیونکہ اس کے حق میں روزہ متعذر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا اور کھانا کھلانا اگر کفارے کی خاطر ہو تو قربت (عبادت) قرار پائے گا جبکہ کافر کے حق میں قربت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھا مسئلہ : مملوکہ لونڈی سے ظہار کرنے کے مسئلے میں بھی علماء کے مابین اختلاف رائے ہے۔ حنفیہ' شوافع اور ہادویہ کا مسلک یہ ہے کہ مملوکہ لونڈی سے ظہار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قول باری "من نساء هم" (اپنی بیویوں سے) لغت کے عرف میں مملوکہ لونڈی کو شامل نہیں ہے کیونکہ ایلاء کے مسئلے میں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نساء کے عموم میں لونڈی داخل نہیں ہے نیز اسے طلاق پر بھی قیاس کیا گیا ہے۔ امام مالک وغیرہ کا مسئلہ ہے کہ لونڈی سے ظہار درست ہے کیونکہ لفظ نساء میں عموم ہے' البتہ صحت کے قائلین کے درمیان کفارہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق صرف نصف کفارہ واجب ہو گا۔ گویا اسے طلاق پر قیاس کر لیا گیا۔

پانچواں مسئلہ : زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بیوی سے ظہار کر لینے کے بعد کفارہ ادا کرنے سے قبل اس کے ساتھ مجامعت حرام ہو جاتی ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے کیونکہ ارشاد باری ہے : "من قبل ان يتماسا" (قبل اس کے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو مس کریں۔ سورۂ مجادلہ آیت ۳) اگر شوہر نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے مجامعت کر لی تو اس سے کفارہ ساقط نہیں ہو گا اور نہ ہی دگنا ہو گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : "یہاں تک کہ تم وہ کام کر لو جس کا تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔" صلت بن دینار کہتے ہیں کہ "میں نے دس فقہاء سے ظہار کرنے والے کا مسئلہ پوچھا جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیتا ہے' انہوں نے جواب میں کہا کہ : اسے ایک کفارہ ادا کرنا ہو گا۔" فقہائے اربعہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرؓ سے روایت ہے کہ اس پر دو کفارے واجب ہوں گے۔ ایک کفارہ تو ظہار کا ہو گا جس کے بعد وہ دوبارہ اپنی بیوی سے مجامعت کر سکے گا اور دوسرا کفارہ حرام مجامعت کا ہو گا جس طرح رمضان میں دن کے وقت مجامعت کی صورت میں ہے۔ تاہم اس قول کی کمزوری کسی سے مخفی نہیں ہے۔ زہری اور ابن جبیر سے مروی ہے کہ ایسی صورت میں کفارہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ کفارے کا وقت نکل چکا ہے اس لیے کہ اس کا وقت مجامعت سے پہلے تھا جو فوت ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ادائیگی کا وقت نکل جانے سے شخص کے ذمہ عائد شدہ چیز ساقط نہیں ہوتی جس طرح نماز اور دیگر عبادات کا مسئلہ ہے۔ بوس و کنار وغیرہ کی تحریم کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کا حکم بھی مجامعت کے حکم کی طرح ہے۔ یعنی حرام ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔ کیونکہ ظہار کرنے والا اپنی بیوی کو اس خاتون کے مشابہ قرار دیتا ہے جس کے ساتھ جماع اور جماع کے مقدمات دونوں حرام ہوتے ہیں۔ اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ مقدمات حرام نہیں ہوتے' اس لیے کہ لفظ "مس" صرف جماع کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے یہ لفظ مقدمات جماع کو صرف مجازاً" شامل ہو گا اور دونوں باتوں (حقیقت اور مجاز) کو بیک وقت مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ حقیقت اور مجاز کو یکجا کرنے کی صورت ہے۔ اوزاعی سے مروی ہے کہ ازار سے اوپر اوپر لطف اندوزی حلال ہے۔

١٠٢٧/٦ - وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانُ فَخِفْتُ أَنْ أُصِيبَ امْرَأَتِي، فَظَاهَرْتُ مِنْهَا فَانْكَشَفَ لِي شَيْءٌ مِنْهَا لَيْلَةً فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «حَرِّرْ رَقَبَةً» فَقُلْتُ: مَا أَمْلِكُ إِلَّا رَقَبَتِي. قَالَ: «فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ». قُلْتُ: وَهَلْ أَصَبْتُ الَّذِي أَصَبْتُ إِلَّا مِنَ الصِّيَامِ؟ قَالَ: «أَطْعِمْ فَرَقاً مِنْ تَمْرٍ سِتِّينَ مِسْكِيناً». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ[1].

حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "رمضان کا مہینہ آ گیا' مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں بیوی کے ساتھ جماع نہ کر بیٹھوں' چنانچہ میں نے بیوی سے ظہار کر لیا۔ ایک رات ایسا ہوا کہ بیوی کے جسم کا ایک مستور حصہ میرے ساتھ برہنہ ہو گیا اور اس کے نتیجے میں میں نے مجامعت کر لی۔

---

(۱) حضرت سلمہؓ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۲۱۳' سنن ترمذی ۱۲۰۰' ۳۲۹۹' سنن ابن ماجہ ۲۰۶۲' مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۶' فتح الباری ج ۴ ص ۱۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس بات کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: "ایک گردن (غلام) آزاد کر دو!" میں نے عرض کیا کہ میں تو صرف اپنی گردن کا مالک ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: "پھر دو ماہ لگاتار روزے رکھو!" میں نے عرض کیا: "مجھ سے جو فعل سرزد ہوا ہے وہ روزوں ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "کھجوروں کی یہ ٹوکری ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو" امام احمد اور نسائی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن الجارود نے اسے صحیح کہا ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ یہ حدیث کفارہ میں ترتیب کی اسی صورت پر دلالت کرتی ہے جس کی نشاندہی آیت ظہار کر رہی ہے۔ اور کفارہ کی اس ترتیب پر علماء کا اجماع ہے۔

(۱) یہ البیاضی ہیں (حرف باء پر زبر' حرف یاء اور حرف ضاد کے ساتھ) یہ انصاری اور خزاعی ہیں۔ یہ بہت زیادہ گریہ و زاری کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ سلیمان بن یسار اور ابن المسیب نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ امام بخاری کے قول کے مطابق ظہار کے بارے میں ان کی یہ حدیث درست نہیں ہے۔

(۲) "الارشاد" میں ذکر ہے کہ حضرت سلمہؓ نے فرمایا: "میں اپنی بیوی سے اس قدر مجامعت کرتا تھا کہ میرے سوا کوئی اور شخص اپنی بیوی سے اتنی مجامعت نہ کرتا ہو گا!"

(۳) محدث عبدالحق نے سلیمان بن یسار اور حضرت سلمہؓ کے درمیان انقطاع کی بنا پر اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ سلیمان کی حضرت سلمہؓ سے ملاقات نہیں ہوئی' یہ بات ترمذی نے امام بخاری سے نقل کی ہے۔

اس حدیث کے اندر چند مسائل موجود ہیں:

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیت ظہار میں رقبہ یعنی غلام کو مطلق رکھا گیا ہے' اور اس حدیث میں بھی یہی کچھ ہے۔ غلام کو ایمان کی صفت کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا جس طرح آیت قتل میں مقید کیا گیا ہے۔ اب اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ اور زید بن علی کا مسلک ہے کہ اسے ایمان کی صفت کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا اور ذمی غلام آزاد کر دینے سے بھی کام چل جائے گا۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ آیت قتل پر قیاس کرتے ہوئے یہ قید نہیں لگائی جائے گی کیونکہ دونوں صورتوں میں سبب مختلف ہے' زمخشری نے قیاس کے عدم اعتبار کی طرف اشارہ کیا ہے اس لیے کہ علت میں اشتراک نہیں ہے۔ کیونکہ مناسبت کا پہلو یہ ہے کہ قاتل نے جب ایک مومن آدمی کو زندگی کی صفت سے نکال کر موت کی حالت میں داخل کر دیا تو اس کا کفارہ ایک مومن آدمی کو غلامی کی موت سے نکال کر آزادی کی زندگی میں داخل کرنا قرار پایا۔ چونکہ غلامی مملوک سے تصرف کا اختیار سلب کر لینے کی مقتضی ہوتی ہے اس لیے یہ اس موت کے مشابہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گئی جو میت سے تصرف سلب کی مقتضی ہوتی ہے' اس لیے مومن غلام کو آزادی دینے کے اندر تصرف کا اثبات پایا گیا اس بنا پر یہ زندہ کے اس عمل کے مشابہ ہو گیا جو زندہ کے لیے تصرف کے اثبات کا مقتضی ہے۔

امام مالک' امام شافعی اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ کفارۂ ظہار میں کافر غلام کو آزاد کر دینے سے کام نہیں چلے گا۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ ظہار کی آیت کو اسی طرح مقید کیا جائے گا جس طرح قتل کی آیت مقید ہے' اگرچہ دونوں صورتوں میں سبب کا اختلاف ہے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ سنت سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سائل ایک گردن آزاد کرنے کے بارے میں فتویٰ پوچھنے آیا جو اس کے ذمہ واجب ہو چکا تھا تو آپؐ نے لونڈی سے پوچھا کہ "اللہ کہاں ہے؟" اس نے جواب میں کہا "آسمان میں" آپؐ نے پھر پوچھا "میں کون ہوں؟" اس نے جواب دیا "آپ اللہ کے رسول ہیں!" اس پر آپؐ نے فرمایا: "اسے آزاد کر دو' کیونکہ یہ مومنہ ہے!" اس روایت کی تخریج امام بخاری وغیرہ نے کی ہے۔ ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لونڈی سے ایمان کے بارے میں سوال کرنا اور کفارہ کی صفت اور اس کے سبب کے بارے میں سوال نہ کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کسی سبب کی بنا پر آزاد کیے جانے والے ہر غلام یا لونڈی کے اندر ایمان کی صفت کا اعتبار ہو گا کیونکہ یہ ایک پختہ اصول ہے کہ احتمال کے ہوتے ہوئے تفصیل طلب نہ کرنا حکم کے اندر عموم کے بمنزلہ ہوتا ہے۔ اس اصول کی کئی دفعہ تکرار ہو چکی ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ امام شافعی اس قاعدے کے قائل ہیں' اگر ان کے مخالفین بھی اس قاعدے کے قائل ہو جائیں تو اس صورت میں سنت مقید کرنے کی دلیل ہو گی' کتاب اللہ نہیں ہو گی' کیونکہ فقہاء نے اصول کے اندر اس بات کی توثیق کی ہے کہ مطلق کو صرف اس صورت میں مقید پر محمول کیا جائے گا جب سبب کے اندر اتحاد ہو' زیر نظر روایت کا ایک پہلو یہ ہے کہ ابو داؤد کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "سائل نے عرض کیا: "اللہ کے رسولؐ میرے ذمہ ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے۔" تا آخر حدیث۔ عزالدین الذہبی نے کہا ہے کہ "یہ صحیح حدیث ہے"۔ پھر ایسی صورت میں تو زیر نظر حدیث میں جو کچھ ذکر ہوا ہے وہ دلیل نہیں بنے گا اور کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ لونڈی سے ایمان کے بارے میں صرف اس بنا پر استفسار فرمایا تھا کہ سائل نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کے ذمہ ایک مومن کو آزاد کرنا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ عیب دار غلام یا لونڈی کو آزاد کرنے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے' چاہے یہ عیب کسی نوعیت کا ہو۔ ہادویہ اور داؤد ظاہری کا مسلک ہے کہ اس کفارہ میں عیب دار غلام کو آزاد کرنا بھی کام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے جائے گا کیونکہ "رقبہ" کا اسم اسے بھی شامل ہے۔ دیگر حضرات نے کہا ہے کہ عیب دار غلام یا لونڈی آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہو گا۔ انہوں نے اسے ہدی اور قربانی کے جانوروں پر قیاس کیا ہے اور اس قیاس کے لیے مشترک علت تقرب الٰہی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر عیب دار غلام منفعت کے اندر کامل ہو مثلاً یک چشم ہو تو کفارہ میں اسے آزاد کرنا درست ہو گا لیکن اگر اس کے فوائد پورے نہ ہوں بلکہ ناقص ہوں تو درست نہیں ہو گا' بشرطیکہ اس کا یہ نقصان بالکل واضح ہو مثلاً کٹے ہوئے ہاتھ والا ہو یا اندھا ہو۔ اس لیے کہ منفعت کا مالک بنا دینا عتق کہلاتا ہے اور یہاں یہ منفعت ناقص ہے۔ احناف کے نزدیک عیب کے بارے میں تفصیلات ہیں جن کا شمار بہت طویل ہے اور ان کے لیے دلائل مہیا کرنا بڑا مشکل ہے۔

چوتھا مسئلہ : یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "دو مہینے مسلسل روزے رکھو!" تسلسل کے وجوب پر دلالت کرتا ہے اور آیت کی دلالت بھی اسی پر ہے' اور اس میں یہ شرط بھی ہے کہ مذکورہ روزے مجامعت سے پہلے رکھے جائیں۔ اگر شوہر نے ان دو مہینوں کے دوران مجامعت کر لی تو اسے نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ اس پر اجماع ہے بشرطیکہ اس نے دن کے وقت جان بوجھ کر اس کے ساتھ مجامعت کی ہو۔ امام ابوحنیفہ' ہادویہ اور دیگر حضرات کے نزدیک رات کے وقت مجامعت کا بھی یہی حکم ہے خواہ اس نے بھول کر مجامعت کر لی ہو۔ اس کی دلیل آیت ظہار ہے۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ مجامعت جائز ہو گی اور اس سے روزوں کے تسلسل کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہو گا اس لیے کہ روزہ فاسد کر دینا نہی کی علت ہے اور رات کے وقت ہم بستری سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ آیت میں عموم ہے۔ اگر شوہر دن کے وقت بھول کر جماع کر لے تو اس کے حکم کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہو گا اس لیے کہ اس نے روزہ فاسد نہیں کیا' جس طرح اگر وہ دن کے وقت جان بوجھ کر مجامعت کر لے۔ اس کی دلیل آیت کا عموم ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ روزہ فاسد کر دینا علت نہیں ہے بلکہ تمام احوال کے لیے دلیل کا عموم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کفارہ صرف اسی صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچے گا جب مجامعت سے پہلے اس کی ادائیگی ہو چکی ہو۔

پانچواں مسئلہ : اس بارے میں بھی اختلاف رائے ہے کہ اگر صورت یہ ہو جائے کہ روزوں کے دوران اسے کوئی ایسا عذر لاحق ہو جائے جس کے دور ہونے کی امید نہ ہو اور پھر یہ عذر دور ہو جائے تو آیا وہ اگلے روزے رکھے گا یا نئے سرے سے روزے شروع کرے گا؟ امام مالک' امام احمد اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ وہ اگلے روزے رکھے گا کیونکہ تسلسل کا ٹوٹ جانا اس کے اپنے اختیار کے بغیر وجود میں آیا تھا۔ امام ابو حنیفہ کا اور امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے روزے رکھے گا کیونکہ روزوں میں تسلسل کا ٹوٹ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانا اس کے اپنے اختیار سے وجود میں آیا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ عذر نے اسے بے اختیار شخص جیسا بنا دیا تھا۔ اگر اسے لاحق ہو جانے والے عذر کے دور ہو جانے کی امید ہو تو ایک قول کے مطابق وہ اگلے روزے رکھے گا اور دوسرے قول کے مطابق وہ اگلے روزے نہیں رکھے گا اس لیے کہ عذر کے دور ہو جانے کی امید نے اسے بااختیار شخص بنا دیا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عذر کے ہوتے ہوئے مذکورہ شخص کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہو سکتا۔

چھٹا مسئلہ : سائل کے قول "میں تو صرف اپنی گردن کا مالک ہوں۔" پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "روزے رکھو" کی ترتیب وہی فیصلہ دیتی ہے جو آیت ظہار دے رہی ہے یعنی یہ کہ غلام یا لونڈی میسر نہ ہونے کی صورت میں ہی کفارہ روزے کی طرف منتقل ہو گا۔ اگر اسے غلام یا لونڈی میسر ہو لیکن اپنی لاچاری کی بنا پر مذکورہ غلام یا لونڈی سے وہ خدمت لینے پر مجبور ہو تو ایسی صورت میں روزہ رکھنا درست نہیں ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ ایک شخص کے پاس پانی موجود ہے لیکن اس پانی کی اسے ضرورت ہو تو ایسی صورت میں اس کے لیے تیمم کر لینا جائز ہو گا۔ آپ لوگوں نے زیر بحث صورت کو تیمم والی صورت پر کیوں قیاس نہیں کیا؟

میں کہوں گا کہ یہاں قیاس نہیں ہو سکتا اس لیے کہ تیمم کی مشروعیت عذر کی بنا پر ہوئی ہے اس لیے پانی کی ضرورت اور احتیاج عذر جیسی صورت تصور ہو گی۔

اگر کہا جائے کہ کیا مجامعت کے لیے شہوت کو ایسا عذر شمار کر لیا جائے گا جس کی موجودگی میں مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت اختیار کر لی جائے اور شہوت والے شخص کو روزے کی استطاعت نہ رکھنے والا تصور کر لیا جائے گا؟

میں کہوں گا کہ حضرت سلمہؓ کی حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے اور روزوں کے ذریعے کفارہ دینے سے ان کا یہ عذر پیش کرنا کہ "مجھ سے جو فعل سرزد ہوا ہے وہ روزوں کی وجہ سے ہی ہوا ہے" نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے مذکورہ عذر کو برقرار رہنے دینا اور آپؐ کا یہ فرمانا کہ : "کھانا کھلاؤ" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مذکورہ عذر ایسا عذر تھا جس کی موجودگی میں کھانا کھلانے کی صورت اختیار کی جا سکتی تھی۔

ساتواں مسئلہ : نص قرآنی اور نص نبوی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کے بارے میں صریح ہیں' گویا روزوں کے دو ماہ کے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ آیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری ہے یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھلانا کافی ہو جائے گا؟ امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور ہادویہ نے پہلا قول اختیار کیا ہے کیونکہ آیت کا ظاہر بھی یہی ہے' حنفیہ نے دوسرا قول اختیار کیا ہے۔ زید بن علی کا ایک قول بھی یہی ہے اور الناصر بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایک مسکین کو ساٹھ دن تک یا ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے زائد مسکینوں کو ساٹھ مسکینوں کے بقدر کھلا دینا کافی ہو گا۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ دوسرے دن بھی پہلے دن والا مسکین اسی طرح کھانے کا مستحق ہو گا جس طرح پہلے دن اسے کھانا دینے سے پہلے وہ مستحق تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت کا ظاہر تو یہ ہے کہ مساکین اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ امام احمد سے اس سلسلے میں تین اقوال منقول ہیں' دو قول تو مذکورہ بالا دو قولوں کی طرح ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر پہلے دن والے مسکین کے علاوہ کوئی اور مسکین موجود ہو تو اس صورت میں پہلے دن والے کو دینا جائز نہیں ہو گا بصورت دیگر اسے دوبارہ کھانا دینا جائز ہو جائے گا۔

آٹھواں مسئلہ : ہر مسکین کو کھلانے کی مقدار میں اختلاف ہے۔ حنفیہ اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ واجب مقدار ساٹھ صاع ہے (ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے' مترجم) خواہ کھجوریں ہوں یا باجرہ ہو یا جو ہوں' یا فی کس نصف صاع گندم ہو۔ امام شافعی کا مسلک ہے کہ ہر مسکین کے لیے ایک مد طعام واجب ہے۔ مد صاع کا چوتھائی حصہ ہوتا ہے۔ انہوں نے زیر نظر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ : "ایک عرق کھجوریں ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو!" اور "عرق" کھجور کے پتوں سے بنا ہوا وہ ٹوکرا ہوتا ہے جس میں پندرہ صاع کھجوریں آ جاتی ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت سلمہؓ کی اس حدیث کی اکثر روایات میں اسی کا ذکر ہے۔ پہلے گروہ نے اپنے استدلال میں کہا ہے کہ عبدالرزاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں : "تم بنی زریق سے صدقات جمع کرنے والے کے پاس چلے جاؤ اور ان سے کہو وہ تمہیں یہ دے دے گا اور پھر اپنی طرف سے ایک وسق ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو!" ان حضرات نے کہا ہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے : "ایک وسق کھجوریں ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو" عرق کی تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ عرق وہ ٹوکرا ہے جس میں تیس صاع کی گنجائش ہوتی ہے۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ "دونوں حدیثوں میں سے یہ حدیث زیادہ صحیح ہے!" جب کہ "عرق" کی تفسیر میں اختلاف ہے اور فقہاء کے تین قول ہو گئے ہیں اور اس کے بارے میں روایات میں بھی اضطراب پایا جاتا ہے تو امام شافعی کا میلان کثرت کی ترجیح کی طرف ہے جبکہ زیادہ تر روایات پندرہ صاع کی ہیں۔ "معالم السنن" کے اندر خطابی نے لکھا ہے : "عرق کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی چیز جس سے ٹوکرے بنائے جاتے ہیں۔ عرق کی تفسیر یہ آئی ہے کہ یہ ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق اس میں تیس صاع کی گنجائش ہوتی ہے' اور حضرت سلمہؓ کی روایت میں اس میں پندرہ صاع کی گنجائش ہوتی ہے۔" اس طرح خطابی نے ذکر کیا ہے کہ عرق چھوٹا بڑا ہوتا ہے اور مزید کہا ہے کہ : "امام شافعی پندرہ صاع والی روایت کی طرف گئے ہیں۔" میں (شارح) کہتا ہوں کہ مقررہ مقدار سے زائد کی ذمہ داری سے بری ہونا اصل ہے اور یہی بات وجہ ترجیح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواں مسئلہ : زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عجز کی بنا پر کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ کفارہ کی تمام قسموں کا یہی حکم ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کا مسلک ہے کہ عجز کی بنا پر کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ امام احمد سے منقول دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے کیونکہ خویلہ بنت مالک بن ثعلبہ سے امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ انہوں نے عرض کیا : ''میرے شوہر اوس بن الصامتؓ نے مجھ سے ظہار کر لیا ہے۔'' موصوفہ نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا : ''وہ ایک غلام آزاد کرے!'' خویلہؓ نے عرض کیا کہ غلام یا لونڈی انہیں میسر نہیں ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا : ''پھر دو ماہ مسلسل روزے رکھے!'' خویلہؓ نے عرض کیا کہ وہ تو بوڑھے ہیں روزہ رکھنے کی ان کے اندر استطاعت نہیں ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا : ''تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے'' انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ان کے پاس تو اپنے منہ میں ڈالنے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا : ''میں ایک عرق کے ذریعے ان کی مدد کروں گا۔'' اگر عجز کی بنا پر کفارہ ساقط ہو سکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو واضح کر دیتے اور اپنے پاس سے ان کی مدد نہ کرتے' امام احمد سے ایک روایت کے مطابق ان کا مسلک نیز ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ عجز کی بنا پر کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ جس طرح واجبات اور ان کے بدل سے عجز کی بنا پر ان واجبات کا سقوط ہو جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق رمضان میں مجامعت کا کفارہ عجز کی بنا پر ساقط ہو جاتا ہے دیگر کفارات ساقط نہیں ہوتے' انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں دن کے وقت مجامعت کرنے والے کو حکم دیا تھا کہ وہ اور اس کے اہل و عیال کفارہ کی کھجوریں کھا لیں۔ جبکہ یہ بات واضح ہے کہ کوئی شخص اپنے کفارے کو اپنے اوپر صرف نہیں کر سکتا' پہلے گروہ نے جواب میں کہا ہے کہ مجامعت کرنے والے مذکورہ شخص کے لیے کفارے کی کھجوروں کا استعمال اس لیے حلال ہو گیا تھا کہ جب وہ کفارہ دینے سے عاجز رہا اور غیر نے اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا تو ادا کرنے والے کے لیے مذکورہ شخص پر کفارہ صرف کر دینا جائز ہو گیا۔ رمضان میں مجامعت کے کفارے کے بارے میں امام احمد کا یہی مسلک ہے۔ دیگر کفارات کے بارے میں ان کے دو قول ہیں : اور یہ ہادویہ کے اس قول کی نظیر ہے کہ امام وقت جب کسی شخص سے زکوٰۃ وصول کرلے تو زکوٰۃ اسے واپس کر دینا امام کے لیے جائز ہو گا۔

دسواں مسئلہ : خطابی نے لکھا ہے : ''زیر نظر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مقید ظہار مطلق ظہار کی طرح ہے۔ مقید ظہار کی صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے ایک خاص مدت تک کے لیے ظہار کر لے اور اس مدت کے گزر جانے سے پہلے ہی اس کے ساتھ مجامعت کر لے۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر شوہر اپنی قسم پوری کر لے اور قسم نہ توڑے تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے کہ اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوہر اپنی بیوی سے کہے "تم رات تک مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو" تو اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا خواہ وہ اس سے قربت نہ بھی کرے' اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اگر وہ اس سے قربت نہ کرے تو اس پر کوئی کفارہ عائد نہیں ہو گا۔ امام شافعی کے اس موقت ظہار کے بارے میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ ظہار نہیں ہے۔

فائدہ: بعض دفعہ یہ وہم ہوتا ہے کہ آیت ظہار کے نزول کا سبب حضرت سلمہؓ کی یہ زیر نظر حدیث ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے اندر مذکورہ دونوں حکم یکساں ہیں۔ حالانکہ بات ایسی نہیں ہے۔ بلکہ آیت ظہار کے نزول کا سبب حضرت اوس بن الصامتؓ کا واقعہ ہے جس کا ذکر ابن کثیر نے "الارشاد" میں خویلہؓ بنت ثعلب سے مروی حدیث کے سلسلے میں کیا ہے' خویلہؓ نے کہا ہے کہ "خدا کی قسم' میرے اور اوس کے بارے میں اللہ نے سورۂ مجادلہ نازل کی۔" انہوں نے مزید کہا ہے کہ "میں ان کی زوجیت میں تھی وہ ایک بہت بوڑھے شخص تھے۔ ان کے اندر بدخلقی اور اکتاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ ایک دن وہ میرے پاس آئے' میں نے کسی معاملے میں ان سے رجوع کیا تو وہ غضبناک ہو گئے اور کہا: "تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو" پھر وہ میرے پاس سے نکل کر اپنے لوگوں کی مجلس میں ایک گھڑی بیٹھے رہے اور پھر میرے پاس آئے اور لگے مجھ سے مجامعت کا تقاضا کرنے!" خویلہ کہتی ہیں کہ میں نے ان سے کہا: "ہرگز نہیں' قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں خویلہؓ کی جان ہے' تم میرے پاس ہرگز نہ آنا' جبکہ تم نے وہ بات کہہ دی ہے جو کہہ دی ہے۔" پھر اللہ اور اس کے رسول نے ان دونوں کے بارے میں حکم سنایا۔ تا آخر حدیث' امام احمد اور امام ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے' اس کی اسناد مشہور ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر شوہر ظہار کے لفظ سے طلاق کا قصد کرے گا تو طلاق واقع نہیں ہو گی بلکہ یہ ظہار ہو جائے گا۔ امام شافعی اور امام احمد وغیرھما کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ "اگر شوہر ظہار کرے اور اس سے اس کی مراد طلاق ہو تو یہ ظہار ہو گا اور اگر طلاق دے کر ظہار مراد لے تو یہ طلاق ہو گی۔" امام احمد نے کہا ہے کہ "جب شوہر بیوی سے کہے "تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو۔" اور اس سے طلاق مراد لے تو یہ ظہار ہو گا اور اسے طلاق نہیں ہو گی۔" ابن القیم نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ظہار طلاق ہوتا تھا' پھر یہ منسوخ ہو گیا اس لیے منسوخ شدہ بات کو اپنانا جائز نہیں ہو گا۔ نیز یہ کہ حضرت اوسؓ نے مذکورہ فقرہ کہہ کر جاہلیت کے دستور کے مطابق طلاق کا ارادہ کیا تھا پھر ان پر طلاق کی بجائے ظہار کا حکم جاری کیا گیا۔ نیز یہ کہ مذکورہ فقرہ ظہار کے حکم میں صریح ہے اس لیے اسے ایسے حکم سے کنایہ بنانا جائز نہیں ہو گا جس کی مشروعیت کو اللہ نے باطل کر دیا ہے۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ برحق اور اس کا حکم زیادہ واجب الاطاعت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ باب اللعان

یہ لفظ لعن سے ماخوذ ہے اس لیے کہ شوہر پانچویں گواہی میں کہتا ہے: "اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے" اسے لعان' التعان اور ملاعنہ بھی کہا جاتا ہے۔ شوہر پر لعان کے وجوب کے بارے میں اختلاف ہے۔ امیرالحسین کی کتاب "الشفاء" میں لکھا ہے کہ اگر بچہ بھی ہو اور یہ معلوم ہو کہ شوہر نے بیوی سے قربت نہیں کی تھی تو ایسی صورت میں شوہر پر لعان واجب ہو گا۔ "المہذب" اور "الانتصار" میں مذکور ہے کہ عورت کی زناکاری کے بارے میں غلبہ ظن یا علم کی صورت میں یہ لعان جائز ہو گا واجب نہیں ہو گا اور عدم ظن کی صورت میں حرام ہو گا۔

۱۰۲۸/۱ - عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَ فُلَانٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ أَنْ لَوْ وَجَدَ أَحَدُنَا ٱمْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ، كَيْفَ يَصْنَعُ؟ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ، وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى مِثْلِ ذَلِكَ، فَلَمْ يُجِبْهُ، فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ أَتَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدِ ٱبْتُلِيتُ بِهِ، فَأَنْزَلَ ٱللَّهُ ٱلْآيَاتِ فِي سُورَةِ النُّورِ، فَتَلَاهُنَّ عَلَيْهِ وَوَعَظَهُ. وَذَكَّرَهُ. وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ ٱلدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ ٱلْآخِرَةِ. قَالَ: لَا، وَٱلَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا، ثُمَّ دَعَاهَا، فَوَعَظَهَا كَذَلِكَ، قَالَتْ: لَا، وَٱلَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنَّهُ لَكَذِبٌ، فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ، فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ، ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ، ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "فلاں شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ: "اللہ کے رسول' آپؐ کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے پائے تو کیا کرے؟ اگر وہ یہ بات زبان پر لے آئے تو بڑی سنگین بات زبان پر لائے گا اور اگر خاموش رہے تو اس کی خاموشی بھی اسی جیسی ہو گی۔" اس کی بات سن کر آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا' اس کے بعد مذکورہ شخص آپؐ کے پاس آیا اور عرض کیا: "جس بات کے بارے میں میں نے آپؐ سے استفسار کیا تھا

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ سے مروی حدیث کا حوالہ: مسلم شریف' حدیث ۱۴۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں میں خود مبتلا ہو گیا ہوں!" اس پر اللہ نے سورۂ نور کی آیات نازل فرمائیں۔ آپؐ نے یہ آیات مذکورہ شخص کو پڑھ کر سنائیں اور اسے نصیحتیں کیں اور تلقین فرمائی اور اسے بتایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ اس نے کہا: "نہیں' قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے' میں نے اپنی بیوی کے بارے میں کوئی جھوٹ بات نہیں کی۔" پھر آپؐ نے اس کی بیوی کو بلایا اور اسے بھی اسی طرح نصیحتیں کیں۔ بیوی نے کہا: "نہیں' قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا' یہ جھوٹی بات ہے۔" آپؐ نے شوہر سے ابتدا کی اس نے اللہ کا نام لے کر چار گواہیاں دیں' پھر آپؐ نے عورت سے بھی یہی کلمات دہرانے کو کہا' اور پھر دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی۔ امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) یہ عویمرؓ عجلانی تھے جیسا کہ اکثر روایات میں آیا ہے۔

(۲) یعنی بڑی سنگین بات

(۳) اکثر روایات میں ہے کہ ان آیات کے نزول کا سبب حضرت ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کا واقعہ تھا۔ یہ واقعہ عویمرؓ کے واقعہ سے پہلے پیش آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تلاوت اس لیے فرمائی تھی کہ ان آیات کا حکم پوری امت کے لیے عام تھا۔

(۴) یہ عطف تفسیری ہے کیونکہ وعظ اور تذکیر دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

(۵) آخرت کا عذاب جس کا وعدہ اس ارشاد باری میں کیا گیا ہے "لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم" (دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔)

زیر نظر حدیث میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: راوی کے الفاظ ہیں: "آپؐ نے سائل کو کوئی جواب نہیں دیا۔" ابوداؤد کی روایت کے الفاظ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے گئے سوالات کو ناپسند کیا اور انہیں معیوب تصور کیا۔" خطابی نے کہا ہے: "اس سے مراد ایسی چیز کے بارے میں سوال ہے جس کی سائل کو ضرورت نہیں تھی۔" امام شافعی نے کہا ہے کہ نزول وحی کے زمانے میں ایسے سوالات کرنے کی ممانعت تھی جن کے بارے میں ابھی کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا تاکہ ان کے متعلق کوئی ایسا حکم نازل نہ ہو جائے جو لوگوں کو مشقت اور تکلیف میں ڈال دے جس طرح یہ ارشاد باری ہے: "لاتسئلوا عن اشیاء" (بہت سی ایسی باتوں کے بارے میں سوال نہ کرو... تا آخر آیت۔ سورۂ مائدہ آیت ۱۰۱) صحیح حدیث میں مذکور ہے: "سب سے بڑھ کر جرم اس شخص کا ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں پوچھا ہو جو حرام نہ ہوئی ہو اور پھر اس کے سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام کر دی گئی ہو۔" خطابی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کہا ہے: "ہم نے کتاب اللہ کے اندر سوال کی دو صورتیں پائی ہیں' ایک تو وہ صورت ہے کہ دین کے کسی معاملہ میں ضرورت پیش آنے کی بنا پر تبیین و تعلیم کے لیے سوال کیا گیا ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ تلبیس پیدا کرنے اور تکلف ظاہر کرنے کی غرض سے سوال کیا گیا ہو' اللہ نے پہلی صورت کو مباح کر دیا اور اس کا حکم دیا اور اور اس کے بارے میں جواب بھی دیا اور فرمایا "فاسئلوا اهل الذکر" (اہل ذکر (جاننے والوں) سے پوچھو۔ سورۂ نحل آیت ۴۳) نیز فرمایا: "فاسئال الذین یقرروون الکتاب من قبلک" (ان لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے کتاب پڑھتے چلے آ رہے ہیں ۔ سورۂ یونس آیت ۹۴) اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں مذکورہ سوالات کے جوابات دیئے ہیں: "یسئالونک عن الاهلة" (لوگ تم سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹)' "و یسئالونک عن المحیض" (لوگ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں ۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۲) اور اسی طرح کی دیگر آیات۔ سوالات کی مذکورہ بالا دوسری صورت کے بارے میں فرمایا: "و یسئالونک عن الروح قل الروح من امر ربی" (لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں' کہہ دو روح میرے رب کا امر ہے۔ سورۂ اسراء آیت ۸۵) نیز فرمایا: "یسئالونک عن الساعة ایان مرساها فیم انت من ذکر اها" (لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ گھڑی کب آ کر ٹھہرے گی؟ تمہارا کیا کام کہ اس کا وقت بتاؤ ۔ سورۂ نازعات آیت ۴۲' ۴۳) اس لیے جو سوال بھی اس نوعیت کا ہو گا وہ مکروہ قرار پائے گا۔ اگر اس قسم کے سوال کے جواب میں سکوت اختیار کیا جائے تو گویا سائل کو یہ ایک قسم کی جھڑکی اور ڈانٹ ہو گی اور اگر جواب دے دیا جائے تو یہ عقوبت اور تشدید ہو گی۔

دوسرا مسئلہ: راوی کا قول ہے: "آپؐ نے مرد سے ابتدا کی" اس میں یہ دلالت ہے کہ لعان کے عمل کی ابتدا مرد سے کی جائے گی' حکم شرعی کے اندر قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے اس لیے کہ شوہر مدعی ہوتا ہے' لہٰذا اسے مقدم رکھا جائے گا اور آیت میں بھی شوہر سے ابتدا کی گئی ہے۔ مرد کو مقدم کرنا سنت ہے اس پر سب کا اجماع ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ شوہر سے ابتدا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ جمہور کا مسلک اس کے وجوب کا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلالؓ سے فرمایا تھا: "گواہی لاؤ ورنہ تمہاری پشت پر حد لگے گی۔" (یعنی کوڑے کھاؤ گے) اس لیے مرد سے حدزنا دور کرنے کے لیے ابتداء اس سے کی جائے گی اور اگر ابتداء بیوی سے کی جائے تو اس صورت میں شوہر ایسی بات کو دفع کرنے والا قرار پائے گا جو ابھی ثابت نہیں ہوئی۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ عورت سے ابتداء کرنا درست ہے اس لیے کہ لعان کی آیت مرد سے ابتداء کرنے کے لزوم پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس میں حرف واؤ کے ساتھ عطف ہے اور یہ حرف ترتیب کا مقتضی نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرف واؤ اگرچہ ترتیب کا مقتضی نہیں ہوتا تاہم اللہ تعالیٰ ابتداء اس چیز کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ کرتا ہے جو اس کی زیادہ حقدار ہوتی ہے اور اہمیت کے اعتبار سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل نے اسے واضح کر دیا۔ اس کی مثال آپؐ کے اس ارشاد جیسی ہے جو صفا سے سعی کی ابتداء کے وجوب کے بارے میں ہے: "ہم بھی وہاں سے ابتداء کریں گے جہاں سے اللہ نے کی ہے۔"

تیسرا مسئلہ: راوی کا قول ہے: "پھر آپؐ نے دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی۔" یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مذکورہ میاں بیوی کے درمیان علیحدگی صرف حاکم وقت کی طرف سے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے ذریعے وجود میں آئے گی' صرف لعان کرنے کی بنا پر علیحدگی نہیں ہو گی' بہت سے حضرات کا یہی مسلک ہے اور انہوں نے حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ سے استدلال کیا ہے نیز صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ لعان مکمل ہونے کے بعد مرد نے عورت کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا۔ اگر نفس لعان سے علیحدگی واقع ہو گئی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرما دیتے کہ طلاق برمحل نہیں ہے بلکہ غیر محل میں اس نے طلاق دی ہے۔

جمہور کا قول ہے کہ نفس لعان کے ساتھ علیحدگی واقع ہو جاتی ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا مرد کے لعان کی تکمیل کے ساتھ ہی علیحدگی ہو جاتی ہے خواہ ابھی عورت نے لعان نہ کیا ہو؟ امام شافعی کا قول ہے کہ مرد کے لعان کے ساتھ ہی علیحدگی واقع ہو جاتی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ دونوں کے لعان کی تکمیل ہی پر علیحدگی واقع ہوتی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہی قول مشہور ہے اور ظاہریہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ انہوں نے صحیح مسلم کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لعان کرنے والے ہر جوڑے کے درمیان یہی تفریق ہے۔" ابن العربی نے کہا ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد "ذلکم" (یہی ہے) سے مرد کو بتا دیا کہ "اب عورت پر تمہارا کوئی بس نہیں چلے گا۔" انہوں نے مزید کہا: "لعان کرنے والے ہر جوڑے کا یہی حکم ہے۔ اگر علیحدگی کسی حکم کے تحت ہی وجود میں آتی ہے تو حاکم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس قول کے ذریعے حکم نافذ ہو گیا کہ: "لعان کرنے والے ہر جوڑے کے درمیان یہی تفریق ہے۔" ان حضرات نے کہا ہے کہ راوی کے قول: "آپؐ نے دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی۔" کے معنی اس بات کا اظہار اور اس بارے میں شرع کے حکم کا بیان ہے نہ یہ کہ دونوں کے درمیان علیحدگی کا انشاء ہے (یعنی اسے وجود میں لانا ہے۔) ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ جہاں تک آپؐ کے سامنے مرد کی طرف سے عورت کو تین طلاقیں دینے کی بات ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت نہیں تھی نیز یہ کہ ان طلاقوں نے لعان کے ذریعے واقع تحریم کی اور تاکید کر دی تھی اس لیے ان کی تردید کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ نیز یہ کہ اگر طلاق کے ذریعے ہی علیحدگی وجود میں آئی ہوتی تو کسی اور مرد سے عورت کے نکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جانے اور اس سے طلاق حاصل کر لینے کے بعد لعان کرنے والے شوہر کے لیے اس سے نکاح کر لینا جائز نہ ہوتا۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں ذکر ہے کہ : "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا تھا کہ مرد کے ذمہ عورت کو نہ تو رہائش کی سہولت دینا لازم ہے اور نہ ہی نان و نفقہ' اس لیے کہ دونوں کے درمیان جو علیحدگی ہوئی تھی وہ نہ تو طلاق کی بنا پر تھی اور نہ ہی شوہر کی وفات کی بنا پر۔" ابو داؤد نے لعان کرنے والے جوڑے کے سلسلے میں حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا : "لعان کرنے والے جوڑے کے بارے میں ابھی تک سنت یہی رہی ہے کہ ان کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی اور پھر کبھی بھی یہ زوجیت میں یکجا نہیں ہو سکیں گے۔" بیہقی نے ان الفاظ میں روایت کی ہے : "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان علیحدگی کردی اور فرمایا کہ : اب یہ کبھی بھی یکجا نہیں ہو سکیں گے۔" حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا : "لعان کرنے والے جوڑے کے بارے میں سنت یہی رہی ہے کہ دونوں کبھی بھی یکجا نہیں ہوں گے۔" حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ "دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے گی اور پھر یہ کبھی بھی یکجا نہیں ہوں گے۔"

چوتھا مسئلہ : لعان کی بنا پر وقوع پذیر ہونے والی علیحدگی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ فرقت فسخ ہے یا طلاق بائن ہے؟ امام شافعی' امام احمد' ہادویہ اور دیگر حضرات کا قول ہے کہ یہ فسخ ہے' ان کا استدلال ہے کہ مذکورہ علیحدگی ہمیشہ کے لیے تحریم کو واجب کر دیتی ہے اس لیے یہ فسخ کی صورت ہو گی جس طرح رضاعت کی بنا پر علیحدگی ہوتی ہے کیونکہ دونوں پھر کبھی زوجیت میں یکجا نہیں ہوتے' دوسری وجہ یہ ہے کہ لعان طلاق کے سلسلے میں نہ تو صریح ہے اور نہ ہی اس سے کنایہ ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ مذکورہ علیحدگی طلاق بائن ہے' ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ علیحدگی بیوی کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے اس کا تعلق نکاح کے ساتھ مختص احکام کے ساتھ ہو گا' اس لیے یہ طلاق ہو گی کیونکہ طلاق نکاح کے ساتھ مختص احکام کے ساتھ تعلق رکھتی ہے بخلاف فسخ کے' اس لیے کہ اس کا تعلق بعض دفعہ نکاح کے سوا دیگر امور کے احکام سے ہوتا ہے مثلاً عیب کی بنا پر فسخ عقد۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نکاح کے ساتھ اس کے اختصاص سے لازم نہیں آتا کہ یہ طلاق ہی ہو جس طرح اس میں نفقہ وغیرہ بھی لازم نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ مانع زائل ہو جانے کے بعد عورت اس مرد کے لیے حلال ہو جائے گی۔ سعید بن المسیب کا بھی یہی قول ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر لعان کرنے والا شوہر اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے دے تو پھر وہ بھی دیگر لوگوں کی طرح عورت کو نکاح کا پیغام بھیج سکتا ہے۔ ابن جبیر نے کہا ہے کہ عورت جب تک عدت کے اندر ہو اسے مرد کی طرف لوٹایا جا سکتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ مذکورہ عورت کبھی بھی اس مرد کے لیے حلال نہیں ہو گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اب عورت پر تمہارا کوئی بس نہیں چلے گا" اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس شوہر سے فرمائی تھی جس نے لعان کیا تھا اور اپنے آپ کو جھوٹا قرار نہیں دیا تھا۔

چھٹا مسئلہ: حضرت ہلال بن امیہؓ کے لعان کی حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنی بیوی پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کی ہے۔ یہ حدیث ابو داؤد وغیرہ کے ہاں مروی ہے۔ اس بارے میں خطابی نے کہا ہے کہ: "یہاں فقہ کی ایک بات ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی پر کسی متعین شخص کے ساتھ بدکاری کا الزام لگائے اور پھر دونوں لعان کر لیں تو لعان مرد سے حد کو ساقط کر دے گا (یعنی اس سے حد قذف ساقط ہو جائے گی) اور یہ فرض کر لیا جائے گا کہ مرد نے مقذوف بہ (جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہو) کا ذکر باتبع کیا تھا اور اس قذف کے حکم کو نظرانداز کر دیا جائے گا۔ یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہؓ سے فرمایا تھا کہ: "گواہی لاؤ ورنہ تمہاری پشت پر حد لگے گی" پھر جب دونوں نے لعان کر لیا تو آپؐ نے حد کے سلسلے میں حضرت ہلالؓ سے کوئی تعرض نہیں کیا اور یہ بات کسی بھی روایت میں منقول نہیں ہے کہ مقذوف شریک بن سحماء نے حضرت ہلالؓ کو معاف کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قذف کی بنا پر حضرت ہلال پر جو حد عائد ہونی تھی وہ لعان کی وجہ سے ان سے ساقط ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی ذات سے ضرر دور کرنے کی خاطر وہ اس شخص کا نام لینے پر مجبور تھے جس کے ساتھ بدکاری کا الزام انہوں نے اپنی بیوی پر لگایا تھا' اس لیے ان کی ذات نے انہیں قصداً" مذکورہ شخص کو قذف کرنے اور اسے نقصان پہنچانے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اس شخص کی تعیین کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے جس کے ساتھ بدکاری کا الزام شوہر اپنی بیوی پر لگاتا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ الزام لگانے والے شوہر سے حد قذف صرف اسی صورت میں ساقط ہو گی جب لعان کے اندر وہ مذکورہ شخص کا ذکر کرے اور اس کا نام لے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اسے حد قذف لگے گی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اس پر حد لازم ہو گی اور مذکورہ مرد کو اس حد کے مطالبہ کا حق حاصل ہو گا۔ امام مالک نے کہا ہے کہ شوہر کو حد قذف لگے گی اور بیوی لعان کرے گی۔" (اختتام اقتباس از خطابی)۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حضرت ہلالؓ کی حدیث میں حد قذف کے سقوط کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے کہ یہ مقذوف (جس پر بدکاری کا الزام لگایا گیا ہو) کا حق ہے۔ حدیث میں' یہ وارد نہیں کہ مقذوف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(شریک بن سحاء) نے اس حد کا مطالبہ کیا تھا کہ پھر یہ کہا جا سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ہو گا کہ لعان کی وجہ سے حد قذف ساقط ہو گئی ہے یا یہ کہ قاذف کو حد لگی ہو گی اور اس طرح حکم واضح ہو گیا ہو گا۔ جبکہ قاذف پر حد قذف کا ثبوت اصل ہے اور لعان کی مشروعیت صرف اس لیے ہے کہ شوہر اور بیوی سے حد قذف ٹل جائے۔

۱۰۲۹/۲ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ: «حِسَابُكُمَا عَلَى اللَّهِ، أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ، لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا». قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَالِي. فَقَالَ: «إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا، وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

اور انہی (مذکورہ راوی)(۱) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے جوڑے سے فرمایا: "تم دونوں کا حساب کتاب اللہ کے ذمے ہے۔ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے' (اور شوہر سے فرمایا) اب اس پر تمہارا کوئی بس نہیں چلے گا۔" شوہر نے عرض کیا: "اللہ کے رسول' میرے لیے کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: "اگر تم نے اس کے (بیوی کے) بارے میں سچ کہا ہے تو یہ (مہر) اس کی شرمگاہ کو اپنے لیے حلال کرنے کے بدلے میں ہو جائے گا اور اگر تم نے اس کے بارے میں جھوٹ کہا ہے تو یہ (مہر) تمہاری بیوی کی بہ نسبت تم سے زیادہ دور چلا گیا۔" متفق علیہ۔

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

(۲) آپؐ نے اس فقرے کی وضاحت اپنے اگلے فقرے کے ذریعے فرما دی۔

(۳) یعنی اگر ان میں سے ایک جھوٹا ہے تو اللہ خود اسے اس کی سزا دے گا۔

(۴) یہ دونوں کے درمیان علیحدگی کا اظہار ہے' جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۵) اس سے ان کی مراد وہ مہر ہے جو انہوں نے اپنی بیوی کو دیا تھا۔

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۷ ص ۱۷' مسلم شریف حدیث ۵ من اللعان' سنن ابی داؤد ۲۲۵۷' سنن نسائی باب ۴۵ من الطلاق' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱' السنن الکبریٰ ج ۷' ۴۰۱' ۴۰۴' ۴۰۹' سنن سعید بن منصور ۱۵۵۶' التمہید ج ۶ ص ۲۰۱' فتح الباری ج ۹ ص ۴۵۷' ۴۹۶' مشکوۃ المصابیح ۳۳۰۶' بدائع المنن ۱۶۷۳' مسند شافعی ۲۵۸' معانی الآثار ج ۳ ص ۱۵۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر حدیث نے دونوں کے درمیان علیحدگی کی بات بیان کر دی نیز یہ کہ ان دونوں میں سے ایک فرد حقیقت کے اعتبار سے جھوٹا ہے اور اس کا حساب کتاب اللہ کے ذمہ ہے نیز یہ کہ شوہر نے بیوی کو جو مہر دیا تھا وہ اس سے واپس نہیں لے گا اس لیے کہ اگر وہ زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے تو بیوی اس مہر کی اس بنا پر مستحق ہو گی کہ اس نے اس کے بدلے اس کی شرمگاہ کو اپنے لیے حلال کیا تھا اور اگر وہ جھوٹا ہے تو بھی بیوی اس مہر کی مستحق قرار پائے گی اور اس سے مہر کی واپسی زیادہ بعید بات ہو گی اس لیے کہ اس نے اس کے بارے میں جھوٹ کہہ کر اسے ذلیل کیا اس لیے اب وہ دیا ہوا مہر کس طرح اس سے واپس لے سکے گا۔

۱۰۳۰/۳ - وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَبْيَضَ سَبِطاً، فَهُوَ لِزَوْجِهَا، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ جَعْداً، فَهُوَ لِلَّذِي رُمِيَتْ بِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس عورت پر نظر رکھو' اگر اس کے ہاں ایک سفید رنگ کے پوری خلقت اور قد والے بچے نے جنم لیا تو وہ اس کے شوہر کے نطفے سے ہو گا اور اگر سیاہ پلکوں والے گھنگھریالے قد کے بچے نے جنم لیا تو وہ اس شخص کے نطفے سے ہو گا جس کے ساتھ عورت پر اس کے شوہر نے بدکاری کا الزام لگایا ہے"۔ متفق علیہ۔

(۱) سبطا (حرف سین پر زبر' حرف باء کے نیچے زیر اور اس کے بعد حرف طاء کے ساتھ) پوری خلقت اور قد والا۔

(۲) اکحل (الف پر زبر اور کاف ساکن) ایسا انسان جس کی آنکھوں کے اوپر نیچے کے پپوٹوں میں پلکوں کی جڑیں اس طرح سیاہ ہوں گویا کہ ان میں سرمہ لگا ہوا ہے۔

(۳) جعدا" (حرف جیم پر زبر' عین ساکن اور پھر حرف دال) پستہ قد

(۴) شیخین کی ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ اس عورت کے ہاں جس بچے نے جنم لیا وہ ناپسندیدہ صفت کے مطابق تھا۔ احادیث میں اس بچے کی دیگر صفات بھی ثابت ہیں۔ شیخین اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم مادر میں موجود اس بچے کی صفات گنوانے کے بعد فرمایا: "اے اللہ' واضح فرما دے" اور اس کے بعد مذکورہ شخص نے ایسے بچے کو جنم دیا جو شکل و صورت میں اس شخص کے مشابہ تھا

---

(۱) حضرت انسؓ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۶ ص ۱۲۶' مسلم شریف حدیث ۱۳ من اللعان سنن ابی داؤد ۲۲۴۸' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۷۲' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۴' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۷۸' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۲۲۴' شرح السنۃ ج ۹ ص ۵۶۰' فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے متعلق شوہر نے بتایا تھا کہ اس نے اسے اپنی بیوی کے ساتھ پایا تھا۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حاملہ عورت کا لعان کرنا درست ہے اور وضع حمل تک لعان موخر نہیں کیا جائے گا۔ اس حدیث کی بنا پر جمہور کا یہی مسلک ہے۔ امام ابویوسف' امام محمد' امام احمد' امام ابو حنیفہ (ایک روایت کے مطابق) نیز ہادویہ کا قول ہے کہ حمل کی نفی کے لیے کوئی لعان نہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ عورت کے پیٹ میں بچے کی جگہ ہوا بھری ہوئی ہو' ایسی صورت میں لعان کرنے کا کوئی معنی نہیں ہو گا۔

میں (شارح) کہوں گا کہ یہ تو نص کے مقابلہ میں رائے ہے۔ گویا ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ غیر مرد سے حمل کے محض گمان پر لعان نہیں ہو گا۔ یہ مراد نہیں کہ عورت کے ساتھ غیر مرد کی موجودگی کی بنا پر لعان نہیں ہو گا۔ غیر مرد کی موجودگی کی حالت میں لعان کا ہونا تو نص کی صورت ہے' زیر بحث حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لعان کے ذریعے بچے کے نسب کی نفی ہو جائے گی اگرچہ شوہر نے اپنی قسم میں اس قسم کی نفی نہ بھی کی ہو۔ اہل ظواہر کا یہی مسلک ہے۔ بعض مالکیہ اور امام احمد کے بعض اصحاب کی رائے ہے کہ حمل کی بنا پر لعان صرف اس شرط کے ساتھ درست ہو گا کہ شوہر نہ کہ بیوی بچے کے نسب سے انکار کرے نیز یہ کہ بچہ اگر حمل کی صورت میں ہو اس کے نسب کی نفی درست ہوتی ہے اور پھر وضع حمل کے مابعد تک لعان موخر کر دیا جائے گا۔ لیکن ان دونوں باتوں کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ظاہریہ کا قول ہی حق بات ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہونے والے لعان میں ولد کی نفی نہیں تھی نہ ہی ہم نے یہ بات حضرت ہلالؓ کی حدیث میں اور نہ ہی حضرت عویمرؓ کی روایت میں دیکھی ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لعان صرف ان ہی دو حضرات کی طرف سے ہوا تھا۔ رہ گیا حاملہ عورت کے لعان کا مسئلہ تو یہ ان احادیث سے ثابت ہے۔ امام مالک نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا تھا اور شوہر سے اس کے بچے کی نسب کی نفی کر کے دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی تھی اور بچے کو عورت کے ساتھ ملحق کر دیا تھا۔ حضرت سہیل کی حدیث میں ذکر ہے کہ مذکورہ عورت حاملہ تھی اور شوہر نے اس کے حمل سے انکار کر کے اپنے بچے سے نسب کی نفی کر دی تھی' تاہم یہ روایت بچے کے نسب کی نفی کے شرط ہونے پر دلالت نہیں کرتی اس لیے کہ اس شوہر نے یہ کام اپنی طرف سے کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ حمل کی نفی اور حمل کی بنا پر لعان درست نہیں ہوتا۔ اگر شوہر نے اپنی حاملہ بیوی سے لعان کیا اور پھر اس نے بچے کو جنم دیا تو یہ بچہ شوہر کے ساتھ منسلک ہو جائے گا اور اس کے نسب کی نفی سرے سے ممکن نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ لعان تو زوجین کے درمیان ہوتا ہے اور مذکورہ عورت دوران حمل دونوں کے درمیان لعان کی وجہ سے شوہر سے بائن ہو چکی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ بات اس نص کے مقابلہ میں رائے چلانے کے مترادف ہے جو زیر نظر حدیث سے ثابت شدہ ہے اور مذکورہ بالا حدیث سے بھی جس کی روایت حضرت ابن عمرؓ نے کی ہے۔ اگرچہ امام بخاری نے کہا ہے کہ اس حدیث کا فقرہ "وہ حاملہ تھی" زہری کا کلام ہے۔ لیکن زیر نظر حدیث اس باب کی صحیح اور صریح حدیث ہے۔ اس حدیث میں قیافہ شناسی پر عمل کی دلیل ہے۔ اس قیافہ شناسی کا مقتضایہ تھا کہ اگر بچہ شوہر کی شکل و صورت لے کر پیدا ہوتا تو اسے اس کے باپ کے ساتھ ملحق کر دیا جاتا کیونکہ وہ اپنے باپ کے نطفے سے تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ شناسی کی بنیاد پر نفی اور اثبات کی شکل میں حکم عائد کرنے سے ممانعت یہ فرما کر کر دی کہ "اگر قسمیں نہ ہوتیں تو میں اس عورت کے ساتھ کسی اور طریقے سے پیش آتا۔"

١٠٣١/٤ - وَعَنْ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَرَ رَجُلاً أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ عَلَى فِيهِ، وَقَالَ: «إِنَّهَا مُوجِبَةٌ» رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ(١).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پانچوں بار لعنت کی گواہی کے وقت اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے اور فرمایا: "یہ واجب کرنے والی ہے" اس کی روایت ابو داؤد اور نسائی نے کی ہے اور اس کے رجال یعنی راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث میں اس امر پر دلالت موجود ہے کہ حلف سے منع کرنے میں مبالغہ سے کام لینا حاکم کے لیے مشروع ہے' ایسا کرنا اس خوف کے پیش نظر ہو گا کہ حلف اٹھانے والا کہیں جھوٹا نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وعظ و نصیحت کر کے قول کے ذریعے اس کام سے روکا تھا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور پھر یہاں فعل کے ذریعے اسے روکا۔ اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپؐ نے عورت کے منہ پر ہاتھ رکھنے کا کسی کو حکم دیا ہو' اگرچہ رافعی کا کلام اس امر کا واہمہ پیدا کرتا ہے۔ آپؐ کے ارشاد "یہ واجب کرنے والی ہے" کا مفہوم یہ ہے کہ یہ علیحدگی کو اور جھوٹے کے لیے عذاب کو واجب کرنے والی ہے۔ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ پانچویں بار لعنت کرنا واجب ہے۔

حلف دلوانے کی کیفیت کا ذکر حضرت ہلال بن امیہؓ کو حلف دلانے کی حدیث میں موجود ہے جس کی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلالؓ سے فرمایا

---

(١) حضرت ابن عباسؓ کی روایت "آپؐ نے ایک شخص کو حکم دیا ... الخ" کا حوالہ: سنن ابی داؤد ٢٢٥٥

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اللہ کے نام کا جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے' حلف اٹھا کر کہو کہ میں سچا ہوں۔" حلف اٹھانے والا شخص یہ فقرہ چار مرتبہ دہرائے گا" تا آخر حدیث' حاکم نے کہا ہے کہ یہ طویل حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔

١٠٣٢/٥ ـ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ ـ فِي قِصَّةِ ٱلْمُتَلَاعِنَيْنِ ـ قَالَ: «فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلَاعُنِهِمَا قَالَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ ٱللَّهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا. فَطَلَّقَهَا ثَلَاثاً قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(١).

لعان کرنے والے جوڑے کے واقعہ کے سلسلے میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ جوڑا لعان کرنے سے فارغ ہوا تو شوہر نے کہا: "اللہ کے رسولؐ اگر میں اسے اپنی زوجیت میں رکھوں تو گویا میں نے اس کے بارے میں جھوٹ کہا۔" پھر شوہر نے بیوی کو تین طلاق دے دی قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ایسا کرنے کا حکم دیں۔ متفق علیہ۔

اس مسئلے کی تحقیق پر گفتگو گزر چکی ہے۔

١٠٣٣/٦ ـ وَعَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى ٱلنَّبِيِّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ ٱمْرَأَتِي لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ. قَالَ: «غَرِّبْهَا» قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَتْبَعَهَا نَفْسِي. قَالَ: «فَاسْتَمْتِعْ بِهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَٱلتِّرْمِذِيُّ، وَٱلْبَزَّارُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

وَأَخْرَجَهُ ٱلنَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا بِلَفْظِ قَالَ: «طَلِّقْهَا» قَالَ: لَا أَصْبِرُ عَنْهَا. قَالَ: «فَأَمْسِكْهَا»(٢).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ "میری بیوی کسی ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ کو نہیں ہٹاتی" آپؐ نے فرمایا: "اسے اپنے سے دور کر دو۔" اس نے عرض کیا کہ "میں ڈرتا ہوں کہ میرا دل اس کے پیچھے نہ لگ جائے۔" اس پر آپؐ نے فرمایا: "پھر اس سے لذت اندوزی کرتے رہو۔" ابو داؤد' ترمذی اور بزار نے اس کی روایت کی ہے۔ اور اس کے

---

(۱) اس حدیث کی تخریج حدیث نمبر ۱۰۲۹ کے تحت گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس کی روایت "میری بیوی کسی ہاتھ لگانے والے ... الخ کے حوالے: سنن ابی داؤد باب ۴ من النکاح' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۷۰' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۵۵' نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رجال ثقہ ہیں۔ نسائی نے اس کی تخریج ایک اور طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "آپؐ نے فرمایا "اسے طلاق دے دو" اس شخص نے کہا "مجھے اس کے بغیر چین نہیں آئے گا" اس پر آپؐ نے فرمایا "پھر اسے اپنی زوجیت میں رہنے دو"۔

(۱) غربھا (حرف عین' حرف راء اور حرف باء کے ساتھ) امر حاضر کا صیغہ' "النھایۃ" میں ہے کہ اس کے معنی ابعدھا ہے (یعنی اسے اپنے سے دور کر دو) اس سے آپؐ کی مراد طلاق ہے۔

(۲) نووی نے اس حدیث پر صحت کا اطلاق کیا ہے لیکن ابن الجوزی نے امام احمد سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے اور اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ چنانچہ ابن الجوزی نے اس حدیث کے بارے میں یہی رائے قائم کرتے ہوئے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے' حالانکہ انہوں نے صحیح اسناد کے واسطے سے اس کی تخریج کی ہے۔

مذکورہ شخص کے قول "میری بیوی کسی ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ کو نہیں ہٹاتی" کی تفسیر میں علماء کے دو قول ہیں:

پہلا قول ہے کہ اس کے معنی فجور اور بدکاری کے ہیں نیز یہ کہ جو شخص اس سے بدکاری کرنا چاہتا ہے اسے وہ روکتی نہیں۔ ابو عبید' الخلال' نسائی' ابن العربی اور خطابی کا یہی قول ہے۔ الرافعی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جو عورت زناکاری کے ذریعے فسق کا ارتکاب کر لے اور اس کا شوہر اس کی جدائی برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے واجب نہیں کہ اسے طلاق دے۔

دوسرا قول ہے کہ وہ اپنے شوہر کا مال اڑاتی ہے اور جو کوئی بھی اس سے یہ مال طلب کرتا ہے اسے انکار نہیں کرتی۔ امام احمد اور اصمعی کا یہی قول ہے۔ انہوں نے علمائے اسلام سے یہ قول نقل کیا ہے۔ جن حضرات نے پہلا قول اختیار کیا ہے ان پر ابن الجوزی نے تنقید کی ہے' انہوں نے "النھایۃ" میں لکھا ہے: "یہ دوسرا قول حدیث کے زیادہ مشابہ ہے اس لیے کہ پہلے قول پر ارشاد باری: (و حرم ذلک علی المؤمنین اور اہل ایمان پر یہ بات حرام کر دی گئی ہے۔ سورۂ نور آیت ۳) کی وجہ سے اشکال پڑتا ہے اگرچہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں بہت سے اور معانی بیان ہوئے ہیں"۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ پہلا قول تو انتہائی بعید ہے بلکہ مذکورہ آیت کی موجودگی میں یہ درست نہیں ہو سکتا نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو دیوث (انتہائی بے حس) بن جانے کا حکم نہیں دے سکتے اس لیے زیر نظر فقرے کو پہلے معنی پر محمول کرنا درست نہیں ہو گا۔ دوسرا قول ایک بعید قول ہے' اس لیے کہ اگر مال اڑانا اس کے اپنے مال میں پایا جائے تو اسے اس سے روکنا ممکن ہے' اور اگر شوہر کے مال میں پایا جائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو بھی روکنا ممکن ہے اور یہ بات اسے طلاق دینے کے حکم کو واجب نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں لغت کے اندر یہ محاورہ متعارف ہی نہیں ہے کہ "فلاں شخص ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ کو نہیں ہٹاتا۔" سخاوت سے کنایہ بن جائے' اس لیے اقرب بات یہ ہے کہ مذکورہ فقرے سے مراد یہ ہے کہ وہ عورت بڑی نرم طبیعت کی ہے اور اجنبیوں سے کسی قسم کی نفرت اور وحشت کا اظہار نہیں کرتی۔ یہ معنی نہیں کہ وہ بدکاری کرتی ہے' بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں اسی طبیعت کی ہوتی ہیں حالانکہ بدکاری سے انہیں دور کا واسطہ نہیں ہوتا۔ اگر شوہر مذکورہ فقرے سے مراد یہ لیتا کہ اس کی بیوی اپنے آپ کو غیر مردوں کے ساتھ ہمبستر ہونے سے نہیں بچاتی تو اس صورت میں وہ اسے قذف کرنے والا قرار پاتا۔

۱۰۳٤/۷ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ـ حِينَ نَزَلَتْ آيَةُ الْمُتَلاَعِنَيْنِ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلَى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ، وَلَمْ يُدْخِلْهَا اللَّهُ جَنَّتَهُ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ ـ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ ـ احْتَجَبَ اللَّهُ عَنْهُ وَفَضَحَهُ عَلَى رُؤُوسِ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت لعان کے نزول کے موقعہ پر یہ فرماتے سنا تھا کہ "جو عورت بھی کسی قوم میں ایسے فرد کو داخل کرے گی جو ان میں سے نہیں ہے تو اللہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہو گا اور اللہ اسے اپنی جنت میں داخل نہیں کرے گا' اور جو مرد بھی اپنے ولد کا انکار کرے گا جبکہ وہ اسے دیکھ رہا ہو گا تو اللہ اس سے چھپ جائے گا اور اولین و آخرین کے سامنے اسے رسوا کر دے گا۔" ابو داؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی تخریج کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) یعنی وہ یہ جانتا ہو گا کہ مذکورہ بچہ اس کے نطفے سے ہے۔

(۲) اس حدیث کو تنہا عبداللہ بن یونس نے سعید المقبری سے روایت کیا ہے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ

---

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت "جو عورت کسی قوم میں ایسے فرد کو داخل کر دے . . . الخ" کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۲۶۳' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۷۹' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۳' موارد الضمان ۱۳۳۵' المستدرک ج ۲ ص ۲۰۲' ارواء الغلیل ج ۸ ص ۳۴' مسند شافعی ۲۵۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس کی روایت کی ہے۔ نیز عبداللہ سے صرف یہی حدیث معروف ہے اس لیے اسے صحیح قرار دینا محل نظر ہے۔ دار قطنی نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ اس کی روایت میں عبداللہ تنہا ہیں۔ اس باب میں ابرار نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ابراہیم بن یزید الجوزی ہے۔ امام احمد نے مجاہد کے طریق سے حضرت ابن عمرؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ عبداللہ بن احمد نے "مسند احمد" کے زوائد میں اپنے والد سے اور انہوں نے وکیع سے اس کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں وکیع تنہا ہیں۔ اس حدیث کا مفہوم واضح ہے۔

۱۰۳۵/۸ - وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «مَنْ أَقَرَّ بِوَلَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ». أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَهُوَ حَسَنٌ مَوْقُوفٌ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جو شخص ایک لمحے کے لیے بھی اپنے ولد کا اقرار کر لے تو اس کے نسب کی نفی کا اسے حق نہیں ہو گا۔" بیہقی نے اس کی روایت کی ہے اور یہ روایت حسن اور موقوف ہے۔ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ بچے کی ولدیت کا اقرار کر لینے کے بعد اس کے نسب کی نفی درست نہیں ہوتی۔ اس پر سب کا اجماع ہے' اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ اگر باپ کو بچے کی پیدائش کا علم ہو جائے اور وہ یہ خبر سن کر خاموش رہے' نسب کی نفی نہ کرے تو کیا حکم ہو گا؟ المنوید نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں باپ کے ساتھ بچے کا لزوم ہو جائے گا اگرچہ باپ کو یہ بات معلوم نہ بھی ہو کہ اسے اس کی نفی کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ یہ ایسا حق ہے جو سکوت کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال حق شفعہ رکھنے والے کی طرح ہے جو شفعہ کے حق کے استحقاق کا علم رکھنے سے پہلے اپنا شفعہ باطل کر دے۔ ابو طالب کا مسلک ہے کہ بچے کے بارے میں علم ہونے پر باپ کو اس کے نسب کی نفی کا حق ہوتا ہے اس لیے کہ علم کے بغیر تحیر ثابت نہیں ہوتی' اگر علم ہو جانے پر وہ خاموش رہے تو بچہ اس کے لیے لازم ہو جائے گا اور اس کے بعد نفی کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ اور ایسی صورت میں فوری طور پر یا ٹھہر کر نفی کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا بلکہ اس کا سکوت اس کے اقرار کی طرح ہو گا۔ امام شافعی اور یحییٰ نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں باپ کی طرف سے فی الفور نفی کا اعتبار ہو گا۔ انہوں نے کہا ہے کہ فی الفور کی حد اس وقت تک ہے جب تک یہ عرفاً" تراخی (تاخیر) نہ بنے۔ مثلاً باپ بچے کی خبر سن کر اپنی سواری پر زین کسنے میں یا کپڑے پہننے میں یا اسی طرح کے کسی اور کام میں مشغول ہو جائے تو یہ تراخی شمار نہیں ہو گا۔ اس مسئلے میں ان حضرات نے کئی اور اندازے مقرر کیے ہیں جن کی دلیل رائے کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور بہت سے فروعی مسائل بھی ہیں جن کی بنیاد کسی پختہ اصل پر نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

١٠٣٦/٩ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلاَمًا أَسْوَدَ. قَالَ: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟» قَالَ: حُمْرٌ. قَالَ: «هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَأَنَّى ذَلِكَ؟» قَالَ: لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ. قَالَ: «فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: وَهُوَ يُعَرِّضُ بِأَنْ يَنْفِيَهُ، وَقَالَ فِي آخِرِهِ: وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الاِنْتِفَاءِ مِنْهُ(١).

حضرت ابو ہریرہؓ(١) سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: "اللہ کے رسولؐ میری بیوی نے سیاہ رنگ کے ایک بچے کو جنم دیا ہے۔" آپؐ نے پوچھا: "تمہارے پاس اونٹ ہیں؟" اس نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ آپؐ نے پھر پوچھا: "ان کے رنگ کیسے ہے؟" اس نے جواب دیا کہ سب سرخ رنگ کے ہیں' آپؐ نے پوچھا: "ان میں کوئی خاکستری رنگ کا اونٹ بھی ہے؟" اس نے جواب میں ہاں کہا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "یہ کہاں سے آیا؟" اس نے کہا کہ شاید کسی رگ نے اسے (اپنی طرف) کھینچ لیا ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "شاید تمہارے بیٹے کو بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہے۔" متفق علیہ۔ امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ مذکورہ شخص اپنے بیٹے کی نفی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ حدیث کے آخر میں راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اپنے بیٹے کی ولدیت کی نفی کی رخصت نہیں دی۔"

(١) عبدالغنی نے کہا ہے کہ ان کا نام ضمضم ابن قتادہ تھا۔

(٢) اورق' حرف راء اور حرف قاف کے ساتھ بروزن احمر' ایسی چیز جس کا رنگ سیاہی مائل ہو لیکن سیاہی گہری نہ ہو۔

(٣) نزعہ' حرف نون' حرف زاء اور حرف عین کے ساتھ' یعنی اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

(٤) یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے

---

(١) حضرت ابو ہریرہ کی روایت "ایک شخص نے عرض کیا.... الخ" کے حوالے: بخاری شریف ج ٧ ص ٦٨' ج ٨ ص ٢١٥' ج ٩ ص ١٢٥' مسلم شریف حدیث ١٨' ٢٠ من اللعان' سنن نسائی باب ٤٧' من الطلاق' سنن ابی داؤد باب ٢٨ من الطلاق' سنن ابن ماجہ ٢٠٠٢' مسند احمد ج ٢ ص ٢٣٩' السنن الکبریٰ ج ٧ ص ٢١٨' ٤١١' ج ١٠ ص ٢٥٢' ٢٦٥' فتح الباری ج ٩ ص ٤٤٢' مسند الحمیدی ١٠٨٤' مسند الشافعی ٢٧٠' تفسیر ابن کثیر ج ٨ ص ٣٦٥' معانی الآثار ج ٣ ص ١٠٣

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطابی نے کہا ہے کہ "مذکورہ شخص کا یہ قول زناکاری کی تعریض ہے گویا وہ اپنے بچے کے نسب کی نفی کر دینا چاہتا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا کہ یہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ آپؐ نے مشابہت اور رنگت کے اختلاف کو ایسی دلالت قرار نہیں دیا جس کے مطابق فیصلہ سنانا واجب ہو' اور اس سلسلے میں اونٹوں کے درمیان رنگوں میں اختلاف کی مثال پیش کی حالانکہ مادۂ منویہ ایک ہوتا ہے۔

اس حدیث میں قیاس کا اثبات اور اس بات کا بیان ہے کہ دو مشابہ چیزوں کا مشابہت کی وجہ سے حکم ایک ہوتا ہے۔ خطابی نے مزید کہا ہے کہ امکانی صورت میں حد واجب نہیں ہوتی' بلکہ صریح قذف کی صورت میں واجب ہوتی ہے۔" المہلب نے کہا ہے کہ "اگر تعریض سوال کی صورت میں ہو تو اس میں کوئی حد نہیں' حد اس تعریض میں واجب ہوتی ہے جب آمنے سامنے ہو اور باہم گالی گلوچ پر مبنی ہو۔" ابن المنیر نے کہا ہے کہ "تعریض کے سلسلے میں شوہر اور اجنبی کے درمیان فرق رکھا جائے گا۔ تعریض سے اجنبی کا مقصد محض اذیت رسانی ہوتا ہے اور شوہر کو اس میں نسب کی حفاظت کی نسبت سے بعض وقعہ معذور تصور کیا جاتا ہے۔" قرطبی نے کہا ہے کہ "اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ملتی جلتی رنگتوں مثلاً گندم گوں اور سفیدی سیاہی کی درمیانی رنگت میں اختلاف اور اسی طرح سفیدی اور سیاہی کے درمیان فرق کی بنا پر ولد کی نفی کر دینا جائز نہیں ہے جبکہ شوہر نے مجامعت کا اقرار کیا ہو اور استبراء رحم کی مدت گزری نہ ہو" شرح میں کہا گیا ہے کہ قرطبی نے گویا اپنے مسلک کی بات کی ہے ورنہ شوافع کے نزدیک اختلاف ثابت ہے جس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر اس کے ساتھ زناکاری کا قرینہ موجود نہ ہو تو نفی جائز نہیں ہو گی' اگر شوہر نے بیوی پر ایسے بچے کی تہمت لگائی ہو جس کی رنگت اس شخص سے ملتی ہو جس کے ساتھ زناکاری کی تہمت لگی ہو تو صحیح قول کے مطابق ایسے بچے کی نفی جائز ہو گی۔ حنابلہ کے نزدیک قرینہ کی موجودگی میں نفی مطلقاً" جائز ہو گی۔ اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ زیر نظر حدیث میں اس کا احتمال موجود ہے اس لیے کہ مذکورہ شخص نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اس کے پاس زناکاری کا قرینہ موجود ہے۔ وہ تو محض رنگ کا اختلاف تھا جو اس نے بیان کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ عدت' سوگ اور استبراء وغیرہ کا باب

عدت' حرف عین کے نیچے زیر کے ساتھ' اس مدت کو کہتے ہیں جس کے دوران عورت کو نکاح کے لیے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ انتظار کی یہ صورت شوہر کی وفات یا اس سے علیحدگی کی بنا پر اسے پیش آتی ہے' اور بچے کو جنم دینے یا ایام ماہواری یا مہینوں کے ذریعے گزاری جاتی ہے۔ لفظ احداد' حرف حاء' حرف دال' حرف الف اور پھر حرف دال کے ساتھ' لغت کے اعتبار سے منع کا معنی دیتا ہے اور شرعاً" اس کا مفہوم ہے کہ شوہر کی وفات کی بنا پر عدت گزارنے والی بیوی خوشبو لگانا اور بناؤ سنگھار کرنا چھوڑے رکھے۔

۱۰۳۷/۱ - عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ: «أَنَّ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ، فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ، فَأَذِنَ لَهَا، فَنَكَحَتْ، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ». وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ.

وَفِي لَفْظٍ: «أَنَّهَا وَضَعَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً».

وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: «وَلَا أَرَى بَأْساً أَنْ تَزَوَّجَ وَهِيَ فِي دَمِهَا، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتَّى تَطْهُرَ»(۱).

حضرت مسور بن مخرمہؓ سے مروی ہے کہ سبیعۃ اسلمیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی وفات کے چند دن بعد ہی نفاس والی ہو گئیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور نکاح کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے انہیں اجازت دے دی اور انہوں نے نکاح کر لیا۔ امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے اور اس کی اصل صحیحین میں ہے۔ روایت کے ایک طریق میں ہے کہ شوہر کی وفات کے چالیس دن بعد ان کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی۔ امام مسلم کی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ زہری نے کہا "میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے خون کے دوران نکاح کر لے البتہ نفاس سے پاک ہونے تک اس کا شوہر اس سے قربت نہیں کرے گا"۔

(۱) المسور' حرف میم کے نیچے زیر' سین ساکن' واؤ پر زبر پھر حرف راء

مخرمہ' حرف میم پر زبر' خاء ساکن' راء پر زبر' حضرت مسورؓ کے حالات زندگی کا ذکر گزر چکا ہے۔

(۲) سبیعۃ' حرف سین پر پیش اور پھر حرف باء

---

(۱) حضرت مسور کی روایت کے حوالے: بخاری شریف باب ۳۸ من الطلاق' مسلم شریف باب ۸ من الطلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) شوہر کا نام سعید بن خولہ تھا' حجتہ الوداع کے بعد مکہ میں ان کی وفات ہوئی۔
(۴) بلیال' چند دنوں بعد' مذکورہ دنوں کی تعداد میں بڑا اختلاف ہے' اس لیے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں' بعض کا ذکر آگے آرہا ہے۔
(۵) امام بخاری کی روایت کے ایک طریق میں۔
(۶) یعنی حضرت مسورؓ سے
(۷) یعنی نفاس کے خون آنے کے دوران

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر شوہر وفات پا جائے اور بیوہ حاملہ ہو تو وضع حمل کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی خواہ اس پر چار مہینے دس دن کی مدت نہ بھی گزری ہو۔ اور وضع حمل کے بعد اس کے لیے نکاح جائز ہو جائے گا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ اس حدیث کا جو مفہوم ہے' صحابہ وغیرہ کے جمہور اہل علم کا یہی قول ہے نیز اس ارشاد باری کے عموم کی وجہ سے بھی "و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن" (اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔ سورۂ طلاق آیت ۴) اس آیت کا ماقبل اگرچہ مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے لیکن یہ بات آیت کے عموم کی تخصیص نہیں کرے گی۔ آیت کے عموم کے اس کی اصل پر باقی رہنے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کی تخریج عبداللہ بن احمد نے "مسند احمد" کی روایت میں' الضیاء نے "المختارۃ" میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے عرض کیا" اللہ کے رسولؐ" (و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن) سے تین طلاق یافتہ عورتیں مراد ہیں یا وہ جن کے شوہروں کی وفات ہو گئی ہو؟" آپؐ نے فرمایا: "یہ تین طلاق یافتہ عورتیں اور بیوائیں ہیں۔" ابن جریر' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ اور دار قطنی نے حضرت ابی سے ایک اور طریق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول ﷺ' یہ آیت مشترک ہے یا مبہم؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا کہ کون سی آیت؟ میں نے عرض کیا: (و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن) مطلقہ عورت اور بیوہ دونوں کے لیے ہے؟" آپؐ نے جواب میں ہاں فرمایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات ثابت ہیں جو ان کے اس مسلک پر دلالت کرتی ہیں۔ ابن مردویہ نے ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "چھوٹی سورۂ نساء (و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن) نے ہر عدت کو منسوخ کر دیا ہے' ہر حاملہ عورت کی عدت خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ' وضع حمل ہے۔" ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "چھوٹی سورۂ نساء اس حکم کے سات سال بعد نازل ہوئی جو سورۂ بقرہ میں ہے۔" شیخین' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن جریر' ابن المنذر' ابن مردویہ نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے کہا: "میں' ابن عباسؓ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آکر کہنے لگا کہ مجھے اس عورت کے بارے میں فتویٰ دیجئے جس کے شوہر کی وفات کے چالیس دن بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہو' آیا اس کی عدت ختم ہو گئی یا نہیں؟" ابن عباسؓ نے جواب دیا: "دونوں مدتوں میں سے جو بعد کی مدت ہو گی وہ اسے گزارے گی۔" میں نے کہا ارشاد باری ہے (و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن) ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ آیت مطلقہ کے بارے میں ہے۔ اس پر ابو سلمہ نے کہا: "آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر کسی عورت کا حمل ایک سال تک جاری رہا تو اس کی عدت کتنی ہو گی؟" ابن عباسؓ نے جواب دیا: "دونوں میں سے آخری مدت!" حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں تو اپنے بھتیجے یعنی ابو سلمہؓ کے ساتھ ہوں۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے اپنے غلام کریب کو یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا کہ آیا اس بارے میں کوئی سنت ہے؟ انہوں نے جواب دیا: "سبیعہؓ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر جب شہید ہوئے تو یہ حاملہ تھیں' پھر انہوں نے ان کی وفات کے چالیس دن بعد بچے کو جنم دیا' پھر انہیں پیغام نکاح آگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح پڑھا دیا۔" عبد بن حمید نے اس کی تخریج ابو سلمہؓ سے کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ لوگوں نے مسئلہ پوچھنے کے لیے حضرت عائشہؓ کے پاس کسی کو بھیجا' حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "سبیعہؓ کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔" (حضرت عائشہؓ نے گذشتہ بیانات کی طرح بات بتائی' البتہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ) ان کے شوہر کی وفات کے چند دنوں بعد۔" اس باب میں سلف سے بہت سی روایتیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام عدتوں کے سلسلے میں زیر نظر آیت اپنے عموم پر جاتی ہے نیز یہ کہ سورۂ بقرہ کی آیت کا عموم اس آیت کی بنا پر منسوخ ہو گیا اور اس کے نزول کے مؤخر ہونے پر روایات کی تصریح کی بنا پر مناسب یہی ہے کہ تخصیص یا نسخ کی بات متفق علیہ ہو۔ تاہم ہادویہ وغیرہم کا مسلک اور حضرت علیؓ سے مروی ایک روایت یہ ہے کہ ایسی عورت دونوں میں سے آخری مدت کی عدت گزارے گی یعنی اگر وضع حمل کی عدت چار مہینے دس دن سے آگے زیادہ ہو یا چار مہینے دس دن کی عدت اگر وضع حمل سے زیادہ ہو تو اسی کا اعتبار ہو گا۔ ان حضرات نے اس ارشاد باری سے استدلال کیا ہے۔ "والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا" (اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار مہینے دس دن تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں گی۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۴) ان حضرات کے قول کے مطابق اس آیت میں عموم خصوص من وجہ ہے اور ارشاد باری (و اولات الاحمال اجلھن سورۂ طلاق آیت ۴) بھی اسی طرح ہے اس لیے دونوں دلیلوں پر عمل پیرا ہو کر اور یقینی طور پر حکم بجا لا کر ان کے درمیان تطبیق کی صورت پیدا کر دی گئی بخلاف اس صورت کے جب ان میں سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی ایک پر عمل کیا جائے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سبیعہؓ کی حدیث حکم کے بارے میں نص ہے اور واضح کرتی ہے کہ چھوٹی سورۂ نساء (سورۂ طلاق) کی آیت بیوہ کو بھی شامل ہے اور سبیعہؓ کی اس حدیث کی تائید ان احادیث و آثار سے ہوتی ہے جو آپ پہلے سن چکے ہیں۔ حضرت علیؓ سے مروی روایت کے بارے میں شعبی نے کہا ہے کہ "میں اس بات کی تصدیق نہیں کرتا کہ علیؓ بن ابی طالب یہ کہتے تھے کہ بیوہ کی عدت دونوں مدتوں میں سے بعد کی مدت ہے۔"

زیر نظر روایت میں زہری کا کلام اس بارے میں صریح ہے کہ مذکورہ عورت کے ساتھ عقد نکاح ہو سکتا ہے خواہ وہ ابھی نفاس کے خون سے پاک نہ بھی ہوئی ہو۔ رہ گئی اس کے ساتھ مجامعت کی حرمت' تو اس کی علت یہ ہے کہ ابھی خون آ رہا ہے۔ نووی نے "شرح مسلم" میں کہا ہے کہ "ہمارے اصحاب و غیرہم میں سے اہل علم حضرات نے کہا ہے کہ خواہ حمل ایک بچہ ہو یا ایک سے زائد' اس کی خلقت مکمل ہو چکی ہو یا ناقص الخلقت ہو یا جمے ہوئے خون کی شکل میں ہو یا لوتھڑے کی صورت میں' اس کے پیدا ہوتے ہی عدت گزر جائے گی بشرطیکہ اس میں انسانی خلقت کی صورت ہو خواہ یہ اتنی مدھم ہو کہ صرف عورتیں ہی اس کا پتہ چلا سکتی ہوں یا یہ صورت اتنی واضح ہو کہ ہر شخص اسے پہچان سکتا ہو۔ ابن دقیق العید نے اس بارے میں توقف کیا ہے۔ اس توقف کی وجہ یہ ہے کہ وضع حمل کا اطلاق غالب احوال میں اس حمل پر ہوتا ہے جو مکمل اور تام الخلقت ہو' لوتھڑے یا بستہ خون کا نکلنا بہت نادر ہوتا ہے اور غالب احوال پر محمول کرنا اقویٰ ہوتا ہے۔"

مصنف (حافظ ابن حجر) نے کہا ہے کہ اسی بنا پر امام شافعیؒ سے ایک قول منقول ہے کہ گوشت کی ایسی بوٹی کے خروج سے عدت ختم نہیں ہوتی جس میں انسانی صورت نہ تو واضح ہو اور نہ ہی مدھم ہو۔ تاہم حدیث اور آیت کا ظاہر تو ان صورتوں کے بارے میں مطلق ہے جن کا حمل ہونا متحقق ہو' لیکن جن صورتوں کا حمل ہونا متحقق نہ ہو تو ایسی صورتوں کے وقوع پذیر ہونے سے عدت نہیں گزرے گی کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہو جبکہ عدت یقین کی بنیاد پر لازم ہے اس لیے مشکوک صورت کے تحت اس کا اختتام نہیں ہو گا۔

۱۰۳۸/۲ ـ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: «أُمِرَتْ بَرِيرَةُ أَنْ تَعْتَدَّ بِثَلَاثِ حِيَضٍ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ، لَكِنَّهُ مَعْلُولٌ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بریرہؓ کو تین حیض کے ذریعے عدت گزارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت معلول ہے۔

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کا حوالہ: سنن ابن ماجہ ۲۰۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عدت کا اعتبار ان حضرات کے نزدیک عورت کی بنیاد پر ہو گا جو مملوکہ کی عدت آزاد عورت کی عدت سے کم تر قرار دیتے ہیں۔ عدت کا اعتبار شوہر کی بنیاد پر نہیں ہو گا۔ اظہر قول یہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بریرہؓ کا شوہر غلام تھا۔

۱۰۳۹/۳ ۔ وَعَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . ۔ فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا ۔ وَلَيْسَ لَهَا سُكْنَىٰ وَلَا نَفَقَةٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۲) .

شعبیؒ سے مروی ہے' انہوں نے فاطمہ بنت قیس سے روایت کی ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین طلاقوں والی مطلقہ کے بارے میں آپؐ سے نقل کیا ہے کہ : "اس کے لیے نہ تو رہائش ہو گی اور نہ ہی نفقہ۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) امرت۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور حکم دینے والے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۲) اس حدیث کی تائید میں دیگر روایات بھی ہیں۔

(۳) ان کی کنیت ابو عمرو' نام عامر بن شرحبیل بن عبداللہ الشعبی الہمدانی الکوفی ہے۔ یہ جلیل القدر تابعی اور بڑے پائے کے فقیہ ہیں۔ ابن عیینہ کا قول ہے کہ ابن عباسؓ اپنے زمانے میں اور شعبی اپنے زمانے میں چھائے رہے' حضرت ابن عمرؓ شعبی کے پاس سے گزرے' وہ اس وقت مغازی (غزوات اسلام کے واقعات) بیان کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا : "میں نے غزوات میں حصہ لینے والوں کو دیکھا ہے لیکن یہ یعنی شعبی ان مغازی کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔" زہری نے کہا ہے کہ : علماء چار ہیں' ابن المسیب مدینہ میں' شعبی کوفہ میں' حسن بصری بصرہ میں اور مکحول شام میں۔" شعبی کی ولادت حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ہوئی جس طرح کہ ذہبی کی۔ "الکاشف" میں مذکور ہے' ایک قول کے مطابق حضرت عثمانؓ کی خلافت کے چھ سال گزر جانے پر ان کی ولادت ہوئی' ان کی وفات ۱۰۴ ہجری میں ہوئی اس وقت ان کی عمر باسٹھ برس تھی۔

زیر نظر روایت اس بات کی دلیل ہے کہ تین طلاقوں والی مطلقہ کا نہ تو نفقہ ہو گا اور نہ ہی رہائش کی سہولت ہو گی۔ اس مسئلے میں اختلاف رائے ہے' حدیث سے حاصل شدہ مفہوم پر حضرت ابن عباسؓ' حسن بصری' عطاء' شعبی' امام احمد (ایک روایت کے مطابق) القاسم' اسحاق اور ان کے اصحاب داؤد' تمام

---

(۱) شعبی کی روایت کا حوالہ : مسلم شریف' کتاب الطلاق کی حدیث ۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل الحدیث اور امامیہ کا عمل ہے اور یہی حدیث ان کے استدلال کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ عمر بن عبدالعزیز' احناف' سفیان ثوری وغیرھم اس بات کے قائل ہیں کہ اس کے لیے نفقہ بھی واجب ہے اور رہائش بھی' پہلی بات پر ان کا استدلال اس ارشاد باری سے ہے "فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن" (ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ بچے کو جنم دے دیں ۔ سورۂ طلاق آیت ۶) یہ حاملہ کے بارے میں ہے اور رجعی طلاق میں مطلقہ کے لیے نفقہ کے وجوب پر جو اجماع ہے اس سے بھی ان حضرات نے استدلال کیا ہے۔ دوسری بات پر انہوں نے اس ارشاد باری سے استدلال کیا ہے "اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم" (انہیں بھی اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو' جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔ سورۂ طلاق آیت ۶) الہادی اور دیگر لوگوں کا مسلک ہے کہ زیر بحث مطلقہ کے لیے نفقہ واجب ہو گا رہائش واجب نہیں ہو گی۔ ان کا استدلال یہ ارشاد باری ہے "وللمطلقات متاع" (اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے سامان زیست ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۴۱) دوسری وجہ یہ ہے کہ رجعی طلاق یافتہ کی طرح تین طلاق یافتہ بھی طلاق دینے والے کی وجہ سے پابندی میں جکڑی ہوتی ہے۔ البتہ اس کے لیے رہائشی سہولت واجب نہیں ہو گی اس لیے کہ ارشاد باری (من حیث سکنتم) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی رہائش بھی وہیں ہو گی جہاں شوہر کی ہو گی اور یہ صورت حال باہمی اختلاط کی مقتضی ہو گی جبکہ اختلاط کی گنجائش صرف طلاق رجعی پانے والی مطلقہ کی صورت میں ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے قول کے مطابق فاطمہ بنت قیس کی روایت میں طعن کی چند ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے اس سے استدلال کمزور ہو جاتا ہے۔ اس طعن کا خلاصہ چار باتوں تک محدود ہے:

اول: عورت کے راوی ہونے کی صورت میں دو عادل راویوں کا ہونا ضروری ہے جو روایت کے اندر اس کی متابعت کر رہے ہوں۔

دوم: یہ روایت ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔

سوم: فاطمہ بنت قیس کا شوہر کے مکان سے نکل جانا اس بنا پر نہیں تھا کہ انہیں رہائش کا حق حاصل نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی زبان درازی کی وجہ سے شوہر کے رشتہ داروں کو تکلیف پہنچاتی تھیں۔

چہارم: ان کی روایت حضرت عمرؓ کی روایت کی معارض ہے۔

ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ راوی کا عورت ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے کیونکہ خواتین کے ذریعے بہت سی سنتیں ثابت ہوئیں۔ اس بات کا علم ہر اس شخص کو ہے جسے سیرت اور صحابہ کی اسانید کی معرفت ہے۔ رہ گیا حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ "ہم ایک عورت کے قول پر جس کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھلا دیا تھا' اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ترک نہیں کر سکتے" دراصل فاطمہ بنت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیس کی قوت حافظہ کے بارے میں تردد کا اظہار ہے ورنہ انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے منقول بہت سی احادیث کو قبول کیا تھا۔ فاطمہ بنت قیس کے حافظہ کے بارے میں ان کا تردد مذکورہ حدیث پر عمل نہ کرنے کے لیے ان کا عذر بن سکتا ہے لیکن ان کا یہ شک دوسروں پر حجت نہیں ہو سکتا۔ رہ گیا یہ اعتراض کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث قرآن کی مخالف ہے یعنی اس آیت کی (لاتخرجوھن من بیوتھن انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ سورۂ طلاق آیت ۱) تو دونوں میں تطبیق دینا ممکن ہے' وہ اس طرح کہ حدیث کو عام کے بعض افراد کی تخصیص پر محمول کیا جائے۔ رہ گئی حضرت عمرؓ کی روایت تو اس سے لوگوں نے ان کا یہ قول "ہمارے نبیؐ کی سنت" مراد لیا ہے جبکہ علوم حدیث کے اندر یہ بات معروف ہے کہ اگر صحابی یہ کہہ دے کہ "فلاں بات سنت میں ہے" تو یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد نے حضرت عمرؓ کے قول کے اس زائد فقرے کا انکار کیا ہے۔ وہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ تین طلاق والی مطلقہ کے لیے نفقہ اور رہائش کا ایجاب (واجب ہونا) کتاب اللہ میں کہاں ہے؟ انہوں نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ سے یہ نقل درست نہیں ہے۔ امام احمد سے یہ ساری باتیں دار قطنی نے نقل کی ہیں۔ رہ گئی حضرت عمرؓ کی یہ حدیث کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ اس کے (مذکورہ مطلقہ کے) لیے نفقہ اور رہائش ہے۔" تو یہ حضرت عمرؓ سے ابراہیم نخعی کی روایت ہے حالانکہ ابراہیم نے حضرت عمرؓ سے سماع نہیں کیا تھا کیونکہ ان کی پیدائش حضرت عمرؓ کی وفات کے دو سال بعد ہوئی تھی۔

یہ کہنا کہ فاطمہ بنت قیس کا اپنے شوہر کے گھر سے نکل جانا اس بنا پر تھا کہ وہ اپنی زبان درازیوں سے اس گھر کے افراد کو ایذا دیتی تھیں تو یہ ایسی بات ہے جو ان کی روایت حدیث کے مفہوم سے کوئی جوڑ نہیں رکھتی۔ اگر وہ رہائش کا استحقاق رکھتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض ان کی بدزبانی کی وجہ سے ان کا یہ حق ساقط نہ کر دیتے بلکہ انہیں نصیحت فرماتے اور اپنے شوہر کے اہل خاندان کی ایذارسانی سے انہیں روکتے۔ زیر نظر حدیث کو رد کرنے کے لیے طعن کی مذکورہ بالا چار باتوں کا ضعف کسی سے مخفی نہیں ہے اس لیے حق بات تو وہی ہے جو زیر نظر حدیث سے معلوم ہوئی ہے۔ "الھدی النبوی" میں ابن القیم نے فاطمہ کی حدیث پر عمل کی تائید میں بڑی طویل بحث کی ہے۔

٤/ ١٠٤٠ - وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً، وَلَا تَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوغاً، إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ، وَلَا تَكْتَحِلُ، وَلَا تَمَسُّ طِيباً، إِلَّا إِذَا طَهُرَتْ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ، وَلأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ مِنَ الزِّيَادَةِ: «وَلاَ تَخْتَضِبْ». وَلِلنَّسَائِيِّ. «وَلا تَمْتَشِطُ»(۱).

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی عورت کسی میت کا تین دن سے زائد سوگ نہ منائے سوائے شوہر کے سوگ کے جس کی مدت چار مہینے دس دن ہے۔ وہ رنگ دار کپڑے نہ پہنے' الا یہ کہ وہ دھاری دار چادر ہو' وہ سرمہ نہ لگائے' نہ ہی کوئی خوشبو لگائے الا یہ کہ وہ عود ہندی یا اظفار (ایک قسم کی خوشبو) تھوڑا سا لے کر لگا لے۔" متفق علیہ۔ یہ امام مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں یہ اضافہ ہے "اور وہ خضاب نہ لگائے" نسائی کی روایت میں ہے "اور کنگھی نہ کرے"۔

(۱) ان کا نام نسیبہ (حرف نون پر پیش اور حرف سین پر زبر کے ساتھ) ہے۔ یہ صحابیہ ہیں اور کتب حدیث میں ان کی کئی حدیثیں درج ہیں۔

(۲) لاتحد (حرف مضارع پر پیش اور حرف حاء کے نیچے زیر' حرف حاء پر پیش بھی جائز ہے۔ اس صورت میں حرف لا نافیہ ہو گا اور پہلی صورت میں یہ لائے نہی ہو گا۔

(۳) عصب (حرف عین پر زبر' صاد ساکن اور اس کے بعد حرف باء) "النهاية" میں مذکور ہے یہ یمن کی بنی ہوئی دھاری دار چادریں ہوتی ہیں۔ ان کے دھاگوں کو یکجا کر کے باندھ دیا جاتا ہے اور پھر ان پر رنگ چڑھا کر انہیں پھیلا دیا جاتا ہے اور اس طرح ان پر دھاریاں پڑ جاتی ہیں کیونکہ دھاگوں کے جن حصوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے وہ سفید رہ جاتے ہیں اور ان پر رنگ نہیں لگتا۔

(۴) قسط (حرف قاف پر پیش' سین ساکن) "النهاية" میں ہے کہ یہ خوشبو کی ایک قسم ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ عود ہندی ہے۔

(۵) اظفار' اس کی تفسیر آگے آ رہی ہے (یہ بھی ایک قسم کی خوشبودار چیز ہوتی ہے مترجم)

(۶) نبذة (حرف نون پر پیش' باء ساکن اور پھر حرف ذال) یعنی ایک ٹکڑا' تھوڑا سا۔

زیر نظر حدیث میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: کسی بھی میت پر خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور تین دن سے زائد سوگ منانا عورت کے لیے حرام ہے

---

(۱) حضرت ام عطیہؓ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف باب ۴۸ من "الطلاق" مسلم شریف حدیث ۹۳۸ من "الطلاق" سنن ابی داؤد ۲۳۰۲' سنن نسائی ج ۶ ص ۲۰۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین دن تک اس کا جواز ہے۔ البتہ صرف شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن منایا جائے گا۔ ابوداؤد نے "المراسیل" میں عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے والد کا سات دن تک اور اس کے سوا دیگر اقرباء کا تین دن تک سوگ منانے کی اجازت دی ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ ام عطیہ کی حدیث میں مذکور نہی کے عموم سے باپ کی تخصیص کر دے گی مگر یہ مرسل روایت ہے اور اس میں تخصیص کی قوت نہیں ہوتی۔

دوسرا مسئلہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ (امراۃ' عورت) اپنے مفہوم کے اعتبار سے نابالغ لڑکی کے لیے نہیں استعمال ہوتا ہے۔ اس پر اپنے شوہر کا سوگ منانا واجب نہیں ہو گا اور شوہر کے سوا کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ منانے سے اسے روکا نہیں جائے گا۔ احناف اور الہادی کا یہی مسلک ہے۔ جمہور کا مسلک ہے کہ نابالغ لڑکی بھی حدیث کے عموم میں داخل ہے اور عورت کا ذکر اکثر احوال کے اعتبار سے ہوا ہے۔ اسے خوشبو وغیرہ لگانے سے روکنے کی ذمہ داری اس کے ولی پر ہو گی نیز یہ کہ نابالغہ پر بالغہ کی طرح عدت واجب ہے اور اسے پیغام نکاح بھیجنا حلال نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (علیٰ میت' کسی بھی میت پر) اس بات کی دلیل ہے کہ مطلقہ پر کوئی سوگ نہیں ہے۔ اگر رجعی طلاق ہو تو اس پر اجماع ہے اور اگر بائن طلاق ہو تو جمہور کا مسلک ہے کہ اس پر کوئی سوگ نہیں ہے۔ امام شافعی' امام مالک اور الہادی کا یہی قول ہے اور امام احمد سے ایک روایت یہی ہے کیونکہ آپؐ کے ارشاد (علیٰ میت) کا ظاہر یہی ہے اگرچہ بطور مفہوم مخالف ہے تاہم اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ سوگ کرنے کی مشروعیت ان باتوں کو ختم کرنے کے لیے ہے جو جماع کی ترغیب دیتے ہوں' یہ بات بیوہ کے حق میں اس بنا پر تھی کہ شوہر کی طرف اس کی واپسی محال تھی جبکہ بائن طلاق والی مطلقہ کے لیے تین طلاق یافتہ نہ ہونے کی صورت میں نئے عقد کے تحت شوہر کی طرف واپسی درست ہوتی ہے۔ کچھ دوسرے حضرات جن میں حضرت علیؓ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور زید بن علی شامل ہیں اس مسلک کے قائل ہیں کہ بیوی پر قیاس کرتے ہوئے بائن مطلقہ پر بھی سوگ واجب ہے۔ کیونکہ عدت کے مسئلے میں یہ دونوں شریک ہیں اور صرف عدت کے اسباب دونوں کے اندر مختلف ہیں' نیز یہ کہ عدت نکاح کو حرام کر دیتی ہے اس لیے نکاح کے محرکات بھی حرام ہوں گے۔ پہلا قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ واضح ہے۔

چوتھا مسئلہ : زیر نظر حدیث کے اندر سوگ کے وجوب پر کوئی دلالت نہیں ہے بلکہ مرجانے والے شوہر پر سوگ کی حلت پر اس کی دلالت ہے۔ تاہم اکثر علماء نے سوگ کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے کیونکہ ابوداؤد نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ : "ابو سلمہ کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے ان کی وفات پر اپنی آنکھوں میں برف لگا رکھا تھا۔" پوری حدیث آگے آئے گی۔ نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس کی سند میں غرابت ہے (یعنی یہ حدیث غریب ہے۔ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی صرف ایک ہو۔ مترجم) انہوں نے مزید کہا ہے کہ امام شافعی نے امام مالک سے اس کی روایت کی ہے کہ انہیں ام سلمہؓ سے یہ روایت پہنچی ہے اور پھر انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس بات کی وجہ سے مذکورہ حدیث کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ اشارہ بھی مل جاتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ سوگ کے وجوب کا قول اس روایت کی بناء پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس عورت کا شوہر وفات پا جائے وہ زرد رنگ نیز گیروے رنگ کے کپڑے نہیں پہنے گی نہ ہی زیورات پہنے گی' نہ ہی خضاب لگائے گی اور نہ ہی سرمہ لگائے گی۔" حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد عمدہ ہے تاہم بیہقی نے حضرت ام سلمہؓ سے موقوف صورت میں اس کی روایت کی ہے۔ حسن بصری اور شعبی کا مسلک ہے کہ تین طلاق والی مطلقہ اور بیوہ سرمہ لگائیں گی' سر میں کنگھی کریں گی' خوشبو لگائیں گی' گلے میں ہار ڈالیں گی' جوتے پہنیں گی اور جو چاہیں گی کریں گی۔ انہوں نے امام احمد کی روایت سے جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے' استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے مروی ہے' وہ فرماتی ہیں کہ جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے تیسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "آج کے دن کے بعد سوگ نہ کرو" یہ امام احمد کی روایت کے الفاظ ہیں' علاوہ ازیں ان کے دیگر الفاظ بھی ہیں جو سب کے سب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا تھا کہ تین دن گزر جانے کے بعد وہ سوگ نہ منائیں۔ یہ روایت سوگ کے بارے میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی احادیث کی ناسخ ہے کیونکہ مذکورہ حدیث ان احادیث سے بعد کی ہے اس لیے کہ حضرت ام سلمہؓ کو ان کے شوہر کی وفات کے بعد سوگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ان کی وفات حضرت جعفرؓ کی شہادت سے پہلے ہوئی تھی۔ جمہور نے حضرت اسماءؓ کی حدیث کے ساتھ جوابات دیئے ہیں جو سب کے سب محض تکلف ہیں اور انہیں بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

پانچواں مسئلہ: آپؐ کے ارشاد "چار مہینے دس دن" کے بارے میں ایک قول ہے کہ اس مدت کے مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ایک سو بیس دن گزر جانے پر رحم میں موجود حمل کی خلقت مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ یہ مدت راتوں کے اعتبار سے چار مہینے دس دن سے زیادہ ہے اس لیے جمہور کے نزدیک راتوں کے ساتھ ان کے دن بھی مراد ہیں۔ اس بنا پر ایک سو اکیسویں رات جب تک نہیں آئے گی مذکورہ بیوی کسی اور مرد کے لیے حلال نہیں ہو گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا مسئلہ : آپؐ کا ارشاد "رنگ دار کپڑا" اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث میں جن کپڑوں کا استثناء ہے ان کے سوا ہر رنگ دار کپڑے کی ممانعت ہے خواہ وہ کسی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ : "علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سوگ منانے والی کے لیے زرد رنگ کے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے' نہ ہی کسی اور رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے' البتہ سیاہ رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے کی رخصت امام مالک اور امام شافعی نے دی ہے اس لیے کہ سیاہ کپڑے بناؤ سنگھار کے لیے استعمال نہیں ہوتے بلکہ یہ حزن و ملال کا لباس ہے۔ ریشم پہننے کے بارے میں اختلاف ہے۔ شوافع کا زیادہ صحیح قول مطلق ممانعت کا ہے خواہ رنگ وار ہو یا رنگ وار نہ ہو۔ انہوں نے کہا ہے کہ عورتوں کے لیے ریشم پہننے کی اباحت زیب و زینت کی خاطر ہے جبکہ سوگ منانے والی عورت کو زیب و زینت سے روکا گیا ہے ابن حزم نے کہا ہے کہ "مذکورہ عورت فقط رنگ دار کپڑوں سے اجتناب کرے گی اور اس کے لیے ریشمی دھاگوں سے بنا ہوا کپڑا پہننا حلال ہو گا نیز سونے' چاندی' جواہر اور یاقوت کے بنے ہوئے تمام زیورات بھی حلال ہوں گے" ابن حزم دراصل ام عطیہؓ کی حدیث میں مذکور نص کے لفظ پر جم کر رہ گئے ہیں' اور حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کے بارے میں جس کے اندر سوگ کرنے والی کو زرد رنگ اور گیروے رنگ کے کپڑے نیز زیورات پہننے کی ممانعت مذکور ہے' انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ابراہیم بن طہمان کی روایت ہے۔ ابن حزم کے اس قول کی یہ کہہ کر تردید کی گئی ہے کہ ابراہیم کا شمار حفاظ' ثقات اور اثبات (جمع ثبت) میں ہوتا ہے' ان کی روایت کردہ احادیث کو ائمہ حدیث کی ایک جماعت مثلاً ابن المبارک' امام احمد اور ابو حاتم نے صحیح قرار دیا ہے۔ دراصل ابن حزم نے تحریم کی بنیاد اس نص پر رکھی ہے جو ان کے نزدیک ثابت شدہ ہے اور دیگر حضرات نے اس کی بنیاد زیب و زینت کی علت پر رکھی ہے' دھاری دار چادر کے بارے میں علماء کا قول ہے کہ اگر وہ زیب و زینت کا وسیلہ ہو تو اس کے استعمال کی ممانعت ہو گی' اس ممانعت کے لیے یہ حضرات مناسب تاویل کے ذریعے اس کی اباحت والی حدیث کی تخصیص کرتے ہیں۔ "ثوب عصب" (دھاری دار چادر) کی "النہایۃ" سے منقول تفسیر پہلے گزر چکی ہے' اس کی تفسیر میں علماء کے کئی اور اقوال ہیں۔

ساتواں مسئلہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "وہ سرمہ نہیں لگائے گی" کے اندر سرمہ لگانے سے اسے روکنے کی دلیل موجود ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ خواہ اس کی دونوں آنکھیں ضائع ہو جائیں وہ سرمہ نہیں لگائے گی نہ تو دن کے وقت اور نہ ہی رات کے وقت' ان کی دلیل زیر نظر حدیث اور حضرت سلمہؓ کی متفق علیہ حدیث ہے کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا' لوگوں کو اس کی (عورت کی) آنکھ ضائع ہونے کا خطرہ محسوس ہوا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے اجازت نہیں دی بلکہ دو یا تین مرتبہ "نہیں" کا لفظ فرمایا۔

جمہور ائمہ یعنی امام مالک' امام احمد اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مسلک ہے کہ علاج کے طور پر اثمد (ایک خاص قسم کے پتھر کا) سرمہ لگانا جائز ہے' ان کا استدلال ابو داؤد کی حضرت ام سلمہؓ سے روایت کردہ حدیث پر ہے کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف تھی' اس نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس کسی کو بھیج کر ان سے آنکھیں صاف کرنے والے سرمہ کے بارے میں پوچھا' حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ یہ سرمہ صرف کسی ایسی تکلیف کی بنا پر لگایا جاتا ہے جو سخت ہو اور اسے دور کرنا ضروری ہو' تم اسے رات کے وقت لگا لیا کرو اور دن کے وقت اسے آنکھوں سے صاف کر دو' پھر حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: "ابو سلمہ کے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے" پھر انہوں نے آنکھوں میں برف لگانے کی حدیث بیان کی۔ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی یہ حدیث ان کی روایت کردہ اس حدیث کے خلاف ہے جو آنکھوں کے ضائع ہو جانے کے خطرے کے باوجود سرمہ لگانے سے روکتی ہے۔ دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق دینا ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حالت میں سرمہ لگانے سے روکا تھا اس کے متعلق آپؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس میں سرمہ لگانے کی ضرورت شدید نہیں ہے اور سرمہ لگانا ضروری نہیں ہے۔ رات کے وقت سرمہ لگانے کی اباحت اس لیے کر دی تاکہ اس طریقے سے تکلیف دور ہو جائے"۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ امر مخفی نہیں کہ حضرت ام سلمہ کا فتویٰ برف پر سرمے کو قیاس کرنا ہے' اور ثابت شدہ نص نیز متعہ و مواقع پر نہی کے ہوتے ہوئے ان حضرات کے نزدیک قیاس پر عمل نہیں کیا جائے گا جو سوگ کے وجوب کے قائل ہیں۔

۱۰۴۱/۵ - وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: جَعَلْتُ عَلَى عَيْنِي صَبِرًا، بَعْدَ أَنْ تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ، فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ وَانْزِعِيهِ بِالنَّهَارِ، وَلَا تَمْتَشِطِي بِالطِّيبِ، وَلَا بِالْحِنَّاءِ، فَإِنَّهُ خِضَابٌ». قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْتَشِطُ؟ قَالَ: «بِالسِّدْرِ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ(۱)

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "ابو سلمہ کی وفات کے بعد میں نے اپنی آنکھوں

---

(۱) حضرت ام سلمہؓ کی حدیث "یہ چہرے کو جوان کر دیتی ہے" کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۳۰۵' سنن نسائی ج ۶ ص ۲۰۴' مشکل الآثار ج ۲ ص ۴۹' میزان الاعتدال ۸۷۱۳' الدر المنثور ج ۱ ص ۲۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں برف لگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ چہرے کو جوان کر دیتی ہے اس لیے صرف رات کے وقت اسے لگا لیا کرو اور دن کے وقت اسے ہٹا دو' اور خوشبو کے ساتھ سر میں کنگھی نہ کرو' نہ ہی مہندی کے ساتھ کیونکہ یہ خضاب ہے۔" (یعنی بالوں کو رنگ دیتی ہے) میں نے عرض کیا: "پھر میں کس چیز کے ذریعے بالوں کو کنگھی کروں؟" آپؐ نے فرمایا: "بیری کے پتوں کے ساتھ۔" امام ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۱) یشب (حرف مضارع پر زبر کے ساتھ)۔

اس حدیث میں خوشبو کی تحریض کی دلیل ہے اور ہر قسم کی خوشبو کو عام ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: "وہ خوشبو نہیں لگائے گی" لیکن گزشتہ روایات کے اندر حیض سے پاک ہونے کی حالت کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ آپؐ نے انہیں قسط (عود ہندی) اور اظفار (ایک قسم کی خوشبودار چیز) کی اجازت دے دی تھی۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ "قسط اور کست کافور اور قافور کی طرح ہے' دونوں میں سے ہر ایک کے اندر حرف قاف اور حرف کاف جائز ہے" نووی نے کہا ہے کہ قسط اور اظفار دو مشہور قسم کی خوشبودار دھونی ہیں۔"

١٠٤٢/٦ - وَعَنْهَا رضي اللّٰهُ عنْهَا أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يا رَسُولَ اللّٰه، إِنَّ ابْنَتِي مات عَنْهَا زَوْجُها، وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا، أَفَنَكْحلُهَا؟ قَالَ: «لَا» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

اور انہی (مذکورہ راوی) سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا[۲]: "اللہ کے رسول' میرے داماد کی وفات ہو گئی ہے اور میری بیٹی کی آنکھوں میں تکلیف ہو گئی ہے' کیا ہم اسے سرمہ لگا سکتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "نہیں" متفق علیہ۔

(۱) حضرت ام سلمہؓ سے

(۲) افنکحلها (حرف حاء پر پیش) کیا ہم اسے سرمہ لگا سکتے ہیں؟

سرمہ کے بارے میں گفتگو گزر گئی ہے۔ حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ علاج کی غرض سے بھی وہ سرمہ نہیں لگائے گی' اس لیے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ "سوگ والی عورت کو اثمد کا سرمہ لگانے سے بھی منع کیا جائے گا کیونکہ اس کے ذریعے زیب و زینت ہو جاتی ہے۔ رہ گیا توتیا اور عنزروت (سرمے کی دو قسمیں) وغیرہ کا سرمہ

---

(۱) حضرت ام سلمہؓ کی حدیث "ایک عورت نے عرض کیا... الخ کے حوالے: بخاری شریف باب ۴۵ من الطلاق' مسلم شریف حدیث ۶۱ من الطلاق۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں زیب و زینت کی کوئی بات نہیں ہوتی بلکہ یہ آنکھوں کو صحت مند کر دیتا ہے۔" ان کے اس قول پر زیر نظر حدیث کے لفظ سے اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ حضرت ام سلمہؓ نے آنکھوں کے علاج والے سرمہ کے بارے میں پوچھا تھا' اثمد سرمہ کے متعلق خاص طور پر نہیں پوچھا تھا۔ ہاں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ جب سرمہ کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے تو ذہن فوراً اثمد کی طرف جاتا ہے۔

۱۰۴۳/۷ ـ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: طُلِّقَتْ خَالَتِي، فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا. فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «بَلَى جُدِّي نَخْلَكِ، فَإِنَّكِ عَسَى أَنْ تَصَّدَّقِي أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفاً». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میری خالہ کو طلاق ہو گئی' خالہ نے اپنے درختوں سے کھجوریں اتارنے کا ارادہ کیا۔ ایک شخص نے انہیں باہر آنے سے ڈانٹ کر منع کر دیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں' آپؐ نے فرمایا: "ہاں' ہاں' تم اپنے درختوں سے کھجوریں اتارو' ہو سکتا ہے کہ تم اس میں سے کچھ صدقہ کر دو یا نیکی کا کوئی اور کام کر لو!" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) ان تجذ (حرف جیم اور حرف ذال کے ساتھ) جڑ سے کاٹ ڈالنا' "القاموس" میں اسی طرح ہے' اور "النهاية" میں حرف دال کے ساتھ ہے' اس کے معنی کھجور کے درختوں کی کٹائی ہے یعنی ان سے پھل توڑ لینا۔

(۲) امام مسلم نے "باب جواز خروج المعتدة البائن" میں اس کی روایت کی ہے' امام نووی نے باب کا عنوان اسی طرح قائم کیا ہے۔ ابو داؤد اور نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے "میری خالہ کو تین طلاقیں ہو گئیں۔"

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بائن مطلقہ کے لیے دن کے وقت کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔ بلا ضرورت جائز نہیں ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ کسی حاجت یا عذر کی بنا پر رات اور دن کے وقت اس کا نکلنا جائز ہے مثلاً اسے ڈر پیدا ہو جائے اور گھر کے گر جانے کا خطرہ ہو جائے' اگر اسے پڑوسیوں سے یا پڑوسیوں کو اس سے سخت اذیت پہنچے تو مطلقہ کو گھر سے نکال دینا

---

(۱) حضرت جابر کی روایت کے حوالے: مسلم شریف حدیث ۵۵ من الطلاق' سنن ابن ماجہ ۲۰۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۱ تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائز ہو گا کیونکہ ارشاد باری ہے "لاتخرجوھن من بیوتھن ولا تخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة" (انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور یہ خود بھی نہ نکلیں الا یہ کہ کسی ظاہر باہر بے حیائی کا ارتکاب کر لیں ۔ سورۂ طلاق آیت ۱) اور "فاحشة" کی تفسیر شوہر کے رشتہ داروں وغیرھم کے ساتھ بدزبانی سے کی گئی ہے۔ ان حضرات میں سے ایک گروہ کا مسلک ہے کہ دن کے وقت نکلنا مطلقاً" جائز ہے' رات کے وقت نہیں۔ ان کا استدلال زیر نظر حدیث سے ہے اور انہوں نے اسے عدت وفات پر قیاس کیا ہے لیکن یہ بات مخفی نہیں ہے کہ زیر نظر حدیث میں باہر نکلنے کے جواز کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ شاید وہ صدقہ کرے یا نیکی کا کوئی کام کر لے اور یہ بات باہر نکلنے کے لیے عذر بن سکتی ہے۔ بغیر عذر کے باہر نکلنے پر اس کی دلالت نہیں ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں صدقہ کرنے یا نیکی کا کام کرنے کی صرف امید کی گئی ہے۔ اس بات کی اکثر احوال میں ہر دفعہ باہر نکلنے کی صورت میں امید کی جا سکتی ہے۔ زیر نظر حدیث کھجوروں کے اتارنے کے وقت صدقہ کرنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے' نیز اس استحباب پر بھی کہ کھجوروں کے مالک کو نیکی کرنے کا اشارہ دیا جائے اور نیکی کرنے کی اسے یاد دلائی جائے۔

۱۰۴۴/۸ - وَعَنْ فُرَيْعَةَ بِنْتِ مَالِكٍ، أَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ فَقَتَلُوهُ. قَالَتْ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي، فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِي مَسْكَناً يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةً، فَقَالَ: «نَعَمْ». فَلَمَّا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ نَادَانِي، فَقَالَ: «امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ» قَالَتْ: فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً، قَالَتْ: فَقَضَى بِهِ بَعْدَ ذَلِكَ عُثْمَانُ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالذُّهْلِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَغَيْرُهُمْ[1].

فریعہ بنت مالک سے مروی ہے کہ ان کے شوہر اپنے کچھ غلاموں کی تلاش میں نکلے' غلاموں نے انہیں قتل کر دیا۔ وہ کہتی ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے میکے چلے جانے کے بارے میں پوچھا کیونکہ میرے شوہر نے میرے لیے اپنا کوئی مملوکہ مکان نہیں چھوڑا تھا اور نہ ہی خرچہ چھوڑا تھا۔

---

(۱) فریعہ کی روایت کے حوالے : سنن ابی داؤد ۲۳۰۰' سنن ترمذی ۱۲۰۴' سنن نسائی ج ۶ ص ۲۰۰' سنن ابن ماجہ ۲۰۳۱' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۲۰۶' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۳۴' ۴۳۵' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۶۸' موارد الظمان ۱۳۳۲' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۳۹' شرح السنہ ج ۹ ص ۳۰۱' مشکوۃ المصابیح ۳۳۳۲' مسند الشافعی ۲۴۲' سنن سعید بن منصور ۱۳۶۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ جب میں ابھی حجرے کے اندر تھی تو آپؐ نے مجھے آواز دی اور فرمایا: "اپنے گھر ہی میں رہو یہاں تک کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے۔" وہ کہتی ہیں کہ "میں نے چار مہینے دس دن کی عدت اپنے گھر میں گزاری۔" انہوں نے مزید کہا کہ "اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی یہی فیصلہ دیا تھا۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ امام ترمذی' الذھلی' ابن حبان' حاکم وغیرھم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) فریعہ (حرف فاء پر پیش' حرف راء پر زبر اور یاء ساکن اور حرف عین کے ساتھ) حضرت ابو سعید خدری کی بہن ہیں وہ بیعت رضوان میں موجود تھیں اور ان سے ایک روایت مروی ہے۔

(۲) الذھلی (حرف ذال پر پیش کے ساتھ)

(۳) ان سب نے اس حدیث کی تخریج سعد بن اسحق بن کعب سے کی ہے۔ انہوں نے اپنی پھوپھی زینب بنت کعب بن عجرہ سے اور انہوں نے فریعہ سے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ حدیث علمائے حجاز و عراق کے نزدیک معروف و مشہور ہے' عبدالحق نے ابن حزم کی پیروی میں اس روایت میں یہ علت بیان کی ہے کہ زینب مجہول الحال ہے اور سعد بن اسحاق کا عادل ہونا مشہور نہیں ہے۔ پھر اس پر تبصرہ کیا ہے کہ مذکورہ زینب تابعیات میں سے ہیں اور حضرت ابوسعید کی بیوی ہیں اور سعد بن اسحق نے اس خاتون سے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے خاتون کا ذکر کتاب "الثقات" میں کیا ہے۔ ان سے سلیمان بن محمد بن کعب بن عجرہ نے روایت کی ہے۔ یہ ایک تابعی خاتون ہیں جو ایک صحابی کی زوجیت میں تھیں پھر ان سے ثقہ راویوں نے روایت کی اور ان کے بارے میں طعن کا ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ سعد بن اسحق کی توثیق ابن معین' نسائی اور دار قطنی نے کی ہے اور ان سے حماد بن زید' سفیان ثوری' ابن جریج' امام مالک وغیرہم نے روایت کی ہے۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بیوہ اپنے اسی گھر میں عدت گزارے گی جہاں اس نے اس کی نیت کی ہو اور وہاں سے کہیں اور منتقل نہیں ہو گی۔ سلف اور خلف کے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ اس بارے میں صحابہ اور تابعین سے بہت سی روایات اور آثار منقول ہیں۔ امام احمد' امام شافعی' امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "حجاز' شام' مصر اور عراق کے فقہائے امصار کے ایک گروہ کا یہی قول ہے اور حضرت عمرؓ نے مہاجرین و انصار کی موجودگی میں یہی فیصلہ سنایا تھا۔ اس قول کی دلیل حضرت فریعہؓ کی روایت کردہ حدیث ہے۔ اس حدیث پر کسی نے طعن نہیں کیا اور نہ ہی اس کے راویوں کے خلاف کسی نے لب کشائی کی' سوائے ان باتوں کے جو قارئین کے علم میں آ چکی ہیں اور ان کا جواب بھی دے دیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بیوہ کے لیے اس کے شوہر کے مال سے رہائشی سہولت مہیا کرنا واجب ہو گا کیونکہ ارشاد باری ہے (غیر اخراج' نکالے بغیر) اس آیت میں اگرچہ ایک سال تک کھانا اور کپڑا دینے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے تاہم رہائشی سہولت کا حکم عدت کی مدت گزرنے تک باقی ہے۔ امام شافعی نے آیت کے ذریعے استدلال کو جس طرح پختہ اور ثابت کیا ہے اس میں بڑی طوالت ہے۔ سلف اور خلف کے ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ بیوہ کے لیے کوئی رہائشی سہولت نہیں ہے۔ عبدالرزاق نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ عدت کے دوران بیوہ کو گھر سے چلے جانے کا فتویٰ دیتی تھیں۔ عبدالرزاق نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اللہ نے صرف یہ کہا ہے کہ بیوہ چار مہینے دس دن کی عدت گزارے گی۔ یہ نہیں کہا کہ اپنے گھر میں عدت گزارے گی اس لیے وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔" عبدالرزاق نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور صحابہ کی ایک جماعت سے اسی طرح کی روایت کی' الہادی کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ بیوی کے لیے رہائشی سہولت دینا واجب نہیں ہے البتہ یہ واجب ہے کہ وہ اپنے ہی گھر میں رات گزارے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عباس کا مذکورہ بالا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدت کی مدت کا ذکر کیا ہے لیکن رہائش کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رہائش کا مسئلہ سنت سے ثابت ہے یعنی حضرت فریعہ کی روایت سے' نیز کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ البتہ حضرت فریعہؓ کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مذکورہ مکان ان کے شوہر کا نہیں تھا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ بیوہ اس گھر سے کہیں اور نہیں جائے گی جس میں اس کی رہائش کے دوران اس کا شوہر فوت ہوا ہو خواہ یہ گھر شوہر کی ملکیت میں ہو یا ملکیت میں نہ ہو۔ "الھدی النبوی" میں رہائش کے اثبات سے متفرع ہونے والے مسائل پر طویل بحث کی گئی ہے' یعنی آیا یہ رہائشی سہولت اصل ترکہ سے ورثاء پر واجب ہو گی یا نہیں؟ اور کیا بیوہ کسی ضرورت کے تحت اس گھر سے باہر جا سکے گی یا نہیں؟ ان مسائل کے اندر علماء کے مابین بڑے اختلافات بیان ہوئے ہیں اور یہاں ان کا ذکر کر کے بحث کو طول دینے کا زیادہ فائدہ نہیں ہے کیونکہ ان فروعات کے حق میں کوئی پختہ دلیل موجود نہیں ہے۔

جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اس کی رہائش

۱۰۴۵/۹ - وعنْ فاطمة بنْتِ قيْس قالتْ: قُلْتُ: «يا رَسُولَ اللَّهِ، إنَّ زوْجي طَلَّقني ثلاثاً، وأخافُ أنْ يُقْتَحَمَ عليَّ. فأمرَها، فتَحَوَّلتْ» رواهُ مُسْلِمٌ(۱).

(۱) حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا حوالہ: مسلم شریف باب ۶ من الطلاق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت فاطمہ بنت قیس(۱) سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول' میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ غیر شعوری طور پر کوئی فرد مجھ پر دست درازی نہ کر بیٹھے۔" یہ سن کر آپؐ نے انہیں حکم دیا اور وہ منتقل ہو گئیں۔ امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) ان یقتحم' مضارع مجہول کا صیغہ ہے' (ان یقتحم علی) کا معنی ہے "کوئی فرد غیر شعوری طور سے مجھ پر دست درازی نہ کر بیٹھے۔"

اس حدیث پر حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کردہ حدیث کے تحت بحث گزر چکی ہے' اور اس اخذ شدہ حکم پر گفتگو ہو چکی ہے۔ مصنف (حافظ ابن حجر) نے بلاوجہ اس حدیث کا یہاں اعادہ کیا ہے۔

ام ولد کی عدت

۱۰۴۶/۱۰ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : «لَا تُلْبِسُوا عَلَيْنَا : سُنَّةَ نَبِيِّنَا : عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا سَيِّدُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ ، وَأَبُو دَاوُدَ ، وَابْنُ مَاجَهْ ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ، وَأَعَلَّهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِالْانْقِطَاعِ (۱)

[وعن عمرو بن العاص قال لا تلبسوا علينا سنة نبينا عدة أم الولد إذا توفي

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "تم ہم پر ہمارے نبی کی سنت کے بارے میں التباس پیدا نہ کرو۔ ام ولد کے آقا کی وفات پر اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔" امام احمد' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور دار قطنی نے اس میں انقطاع کی علت بیان کی ہے۔

المنذری نے کہا ہے کہ "حضرت عمرو بن العاص کی حدیث میں ابو رجاء مطہر بن طہمان الوراق ہے جس کی تضعیف ایک سے زائد اشخاص نے کی ہے' اس روایت کی ایک تیسری علت بھی ہے یعنی اضطراب کیونکہ اس کی روایت تین صورتوں میں ہوئی ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ یہ منکر حدیث ہے' خلاس نے حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے جس طرح کی روایت قبیصہ نے حضرت عمرو بن العاص سے کی ہے لیکن خلاس بن عمرو کی روایت پر طعن کیا گیا ہے۔ ابن معین اس کی روایت کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔ حضرت علیؓ سے خلاس کی روایت کے بارے میں امام احمد نے کہا ہے کہ "کہا جاتا ہے کہ یہ روایات کتابی شکل میں تھی۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیہقی نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ سے خلاس کی روایت اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔

اس مسئلے میں اختلاف ہے' حضرت عمرو بن العاص کی حدیث سے ثابت شدہ حکم کو اوزاعی' الناصر' اہل ظواہر اور کئی دوسرے لوگوں نے اپنا مسلک بنایا ہے۔ امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور ایک گروہ کا مسلک ہے کہ مذکورہ ام ولد کی عدت ایک حیض ہے اس لیے کہ وہ نہ تو بیوی ہے اور نہ ہی مطلقہ' اس لیے استبراء رحم کے سوا اور کوئی بات نہیں ہو گی اور یہ ایک حیض کے ذریعے ہو جائے گا یعنی اس لونڈی کے ساتھ اس کی تشبیہ ہو گی جس کا آقا وفات پا جائے۔ ایسی لونڈی کے مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ اگر زیر نظر ام ولد کو حیض نہ آتا ہو تو وہ تین ماہ کی عدت گزارے گی اور اسے رہائش کی سہولت ملے گی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اس کی عدت تین حیض ہو گی۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا یہی قول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر عدت جب واجب ہوئی تو وہ آزاد ہو چکی تھی لیکن وہ بیوی نہیں تھی کہ عدت وفات گزارے' نہ ہی لونڈی تھی کہ لونڈی والی عدت گزارے اس لیے واجب ہو گیا کہ آزاد عورتوں والی عدت کے ذریعے یہ استبرائے رحم کرے۔

ہم (شارح) کہیں گے کہ اگر استبراء ہی مراد ہو تو اس کے لیے ایک حیض کافی ہے کیونکہ ایک حیض کے ذریعہ استبراء کا تحقق ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اس کی عدت آزاد عورت کی عدت کا نصف ہو گی یعنی شادی شدہ لونڈی کے ساتھ اس کی تشبیہ ہو گی' تاہم یہ بات ان لوگوں کے نقطہ نظر کے مطابق ہو گی جو اسے درست سمجھتے ہیں اس پر بحث آگے آئے گی۔ ہادویہ نے کہا ہے کہ ام ولد کی عدت کو بائع اور مشتری کی عدت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس کی عدت دو حیض ہو گی کیونکہ یہ حضرات لونڈی کے بائع پر ایک حیض کے ذریعے اور مشتری پر ایک حیض کے ذریعے مذکورہ لونڈی کے استبراء کو واجب کرتے ہیں۔ ام ولد کی عدت کو خرید شدہ لونڈی کی عدت پر قیاس کرنے کے لیے ملکیت کا زوال دونوں میں مشترک علت ہے۔ "نہایۃ المجتہد" میں لکھا ہے کہ "اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس کے متعلق کتاب و سنت خاموش ہیں اور لونڈی اور آزاد عورت کے ساتھ اس کی مشابہت میں تردد ہے' جن لوگوں نے اسے شادی شدہ لونڈی کے مشابہ قرار دیا ہے ان کی بات کمزور ہے اور اس سے زیادہ کمزور ان لوگوں کی رائے ہے جنہوں نے اس کی عدت کو آزاد مطلقہ کے مشابہ کہا ہے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حضرت عمرو بن العاص کی روایت میں جو طعن ہے اس سے قارئین آگاہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے امام احمد اور امام شافعی کا قول اقرب الی الصواب ہے کہ مذکورہ ام ولد ایک حیض گزارے گی' حضرت ابن عمرؓ' عروہ بن الزبیر' قاسم بن محمد' شعبی اور زہری کا یہی قول ہے کیونکہ حکم سے خالی ہونا اور شادی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے سے اسے نہ روکنا اصل ہے اور استبراء رحم ایک حیض سے حاصل ہو جاتا ہے۔

١٠٤٧/١١ - وعَنْ عائشة رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قالَتْ: «إنَّما الأَقْراءُ الأَطْهارُ». أَخْرَجَهُ مَالِكٌ في قصَّةٍ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ (١)

حضرت عائشہ(ا) رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "قرء" سے اطہر مراد ہے امام مالک نے ایک واقعہ کے تحت صحیح سند سے اس کی روایت کی ہے۔

واقعہ وہ ہے جو سیاق حدیث سے معلوم ہوا ہے' امام شافعی نے کہا کہ ہمیں (امام) مالک نے ابن شہاب سے روایت کی ہے' انہوں نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہ کچھ لوگوں نے ان کے ساتھ بحث کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ثلاثة قروء" (تین قروء) تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کہا لیکن "تمہیں معلوم بھی ہے کہ قرء سے کیا مراد ہے' طہر کے لیے لفظ "قرء" بولا گیا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ ہمیں (امام) مالک نے ابن شہاب سے خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا: "ہمارے فقہاء میں سے جسے بھی میں ملا وہ اسی کا قائل نکلا۔" ابن شہاب کی اس سے مراد یہ تھی کہ حضرت عائشہ اس مسئلے میں جس بات کی قائل تھیں' تمام فقہاء بھی وہی کہتے تھے۔

قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلے میں امت کے سلف اور خلف کا اختلاف ہے۔ اگرچہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ قرء (حرف قاف کے پیش اور زبر کے ساتھ) کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ قول باری "ثلاثة قروء" (تین قروء ۔ سورۂ بقرہ آیت ٢٢٨) میں ان دونوں میں سے ایک مراد ہے' دونوں کا مجموعہ مراد نہیں ہے۔ لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ آیت میں سے کون سا معنی مراد ہے۔ بہت سے صحابہ کرام' فقہائے مدینہ' امام شافعی' امام احمد (ایک روایت کے مطابق) اور امام مالک اس سے طہر مراد لیتے ہیں' امام مالک نے کہا ہے کہ یہی وہ بات ہے جس پر میں نے اپنے شہر (مدینہ منورہ) کے اہل علم کو پایا ہے کہ آیت کریمہ میں قرء سے طہر مراد ہے۔ ان کا استدلال حضرت عائشہؓ کی زیر نظر حدیث سے ہے۔" امام شافعی نے کہا ہے کہ "اس معنی کے لیے کتاب اللہ اور لغت کی دلیل موجود ہے۔ کتاب اللہ میں قول باری ہے "فطلقوهن لعدتهن" (انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دو۔ سورۂ طلاق آیت ١) ابن عمرؓ نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا: "جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو پھر اگر وہ (ابن عمر) چاہے تو اسے اپنی زوجیت میں رکھے اور

---

(١) دیکھیے موطا امام مالک ج ٢ ص ٥٧٦

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر چاہے تو طلاق دے دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا کہ بیویوں کو اس کے لیے طلاق دی جائے۔" حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ جب انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب وہ پاک ہو جائے تو پھر اسے وہ (ابن عمر) طلاق دے دے یا اپنی زوجیت میں رہنے دے!" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت کی: "جب تم بیویوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کا سامنا کرنے کے لیے یا عدت کا سامنا کرنے میں طلاق دو" امام شافعی کہتے ہیں کہ "روایت کے الفاظ میں شک مجھے پیش آیا ہے" اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ عدت طہر ہے حیض نہیں ہے۔ اور آپؐ نے تلاوت کی "انہیں ان کی عدت کا سامنا کرنے کے لیے طلاق دو" وہ اس طرح کہ شوہر اپنی بیوی کو حالت طہر میں طلاق دے ایسی صورت میں عورت اپنی عدت کا سامنا کر سکے گی۔ اگر اسے حالت حیض میں طلاق دی گئی تو وہ حیض کے بعد ہی اپنی عدت کا سامنا کرے گی۔"

"جہاں تک لغت ہے تو اس کے مطابق لفظ قرء اسم ہے جس کے معنی حبس کے ہیں۔ عرب کے لوگ کہتے ہیں (ھو یقری الماء فی حوضہ و فی سقاءہ) وہ اپنے جوہڑ میں طعام کو روک رکھتا ہے۔" جب کوئی شخص کسی چیز کو روک رکھے تو عرب کہتے ہیں' (اقراہ) یعنی "اسے چھپا دیا" اعشیٰ کا شعر ہے:

افی کل یوم انت حاشم غزوۃ
تشد لاقصاھا عزیم عزائکا

کیا تو ہر روز ایسی جنگ کی تکلیف اٹھانے پر تل جاتا ہے جس کے دور دراز مقام تک پہنچنے کے لیے تو اپنے صبر کی تیز رفتار سواری پر کجاوہ کس لیتا ہے۔

مورثۃ غزا و فی الحی رفعۃ
لما ضاع فیھا من قروء نسائکا

یہ جنگ تجھے عزت بخشتی ہے حالانکہ قبیلے کے اندر بیٹھ رہنے میں تیرے لیے عزت و رفعت ہے اس لیے کہ جنگ میں جانے کی وجہ سے تیری بیویوں کا زمانہ طہر برباد ہو جاتا ہے۔

درج بالا شعر میں قرء طہر کے معنی میں ہے اس لیے کہ شاعر کے مخاطب نے جنگوں میں شامل ہو کر اپنی بیویوں کے طہر کے دنوں کو ضائع کر دیا اور جنگ میں شمولیت کو گھر بیٹھ رہنے پر ترجیح دی اور اس طرح اس کی بیویوں کا زمانہ طہر مباشرت کے بغیر ضائع چلا گیا۔ یہ شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اقراء سے اطہار مراد ہے۔

سلف کی ایک جماعت مثلاً خلفائے اربعہ' حضرت ابن مسعودؓ اور صحابہ و تابعین کا ایک بڑا گروہ اس بات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا قائل ہے کہ قروء سے حیض مراد ہے' ائمہ حدیث کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کر لیا تھا' ان سے یہ منقول مروی ہے کہ "میں پہلے کہا کرتا تھا کہ قرء کا معنی طہر ہے لیکن آج میں اس بات کا قائل ہوں کہ یہ حیض ہے۔ احناف وغیرہم کا بھی یہی مسلک ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ شارع کی زبان میں لفظ قرء کا استعمال صرف حیض کے معنوں میں ہوا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے (ولا یحل لھن ان یکتمن ماخلق اللہ فی ارحامھن ان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپا جائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہو۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸) مذکورہ چیز حیض اور حمل ہے اس لیے کہ رحم کے اندر ان دونوں سے ایک پیدا ہوتا ہے (یعنی حمل نہ ہو تو حیض پیدا ہوتا ہے اور حمل ہونے کی صورت میں حیض پیدا نہیں ہوتا۔ مترجم) سلف اور خلف نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اپنے اقراء (جمع قرء) کے زمانے میں نماز چھوڑ دو" یہاں کسی نے بھی نہیں کہا کہ اس سے طہر مراد ہے' نیز امام احمد اور ابو داؤد نے غزوۂ اوطاس میں قید ہونے والی عورتوں کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ: "کسی حاملہ سے اس وقت تک مباشرت نہ کی جائے جب تک وضع حمل نہ ہو اور کسی غیرحاملہ سے اس وقت تک وطی نہ کی جائے جب تک اسے ایک حیض نہ آ جائے۔" یہ بات آگے آ رہی ہے۔

قروء سے طہر کے قائلین نے درج بالا آیت کا جواب یہ دیا ہے کہ مذکورہ آیت عورتوں کے رحموں میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو چھپانے کی تحریم کی خبر دے رہی ہے۔ یہ چیز یا تو حیض ہے یا حمل یا دونوں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حیض بھی اس میں داخل ہے لیکن اسے چھپانے کی تحریم اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آیت میں مذکورہ قرء حیض ہی ہے کیونکہ اگر اقراء اطہار ہوں تو چوتھے یا تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی عدت گزر جائے گی۔ اس لیے حیض کو چھپانے سے طہر کے اختتام کی عدم معرفت لازم آئے گی جس کے ذریعے عدت کی تکمیل ہوتی ہے اس لیے قرء سے طہر مراد لینے پر آیت کی دلالت زیادہ واضح اور ظاہر ہو گی۔ استدلال میں پیش کی جانے والی پہلی حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کے الفاظ اس طرح ہیں جس طرح امام شافعی نے اس کی روایت کی ہے' انہوں نے کہا کہ "ہمیں (امام) مالک نے خبر دی کہ انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ ان دنوں اور راتوں کی تعداد کو دیکھے جس کے مطابق اس بیماری کے لاحق ہونے سے پہلے اسے ہر ماہ حیض آتا تھا۔ پھر وہ اتنے ہی دن نماز چھوڑ دے اور پھر (دن گزر جانے پر) غسل کر لے اور نماز پڑھے۔" یہ نافع کی روایت ہے اور نافع سلیمان بن یسار سے بڑھ کر حفظ والے ہیں جو استدلال میں پیش کردہ حدیث کے راوی ہیں" پہلی حدیث کے جواب میں امام شافعی نے جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ بیان ہو گیا۔ استدلال میں پیش ہونے والی دوسری حدیث کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایک حیض کے ساتھ استبراء کے حکم کے ورود میں کوئی شک نہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نص یہی ہے اور جمہور امت کا یہی قول ہے۔ استبراء اور عدت میں فرق یہ ہے کہ عدت کا وجوب شوہر کا حق ادا کرنے کی غرض سے ہوا ہے اس لیے وہ اس کے حق کے زمانے یعنی طہر کے ساتھ خاص ہو گئی' نیز یہ کہ اس میں تکرار ہوتی ہے اس لیے حیض کے واسطے سے اس میں برات رحم معلوم ہو جاتی ہے' بخلاف استبراء کے' اس میں ایسا نہیں ہوتا۔

اس مسئلے میں اختلاف رکھنے والوں نے طرفین سے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اور ہر ایک گروہ اپنے اختیار کردہ مسلک کے حق میں دلیل دیتا ہے' اور تمام دلائل سے حاصل ہونے والی بات کا حاصل یہ ہے کہ قرء کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوا ہے۔ آیت میں ان معانی میں سے کسی ایک کا احتمال ہے جیسا کہ قارئین کو معلوم ہو چکا ہے۔ کم ایک جماعت کے نزدیک یہ لفظ دونوں معنوں میں مشترک ہے تو ان میں سے ایک معنی کی تعیین کے لیے قرینے کی موجودگی ضروری ہو گی۔ اگر یہ لفظ ایک معنی میں حقیقت اور دوسرے معنی میں مجاز ہے تو حقیقت اصل ہو گی لیکن ان حضرات کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہ لفظ حیض کے معنی میں حقیقت اور طہر کے معنی میں مجاز ہے یا اس کے بالعکس ہے؟ اکثر حضرات نے پہلی بات کی ہے بعض لوگوں نے دوسری بات کہی ہے۔ پہلا گروہ آیت کے اندر وارد اس لفظ کو حیض پر محمول کرتا ہے کیونکہ یہ اس کا حقیقی معنی ہے اور تھوڑے لوگ اسے طہر پر محمول کرتے ہیں لیکن دونوں میں سے کسی ایک قول کے تعین کے لیے کوئی بات دلیل کا کام نہیں دیتی کیونکہ لغت میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مجاز کی کچھ علامتیں ہوتی ہیں مثلاً لفظ

۱۰۴۸/۱۲ - وَعَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ». رَوَاهُ ٱلدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَخْرَجَهُ مَرْفُوعاً، وَضَعَّفَهُ.

وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَٱبْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَخَالَفُوهُ، فَاتَّفَقُوا عَلَى ضَعْفِهِ(۱)

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۱۸۹' سنن ترمذی ۱۱۸۲' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۳۸' ۳۹' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۲۶' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۴۱۵' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۱۵۰' المستدرک ج ۲ ص ۲۰۵' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۹۲' مشکوۃ المصابیح ۳۲۸۹' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۶' العلل المتناھیۃ ج ۲ ص ۱۵۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سن کر ذہن کا فوری طور پر ادھر منتقل ہو جانا یا نفی کا درست ہونا وغیرہ لیکن زیر بحث لفظ میں ان علامات کا ظہور کہیں نظر نہیں آتا۔ ابن القیم نے مذکورہ لفظ کے حیض کے معنوں میں ہونے پر طویل دلائل دیئے ہیں اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ سید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "ابن القیم کی دلیل نے ہمیں ان کے قول کے مطابق اس لفظ کے معنی کی تعیین پر مجبور نہیں کیا۔" اگلی حدیث قروء سے حیض مراد لینے کی ایک دلیل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔" دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے اور مرفوع صورت میں اس کی تخریج کر کے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے اس کی روایت کی ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن محدثین نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے اس کے ضعف پر اتفاق کیا ہے۔

(۱) یعنی شادی شدہ لونڈی کی۔

(۲) یعنی حضرت ابن عمرؓ پر موقوف صورت میں۔

(۳) کیونکہ عطیہ عوفی کی روایت ہے اور ایک سے زائد ائمہ نے عطیہ عوفی کی تضعیف کی ہے۔

(۴) اس روایت کے الفاظ ہیں "لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کا قروء دو حیض ہے۔" لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ یہ مظاہر بن مسلم کی روایت ہے جس کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث ہے اور ابن معین نے کہا ہے کہ "ہم نہیں جانتے۔"

(۵) ان وجوہات کی بنا پر جو قارئین کے علم میں آ گئی ہیں' اس سے پہلے مسئلے (قروء بمعنی حیض) کے حق میں استدلال مکمل نہیں ہو گا۔

زیر نظر حدیث سے یہاں یہ استدلال کیا گیا ہے کہ لونڈی کا مسئلہ آزاد عورت سے مختلف ہے' لونڈی دو طلاقوں کے ساتھ اپنے شوہر سے بائن ہو جائے گی اور اس کی عدت دو قروء ہے' اس مسئلے میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ سب سے قوی قول وہ ہے جسے اہل ظواہر نے اختیار کیا ہے کہ غلام اور آزاد کی طلاق یکساں ہیں کیونکہ طلاق کے بارے میں جو نصوص آئے ہیں وہ عام ہیں اور ان سے آزاد اور غلام کے درمیان فرق معلوم نہیں ہوتا۔ دونوں کے درمیان فرق کرنے والے دلائل تمام کے تمام کمزور ہیں' شرح کے اندر ان کا بالتفصیل ذکر ہوا ہے' یہاں ان کا ذکر کر کے بحث کو طول دینے کی چنداں ضرورت نہیں اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہے کہ ان میں سے کسی قول کی کوئی دلیل ہماری نظروں میں دلیل بننے کے قابل نہیں ہے۔ رہ گئی لونڈی کی عدت تو اس کے بارے میں بھی اختلاف رائے ہے۔ ظاہریہ کا مسلک ہے کہ اس کی عدت بھی آزاد عورت کی طرح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حزم نے کہا ہے : "اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب کے اندر عدتوں سے آگاہ کیا ہے' ارشاد باری ہے "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثة قروء" (اور طلاق یافتہ عورتیں تین قروء تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں گی ۔ البقرہ آیت ۲۲۸)' "والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشرا" (تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو یہ بیویاں چار ماہ دس دن تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۴)' "واللائی یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثة اشھر واللائی لم یحضن و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔" (اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملہ میں اگر تمہیں کوئی شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی حکم ان کا ہے جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے ۔ سورۂ طلاق آیت ۴) اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے لیے لونڈیوں کی اباحت کر دی تو ہمیں سکھا دیا کہ ان پر بھی مذکورہ عدتیں ہیں۔ اللہ عزوجل نے اس بارے میں آزاد عورت اور لونڈی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا "اور تیرا رب تو بھولنے والا نہیں۔" ان آیات کے ذریعے ابن حزم کے استدلال پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ یہ تمام آیات آزاد بیویوں کے بارے میں ہیں کیونکہ ارشاد باری "فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ" (تو ایسی صورت میں عورت معاوضہ کے طور پر اپنے شوہر کو کچھ دے اس کا کوئی گناہ دونوں پر نہیں ہو گا ۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۹) آزاد عورتوں کے بارے میں ہے اس لیے کہ لونڈی کا فدیہ اس کا آقا دے گا وہ نہیں دے گی' اسی طرح ارشاد باری "فلا جناح علیھما ان یتراجعا" (تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۰) اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ زوجین کے سپرد کر دیا۔ اس سے عقد مراد ہے جبکہ لونڈی کے سلسلے میں یہ معاملہ آقا کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری ہے "فاذا بلغن اجلھن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف" (جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کر لیں تو اپنے بارے میں معروف طریقے سے وہ جو کچھ کریں اس میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۴) اور لونڈی اپنی ذات کے بارے میں کسی فیصلے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اگر لونڈی مذکورہ بالا آیت میں داخل قرار نہ دی جائے' اور اس کے بارے میں کوئی صحیح سنت بھی ثابت نہ ہو' نہ اجماع اور نہ ہی درست قیاس' تو سوال یہ پیدا ہو گا کہ عدت کے بارے میں اس کا کیا حکم ہو گا؟ اقرب الی الصواب بات یہ ہے کہ وہ شرعی طور پر یقیناً بیوی ہے اس لیے کہ شارع نے ہمارے لیے جن عورتوں کے ساتھ مباشرت کو حلال قرار دیا ہے انہیں دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے یعنی بیوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا مملوکہ لونڈی چنانچہ ارشاد باری ہے: "الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم" (مگر بیویوں پر یا لونڈیوں پر جن کے وہ مالک ہوں) یہاں جس لونڈی کی بحث چل رہی ہے وہ قطعی طور پر ملک یمین (مملوکہ) نہیں ہے۔ اس لیے وہ بیوی ہو گی اور مذکورہ بالا آیات اسے بھی شامل ہوں گی۔ معاوضہ' عقد اور اپنی ذات کے بارے میں معروف طریقے سے کوئی قدم اٹھانے کی باتوں میں مذکورہ لونڈی کا آزاد عورتوں کے حکم سے خارج رہنا عدت کے حکم میں اس کے داخل ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ مذکورہ احکام کچھ اور احکام ہیں جن کے اندر حق کا تعلق آقا کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح نابالغ آزاد لڑکی کے اندر اس کا تعلق اس کے ولی کے ساتھ ہوتا ہے' اس لیے راجح بات یہ ہے کہ زیر بحث لونڈی طلاق اور عدت کے مسئلوں میں آزاد عورت کی طرح ہے۔

۱۰۴۹/۱۳ ـ وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَحَسَّنَهُ الْبَزَّارُ(۱).

حضرت رویفع' بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے آپؐ کے اس ارشاد کی روایت کی: "کسی بھی شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو' جائز نہیں کہ وہ اپنے پانی سے غیر کی فصل سیراب کرے۔" ابو داؤد اور ترمذی نے اس کی روایت کی' ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور البزار نے اسے حسن کا درجہ دیا ہے۔

(۱) رویفع رافع کی تصغیر ہے' ان کے والد مالک ہیں' ان کا تعلق بنی مالک بن نجار سے ہے' ان کا شمار مصریوں میں ہوتا ہے اور ان کی وفات ۴۶ ہجری میں ہوئی۔

اس حدیث میں حاملہ عورت کے ساتھ اس شخص کے علاوہ کسی اور مرد کی مجامعت حرام ہے جس کے نطفے سے وہ حاملہ ہوئی ہو۔ مثلاً خریدی ہوئی لونڈی جو خریدار کے سوا کسی اور سے حاملہ ہو' اسی طرح جنگ میں گرفتار ہونے والی حاملہ عورت' اس مسئلے سے ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت عائد ہو گا جب حمل متحقق ہو۔ اگر حمل متحقق نہ ہو اور قید یا خریداری یا کسی اور وجہ سے لونڈی ملکیت میں آ جائے تو ایک حیض کے ذریعے استبراء کے بغیر اس کے ساتھ وطی جائز نہیں ہو گی۔ اگر زانیہ حاملہ نہ ہو تو کیا اس پر عدت واجب ہو گی

---

(۱) حضرت رویفع کی حدیث کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۱۵۸' سنن ترمذی ۱۱۳۱' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵۰' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۲۴' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۵ ص ۱۵' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۵۲' مشکوۃ المصابیح ۳۳۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا وہ ایک حیض کے ذریعے استبراء رحم کرے گی؟

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض لوگ اس کی عدت کے وجوب کے قائل ہیں۔ جبکہ اکثریت اس کی قائل نہیں ہے۔ تاہم دونوں فریقوں کی دلیل اس قابل نہیں کہ دلیل کا کام دے' اس لیے کہ اکثریت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "بچہ اسی کا ہے جس کا بستر ہے" یعنی بچے کی ماں کا جو شوہر ہو گا بچہ اسی کا ہو گا۔ اس حدیث میں تو صرف اس بات کی دلیل ہے کہ ولدالزنا کے نسب کو زانی کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ جو لوگ عدت کے وجوب کے قائل ہیں انہوں نے دلائل کے عموم سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ بات مخفی نہیں کہ زنا کار عورت ان دلائل کے اندر داخل ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دلائل بیویوں کے بارے میں ہیں۔ البتہ استبراء کی دلیل میں وہ داخل ہے' وہ دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ "کسی حاملہ کے ساتھ اس وقت تک مجامعت نہ کی جائے جب تک اس کا وضع حمل نہ ہو جائے اور غیرحاملہ کے ساتھ اس وقت تک وطی نہ کی جائے جب تک اسے ایک حیض نہ آ جائے۔"

مصنف (ابن حجر) نے "تلخیص الحبیر" میں لکھا ہے کہ "حنابلہ نے حضرت رویفع کی حدیث سے صرف اس پر استدلال کیا ہے کہ زناکاری کی وجہ سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح فاسد ہے اور حنفیہ نے اس پر کہ اس کے ساتھ ہمبستری کی ممانعت ہے۔" انہوں نے مزید لکھا ہے کہ "ہمارے اصحاب نے جواب میں کہا ہے کہ "حضرت رویفع کی حدیث جنگ میں قید ہونے والی عورتوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے' مطلق عورتوں کے بارے میں نہیں۔" اس پر یہ اعتراض ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔

١٤/ ١٠٥٠ - وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - فِي آمْرَأَةِ الْمَفْقُود: «تَـرَبَّصُ أَرْبَعَ سِنِينَ ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً». أَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ(۱).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مفقود شخص (ایسا شخص جو کبھی غائب ہو جائے اور اس کی کوئی خبر نہ ہو) کی بیوی کے بارے میں مروی ہے کہ "وہ چار سال تک انتظار کرے گی پھر چار ماہ دس دن کی عدت گزارے گی۔" امام مالک اور امام شافعی نے اس کی روایت کی ہے۔

یہ روایت کئی اور طرق سے بھی مروی ہے۔ اس کے متعلق ایک قصہ بھی ہے جس کی تخریج عبدالرزاق نے اپنی سند کے واسطے سے اس مفقود کے بارے میں کی ہے جس نے کہا کہ: "میں گھاٹی میں داخل ہوا مجھے جنات نے پکڑ لیا۔ میں وہاں چار برس رہا' میری بیوی امیرالمومنین حضرت عمر

---

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کا حوالہ: موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ ان کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرنے کے وقت سے لے کر چار برس تک وہ انتظار کرے۔ پھر انہوں نے مفقود یعنی میرے ولی کو بلایا۔ ولی نے اسے طلاق دے دی اور پھر انہوں نے اسے چار مہینے دس دن کی عدت گزارنے کا حکم دیا پھر جب اس نے نکاح کر لیا تو اس کے بعد میں آ گیا۔ حضرت عمرؓ نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا۔ یا تو اسے حسب سابق بیوی بنا لوں یا پھر اسے اس کی موجودہ زوجیت میں چھوڑ کر اپنا دیا ہوا مہر واپس لے لوں۔" ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ سے اس کی روایت کی ہے۔ بیہقی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ مفقود کے قصے کی تخریج بیہقی نے بھی کی ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ جب مفقود واپس آ گیا تو اس نے حضرت عمرؓ کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ : "میں عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکلا' مجھے جنات نے گرفتار کر لیا اور میں ایک عرصے تک ان کے ساتھ رہا۔ ان جنات پر مومن یا مسلم جنات نے چڑھائی کر دی اور جنگ میں ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کے بہت سے افراد کو قیدی بنا لیا۔ انہوں نے مجھے بھی قیدی بنا لیا' اور مجھ سے کہا کہ "ہم تو تمہیں ایک مسلمان شخص دیکھ رہے ہیں' ہمارے لیے تمہیں قیدی بنانا حلال ہی نہیں۔" پھر انہوں نے مجھے وہیں قیام کرنے یا واپس چلے جانے کا اختیار دیا۔ میں نے اپنے اہل و عیال میں واپس جانے کو اختیار کر لیا۔ پھر وہ میرے ساتھ چل پڑے۔ رات کے وقت تو وہ مجھ سے کوئی بات نہ کرتے اور دن کے وقت تیز آندھی پیچھے پیچھے آتی۔" حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ ان کے ساتھ تم کیا کھاتے تھے؟ اس نے جواب دیا "لوبیا اور ایسے جانوروں کا گوشت جن پر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔" پھر پوچھا کہ پیتے کیا تھے؟ انہوں نے جواب دیا : "جدف" قتادہ کہتے ہیں کہ جدف اس مشروب کو کہتے ہیں جس میں ابھی نشہ پیدا نہ ہوا ہو۔

اس روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ مفقود کی بیوی جس دن اپنا معاملہ حاکم کے سامنے پیش کرے اس دن سے چار ماہ دس دن کے بعد وہ اپنے شوہر سے بائن ہو جائے گی' جیسا کہ کتاب کی روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ ابن ابی شیبہ کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حاکم وقت مفقود کے ولی کو مفقود کی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے گا۔

امام مالک' امام احمد' اسحاق اور امام شافعی کا (ایک قول کے مطابق) نیز صحابہ کرام کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے اور ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا طریق کار ہے۔ امام ابو یوسف' امام محمد' امام ابو حنیفہ (ایک قول کے مطابق) اور امام شافعی کا (ایک قول کے مطابق) مسلک یہ ہے کہ مذکورہ بیوی مفقود کی زوجیت سے اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک اسے اپنے شوہر کی موت یا اس کی طلاق یا اس کے ارتداد کا صحیح علم نہ ہو جائے۔ اس کا یقین حاصل کرنا ضروری ہے۔ ان حضرات کے قول کے مطابق عورت کا عقد یقینی طور پر ثابت ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے یقینی بات کی بنا پر ہی عقد ختم ہو گا۔ اس پر امام شافعی کی حضرت علیؓ سے موقوف روایت دلالت کرتی ہے کہ: "مفقود کی بیوی ایسی عورت ہے جس پر آزمائش آ پڑی ہے' اس لیے وہ اس وقت تک صبر کرے جب تک اس کے شوہر کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔" بیہقی نے کہا ہے کہ یہ روایت حضرت علیؓ سے بڑی طویل اور مشہور روایت ہے۔ اسی طرح کی روایت عبدالرزاق نے حضرت علیؓ سے کی ہے۔ ہادویہ کا قول ہے کہ اگر اس کی موت کا یقین نہ ہو سکے نہ ہی طلاق کا تو وہ طبعی عمر یعنی ایک سو بیس برس تک انتظار کرے گی۔ ایک قول کے مطابق ایک سو پچاس سے لے کر دو سو برس تک۔ یہ بات جیسا کہ بعض محققین نے کہا ہے کہ فلسفہ طبیعیات کا ایک کلیہ ہے جس سے اسلام اپنی برات کا اظہار کرتا ہے کیونکہ عمروں کی تقسیم خالق جبار کی طرف سے ہوتی ہے اور اسے ایک عادی بات قرار دینا درست نہیں ہے۔ یہ بات ہر عقلمند انسان جانتا ہے بلکہ یہ نادر ترین بات ہے کہ ایک انسان اتنی دیر تک زندہ رہے بلکہ صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق موت کا بکھیڑا تو ساٹھ اور ستر کے درمیان ختم ہو جاتا ہے۔

امام یحییٰ نے کہا ہے کہ: "انتظار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ البتہ اگر غائب ہو جانے والا شوہر بیوی کے گزارے کے لیے کچھ چھوڑ گیا ہو تو ایسی صورت میں وہ موجود اور حاضر شخص کی طرح ہو گا کیونکہ صرف مجامعت کی کمی ہو گی جبکہ مجامعت مرد کا حق ہے' عورت کا نہیں۔ اگر وہ خرچہ دے کر نہ گیا ہو تو پھر عورت کے مطالبہ پر حاکم اس کا نکاح فسخ کر دے گا خواہ شوہر مفقود نہ بھی ہو کیونکہ ارشاد باری ہے (ولا تمسکوھن ضرارا اور تم انہیں نقصان پہنچانے کے لیے روکے نہ رکھو۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۱) نیز حدیث ہے: "اسلام میں نہ تو کسی کو ضرر پہنچانا ہے اور نہ ہی کسی سے ضرر اٹھانا ہے۔" اور حاکم تو ایلاء اور ظہار میں طرفین سے مضرت دور کرنے کا پابند ہے جبکہ زیربحث صورت کا ضرر کچھ بڑھ کر ہی ہے اور عیب وغیرہ کی وجہ سے فسخ نکاح مشروع ہوتا ہے۔" میرے خیال میں یہ بہترین قول ہے۔ اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے اس سلسلے میں جو کچھ مروی ہے وہ سب موقوف اقوال ہیں۔ ابن کثیر کے "الارشاد" میں امام شافعی سے ان کی سند کے واسطے سے ابوالزناد سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ "میں نے سعید بن المسیب سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کے پاس اپنی بیوی کا خرچہ چلانے کے لیے کچھ نہ ہو (تو اس کا کیا حکم ہے۔) تو انہوں نے کہا کہ دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے گی۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ سنت ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں سنت ہے۔" امام شافعی نے کہا ہے کہ سعید کا قول کہ "یہ سنت ہے" اس بات کے مشابہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو۔" ضوء النہار" کے حواشی میں اس مسئلے پر طویل بحث کی گئی ہے۔ ہم نے شوہر کے غائب ہو جانے یا بیوی کو خرچہ دینے کی قدرت نہ ہونے کی صورتوں میں فسخ نکاح کا قول اختیار کیا ہے۔ البتہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگلی حدیث کا ثبوت ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تو وہ مذکورہ آثار کو تقویت دینے کا باعث بن سکتی ہے لیکن ابو حاتم' بیہقی' ابن القطان اور عبدالحق وغیرھم نے اس کی تضعیف کی ہے۔

۱۰۵۱/۱۵ ۔ وَعَنْ الْمِغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «امْرَأَةُ الْمَفْقُودِ امْرَأَتُهُ حَتى يَأْتِيهَا الْبَيَانُ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ(۱).

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ(۱) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مفقود کی بیوی اس کی بیوی رہے گی یہاں تک کہ صورتحال واضح ہو جائے۔" دار قطنی نے ضعیف سند کے حوالہ سے اس کی تخریج کی ہے۔

نوٹ: اس حدیث پر تبصرہ اس سے ماقبل کی روایت میں گزر چکا ہے --- مترجم

۱۰۵۲/۱۶ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَبِيتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاكِحاً أَوْ ذَا مَحْرَمٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۲).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی مرد کسی عورت کے پاس رات نہ گزارے مگر صرف اس صورت میں کہ وہ اس کا ناکح (شوہر) ہو یا محرم ہو۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) البیتوۃ سے حدیث کا لفظ "لایبیتن" نکلا ہے' اس کے معنی رات گزارنا کے ہیں۔

(۲) امام مسلم کے ایک طریق روایت میں اس لفظ کا اضافہ ہے: "کسی شوہر دیدہ عورت کے پاس۔" ایک قول کے مطابق یہاں شوہر دیدہ عورت کا ذکر اس لیے ہوا کہ اکثر احوال میں اس کے پاس ہی آیا جاتا ہے۔ رہ گئی باکرہ تو وہ عادۃً محفوظ ہوتی ہے اور مردوں سے سخت کنارہ کش رہتی ہے' نیز یہ کہ جب شوہر دیدہ عورت کے پاس آنے جانے کی اجازت نہیں ہو گی جس کے پاس آنے جانے کے سلسلے میں تساہل سے کام لیا جاتا ہے تو باکرہ کے پاس آنے کی بطریق اولیٰ ممانعت ہو جائے گی۔ ناکح سے مراد شوہر ہے جس کی زوجیت میں مذکورہ عورت ہو۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ غیر عورت کے ساتھ تنہائی حرام ہے۔ البتہ محرم کے لیے اس کے ساتھ تنہائی کی اباحت ہے۔ ان دونوں حکموں پر سب کا اجماع ہے۔ محرم کی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ

---

(۱) حضرت مغیرہ کی روایت کے حوالے: سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۱۲' نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۷۳' کنزا لعمال ۴۴۷۶۰۔

(۲) حضرت جابر کی روایت کے حوالے: مسلم شریف باب ۸ حدیث ۱۹ من السلام' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۵۰' تاریخ بغداد ج ۸ ص ۱۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر وہ شخص جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح عورت کی حرمت کے کسی مباح سبب کی بنا پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔ اس تعریف میں "ہمیشہ کے لیے" کی قید سے بیوی کی بہن' اس کی خالہ' اس کی پھوپھی وغیرھا سے احتراز کیا گیا ہے اور "مباح سبب" کی قید سے اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی سے احتراز کیا گیا ہے جس کے ساتھ شبہ کی بنا پر مجامعت کر لی گئی ہو۔ کیونکہ یہ اگرچہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوتی ہیں لیکن کسی مباح سبب کی بنا پر نہیں' اس لیے کہ شبہ کے تحت کی جانے والی مجامعت کو نہ تو مباح کی صفت کے ساتھ موصوف کیا جا سکتا ہے' نہ ہی حرام کی صفت کے ساتھ اور نہ ہی ان کے سوا شرع کے پانچ احکام میں سے کسی اور صفت کے ساتھ (با قیماندہ تین یہ ہیں' حلال' مکروہ' مستحب ۔ مترجم) کیونکہ مذکورہ مجامعت کسی مکلف کا فعل نہیں ہوتا۔ اور "عورت کی حرمت" کی قید سے لعان کرنے والی بیوی سے احتراز کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ لعان کرنے والے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے لیکن اپنی کسی حرمت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس پر سزا کی سختی کے پیش نظر یہ حکم عائد کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "رات نہ گزارے" کا مفہوم تو یہی ہے کہ دن کے وقت غیر عورت کے پاس تنہائی یا اس کے برعکس صورت میں رہنا جائز ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اگلی حدیث اس امر پر دال ہے غیر عورت کے ساتھ تنہائی حرام ہے خواہ دن ہو یا رات۔

۱۰۵۳/۱۷ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "کوئی مرد کسی عورت کے پاس محرم کے بغیر خلوت میں نہ جائے۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے کہ یہ حدیث غیر عورت کے ساتھ غیر مرد کی خلوت کی تحریم پر دلالت کرتی ہے خواہ دن کے وقت ہو یا رات کے وقت۔ یہ حدیث اس حکم کی دلیل ہے جس پر اس سے ماقبل کی حدیث دلالت کر رہی ہے۔ البتہ اس میں اضافہ یہ ہے کہ غیر مرد غیر عورت کے محرم کو ساتھ لے کر اس کے ساتھ تنہائی اختیار کر سکتا ہے۔ اسے خلوت کہنا بطور تسامح ہے اور استثناء منقطع ہے۔

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۴ ص ۷۲' ج ۷ ص ۴۸' فتح الباری ج ۹ ص ۳۳۱' مسلم شریف باب ۷۴' حدیث ۴۲۴ من الحج۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۵٤/۱۸ - وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَاسٍ: «لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ، وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَةً». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

وَلَهُ شَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي الدَّارَقُطْنِيِّ[۲].

حضرت ابو سعید خدری[۱] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اوطاس میں گرفتار شدہ عورتوں کے بارے میں فرمایا: "کسی حاملہ کے ساتھ اس کے وضع حمل تک ہم بستری نہ کی جائے' اور کسی غیرحاملہ کے ساتھ اسے ایک حیض آ جانے تک وطی نہ کی جائے۔" ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے' اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور سنن دار قطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ (شاہد وہ حدیث ہے جس میں اس کے راویوں کی حدیث فرد کے راوی کے ساتھ لفظی اور معنوی یا صرف معنوی مشارکت ہو جائے لیکن صحابی میں اختلاف ہو۔ مترجم)

(۱) اوطاس ہوازن کے علاقے میں ایک وادی کا نام ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں جنگ حنین لڑی گئی تھی۔ ایک قول کے مطابق واوی اوطاس اور ہے اور وادی حنین اور ہے۔

(۲) دار قطنی کی اس روایت میں ایک بات قابل اعتراض یہ ہے کہ اس کی روایت شریک القاضی نے کی ہے جس کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ اس کا ذکر ابن کثیر نے "الارشاد" میں کیا ہے۔

(۳) اس کے الفاظ یہ ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ عورت کے ساتھ اس کے وضع حمل تک اور غیرحاملہ کے ساتھ اس کے حیض آنے تک مجامعت کرنے سے منع فرما دیا۔"

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ میں عورت کو گرفتار کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ اگر اس کے ساتھ ہم بستری کرنا چاہے تو غیرحاملہ ہونے کی صورت میں ایک حیض کے ذریعے اس کا استبراء رحم کر لے تاکہ اس کے رحم کا حمل سے خالی ہونا متحقق ہو جائے۔ اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل کے ذریعے اس کا استبراء کر لے۔ اس پر خرید شدہ لونڈی کو اور کسی بھی وجہ سے ملکیت میں آئی ہوئی لونڈی کو قیاس کیا گیا ہے۔ مقیس اور مقیس علیہ میں وجہ مشترک نئے سرے سے ملکیت میں آنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اور غیرحاملہ کے ساتھ اسے ایک حیض آنے تک" ظاہراً تو یہ مفہوم دے رہا ہے کہ یہ حکم باکرہ اور شوہر دیدہ

---

(۱) حدیث "کسی حاملہ کے ساتھ اس کے وضع حمل تک ہمبستری نہ کی جائے" کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۱۵۷' مسند احمد ج ۳ ص ۶۲' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۳۵۹' ج ۷ ص ۴۴۹' ج ۹ ص ۱۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۱۹۵' تلخیص الحبیر ۱۷۱' التمہید ج ۳ ص ۱۴۱' ۱۴۳' ۱۷۹' مشکوۃ المصابیح ۳۳۳۸' ارواء الغلیل ج ۱ ص ۲۰۰' ج ۷ ص ۲۱۴' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۷۱' فتح الباری ج ۴ ص ۴۲۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں کے لیے عام ہے۔ شوہر دیدہ کی وجہ تو اوپر بیان ہو چکی ہے اور باکرہ کے لیے یہ حکم عموم کا پہلو اختیار کیے ہوئے ہے اور اسے عدت پر قیاس کیا گیا ہے۔ کیونکہ نابالغ لونڈی پر بھی عدت واجب ہے حالانکہ اس کے رحم کا حمل سے خالی ہونا سب کو معلوم ہے' یہی مسلک اکثر حضرات کا ہے۔

دیگر حضرات کا مسلک یہ ہے کہ استبراء صرف اس لونڈی کے لیے لازم ہے جس کے رحم کا حمل سے خالی ہونا معلوم نہ ہو' لیکن جس لونڈی کے بارے میں یہ معلوم ہو اس پر کوئی استبراء نہیں۔ عبدالرزاق نے حضرت ابن عمرؓ سے اس کی روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اگر لونڈی باکرہ ہو تو آقا اگر چاہے اس کا استبراء نہ کرے۔" امام بخاری نے "صحیح بخاری" میں حضرت ابن عمرؓ سے اس کی روایت کی ہے' اور اسی جیسی روایت کی مذکورہ کتاب میں حضرت علیؓ سے بروایت بریدہ تخریج کی ہے۔ اس قول کی تائید اس روایت کے مفہوم سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے حضرت رویفع سے روایت کی ہے کہ "جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ جنگ میں گرفتار شدہ عورتوں میں سے کسی شوہر دیدہ عورت سے اس وقت تک ہم بستری نہ کرے جب تک اسے حیض نہ آ جائے۔"

امام مالک کا یہی مسلک ہے لیکن اس میں تفصیل ہے جس کا ذکر المازری مالکی نے امام مالک کے مسلک کی تحقیق کے سلسلے میں کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ: "اس بارے میں جامع قول یہ ہے کہ ہر ایسی لونڈی جس پر حمل نے امن کا پردہ ڈال دیا ہو اس کا استبراء لازم نہیں ہے اور جس لونڈی کے بارے میں غالب گمان یہ ہو کہ اس کا رحم حمل سے خالی ہے' لیکن حمل ٹھہر جانا ممکن ہو تو اس کے بارے میں استبراء کے ثبوت اور اس کے سقوط کے مالکی مسلک میں دو قول ہیں۔" انہوں نے اس سلسلے میں جو طویل بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ استبراء کے بارے میں امام مالک کا ماخذ حمل سے رحم خالی ہونے کا علم ہے۔ اس لیے جس مقام پر اس کا علم نہ ہو اور برات رحم کا گمان نہ ہو وہاں استبراء واجب ہو گا اور جہاں برات رحم کا علم ہو یا اس کا گمان ہو وہاں استبراء نہیں ہو گا یہی بات ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم نے کہی ہے۔

اس باب میں وارد شدہ حدیثیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حمل یا حمل کا امکان علت ہے۔ قارئین کو معلوم ہے کہ زیر نظر نص جنگ میں گرفتار شدہ عورتوں کے بارے میں ہے اور خریداری وغیرہ کے ذریعے ملکیت کے انتقال کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ داؤد ظاہری کا مسلک ہے کہ گرفتار شدہ عورتوں کے سوا دیگر لونڈیوں کے لیے استبراء واجب نہیں ہو گا کیونکہ وہ قیاس کے قائل نہیں ہیں اس لیے انہوں نے اس حکم کو محل نص کے اندر محدود کر دیا ہے' نیز یہ کہ خریداری وغیرہ ان کے نزدیک نکاح کرا دینے کی طرح ہے۔

قارئین کو معلوم رہنا چاہیے کہ جنگ میں قید ہونے والی عورتوں کے بارے میں جو احادیث ہیں ان کا ظاہر یہی ہے کہ خواہ وہ اسلام میں داخل نہ بھی ہوں ان کے ساتھ ہم بستری جائز ہو گی اس لیے کہ رسول اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بستری کی حلت کے لیے صرف ایک حیض کے ساتھ استبراء یا وضع حمل کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر مسلمان ہونا شرط ہوتا تو آپؐ اس کا ضرور ذکر فرما دیتے۔ بصورت دیگر یہ لازم آتا کہ ضرورت کے وقت سے بیان موخر ہو گیا۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ احادیث کے مطلق ہونے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کرام کے عمل نے یہی فیصلہ دیا ہے کہ جنگ میں گرفتار شدہ عورت کے ساتھ اس کے اسلام لانے کے بغیر بھی ہم بستری جائز ہے۔ طاؤس وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔

یہ بات بھی علم میں رہنا چاہیے کہ زیر نظر حدیث اپنے مفہوم مخالف کے اعتبار سے استبراء سے پہلے ہم بستری کے سوا دیگر جنسی لذت اندوزیوں کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اسی پر حضرت ابن عمرؓ کا فعل بھی دلالت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: "جنگ جلولاء میں ایک لڑکی میرے حصے میں آئی' اس کی گردن اس طرح تھی گویا کہ چاندی کا لوٹا ہو' یہ دیکھ کر میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور لوگوں کے سامنے اس کا بوسہ لینے لگ گیا۔" امام بخاری نے اس کی تخریج کی ہے۔

١٠٥٥/١٩ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيثِهِ.

وَمِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ فِي قِصَّةٍ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عِنْدَ النَّسَائِيِّ، وَعَنْ عُثْمَانَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ(١).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی(١) ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور زنا کار کے لیے پتھر ہے۔"

یہ متفق علیہ روایت ہے' اور نسائی کے نزدیک حضرت عائشہ سے ایک قصے کے تحت اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت ہے اور ابو داؤد کے نزدیک حضرت عثمان سے یہ روایت ہے۔

---

(١) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ٣ ص ١٠٦' ١٦١' ج ٤ ص ٤٠' ج ٥ ص ١٩٣' ج ٨ ص ١٩١' مسلم شریف حدیث ٣٦' ٣٧' من الرضاع' سنن ابی داؤد ٢٢٧٣' سنن نسائی باب ٤٩' ٥٠ من الطلاق' سنن ابن ماجہ ٢٠٠٤' ٢٠٠٦' ٢٠٠٧' ٢٧١٢' سنن ترمذی ١١٥٧' ٢١٣٠' ٢١٣١' فتح الباری ج ١٢' ص ٣٣' ٣٧' مسند احمد ج ٤ ص ١٨٦' ج ٦' ص ٢٣٧' سنن دارمی ج ٢ ص ١٥٢' السنن الکبریٰ ج ٦ ص ٨٦' ج ٧ ص ٤٠٢' ٤١٢' ج ١٠ ص ١٥٠' ص ٢٦٦' بدائع المنن ٢٦٨٥' مسند شافعی ١٨٨' مسند حمیدی ١٠٨٥' تلخیص الحبیر ج ٤ ص ٣' مصنف عبدالرزاق ٥٨٠٠' المعجم الکبیر للطبرانی ج ١٠ ص ٢٩٧' ج ١١ ص ١٥٣' ج ١٧ ص ٣٣' ٣٤' ٣٥' ٣٦' ٢٦١' مجمع الزوائد ج ٥ ص ١٣' ١٤' ج ٧ ص ٢٥١' معانی الآثار ج ٣ ص ١٠٤' سنن سعید بن منصور ٤٢٧' ٢١٣١' ٢١٣٢' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٥ ص ٨٩۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر روایت اس بات کی دلیل ہے کہ بستر کی بنا پر باپ سے بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ البتہ فراش کے مفہوم میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک ہے کہ یہ عورت کا اسم ہے اور کبھی اس لفظ کے ذریعے افتراش (روندنے' پچھاڑنے) کی حالت کی تعبیر کی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ یہ شوہر کا نام ہے۔ پھر علماء کا اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ فراش کا ثبوت کیسے ہوتا ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ صحیح یا فاسد نکاح کے تحت ہمبستری کے امکان کے ذریعے آزاد عورت کے لیے فراش ثابت ہو جاتا ہے۔ امام احمد' امام شافعی اور ہادویہ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نفس عقد کے ساتھ ہی فراش کا ثبوت ہو جاتا ہے خواہ یہ علم نہ بھی ہو کہ شوہر اور بیوی کے درمیان یکجائی نہیں ہوئی بلکہ اگر مجلس عقد میں عقد کے بعد وہ اسے طلاق دے دے تو بھی فراش ثابت ہو جاتا ہے۔

(۱) یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے' ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ حدیث بیس سے زائد صحابہ سے مروی ہے۔

ابن تیمیہ کا مسلک ہے کہ بیوی کے ساتھ دخول یعنی ہم بستری کے یقینی ہونے کی معرفت ضروری ہے۔ ان کے شاگرد ابن القیم کا بھی یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ "کیا اہل لغت اور اہل عرف عورت کے ساتھ بناء یعنی ہم بستری سے پہلے اسے فراش شمار کرتے ہیں؟ اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ شریعت اس شخص کے نسب کے ساتھ الحاق کا حکم دے دے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری نہ کی ہو نہ ہی اس کے ساتھ یکجا ہوا ہو' اور صرف اس کے امکان کی بنا پر یہ حکم عائد کر دے؟ یہ امکان بھی بعض دفعہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ شوہر عام طور پر اس کی نفی کر دیتا ہے اس لیے عورت صرف متحقق ہم بستری کی بنا پر ہی فراش بنے گی۔" "المنار" میں کہا ہے کہ "یہی بات متیقن ہے' صرف امکان کی بنا پر ہم ہم بستری کا کس طرح حکم لگا سکتے ہیں۔ کیونکہ امکان کی غایت یہ ہے کہ ہم بستری کے بارے میں شک رہ جاتا ہے جبکہ ہم تمام احکام میں علم یا ظن کے پابند ہیں اور ممکن مظنون سے اعم ہے۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ جمہور کی طرف سے شک کی موجودگی میں حکم کی تطبیق کی گئی ہے۔" اس اقتباس سے قارئین نے ابن تیمیہ کی قوت استدلال کو محسوس کر لیا ہو گا۔ امام احمد سے یہی ایک روایت ہے۔

درج بالا بحث آزاد عورت کے فراش کے ثبوت کے سلسلے میں تھی' رہ گیا لونڈی کے فراش ہونے کا ثبوت تو ظاہر حدیث اس فراش کو بھی شامل نظر آتا ہے نیز یہ کہ ہمبستری کے ذریعے لونڈی کے فراش کا ثبوت ہو جاتا ہے بشرطیکہ مذکورہ لونڈی ہم بستری کرنے والے کی مملوکہ ہو یا ملکیت کا شبہ ہو اور آقا اس ہمبستری کا اعتراف کر لے یا یہ ہمبستری کسی اور وجہ سے ثابت ہو جائے۔ لونڈی کے بارے میں حدیث موجود ہے' حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں' حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لڑکے کے نسب کے بارے میں جھگڑ پڑے' سعد نے کہا: "اللہ کے رسول' یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے' انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ان کا بیٹا ہے' آپ اس کی مشابہت دیکھ سکتے ہیں۔" عبد بن زمعہ نے کہا: "اللہ کے رسول' یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرے والد کے فراش پر ان کی ایک لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کی مشابہت کو دیکھا تو عتبہ کے ساتھ اس کی واضح مشابہت نظر آئی' اور فرمایا: "عبد بن زمعہ' یہ تمہارا ہے' بچہ فراش کا ہے اور زناکار کے لیے پتھر ہے' اور سودہ (حضور کی زوجہ محترمہ) تم اس سے پردہ کرو۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمعہ کے فراش یعنی مذکورہ لونڈی کے لیے بچے کا اثبات کر دیا۔ اس لیے مذکورہ حکم کا سبب اور اس کا محل اس لونڈی کی ذات میں تھا۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ امام شافعی' امام مالک' نخعی' امام احمد اور اسحق نے یہی مسلک اختیار کیا ہے جبکہ حنفیہ اور ہادویہ کا مسلک یہ ہے کہ ولد پر دعوے کے بغیر لونڈی کے لیے فراش ثابت نہیں ہو گا اور صرف ہم بستری کا اقرار کافی نہیں ہو گا۔ اگر باپ اس بچے کا دعویٰ نہ کرے تو اس کا نسب اس سے ثابت نہیں ہو گا بلکہ وہ لونڈی کے مالک کی ملکیت ہو گا۔ باپ کی طرف لونڈی کے پہلے بچے پر دعوے کے بعد لونڈی کے لیے فراش ثابت ہو جانے پر بعد میں پیدا ہونے والے بچوں کا الحاق آقا کے ساتھ ہو جائے گا خواہ مالک نے اس کا دعویٰ نہ بھی کیا ہو۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ آزاد عورت اور لونڈی کے درمیان فرق رکھنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ کیونکہ آزاد عورت کو زوجیت میں لینے کا مقصد ہمبستری اور فراش بنانا ہوتا ہے بخلاف ملک یمین کے' کیونکہ لونڈی کی صورت میں ہمبستری ایک تابع اور ثانوی بات ہوتی ہے اور اس کے سوا لونڈی کے دیگر منافع اغلباً مطلوب ہوتے ہیں۔ اس استدلال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ گفتگو اس لونڈی کے سلسلے میں ہے جسے ہمبستری کے لیے حاصل کیا گیا ہو۔ اس لیے کہ فراش بنانے کی غرض ایسی لونڈی کی صورت میں حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہمبستری کا علم ہو جائے تو وہ فراش بن جائے گی اور بچے کو اپنے نسب کے ساتھ ملانے کی باپ کو ضرورت نہیں ہو گی۔ حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ جب حضرت عبد بن زمعہ نے کہا کہ: "یہ لڑکا میرے والد کے فراش پر پیدا ہوا ہے" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زمعہ کے ساتھ ملحق کر دیا جو مالک فراش تھے اور اس واضح مشابہت کو نہیں دیکھا جس کی وجہ سے مذکورہ لڑکا زمعہ سے مختلف نظر آ رہا تھا جس کے ساتھ اس کے نسب کا الحاق ہو گیا تھا۔ حنفیہ اور ہادویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی زیر بحث حدیث کی بہت سی تاویلات کی ہیں اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنازع فیہ لڑکے کے نسب کا الحاق زمعہ کے ساتھ نہیں کیا تھا' دعوے کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ آپؐ نے اپنی زوجہ محترمہ سودۃ بنت زمعہ کو اس سے پردہ کرنے کو کہا تھا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت سودہؓ کو اس لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم احتیاط اور پرہیز گاری کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر نیز امہات المؤمنین کو ایسے مباح امور سے محفوظ رکھنے کی خاطر تھا جن کی اباحت کے ساتھ ساتھ عدم اباحت کا شبہ بھی موجود ہو' وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عتبہ بن ابی وقاص کے ساتھ اس لڑکے کی واضح مشابہت نظر آ گئی تھی۔

اس مسئلے میں مالکیہ کا ایک اور مسلک ہے۔ ان کے قول کے مطابق زیر بحث حدیث دو حکموں کے بیچ بیچ ایک حکم کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ فرع کے اندر ایک سے زائد اصل کے ساتھ مشابہت ہو اور اس وجہ سے فرع پر کئی احکام عائد ہو رہے ہوں تو کوئی درمیانی حکم دینا جائز ہو گا کیونکہ فراش مذکورہ لڑکے کو زمعہ کے ساتھ ملحق کرنے کا مقتضی تھا اور مشابہت اسے عتبہ کے ساتھ ملحق کرنے کی مقتضی تھی۔ اس لیے فرع کو دو حکموں کے بیچ بیچ ایک حکم دیا گیا۔ یعنی نسب کے اثبات میں فراش کے پہلو کی رعایت کی گئی اور حضرت سودہؓ کو مذکورہ لڑکے سے پردہ کرنے کے سلسلے میں عتبہ کے ساتھ اس کی واضح مشابہت کے پہلو کی رعایت کی گئی۔ ان حضرات کے قول کے مطابق یہ تاویل تمام تاویلات سے اولیٰ ہے اس لیے کہ فرع اگر اصل کے درمیان دائر ہو اور پھر اسے صرف ان میں سے ایک کے ساتھ ملحق کر دیا جائے تو اس صورت میں دوسری اصل کے ساتھ اس کی مشابہت بالکلیہ باطل ہو کر رہ جائے گی۔ اس طرح یہ حکم یعنی نسب کا اثبات تو مدعی نسب کے لیے ابنیت کے احکام کے وجوب کو مدنظر رکھتے ہوئے ثابت ہو جائے گا' لیکن غیر کے ساتھ متعلق ہونے کے اعتبار سے یعنی خواتین کو دیکھنے کے جواز کے لحاظ سے یہ حکم ثابت نہیں ہو گا۔ ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ ایک وجہ سے نسب کے ثبوت اور ایک وجہ سے اس کے عدم ثبوت میں کوئی امتناع نہیں ہے جس طرح کہ امام ابو حنیفہ اور اوزاعی وغیرہما کا مسلک ہے کہ ایک شخص کے لیے اپنی اس بیٹی سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے جو زناکاری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو' اگرچہ مذکورہ شخص کے اعتبار سے اس بیٹی پر اجنبیہ کا حکم عائد ہوتا ہے۔ ابن دقیق العید نے اس پر جو اعتراض کیا ہے اس میں کوئی قوت نہیں ہے۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص بچے کا باپ نہ ہو اس کے لیے بچے کے نسب کو اپنے ساتھ ملا لینا جائز ہے۔ کیونکہ عبد بن زمعہ نے اپنے بھائی کے نسب کو اپنے ساتھ اس اقرار کے ذریعے ملا لیا تھا کہ فراش ان کے والد کا تھا۔ حدیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ ایسا کرنا درست ہوتا ہے خواہ دیگر ورثاء اس کی تصدیق نہ بھی کریں' اس لیے کہ ام المؤمنین حضرت سودہؓ سے اس امر کی تصدیق یا انکار مروی نہیں ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا سکوت ان کے اقرار کے قائم مقام ہے۔ اس مسئلے میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اگر کسی کے نسب کو اپنے ساتھ ملحق کرنے والا شخص کے سوا کوئی اور ہو اور اس کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو مثلاً دادا کو اپنے ساتھ ملحق کر لے اور اس کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو تو ایسی صورت میں ملحق کرنے والے کا اقرار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درست ہو گا اور جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہو گا جب الحاق کرنے والا ورثاء میں سے ایک فرد ہو اور یا تیماندہ ورثاء اس کی تصدیق کر دیں۔ اس بارے میں اصول یہ ہے کہ جو شخص میت کا مال حاصل کرنے کا مجاز ہو اس کے اقرار کی بنا پر نسب ثابت ہو جائے گا خواہ اقرار کنندہ ایک ہو یا ایک سے زائد۔ امام احمد اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے اس لیے کہ میت کے ورثاء میت کے قائم مقام اور اس کی جگہ لینے والے ہوتے ہیں۔ دوسرا قول ہادویہ کا ہے' وہ یہ کہ باپ کے سوا کسی اور کی طرف سے استلحاق (کسی کے نسب کو اپنے ساتھ ملا لینا) درست نہیں ہے۔ اور اقرار کی صورت میں صرف مال کے اندر اقرار کنندہ کے ساتھ وہ شخص شامل ہو جائے گا جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہو' نسب کے اندر اشتراک نہیں ہو گا۔ تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبد بن زمعہ کو یہ فرمانا کہ: "یہ لڑکا تمہارا بھائی ہے۔" زیر نظر صورت کے اندر نسب کے ثبوت کی دلیل ہے۔ مذکورہ الفاظ امام بخاری نے روایت کیے ہیں۔ جو حضرات باپ کے سوا کسی اور کے اقرار کی بنا پر نسب کے ملحق ہو جانے کے قائل ہیں ان کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ آیا مذکورہ اقرار میت کی نیابت اور جانشینی کا اقرار ہو گا کہ پھر اس میں اپنے ساتھ نسب ملانے والے کے عادل ہونے کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ اس کے مسلمان ہونے کا بھی اعتبار نہیں ہو گا یا مذکورہ اقرار گواہی والا اقرار ہو گا کہ اس میں گواہی کی اہلیت کا اعتبار کیا جائے گا؟ شوافع اور امام احمد نے کہا ہے کہ یہ نیابت اور جانشینی کا اقرار ہو گا۔ مالکیہ کا قول ہے کہ یہ اقرار شہادت ہو گا۔

زیر نظر حدیث سے احناف اور ہادویہ نے استدلال کیا ہے کہ قیافہ شناسی کے ذریعے نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "بچہ فراش (ماں یا باپ) کا ہے۔" ان کے قول کے مطابق اس قسم کی ترکیب حصر کا فائدہ دیتی ہے' نیز یہ کہ اگر قیافہ شناسی کے ذریعے نسب ثابت ہو جاتا تو یہ بات اس صورت میں موجود پائی جاتی جس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعا بہ لڑکے کی عتبہ کے ساتھ مشابہت دیکھ لی تھی' لیکن ہوا یہ کہ آپؐ نے عتبہ کے حق میں فیصلہ نہیں دیا بلکہ کسی اور کے حق میں لڑکے کا فیصلہ سنایا۔ امام شافعی وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ قیافہ کے ذریعے نسب کا ثبوت ہو سکتا ہے البتہ نسب کا یہ ثبوت صرف اس صورت میں ہو گا جب بچے کی پیدائش دو حرام ہمبستری کے نتیجے میں وجود میں آئی ہو مثلاً لونڈی کا مشتری اور بائع دونوں اس کے طہر کی حالت میں استبراء رحم سے قبل اس سے ہم بستری کر لیں۔ انہوں نے اپنے قول کے استدلال میں امام بخاری کی روایت کردہ حدیث پیش کی ہے۔ وہ یہ کہ جب قیافہ شناس مجزر مدلجی نے حضرت اسامہ بن زید اور حضرت زید کے قدموں کو دیکھ کر کہا کہ: "یہ قدم آپس میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے کھل اٹھا اور آپؐ نے اس قیافہ شناس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قول کی توثیق کر دی۔ اس پر بحث "باب الدعاوی" کے آخر میں آئے گی۔ نیز لعان کے واقعہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثابت ہے کہ "اگر لعان کرنے والی عورت کے بطن سے فلاں فلاں صفات کا حامل بچہ جنم لے تو یہ بچہ فلاں کا ہو گا اور اگر فلاں فلاں صفات لے کر پیدا ہو تو یہ فلاں کا ہو گا۔ آپؐ کا یہ ارشاد قیافہ شناسی کے ذریعے نسب کے الحاق کی دلیل ہے لیکن مذکورہ واقعہ میں لعان کے تحت اٹھائی جانے والی قسموں نے اس الحاق سے آپؐ کو باز رکھا۔ اس سے یہ دلالت حاصل ہوئی کہ قیافہ شناسی گو نسب کے الحاق کی مقتضی تھی لیکن اس پر عمل کی راہ میں ایک رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ نیز یہ کہ حضرت ام سلیمؓ نے جب آپؐ سے پوچھا کہ: "آیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟" تو آپؐ نے جواب میں فرمایا: "تو پھر مشابہت کہاں سے پیدا ہوتی ہے۔" نیز یہ کہ مشابہت دیکھ کر آپؐ نے حضرت سودہؓ کو مذکورہ لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ نیز یہ کہ ایک شخص نے جب آپؐ سے عرض کیا کہ اس کی بیوی نے جس بچے کو جنم دیا ہے اس کا رنگ میرے رنگ سے مختلف ہے تو آپؐ نے اس سے فرمایا: "شاید کسی رگ نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا ہو گا۔" آپؐ کی یہ بات مشابہت کے پیش نظر تھی۔ تاہم اگر فراش کا ثبوت ہو جائے تو اس کے ہوتے ہوئے نسب کے ثبوت کے لیے قیافہ شناسی کام نہیں دے گی' اور نسب فراش کے لیے ثابت ہو جائے گا۔ قیافہ شناسی کو تسلیم نہ کرنے والوں نے کئی جوابات دیئے ہیں جو تکلف سے خالی نہیں ہیں۔ شرعی حکم کا اثبات تو ظاہر اور واضح دلیل کے ذریعے ہوتا ہے جبکہ تکلف اس لیے کیا جاتا ہے کہ اپنے مسلک کی وکالت کرتے ہوئے دلائل کے ظواہر کی تردید کر دی جائے' یہ طریق کار اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنے والے کے شایان شان نہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ حدیث "بچہ فراش کا ہے" حصر کی حامل ہے تو اسے ہم تسلیم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بچہ فراش کے سوا کسی اور کا نہیں ہوتا جب کہ فراش کا ثبوت ہو جائے' ہماری بحث تو فراش کے انتفاء کی صورت پر مبنی ہے۔ نیز یہ کہ بعض دفعہ اغلب احوال کی بنا پر ہوتا ہے اور حصر کے اندر اکثر یہی کچھ ہوتا ہے اس لیے کہ حقیقی حصر تو بہت قلیل ہے۔ اس لیے ہماری بات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ: "جس تاویل کی آپ نے مذمت کی تھی اسی کی طرف واپس آ گئے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "عاہر یعنی زانی کے لیے پتھر ہے" تو اس سے مراد نامرادی اور حرمان ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے سنگساری مراد ہے۔ تاہم یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مذکورہ تاویل حدیث کو محصن زانی تک محدود کر دیتی ہے جبکہ یہ حدیث عام ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ باب الرضاع

یہ لفظ حرف راء پر زبر اور زیر کے ساتھ معنی رضاعت ہے

۱/۱۰۵۶۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک یا دو دفعہ چوسنا حرام نہیں کرتا۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر بچہ عورت کی پستان سے ایک یا دو مرتبہ دودھ چوس لے تو اس کی وجہ سے وہ رضیع قرار نہیں پائے گا۔ اس مسئلے میں کئی اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ تین یا اس سے زائد مرتبہ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ یہی مسلک داؤد ظاہری اور ان کے پیروکاروں کا ہے نیز علماء کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے۔ ان کی دلیل امام مسلم کی زیر نظر حدیث کا مفہوم مخالف ہے۔ نیز ان کی روایت کردہ ایک اور حدیث کا مفہوم مخالف ہے، جس کے الفاظ ہیں: "پستان کو بچے کے ہونٹوں میں دے کر ایک یا دو مرتبہ دودھ پلانا حرام نہیں کرتا۔"(۲) اس روایت کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوا کہ دو سے زائد مرتبہ یہ عمل کرنے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

(۱) المصة یہ لفظ المص کا واحد ہے، جس کے معنی کوئی چیز تھوڑی سی لے لینے کے ہیں۔ "الضیاء" کے

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالے: مسلم شریف باب ۵ حدیث ۱۷، ۲۰ من الرضاع، سنن ابی داؤد ۲۰۶۳، سنن ترمذی ۱۱۵۰، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۱، سنن ابن ماجہ ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، التمہید ج ۸ ص ۲۶۶، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۱، مسند احمد ج ۶ ص ۹۶، ۲۰۷، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۲، ۱۷۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۸۴، موارد الظمان ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۵، بدائع المنن ۱۵۷۷، مشکوٰۃ المصابیح ۳۱۶۵، فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۷، ارواء الغلیل ج ۷ ص ۲۱۹، مسند الشافعی ۲۲۱۔

(۲) حدیث "پستان کو بچے کے ہونٹوں میں دے کر.... الخ" کے حوالے: مسلم شریف باب ۵ حدیث ۱۸، ۲۲، من الرضاع، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۰ مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۹، ۳۴۰، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۷، السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۵۵، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۲، السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۵۵، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۲، التمہید ج ۸ ص ۲۶۷، ۲۶۸، مشکوٰۃ المصابیح ۳۱۶۶، ارواء الغلیل ج ۷ ص ۲۲۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندر اسی طرح ہے' "القاموس" میں ہے "مصصته (حرف صاد کے نیچے زیر) امصه' اور مصصته (حرف صاد پر زبر) امصه جس طرح خصصته اخصه ہے۔" یعنی "میں نے فلاں چیز بڑی نرمی سے پی لی۔"

دوسرا قول یہ سلف اور خلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ دودھ چاہے تھوڑا پلایا جائے یا زیادہ اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ قول حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ اور سلف کے کچھ دوسرے حضرات سے منقول ہے۔ احناف' امام مالک اور ہادویہ کا یہی مسلک ہے۔ ان حضرات کے قول کے مطابق رضاعت کی حد دودھ کی وہ مقدار ہے جو از خود بچے کے معدے تک پہنچ جائے' اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ دودھ کی وہ مقدار رضاعت ہے جس کے ذریعے روزہ دار کا روزہ کھل جائے' ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رضاعت کے اسم کے ساتھ تحریم کو معلق کر دیا ہے' اس لیے جہاں بھی رضاعت پائی جائے گی وہاں اس کا حکم بھی پایا جائے گا۔ حدیث بھی آیت کی موافقت میں آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی بنا پر حرام ہوتے ہیں۔" نیز حضرت عقبہؓ کی روایت بھی ہے جو آگے آ رہی ہے۔ نیز حضورﷺ کے اس ارشاد کی بنا پر بھی کہ آپؐ نے فرمایا: "یہ کیسے ہو سکتا ہے یعنی تمہارا نکاح اس سے کیسے ممکن ہے جبکہ تم یہ کہتے ہو کہ اس عورت نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔" اس موقعہ پر آپؐ نے یہ تفصیل نہیں پوچھی کہ دودھ پلانے کا عمل کتنی مرتبہ ہوا تھا' یہ تو ان حضرات کے دلائل ہیں' البتہ ایک مرتبہ دودھ پلانے کے مفہوم اور اس کی حقیقت کے بارے میں ان حضرات کے اقوال میں بڑا اضطراب ہے اور ان اقوال کو کسی دلیل کا سہارا بھی حاصل نہیں ہے۔ ان حضرات نے رضاعت کے اسم کے ساتھ تحریم کو معلق کرنے کی جو دلیل دی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مجمل ہے اور شارع نے عدد کے ذریعے اسے بیان کر دیا ہے اور عدد کے ذریعے اسے محدود کر دیا ہے' اور بیان کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شارع نے تفصیل بیان نہیں کی۔

تیسرا قول پانچ مرتبہ دودھ پلانے سے ہی حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ یہ حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن الزبیرؓ اور امام شافعی کا قول ہے اور امام احمد سے بھی یہ ایک روایت ہے۔ ان حضرات نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہ روایت پانچ بار دودھ پینے کے بارے میں نص ہے۔ نیز یہ کہ سہلۃ بنت سہیل نے سالم کو پانچ بار دودھ پلایا تھا۔ یہ روایت بھی آگے آئے گی۔ اگرچہ ایک یا دو مرتبہ دودھ چوسنے کی حدیث کا مفہوم مخالف اس روایت کے معارض ہے تاہم اس حدیث میں حکم منصوص ہے اور یہ مفہوم سے زیادہ قوی ہے اگرچہ حضرت عائشہؓ نے روایت کی ہے کہ یہ حکم بصورت قرآن تھا لیکن عمل کے اعتبار سے یہ خبر واحد کے حکم میں ہے جیسا کہ اصول کے اندر یہ قاعدہ معروف ہے۔ حضرت سہلۃ کی حدیث نے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کو تقویت دی ہے۔ کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ حضرت سہلۃ نے سالم کو پانچ بار دودھ پلایا تھا تاکہ وہ سالم پر حرام ہو جائیں۔ اگرچہ یہ ایک صحابیہ کا فعل ہے لیکن یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہی صورت صحابہ کرام کے نزدیک ثابت تھی کہ پانچ بار دودھ پینے پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی تھی۔ اس کی تحقیق آگے آئے گی۔

رہ گئی رضعت کی حقیقت تو وہ ایک دفعہ دودھ پلانا ہے جس طرح ضربہ کا مفہوم ایک دفعہ ضرب لگانا اور جلسہ کا معنی ایک دفعہ بیٹھنا ہے۔ اس لیے جب بچہ پستان کو اپنے منہ میں لے لے اور اسے چوسے اور پھر اپنے اختیار سے کسی رکاوٹ کے بغیر چھوڑ دے تو یہ ایک دفعہ دودھ پینا کہلائے گا۔ کسی رکاوٹ مثلاً سانس لینے' یا ہلکی سی استراحت کے لیے یا کسی اور چیز کی طرف دھیان ہٹ جانے کی وجہ سے وہ دودھ چوسنا چھوڑ دے اور پھر جلد ہی وہ چوسنا شروع کر دے تو بیچ میں اس طرح دودھ چوسنا چھوڑ دینا اسے ایک دفعہ دودھ چوسنے کے عمل سے خارج نہیں کرے گا۔ جس طرح کھانے والا درج بالا وجوہ کی بنا پر بیچ میں کھانا چھوڑ دے اور پھر جلد ہی دوبارہ کھانے لگے تو یہ ایک دفعہ کھانا شمار ہو گا۔ ایک دفعہ دودھ پینے کی تحقیق میں یہ امام شافعی کا مسلک ہے اور یہ مفہوم لغت کے بھی موافق ہے۔ جب اس طریقے سے پانچ مرتبہ دودھ پینا وجود میں آ جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

۱۰۵۷/۲ - وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

اور انھی سے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم عورتیں دیکھ بھال لیا کرو کہ کون کون سے مرد تمہارے (رضاعی) بھائی ہیں۔ رضاعت تو صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی ہے۔" متفق علیہ

اس حدیث کے پس منظر میں ایک واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس آئے' اس وقت ایک مرد ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اسے دیکھ کر آپؐ کے چہرے پر کبیدگی کے آثار ظاہر

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی حدیث "تم عورتیں دیکھ بھال لیا کرو" کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۲۲۳' ج ۷ ص ۱۲' مسلم شریف حدیث ۳۲' من الرضاع' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۲' سنن ابی داؤد ۲۰۵۸' مسند احمد ج ۶ ص ۹۴' ۱۷۴' ۲۱۴' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۸' منحۃ المعبود ۱۵۶۹' شرح السنۃ ج ۹ ص ۸۳' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے' گویا اس مرد کا وہاں ہونا آپؐ کو پسند نہ آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے کہا "یہ میرا (رضاعی) بھائی ہے۔" اس پر آپؐ نے فرمایا: "تم عورتیں دیکھ بھال کر لیا کرو کہ کون سے مرد تمہارے (رضاعی) بھائی ہیں کیونکہ رضاعت تو بھوک کی وجہ سے ہوتی ہے۔" مصنف (ابن حجر) نے کہا ہے کہ "مجھے اس شخص کا نام معلوم نہیں ہو سکا' میرا خیال ہے کہ یہ ابوالقعیس کا کوئی بیٹا تھا۔" حضورﷺ کا ارشاد: "تم عورتیں دیکھ بھال کر لیا کرو۔" رضاعت کے معاملہ میں تحقیق کر لینے کا حکم ہے کہ آیا یہ درست رضاعت ہے اور اس کی شرط یعنی رضاعت کے زمانے میں اس کا وقوع اور رضاعت کی مقدار بھی موجود ہے یا نہیں' اس لیے کہ دودھ پلانے کے فعل سے پیدا ہونے والا حکم یعنی حرمت صرف اس صورت میں عائد ہوتا ہے جب مذکورہ بالا شرط کے ساتھ دودھ پلانے کا فعل ہوا ہو۔ ابو عبید نے کہا ہے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ شیر خوار جب بھوکا ہو جائے تو رضاعت کا دودھ ہی اسے سیر کر دینے والا طعام ہو۔ یہ صورت نہ ہو کہ رضاعت کے بغیر بھی اسے غذا میسر آ جاتی ہو۔ یہ گویا رضاعت کے بارے میں گہری تحقیق کے لیے علت کا بیان ہے۔ نیز یہ کہ جس رضاعت کے ذریعے حرمت ثابت ہوتی ہے اور رضاعی بھائی بہن وغیرہ کی ایک دوسرے کے ساتھ خلوت حلال ہو جاتی ہے اس سے مراد وہ رضاعت ہے جس میں دودھ پینے والا ایسا بچہ ہو جس کی بھوک دودھ پلانے سے ختم ہو جاتی ہو' اس لیے کہ اس کا معدہ کمزور ہونے کی وجہ سے دودھ ہی اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور اس دودھ کے ذریعے اس کے گوشت پوست کی نشوونما ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ دودھ پلانے والی عورت کا جز ہو جائے گا اور حرمت کے اندر وہ دودھ پلانے والی کی دیگر اولاد کے ساتھ مشترک ہو جائے گا۔ اس لیے حدیث کے آخری فقرے کا مفہوم ہے کہ صرف وہی رضاعت معتبر ہو گی جو شیر خوار کو بھوک سے آزاد کر دے یا بھوک میں اسے طعام مہیا کرنے والی ہو۔ اس طرح یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے مروی حدیث کی ہم معنی ہو جائے گی جو آگے آ رہی ہے اور جس کے الفاظ ہیں: "رضاعت تو صرف وہی ہے جو ہڈیوں کو مضبوط کرے اور گوشت پیدا کرے۔" اور حضرت ام سلمہؓ سے مروی حدیث کی بھی جس کے الفاظ ہیں: "صرف وہی رضاعت حرمت کا سبب بنے گی جو آنتوں کو کھول دے۔" امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے دودھ کو بطور غذا استعمال کرنا حرام ہے' خواہ یہ استعمال پینے کی صورت میں ہو یا منہ میں یا ناک میں ٹپکانے کی شکل میں ہو یا اسے دبر کے راستے اوپر چڑھایا گیا ہو۔ اس لیے کہ مذکورہ دودھ شیر خوار کی بھوک رفع کرنے کے کام آتا ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ احناف اور ہادویہ کا قول ہے کہ حقنہ یعنی مقعد کے راستے اوپر چڑھانا حرام نہیں ہے۔ گویا ان کا کہنا یہ ہے کہ حقنہ رضاعت کے اسم کے تحت نہیں آتا۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اگر رضاعت کے معنی اور مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے تو اس میں وہ تمام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورتیں داخل ہوں گی جن کا ان حضرات نے ذکر کیا ہے۔ اور اگر رضاعت کے مسمی کو سامنے رکھا جائے تو صرف ایک صورت ہی اس کا مصداق ہو گی یعنی دودھ پلانے والی کا پستان شیرخوار کے منہ میں جائے اور وہ اس سے دودھ چوس لے جیسا کہ ظاہریہ کا قول ہے۔ ان کے نزدیک صرف اسی صورت کے تحت حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ زیر نظر حدیث میں رضاعت کو بھوک والی صورت میں منحصر کر دیا گیا ہے جیسا کہ قارئین جان چکے ہیں۔ اب اگلی حدیث ملاحظہ کیجئے۔

۱۰۵۸/۳ - وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ. جَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ. فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ سَالِماً مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ مَعَنَا فِي بَيْتِنَا، وَقَدْ بَلَغَ مَا يَبْلُغُ الرِّجَالُ، فَقَالَ: «أَرْضِعِيهِ تَحْرُمِي عَلَيْهِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

اور ان سے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) مروی ہے کہ سہلۃ بنت سہیل آئیں اور عرض کیا: "اللہ کے رسول ﷺ (میرے شوہر) ابو حذیفہ کا غلام ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہتا ہے اور مردوں کی طرح وہ بالغ ہو چکا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اسے اپنا دودھ پلا دو' اس پر تم حرام ہو جاؤ گی" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) سنن ابی داؤد میں ہے کہ "اسے پانچ بار اپنا دودھ پلا دو" اس طرح گویا وہ ان کا رضاعی بیٹا بن گیا۔

یہ حدیث ماقبل کی حدیث کی معارض ہے۔ شاید مصنف نے اس کا یہاں اس لیے ذکر کیا کہ وہ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ سہلۃ کی حدیث کی وجہ سے اس حکم میں تخصیص ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ بالغ کو بھی اگر دودھ پلایا جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے حالانکہ یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں داخل نہیں کہ "رضاعت تو بھوک کی وجہ سے ہوتی ہے۔"

زیر نظر حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابو حذیفہؓ نے سالم کو اپنا متبنی بنا لیا تھا اور ان کی شادی بھی کرا دی تھی۔ سالم ایک انصاری خاتون کے غلام تھے' جب آیت "ادعوهم لابائهم" (انہیں ان کے باپ کی نسبت سے پکارو۔ سورۂ احزاب آیت ۵) اتری تو اس کے بعد جس کا باپ معلوم و معروف تھا اس کی نسبت

---

(۱) سہلۃ بنت سہیل کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالے: مسلم شریف حدیث ۲۷' ۲۸' من الرضاع' سنن ابی داؤد باب ۱۰ من النکاح' سنن نسائی باب ۵۱' سنن ابن ماجہ ۱۹۴۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۱' المستدرک ج ۳ ص ۲۲۶' مصنف عبدالرزاق ۱۳۳۴۵' ۱۳۸۸۴' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۶۹' ۷۰' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۰' تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۰۸' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۷۸' التمہید ج ۸ ص ۲۵۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی طرف کر دی گئی' اور جس کا باپ معروف و معلوم نہ تھا وہ مسلمانوں کا دینی بھائی اور حلیف قرار پایا۔ اسی موقعہ پر حضرت سہلۃ آئیں اور آپؐ سے اس بات کا تذکرہ کیا جس کا ذکر زیر نظر حدیث میں ہوا ہے۔

حدیث میں مذکورہ حکم کے بارے میں سلف کا اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ کی رائے ہے کہ دودھ پینے والا خواہ عاقل بالغ کیوں نہ ہو رضاعت کی بنا پر تحریم کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ عروہؒ کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو اختیار کر لیا تھا' چنانچہ وہ اپنی بہن ام کلثوم اور بھائی کی بیٹیوں سے کہتیں کہ جن مردوں کو وہ اپنے پاس اندر بلانا پسند کرتی ہوں انہیں اپنا دودھ پلا دیں۔ امام مالک نے اس کی روایت کی ہے۔ حضرت علیؓ اور عروہ سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے۔ لیث بن سعد' ابن حزم کا بھی یہی قول ہے۔ "البحر" کے اندر اس قول کو حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ داؤد ظاہری بھی اسی کے قائل ہیں۔ ان سب کی دلیل حضرت سہلۃ کی زیر نظر حدیث ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس کے حق میں اس قول باری کی بھی دلالت ہے : "وامھاتکم اللاتی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعۃ" (اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں ۔ سورۂ نساء آیت ۲۳) یہ ارشاد باری مطلق ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

جمہور صحابہ' تابعین اور فقہاء کا مسلک ہے کہ صرف وہی رضاعت حرمت کا سبب بن سکتی ہے جو شیرخوارگی کے زمانے میں وجود میں آئی ہو۔ البتہ شیرخوارگی کے زمانے کی تحدید میں ان حضرات کے درمیان اختلاف ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ پیدائش کے پہلے دو سالوں کے دوران دودھ پلانے کا عمل حرمت رضاعت ثابت کر دے گا۔ دو سالوں کے بعد ثابت نہیں کرے گا۔ انہوں نے اس ارشاد باری سے استدلال کیا "حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ" (پورے دو سال اس شخص کے لیے جو دودھ پلانے کا عمل مکمل کرنا چاہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳) ایک گروہ کا قول ہے کہ حرمت پیدا کرنے والی رضاعت وہ ہے جو بچے کے دودھ چھڑانے سے پہلے پہلے ہو جائے۔ ان حضرات نے اس کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی۔ اوزاعی نے کہا ہے کہ اگر بچہ دودھ پینا چھوڑ دے اور ابھی اس کی عمر ایک سال ہو اور یہ صورت حال اسی طرح جاری رہے اور پھر دو سالوں کے اندر وہ کسی کا دودھ پینے لگے تو یہ رضاعت کوئی حرمت ثابت نہیں کرے گی۔ اگر بچے کو دودھ پلانے کا عمل طویل ہو جائے اور بچہ دودھ نہ چھوڑے تو ایسی صورت میں دو سالوں کے اندر جو رضاعت ہو گی وہ حرمت کا سبب بن جائے گی اور دو سالوں کے بعد تک جو رضاعت ہو گی وہ حرمت کا سبب نہیں بنے گی خواہ اسے دودھ پلانے کا عمل کسی قدر طویل کیوں نہ ہو جائے۔

اس مسئلے میں بہت سے اور بھی اقوال ہیں جو سب کے سب دلائل سے خالی ہیں' اس لیے ان کا ذکر کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہم بحث کو طول دینا نہیں چاہتے۔ جمہور نے حدیث "رضاعت تو بھوک کی وجہ سے ہوتی ہے" سے استدلال کیا ہے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے اور یہ صورت صرف اس بچے کی رضاعت پر صادق آتی ہے جسے مرضعہ کا دودھ سیر کر دے اور یہی اس کی غذا ہو' کوئی اور چیز اس کی غذا نہ ہو۔ اس لیے بالغ شخص اس میں داخل نہیں ہو گا خاص طور پر جبکہ مذکورہ حدیث حصر کے اسلوب میں وارد ہوئی ہے۔ ان حضرات نے حضرت سہلہؓ کی روایت کردہ حدیث کو ان کے واقعہ کے ساتھ خاص قرار دیا ہے اس لیے اس کا حکم دوسری صورتوں کی طرف متعدی نہیں ہو گا۔ اس کے حق میں وہ بات دلالت کرتی ہے جو ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے کہی تھی کہ: "ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم سالم کے ساتھ خاص ہے اور ہم نہیں جانتے کہ شاید یہ سالم کے لیے رخصت کی صورت ہو۔" یا اس حدیث کا یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ منسوخ ہے۔ جو لوگ بالغ کی رضاعت کے قائل ہیں انہوں نے جواب میں کہا ہے کہ مذکورہ آیت اور حدیث "رضاعت تو بھوک کی وجہ سے ہوتی ہے" دونوں کا ورود اس رضاعت کو بیان کرنے کے سلسلے میں ہوا ہے جو مرضعہ کے لیے نفقہ کو واجب کرنے والی ہے اور جس پر والدین کو مجبور کیا جائے گا خواہ وہ رضامند ہوں یا ناراض۔ آیت کا آخری حصہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ "و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف" (اور باپ کے ذمے جس کا بیٹا دودھ پی رہا ہو دودھ پلانے والیوں کا نان و نفقہ اور کپڑا ہو گا۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳) پھر حضرت عائشہؓ ہی اس حدیث کی راوی ہیں جس کے الفاظ ہیں: "رضاعت تو بھوک کی وجہ سے ہے" اور وہ بالغ کی رضاعت اور اس رضاعت سے حرمت کی قائل ہیں۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے آیت اور حدیث سے وہی معنی سمجھا تھا جس کا ذکر ہم نے کیا ہے' رہ گیا حضرت ام سلمہؓ کا قول کہ "یہ حکم سالم کے ساتھ خاص ہے" تو ان کا اپنا گمان ہے اور حضرت عائشہؓ نے یہ کہہ کر انہیں جواب دے دیا تھا کہ "کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ موجود نہیں ہے۔" یہ سن کر حضرت ام سلمہؓ خاموش ہو گئی تھیں۔ اگر یہ حکم سالم کے ساتھ خاص ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور بیان کر دیتے جس طرح آپؐ نے سال سے کم عمر بکری کی قربانی کے ساتھ حضرت ابو بردہؓ کے اختصاص کو بیان کر دیا تھا۔ جہاں تک نسخ کے قول کا تعلق ہے تو اس کی تردید اس بات سے ہو جاتی ہے کہ حضرت سہلہؓ کا واقعہ حولین کی آیت کے نزول سے بعد کا ہے کیونکہ حضرت سہلہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ "میں اسے کیسے دودھ پلا سکتی ہوں جبکہ وہ ایک بالغ شخص ہے۔" ان کا یہ سوال ان کی طرف سے بالغ آدمی کو دودھ پلانے کی بات پر ایک گونہ ناپسندیدگی کا اظہار تھا اور دلالت کر رہا تھا کہ تحریم کے اعتقاد کے بعد تحلیل ہوئی ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ لغت کے اعتبار سے رضاعت کا مفہوم صرف اس فرد پر صادق آتا ہے جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کم سنی کے اندر ہو اور لغت پر ہی آیت حولین (وہ آیت جس میں رضاعت کے لیے دو سالوں کا ذکر ہے) وارد ہوئی ہے نیز یہ حدیث بھی کہ "رضاعت تو بھوک کی وجہ سے ہے۔" یہ کہنا کہ مذکورہ آیت اس رضاعت کے بیان کے لیے ہے جو نفقہ کو واجب کر دیتی ہے تو یہ بات اس امر کی منافی نہیں ہے کہ مذکورہ آیت رضاعت کے زمانے کو بھی بیان کر رہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اسے اس شخص کے لیے زمانہ قرار دیا جو رضاعت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور رضاعت مکمل ہو جانے کے بعد کوئی ایسی مدت باقی نہیں رہ جاتی ہے جو اس حکم کے تحت آ سکے جس کے متعلق شارع نے کہہ دیا کہ رضاعت کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ حضرت سہلۃ کی حدیث اور اس کی معارض حدیث کے درمیان تطبیق کے سلسلے میں ابن تیمیہ نے سب سے اچھی بات کہی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ: "رضاعت کے اندر کم سنی کا اعتبار ہو گا الا یہ کہ کوئی خاص ضرورت پیش آ جائے مثلاً اس بالغ شخص کی رضاعت جس کا آنا جانا ایسی خاتون کے پاس ضروری ہو جس کے لیے اس سے پردہ کرنا بہت مشکل کام ہو جس طرح سالم کی کیفیت حضرت ابو حذیفہ کی بیوی کے ساتھ تھی' اس جیسے بالغ شخص کو اگر کوئی عورت اپنا دودھ پلا دے تو اس کی یہ رضاعت موثر ہو گی اور حرمت کا حکم عائد ہو جائے گا۔ اس کے سوا دوسروں کے لیے کم سنی کا ہونا ضروری ہے۔" یہ تاویل احادیث کے درمیان تطبیق کی ایک عمدہ صورت ہے اور ان احادیث کو عمل میں لانے کی ایک بہتر تدبیر ہے۔ اس میں نہ تو اختصاص کے ذریعے احادیث کی مخالفت ہے' نہ نسخ ہے اور نہ ہی اس مفہوم کو نظرانداز کرنا ہے جس کا اعتبار لغت کے نزدیک ہے اور جس کے حق میں احادیث کی دلالت ہے۔

١٠٥٩/٤ - وَعَنْهَا أَنَّ أَفْلَحَ - أَخَا أَبِي ٱلْقُعَيْسِ - جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا بَعْدَ الْحِجَابِ. قَالَتْ: فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُهُ، فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ، وَقَالَ: «إِنَّهُ عَمُّكِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[1].

اور انھی سے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوالقعیس کا بھائی افلح پردہ کا حکم

---

(۱) حدیث "وہ تمہارا چچا ہے" کے حوالے: بخاری شریف ج ۷ ص ۴۹' ج ۸ ص ۴۵' مسلم شریف حدیث ۶' ۷ من الرضاع' سنن ابی داؤد ۲۰۵۷' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۳' سنن ابن ماجہ ۱۹۴۸' ۱۹۴۹' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۵۲' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۶' شرح السنۃ ج ۹ ص ۴۷' مشکوۃ المصابیح ۳۱۶۲' فتح الباری ج ۹ ص ۳۳۸' سنن سعید بن منصور ۹۵۱' التمہید ج ۸ ص ۲۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴' ص ۲۸۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نازل ہونے کے بعد ان کے گھر آیا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ وہ فرماتی ہیں: "میں نے اسے اندر آنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپؐ کو ساری بات بتائی۔ آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے اندر آنے کی اجازت دے دیا کروں اور فرمایا: "وہ تمہارا چچا ہے۔"[1] متفق علیہ

(۱) ابوالقعیس (حضرت قاف پر پیش' پھر حرف عین پر زبر' یاء ساکن اور آخر میں صرف سین) ابو القعیس کا نام وائل بن افلح الاشعری ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا نام جعد ہے۔ پہلی صورت میں اس کا بھائی اپنے والد کا ہم نام ہو جائے گا۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ابوالقعیس کے ذکر کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔

(۲) افلح (حرف الف پر زبر' فاء ساکن' اور آخر میں حرف حاء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام' ایک قول کے مطابق حضرت ام سلمہؓ کا آزاد کردہ غلام۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رضاعت کا حکم مرضعہ کی طرح اس کے شوہر اور رشتہ داروں کے حق میں بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دودھ اترنے کا سبب عورت اور مرد دونوں کا مادۂ منویہ ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں کے ساتھ رضاعت کا تعلق ہونا بھی واجب ہو گیا ہے جس طرح دادا کی کیفیت ہے کہ اپنی اولاد کی اولاد کا سبب ہونے کی بنا پر وہ ان کی تحریم کو واجب کر دیتا ہے اس لیے کہ ان کا تعلق اس کی اولاد سے ہوتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابن عباسؓ نے اس حکم کے بارے میں کہا تھا کہ: "مادۂ تولید تو ایک ہے۔" ابن ابی شیبہ نے ان سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجامعت کی بنا پر چھاتی میں دودھ اترتا ہے۔ اس لیے دودھ کے اندر مرد کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ جمہور صحابہ' تابعین اور اہل مذاہب کا یہی قول ہے۔ زیر نظر حدیث ان کے اس مسلک کی واضح دلیل ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں زیادہ صراحت ہے۔ اس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: "افلح میرے گھر کے اندر آیا' میں نے اس سے پردہ کر لیا' اس پر اس نے کہا "تم مجھ سے پردہ کرتی ہو حالانکہ میں تمہارا چچا ہوں۔" میں نے کہا "تم میرے چچا کیسے بنے" اس نے جواب دیا: "میرے بھائی کی بیوی نے تمہیں دودھ پلایا تھا۔" میں نے کہا: "مجھے عورت نے دودھ پلایا تھا نہ کہ مرد نے۔" تا آخر حدیث۔ اس مسئلے میں حضرت ابن عمرؓ' حضرت ابن الزبیرؓ' حضرت رافع بن خدیجؓ' حضرت عائشہؓ' تابعین کی ایک جماعت' ابن المنذر اور داؤد ظاہری نیز ان کے پیروکاروں نے اختلاف رائے کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مرد کے لیے رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہو گا اس لیے کہ رضاعت عورت کا کام ہے جس سے دودھ وجود میں آتا ہے' ان کے قول کے مطابق ارشاد باری "و امھاتکم اللاتی ارضعنکم" (اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔ سورۂ نساء آیت ۲۳) اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اس آیت میں ایسی کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات نہیں جو حدیث کی معارض بن رہی ہو۔ اس لیے کہ ماؤں کا ذکر اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کے سوا دیگر افراد اس طرح نہیں ہیں۔ اور اگر ماؤں کا ذکر اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس پر دلالت کرتا بھی ہے تو یہ ایک ناقابل التفات لقب کا مفہوم ہو گا جس طرح اصول کے اندر یہ بات معروف ہے۔ ان حضرات نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے فتوے سے بھی اپنے حق میں استدلال کیا لیکن یہ بات مخفی نہیں کہ زیر بحث مسئلے میں یہ کوئی حجت نہیں ہے۔ بعض متاخرین نے اس مسئلے پر بڑی طویل بحث کی ہے اس سے پہلے "الھدی" کے اندر ابن القیم نے اس پر بحث کی ہے جسے ان کے استاد ابن تیمیہ نے بہت پسند کیا تھا۔ تاہم واضح بات وہی ہے جسے جمہور نے اختیار کیا ہے۔

٥/١٠٦٠ - وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: «كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ: عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

ان سے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: "قرآن میں جو آیات نازل ہوئیں ان میں سے یہ آیت بھی تھی: "دس بار متعین طور پر دودھ پلانا حرام کر دیتا ہے۔" پھر یہ پانچ بار متعین طور پر دودھ پلانے والی آیت کے ذریعے منسوخ ہو گئی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو یہ قرآن کی پڑھی جانے والی آیات میں تھی۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(١) یقراء۔ صرف مضارع پر پیش کے ساتھ' حضرت عائشہؓ کہنا چاہتی ہیں کہ پانچ بار دودھ پلانے کے نسخ کا نزول بہت تاخیر سے ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور اس وقت بھی بعض لوگ پانچ بار دودھ پلانے کی آیت کی تلاوت کرتے تھے اور اسے تلاوت کیا جانے والا قرآن سمجھتے تھے کیونکہ قرب زمانہ کی وجہ سے انہیں اس کے منسوخ ہونے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ پھر جب انہیں اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر مل گئی تو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا اور سب کا اس امر پر اجماع ہو گیا کہ اب آئندہ اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی۔ یہ نسخ تلاوت کی صورت ہے نہ کہ حکم کی۔ یہ نسخ کی ایک قسم ہے اس لیے کہ نسخ کی تین قسمیں ہیں۔ اول: نسخ تلاوت و حکم مثلاً "دس بار دودھ پلانا حرام کر دیتا ہے۔" دوم: نسخ تلاوت نہ کہ حکم مثلاً "پانچ بار دودھ

---

(١) حضرت عائشہؓ کی حدیث "قرآن میں جو آیات نازل ہوئیں" کے حوالے: مسلم شریف باب ٦ من الرضاع' سنن ابی داؤد ٢٠٦٢' سنن نسائی ج ٦ ص ١٠٠۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پلانا حرام کر دیتا ہے۔" یا مثلاً بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب بدکاری کریں تو انہیں رجم کر دو۔" سوم: نسخ حکم نہ کہ تلاوت' یہ بہت زیادہ ہے مثلاً قول باری "والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا" ... تا آخر آیت' سورۂ بقرہ آیت ۲۳۴) زیر نظر حدیث کے متعلق تحقیقی بحث گزر چکی ہے' نیز یہ بات بھی کہ اس حدیث سے حاصل شدہ حکم پر عمل رائج ترین قول ہے۔

یہ کہنا ایک قابل رد بات ہے کہ حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث اس بنا پر قرآن نہیں ہے کہ قرآن خبر واحد کے ذریعے ثابت نہیں ہوتا اور یہ حدیث بھی نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے بطور حدیث اس کی روایت نہیں کی۔ یہ قول اس لیے قابل رد ہے کہ اس کی قرآنیت اگرچہ ثابت نہیں اور اس پر الفاظ قرآن کا حکم جاری نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت کی ہے۔ اس لیے عمل کے اعتبار سے یہ حدیث کے حکم میں ہو گی۔ اس جیسی صورت پر علماء کا عمل رہا ہے۔ مثلاً امام شافعی اور امام احمد نے اس زیر بحث مسئلے میں اس پر عمل کیا ہے اور کفارہ کے روزوں کے سلسلے میں احناف اور ہادویہ نے حضرت ابن مسعود کی قرات "تین دن لگاتار" پر عمل کیا ہے اور امام مالک نے میراث میں اخیافی (ماں میں مشترک) بھائی کے حصے کے بارے میں حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات "اور اس کا (میت کا) ایک بھائی یا ایک بہن ہو ماں کی طرف سے" تمام لوگوں نے اس قرات سے استدلال کیا ہے' اور زیر نظر حدیث پر عمل کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے' اس لیے ہم نے گذشتہ بحث میں اسی پر عمل کو مختار قول کہا ہے۔

۱۰۶۱/۶ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدَ عَلَى ابْنَةِ حَمْزَةَ. فَقَالَ: «إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارادہ ظاہر کیا گیا کہ آپؐ کا نکاح حضرت حمزہؓ کی بیٹی سے ہو جائے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "یہ میرے لیے حلال نہیں ہے' یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے اور رضاعت کی بنا پر وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی بنا پر ہوتے ہیں۔" متفق علیہ

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۷ ص ۱۴' مسلم شریف حدیث ۱۱' ۱۲' ۱۵' من الرضاع' سنن ابی داؤد ۲۰۵۶' سنن نسائی ج ۶ ص ۹۶' ۹۹' ۱۰۰' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱' ۳۰۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۸۸' ۲۸۹' ۲۹۰' مسند شافعی ۲۷۲' فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ا) ارید' ہمزہ پر پیش کے ساتھ' ماضی مجہول کا صیغہ۔ یعنی آپؐ سے کہا گیا کہ اگر حضرت حمزہؓ کی بیٹی سے آپؐ نکاح کر لیں تو بہتر ہو گا۔ حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے نام کے متعلق اختلاف ہے اور اس بارے میں سات اقوال ہیں۔ لیکن ایک قول بھی قطعیت کا درجہ نہیں رکھتا۔ یہ آپؐ کے رضاعی بھائی کی اس بنا پر بیٹی بن گئیں کہ آپؐ نے ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے چچا حمزہؓ نے بھی اس کا دودھ پیا تھا۔ رضاعت کے احکام یہ ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ نکاح حرام ہو جاتا ہے' اور آمنے سامنے ہونا' خلوت میں ملنا اور ایک ساتھ سفر کرنا جائز ہو جاتا ہے' ان کے سوا نسب والے دیگر احکام مثلاً توارث' نفقہ دینے کا وجوب اور ملکیت میں آنے کے ساتھ آزاد ہو جانا وغیرہ ثابت نہیں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "رضاعت کی بنا پر وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی بنا پر ہوتے ہیں۔" سے مراد یہ ہے کہ تحریم کے اندر رضاعت نسب کے مشابہ ہے۔ پھر یہ تحریم دودھ پلانے والی کے اعتبار سے ہے اس لیے کہ اس کے اقارب دودھ پینے والے کے اقارب بن جائیں گے۔ رہ گئے دودھ پینے والے کی اولاد کے سوا دیگر اقارب تو ان کے اور دودھ پلانے والی کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لیے ان کے درمیان رضاعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہو گا۔

١٠٦٢/٧ - وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ، وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ هُوَ وَالْحَاكِمُ(١).

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صرف وہی رضاعت حرمت کا سبب بنتی ہے جو آنتوں کو کھول دے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔" ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور انہوں نے نیز حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(ا) الامعاء' جمع المعا (حرف میم پر زبر اور زیر کے ساتھ)

(ا) فتق' حرف فاء' حرف تاء اور حرف قاف تینوں پر زبر کے ساتھ' یہ لفظ فتق بمعنی شق (پھاڑ دینے۔ کھول دینے) سے نکلا ہے' اس سے مراد وہ دودھ ہے جو آنتوں تک پہنچ جائے۔ اس لیے دودھ کی وہ قلیل مقدار جو آنتوں تک پہنچ ہی نہ سکے' حرمت رضاعت کا سبب نہیں بنے گی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ مقدار مراد ہو

(ا) حضرت ام سلمہ کی روایت کے حوالے: سنن ترمذی ١١٥٢' بدائع المنن ١٥٧٨' الکامل لابن عدی ج ٥ ص ٩٨٨' موارد الظمان ١٢٥٠' مشکوۃ المصابیح ٣١٧٣' شرح السنۃ ج ٩ ص ٨٤' فتح الباری ج ٩ ص ١٤٨' ارواء الغلیل ج ٧ ص ٢٢١' التاریخ الکبیر للبخاری ج ٢ ص ٣٧٢' تاریخ بغداد ج ٧ ص ٥٥

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو آنتوں تک پہنچ کر انہیں غذائیت مہیا کرے اور آنتوں کو کسی اور غذا کی ضرورت نہ رہے۔ اس تاویل کی بنا پر یہ حدیث بالغ کی رضاعت کی عدم تحریم کی دلیل ہو جائے گی۔ یہاں یہی بات مراد ہے' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اور یہ رضاعت دودھ چھڑانے سے پہلے ہو" دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے "دو سال سے قبل" مراد ہے جس طرح یہی بات ایک اور حدیث میں آئی ہے کہ : "میرا بیٹا ابراہیم شیرخوارگی کی حالت میں فوت ہو گیا اور جنت کے اندر اس کے لیے ایک دودھ پلانے والی ہے۔" دونوں صورتوں پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اس دوسری صورت پر اگلی حدیث دلالت کر رہی ہے۔

۱۰۶۳/۸ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: «لَا رَضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ» رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَابْنُ عَدِيٍّ مَرْفُوعاً وَمَوْقُوفاً، وَرَجَّحَا الْمَوْقُوفَ[1].

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کا قول مروی ہے کہ "رضاعت صرف دو سالوں کے اندر ہوتی ہے۔" دار قطنی اور ابن عدی نے مرفوع اور موقوف دونوں صورتوں کے تحت اس کی روایت کی ہے تاہم دونوں نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ کوئی علت نہیں ہے۔ یہ بات ہم کئی دفعہ دہرا چکے ہیں۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ الہیثم روایت کرنے میں غلطیاں کرتے تھے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ درست بات تو یہی ہے کہ یہ موقوف روایت ہے' بیہقی نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے دو سالوں کی تحدید روایت کی ہے۔

زیر نظر حدیث دو سال کے اعتبار پر دلالت کر رہی ہے نیز یہ کہ صرف وہی رضاعت جو دو سالوں کے اندر ہو رضاعت کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ آیت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ کہنا کہ مذکورہ آیت صرف نفقہ کے وجوب وغیرہ کے حکم پر دلالت کرتی ہے' رضاعت کی مدت پر نہیں' تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ دو سال کے حکم پر درج بالا روایت بھی دلالت کرتی ہے۔

۱۰۶۴/۹ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا رَضَاعَ إِلَّا مَا أَنْشَزَ الْعَظْمَ، وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ[2].

---

(۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے حوالے : سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۳' ۱۷۴' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۴' نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۱۸' کنز العمال ۱۵۶۷۸۔

(۲) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے حوالے : سنن ابی داؤد ۲۰۵۹' ۲۰۶۰' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۶۱' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۸۳' التمہید ج ۸ ص ۲۶۱' فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۸' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۲۲۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن مسعود(۱) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رضاعت صرف وہی ہے جو ہڈیوں کو مضبوط کر دے اور گوشت کو نشوونما دے۔" ابو داؤد نے اس کی تخریج کی ہے۔

(۱) اس لیے کہ اسے مرفوع روایت کرنے میں الہیثم بن جمیل تنہا ہیں۔ انہوں نے ابن عیینہ سے اس کی روایت کی ہے۔ یہ بات دار قطنی نے بیان کی ہے' نیز کہا ہے کہ الہیثم ثقہ اور حافظ تھے' سعید بن منصور نے ابن عیینہ سے موقوف صورت میں اس کی روایت کی ہے۔

(۲) انشز' حرف شین کے ساتھ اور اس کے بعد حرف زاء' یعنی مضبوط کر دے۔ ہڈیوں کو مضبوط کرنے اور گوشت کو نشوونما دینے کی بات صرف اس شیرخوار کے اندر پائی جائے گی جو دو سال کے اندر ہو گا۔ دودھ کے ذریعے اس کی نشوونما ہوتی ہے' اس کی ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں اور اس کے جسم میں گوشت پیدا ہوتا ہے۔

۱۰۶۵/۱۰ - وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ أُمَّ يَحْيَى بِنْتَ أَبِي إِهَابٍ، فَجَاءَتْ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: لَقَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ؟». فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ. فَنَكَحَتْ زَوْجاً غَيْرَهُ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ(۱).

عقبہ بن الحارث سے مروی ہے کہ انہوں نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے نکاح کر لیا۔ ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ "میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔" انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا' آپؐ نے فرمایا: "جب یہ بات کہہ دی گئی ہے تو اب (نکاح) کیسے رہ سکتا ہے؟" چنانچہ عقبہ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس خاتون نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔ امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) عقبہ بن الحارث' ابو سروعہ عقبہ بن الحارث بن عامر القرشی النوفلی' فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے' ان کا شمار اہل مکہ میں ہوتا ہے۔

(۲) ابی اہاب - ہمزہ کے نیچے زیر کے ساتھ۔

---

(۱) عقبہ بن الحارث کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۱ ص ۳۳' ج ۳ ص ۷۰' ۲۲۱' ۲۲۷' مسند احمد ج ۴ ص ۷' ۳۸۴' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۸' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۷' شرح السنۃ ج ۹ ص ۸۶' ۸۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) ایک عورت آئی۔ مصنف کتاب نے کہا ہے کہ مجھے اس کے نام کا پتہ نہیں چل سکا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دودھ پلانے کی تنہا گواہی قبول کر لی جائے گی۔ امام بخاری نے اس پر باب قائم کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور صحابہ کے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ ابو عبید نے کہا ہے کہ مرد پر ایسی بیوی سے علیحدگی واجب ہے اور حاکم پر اس بارے میں حکم دینا واجب نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ رضاعت کے بارے میں دو عورتوں کی گواہی ہی قابل قبول ہو گی۔ احناف اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ رضاعت کا معاملہ دیگر معاملات کی طرح ہے اس کی گواہی کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے اور صرف دودھ پلانے والی کی گواہی کافی نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ وہ اپنے فعل کو پختہ کر دے گی۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ تین عورتوں کے ساتھ مرضعہ کی گواہی قبول کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ اجرت کے مطالبہ سے کوئی تعرض نہ کر رہی ہو۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ زیر نظر حدیث استحباب پر نیز اشتباہ کی صورتوں سے احتراز کرنے پر محمول ہو گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ظاہر کے خلاف ہے خاص طور پر جبکہ حضرت عقبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا سوال چار مرتبہ دہرایا اور آپؐ جواب میں یہی فرماتے رہے: "جب یہ بات کہہ دی گئی ہے تو اب (نکاح) کیسے رہ سکتا ہے۔ روایت کے بعض طرق میں یہ بھی ہے: "اسے چھوڑ دو!" دار قطنی کی روایت میں ہے "تمہارے لیے اس عورت میں کوئی خیر نہیں ہے۔" اگر اس کا تعلق احتیاط کے باب سے ہوتا تو آپؐ حضرت عقبہؓ کو طلاق کا حکم فرماتے حالانکہ تمام روایتوں میں طلاق کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس لیے یہ حکم اس گواہی کے عموم سے مخصوص قرار پائے گا جس کے اندر تعداد کا اعتبار ہو جاتا ہے۔ آپ حضرات نے تو عورتوں کی پوشیدہ باتوں کی گواہی کے سلسلے میں اس کا اعتبار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسی باتوں کے بارے میں ایک عورت کی گواہی پر اکتفا کر لیا جائے گا۔ آپ حضرات کے نزدیک اس حکم کی علت یہ ہے کہ عورتوں کی پوشیدہ باتوں کی اطلاع مردوں کو بہت کم ہوتی ہے اس لیے ضرورت اس بات کی داعی ہوتی ہے کہ ایسی صورتوں میں ایک عورت کی گواہی قبول کر لی جائے۔ یہاں مرضعہ کے معاملہ میں بھی یہی صورت حال

۱۰۶۶/۱۱ - وَعَنْ زِيَادٍ السَّهْمِيِّ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُسْتَرْضَعَ الْحَمْقَى». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَهُوَ مُرْسَلٌ، وَلَيْسَتْ لِزِيَادٍ صُحْبَةٌ[1].

---

(۱) زیاد السہمی کی روایت کا حوالہ مجھے اس سیاق میں کہیں نہیں ملا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیاد السہمی[1] سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمقی (کم عقل) عورت کو مرضعہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے۔ یہ مرسل حدیث ہے۔ حدیث کے راوی زیاد کو صحبت نبوی حاصل نہیں ہوئی تھی' زیر نظر روایت میں نہی کی وجہ یہ ہے کہ دودھ پینے والوں کی طبیعتوں پر دودھ پلانے کا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے ایسی دایہ منتخب کی جائے جس کے اندر کم عقلی وغیرہ جیسی فطری کمزوریاں موجود نہ ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶ - باب النفقات

نفقات نفقہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ خرچہ ہے جسے انسان اپنے اور دوسروں کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی میں صرف کرتا ہے۔

۱۰۶۷/۱ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ - ٱمْرَأَةُ أَبِي سُفْيَانَ - عَلَى رَسُولِ ٱللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ لَا يُعْطِينِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِينِي وَيَكْفِي بَنِيَّ، إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ، فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ: «خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَمَا يَكْفِي بَنِيكِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ بنت عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کی: "اللہ کے رسول! ابو سفیان ایک کنجوس انسان ہیں۔ وہ مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتے جس سے میرا اور میرے بچوں کا گزارا ہو جائے۔ ہاں ان کی لاعلمی میں ان کے مال میں سے کچھ لے کر گزر اوقات کر لیتی ہوں' آیا میرے اوپر اس کا کوئی گناہ ہو گا؟" آپؐ نے فرمایا: "ان کے مال میں سے اتنا لے لیا کرو جو تمھیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔" متفق علیہ

(۱) ابوسفیانؓ ان کا نام صخر ہے: سلسلہ نسب اس طرح ہے' ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ یہ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ فتح مکہ کے سال اپنی بیوی سے پہلے اس وقت مسلمان ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افواج نے فتح مکہ کے دن انہیں پکڑ لیا۔ حضرت عباسؓ نے انہیں پناہ دی اور اگلے دن انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' وہاں یہ مسلمان ہو گئے۔ ان کی وفات حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۳۲ ہجری میں ہوئی۔

(۲) ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف' فتح مکہ کے سال اپنے شوہر کے مسلمان ہو جانے کے بعد مکہ میں مسلمان ہوئیں۔ ان کا باپ عتبہ' چچا شیبہ اور بھائی ولید بدر کی جنگ میں مارے گئے تھے' جس کا انہیں بڑا

---

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۷ ص ۸۵' ج ۹ ص ۸۹' مسلم شریف باب ۳ حدیث ۷ من الاقضیۃ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدمہ تھا۔ پھر جب حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو انہیں بڑی خوشی ہوئی اور ان کی لاش پر آ کر ان کا پیٹ چیرا اور جگر نکال کر چبا گئیں اور پھر اسے تھوک دیا۔ محرم سن چودہ ہجری میں ان کی وفات ہوئی' تاریخ وفات کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔

(۳) شحیح ۔ عربی میں شح حرص کے ساتھ بخل کو کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم بخل کے مفہوم سے اخص ہے۔ کیونکہ بخل کا تعلق صرف مال نہ دینے کے ساتھ خاص ہے جبکہ شح کا تعلق ہر چیز کے بارے میں نہ دینے کے منفی رویے کے ساتھ ہے۔

زیر نظر حدیث میں ایک انسان کے ایسے ذکر کے جواز کی دلیل ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہو بشرطیکہ ذکر شکایت کے طور پر اور فتویٰ حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔ یہ صورت ان مقامات میں سے ایک ہے جن کے تحت فقہاء نے غیبت کو جائز قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں شوہر پر اپنی بیوی بچوں کے نفقہ کے وجوب پر بھی دلالت ہے۔ حدیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ اولاد خواہ بالغ ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ لفظ میں عموم ہے اور تفصیل پوچھی نہیں گئی اگر کسی اور حدیث سے اس کی تخصیص ہو جائے تو فبہا ورنہ عموم کا فیصلہ یہ ہو گا۔

حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کفالت واجب ہے اور نفقہ کی مقدار کا کوئی تعین نہیں ہے۔ جمہور علماء کا جن میں امام شافعی اور الہادی شامل ہیں' یہی مسلک ہے۔ اور اسی پر ارشاد باری "و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف" (اور بچے کے باپ پر معروف طریقے سے ان کا روٹی کپڑا ہے۔ سورۂ بقرہ' آیت ۲۲۳) بھی دلالت کرتا ہے۔ امام شافعیؒ سے منقول ایک قول کے مطابق نفقہ کی مقدار کا تعین مد (ایک پیمانے کا نام) کے ذریعے کیا جائے گا۔ خوشحال شوہر پر دو مد یومیہ' متوسط پر ڈیڑھ مد یومیہ اور نادار پر ایک مد یومیہ بیوی کا نفقہ واجب ہو گا۔ (مد ایک پیمانہ ہے جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک ایک اور تہائی رطل ہے۔ ایک رطل بارہ اوقیہ یا چالیس تولے کا ہوتا ہے۔ مترجم) الہادی سے منقول ہے کہ یومیہ دو مد اور ماہانہ دو درہم۔ ابویعلی سے منقول ہے کہ روٹی میں یومیہ دو رطل خواہ شوہر خوش حال ہو یا تنگدست' دونوں کے اعتبار سے فرق صرف روٹی کی عمدگی اور صفت میں ہو گا۔ اس لیے کہ خوشحال اور تنگدست دونوں کمائی جانے والی مقدار کے اعتبار سے یکساں ہوتے ہیں۔ صرف عمدگی وغیرہ کے اندر فرق ہوتا ہے۔ نووی نے کہا ہے کہ "جو لوگ نفقہ کی مقدار کے تعین کے قائل ہیں یہ حدیث ان پر حجت ہے۔" مصنف کتاب (حافظ ابن حجر) نے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مذکورہ لوگوں کی تردید کے لیے زیر نظر حدیث صریح نہیں ہے۔ تاہم جو مقداریں مقرر کی گئی ہیں انہیں اپنے ثبوت کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ اگر دلیل ثابت ہو جائے تو اس حدیث میں مذکور کفالت کو مذکورہ مقدار پر محمول کیا جائے گا۔ ہندہ کا یہ کہنا کہ "ہاں'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی لاعلمی میں ان کا کچھ مال لے کر گزر اوقات کر لیتی ہوں۔" اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کی سرکشی کی صورت میں ماں کو اپنی اولاد پر خرچ کرنے کی ولایت اور حق حاصل ہے' نیز یہ کہ جس شخص کے لیے اپنا واجب حق وصول کرنا مشکل ہو جائے وہ اسے کسی اور طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ کے اس طرح رقم وصول کرنے کو برقرار رہنے دیا اور یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کرنا حرام ہے حالانکہ ہندہ نے آپؐ سے پوچھا تھا کہ "آیا اس طرح رقم لینے سے مجھ پر کوئی گناہ تو لازم نہیں ہو گا۔" بخاری کے بعض طرق کے الفاظ یہ ہیں: "تم پر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اپنے بچوں کو معروف طریقے سے کھلاؤ پلاؤ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اتنا لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہو۔" میں احتمال ہے کہ یہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فتویٰ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم ہو۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ غائب شخص پر اس کی طرف سے کوئی وکیل اور نمائندہ مقرر کیے بغیر' حکم عائد کیا جا سکتا ہے۔ اس پر امام بخاری نے باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: "غائب پر فیصلہ عائد کرنے کا باب" اور پھر اس میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ تاہم نووی نے کہا ہے کہ غائب پر فیصلہ عائد کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اپنے شہر سے غائب ہو یا ایسا صاحب حیثیت ہو جس پر کسی کا بس نہ چلتا ہو یا صاحب عذر ہو۔ ابو سفیانؓ کے اندر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی موجود نہیں تھی' بلکہ وہ تو شہر کے اندر موجود تھے۔ اس لیے یہ صورت غائب پر فیصلہ عائد کرنے کے باب سے نہیں ہو گی البتہ سورۂ الممتحنہ کی تفسیر میں "المستدرک" کے اندر حاکم نیشاپوری نے روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ شرط عائد کی کہ "وہ چوری نہیں کریں گی' تو ہندہ نے فوراً کہا: "میں چوری نہ کرنے کی شرط کے تحت آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کروں گی' میں تو اپنے شوہر کی چوری کرتی ہوں۔" یہ سن کر آپؐ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور ابو سفیانؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں اس چوری کو حلال کر دیں یعنی اجازت دے دیں۔ انہوں نے جواب دیا: "جہاں تک تر چیزوں (اشیائے خوردنی) کا تعلق ہے تو میں ہاں کرتا ہوں لیکن جہاں تک خشک چیزوں (رقوم وغیرہ) کا تعلق ہے تو میری طرف سے نہیں ہے۔" یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپؐ نے ایک موجود شخص پر فیصلہ عائد کیا لیکن یہ بات امام بخاری کے قائم کیے ہوئے باب کے خلاف ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ واقعہ فتویٰ بھی ہو سکتا ہے اور حکم بھی' لیکن اس کا فتویٰ ہونا اقرب ہے کیونکہ آپؐ نے ہندہ سے نہ تو گواہی پیش کرنے کا مطالبہ کیا اور نہ ہی انہیں حلف اٹھانے کے لیے کہا۔ ایک قول کے مطابق یہ حکم تھا کیونکہ آپؐ کو اس واقعہ کی سچائی کا علم تھا اس لیے آپؐ نے ہندہ سے نہ تو بینہ (ثبوت) طلب کیا اور نہ ہی قسم۔ اس طرح یہ واقعہ ان لوگوں کے حق میں حجت کا کام دے گا جو اس بات کے قائل ہیں کہ حاکم اپنے علم کے تحت فیصلہ دے سکتا ہے۔ تاہم احتمال کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقص کی وجہ سے یہ حدیث احتمال کی صورتوں میں سے کسی صورت کے لیے بھی دلیل کا کام نہیں دے سکتی۔ اس حدیث سے بس یہ استدلال مکمل ہوتا ہے کہ شوہر پر اپنی بیوی اور اپنی اولاد کا نفقہ واجب ہے۔ نیز یہ کہ بیوی اپنے اخراجات کے لیے شوہر کے مال میں سے لے سکتی ہے اگر وہ اس کی کفالت نہ کرتا ہو۔ یہی وہ حکم ہے جسے زیر نظر حدیث کو باب النفقات میں لا کر بیان کرنا مصنف کے پیش نظر تھا۔

۱۰۶۸/۲ ۔ وَعَنْ طَارِقٍ الْمُحَارِبِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ يَخْطُبُ النَّاسَ. وَيَقُولُ: «يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ: أُمَّكَ وَأَبَاكَ، وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ(۱).

حضرت طارق المحاربی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "ہم مدینہ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ "دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے' ان لوگوں سے ابتداء کرو جو تمہارے عیال میں ہوں: تمہاری ماں' تمہارا باپ' تمہاری بہن اور تمہارا بھائی' پھر تم سے جو لوگ درجہ بدرجہ زیادہ قریب ہوں۔" نسائی نے اس کی روایت کی ہے' ابن حبان اور دار قطنی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) یہ طارق بن عبداللہ المحاربی (حرف میم پر پیش اور پھر حرف حاء) ہیں۔ ان سے جامع بن شداد اور ربعی (حرف راء مکسور' باء ساکن' عین مکسور اور یاء مشدد) ابن مراش حرف حاء مکسور' حرف راء مخفف اور حرف شین)۔

یہ حدیث ایک اور حدیث "اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے" کی گویا تفسیر ہے۔ "النهاية" کے اندر اوپر والے ہاتھ کی تفسیر دینے والے یا خرچ کرنے والے سے کی گئی ہے اور نیچے والے ہاتھ کی تفسیر لینے والے یا روکنے والے ہاتھ سے کی گئی ہے۔

آپؐ کا ارشاد: "ان لوگوں سے ابتدا کرو جو تمہارے عیال میں ہوں۔" رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے وجوب کی دلیل ہے۔ آپؐ نے رشتہ داروں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے باپ سے پہلے ماں کا ذکر کیا ہے اور

---

(۱) حضرت طارق المحاربی کی روایت کے حوالے: سنن نسائی ج ۵ ص ۶۱' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۴۵' موارد الظمان ۱۶۸۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۶' ج ۴ ص ۶۴' ۱۶۳' ج ۵ ص ۳۷۷' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۴۵' تغلیق التعلیق ۴۴۷' ارواء الغلیل ج ۳ ص ۳۱۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح آخر تک۔ یہ ترتیب اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نیک سلوک کی حقدار باپ سے بڑھ کر ماں ہوتی ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ اس کے حق میں اس حدیث کی بھی دلالت ہے جسے امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں آپؐ نے ماں کا تین مرتبہ ذکر کیا اور پھر حرف عطف (ثم) کے ذریعے باپ کا ذکر کیا۔ اس لیے جس بیٹے کے لیے ان دونوں میں سے صرف ایک کی کفالت کی گنجائش ہو تو وہ ان احادیث کی بنا پر اپنی کفالت کو ماں کے ساتھ خاص کرے گا۔ قرآن نے بھی ماں کا حق بڑھ کر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے "ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا' حملتہ امہ کرھا و وضعتہ کرھا" (ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی' اس کی ماں نے تکلیفیں اٹھا اٹھا کر اسے اپنے رحم میں رکھا اور تکلیفیں اٹھا اٹھا کر اسے جنم دیا۔ سورۂ احقاف آیت ۱۵)

آپؐ کا ارشاد "تمہاری بہن' تمہارا بھائی پھر وہ لوگ جو درجہ بدرجہ تم سے زیادہ قریب ہوں۔" تنگدست قریبی رشتہ دار پر انفاق کے وجوب کی دلیل ہے۔ یہ گویا آپؐ کے ارشاد "ان لوگوں سے ابتداء کرو جو تمہارے عیال میں ہوں" کی تفصیل ہے۔ آپؐ نے ایک شخص کے بھائی کو اس کے عیال میں شمار کیا۔ حضرت عمرؓ ابن ابی لیلیٰ' امام احمد اور الہادی کا یہی مسلک ہے لیکن "البحر" کے اندر یہ شرط لگائی گئی ہے کہ خرچ کرنے والا قریبی رشتہ دار وارث بھی بن رہا ہو۔ اس کے لیے ارشاد باری "و علی الوارث مثل ذلک" (اور وارث پر بھی اسی طرح ہے ۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳) سے استدلال کیا گیا ہے۔ یہاں (الوارث) میں لام جنس کے لیے ہے۔ امام شافعی کے نزدیک نفقہ ایسے فقیر کے لیے واجب ہو گا جو کمانے کے قابل نہ ہو خواہ وہ اپاہج ہو یا نابالغ ہو' دیوانہ' اس لیے کہ ایسے لوگ اپنی ذات کی کفالت سے عاجز ہوتے ہیں۔ان حضرات کے قول کے مطابق اگر فقیر رشتہ دار کے اندر مذکورہ بالا تینوں صفات میں سے کوئی صفت موجود نہ ہو تو پھر اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ بہترین قول یہ ہے کہ نفقہ واجب ہو گا اس لیے کہ یہ بہت بری بات ہے کہ ایک شخص کو کمانے کی تکلیف دی جائے جبکہ اس کے قریبی رشتہ دار کے مال میں اس کی کفالت کے لیے گنجائش موجود ہو۔ دوسرا قول نفقہ کے عدم وجوب کا ہے کیونکہ کمانے کی قدرت موجود ہے اور یہ قدرت بمنزلہ مال کے ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ فرع (بیٹے) پر اصل (باپ) کا نفقہ واجب ہے' اس کا عکس نہیں۔ اس لیے کہ ماں باپ کا اچھی طرح ساتھ دینے کے اندر یہ بات شامل نہیں کہ باپ کو بڑھاپے کے اندر کمانے کی تکلیف دی جائے۔ حنفیہ کے نزدیک ایسے محرم رشتہ دار کو وراثت کے بقدر کما کر دینا واجب ہے جو فقیر ہو اور کمائی کرنے سے عاجز ہو۔ فریقین کی کتابوں میں اسی طرح درج ہے۔ "البحر" کے اندر ان حضرات سے جو اقوال منقول ہیں وہ اس سے مختلف ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درج بالا اقوال ایسے ہیں جن کے بارے میں استدلال کا چہرہ صاف نہیں ہے۔ ارشاد باری "و آت ذا القربٰی حقه" (اور رشتہ دار کو اس کا حق دو۔ سورۂ اسراء آیت ۲۶) میں اس بات کا اشارہ ہے کہ قریبی رشتہ دار کا اپنے قریبی رشتہ دار پر حق ہوتا ہے۔ اور حقوق کے اندر تفاوت ہوتا ہے' حاجت کی صورت میں نفقہ واجب ہو گا اور حاجت نہ ہونے کی صورت میں اس کا حق یہ ہو گا کہ نفقہ کے سوا دیگر طریقوں مثلاً عزت و اکرام اور نیکی کے ذریعے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

زیر نظر حدیث رشتہ داروں اور ان کی درجہ بندی کو گویا بیان کر رہی ہے۔ تنگدست رشتہ دار پر انفاق اسی ترتیب سے واجب ہو گا جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ یہاں اولاد اور بیوی کا ذکر نہیں ہوا اس لیے کہ ان کے بارے میں ایک اور دلیل کے ذریعے علم ہو چکا ہے۔ یہ دلیل اس باب کی پہلی حدیث ہے۔ رہ گئی یہ شرط کہ خرچ کرنے والا رشتہ دار وارث بھی ہو تو اس میں ہمیں توقف ہے (ہم اس شرط کے قائل نہیں ۔ مترجم)

قارئین کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ماضی کے نفقہ کے سقوط کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے ایک قول کے مطابق بیوی اور اقارب کے حق میں یہ نفقہ ساقط ہو جائے گا' دوسرا قول ہے کہ ساقط نہیں ہو گا۔ تیسرا قول ہے کہ رشتہ دار کا یہ نفقہ ساقط ہو جائے گا' بیوی کا یہ نفقہ ساقط نہیں ہو گا۔ ان حضرات نے اس تفصیل کی علت یہ بیان کی ہے کہ قریبی رشتہ دار کا نفقہ اس لیے مشروع ہوا ہے کہ اس کے ذریعے اس کی مدد ہو جائے اور اس طرح اس کی جان کو زندہ رہنے کا موقعہ ملے۔ یہ بات ماضی کے اعتبار سے منتفی ہوتی ہے۔ رہ گیا بیوی کا نفقہ تو یہ مدد دینے کی خاطر واجب ہوتا ہے۔ اسی لیے بیوی کی خوشحالی کی صورت میں بھی شوہر پر اس کا وجوب ہو جاتا ہے۔ نیز شوہر سے اس کے عدم سقوط پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اس لیے اجماع صحابہ کے بعد اس سے اختلاف کرنے والے کسی شخص کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : "ان کے لیے تم پر معروف طریقے سے روٹی کپڑا ہے" اس لیے جب تک بیوی تابعدار رہے گی اس کا یہ حق ثابت رہے گا۔ امام شافعی نے عمدہ اسناد کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے افواج کے سپہ سالاروں کو ان سپاہیوں کے بارے میں جو اپنی بیویوں سے دور ہو گئے تھے تحریری طور پر حکم دیا تھا کہ وہ انہیں پابند کریں کہ یا تو وہ اپنی بیویوں کا خرچہ دیں یا پھر انہیں طلاق دے دیں' اگر طلاق دے دیں تو اتنے عرصے کا نفقہ بھیج دیں جتنا عرصہ انہوں نے ان کو (نفقہ کے بغیر) اپنی زوجیت میں محبوس رکھا تھا۔ حافظ ابو حاتم رازی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ابن کثیر نے "الارشاد" کے اندر اسے بیان کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳/۱۰۶۹ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ابوہریرہ(۱) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مملوک کے لیے (آقا پر) اس کا کھانا اور کپڑا ہے۔ اور اسے صرف اتنا ہی کام کرنے کا مکلف بنایا جائے جتنا اس کی طاقت میں ہو۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

یہ حدیث اس حکم کی دلیل ہے جس پر سب کا اجماع ہے کہ مملوک کا روٹی کپڑا آقا پر واجب ہے۔ ظاہر حدیث تو مطلق طعام اور مطلق کپڑے کے بارے میں ہے۔ اس لیے آقا جو کھائے اور جو پہنے بعینہ وہی کھانا اور وہی کپڑا مملوک کے لیے اس پر واجب نہیں ہو گا۔ امام مسلم کی روایت کردہ حدیث جس میں حکم ہے کہ آقا خود جو کھائے غلاموں کو وہی کھلائے اور خود جو پہنے غلاموں کو وہی پہنائے' تو یہ حکم استحباب پر محمول ہے۔ اگر اس مسئلے میں اجماع کی دلیل نہ ہوتی تو یہ احتمال تھا کہ امام مسلم کی مذکورہ حدیث کتاب میں مذکورہ مطلق حدیث کو مقید کر دے۔ زیر نظر حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آقا اپنے مملوک سے صرف وہی کام لے جس کے کرنے کی اسے طاقت ہو۔ اس پر بھی سب کا اجماع ہے۔

٤/۱۰۷۰ ـ وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: «أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ». الْحَدِيثُ، وَتَقَدَّمَ فِي عِشْرَةِ النِّسَاءِ(۲).

حکیم بن معاویہ(۲) القشیری سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول' ہم میں سے کسی پر اس کی بیوی کا کیا حق ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "جب تم خود کھاؤ اسے بھی کھلاؤ اور جب تم خود پہنو اسے بھی پہناؤ" تا آخر حدیث۔ یہ حدیث باب "عشرۃ النساء" میں گزر چکی ہے۔

(۱) معاویہ بن حیدہ سے

(۲) یعنی پوری حدیث' اس کی روایت کی نسبت امام احمد' ابو داؤد' نسائی اور ابن ماجہ کی طرف ہوئی ہے' نیز یہ

---

(۱) حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے حوالے: مسلم شریف باب ۱ حدیث ۴۲' من الایمان' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۷' ۳۴۲۔

۲ ـ حکیم بن معاویہ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۱۴۲' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۰۵' مشکوۃ المصابیح ۳۲۵۹' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۹۷' شرح السنۃ ج ۹ ص ۱۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶' ۴۴۷' ج ۵ ص ۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اس کے بعض حصوں کی امام بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے' حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور اس پر بحث گزر چکی ہے۔

۱۰۷۱/۵ - وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي حَدِيثِ الْحَجِّ بِطُولِهِ - قَالَ فِي ذِكْرِ النِّسَاءِ: «وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع کی طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں عورتوں کے سلسلے میں آپؐ نے فرمایا: "تم پر معروف طریقے سے ان کا کھانا کپڑا ہے۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

یہ حدیث بیوی کے لیے روٹی کپڑے کے وجوب کی دلیل ہے۔ اس پر آیت کی بھی اسی طرح دلالت ہے۔ اور اس مسئلے میں سب کا اجماع ہے۔ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

آپؐ کا ارشاد "معروف طریقے" سے اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ شوہر پر بیوی کا نفقہ متعارف صورت کے تحت واجب ہو گا یعنی جس طرح کوئی شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتا ہو۔ جیسے یہ ارشاد باری ہے "لينفق ذوسعة من سعة و من قدر عليه رزقه فلينفق مما اتاه الله لا يكلف الله نفسا الا ما آتها" (کشائش والا شخص اپنی کشائش میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی کو بھی مکلف نہیں بناتا مگر اس چیز کا جو اس نے اسے دیا ہے۔ سورۂ طلاق آیت ۷) پھر بیوی کو پکا ہوا کھانا دینا واجب ہے کیونکہ اس پر ہی نفقہ کا لفظ صادق آتا ہے' قیمت دینا صرف اس صورت میں واجب ہو گا جب وہ شخص جس پر انفاق واجب ہو' اس پر رضامند ہو جائے۔ ابن القیم نے "الہدیٰ النبوی" میں اس پر طویل بحث کی ہے' اور اسی قول کو اختیار کیا ہے اور حق بھی یہی ہے۔ ان کا قول بلفظہ ذیل میں درج ہے: "رہ گئی دراہم فرض ہونے کی بات تو اس کی بنیاد نہ تو کتاب اللہ میں ہے' نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں' نہ ہی کسی صحابی سے یہ منقول ہے نہ تابعین سے اور نہ ہی تبع تابعین سے' نہ ہی ائمہ اربعہ میں سے اور نہ ہی دیگر ائمہ اسلام میں سے کسی نے اس پر نص کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں' بیویوں اور غلاموں کا معروف طریقے سے نفقہ واجب کیا ہے۔ اور دراہم فرض کر دینا معروف طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ معروف طریقہ جس پر شرع نے صاد کیا ہے' یہ ہے کہ خود جو پہنے وہ انہیں پہنائے اور خود جو کھائے

---

(۱) حضرت جابر کی روایت کا حوالہ حدیث نمبر ۶۹۳ کے ذیل میں درج ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ انہیں کھلائے۔ دراہم نہ تو واجب میں داخل ہیں اور نہ ہی اس کا عوض ہیں' اور کسی ایسی چیز کا عوض لینا درست نہیں ہوتا جو ایک حالت میں برقرار نہ ہو اور نہ ملکیت میں آئی ہو۔ اس لیے کہ اقارب اور بیویوں کا نفقہ تو یومیہ کے حساب سے واجب ہوتا ہے۔ اگر نفقہ ایک حالت پر برقرار بھی ہوتا تو بھی شوہر اور رشتہ داروں کی رضامندی کے بغیر اس کا عوض لینا درست نہ ہوتا۔ اس لیے کہ دراہم تو واجب اصلی سے عوض ہوتے ہیں اور یہ واجب اصلی یا تو گندم ہے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے یا اشیائے خوردنی ہیں جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ پھر رضامندی کے بغیر دراہم کی صورت میں اس واجب اصلی کا معاوضہ لینے پر کسی کو کس طرح مجبور کیا جا سکتا ہے جبکہ شرع کی طرف سے بھی متعلقہ شخص کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ بات قواعد شرع' نصوص ائمہ اور بندوں کے مصالح کے خلاف ہے۔ البتہ اگر خرچ کرنے والا اور خرچہ لینے والا دونوں اس پر متفق ہو جائیں تو طرفین کے اتفاق کی بنا پر اس کا جواز ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں بیوی کو اس واجب نفقہ کا معاوضہ دینے کے مسئلے میں امام شافعی وغیرہ کے مسلک میں مشہور نزاع ہے۔"

١٠٧٢/٦ ـ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْماً أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ(١).

وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ: «أَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ»(٢).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک انسان کے گنہگار ہو جانے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ جس کے لیے خوراک وغیرہ مہیا کرتا ہو اسے ضائع کر دے۔" نسائی نے اس کی روایت کی ہے۔ امام مسلم کے نزدیک اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: "انسان کے گنہگار ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اس شخص کو خرچ دینا بند کر دے جسے خوراک مہیا کرنا اس کے قبضے میں ہو۔"(٢)

---

(١) حضرت ابن عمر کی روایت "ایک انسان کے گنہگار ہونے کے لیے... الخ" کے حوالے: سنن ابی داؤد ١٦٩٢' مسند احمد ج ٢ ص ١٦٠' ١٩٣' ١٩٥' السنن الکبریٰ ج ٧ ص ٤٦٧' ج ٩ ص ٢٥' مجمع الزوائد ج ٤ ص ٣٢٥' المعجم الکبیر للطبرانی ج ١٢ ص ٣٨٢' ارواء الغلیل ج ٤ ص ١٦٧' تفسیر قرطبی ج ٤ ص ١٤٩' ج ٥ ص ٢٩٦' الکامل ابن عدی ج ٤ ص ١٤٧٧' شرح السنة ج ١٢ ص ٣٨٢' مشکوة المصابیح ٣٣٣٦۔

(٢) حضرت ابن عمر کی حدیث بروایت امام مسلم کے حوالے: مسلم شریف باب ١٢ من الزکوٰة الدر المنثور ج ١ ص ٢٥٥' ارواء الغلیل ج ٣ ص ٤٠٧' تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٤٦٢' تفسیر قرطبی ج ٥ ص ١٩٠۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ انسان پر اس شخص کا نفقہ واجب ہے جسے وہ روزی اور خوراک مہیا کرتا ہو کیونکہ وہ اپنے ذمہ واجب شدہ کام کو ترک کرنے پر ہی گنہگار ہو گا۔ یہاں اس کے گناہ کو بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کی ہلاکت کے لیے اسی گناہ کو کافی قرار دیا گیا ہے' ہلاکت کے لیے اس کے سوا کسی اور گناہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔ ایک شخص جن لوگوں کو خوراک مہیا کرتا ہے اور جن کی روزی اس کے قبضے میں ہوتی ہے ان سے مراد وہ افراد ہیں جن کا خرچ چلانا اس کے ذمہ ہوتا ہے یعنی اس کے اہل و عیال' اولاد اور غلام۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ امام مسلم کی روایت کے الفاظ ممالیک یعنی غلاموں اور لونڈیوں کی خوراک کے ساتھ خاص ہیں جبکہ نسائی کی روایت کے الفاظ عام ہیں۔

۱۰۷۳/۷ - وَعَنْ جَابِرٍ - يَرْفَعُهُ، فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا - قَالَ: «لَا نَفَقَةَ لَهَا». أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، لَكِنْ قَالَ: الْمَحْفُوظُ وَقْفُهُ.

وَثَبَتَ نَفْيُ النَّفَقَةِ فِي حَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَمَا تَقَدَّمَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت جابر(۱) سے حاملہ بیوی کے بارے میں مرفوع صورت میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں۔" بیہقی نے اس کی روایت کی ہے۔ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں' لیکن بیہقی نے کہا ہے کہ اس روایت کا موقوف ہونا محفوظ ہے' نفقہ کی نفی حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے اور امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یہ حکم طلاق بائن پانے والی مطلقہ کے بارے میں ہے' اسے کوئی نفقہ نہیں ملے گا۔ اس پر بحث بھی گزر چکی ہے۔ یہاں گفتگو بیوہ ہو جانے والی عورت کے بارے میں ہے' اس مسئلے میں اختلاف رائے ہے۔

علماء کا ایک گروہ اس رائے کا قائل ہے کہ بیوہ کے لیے کوئی نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ' پہلی صورت کی دلیل زیر نظر حدیث ہے۔ دوسری صورت میں نفقہ واجب نہ ہونا بطریق اولیٰ ہو گا۔ شوافع' احناف اور المؤید کا یہی مسلک ہے اور دلیل زیر نظر حدیث ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ برات ذمہ اصل ہے اور چار مہینے دس دن تک انتظار میں رہنا نفقہ کو واجب نہیں کرتا۔ کچھ دوسرے حضرات جن میں الہادی

---

(۱) حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی شامل ہیں بیوہ کے لیے نفقہ کے وجوب کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس ارشاد باری سے استدلال کیا ہے "متاعا الی الحول" (سال تک نان و نفقہ دینا) ان کے قول کے مطابق آیت سے ایک سال کی مدت کا نسخ نفقہ کے نسخ کا موجب نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیوہ اپنے مرحوم شوہر کی وجہ سے پابند ہوئی ہے اس لیے اس کا نفقہ واجب ہو گا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وصیت کے ذریعے نفقہ واجب ہوتا تھا اس پر یہ قول باری دلالت کرتا ہے۔ "والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیة لازواجهم متاعا الی الحول" (اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں ان کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نان و نفقہ دیا جائے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۴۰) پھر نان و نفقہ کے بارے میں وصیت کی بات منسوخ ہو گئی۔ یہ نسخ یا تو اس ارشاد باری کی بنا پر ہوا۔ "یتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا" (اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک انتظار میں رکھیں) یا آیت مواریث کی بنا پر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی بنا پر کہ "وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔" رہ گیا یہ ارشاد باری کہ "فانفقوا علیهن حتی یضعن حملهن" (ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔ سورۂ طلاق آیت ۶) تو یہ طلاق یافتہ عورتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے' یہ بیوہ کو شامل نہیں ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت "والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیة لازواجهم متاعا الی الحول" (میراث کی آیت کے ذریعے منسوخ ہو گئی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیواؤں کے لیے کل میراث کا چوتھا یا آٹھواں حصہ مقرر فرما دیا ہے۔ ایک سال کی مدت بھی منسوخ ہو گئی وہ اس طرح کہ بیوہ کے لیے چار مہینے دس دن کی مدت مقرر کر دی گئی۔ مصنف کتاب نے یہاں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کا ذکر کیا ہے۔ ان کی شاید مراد یہ ہے کہ طلاق بائن پانے والی مطلقہ اور بیوہ دونوں کا حکم اس بنا پر ایک ہے کہ بائن ہو جانے اور دوسرے مرد کے لیے حلال ہونے کی صفت دونوں میں مشترک ہے۔

۱۰۷٤/۸ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ: «الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَيَبْدَأُ أَحَدُكُمْ بِمَنْ يَعُولُ، تَقُولُ الْمَرْأَةُ: أَطْعِمْنِي أَوْ طَلِّقْنِي». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ(۱).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اوپر کا

---

(۱) ۵۹۲ نمبر حدیث میں تخریج ہو چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے' اور تم میں سے جو کوئی ہو وہ ان لوگوں سے ابتدا کرے جو اس کے عیال میں ہوں۔ عورت کہے گی کہ: "مجھے کھانے کو دو یا مجھے طلاق دے دو" دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۱) اس فقرے کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) یعنی نیکی اور حسن سلوک کی۔

(۳) دار قطنی نے اس حدیث کی تخریج عاصم کے طریق سے کی ہے' انہوں نے ابوصالح سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے' تاہم عاصم کے حفظ کے بارے میں کچھ نہ کچھ بات کہی گئی ہے۔ امام بخاری نے اس کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ پر موقوف صورت میں کی ہے۔ الاسماعیلی کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ "آیا یہ بات آپ اپنی رائے سے کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے نقل کرتے ہیں؟" انہوں نے فرمایا: "یہ بات میری جیب میں سے ہے۔" گویا یہ اشارہ کر دیا کہ انہوں نے یہ استنباط کیا ہے۔ احادیث پر نظر رکھنے والے حضرات نے اسی طرح کہا ہے۔ لیکن جو بات ظاہر بلکہ متعین ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے جب لوگوں سے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اور پھر لوگوں نے ان سے پوچھا کہ "یہ بات آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے نقل کر رہے ہیں" تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ "میں اپنی جیب سے کہہ رہا ہوں۔"

حدیث "اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے" کی تخریج حدیث نمبر ۵۹۲ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

گویا انہوں نے لوگوں پر طنز کیا تھا' انہیں یہ خبر نہیں دی تھی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے جب انہوں نے کہہ دیا تھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تو اس کے بعد ان کے قول "یہ بات میری جیب میں سے ہے" کو اس پر محمول کرنا کس طرح درست ہو گا کہ انہوں نے اس کے حقیقی معنی کا ارادہ کیا تھا؟ اور اپنے استنباط کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرف کر دی تھی۔ یہ تو ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صریح کذب بیانی ہے' جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ کا دامن اس سے بالکل پاک ہے' وہ تو خود اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہ "جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے اسے اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لینا چاہیے!" اس لیے اس بات کے قرائن بالکل واضح ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے قول کے ذریعے سائل کا مذاق اڑایا تھا۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ ان کے قول کا یہی مفہوم اور مراد متعین ہے۔ مصنف کتاب نے یہاں جس روایت کا ذکر کیا ہے وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کا بعض حصہ ہے' انہوں نے ان کے قول "یہ ابو ہریرہ کی جیب سے ہے" کی تفسیر کی ہے کہ "یہ بات انہوں نے اپنے حفظ سے کہی ہے۔" انہوں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حفظ کی تعبیر جیب سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس کا ذکر بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنا کپڑا یا اپنے جسم پر پڑی ہوئی دھاری دار چادر بچھا دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہت سی احادیث یاد کرائیں اور پھر اس چادر کو لپیٹ دیا' اور پھر حضرت ابو ہریرہؓ مذکورہ احادیث میں سے کچھ بھی نہیں بھولے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ مذکورہ چادر ان کے لیے جیب بن گئی تھی۔ ہم نے قارئین کو اشارہ کر دیا تھا کہ مصنف نے حضرت ابو ہریرہؓ کی پوری حدیث کا ذکر نہیں کیا' پوری حدیث بخاری شریف میں ہے کہ "غلام کہے کہ مجھے کھانا دو اور کام پر لگاؤ" الاسماعیلی کی روایت میں ہے: "تمہارا خادم کہے کہ مجھے کھانا دو یا پھر مجھے فروخت کر دو" اور بیٹا کہے کہ "آپ مجھے کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟"

یہ تمام روایتیں ان لوگوں پر انفاق کے وجوب کی دلیل ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یعنی بیوی' غلام اور اولاد' یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ حدیث کی اس امر پر دلالت ہے کہ غلام کا نفقہ آقا پر واجب ہے بصورت دیگر اسے فروخت کر دینا واجب ہو گا۔ نیز یہ کہ اولاد خواہ بالغ کیوں نہ ہو اس کا نفقہ باپ پر واجب ہو گا۔ ابن المنذرؒ نے کہا ہے کہ بالغ اولاد کے نفقہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ جبکہ مذکورہ اولاد کے پاس نہ مال ہو اور نہ کوئی کمائی۔ ایک گروہ نے تمام اولاد کے لیے نفقہ واجب کر دیا ہے خواہ یہ نابالغ ہو یا بالغ اور خواہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں بشرطیکہ ان کے پاس مال وغیرہ نہ ہو جس کے ذریعے وہ اپنے باپ سے مستغنی ہو سکیں۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اولاد پر انفاق اس وقت تک واجب ہے جب تک بیٹے بالغ نہ ہو جائیں اور بیٹیوں کی شادیاں نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد باپ پر ان کا کوئی نفقہ واجب نہیں ہو گا الا یہ کہ وہ اپاہج ہوں اگر ان کے پاس مال وغیرہ ہو تو باپ پر ان کے نفقہ کا وجوب نہیں ہو گا۔ زیر نظر حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو خرچہ نہ دے سکے اور تنگدست ہو جائے تو ایسی صورت میں بیوی کو اس سے علیحدگی کے مطالبہ کا حق ہو گا۔ اس پر درج ذیل حدیث کی بھی دلالت ہے۔

۱۰۷۵/۹ ـ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ـ فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ ـ قَالَ: «يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا». أَخْرَجَهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ لسعيد بن الْمُسَيَّبِ: سُنَّةٌ فَقَالَ: سُنَّةٌ. وَهَذَا مُرْسَلٌ قَوِيٌّ.

سعید بن المسیب سے اس شخص کے بارے میں جس کے پاس اپنی بیوی کو خرچہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو' ان کا یہ قول منقول ہے کہ "دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے گی۔" سعید بن منصور نے اس کی روایت سفیان سے' انہوں نے ابوالزناد سے اور انہوں نے سعید بن المسیب سے کی ہے' ابوالزناد کہتے ہیں کہ میں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعید سے پوچھا کہ آیا یہ سنت ہے؟ انہوں نے کہا: "سنت ہے" یہ ایک قوی مرسل ہے۔

سعید بن المسیب کے مراسیل پر عمل ہوتا ہے کیونکہ ان کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ ثقہ شخص سے ہی ارسال کرتے ہیں۔ امام شافعی نے کہا ہے: "سعید کا قول "سنت ہے" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔" ابن حزم نے کہا ہے کہ "سعید نے اپنے قول سے شاید سنت عمرؓ مراد لی ہو" تاہم یہ بات خلاف ظاہر ہے' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سائل سنت کا لفظ کہہ کر سنت عمرؓ کے بارے میں پوچھے۔ اس مفہوم پر کلام کو محمول ہی نہیں کرنا چاہیے۔ سائل نے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی بات کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ ایک گروہ نے تو کہا ہے کہ جب راوی کہے کہ "فلاں بات سنت میں سے ہے" تو اس میں احتمال ہوتا ہے کہ شاید اس کی مراد خلفائے راشدین کی سنت ہو لیکن راوی سے پوچھ لینے کے بعد سائل کی مراد صرف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے۔ اور جواب دینے والا صرف اسی سنت کے بارے میں جواب دیتا ہے' کسی اور کی سنت کے بارے میں نہیں۔ اس لیے کہ سائل اس سنت کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے جو حجت اور دلیل کا کام دیتی ہو' ایسی سنت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت ہوتی ہے۔ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "اس شخص کے بارے میں جس کے پاس اپنی بیوی کو نفقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے گی۔"

مصنف کتاب کا یہ دعویٰ کہ اوپر کی روایت کے سلسلے میں دار قطنی کو وہم ہو گیا ہے اور بیہقی نے اس وہم پر ان کی پیروی کی ہے' تو ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔ ہم نے "ضوء النہار" کے حواشی میں اس پر تحقیق کی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ کے اس مراسلہ کا ذکر جلد ہی آئے گا جس میں انہوں نے افواج کے سالاروں کو حکم دیا تھا کہ وہ سپاہیوں سے سختی سے کہہ دیں کہ یا تو اپنی بیویوں کو نفقہ دیں یا پھر انہیں طلاق دے دیں۔

شوہر کے تنگدست ہو جانے کی صورت میں عورت کے فسخ نکاح کے مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ پہلا قول فسخ نکاح کے ثبوت کا ہے۔ یہ حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' تابعین کے ایک گروہ نیز امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے اور اہل ظواہر بھی اسی کے قائل ہیں۔ ان حضرات نے زیر نظر حدیث سے نیز حدیث "اسلام میں نہ تو کسی کو نقصان پہنچانا ہے اور نہ ہی کسی سے نقصان اٹھانا ہے۔" اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔ نیز یہ کہ نفقہ لذت اندوزی کے بالمقابل ہوتا ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سرکشی کرنے والی بیوی کے لیے جمہور کے نزدیک کوئی نفقہ نہیں۔ جب نفقہ واجب نہیں ہو گا تو لذت اندوزی ساقط ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں بیوی کے لیے خیار واجب ہو جائے گا۔ نیز یہ کہ اگر آقا اپنے غلام پر انفاق کرنے سے عاجز ہو تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی صورت میں ان حضرات نے آقا پر غلام کی فروخت واجب کر دی ہے اس لیے بیوی کی علیحدگی کو واجب کر دینا بطریق اولیٰ ہو گا۔ اس لیے کہ عورت کی کمائی پر شوہر کا استحقاق نہیں ہوتا جس طرح غلام کی کمائی پر آقا کا استحقاق ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ ابن المنذر نے نامردی کی صورت میں فسخ نکاح پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ شوہر کے نامرد ہونے کی صورت میں بیوی کو لاحق ہونے والے ضرر سے وہ ضرر کہیں بڑھ کر ہوتا ہے جو خرچہ نہ ملنے کی صورت میں اسے لاحق ہوتا ہے۔ نیز ارشاد باری ہے "ولا تضاروھن" (اور انہیں ضرر نہ دو۔ سورۂ طلاق آیت ۶) نیز ارشاد ہے "فامساک بمعروف او تسریح باحسان" (پھر یا تو بھلے طریقے سے اسے اپنی زوجیت میں روک رکھنا ہے یا احسان کے تحت اسے جانے دینا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۹) اگر بیوی کو خرچہ نہ دیا جائے اور اسے اس کے بغیر چھوڑ دیا جائے تو ایسی صورت میں بھلے طریقے سے زوجیت میں روک رکھنے کی بھلا کوئی صورت ہو گی؟ اور خرچہ نہ دینے سے اسے جو ضرر پہنچے گا اس سے بڑا کوئی اور ضرر ہو گا؟ دوسرا قول حنفیہ اور ہادویہ کا ہے اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں کہ اگر شوہر تنگدستی کی وجہ سے نفقہ نہ دے سکے تو اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہو گا۔ ان حضرات نے اس ارشاد باری سے استدلال کیا ہے "و من قدر علیہ رزقہ فلینفق مما آتاہ اللہ لا یکلف اللہ نفسا الا ما آتاھا" (اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ ہو جائے تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی کو صرف اسی چیز کا مکلف بناتا ہے جو اس نے اسے دیا ہے۔ سورۂ طلاق آیت ۷) ان حضرات کے قول کے مطابق جب اللہ نے اس تنگدستی کی حالت میں اسے نفقہ دینے کا مکلف نہیں بنایا تو شوہر اس کام کا تارک قرار پایا جو اس پر واجب نہیں تھا۔ اس کے ترک پر وہ گنہگار نہیں ہو گا۔ اس لیے یہ بات اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کا سبب نہیں بنے گی۔ نیز مسلم شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے آپؐ سے نفقہ کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بالترتیب حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی گردنوں پر ہاتھ سے ضربات لگائیں اور کہنے لگے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپؐ کے پاس نہیں ہے۔" تا آخر حدیث' ان پر حضرات نے کہا ہے کہ یہ ہیں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جو اپنی بیٹیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات پر مار رہے تھے کہ انہوں نے آپؐ سے نفقہ مانگا تھا جو آپؐ کو میسر نہ تھا۔ اگر ان دونوں ازواج مطہرات کو فسخ کا حق ہوتا جبکہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کر رہی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیخین کو وہ کام کرنے نہ دیتے جو وہ کر رہے تھے بلکہ آپؐ ضرور بیان کر دیتے کہ میری عسرت کے باوجود ان دونوں کو نفقہ کے مطالبہ کا حق ہے تاکہ اس طرح فسخ کا مطالبہ ثابت ہو جاتا۔ نیز یہ کہ صحابہ کے اندر بلا شک و شبہ عسرت زدہ افراد موجود تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو نہیں بتایا کہ تمہاری بیوی کو فسخ کا حق حاصل ہے' اور کسی نے بھی فسخ نکاح نہیں کیا۔ ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ اگر کسی کی بیوی بیمار پڑ جائے اور اس کی بیماری اتنی طویل ہو جائے کہ اس کے ساتھ شوہر کے لیے مجامعت مشکل ہو جائے تو بھی اس کا نفقہ واجب ہو گا اور فسخ ممکن نہیں ہو گا۔ یہی صورت شوہر کی بھی ہے۔ اس سے یہ دلالت حاصل ہوئی کہ انفاق لذت اندوزی کے بالمقابل نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں۔ رہ گئی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث تو اس کے متعلق خود انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ یہ ان کی جیب سے ہے (یعنی وہ یہ بات اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں) حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری حدیث بھی شاید اسی طرح ہے۔ رہ گئی سعید بن المسیب کی روایت تو وہ مرسل ہے۔

ان حضرات کے دلائل کے جواب میں کہا گیا ہے کہ مذکورہ آیت تو شوہر سے وجوب کے سقوط پر دلالت کرتی ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ رہ گیا فسخ تو یہ بیوی کا حق ہے جس کا وہ مطالبہ کر سکتی ہے نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا واقعہ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اپنی بیٹیوں کو سرزنش کرنا وغیرہ وغیرہ تو یہ بھی مذکورہ آیت کی طرح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نفقہ کے عدم وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ازواج مطہرات نے طلاق یا فسخ کا مطالبہ کیا تھا۔ اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ ازواج مطہرات آپؐ سے علیحدگی برداشت نہیں کر سکتی تھیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا اختیار دیا تھا لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کو اپنے لیے پسند کر لیا تھا۔ اس لیے مذکورہ واقعہ کے اندر کوئی دلیل نہیں ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اپنی بیٹیوں کو سرزنش کرنے سے نہیں روکا تو اس کی وجہ وہ معلوم اصول ہے کہ اگر اولاد نامناسب کام کرے تو والدین کو انہیں تادیب کرنے کا حق ہوتا ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس انفاق میں کوتاہی نہیں کرتے تھے جو آپؐ پر واجب تھا۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ ازواج مطہرات نے اس سے زائد کا مطالبہ کیا ہو۔ اگر اسی طرح ہو تو پھر یہ واقعہ بالکلیہ ہمارے اختلافی مسئلے کے دائرے سے ہی خارج ہو جائے گا۔ رہ گئے عسرت زدہ صحابہ کرام تو یہ بات کسی کے علم میں نہیں ہے کہ کسی خاتون نے نفقہ دینے کے سلسلے میں اپنے شوہر کی تنگ دستی کی بنا پر فسخ نکاح یا طلاق کا مطالبہ کیا ہو اور شوہر نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا ہو کہ پھر یہ صورت حال حجت اور دلیل بن جاتی۔ بلکہ اصل صورت حال یہ تھی کہ صحابہ کرام کی بیویاں اپنے شوہروں کی طرح تنگی ترشی کی زندگی پر صابر و شاکر رہتیں' جس طرح امام مالک نے فرمایا ہے کہ: "صحابہ کرام کی بیویاں آخرت کی کامیابی اور اللہ کے پاس موجود ثواب کی خواہشمند ہوتی تھیں' ان کی نظروں میں دنیا نہیں ہوتی تھی' اس لیے اپنے شوہروں کی تنگدستی کی وہ کبھی پروا نہیں کرتی تھیں' رہ گئیں آج کل کی خواتین تو وہ شوہروں سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیا' نان و نفقہ اور کپڑا حاصل کرنے کی امید پر ان سے نکاح کرتی ہیں۔" جہاں تک سعید بن المسیب کی روایت کا تعلق ہے تو قارئین کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ان کے مراسیل میں سے ایک مرسل روایت ہے اور ائمہ علم ان مراسیل پر عمل پیرا ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے۔ یہ مرسل روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث کے مطابق ہے اور اس کی تائید کرتی ہے۔ اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کا سقوط فرض کر لیا جائے تو اس سلسلے میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ سعید بن المسیب کی اس مرسل روایت کے لیے کافی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر شوہر تنگدستی کی وجہ سے نفقہ نہ دے سکے تو اسے حبس یعنی قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ خرچ کرنے کے لیے اسے مال میسر ہو جائے' یہ العنبری کا قول ہے۔ ہادویہ نے کہا ہے اسے کمانے کے لیے محبوس کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ دونوں قول پیچیدہ ہیں اس لیے کہ واجب امر تو یہ ہے کہ صبح کا کھانا اپنے وقت پر اور شام کا کھانا اپنے وقت پر مل جائے' یہی بات اپنے وقت میں واجب ہوتی ہے۔ اس لیے اگر حبس کا عمل واجب امر کے وجوب کے درمیان میں واقع ہو جائے تو یہ واجب سے مانع بن جائے گا اور پھر مطلوبہ مقصد اور غرض کے الٹ ہو جائے گا اور اگر حبس کا عمل وجوب واجب سے پہلے ہو جائے تو شوہر کو غیرواجب امر کے لیے کس طرح محبوس کیا جا سکے گا۔ اور اگر یہ عمل اس کے بعد ہو تو اس کی حیثیت دین جیسی ہو گی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تنگدستی کے ظہور کی صورت میں دین کے لیے کسی کو محبوس نہیں کیا جا سکتا۔

اسی مسئلے کے بارے میں محمد بن داؤد نے ایک عورت سے جس نے اپنے شوہر کی تنگدسی کے متعلق ان سے سوال کیا تھا یہ فرمایا تھا: "کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ شوہر کو کمانے اور محنت کرنے کا مکلف بنایا جائے گا اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بیوی سے کہا جائے گا کہ وہ صبر کرے اور اللہ سے ثواب حاصل کرنے کی نیت کر لے" لیکن اس عورت کو یہ جواب سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے پھر سوال کیا اور انہوں نے پھر یہی جواب دیا اور پھر آخر میں انہوں نے کہا "اے فلانی' میں نے تمہیں جواب دے دیا ہے۔ میں کوئی قاضی یا سلطان نہیں ہوں کہ اس پر عمل درآمد بھی کرا دوں' نہ ہی کوئی شوہر ہوں کہ بیوی کو راضی کر لوں۔" ان کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلے میں توقف کیا تھا۔ اس طرح یہ چوتھا قول قرار پائے گا۔

پانچواں قول یہ ہے کہ اگر بیوی خوشحال ہو اور اس کا شوہر تنگدست ہو تو وہ اپنے شوہر پر انفاق کی مکلف ہو گی اور شوہر پر خوشحالی آ جانے کے بعد وہ اس سے اپنی صرف کردہ رقم وصول نہیں کرے گی کیونکہ ارشاد باری ہے "و علی الوارث مثل ذلک" (اور وارث پر بھی اسی طرح ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳) یہ ابن حزم کا قول ہے۔ لیکن اس قول کی یہ کہہ کر تردید کر دی گئی ہے کہ آیت کا سیاق نومولود بچے کے نفقہ کے بارے میں ہے۔ شاید ابن حزم سیاق کے ذریعے تخصیص کے قائل نہیں ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا قول ابن قیم کا ہے۔ وہ یہ کہ اگر عورت نے ایک مرد کے ساتھ اس کی تنگدستی کا علم رکھتے ہوئے نکاح کر لیا ہو یا یہ کہ وہ پہلے خوش حال ہو اور کسی آفت نے اسے تنگدست بنا دیا ہو تو عورت کو فسخ کا حق حاصل نہیں ہو گا بصورت دیگر اسے فسخ کا حق حاصل ہو گا۔ گویا ابن قیم نے مرد کے بارے میں عورت کے علم کو اس کی تنگدستی پر عورت کی رضامندی قرار دیا ہے۔ لیکن اگر نکاح کے وقت مرد خوش حال ہو اور پھر کسی آفت کی وجہ سے تنگدست ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں عورت کے لیے فسخ کے عدم ثبوت کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی۔

قارئین کو جب مذکورہ بالا اقوال کا علم ہو گیا تو انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہو گا کہ دلیل کے اعتبار سے پہلا قول سب سے قوی اور اس کے قائلین سب سے زیادہ ہیں۔ پھر جو حضرات تنگدستی کی بنا پر بیوی کو فسخ کا حق دینے کے قائل ہیں ان کے درمیان شوہر کو نفقہ مہیا کرنے کی مہلت دینے کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ ایک قول کے مطابق ایک یا دو ماہ کی مہلت دی جائے گی۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ مدت کی تعیین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ مہلت اتنی ہو گی کہ نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے بیوی کی تکلیف اور پریشانی لوگوں کے علم میں آ جائے' (اس کے بعد کوئی مہلت نہیں دی جائے گی۔ مترجم) جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے شوہر پر اپنی بیوی کو طلاق دے دینا واجب ہو گا وہ کہتے ہیں کہ بیوی اپنا مقدمہ حاکم وقت کے سامنے پیش کرے گی تاکہ شوہر یا تو نفقہ دے یا طلاق دے دے۔ جو حضرات کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں فسخ نکاح ہو گا ان کے نزدیک عورت حاکم وقت کے پاس اپنا معاملہ لے جائے گی تاکہ شوہر کی عسرت ثابت ہو جائے اور پھر خود نکاح فسخ کر دے گی۔ ایک قول کے مطابق عورت حاکم وقت کے پاس اپنا مقدمہ اس غرض سے لے جائے گی کہ وہ اس کے شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کرے یا خود فسخ نکاح کر دے یا عورت کو فسخ کی اجازت دے دے۔ اگر حاکم نکاح فسخ کر دے یا فسخ کی اجازت دے دے تو یہ فسخ ہو گا طلاق نہیں ہو گی اور اس صورت میں شوہر کو رجعت کا حق نہیں ہو گا۔ خواہ عدت کے دوران شوہر خوشحال کیوں نہ ہو جائے۔ اگر طلاق دے دے تو یہ رجعی طلاق ہو گی اور شوہر کو عدت کے دوران رجوع کا حق حاصل ہو گا۔

۱۰/۱۰۷۶ - وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ فِي رِجَالٍ غَابُوا عَنْ نِسَائِهِمْ :-«أَنْ يَأْخُذُوهُمْ بِأَنْ يُنْفِقُوا أَوْ يُطَلِّقُوا. فَإِنْ طَلَّقُوا بَعَثُوا بِنَفَقَةِ مَا حَبَسُوا». أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ، ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے افواج کے سالاروں کو ان سپاہیوں کے بارے میں جو اپنی بیویوں سے دور تھے مراسلہ بھیجا کہ "وہ انہیں پابند کر دیں کہ یا تو وہ اپنی بیویوں کو خرچہ بھیجیں یا پھر انہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلاق دے دیں۔" اگر وہ انہیں طلاق دے دیں تو جتنی مدت انہوں نے انہیں (نفقہ دیئے بغیر) اپنی زوجیت میں محبوس رکھا اتنی مدت کا نفقہ انہیں بھیج دیں۔" امام شافعی نے اس کی روایت کی ہے اور پھر بیہقی نے ایک اسناد حسن کے تحت اس کی روایت کی ہے۔

حضرت عمرؓ کی اس رائے کی جو وجہ تھی اس پر تحقیقی بحث پہلے گزر چکی ہے' نیز یہ کہ درج بالا روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک شوہر کی طرف سے بیوی کو نفقہ دینے کے سلسلے میں ٹال مٹول کی وجہ سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔ نیز یہ بھی کہ شوہروں پر دو باتوں میں سے ایک بات واجب ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ یا تو بیویوں کو نفقہ دیں یا پھر انہیں طلاق دے دیں۔

۱۰۷۷/۱۱ - وعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، عِنْدِي دِينَارٌ؟ قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلَى نَفْسِكَ» قَالَ: عِنْدِي آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلَى وَلَدِكَ» قَالَ: عِنْدِي آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلَى أَهْلِكَ» قَالَ: عِنْدِي آخَرُ؟ قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلَى خَادِمِكَ» قَالَ: عِنْدِي آخَرُ؟، قَالَ: «أَنْتَ أَعْلَمُ» أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ، وَالْحَاكِمُ بِتَقْدِيمِ الزَّوْجَةِ عَلَى الْوَلَدِ(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: "اللہ کے رسول' میرے پاس ایک دینار ہے!" آپؐ نے فرمایا: "اسے اپنے اوپر خرچ کر لو!" اس نے کہا: "میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اسے اپنے بچے پر خرچ کرو!" اس نے کہا: "میرے پاس ایک اور بھی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اسے اپنے اہل (بیوی) پر خرچ کرو!" اس نے کہا: "ایک اور بھی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اسے اپنے خدمتگاروں پر صرف کرو!" اس نے کہا: ایک اور بھی ہے۔" آپؐ نے جواب میں فرمایا: "اس کے بارے میں تم بہتر جانتے ہو!" امام شافعی اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے' الفاظ امام ابوداؤد کی روایت کے ہیں۔ نسائی اور حاکم نے بھی اس کی تخریج کی ہے اس میں بیوی کا ذکر بچے کے ذکر پر مقدم ہے۔

---

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۱۶۹۱' سنن نسائی ج ۵ ص ۶۲' مسند الشافعی ۲۶۶' بدائع المنن ۱۷۲۱' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۶۶' ۴۷۷' مسند حمیدی ۱۱۷۶' شرح السنۃ ج ۶ ص ۱۹۳' الادب المفرد ۱۹۷' ۷۵۰' موارد الظمآن ۸۲۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) مسلم شریف میں یہ روایت حضرت جابرؓ سے منقول ہے۔ اس میں ولد پر بیوی کی تقدیم بلا تردد ہے۔

مصنف کتاب نے کہا ہے کہ "اس تقدیم و تاخیر کے بارے میں یحییٰ القطان اور سفیان ثوری کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ یحییٰ نے بیوی کو ولد پر اور سفیان نے ولد کو بیوی پر مقدم ذکر کیا ہے' اس لیے مناسب یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر مقدم نہ کیا جائے بلکہ دونوں یکساں ہیں اس لیے کہ صحیح روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی بات کرتے تو اسے تین دفعہ دہراتے اس لیے ممکن ہے کہ آپؐ نے اعادے کے اندر ایک دفعہ ولد کو مقدم کر دیا ہو اور ایک دفعہ بیوی کو اس لیے یہ دونوں یکساں ہوں گے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حدیث کو اس تاویل پر محمول کرنے کی یہ بعید صورت ہے۔ اپنی بات کو تین دفعہ دہرانے کی عادت ہر مقام پر نہیں تھی بلکہ اعادہ نہ کرنا غالب تھا۔ آپؐ صرف اس مقام پر بات کا اعادہ کرتے تھے جہاں آپؐ کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔ اس جیسی حدیث میں جو سوال جواب پر مشتمل ہے' تکرار جاری نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ سائل آپؐ کے جواب کو پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ پھر حضرت جابرؓ کی روایت جس میں کوئی تردد نہیں ہے' بیوی کی تقدیم کی روایت کو تقویت دیتی ہے۔ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

زیر نظر حدیث میں انسان کو اس پر ابھارا گیا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ خرچ کر دے اور جمع کر کے نہ رکھے' کیونکہ آخر میں' جب سائل کی اپنی ذات کے لیے اور ان افراد کے لیے جن کا نفقہ اس پر واجب تھا' انفاق کی کفایت بیان ہو گئی تو آپؐ نے اس سے فرمایا: "تم بہتر جانتے ہو!" یہ نہیں فرمایا کہ "اسے اپنی حاجت اور ضرورت کے لیے جمع رکھو" اگرچہ آپؐ کا ارشاد اس مفہوم کا احتمال رکھتا ہے۔

۱۰۷۸/۱۲ - وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: «أُمَّكَ». قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أُمَّكَ» قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أُمَّكَ» قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ(۱).

بہز بن بن حکیم سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے بہز کے دادا رضی اللہ عنہ

---

(۱) بہز بن حکیم کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۵۱۳۰' سنن ترمذی ۱۸۹۷' بخاری شریف ج ۸ ص ۲' مسلم شریف حدیث ۱' ۲ من البر والصلة' سنن نسائی باب ۱۳' من الطہارۃ' باب ۳ من المحیض' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۷۹' ج ۸ ص ۲' ۳ المستدرک ج ۴ ص ۱۵۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ نیکی کروں؟" آپؐ نے فرمایا: "اپنی ماں کے ساتھ" میں نے عرض کیا: "پھر کس کے ساتھ؟" آپؐ نے فرمایا: "اپنی ماں کے ساتھ" میں نے عرض کیا: پھر کس کے ساتھ؟" آپؐ نے فرمایا: "اپنی ماں کے ساتھ؟" میں نے عرض کیا: "پھر کس کے ساتھ؟" آپؐ نے فرمایا: "اپنے باپ کے ساتھ' پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ!" ابو داؤد اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

(۱) بہز (باء پر زبر' ہاء ساکن اور حرف زاء کے ساتھ)

(۲) حضرت معاویہ بن حیدہ قشیریؓ سے' یہ صحابی ہیں' اور ان کے نام پر اعراب کی بات پہلے گزر چکی ہے۔

حاکم نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے اور اس پر بحث گزر چکی ہے۔ نیز یہ کہ یہ روایت نیکی اور حسن سلوک میں ماں کو مقدم رکھنے اور اس سلسلے میں باپ پر اس کی حقیت کی مقتضی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ باب الحضانة

یہ لفظ حرف حاء کے نیچے زیر کے ساتھ مصدر ہے اور اس سے فعل "حضن الصبی حضنا و حضانة" نکلا ہے' جس کا مفہوم ہے "اس نے بچے کو اپنی گود میں لے لیا یا اس کی پرورش کی۔" فعل "احتضنہ" کا بھی یہی مفہوم ہے۔ حضن کا لفظ حرف حاء کے نیچے زیر کے ساتھ۔ جسم کے اس حصے پر بولا جاتا ہے جو بغل کے نیچے سے لے کر کوکھ اور سینے تک ہوتا ہے یا دونوں بازوؤں اور ان کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک چیز کے کنارے یا اس کی جانب کو بھی حضن کہا جاتا ہے۔ "القاموس" میں اسی طرح مذکور ہے۔ شرع میں اس فرد کی حفاظت کو حضانت کہتے ہیں جو اپنے پاؤں پر خود نہ کھڑا ہو سکتا ہو۔ اس کی تربیت اور مہلک یا مضر امور سے اس کی نگہداشت بھی اس میں داخل ہے۔

۱۰۷۹/۱ ۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ ابْنِي كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً. وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّي، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ، مَا لَمْ تَنْكِحِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۱).

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! میرا پیٹ میرے بیٹے کے لیے ظرف رہا' میری چھاتی اس کے لیے مشکیزہ رہی اور میری گود اس کے لیے ٹھکانہ رہی' اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب وہ اسے مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "جب تک تم دوسری شادی نہ کر لو اس وقت تک اس پر تمہارا زیادہ حق ہے۔" امام احمد اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) عبداللہ بن عمرو' اس میں عمرو حرف عین پر زبر کے ساتھ ہے' ایک نسخے میں پیش کے ساتھ ہے لیکن یہ غلط ہے۔

---

(۱) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۲۲۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲' المستدرک ج ۲ ص ۲۰۷' فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۰۲' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۵' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۵۵' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۲۴۴' مشکوۃ المصابیح ۳۳۷۸' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۱' شرح السنۃ ج ۹ ص ۳۳۳' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) وعاء ۔ (حرف واؤ کے نیچے زیر' حرف عین پر مد' بعض دفعہ حرف عین پر پیش بھی آتا ہے) معنی ظرف' "القاموس" میں اسی طرح ہے۔

(۳) سقاء بروزن کساء' بکری کے چھوٹے بچے کی اتاری ہوئی کھال جسے پانی اور دودھ رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ "القاموس" میں اسی طرح ہے۔

(۴) حجر (حرف حاء' حرف جیم اور حرف راء کے ساتھ) معنی انسان کی گود۔

(۵) حواء بروزن کساء۔ اس جگہ کا نام جو کسی چیز کو سمیٹ کر اسے جمع کر لے۔ اس کا پہلا حرف حاء ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ماں اپنے بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہو گی اگر باپ اسے ماں سے چھین لینے کا ارادہ کرے۔ مذکورہ خاتون نے ان صفات کا ذکر کیا جو اس کے ساتھ خاص تھیں اور یہ صفات اس کے استحقاق کی مقتضی ہیں اور بچے کی پرورش کے سلسلے میں اس کی اولویت کو ثابت کر رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ خاتون کو اس استحقاق پر برقرار رکھا اور اس کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ اس میں اس معنی پر دلالت ہے جو اس حکم اور فیصلے کا مقتضی ہے' نیز یہ کہ احکام کو ثابت کرنے کے لیے معتبر علل اور معانی فطرت سلیمہ کے اندر مستقر ہوتے ہیں۔

جس حکم پر اس حدیث کی دلالت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ دیا تھا' پھر حضرت عمرؓ نے' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا: "اس کی ماں کی خوشبو' اس کا بستر اور اس کی حرارت اس کے لیے تم سے بہتر ہے تاآنکہ یہ جوان ہو جائے اور اپنے لیے جسے چاہے پسند کر لے۔" عبدالرزاق نے ایک واقعہ کے سلسلے میں اس کی تخریج کی ہے۔ زیر نظر حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ماں اگر دوسرا نکاح کر لے تو بچے کی پرورش کے سلسلے میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ: "اس حکم پر ان تمام اہل علم کا اجماع ہے جن کے اقوال ان سے محفوظ کر لیے گئے ہیں۔" حسن بصری اور ابن حزم کا مسلک ہے کہ نکاح کی وجہ سے حضانت ساقط نہیں ہوتی' ابن حزم نے اپنے مسلک کے حق میں استدلال کے لیے حضرت انس بن مالکؓ کا واقعہ پیش کیا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے پاس رہے جبکہ ان کی والدہ نے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا تھا اور ان کا بچہ ان کی کفالت میں رہا تھا۔ اسی طرح حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سنایا تھا کہ وہ اپنی خالہ کے پاس رہے گی جبکہ خالہ شادی شدہ تھیں۔"

انہوں نے مزید کہا ہے کہ "حضرت ابن عمروؓ کی مذکورہ بالا حدیث پر یہ طعن ہے کہ اس میں تصحیف ہوئی ہے۔" (حدیث کے ان کلمات کو جو ثقہ راویوں نے روایت کیے ہوں لفظی یا معنوی طور پر بدل ڈالنے کو تصحیف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں۔ مترجم) ان کی مراد یہ ہے کہ اس حدیث میں تصحیف ہوئی ہے جس کی روایت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے کی ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ عمرو بن شعیب کی حدیث کو ائمہ نے قبول کر کے اس پر عمل کیا ہے۔ یعنی امام بخاری' امام احمد' ابن المدینی' الحمیدی' اسحاق بن راہویہ اور ان جیسے دیگر حضرات نے' اس لیے مذکورہ قدح اور طعن کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا۔ ابن حزم نے جن واقعات سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے' وہ صرف اس وقت پوری دلیل کا کام دے سکیں گے جب وہ شخص جس کی طرف حضانت منتقل ہو سکتی ہو' اس کا مطالبہ کرے اور اس سلسلے میں جھگڑا کھڑا کر دے۔ لیکن اگر اسکی طرف سے کوئی مطالبہ نہ ہو تو اس صورت میں شادی شدہ ماں کے لیے اپنے بچے کی پرورش اور دیکھ بھال کے حق کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مذکورہ بالا واقعات کے اندر اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اس بارے میں جھگڑا پیدا ہو گیا تھا' اس لیے ابن حزم نے جن واقعات کا ذکر کیا ہے ان کے اندر ان کے دعوے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

٢ / ١٠٨٠ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي، وَقَدْ نَفَعَنِي وَسَقَانِي مِنْ بِئْرِ أَبِي عِنَبَةَ، فَجَاءَ زَوْجُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا غُلَامُ، هَذَا أَبُوكَ وَهَذِهِ أُمُّكَ، فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ». فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ. فَانْطَلَقَتْ بِهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ(١).

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کی: "اللہ کے رسول! میرا شوہر میرے بچے کو لے جانا چاہتا ہے۔ اس بچے سے مجھے بہت فائدہ ہوا ہے۔ اس نے مجھے ابو عنبہ کے کنویں سے پانی لا لا کر پلایا ہے۔" پھر اس عورت کا شوہر بھی آ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے سے کہا: "اے لڑکے! یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے' ان دونوں میں سے جس کا ہاتھ چاہو پکڑ لو!" لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور ماں اسے لے کر چل دی۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

---

(١) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے حوالے: سنن ابی داؤد ٢٢٧٧' سنن ترمذی ١٣٥٧' سنن نسائی ج ٦ ص ١٨٦' سنن ابن ماجہ ٢٣٥١' سنن دارمی ج ٢ ص ١٧٠' مسند احمد ج ٢ ص ٢٤٦' مسند حمیدی ١٠٨٣' المستدرک ج ٤ ص ٩٧' مشکل الاثار ج ٤ ص ١٧٦' مصنف عبدالرزاق ١٣٦١١' ١٣٦١٢۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ جب اتنا بڑا ہو جائے کہ اسے اپنی دیکھ بھال کے لیے کسی اور کی ضرورت باقی نہ رہے تو اس مرحلے پر اسے اپنے باپ اور اپنی ماں میں سے کسی ایک کو پسند کر لینے کا اختیار دیا جائے گا' اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ ایک چھوٹے سے گروہ کی رائے یہ ہے کہ زیر نظر حدیث پر عمل کرتے ہوئے بچے کو اختیار دیا جائے گا۔ اسحق بن راہویہ کا یہی قول ہے۔ اختیار دینے کی حد ساتویں سال سے شروع ہو گی۔

(۱) ابو عنبہ (حرف عین کے نیچے زیر کے ساتھ) انگور کے دانوں عنب کا واحد ہے۔

(۲) اور ابن القطان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

حنفیہ اور ہادویہ کا مسلک اختیار نہ دینے کا ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ ماں اس کی زیادہ حقدار ہو گی تا آنکہ بچہ اپنے آپ کو خود سنبھالنے کے قابل ہو جائے۔ جب وہ اپنے آپ کو خود سنبھال لینے کے قابل ہو جائے تو بیٹے کا زیادہ حقدار باپ ہو گا اور بیٹی کی زیادہ حقدار ماں ہو گی۔ امام مالک نے عدم تخییر میں ان حضرات کی موافقت کی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ ماں بچے کی زیادہ حقدار ہو گی خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ ایک قول کے مطابق' بالغ ہونے تک اس مسئلے میں تفصیلات ہیں لیکن ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ تخییر کی نفی کرنے والوں نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ "جب تک تم نکاح نہ کر لو اس وقت تک بچے کی تم زیادہ حقدار ہو گی۔" ان حضرات کے قول کے مطابق اگر اختیار کا معاملہ نابالغ کے ہاتھ میں ہوتا تو ماں اس کی زیادہ حقدار نہ ہوتی۔

اس استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر مذکورہ حدیث کا عموم تمام زمانوں کے لیے عام یا مطلق ہے تو تخییر کی حدیث اس کی تخصیص یا اس کی تقیید کر دے گی اور اس طرح دونوں دلیلوں کے درمیان تطبیق کی صورت نکل آئے گی۔ اگر بچہ ماں باپ میں سے کسی کو اختیار نہ کرے تو ایک قول کے مطابق قرعہ اندازی کے بغیر بچہ ماں کا ہو گا کیونکہ حضانت ماں کا حق ہے اور یہ حق ماں سے اس وقت منتقل ہو گا جب بچہ کسی ایک کا انتخاب کر لے۔ لیکن جب وہ کسی کا انتخاب نہ کرے تو یہ حق اپنی اصل پر باقی رہے گا۔ ایک اور قول کے مطابق جو دلیل کے اعتبار سے قوی ہے' ماں اور باپ کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی' کیونکہ قرعہ اندازی کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول حدیث آئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم دونوں قرعہ اندازی کر لو!" اس پر مرد نے کہا: "میرے اور میرے بچے کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے سے فرمایا: "ان دونوں میں سے جسے چاہو اختیار کر لو!" بچے نے اپنی ماں کو اختیار کر لیا اور ماں اسے لے کر چلی گئی۔" اس روایت کی تخریج بیہقی نے کی ہے۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ظاہر تو یہی ہے کہ قرعہ اندازی کو اختیار پر مقدم کیا جائے گا۔ لیکن خلفائے راشدین کے طرز عمل کی بنا پر اختیار کو قرعہ اندازی پر مقدم رکھا گیا۔ البتہ "الہدیٰ النبوی" میں مذکور ہے کہ "تخییر اور قرعہ اندازی کا عمل صرف اس صورت میں ہو گا جب اس کے ذریعے بچے کی مصلحت اور بھلائی کا حصول ہو۔ اس لیے اگر ماں بچے کی حفاظت باپ سے بڑھ کر کر سکتی ہو اور اس سے بڑھ کر غیرت مند ہو تو ایسی صورت میں اسے باپ پر مقدم کیا جائے گا اور قرعہ اندازی نیز بچے کے اختیار کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بچہ کم عقل ہوتا ہے اور بے کاری نیز کھیل کود کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اس لیے اگر وہ ان باتوں میں اس کی مدد کرنے والے کا انتخاب کر لے تو اس کے اس انتخاب کو نظرانداز کر دیا جائے گا اور وہ اس فرد کے پاس رہے گا جو اس کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔ شریعت اس صورت کے سوا کسی اور صورت کو برداشت نہیں کرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اپنے بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو' اور دس برس کی عمر میں ترک صلوٰۃ پر ان کی پٹائی کرو اور ان کے بستر الگ الگ کر دو!" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قوا انفسکم و اھلیکم نارا" (اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔ سورۂ تحریم آیت ۶) اگر ماں اپنے بچے کو مکتب میں چھوڑ دے یا اسے قرآن کی تعلیم دے لیکن بچہ کھیل کود کو اور اپنے ہمجولیوں میں اٹھنے بیٹھنے کو ترجیح دے اور باپ کو اسے ان باتوں سے روکنے کی قدرت ہو تو پھر وہ اس بچے کا زیادہ حقدار ہو گا اور پھر نہ تخییر ہو گی اور نہ ہی قرعہ اندازی۔ اس کے برعکس صورت کا بھی یہی حکم ہے۔" (اختتام اقتباس از "الہدیٰ النبوی") یہ بہت ہی عمدہ تجزیہ ہے۔

۱۰۸۱/۳ - وَعَنْ رَافِعِ بْنِ سِنَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَسْلَمَ، وَأَبَتِ امْرَأَتُهُ أَنْ تُسْلِمَ فَأَقْعَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأُمَّ نَاحِيَةً، وَالْأَبَ نَاحِيَةً، وَأَقْعَدَ الصَّبِيَّ بَيْنَهُمَا. فَمَالَ إِلَى أُمِّهِ، فَقَالَ: «اللَّهُمَّ اهْدِهِ». فَمَالَ إِلَى أَبِيهِ فَأَخَذَهُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ[1].

حضرت رافع بن سنان [1] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی بیوی نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو ایک طرف بٹھا دیا اور باپ کو دوسری طرف اور بچے کو دونوں کے درمیان بٹھا دیا' بچے نے ماں کی طرف میلان ظاہر کیا' آپؐ نے دعا کی: "اے اللہ اسے ہدایت دے" اس پر وہ باپ کی طرف جھک گیا اور باپ نے اسے لے لیا۔ ابوداؤد اور نسائی نے اس کی روایت

---

(۱) حضرت رافع بن سنان کی روایت کے حوالے: سنن نسائی باب ۵۲ من الطلاق' المستدرک ج ۲ ص ۱۳۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس روایت کے بارے میں ابن المنذر نے کہا ہے کہ "اہل نقل اسے ثابت قرار نہیں دیتے' اور اس کے اسناد میں بھی طعن ہے وہ اس لیے کہ یہ عبدالحمید بن جعفر بن رافع کی روایت ہے' اور سفیان ثوری اور یحییٰ بن معین نے اس راوی کی تضعیف کی ہے۔" اس بچے کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ یہ لڑکا تھا یا لڑکی۔ ایک قول کے مطابق یہ لڑکی تھی اور دوسرے قول کے مطابق یہ لڑکا تھا۔ حدیث میں بچے کو اختیار دینے کا ذکر نہیں ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ وہ ابھی تخییر کی عمر کو نہیں پہنچا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ماں باپ کے درمیان بٹھا کر اللہ سے اس کی ہدایت کی دعا کی تھی' اور اس نے اس نبوی دعا کی برکت سے اپنے باپ کا انتخاب کر لیا تھا' اس لیے یہ تخییر کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اس حدیث میں کافر ماں کے لیے حضانت کے حق کے ثبوت کی دلیل ہے خواہ بچہ مسلمان کیوں نہ ہو' کیونکہ اگر کافر ماں کو یہ حق حاصل نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کو دونوں کے درمیان نہیں بٹھاتے' اصحاب رائے اور سفیان ثوری کا یہی مسلک ہے جبکہ جمہور کا مسلک ہے کہ ماں کے کفر کے ساتھ اسے حضانت کا حق حاصل نہیں ہو گا۔ ان حضرات کے قول کے مطابق بچے کی پرورش کرنے والا اسے اپنے دین کے مطابق تربیت دینا چاہے گا' نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مومنوں کے درمیان موالات اور دوستی کا رشتہ ختم کر کے اہل ایمان کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا ہے اور فرمایا ہے "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" (اور اللہ مومنوں پر کافروں کو ہرگز بالاتری نہیں دے گا ۔ سورۂ نساء آیت ۱۴۱) اور حضانت ایسی ولایت اور سرپرستی ہے جس میں اس کے تحت آنے والے فرد کی مصلحت اور بھلائی کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے۔ جیسا کہ قارئین کو قریب کے گذشتہ سطور سے معلوم ہو چکا ہے۔ رہ گئی حضرت رافع کی حدیث تو اسے دلیل کے طور پر درست مان بھی لیا جائے تو قرآنی آیات کی بنا پر یہ منسوخ قرار پائے گی۔ کافر ماں کے لیے حضانت کا مثلاً ثبوت کیسے ہو سکتا ہے جبکہ جمہور یعنی اصحاب احمد' اصحاب شافعی اور ہادویہ نے حضانت کا کام سرانجام دینے والی عورت کے عادل اور باکردار ہونے کی شرط عائد کی ہے نیز یہ کہ فسق و فجور میں مبتلا عورت کو حضانت کا کوئی حق نہیں ہے' اگرچہ یہ شرط انتہائی بعید قسم کی شرط ہے۔ اگر حضانت کا کام کرنے والی عورت کے لیے یہ شرط ہوتی تو دنیا کے بچے برباد ہو جاتے' یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر تا قیام قیامت فاسقوں کے بچے ان کے درمیان رہ کر پرورش پاتے رہے اور پاتے رہیں گے اور دنیا کا کوئی شخص بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کر سکے گا۔ جبکہ ان کی اکثریت بھی ہے اور یہ بات کسی کے علم میں نہیں آئی کہ کسی بچے کو والدین یا ان میں سے کسی ایک کے فسق کی بنا پر ان سے چھین لیا گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو۔ اس لیے یہ شرط اس بنا پر باطل ہے کہ اس پر عمل کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ پرورش کنندہ عاقل بالغ ہو' کسی دیوانے یا عقل سے پیدل بچے کو حضانت کا حق حاصل نہیں' کیونکہ ان افراد کو خود کسی کی حضانت اور کفالت کی ضرورت ہوتی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ پرورش کنندہ آزاد شخص ہو تو ائمہ ثلاثہ کے اصحاب اور ہادویہ کی یہی رائے ہے۔ ان کے قول کے مطابق مملوک کو اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہوتی تو وہ دوسرے کا کس طرح ولی اور سرپرست بن سکتا ہے جبکہ حضانت ولایت اور سرپرستی کا نام ہے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ اگر کسی آزاد شخص کا اس کی لونڈی کے بطن سے کوئی بچہ ہو تو اس صورت میں جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے اس وقت تک ماں اس کی حقدار ہو گی پھر یہ حق منتقل ہو جائے گا اور باپ زیادہ حقدار قرار پائے گا۔ انہوں نے حدیث "کسی ماں کو اس کے بچے کی جدائی کا صدمہ نہ پہنچایا جائے!" اور "جس شخص نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈال دی قیامت کے دن اللہ اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان جدائی ڈال دے گا" کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ پہلی حدیث کی تخریج بیہقی نے حضرت ابوبکرؓ سے کی ہے اور سیوطی نے اسے حسن کہا ہے۔ اور دوسری حدیث کی تخریج امام احمد' امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابو ایوبؓ سے کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام مالک نے فرمایا ہے کہ "لونڈی سے حاصل ہونے والے فوائد اگرچہ آقا کی ملکیت ہوتے ہیں لیکن حضانت کا حق اس سے مستثنیٰ ہے خواہ اس میں اسی طرح وقت صرف ہو جائے جس طرح وہ اوقات جو مملوک کی اپنی ذاتی ضروریات اور اپنے رب کی عبادت میں صرف ہونے کی بنا پر مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

١٠٨٢/٤ - وَعَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي ابْنَةِ حَمْزَةَ لِخَالَتِهَا، وَقَالَ: «الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: «وَالْجَارِيَةُ عِنْدَ خَالَتِهَا وَإِنَّ الْخَالَةَ وَالِدَةٌ»(۱).

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے بارے

---

(۱) حضرت براء بن عازب کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۲۴۲' ج ۵ ص ۱۸۰' سنن ابی داؤد ۲۲۸۰' سنن ترمذی ۱۹۰۴' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۶' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۳۳۸' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۱۳' ج ۱۴ ص ۱۴۰' مشکل الاثار ج ۴ ص ۱۷۳' فتح الباری ج ۵ ص ۳۰۴' ج ۷ ص ۳۹۹' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۲۴۵' ۲۴۶' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۹' ج ۲ ص ۲۸' ج ۷ ص ۳۴۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا: "خالہ ماں کے بمنزلہ ہوتی ہے۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی تخریج کی ہے۔ اس میں ہے "لڑکی اپنی خالہ کے پاس رہے گی اور خالہ تو ماں ہوتی ہے" یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خالہ کے لیے حضانت ثابت ہے اور خالہ ماں کی طرح ہے۔ اس حدیث کا مقتضا یہ ہے کہ خالہ بچے کے باپ اور اس کی نانی سے زیادہ حقدار ہوتی ہے لیکن اجماع نے اس کی تخصیص کر دی ہے۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ شادی شدہ عورت کی حضانت مردوں کی بہ نسبت اولیٰ ہوتی ہے اس لیے کہ مذکورہ بچی کے مرد رشتہ دار موجود تھے اور حضانت کا طلبگار بھی ہے جس طرح کے واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے' اور اس حضانت کی خاطر حضرت علیؓ' حضرت جعفرؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ ان باتوں کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں بچی کی حضانت کا فیصلہ سنا دیا اور فرمایا: "خالہ ماں کے بمنزلہ ہوتی ہے۔" اس واقعہ کے سلسلے میں ایک روایت یہ بھی وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ بچی کے حق میں بچی کی حضانت کا فیصلہ دیا تھا' لیکن ان کے حق میں اس فیصلے سے پیچیدگی پیدا ہو گئی کیونکہ حضرت جعفرؓ بچی کے محرم نہیں تھے' پھر بچی کے ساتھ رشتہ داری کے اندر وہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں یکساں تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کی بیوی کے حق میں بچی کی حضانت کا فیصلہ دیا تھا اور وہ اس کی خالہ تھیں۔ اگرچہ وہ حضرت جعفر کی زوجیت میں تھیں لیکن مدعی حضرت جعفرؓ تھے جنہوں نے مقدمے کے دوران اپنے حق میں یہ دلیل دی کہ بچی میری چچازاد ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے' جسے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے حق میں بچی کا فیصلہ سنا دیا کیونکہ ظاہری طور پر مدعی وہی تھی اور پھر فرمایا کہ "خالہ ماں کے بمنزلہ ہوتی ہے" تاکہ اس فقرے سے یہ واضح ہو جائے کہ فیصلہ دراصل خالہ کے حق میں ہے۔ اس لیے راوی کے قول "آپؐ نے بچی کا فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حق میں کر دیا" کے معنی ہیں "حضرت جعفرؓ کی بیوی کے حق میں" اور فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حوالے سے صرف اس بنا پر دیا کہ مطالبہ کرنے والے یعنی مدعی وہی تھے۔ اس لیے اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ البتہ ایک اشکال اور پیدا ہو گیا کہ خالہ شادی شدہ تھیں اور انہیں حدیث "جب تک تم نکاح نہیں کر لیتیں اس وقت تک تم اس کی زیادہ حقدار ہو" کی بنا پر حضانت کا حق حاصل نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شادی شدہ عورت کی صورت میں حق شوہر کا ہوتا ہے اور بیوی سے حضانت کا حق صرف اس لیے ساقط ہو جاتا ہے کہ وہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی اور اس کی خدمت میں مصروف رہتی ہے۔ اگر شوہر اس بات پر رضامند ہو جائے کہ بیوی اس بچے یا بچی کی حضانت کا کام سنبھال لے جس کی حضانت کا اسے حق حاصل ہے اور بچے یا بچی کو اپنی گود اور نگہداشت میں رکھنا پسند کر لے تو ایسی صورت میں عورت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضانت کا حق ساقط نہیں ہو گا۔

حضرت حمزہؓ کی بیٹی کی حضانت کا واقعہ اس حکم کی دلیل ہے۔ حسن بصری' ابن حزم' ابن جریر اور امام یحییٰ کا یہی مسلک ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت کا نکاح کر لینا صرف ماں سے حضانت کے حق کو اس صورت میں ساقط کر دیتا ہے جب حضانت کے مطالبہ کا دوسرا فریق باپ کے سوا کوئی دوسرا فریق ہو' ماں کے سوا دیگر خواتین سے ان کے نکاح کی بنا پر حضانت کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ یا ماں سے بھی اس کے نکاح کی بنا پر یہ حق اس صورت میں ساقط نہیں ہوتا جب حضانت کے مطالبہ کا دوسرا فریق باپ کے سوا کوئی اور ہو۔ اس بات کی تائید عرف سے ہوتی ہے کہ طلاق یافتہ عورت کو طلاق دینے والے اپنے شوہر اور شوہر سے متعلقہ ہر چیز سے شدید بغض اور نفرت ہوتی ہے جو یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ قصداً اپنے بچے کو نظرانداز کرتی رہتی ہے تاکہ اس طرز عمل سے شوہر کو ذہنی اذیت اور غصہ دلاتی رہے جبکہ دوسری طرف وہ اپنے نئے شوہر کے سامنے اس کے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے محبت کے اظہار میں بڑے مبالغہ سے کام لیتی ہے۔ اس تاویل و تشریح سے تمام احادیث کے عموم کے درمیان مطابقت پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کی بیٹی کی حضانت کا فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حق میں دیا تھا نیز یہ کہ آپؐ کا فیصلہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضانت کے سلسلے میں عصبہ یعنی مرد رشتہ داروں کا بھی حق ہوتا ہے' ایک بعید قول ہے۔ اس لیے کہ اس معاملہ میں حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ دونوں یکساں تھے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "خالہ ماں ہے" اس بات میں صریح ہے کہ آپؐ کے فیصلے کی علت یہی وجہ تھی' اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے بچے کی حضانت کے بارے میں ماں سے کوئی جھگڑا نہیں کیا جا سکتا' اس لیے ماں کے سوا کسی اور کا اس پر حق نہیں۔

۱۰۸۳/۵ ۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ، فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(۱).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا لے کر آئے تو اگر وہ اسے اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا نہ سکے تو کم از کم اسے ایک یا دو لقمے ضرور کھلا دے" متفق علیہ' الفاظ امام بخاری کی روایت کے ہیں۔

---

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۱۹۷' ج ۸ ص ۱۰۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۸' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) حدیث کی عبارت میں لفظ "احدکم" مفعول مقدم اور "خادمہ" فعل موخر ہے

(۲) تاکہ آقا اسے بھی اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالے۔

خاتم کے لفظ کا اطلاق خادم اور خادمہ دونوں پر ہوتا ہے خواہ یہ مملوک ہو یا آزاد' اس صیغہ امر کے اندر ظاہری مفہوم ایجاب کا ہے نیز یہ کہ آقا اپنے اختیار اور خوشی سے مذکورہ طعام میں سے چاہے اسے کھلا دے۔ اس حدیث کے ذریعے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جس حدیث میں حکم آیا ہے کہ آقا اپنے خادم کو اس طعام میں سے کھلائے جسے وہ خود کھا رہا ہو تو اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام کے ساتھ کھانا کھایا کرے اور جو کھانا وہ خود کھا رہا ہو عین اسی میں سے اسے سیر کرا دے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اپنے کھانے میں سے تھوڑا بہت یعنی ایک یا دو لقمے اسے بھی کھلا دے۔ ابن المنذر نے تمام اہل علم کی طرف سے کہا ہے کہ: "واجب بات یہ ہے کہ خادم کو اکثر وہی خوراک کھانے کے لیے دی جائے جو اس شہر میں اس جیسا شخص کھاتا ہو۔ یہی حکم سالن اور کپڑے کا بھی ہے۔ نیز یہ کہ آقا کو مذکورہ کھانے سے بہتر کھانا اپنے لیے مختص کر دینے کا حق حاصل ہے' اگرچہ افضل بات یہ ہے کہ وہ اس کھانے میں خادم کو بھی شامل کر لے۔

زیر نظر حدیث کے آخری حصے کے الفاظ یہ ہیں: "کیونکہ اس نے بھی اسے پکانے کی گرمی اور مشقت برداشت کی ہے" یہ فقرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مذکورہ حکم اس خادم کے ساتھ متعلق ہے جو کھانا پکانے میں اپنی توجہ صرف کرتا ہو' اس کے اندر وہ شخص بھی داخل ہو جائے گا جو کھانا اٹھا کر لاتا ہے اس لیے کہ اس کے اندر بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ اس کا دھیان کھانے کے ساتھ اٹک جاتا ہے۔

٦/١٠٨٤ - وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ، سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ، فَدَخَلَتِ النَّارَ فِيهَا، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَسَقَتْهَا إِذْ هِيَ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ

---

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۱۴۷' ج ۴ ص ۴۱۵' مسلم شریف حدیث ۱۳۴' من البر والصلۃ' حدیث ۱۵۱' ۱۵۲' من السلام' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۴' ج ۳ ص ۳۳۵' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۱۴' ج ۸ ص ۱۳' مشکوۃ المصابیح ۱۹۰۳' شرح السنۃ ج ۶ ص ۱۷۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹۰' فتح الباری ج ۱ ص ۳۱۷' ج ۵ ص ۴۱' ارواء الغلیل ج ۷ ص ۲۴۰' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۶۷۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا: "ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہو گئی' اس نے اسے قید کر رکھا یہاں تک کہ وہ مر گئی اور عورت اس کی وجہ سے جہنم میں چلی گئی۔ جب اس نے اسے قید میں رکھا تو اس دوران نہ تو اسے کچھ کھانے کے لیے دیا نہ پینے کے لیے اور نہ ہی اسے جانے دیا کہ وہ جا کر زمین کے حشرات وغیرہ ہی کھا لے۔" متفق علیہ۔

(۱) مصنف کتاب نے کہا ہے کہ "مجھے اس عورت کا نام معلوم نہیں ہو سکا' ایک روایت کے مطابق اس کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا' دوسری روایت کے مطابق یہ بنی اسرائیل میں سے تھی۔

(۲) ھرۃ ۔ یہ سنور (بلے) کی مونث ہے' مذکر کو "ھر" کہتے ہیں۔

(۳) خشاش (حرف خاء پر زبر' اس پر پیش اور اس کے نیچے زیر بھی جائز ہے' پھر حرف شین اور ان کے درمیان الف) اس سے مراد زمین پر چلنے والے حشرات یعنی کیڑے مکوڑے وغیرہ ہیں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بلی کو ہلاک کرنا حرام ہے۔ اس لیے کہ حرام فعل پر ہی عذاب ہوتا ہے۔ حدیث کو اس مفہوم پر محمول کیا جائے گا کہ مذکورہ عورت کافر تھی اور اسے اپنے کفر کی وجہ سے جہنم میں جانا پڑا لیکن بلی کو بھوکا مارنے کی وجہ سے اس کے عذاب میں اضافہ ہو گیا۔ نووی نے کہا ہے کہ مذکورہ عورت مسلمان تھی اور اس گناہ کی وجہ سے جہنم میں گئی۔ ابو نعیم نے "تاریخ اصفہان" میں لکھا ہے کہ یہ ایک کافر عورت تھی۔ بیہقی نے اس کی روایت حضرت عائشہؓ سے "البعث والنشور" کے باب میں کی ہے کہ وہ اپنے کفر اور اپنے ظلم کی وجہ سے عذاب کی مستحق قرار پائی۔ الدمیری نے "شرح المنہاج" میں لکھا ہے کہ "زیادہ درست بات یہ ہے کہ بلی جب بھاگ رہی ہو تو اس حالت میں اسے ہلاک کر دینا جائز ہے' کسی اور حال میں جائز نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بلی کو پانچ فسادی اور خرابی پھیلانے والے جانوروں کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے اسے اس حالت میں بھی ہلاک کر دینا جائز ہے جب وہ سکون سے بیٹھی ہو۔" زیر نظر حدیث میں بلی پالنے اور اسے باندھ کر رکھنے کے جواز کی دلیل ہے بشرطیکہ اسے کھلانے پلانے میں کوتاہی نہ کی جائے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حدیث کی دلالت اس بات پر بھی ہے کہ بلی کو کھلانا پلانا واجب نہیں ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ اسے کھلا چھوڑ دیا جائے کہ کھانے پینے کی چیزیں خود حاصل کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الجنایات

جنایات کا واحد جنایہ ہے اور یہ مصدر ہے فعل "جنی الذنب یجنبہ جنایۃ" کا۔ یعنی اس نے جرم کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ مصدر ہونے کے باوجود اس لفظ کی جمع اس لیے لائی گئی کہ جرائم کی مختلف انواع ہوتی ہیں۔ کیونکہ جرم کبھی کسی کی جان کے خلاف ہوتا ہے' اور کبھی اعضاء پر' نیز کبھی عمداً ہوتا ہے اور کبھی خطأ"۔

١٠٨٥/١ - عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبِ الزَّانِي، وَالنَّفْسِ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكِ لِدِينِهِ الْمُفَارِقِ لِلْجَمَاعَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(١).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی مسلمان شخص کا خون جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' صرف تین صورتوں میں سے کسی ایک کے تحت حلال ہوتا ہے: شادی شدہ زانی کا' جان کے بدلے جان کا اور اپنے دین کو چھوڑ دینے والے کا جو جماعت سے جدا ہو جائے۔" متفق علیہ۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مسلمان کا خون صرف اس صورت میں مباح ہو گا جب وہ تین میں سے کسی ایک جرم کا ارتکاب کر لے۔

جان کے بدلے جان سے مراد قصاص ہے جس کی کچھ شرطیں ہیں۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

"اپنے دین کا تارک" ہر اس شخص کو شامل ہے جو اسلام سے مرتد ہو جائے چاہے ارتداد کی جو بھی صورت ہو۔ اگر وہ اسلام کی طرف واپس نہیں آئے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

آپ کا ارشاد: "جماعت سے جدا ہونے والا" ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی بدعت یا بغاوت یا کسی اور صورت کے ذریعے جماعت مسلمہ سے خارج ہو جائے مثلاً خوارج جب مسلمانوں سے لڑیں اور

---

(١) حضرت ابن مسعود کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ٩ ص ٦' مسلم شریف باب ٦ حدیث ٢٥ من القسامۃ' سنن ابی داؤد ٤٣٥٣' سنن ترمذی ١٤٠٢' سنن نسائی باب ٥ من المحاربۃ' باب ٧ من القسامۃ' سنن ابن ماجہ ٢٥٣٤' مسند احمد ج ١ ص ٣٨٢' السنن الکبریٰ ج ٨ ص ٢١٣' ٢٨٤' سنن دار قطنی ج ٣ ص ٨٢' ٨٤' مشکوۃ المصابیح ٣٤٤٦' نصب الرایہ ج ٤ ص ٣٢٣' شرح السنۃ ج ١٠ ص ١٤٧' فتح الباری ج ١٢' ص ٢٠١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فساد پھیلائیں۔

(۱) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "مسلم" کی تفسیر ہے۔

(۲) یعنی محصن زانی کا اسے سنگسار کر کے

(۳) یعنی دین اسلام سے مرتد ہو جانے والے کا۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اصلی کافر کو اس سے ایمان کے مطالبہ پر قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے شر کو دور کرنے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ ہم نے "ضوء النہار" کے حواشی میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصلی کافر آپؐ کے قول "اپنے دین کو چھوڑنے والا" کے تحت داخل ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنی فطرت کو جس پر اسے پیدا کیا گیا تھا' چھوڑ دیا تھا' یہ بات اپنے مقام پر بیان ہو چکی ہے۔

۱۰۸۶/۲ - وَعَنْ عَائِشَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَحِلُّ قَتْلُ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ: زَانٍ مُحْصِنٌ فَيُرْجَمُ، وَرَجُلٌ يَقْتُلُ مُسْلِماً مُتَعَمِّداً فَيُقْتَلُ، وَرَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ فَيُحَارِبُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَيُقْتَلُ، أَوْ يُصْلَبُ، أَوْ يُنْفَى مِنَ الْأَرْضِ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(۱).

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "کسی مسلمان کو صرف تین باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے قتل کر دینا حلال ہے: محصن زانی' اسے رجم کر دیا جائے گا۔ وہ شخص جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے' اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور وہ شخص جو اسلام سے نکل جائے اور پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرے' اسے قتل کر دیا جائے گا یا سولی پر لٹکا دیا جائے گا یا اس سرزمین سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔"

ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث سے بھی وہی احکام معلوم ہوئے جو پہلی حدیث سے معلوم ہوئے تھے۔ اس روایت میں آپؐ کے ارشاد "اسلام سے نکل جائے" کے بعد آپؐ کا ارشاد "پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرے"

---

(۱) حضرت عائشہ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۳۴۵۳' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۸' فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۰۰' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۸۴' مسند الشافعی ۱۹۷' مشکل الاثار ج ۲ ص ۳۱۸' طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۴۸' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۳۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام سے نکلنے والے ایک خاص شخص یعنی محارب کے لیے ایک خاص حکم کا بیان ہے۔ یہ خاص حکم وہی ہے جس کا ذکر اس روایت میں ہوا ہے یعنی قتل یا سولی یا جلاوطنی۔ یہ حکم ماقبل کی حدیث میں مذکورہ حکم سے اخص ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جلاوطنی سے مراد قید میں ڈال دینا ہے اور امام شافعی کے نزدیک ایک شہر سے دوسرے کی طرف اخراج ہے کہ اس کا مسلسل تعاقب کیا جائے اور وہ خوفزدہ ہو کر آگے آگے بھاگتا رہے۔ ایک قول کے مطابق اسے صرف اس کے اپنے شہر سے نکال دیا جائے گا۔ حدیث نیز آیت محاربہ کا ظاہر یہی ہے کہ ہر محارب کے سلسلے میں خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر' امام المسلمین کو مذکورہ سزاؤں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار ہو گا۔

(۱) ان باتوں کو آپؐ نے اگلے فقرات میں بیان کر دیا ہے۔

(۲) یہ لفظ پہلی حدیث میں مذکورہ اطلاق کی قید ہے۔

۱۰۸۷/۳ - وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن لوگوں کے درمیان جن مقدمات کا سب سے پہلے فیصلہ سنایا جائے گا وہ قتل کے مقدمات ہوں گے۔" متفق علیہ

اس حدیث میں انسانی خون کے قیمتی ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ جو مقدمات اہم ترین ہوتے ہیں ان کا فیصلہ پہلے کیا جاتا ہے۔ تاہم اس حدیث کی معارض وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں "بندے کی نماز کا سب سے پہلے حساب کتاب ہو گا" اصحاب سنن نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خونی مقدمات کی حدیث کا تعلق مخلوق کے حقوق سے ہے جبکہ نماز کی حدیث کا تعلق خالق کی عبادت سے ہے۔ نیز یہ کہ پہلی حدیث فیصلے کی اولیت کے بارے میں اور دوسری حدیث حساب و کتاب کی اولیت سے متعلق ہے۔ اس پر نسائی کی روایت کردہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث دلالت کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "بندے کی نماز کا سب سے پہلے حساب و کتاب ہو گا اور لوگوں کے درمیان خون کے

---

(۱) حضرت ابن مسعود کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۹ ص ۳' مسلم شریف حدیث ۲۸ من القسامۃ' سنن نسائی ج ۷ ص ۸۴' سنن ابن ماجہ ۲۶۱۵' ۲۶۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۸' ۴۴۲' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۲۱' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۰ ص ۲۳۴' فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۹۵' ج ۱۲ ص ۱۸۷' شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۱۴۹' مشکوۃ المصابیح ۳۴۴۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمات کا سب سے پہلے فیصلہ سنایا جائے گا۔"

امام بخاری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن پہلے شخص ہوں گے جو بدر کے مقتولین کے مقدمے کے سلسلے میں رحمٰن کے سامنے پیش ہوں گے۔" تا آخر حدیث۔ اس میں سب سے پہلے مقدمے کا بیان ہے جس کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث نے فریقین کے جھگڑے اور پیشی کی بات بیان کی ہے کہ: "لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کے مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ہر مقتول اپنا سر اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے پیش ہو گا اور عرض کرے گا: "پروردگار! میرے اس قاتل سے ذرا پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا!" تا آخر حدیث۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ مرفوع حدیث کے الفاظ ہیں: "مقتول شخص اپنے سر کو ایک ہاتھ میں لٹکائے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے قاتل کو گریبان سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے اس حال میں آئے گا کہ اس کی شہ رگ خون سے لتھڑی ہوئی ہو گی' یہاں تک کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔" یہ روایت خون کے مقدمات کے فیصلے کے بارے میں ہے۔

مالی مقدمات کے فیصلے کے بارے میں ابن ماجہ نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جس کے الفاظ ہیں: "جو شخص اس حالت میں دنیا سے کوچ کر جائے کہ اس کے ذمہ ایک دینار یا ایک درہم واجب الادا ہو تو اس کی ادائیگی اس کی نیکیوں میں سے کی جائے گی۔" اسی مفہوم کی بہت سی اور حدیثیں بھی ہیں۔ نیز یہ بھی ہے کہ اگر اس کے ذمہ واجب الادا رقم کی پوری ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو اس پر اس کے فریق مخالف کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے۔ اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ یہاں ایک اشکال پیش کیا گیا ہے کہ سزا کے مقابلہ میں ثواب کس طرح دیا جائے گا جبکہ ثواب غیر متناہی ہو گا اور سزا اس قول پر متناہی ہو گی کہ اہل توحید کو جہنم کی سزا بھگتنے کے بعد وہاں سے نکال لیا جائے گا۔ اس کا جواب بیہقی نے یہ دیا ہے کہ اس کی نیکیوں میں سے اتنا دیا جائے گا جو دوسرے گناہوں کی عقوبت کے برابر ہو گا اور اس میں دگنا ہونے کا وہ عمل جاری نہیں ہو گا جس کے تحت اللہ تعالیٰ نیکیوں کو دگنا کر دے گا۔ یہ اللہ کی محض کرم نوازی ہوگی جس کے ساتھ وہ اپنے جن بندوں کو چاہے گا مختص کر دے گا۔ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنا دین ادا نہ کرنے کی نیت لے کر مرا ہو۔ لیکن جو شخص دین کی ادائیگی کی نیت کے ساتھ وفات پا جائے تو اللہ اس کی طرف سے ادائیگی کرے گا جیسا کہ ہم نے "ابواب السلم" میں اس کا ذکر کر دیا ہے۔

٤/١٠٨٨ - وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ، وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ سَمُرَةَ، وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي سَمَاعِهِ مِنْهُ، وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ بِزِيَادَةِ: «وَمَنْ خَصَى عَبْدَهُ خَصَيْنَاهُ». وَصَحَّحَ الْحَاكِمُ هَذِهِ الزِّيَادَةَ(١).

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اسے قتل کر دیں گے اور جس شخص نے اپنے غلام کے ہاتھ' ناک' کان یا ہونٹ کاٹے ہم بھی اس کے یہ اعضاء کاٹ ڈالیں گے۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ یہ حضرت سمرہؓ سے حسن بصری کی روایت ہے۔ ان سے حسن بصری کے سماع کے بارے میں اختلاف رائے ہے' ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں یہ اضافہ ہے: "اور جو شخص اپنے غلام کے خصیتین نکال دے گا ہم بھی اس کے خصیتین نکال دیں گے۔" حاکم نے اس اضافے کو صحیح کہا ہے۔

(۱) جدع حرف جیم کے ساتھ' ناک یا کان یا ہاتھ یا ہونٹ کاٹ ڈالنا۔

(۲) اس کے متعلق تین اقوال ہیں: ابن معین نے کہا ہے کہ حسن بصری نے حضرت سمرہؓ سے کسی حدیث کا سماع نہیں کیا ہے' یہ صرف ایک کتاب یعنی تحریر ہے۔ دوسرا قول ہے کہ انہوں نے عقیقہ کی حدیث کا ان سے سماع کیا ہے۔ ابن المدینی نے حضرت سمرہؓ سے حسن بصری کا سماع ثابت کیا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ غلام کی جان اور اس کے اعضاء کا قصاص اس کے آقا سے لیا جائے گا کیونکہ "القاموس" کے مطابق "جدع" کے معنی ناک یا کان یا ہاتھ یا ہونٹ کاٹ ڈالنے کے ہیں۔ اگر آقا کے سوا کسی اور نے غلام کو قتل کیا ہو تو اسے بطریق اولیٰ آقا پر قیاس کیا جائے گا۔ اس مسئلے میں اختلاف رائے ہے۔ نخعی وغیرہ کی رائے ہے کہ حضرت سمرہؓ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے آزاد کو غلام کے بدلے میں مطلقاً" قتل کیا جائے گا۔ اس کی تائید قول باری کے عموم سے ہوتی ہے "النفس بالنفس" (جان کے بدلے جان' سورۂ مائدہ آیت ۴۵) امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا لیکن اگر آزاد شخص مقتول غلام کا آقا ہو تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے اس مسئلے میں آیت کے عموم پر عمل کیا ہے

---

(۱) حضرت سمرہؓ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۵۱۵' ۴۵۱۶' سنن ترمذی ۱۴۱۴' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۱' ۲۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰' ۱۱' ۱۲' ۱۸' ۱۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۳' ج ۱۴ ص ۱۸۷' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۲۳۸' ۲۳۹' ۲۷۰' شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۱۷۷' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۹۱' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۸۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آقا کی تخصیص اس حدیث کی بنا پر کر دی ہے۔ کہ "کسی مملوک کا قصاص اس کے مالک سے اور کسی ولد کا قصاص اس کے والد سے نہیں لیا جائے گا۔" بیہقی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے' لیکن اس حدیث کا ایک راوی عمر بن عیسیٰ ہے جس کے متعلق امام بخاری سے مروی ہے کہ یہ منکرالحدیث تھا (یعنی اس کی روایت کردہ حدیثیں ثقہ راویوں کی روایت کردہ حدیثوں کے خلاف ہوتی تھیں۔ مترجم) بیہقی نے زنباع کے واقعہ کے سلسلے میں حضرت ابن عمرو سے روایت کی ہے۔ زنباع کے آقا نے جب اپنے غلام کے خصیے کچل دیئے اور اس کی ناک کاٹ ڈالی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے غلام کا مثلہ کر دے (ناک وغیرہ کاٹ دے) اور اسے آگ میں جلائے تو ایسا غلام آزاد ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کا آزاد کردہ ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کر دیا اور اس کے آقا سے قصاص نہیں لیا' تاہم اس روایت کی سند میں ایک ضعیف راوی المثنی بن الصباح بھی ہے' بیہقی نے ایک اور طریق سے اس حدیث کی روایت حجاج بن ارطاق سے کی ہے لیکن یہ روایت قابل حجت نہیں ہے۔ اس مسئلے میں بہت سی اور روایتیں بھی ہیں لیکن ان میں دلیل بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

امام شافعی' امام مالک' امام احمد اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ غلام کا قصاص آزاد سے مطلقاً نہیں لیا جائے گا۔ انہوں نے قول باری "الحر بالحر" (آزاد کے بدلے آزاد) سے استدلال کیا ہے کہ ایک جملے میں مبتدا کا معرفہ ہونا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز یہ کہ آزاد کو غیر آزاد کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا نیز یہ کہ اس آیت کی ابتداء میں ارشاد باری ہے "کتب علیکم القصاص" (تم پر قصاص فرض کر دیا گیا) یعنی مساوات اور (الحر بالحر) اس مساوات کی تفسیر و تفصیل ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد باری "النفس بالنفس" (جان کے بدلے جان) مطلق ہے جبکہ یہ آیت تقیید اور بیان ہے اور اس امت کے لیے صریح ہے' اور وہ آیت اہل کتاب اور ان کی شریعت کے بارے میں ہے۔ اگرچہ وہ شریعت بھی ہمارے لیے شریعت ہے لیکن ہماری شریعت میں تفسیر کے طور پر بہت زیادہ اضافہ اور کمی واقع ہو چکی ہے۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہ تقیید بھی اسی میں سے ہو۔ اور یہ مناسب بھی ہے کیونکہ اس میں تخفیف اور رحمت کا پہلو ہے اور اس امت کی شریعت مقابل کی امتوں کی شریعتوں سے زیادہ ہلکی پھلکی ہے' اس لیے کہ پہلی امتوں پر احکام کا جو بوجھ تھا اس امت پر اس میں کمی کر دی گئی ہے۔ یہ کہنا کہ مائدہ کی آیت نے سورۂ بقرہ کی آیت کو منسوخ کر دیا ہے کیونکہ مائدہ کی آیت کا نزول بعد میں ہوا ہے' تو یہ قول قابل رد ہے اس لیے کہ دونوں آیتوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ عام اور خاص کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوتا' اسی طرح مطلق اور مقید کے اندر بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ انہیں نسخ کی طرف لوٹا دیا جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۂ مائدہ حکمی طور پر مقدم ہے کیونکہ وہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلے کی حکایت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تورات میں صادر فرمایا تھا۔ اور نزول کے اعتبار سے تورات قرآن پر مقدم ہے۔ ابن ابی شیبہ نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کرتے تھے' بیہقی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ: "سنت یہ ہے کہ غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہ کیا جائے۔" اس روایت کی سند میں جابر الجعفی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس طرح کی روایت ہے اگرچہ اس میں بھی ضعف ہے۔ رہ گئی حضرت سمرہؓ کی زیر نظر حدیث تو وہ ضعیف ہے یا ان احادیث کی بنا پر منسوخ ہے جن کا ذکر ابھی ہم نے کیا ہے۔

آزاد کے بدلے میں غلام کو قتل کرنے پر سب کا اجماع ہے۔ جب یہ بات پکی ہو گئی کہ غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا تو اس کے قتل پر اس کی قیمت لازم آئے گی۔ اس میں ایک مشہور اختلاف ہے' خواہ یہ قیمت جس حد تک پہنچ جائے اور خواہ آزاد کی دیت کی حد سے بھی تجاوز کر جائے۔ ہم نے "ضوء النہار" کے حواشی میں اس مسئلے کو واضح کر دیا ہے۔ اگر آقا اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کے بارے میں عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جس کی روایت انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے کی ہے کہ "ایک شخص نے اپنے غلام کو جان بوجھ کر بھوکا پیاسا رکھ کر قتل کر دیا' اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو کوڑے لگانے کا حکم دیا اور ایک سال کے لیے اسے جلاوطن کر دیا اور مسلمانوں کے وظائف سے اس کا حصہ ختم کر دیا' لیکن اسے قصاص میں قتل نہیں کیا اور ایک غلام آزاد کرنے کا اسے حکم دیا۔

١٠٨٩/٥ ـ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ، وَالْبَيْهَقِيُّ، وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: إِنَّهُ مُضْطَرِبٌ(١).

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ: "باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔" امام احمد' ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن الجارود اور بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے اور ترمذی کے قول کے مطابق یہ

---

(١) حضرت عمرؓ کی روایت کے حوالے: سنن ترمذی ١٤٠٠' مسند احمد ج ١ ص ٢٢' السنن الکبریٰ ج ٨ ص ١٩' المستدرک ج ٤ ص ٣٦٩' شرح السنۃ ج ١٠ ص ١٨٠' کشف الخفاء ج ٢ ص ٥٢٢' نصب الرایہ ج ٤ ص ٣٣٩' ٣٤١' ارواء الغلیل ج ٧ ص ٢٧٠' سنن دارمی ج ٢ ص ١٩٠۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضطرب حدیث ہے۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ : عمرو بن شعیب سے اس حدیث کی روایت مرسل صورت میں ہوئی ہے۔ اس حدیث میں اضطراب ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے۔" امام ترمذی کے نزدیک اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ہے۔ اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ عمروبن شعیب سے' ان کے والد اور ان کے دادا سے روایت میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کی روایت حضرت عمرؓ سے ہے' اس کتاب کی روایت یہی ہے۔ دوسرے قول کے مطابق اس کی روایت حضرت سراقہؓ سے ہے' تیسرے قول کے مطابق اس کی روایت صحابی کے واسطے کے بغیر ہے اور اس میں ایک راوی المثنی بن الصباح ہے اور یہ ضعیف راوی ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق منقطع ہیں۔ عبدالحق نے کہا ہے کہ یہ تمام احادیث علت زدہ ہیں' ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بیٹے کے قتل پر باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ : "کئی اہل علم سے' جن کی مجھ سے ملاقات ہوئی ہے' میں نے یہ مسئلہ یاد کیا ہے کہ بیٹے کے بدلے میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ میرا بھی یہی قول ہے۔" اور جمہور صحابہ وغیرھم مثلاً حنفیہ' شوافع' امام احمد' اسحاق اور ہادویہ کا اس حدیث کی بنا پر یہی مسلک ہے۔ ان حضرات کے قول کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹے کے وجود کا سبب ہوتا ہے اس لیے بیٹا باپ کے اعدام (موت) کا سبب نہیں بنے گا۔ عثمان البتی کا مسلک ہے کہ باپ سے بیٹے کے قتل کا علی الاطلاق قصاص لیا جائے گا کیونکہ اس ارشاد باری "النفس بالنفس" جان کے بدلے جان ۔ سورۂ مائدہ آیت ۴۵) میں عموم ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اس عموم میں حدیث کی بنا پر تخصیص ہو گئی ہے۔ شاید عثمان البتی کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

امام مالک کا قول ہے کہ اگر باپ بیٹے کو لٹا کر اس کا گلا کاٹ دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ان کے قول کے مطابق یہ حقیقت میں قتل عمد ہے اور اس میں کسی اور صورت کا احتمال نہیں ہے اس لیے کہ مقتل یعنی گلے پر جارح یعنی چھری وغیرہ کے استعمال کی صورت میں ظاہری بات قصد عمد ہوتی ہے۔ اور عمد کا ہونا ایک مخفی امر ہے اور اس کے اثبات کا حکم صرف ظاہری قرائن احوال کی بنا پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن اگر قتل کسی اور صورت میں کیا جائے جس میں جان نہ نکالنے کا احتمال ہو بلکہ باپ کی طرف سے بیٹے کی تادیب مقصود ہو تو پھر باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا اگرچہ باپ کے سوا دیگر فرد کے حق میں اس صورت کے اندر بھی قتل عمد کا حکم عائد کیا جائے گا۔ باپ اور دیگر فرد کے درمیان فرق رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بیٹے پر باپ کی بڑی شفقت ہوتی ہے البتہ بیٹے کی تادیب کا جوش بعض دفعہ باپ کو غضبناک کر دیتا ہے اور وہ اس کی جان لے لیتا ہے۔ اس لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے اس فعل کو قتل کے عدم قصد پر محمول کیا جائے گا' ہمارے نزدیک امام مالکؒ کی بس یہ ایک رائے ہے' لیکن جب نص ثابت ہو جائے تو پھر کوئی رائے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حضرت عمرؓ نے بنی مدلج کے ایک شخص کے واقعہ قتل میں یہی فیصلہ دیا تھا اور باپ پر دیت لازم کر کے اسے دیت میں سے کچھ بھی نہیں دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس میں سے قاتل کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے اس پر اجماع ہے کہ قاتل باپ دیت میں سے کسی چیز کا وارث نہیں ہو گا۔ اور جمہور کے نزدیک وہ غیردیت میں سے بھی مقتول بیٹے کے کسی مال کا وارث نہیں ہو گا۔ ان حضرات کے نزدیک قصاص کے ساقط ہو جانے کے حکم میں دادا اور ماں قاتل باپ کی طرح ہیں۔

٦/١٠٩٠ - وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِنَ الْوَحْيِ غَيْرَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: لَا. وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ اللَّهُ تَعَالَى رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ، وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ. قُلْتُ: وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: «الْعَقْلُ، وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ، وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(١).

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَقَالَ فِيهِ: «الْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ، وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ وَلَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ». وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ(٢).

ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا: "آپ لوگوں کے پاس قرآن کے سوا وحی سے تعلق رکھنے والی کوئی اور چیز بھی ہے؟" انہوں نے جواب میں فرمایا: "نہیں' قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور جاندار کو نیست سے ہست کیا' ہاں البتہ وہ فہم ہے جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو قرآن کے بارے میں دے دیتا ہے۔ نیز وہ احکام جو اس صحیفے میں ہیں۔" میں نے عرض کیا: "اس صحیفے میں کیا ہے؟" انہوں نے فرمایا: "دیت' قیدی کو چھڑانے(١) کے احکام نیز یہ کہ کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ امام احمد' ابو داؤد اور نسائی نے ایک اور طریق سے اس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' اس روایت میں حضرت علیؓ کا بیان

---

(١) "دیت اور قیدیوں کو چھڑانے کی" روایت کا حوالہ: فتح الباری ج ١٢ ص ٣٦٠۔

(٢) "تمام مسلمانوں کے خون یکساں ہیں" کی روایت کے حوالے: "سنن ابی داؤد ٤٥٣٠' سنن نسائی ج ٨ ص ٢٤' مسند احمد ج ١ ص ١١٩' ج ٢ ص ١٢٢' ٢١١' السنن الکبریٰ ج ٧ ص ١٣٤' سنن دار قطنی ج ١ ص ١٣١' مجمع الزوائد ج ٦ ص ٢٩٢' فتح الباری ج ٤ ص ٨٥' مشکل الاثار ج ٢ ص ٩٠' نصب الرایہ ج ٣ ص ٣٩٤' ٣٩٥' المستدرک ج ٢ ص ١٤١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے: "تمام مسلمانوں کا خون یکساں ہے' مسلمانوں پر عائد شدہ ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ان کا ادنیٰ فرد بھی کوشاں رہے گا۔ مسلمان اپنے ماسوا دیگر لوگوں کے مقابلہ میں ایک ہاتھ یعنی متحد ہیں' کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ نہ ہی کسی عہد والے کو عہد نبھانے کی حالت میں قتل کیا جائے گا" حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) الافہم ۔ یہ لفظ روایت کے اندر مذکور لفظ "شتی" سے استثناء ہے اور بدلیت کی بنا پر مرفوع ہے۔

(۲) اس لکھے ہوئے ورقے میں۔

(۳) عقل' یعنی دیت' اس کا نام عقل اس لیے ہے کہ لوگ دیت میں دیئے جانے والے اونٹوں کو لے جا کر مقتول کے گھر پر باندھ آتے تھے (عقل معنی باندھ دینا)۔

(۴) فکاک (حرف فاء پر زبر اور زیر کے ساتھ)

(۵) تتکافو دماء ھم' یعنی دیت اور قصاص کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کے خون یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

مصنف کتاب (ابن حجر) نے کہا ہے کہ ابو جحیفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات اس لیے پوچھی تھی۔ شیعوں کے ایک گروہ کا خیال یہ تھا کہ اہل بیت خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وحی کی کوئی بات تھی جس کی دوسروں کو کوئی خبر نہیں تھی۔ حضرت علیؓ سے ابو جحیفہ کے سوا دیگر لوگوں نے بھی یہی سوال کیا تھا۔ یہاں ایک بات واضح ہے وہ یہ کہ جس چیز کے بارے میں سوال کیا گیا تھا اس کا تعلق شرعی احکام سے تھا' یعنی وہ وحی جو اللہ کی معجز کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دونوں کو شامل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سنت کو بھی وحی کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ ارشاد باری: "وما ینطق عن الھوی" (وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ سورۂ نجم آیت ۳) کی جو تفسیر کی گئی ہے وہ قرآن سے زیادہ عام مفہوم پر مشتمل ہے۔ اس پر ابو جحیفہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ "اس صحیفے میں کیا ہے؟" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف علم جفر وغیرہ کی جو نسبت کی گئی ہے اس سے ان کی نفی لازم نہیں آتی۔ ایک قول کے مطابق علم جفر (ایک علم کا نام جس میں حروف کے اسرار سے بحث کی جاتی ہے۔ مترجم) وغیرہ بھی حضرت علیؓ کے اس قول میں داخل ہے "ہاں البتہ' وہ فہم ہے جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو قرآن کے بارے میں دیتا ہے۔" اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر مختلف علوم کے جو دروازے کھول دیئے تھے اور جو نور بصیرت عطا کیا تھا' ان کے متعلق حضرت علیؓ کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ آپ انہیں قرآن سے استنباط کرتے تھے۔

زیر نظر روایت چند مسائل پر مشتمل ہے:

پہلا مسئلہ عقل یعنی دیت کا ہے۔ اس کی تحقیق آگے آ رہی ہے۔

دوسرا مسئلہ قیدی چھڑانے کا ہے یعنی دشمن کے ہاتھوں سے مسلمان قیدیوں کو رہائی دلانے کا حکم' اس بارے میں بڑی ترغیب آئی ہے۔

تیسرا مسئلہ کافر کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہ کرنے کا ہے۔ یہ جمہور کا مسلک ہے نیز یہ کہ عہد والے کو عہد نبھانے کی حالت میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ عہد والے سے وہ شخص مراد ہے جو دارالحرب کا باشندہ ہو اور امان لے کر دارالاسلام میں آیا ہو۔ اسے قتل کرنا مسلمان پر حرام ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ملک میں واپس چلا جائے۔ اگر اسے کوئی مسلمان قتل کر دے تو احناف کے قول کے مطابق ذمی کے بدلے میں تو مسلمان قاتل کو قتل کر دیا جائے گا بشرطیکہ یہ قتل ناحق ہوا ہو لیکن امان لے کر آنے والے کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان حضرات نے زیر نظر روایت کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ: "کسی عہد والے کو عہد نبھانے کی حالت میں قتل نہیں کیا جائے گا۔" ذو عہد کا لفظ روایت کے اندر مذکور لفظ "مومن" پر معطوف ہے۔ اس لیے مذکورہ دوسرے لفظ میں بھی وہی قید لگانا ضروری ہے جو قید پہلے لفظ کے لیے ہے۔ اس طرح عبارت یوں ہو گی "اور عہد والے کو اپنا عہد نبھانے کی حالت میں کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔" معطوف کے اندر جس لفظ کافر کو مقدر مانا گیا ہے اسے حربی کے لفظ سے مقید کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ذمی کے بدلے میں ذمی کو قتل کیا جائے گا' اسی طرح مسلمان کے بدلے میں بھی ذمی کو قتل کیا جائے گا۔ اگر معطوف میں تقیید ضروری ہو اور وہ معطوف علیہ کے مطابق بھی ہو تو پھر معطوف علیہ بھی اسے مقدر ماننا ضروری ہو گا اور عبارت اس طرح ہو گی۔ "مومن کو حربی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا" اور حربی کا مفہوم یہ ہو گا کہ اسے ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اس کی دلیل مفہوم مخالف کا اصول ہے۔ اگرچہ احناف مفہوم مخالف پر عمل نہیں کرتے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث اس بات پر صریحاً دلالت کرتی ہے کہ مسلمان کو حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ رہ گیا ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا مسئلہ تو یہ ارشاد باری (النفس بالنفس۔ سورۂ مائدہ آیت نمبر۴۵) کے عموم سے ثابت ہے۔ نیز بیہقی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہد (ذمی) کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا: "جو لوگ اپنا ذمہ پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے معزز ہوں۔" یہ ایک مرسل حدیث ہے اور اس کے راوی عبدالرحمٰن بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البیلمانی ہیں۔ اس کی مرفوعاً" بھی روایت ہوئی ہے لیکن بیہقی کے قول کے مطابق یہ غلط ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ ابن البیلمانی کمزور راوی ہے۔ اس کی روایت میں حجت بننے کی اس صورت میں بھی سکت نہیں ہوتی جب وہ اس کی روایت موصول صورت میں کرے' تو پھر مرسل صورت میں اس کی روایت کردہ حدیث کس طرح حجت ہو سکتی ہے۔ ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا ہے: "یہ حدیث مسند نہیں ہے (مسند اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند اتصال کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو۔ مترجم) اور نہ ہی اس جیسی روایت کو حجت بنا کر مسلمانوں کا خون بہایا جا سکتا ہے۔" امام شافعی نے "کتاب الام" میں کہا ہے کہ "ابن البیلمانی کی روایت کردہ حدیث امان لے کر آنے والے اس غیر مسلم کے واقعہ کے سلسلے میں ہے جسے عمرو بن امیہ الضمری نے قتل کر دیا تھا" انہوں نے مزید کہا کہ "اس بنا پر اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو بھی منسوخ قرار پائے گی کیونکہ حدیث "کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا" فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمائی تھی' جس طرح کہ عمرو بن شعیب کی روایت میں مذکور ہے جبکہ عمرو بن امیہ کا واقعہ اس پر مقدم ہے اور دونوں کے درمیان ایک عرصہ ہے۔ احناف نے عبارت مقدر ماننے کی جو بات کی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مقدر ماننا واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ فقرہ "اور کسی عہد والے کو اپنے عہد نبھانے کی حالت میں قتل نہیں کیا جائے گا۔" ایک مکمل کلام ہے اور اس کے مفہوم کی تکمیل کے لیے کسی اضمار یعنی کوئی لفظ مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ اضمار خلاف اصل ہے اور صرف ضرورت کے وقت ہی اضمار کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس لیے زیر نظر فقرہ معاہد کے قتل سے نہی کے حکم پر مشتمل ہو گا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ معاہد کا قتل تو ایک معلوم امر ہے ورنہ عہد کا کوئی فائدہ ہی نہیں اس لیے اس حکم کی خبر دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کی خبر دینے کی ضرورت تھی کیونکہ اس کی اطلاع صرف بذریعہ شرع ہو سکتی تھی ورنہ عمومات کلام کا ظاہر تو اس کے قتل کا فیصلہ دیتا ہی ہے۔ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ زیر بحث دوسرے فقرے میں کافر کا لفظ مقرر ہے تو ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ اس سے پہلے فقرے کی حربی کے ساتھ تخصیص لازم آئے گی اس لیے کہ عطف کا مقتضا تو مطلق اشتراک ہوتا ہے' نہ کہ ہر جہت سے اشتراک۔

حدیث کا فقرہ ہے "مسلمانوں پر عائد شدہ ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ان کا ادنیٰ فرد بھی کوشاں رہے گا۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان کسی حربی کو امان دے دے تو یہ تمام مسلمانوں کی طرف سے امان ہوگی خواہ یہ مسلمان ایک عورت ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت ام ہانیؓ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ البتہ امان دینے والے مسلمان کا مکلف ہونا شرط ہے' یہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے ہو گی اور اس کی خلاف ورزی جائز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہو گی۔

حدیث کا فقرہ ہے: "وہ اپنے ماسوا دیگر لوگوں کے مقابلہ میں ایک ہاتھ یعنی متحد ہیں" اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں متحد ہوتے ہیں۔ ان کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنا حلال نہیں ہوتا بلکہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی طرف سے جب ان کے ساتھ دشمنی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے تو یہ سب کے سب ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور متحد ہو کر ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ گویا ان کے ہاتھوں کو ایک ہاتھ اور ان کے فعل کو ایک فعل قرار دیا گیا۔

١٠٩١/٧ - وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ جَارِيَةً وُجِدَ رَأْسُهَا قَدْ رُضَّ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، فَسَأَلُوهَا: مَنْ صَنَعَ بِكِ هٰذَا؟ فُلَانٌ، فُلَانٌ حَتى ذَكَرُوا يَهُودِيًّا. فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا. فَأُخِذَ الْيَهُودِيُّ. فَأَقَرَّ. فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَضَّ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ (١).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان لڑکی کے سر کو دو پتھروں کے درمیان کچلا ہوا پایا گیا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ فلاں شخص نے یا فلاں نے؟ یہاں تک کہ اس کے سامنے ایک یہودی کا ذکر ہوا' جسے سن کر اس نے اپنا سر ہلایا' چنانچہ یہودی پکڑا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا جائے۔ متفق علیہ' روایت کے الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قصاص بالمثل واجب ہوتا ہے جس طرح دھار دار آلے کے ذریعے قتل کا قصاص بالمثل ہے نیز یہ کہ عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کر دیا جائے گا اور یہ بھی کہ جس طرح مقتول کو قتل کیا گیا ہو اسی طرح قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ یوں تین مسئلے زیر بحث آئیں گے۔

پہلا مسئلہ قصاص بالمثل کے وجوب کا ہے۔ امام شافعی' امام مالک' محمد بن الحسن اور ہادویہ کا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہی مسلک ہے۔ اور اس کے مناسب معنی بھی ظاہر اور قوی ہے۔ یعنی خون کو ضائع جانے سے محفوظ کرنا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جان نکالنے کے اندر قتل بالمثل دھار دار آلے کے ذریعے قتل کی طرح ہے۔

---

(١) حضرت انس کی روایت کے حوالے: بخاری شریف باب ٧ من الدیات' مسلم شریف باب ٣ من القسامة' سنن ابی داؤد ٤٥٢٧' ٤٥٢٨' سنن ترمذی ١٣٩٤۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شعبی، نخعی اور امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ قصاص بالمثل قتل کے اندر واجب نہیں ہوتا۔ ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی روایت بیہقی نے حضرت نعمان بن بشیر سے مرفوعاً" کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "تلوار کے سوا ہر چیز قتل خطا ہے اور ہر قتل خطا کے لیے دیت ہے۔" ایک طریق کے الفاظ یہ ہیں "حدیدہ (دھار دار آلے) کے سوا ہر چیز قتل خطا ہے اور ہر قتل خطا کے لیے دیت ہے۔" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ حدیث کا مدار جابر جعفی اور قیس بن الربیع پر ہے، ان دونوں کی روایت قابل استدلال نہیں ہے اس لیے یہ حدیث حضرت انس کی اس حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حنفیہ نے حضرت انسؓ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ سر کچلنے کی وجہ سے زخم لگ گیا تھا یا یہ کہ مذکورہ یہودی کی عادت تھی کہ وہ بچوں کو قتل کر دیا کرتا تھا۔ اس لیے وہ زمین کے اندر فساد پھیلانے کی کوشش کرنے والوں میں سے تھا، لیکن یہ جواب تکلف پر مبنی ہے۔ اگر قتل ایسے آلے کے ذریعے ہوا ہو کہ اس جیسے آلے سے قتل کرنا غالباً مقصود نہیں ہوتا مثلاً لاٹھی، کوڑا اور طمانچہ وغیرہ تو امام مالک، لیث اور ہادویہ کے نزدیک اس میں قصاص واجب ہو گا۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور جمہور صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد آنے والوں کے نزدیک اس میں قصاص نہیں ہو گا۔ یہ قتل شبہ عمد ہو گا اور اس میں سو اونٹوں کی دیت مغلظہ ہو گی یعنی سو کے اندر چالیس اونٹنیاں بھی ہوں گی جو سب کی سب گابھن ہوں گی۔ کیونکہ امام احمد نے اور ترمذی کے سوا دیگر اصحاب سنن نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آگاہ رہو، قتل خطا یعنی شبہ عمد وہ قتل ہے جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعے کیا جائے، اس میں سو اونٹ ہیں، ان میں سے چالیس اونٹنیاں وہ ہوں جن کے پیٹ میں ان کے بچے ہوں گے۔" یعنی گابھن۔ ابن کثیر نے "الارشاد" میں کہا ہے کہ "اس حدیث کے اسناد میں بہت اختلاف ہے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔" میں (شارح) کہتا ہوں کہ اگر حدیث صحیح ہے تو پھر وجہ واضح ہو گی ورنہ جان نکالنے میں آلے کا اعتبار نہ کرنا اصل ہو گا بلکہ جو چیز بھی جان نکال دے وہ قصاص کو واجب کر دے گی۔

دوسرا مسئلہ عورت کے بدلے میں مرد کا قتل ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں کہ عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔ ابن المنذر نے اس پر اجماع کی حکایت کی ہے جس کی بنیاد زیر نظر حدیث ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے گویا اس ارشاد باری سے استدلال کیا ہے "الانثی بالانثی" (عورت کے بدلے عورت۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸) ان کے قول کی یہ کہہ کر تردید کی گئی ہے کہ عمرو بن حزم کی کتاب میں جسے لوگوں نے سند قبولیت عطا کی ہے، درج ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، اور یہ آیت کے مفہوم سے زیادہ قوی ہے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلک ہے کہ مرد سے عورت کا قصاص لیا جائے گا اور مرد کے ورثاء کو اس کی نصف دیت کی ادائیگی کی جائے گی' کیونکہ دیت کے معاملہ میں دونوں کے درمیان تفاوت ہے۔ نیز یہ کہ ارشاد باری ہے : "والجروح قصاص" (اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ سورۂ مائدہ آیت ۴۵) اس کی تردید یہ کہہ کر کر دی گئی ہے کہ دیت میں تفاوت جان کے اندر تفاوت کا موجب نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر ہزار کی قیمت والے غلام کو بیس کی قیمت والے غلام کے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس طرح قصاص میں مساوات ہو گئی۔ زخموں میں مساوات سے مراد یہ ہے کہ زخم کا قصاص لینے والا واقع شدہ زخم سے زیادہ زخم نہ لگائے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قصاص اسی طرح لیا جائے جس طرح مقتول کو قتل کیا گیا ہو۔ جمہور کا یہی مسلک ہے۔ یہی مفہوم ذیل کی دو آیتوں سے مستفاد ہوتا ہے۔ پہلا ارشاد باری ہے : "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به" (اور اگر تم سزا دو تو اس جیسی سزا دو جتنی تمہیں دی گئی ہو۔ سورۂ نحل آیت ۱۲۶) دوسرا ارشاد باری ہے : "فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم" (تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۹۴) نیز اس حدیث سے بھی جس کی روایت حضرت براء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے۔ بیہقی نے اس کی تخریج کی ہے کہ "جس نے تیر کا نشانہ بنایا ہم بھی اسے تیر کا نشانہ بنائیں گے۔ جس نے جلایا ہم بھی اسے جلائیں گے' جس نے ڈبویا ہم بھی اسے ڈبوئیں گے۔" یعنی جس نے کسی کو تیروں کا ہدف اور نشانہ بنایا۔ تاہم اس حکم کو اس صورت کے ساتھ مقید کیا جائے گا جب قتل کا ذریعہ ایسی چیز ہو جسے عمل میں لانا جائز ہو۔ لیکن اگر مذکورہ ذریعے کو عمل میں لانا جائز نہ ہو مثلاً ایک شخص کو جادو کے ذریعے قتل کیا گیا ہو تو قاتل کو جادو کے ذریعے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ جادو ایک حرام فعل ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ بعض شوافع کا قول ہے کہ اگر ایک شخص کو لواطت کے ذریعے یا منہ کے راستے شراب ڈال کر قتل کیا گیا ہو تو پہلی صورت میں اس کی دبر میں لکڑی گھسیڑ کر اور دوسری میں اس کے منہ میں سرکہ ڈال کر قصاص لیا جائے گا۔ ایک قول کے مطابق مماثلت کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب' اہل کوفہ اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ صرف تلوار کے ذریعے قصاص لیا جائے گا۔ انہوں نے بزار اور ابن عدی کی حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "قصاص تلوار ہی کے ذریعے لیا جائے گا۔" تاہم یہ ضعیف حدیث ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ ان حضرات نے مثلہ کی نہی کرنے والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی کہ : "جب تم کسی کو قتل کرو تو اس کام کو بھی احسن طریقے سے سرانجام دو۔" اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا احادیث کے ذریعے اس حدیث کی تخصیص ہو گئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر حدیث میں مذکورہ یہودی کے بارے میں راوی نے کہا ہے کہ "اس نے اقرار یا اعتراف کر لیا۔" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے۔ کیونکہ اس کی طرف سے اقرار کا اعادہ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۱۰۹۲/۸ ۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ غُلَامًا لِأُنَاسٍ فُقَرَاءَ قَطَعَ أُذُنَ غُلَامٍ لِأُنَاسٍ أَغْنِيَاءَ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَجْعَلْ لَهُمْ شَيْئًا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ (۱).

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ فقیر لوگوں کے ایک غلام نے کچھ مالدار لوگوں کے ایک غلام کا کان کاٹ دیا۔ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' آپؐ نے انہیں کچھ نہیں دلوایا۔ امام احمد اور تینوں اصحاب سنن نے صحیح اسناد کے ذریعے اس کی روایت کی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ فقیر شخص پر کوئی جرمانہ عائد نہیں ہوتا۔ تاہم بیہقی نے کہا ہے کہ یہاں اگر غلام سے مراد مملوک ہے تو اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ عبد یعنی مملوک کی جنایت اس کی گردن پر ہوتی ہے اس لیے یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اس کی یہ جنایت یعنی جرم خطا اور غلطی پر مبنی تھا۔ واللہ اعلم' نیز یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی جرمانہ اس لیے عائد نہیں فرمایا کہ آپؐ نے اس کے اس جرم کا جرمانہ اپنے ذمہ لے لیا تھا اور اپنے پاس سے تبرع کے طور پر اس کی ادائیگی کی تھی۔ خطابی نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ مجرم آزاد فرد تھا اور اس سے یہ جنایت خطا" سرزد ہوئی تھی اور اس کی عاقلہ (جرمانہ بھرنے والے مرد رشتہ دار) فقیر تھے' اس لیے آپؐ نے ان پر کوئی جرمانہ عائد نہیں کیا یا تو اس لیے کہ وہ فقیر تھے یا اس لیے کہ وہ لوگ غلام پر عائد شدہ جنایت کا اس صورت میں جرمانہ نہیں بھرتے تھے جب جرم کی زد میں آنے والا فرد مملوک ہوتا' جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے اور بعض دفعہ جنایت کا مرتکب آزاد اور نابالغ لڑکا ہوتا ہے اور اس کی یہ جنایت عمداً ہوتی ہے تو اس صورت میں اس کا جرمانہ اس کی عاقلہ پر عائد نہیں ہوتا۔ یہ لڑکا فقیر تھا اس لیے آپؐ نے فی الحال اس پر جرمانہ عائد نہیں کیا یا آپؐ نے جرمانہ اس کی عاقلہ پر عائد کرنا چاہا لیکن انہیں فقیر پایا۔ اس طرح آپؐ نے اس لڑکے پر جرمانہ اس لیے عائد نہیں کیا کہ اس کی یہ جنایت خطا کے حکم میں تھی اور اس کی عاقلہ پر اس لیے عائد نہیں کیا کہ وہ سب فقراء تھے۔ واللہ اعلم"

خطابی کا قول "اس کا جرمانہ اس کی عاقلہ پر عائد نہیں ہوتا" یہ امام شافعی کا مسلک ہے کہ نابالغ کی

---

(۱) سنن ابو داؤد ۴۵۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمداً جنایت کا جرمانہ اس کے اپنے مال سے دیا جاتا ہے اور عاقلہ اس کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔

خطابی کا دوسرا قول ہے "آپؐ نے جرمانہ اس کی عاقلہ پر عائد کرنا چاہا" یعنی اس احتمال کے ساتھ کہ غلام سے سرزد ہونے والا مذکورہ جرم مبنی بر خطا تھا۔ اس احتمال کی بنا پر مسئلہ متفق علیہ ہو گا یا اس احتمال کے ساتھ کہ غلام کا مذکورہ جرم عمداً تھا جیسا کہ امام ابو حنیفہ' امام مالک اور ہادویہ کا مسلک ہے۔

۱۰۹۳/۹ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلاً طَعَنَ رَجُلاً بِقَرْنٍ فِي رُكْبَتِهِ، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَقِدْنِي، فَقَالَ: «حَتَّى تَبْرَأَ». ثُمَّ جَاءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَقِدْنِي. فَأَقَادَهُ، ثُمَّ جَاءَ إِلَيْهِ. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، عَرَجْتُ، فَقَالَ: «قَدْ نَهَيْتُكَ فَعَصَيْتَنِي، فَأَبْعَدَكَ اللَّهُ، وَبَطَلَ عَرَجُكَ». ثُمَّ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَنْ يُقْتَصَّ مِنْ جُرْحٍ. حَتَّى يَبْرَأَ صَاحِبُهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ(۱).

عمرو بن شعیب سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے' انہوں نے ان کے دادا رضی اللہ عنہ سے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے گھٹنے میں ایک سینگ مار کر اسے زخمی کر دیا' یہ زخمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: "میرا بدلہ لیجئے" آپؐ نے فرمایا: "(اس وقت تک نہیں) جب تک گھٹنے کا زخم ٹھیک نہ ہو جائے۔" پھر وہ شخص آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "میرا بدلہ لیجئے" چنانچہ آپؐ نے اس کا بدلہ لے لیا۔ پھر وہ آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اللہ کے رسول' میں لنگڑا ہو گیا!" آپؐ نے فرمایا: "میں نے تمہیں روکا تھا لیکن تم نے میری بات نہیں مانی' اللہ نے تمہیں دور کر دیا اور تمہارے لنگڑے پن کو باطل کر دیا۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زخم کا بدلہ لینے سے اس وقت تک منع کر دیا جب تک زخم بھر نہ جائے اور زخمی تندرست نہ ہو جائے۔ امام احمد اور دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے۔ اس روایت میں ارسال کی علت ہے۔ اس روایت میں ارسال اس بنا پر ہے کہ شعیب نے اپنے دادا کو نہیں پایا تھا۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ شعیب کی اپنے دادا سے ملاقات ثابت ہے۔ اس روایت کے ہم معنی دیگر احادیث بھی ہیں جن سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے۔ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ زخموں کا اس وقت تک قصاص نہیں لیا جائے گا جب تک وہ مندمل نہ ہو جائیں اور جسم میں ان کے سرایت کر جانے کا خطرہ ٹل نہ جائے۔

---

(۱) عمرو بن شعیب کی روایت کے حوالے: سنن دار قطنی ج ۳ ص ۸۸' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۶۸' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شافعی نے کہا ہے کہ زخم بھر جانے تک انتظار مستحب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شخص کو اس کے زخم کے مندمل ہونے سے پہلے ہی اسے اپنا بدلہ لینے کا موقعہ دے دیا تھا۔ ہادویہ اور دیگر حضرات کا مسلک یہ ہے کہ انتظار واجب ہے اس لیے کہ مفاسد کو دفع کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شخص کو بدلہ لینے کی جو اجازت دے دی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اس زخم سے پیدا ہونے والی خرابی کے علم سے پہلے ہی اسے اس کی اجازت دے دی تھی۔

١٠٩٤/١٠ ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: ٱقْتَتَلَتِ ٱمْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ، فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا ٱلْأُخْرَى بِحَجَرٍ، فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا، فَٱخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَضَى رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ» وَقَضَى بِدِيَةِ ٱلْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا. وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ. فَقَالَ حَمَلُ بْنُ ٱلنَّابِغَةِ ٱلْهُذَلِيُّ: يَا رَسُولَ ٱللَّهِ، كَيْفَ يُغْرَمُ مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ، وَلَا نَطَقَ وَلَا ٱسْتَهَلَّ، فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ ٱلْكُهَّانِ». مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ ٱلَّذِي سَجَعَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(۱).

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں۔ اور ایک نے دوسری کو ایک پتھر اٹھا کر دے مارا' اور اسے اور اس کے پیٹ میں موجود بچے کو مار ڈالا۔ مقتولہ کے رشتہ دار اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سنایا کہ "جنین کی دیت ایک غرہ ہے یعنی ایک غلام یا ایک لونڈی" اور عورت یعنی قاتلہ کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ دیا۔ اور اس کے ولد اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے یعنی عصبات کو وارث قرار دیا۔ اس پر حمل بن النابغہ ہذلی نے عرض کیا: "اللہ کے رسول' اس بچے کی دیت کس طرح دی جائے گی جس نے نہ پیا' نہ کھایا' نہ بولا اور نہ آواز نکالی' اس جیسے کا خون تو رائیگاں جانا چاہیے۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تو کاہنوں کے ایک بھائی کی بات ہے۔" یعنی آپ کی یہ ناپسندیدگی اس سجع بندی کی وجہ سے تھی جو حمل بن النابغہ نے کی تھی' متفق علیہ۔

---

(۱) حضرت ابوہریرہ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف باب ۲۶ من الدیات' مسلم شریف حدیث ۱۶۸۱' التمہید ج ۷ ص ۱۱۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) غرۃ (حرف غین پر پیش' حرف راء مشدد اور تاء پر تنوین)

(۲) عبد او ولیدۃ۔ یہ دونوں غرۃ سے بدل ہیں۔ اور حرف او تقسیم کے لیے ہے شک کے لیے نہیں۔

(۳) سنن ابی داؤد میں ہے کہ جس عورت یعنی قاتلہ پر غرہ دینے کا حکم عائد کیا گیا تھا وہ وفات پا گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں کی ہو گی اور دیت اس کے عصبہ پر ہو گی' اس طرح کی ایک روایت کے مطابق اس کی میراث اس کے بیٹوں کی ہو گی اور دیت اس کے عصبہ پر ہو گی۔ مسلم شریف میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ اس بنا پر لفظ (ورثہا) میں موجود ضمیر قاتلہ کی طرف عائد ہو گی۔ ایک قول کے مطابق یہ ضمیر مقتولہ کی طرف لوٹے گی' وہ اس طرح کہ اس کی عاقلہ نے کہا کہ اس کی میراث ہمیں ملے گی' آپؐ نے فرمایا "نہیں" اور پھر آپؐ نے اس کی دیت کا فیصلہ اس کے شوہر اور بچے کے حق میں کر دیا۔

(۴) حمل ۔ حرف حاء پر زبر اور حرف میم پر بھی زبر۔

(۵) النابغہ' (حرف نون کے بعد الف اور پھر حرف باء اور حرف غین) یہ قاتل عورت کے شوہر تھے۔

(۶) استھل ۔ آواز بلند کرنے کو استھال کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس بچے کی زندگی کے بارے میں بولنے یا رونے کی آواز کے ذریعے کچھ معلوم نہیں ہوا۔

(۷) یطل' (حرف یاء پر پیش اور لام مشدد) یہ فعل (طل) کا مضارع مجہول ہے۔ اور اس کے معنی ہیں "رائیگاں جاتا ہے اور لغو قرار پاتا ہے اور اس کا تاوان نہیں ہوتا۔" اس لفظ کی ایک روایت حرف باء اور تخفیف لام کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ بطلان مصدر سے فعل ماضی ہو گا۔

(۷) ھذا' یعنی اس بات کا کہنے والا۔

یہ حدیث کئی مسائل پر مشتمل ہے۔

پہلا مسئلہ :۔ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر جنایت کی بنا پر جنین فوت ہو جائے تو اس کے نتیجے میں علی الاطلاق غرہ واجب ہو گا یعنی خواہ جنین رحم مادر سے جدا ہو کر باہر نکل آئے یا شکم مادر میں مر جائے' لیکن اگر زندہ باہر آ جائے اور پھر مر جائے تو اس کے نتیجے میں پوری دیت واجب ہو گی' تاہم یہ معلوم ہونا ضروری ہو گا کہ وہ جنین تھا۔ وہ اس طرح کہ اس کا ہاتھ یا پاؤں باہر آ جائے۔ بصورت دیگر برات ذمہ اور غرہ واجب نہ ہونا اصل ہو گا۔ حدیث کے اندر غرہ کی تفسیر غلام یا ولید یعنی لونڈی سے کی گئی ہے۔ شعبی نے کہا ہے کہ غرہ پانچ سو درہم کا ہوتا ہے۔ ابو داؤد اور نسائی کی حضرت بریدہ سے روایت میں غرہ سو بکریوں کا ہے۔ ایک قول کے مطابق پانچ اونٹوں کا ہے کیونکہ دیات کے اندر اونٹ اصل ہیں۔" یہ حکم آزاد عورت کے جنین کا ہے۔ رہ گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لونڈی کا جنین تو ایک قول کے مطابق لونڈی کی دیت پر قیاس کرتے ہوئے اس کی تخصیص کر دی جائے گی' یعنی جس طرح لونڈی کے تاوان میں اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اسی طرح اس کے جنین میں جرمانہ عائد ہو گا جس کی نسبت لونڈی کی قیمت کی طرف ہو گی۔ اگر اس کے جنین کو آزاد عورت کے جنین پر قیاس کیا جائے گا تو جس طرح اس میں دیت کا بیسواں حصہ لازم ہوتا ہے اسی طرح لونڈی کے جنین میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ لازم ہو گا۔

دوسرا مسئلہ :۔ راوی کا قول "آپؐ نے عورت یعنی قاتلہ کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ دیا۔" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس جیسی صورت میں قصاص واجب نہیں ہوتا۔ جو حضرات قتل شبہ عمد کا اثبات کرتے ہیں یہ قول ان کی ایک دلیل ہے' اور یہ اثبات برحق ہے اس لیے کہ مذکورہ قتل چھوٹے پتھر یا لکڑی کے ذریعے عمل میں آیا تھا اور غالب احوال میں اس جیسی چیز کے ساتھ قتل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اس لیے اس میں عاقلہ پر دیت واجب ہو گی' قصاص واجب نہیں ہو گا۔ احناف اس بات کو بھاری چیز کے ذریعے قتل پر قصاص کے عدم وجوب کی دلیل بناتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ :۔ راوی کا قول "اس کی عاقلہ پر" اس بات کی دلیل ہے کہ دیت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے اور عاقلہ عصبات کو کہتے ہیں۔ اس کی تفسیر ان لوگوں سے کی گئی ہے جو ولد اور ذوی الارحام کے ماسوا ہوں۔ یہ بات اسامہ بن عمیر سے بیہقی کی روایت سے ظاہر ہے' اس روایت کے الفاظ ہیں "قاتلہ کے باپ نے کہا : "اس پر عائد شدہ دیت اس کے بیٹے بھریں گے۔" پھر یہ لوگ اپنا جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے' آپؐ نے فرمایا : "دیت عصبہ پر ہو گی اور جنین کا ایک غرہ ہو گا۔" اسی بنا پر امام بخاری نے ایک باب کا عنوان اس طرح لگایا ہے : "عورت کے جنین کا باب نیز یہ کہ دیت والد پر اور والد کے عصبہ پر عائد ہو گی نہ کہ ولد پر" امام شافعی نے کہا ہے کہ "مجھے اس بارے میں کسی اختلاف کا علم نہیں کہ عصبہ عاقلہ ہیں' یہ باپ کی طرف سے ہونے والے رشتہ دار ہیں۔ اور پھر ان کی تفسیر درجہ بدرجہ ان قریبی رشتہ داروں سے کی جو ایک آزاد اور مکلف مرد کے عصبات ہوں۔ اس بارے میں ایک اختلاف ہے جس کا ذکر قسامہ کے باب میں آئے گا۔ زیر نظر حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ دیت کا وجوب عاقلہ پر ہوتا ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ البتہ ایک گروہ نے عاقلہ پر دیت کے وجوب سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے دیت نہیں بھرے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کی روایت امام احمد' ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عمرو بن الاحوص سے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جنایت کا ہر مرتکب صرف اپنی جان پر اس کا ارتکاب کرتا ہے' جنایت کا کوئی بھی مرتکب اپنے ولد پر اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔" نیز امام احمد' ابو داؤد' نسائی اور حاکم نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کی ہے کہ "ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' آپؐ نے اس سے پوچھا "تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟" اس نے عرض کیا "یہ میرا بیٹا ہے" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "اس کی جنایت تم پر نہیں پڑے گی اور تمہاری جنایت اس پر عائد نہیں ہو گی۔" ان دونوں حدیثوں اور عاقلہ پر وجوب دیت کی حدیث کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس سے اخروی جزا مراد ہے یعنی باپ کی جنایت کی ذمہ داری بیٹے پر یوں نہیں عائد ہو گی کہ آخرت میں بیٹے کو اس کی سزا ملے۔ رہ گیا یہ قول کہ والد اور ولد عاقلہ میں داخل نہیں ہیں جیسا کہ خطابی نے کہا ہے تو اس کے ثبوت کے لیے استدلال مکمل نہیں ہے۔

چوتھا مسئلہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "یہ تو کاہنوں کے ایک بھائی کی بات ہے" یعنی اس سجع بندی کی وجہ سے جو اس نے کی تھی' ایسا لگتا ہے کہ فقرہ "اس سجع بندی کی وجہ سے" راوی کے اپنے فہم کے مطابق حدیث میں داخل کر دیا گیا ہے (ایسے فقرے کو اصطلاح حدیث میں مدرج من الراوی کہتے ہیں۔ مترجم) اس میں سجع بندی مکروہ ہونے کی دلیل ہے' علماء نے کہا ہے کہ دو وجوہ کی بنا پر مذکورہ شخص کی بات کو آپؐ نے ناپسند فرمایا ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس نے یہ کہہ کر شرع کے حکم سے معارضہ کیا تھا اور اس حکم کو باطل کرنا چاہا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے کلام میں تکلف برتا تھا۔ سجع کی یہ دونوں باتیں قابل مذمت ہیں۔ رہ گئی وہ سجع بندی جس کا صدور بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا تھا اور جس کی حدیثوں میں کثرت ہے تو اس کا تعلق اس مذموم سجع بندی سے نہیں ہے اس لیے کہ اس میں شرع کے حکم کے ساتھ کوئی معارضہ نہیں اور نہ ہی یہ تکلف پر مبنی ہے۔ اس لیے اس کی کوئی ممانعت نہیں۔

۱۰۹۵/۱۱ - وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ مِنْ حَدِيثِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَأَلَ مَنْ شَهِدَ قَضَاءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ٱلْجَنِينِ؟ قَالَ: فَقَامَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ، فَقَالَ: كُنْتُ بَيْنَ يَدَيِ ٱمْرَأَتَيْنِ، فَضَرَبَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى. فَذَكَرَهُ مُخْتَصِراً، وَصَحَّحَهُ ٱبْنُ حِبَّانَ وَٱلْحَاكِمُ.

ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عباسؓ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ جنین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے موقعہ پر کون موجود تھا؟ یہ سن کر حمل بن النابغہ آگے بڑھے اور کہا: "میں دو عورتوں کے سامنے تھا' پھر ایک نے دوسری کو ضرب لگائی" پھر انہوں نے مختصراً سارا واقعہ بیان کیا۔ ابن حبان اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) ان کا ذکر ماقبل کی حدیث میں ہو چکا ہے۔

(۲) ابوداؤد کی روایت کے الفاظ ہیں "حضرت عمر نے حاملہ کے بچہ کو گرا دینے کے بارے میں لوگوں سے پوچھا' حضرت مغیرہؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا' آپؐ نے اس کے بارے میں غرہ یعنی غلام یا لونڈی کا فیصلہ دیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا "اپنے ساتھ ایک اور گواہ لاؤ" وہ حضرت محمد بن مسلمہؓ کو لے آئے' چنانچہ انہوں نے بھی اس کی گواہی دی" پھر ابو داؤد نے کہا کہ ابو عبید کے قول کے مطابق "عورت کے بچہ گرا دینے کو "املاص" اس لیے کہتے ہیں کہ پیدائش کے وقت سے پہلے حاملہ اسے رحم سے نیچے پھسلا دیتی ہے' اسی طرح جو چیز بھی ہاتھ وغیرہ سے پھسل جائے اس کی تعبیر کے لیے کہتے ہیں "قد املص (وہ چیز پھسل گئی)۔"

یہ جاننا ضروری ہے کہ جنین کی تخلیق ہو چکی تھی اور اس میں روح آ گئی تھی تاکہ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ اس کا قتل جنایت کے تحت ہوا ہے۔ شوافع نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس میں آدمی کی صورت ظاہر ہو چکی ہو مثلاً ہاتھ' انگلی وغیرہ۔ اگر اس میں آدمی کی صورت ظاہر نہ ہوئی ہو اور تجربہ کار لوگ گواہی دیں کہ یہ انسانی ڈھانچہ ہے تو اس صورت میں بھی اس کا حکم اسی طرح ہو گا جبکہ انسانی شکل و صورت مخفی اور مدھم ہو۔ اگر تجربہ کار لوگوں کو اس کے انسانی ڈھانچہ ہونے میں شک ہو تو بالاتفاق اس کے بدلے میں کوئی چیز واجب نہیں ہو گی۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جنین کے اندر غرہ ہے چاہے یہ مذکر ہو یا مونث کیونکہ حدیث مطلق ہے۔

۱۰۹۶/۱۲ - وعَنْ أَنَسٍ ، أَنَّ الرُّبَيِّعَ بِنْتَ النَّضْرِ - عَمَّتَهُ - كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ، فَطَلَبُوا إِلَيْهَا الْعَفْوَ، فَأَبَوْا، فَعَرَضُوا الْأَرْشَ فَأَبَوْا. فَأَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَبَوْا إِلَّا الْقِصَاصَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِصَاصِ ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ ؟ لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَنَسُ، كِتَابُ اللَّهِ الْقِصَاصُ». فَرَضِيَ الْقَوْمُ فَعَفَوْا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ(۱).

---

(۱) حضرت انس کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۲۴۳' ج ۶ ص ۲۹' ۶۶' مسلم شریف حدیث ۱۶۷۵' سنن ابی داؤد باب ۳۳ من الدیات' سنن نسائی باب ۱۸ من القسامۃ' سنن ابن ماجہ ۲۶۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸' ۱۶۷' فتح الباری ج ۸ ص ۱۷۷' ۲۷۴' ج ۱۲ ص ۲۱۵' ج ۵ ص ۳۰۶' معانی الآثار ج ۳ ص ۱۷۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ان کی پھوپھی الربیع بنت النضر نے ایک لڑکی کے سامنے کے دانت توڑ دیئے۔ رشتہ داروں نے مذکورہ لڑکی سے معاف کر دینے کی درخواست کی' لیکن اس کے رشتہ داروں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا' اس طرف سے جرمانے کی ادائیگی کی پیشکش ہوئی' انہوں نے یہ بات بھی نہیں مانی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے اور قصاص کے سوا کسی اور بات پر رضامند نہیں ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص لینے کا حکم دیا' یہ سن کر انس بن النضر نے کہا: "اللہ کے رسول' کیا ربیع کے سامنے کے دانت توڑے جائیں گے؟ نہیں' قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا' اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انس' اللہ کی کتاب میں قصاص ہی کا حکم ہے" پھر لڑکی کے رشتہ دار رضامند ہو گئے اور انہوں نے معاف کر دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے بندوں میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کی ذات پر کسی بات کی قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے۔" متفق علیہ' الفاظ امام بخاری کی روایت کے ہیں۔

(۱) الربیع' حرف راء پر پیش' باء پر زبر' یاء مشدد و مکسور' انس بن النضر کی بہن' یعنی حضرت انس بن مالک کی پھوپھی' یہ الربیع بنت معوذ نہیں ہیں' سنن بیہقی میں بنت معوذ کے الفاظ آئے ہیں۔ مصنف کتاب (ابن حجر) نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے۔

(۲) یعنی انصار کی ایک نوجوان لڑکی جیسا کہ ایک روایت میں مذکور ہے۔

اس حدیث میں چند مسائل کا ذکر ہے۔

پہلا مسئلہ: اس میں دانت کے قصاص کے وجوب کی دلیل ہے۔

اگر پورے دانت کا مسئلہ ہو تو وہ اس ارشاد باری سے ماخوذ ہو گا "والسن بالسن" (اور دانت کے بدلے دانت' سورۂ مائدہ آیت ۴۵) اگر عمداً دانت اکھاڑ دیا گیا ہو تو اس کے قصاص میں دانت اکھاڑ دینے پر اجماع ہے۔ اگر دانت توڑ دیا گیا ہو تو اس کے قصاص پر زیر نظر حدیث دلالت کرتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مماثلت معلوم کر لی جائے اور غیرواجب حد تک سرایت کے بغیر قصاص لینا ممکن ہو۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ دانت میں قصاص کی کیا صورت ہو گی؟ انہوں نے فرمایا: "مجرم کے دانت کو ریتی سے اسی قدر رگڑ دیا جائے گا جس قدر اس جرم کی زد میں آنے والے شخص کا دانت ٹوٹا ہو گا۔" بعض کا قول ہے کہ زیر نظر حدیث دانت اکھاڑ دینے کی صورت پر محمول ہے' نیز یہ کہ حدیث میں لفظ "کسرت" (توڑ دیا) کو "قلعت" (اکھاڑ دیا) پر محمول کیا جائے گا' لیکن یہ بعید تاویل ہے۔ دانت کے سوا ہڈی کے بارے میں اجماع ہے کہ اس ہڈی میں قصاص جاری نہیں ہو گا جسے توڑنے سے جان جانے کا خطرہ ہو اور اس میں مماثلت پیدا نہ کی جا سکتی ہو یعنی ضائع ہو جانے والی ہڈی کی مقدار معلوم نہ ہو سکے۔ لیث' امام شافعی اور احناف کا قول ہے کہ دانت کے سوا دیگر ہڈی میں قصاص جاری نہیں ہو گا اس لیے کہ ہڈی کے اوپر جلد' گوشت اور پٹھا حائل ہو گا' اس رکاوٹ کے ہوتے ہوئے مماثلت متعذر ہو جائے گی۔ اگر مماثلت ممکن ہوتی تو ہم قصاص کے قائل ہوتے' لیکن صورت حال یہ ہے کہ ہم ہڈی تک پہنچ نہیں سکتے جب تک اس سے پہلے ہم مذکورہ جلد وغیرہ کو نہ چھیڑیں جس کی مقدار ہمیں معلوم نہیں۔

دوسرا مسئلہ: انس بن النضر کا قول ہے: "کیا ربیع کے سامنے کے دانت توڑے جائیں گے؟" یہ استفہام ظاہری طور پر انکار کے لیے ہے۔ اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ انہوں نے یہ کہہ کر حکم کو رد نہیں کیا' نہ ہی معارضہ کیا' بلکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ دوسرے فریق سے سفارش کے مطالبہ کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پکی کر لیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کے مطالبہ کو انہوں نے قسم کے ذریعے موکد کیا۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے اپنی یہ بات اس علم سے پہلے کی تھی کہ قصاص ایک حتمی امر ہے اور یہ خیال کیا تھا کہ انہیں قصاص اور دیت یا معافی کے درمیان اختیار ملے گا۔ اس کی طرف جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اشارہ کر رہا ہے کہ: "انس' اللہ کی کتاب میں قصاص ہے۔" ایک اور قول کے مطابق انہوں نے استفہام کے ذریعے انکار نہیں کیا تھا بلکہ یہ فقرہ اللہ کے فضل سے اس امید اور توقع کی بنا پر کہا تھا کہ وہ فریق مخالف کے دلوں میں رضاء کا جذبہ پیدا کر دے گا جس کے تحت وہ یا تو اس جرم کو معاف کر دیں گے یا جرمانہ قبول کر لیں گے' اور پھر وہی ہوا جو انہوں نے چاہا تھا۔ اللہ کی طرف سے فریق مخالف کے دلوں میں معافی الہام کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت انس بن النضر کو اپنی قسم پر برقرار رہنے دینے کے اندر اس بات کی دلیل موجود ہے کہ جس بات کے وقوع کا گمان ہو اس پر قسم کھا لینا جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (کتاب اللہ القصاص) کے سلسلے میں مشہور تو یہی ہے کہ مبتدا اور خبر ہونے کی بنا پر دونوں لفظوں پر رفع ہے۔ تاہم پہلے لفظ پر مفعول مطلق ہونے کی بنا پر نصب بھی جائز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے' پھر اس کا فعل محذوف ہو گا اور عبارت اس طرح ہو گی : "کتب کتاب اللہ" (اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا) دوسرے لفظ پر نصب اس بنا پر آئے گا کہ وہ یا تو کتاب مصدر کا یا فعل محذوف کا مفعول ہو گا۔ اس میں کئی اور وجوہ کا احتمال ہے۔ ایک قول کے مطابق کتاب سے مراد حکم ہے یعنی اللہ کا حکم قصاص ہے۔ ایک اور قول کے مطابق آپؐ نے یہ فرما کر اس ارشاد باری کی طرف ارشاد کر دیا : "والجروح قصاص" (اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ۔ سورۂ مائدہ آیت ۴۵) یا اس ارشاد باری کی طرف "فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به" (تو تم اسی جیسی سزا دو جو تمہیں دی گئی ہو۔ سورۂ نحل آیت ۱۲۶) یا اس آیت کی طرف "والسن بالسن" (دانت کے بدلے دانت)

زیر نظر حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے : "اللہ کے بندوں میں سے ایسے بھی ہیں . . . الخ" یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پوری صورت حال پر ایک گونہ تعجب کا اظہار ہے کہ حضرت انس بن النضرؓ کی طرف سے غیر کے فعل کی نفی پر قسم اٹھائی گئی اور غیر کی طرف سے اس فعل کو واقع کرنے پر اصرار رہا' حالانکہ ایسی صورت حال میں عام طور یہ ہوتا کہ قسم کھانے والا اپنی قسم توڑ دیتا لیکن ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس غیر کے دل میں عفو کا جذبہ الہام کر دیا اور اس طرح حضرت انس کی قسم پوری کر دی۔ یہ اتفاق دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت انس کے اکرام کے طور پر پیش آیا تاکہ وہ اپنی قسم پوری کر لیں نیز یہ کہ وہ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے جن کی خواہش اللہ پوری کر دیتا ہے اور ان کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ اس میں اس شخص کی تعریف کے جواز کا پہلو ہے جس سے اس قسم کی بات واقع ہو بشرطیکہ اس سے کسی فتنے میں اس کے مبتلا ہو جانے کا خطرہ نہ ہو۔

۱۰۹۷/۱۳ - وَعَنْ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيَّا أَوْ رِمِّيَّا بِحَجَرٍ، أَوْ سَوْطٍ، أَوْ عَصاً، فَعَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَإِ، وَمَنْ قُتِلَ عَمْداً فَهُوَ قَوَدٌ، وَمَنْ حَالَ دُونَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ ٱللَّهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَٱبْنُ مَاجَه بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ(۱).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما(۱) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جو شخص کسی بڑبونگ یا خشت باری وغیرہ میں پتھر یا کوڑا یا لاٹھی لگنے سے ہلاک ہو جائے تو اس کی دیت قتل خطا کی

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے : سنن ابی داؤد ۴۵۲۹' سنن نسائی ج ۸ ص ۴۰' سنن ابن ماجہ ۲۶۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیت ہو گی' اور جس شخص کو عمداً قتل کر دیا جائے اس کا قصاص لیا جائے گا' اور جو شخص اس کے درمیان حائل ہو گا اس پر اللہ کی لعنت ہو گی۔" ابو داؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے قوی اسناد کے تحت اس کی تخریج کی ہے۔

(۱) عمیا (حرف عین کے نیچے زیر' میم مشدد اور یائے مقصورہ کے ساتھ) بروزن فعیل' یہ لفظ عماء سے نکلا ہے (اور اس کے معنی بلند بادل اور موسلا دھار برسنے والے بادل کے ہیں' مصباح اللغات)

(۲) رمیا بروزن عمیا۔ یہ مصدر ہے اور اس سے مراد مبالغہ ہے۔ "النہایۃ" کے اندر مذکورہ دونوں لفظوں کی تفسیر میں لکھا ہے "معنی یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان کوئی مقتول پایا جائے جس کے قتل پر پردہ پڑا ہوا ہو اور اس کا قاتل معلوم نہ ہو سکے' اس کا حکم خطا مقتول کا حکم ہو گا اور اس کی دیت واجب ہو گی" (متن میں مفہوم کا ترجمہ درج ہے۔ مترجم)

پہلا مسئلہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس مقتول کا قاتل معلوم نہ ہو اس کی دیت واجب ہو گی اور یہ دیت عاقلہ پر عائد ہو گی۔ حدیث سے ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ عاقلہ پر یہ دیت قسامہ والی قسموں کے بغیر ہو گی۔ اس بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ہادویہ کا قول ہے کہ جن لوگوں کے درمیان یہ قتل وقوع پذیر ہوا ہے اگر وہ گنے چنے ہوں تو قسامہ لازم ہو گا اور اس میں قسامہ کا حکم جاری ہو گا یعنی قسمیں اور دیت' اگر مذکورہ لوگوں کی تعداد شمار میں نہ آتی ہو تو بیت المال سے دیت کی ادائیگی ہو گی۔ خطابی نے کہا ہے کہ "دیت بیت المال سے واجب ہو گی یا نہیں" اس بارے میں اختلاف ہے۔ اسحاق کا قول وجوب کا ہے اور معنی کے اعتبار سے اس کی توجیہہ یہ ہے کہ مرنے والا مسلمان تھا اور مسلمانوں کی حرکت کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی اس لیے مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی دیت دی جائے گی۔ حسن بصری کا قول ہے اس کی دیت ان تمام لوگوں پر واجب ہو گی جو وہاں موجود تھے' وہ اس لیے کہ اس کی موت ان موجودہ لوگوں کی حرکت کی بنا پر واقع ہوئی۔ اس لیے ان کے سوا کسی اور پر دیت کا وجوب نہیں ہو گا۔ امام مالک کا قول ہے کہ اس کا خون رائیگاں جائے گا اس لیے کہ جب اس کا قاتل بعینہ نہیں پکڑا جائے گا تو اس کی بجائے کسی اور کو پکڑنا محال ہو گا۔ امام شافعی کا ایک قول ہے کہ مقتول کے ولی سے کہا جائے گا کہ جس پر چاہو دعویٰ کر دو اور حلف اٹھاؤ' اگر وہ حلف اٹھا لے تو دیت کا مستحق قرار پائے گا۔ اگر وہ حلف اٹھانے سے باز رہے تو مدعا علیہ سے نفی پر حلف اٹھوایا جائے گا اور پھر مطالبہ دیت ساقط ہو جائے گا۔ یہ اس لیے کہ خون مطالبہ پر ہی واجب ہوتا ہے۔ جب قارئین کو اس اختلاف کا علم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان اقوال میں سے کسی قول کی پشت پر کوئی قوی سند نہیں ہے' اور یہ بات بھی علم میں آ گئی کہ زیر نظر حدیث کی سند بقول مصنف قوی ہے تو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ حدیث کے مطابق قول تمام اقوال میں اولیٰ ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا مسئلہ : آپؐ کا ارشاد ہے "جس شخص کو عمداً قتل کیا جائے اس کا قصاص لیا جائے گا" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قتل عمد جس حکم کو واجب کرتا ہے وہ بعینہٖ قصاص کا حکم ہے۔ اس مسئلے میں دو قول ہیں :

پہلا قول یہ ہے کہ بعینہٖ قصاص واجب ہو گا۔ امام ابو حنیفہ' زید بن علی اور ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ ان حضرات کے قول کے حق میں اس ارشاد باری کی دلالت ہے "کتب علیکم القصاص" (تم پر قصاص فرض کیا گیا۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸) نیز یہ حدیث "اللہ کی کتاب میں قصاص ہے۔" ان حضرات نے کہا ہے کہ دیت واجب نہیں ہو گی الا یہ کہ قتل کا مرتکب اس پر رضامند ہو جائے اور پھر اسے دیت کی حوالگی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا قول امام احمد' امام مالک اور ہادویہ وغیرھم کا ہے' اور امام شافعی کا بھی یہی ایک قول ہے کہ قتل عمد میں دو باتوں میں سے ایک واجب ہو گی یعنی قصاص یا دیت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :"جس شخص کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اسے دو باتوں میں سے بہتر بات قبول کر لینے کا اختیار ہو گا' یا تو وہ قصاص لے لے یا دیت قبول کر لے۔" امام احمد' شیخین وغیرھم نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ مقتول کے ولی کو اختیار ہو گا بشرطیکہ قتل کا مرتکب دیت بھرنے پر رضامند ہو جائے۔ ان حضرات کے قول کے مطابق اس طرح دونوں دلیلوں میں تطبیق ہو جائے گی۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ مذکورہ آیت اور بعض احادیث میں بعض واجب شدہ صورتوں پر اقتصار اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ ان صورتوں کے سوا وہ دیگر صورتیں واجب شدہ تسلیم نہیں ہوں گی جن کے وجوب پر دلیل قائم ہو چکی ہو۔ امام احمد اور ابوداؤد نے ابو شریح خزاعی سے روایت کی ہے کہ : "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ : "جس شخص پر کسی خون کی یا زخم لگنے کی مصیبت پڑ جائے تو اسے تین باتوں میں سے ایک بات قبول کر لینے کا اختیار ہو گا : یا تو وہ قصاص لے لے یا دیت قبول کر لے یا معاف کر دے۔ اگر وہ کسی چوتھی بات کا ارادہ کرے تو اسے ایسا کرنے سے روک دو۔ اگر وہ ان میں سے کوئی بات قبول کر لے اور اس کے بعد پھر زیادتی کرے تو اس کے لیے آگ ہو گی۔"

١٠٩٨/١٤ - وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتَلَهُ الآخَرُ يُقْتَلُ الَّذِي قَتَلَ، وَيُحْبَسُ الَّذِي أَمْسَكَ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْصُولاً، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ إِلَّا أَنَّ الْبَيْهَقِيَّ رَجَّحَ الْمُرْسَلَ (١).

---

(١) حضرت ابن عمر کی روایت کے حوالے : سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۴۰' مشکوۃ المصابیح ۳۴۸۵' کنزا لعمال ۳۹۸۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اگر ایک شخص کو دوسرا شخص پکڑ رکھے اور اسے ایک اور شخص قتل کر دے تو قاتل کو قتل کر دیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید میں ڈال دیا جائے گا۔" دار قطنی نے موصول صورت میں اس کی روایت کی ہے۔ ابن القطان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں' البتہ بیہقی نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے "الارشاد" میں لکھا ہے: "یہ اسناد امام مسلم کی شرط پر ہے۔" میں (شارح) کہتا ہوں یہ اشارہ دار قطنی کے اسناد کی طرف ہے کیونکہ انہوں نے ابوداؤد الحفری سے اس کی روایت کی ہے۔ انہوں نے ثوری سے انہوں نے اسماعیل بن امیہ سے' انہوں نے نافع سے' انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپؐ نے فرمایا... تا آخر حدیث۔ پھر خطابی نے کہا: "حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ ابوداؤدالحفری کے سوا کسی اور نے ثوری سے اس کی روایت نہیں کی اور ان کے سوا دوسروں سے اسماعیل بن امیہ سے اس کی مرسل صورت میں روایت کی ہے۔ یہی بات درست ہے۔ زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مقتول کو پکڑنے والے کو قید میں ڈال دینے کے سوا اور کوئی سزا نہیں ملے گی۔ یہاں قید کی مدت کا ذکر نہیں ہوا' اس لیے مدت کا معاملہ حاکم وقت کی صوابدید پر ہو گا' نیز یہ کہ قاتل پر قصاص یا دیت لازم ہو گی۔ حنفیہ' شوافع اور ہادویہ کا اس حدیث کے پیش نظر نیز اس آیت کی بنا پر یہی مسلک ہے۔ ارشاد باری ہے: "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم" (اور جو تمہارے ساتھ زیادتی کرے تو تم اس کے ساتھ اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تمہارے ساتھ کی ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۹۸)۔ امام مالک' نخعی اور ابن ابی لیلیٰ کا مسلک ہے کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ مقتول کے قتل میں دونوں شریک ہوئے۔ اس لیے کہ اگر اسے پکڑ کے نہ رکھا جاتا تو وہ قتل نہ ہوتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نص نے الحاق سے روک دیا ہے کیونکہ اس صورت کا حکم وہی ہے جو کنواں کھودنے والے اور اس میں گرا کر کسی کو مارنے والے کا ہے۔ ایسی صورت میں کنواں کھودنے والے پر تاوان عائد نہیں ہو گا بلکہ اس میں گرانے والے پر ہو گا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ تاہم اگلی حدیث پہلے گروہ کی دلیل ہے۔

۱۰۹۹/۱۵ - وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتَلَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُسْلِماً بِمُعَاهَدٍ. وَقَالَ: «أَنَا أَوْلَى مَنْ وَفَى بِذِمَّتِهِ». أَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ هٰكَذَا مُرْسَلاً، وَوَصَلَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِذِكْرِ ابْنِ عُمَرَ فِيهِ، وَإِسْنَادُ الْمَوْصُولِ وَاهٍ(١).

عبدالرحمٰن بن البلیمانی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہد کے قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کر دیا اور فرمایا: "جو لوگ اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں میں ان میں سب سے بڑھ کر ہوں۔" عبدالرزاق نے اسی طرح اسے مرسل روایت کیا ہے اور دار قطنی نے حضرت ابن عمرؓ کا ذکر کر کے اس کی موصول صورت میں روایت کی ہے۔ موصول کی سند بے کار اور کمزور ہے۔

(۱) البلیمانی (باء پر زبر' یاء ساکن اور لام پر زبر) ایک جماعت نے اس کی تضعیف کی ہے' اس لیے اس کی موصول روایت بھی ہے جبکہ یہ اس کا تنہا راوی ہو قابل استدلال نہیں تو ارسال کی صورت میں اس کی روایت کس طرح قابل استدلال ہو سکے گی جبکہ یہ روایت ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہو۔ اس سند میں ابراہیم بن محمد بن ابی لیلیٰ ایک اور ضعیف راوی ہے۔

اس حدیث پر گذشتہ سطور میں بحث گزر چکی ہے۔

١٦/ ١١٠٠ - وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قُتِلَ غُلَامٌ غِيلَةً، فَقَالَ عُمَرُ: «لَوْ اشْتَرَكَ فِيهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ بِهِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.(٢)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک لڑکے کو خفیہ طور پر قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اگر تمام اہل صنعاء اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں اس کے بدلے میں ان سب کو قتل کر دیتا۔" امام بخاری نے یہ روایت کی ہے۔

(۱) غیلة (حرف غین مکسور اور حرف یاء ساکن) یعنی خفیہ طور پر

(۲) ابن ابی شیبہ نے ایک اور طریق سے نافع سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے قصاص میں اہل صنعاء کے سات آدمیوں کو قتل کر دیا۔ "الموطا" میں ایک اور سند کے واسطے سے سعید بن المسیب سے اس کی روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے پانچ یا چھ آدمیوں کو اس ایک شخص کے بدلے میں قتل کر دیا تھا جسے انہوں نے خفیہ طور پر ہلاک کیا تھا' اور اس موقعہ پر فرمایا تھا کہ اگر تمام اہل صنعاء اس کے قتل میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تو اس کے بدلے میں ان سب کو قتل کر دیتا۔

---

(۱) عبدالرحمٰن کی روایت کے حوالے :۔ مراسیل ابی داؤد ۲۷' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۳۴' فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۶۳۔

(۲) حضرت ابن عمر کی روایت کا حوالہ :۔ فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس روایت کے ساتھ ایک واقعہ بھی متعلق ہے جسے طحاوی اور بیہقی نے ابن وہب سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے جریر بن حازم نے بتایا کہ المغیرہ بن حکیم الصنعانی نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے انہیں بیان کیا کہ صنعاء کی ایک عورت کا خاوند کہیں چلا گیا اور اس کی گود میں اپنا ایک بچہ چھوڑ گیا جو اس کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھا اور اس کا نام اصیل تھا۔ شوہر کے جانے کے بعد عورت نے کسی اور شخص کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے۔ عورت نے اس سے کہا کہ یہ لڑکا ہمیں رسوا کرا دے گا' اس لیے اسے قتل کر دو۔ لیکن اس شخص نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس پر اس عورت نے اسے اپنے پاس آنے سے روک دیا' اور اس کے نتیجے میں مذکورہ شخص نے اس کی بات مان لی اور پھر مذکورہ لڑکے کے قتل میں وہ' ایک اور شخص' عورت اور اس کا خادم شریک ہو گئے اور اس کا کام تمام کر دیا اور پھر اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے ایک تھیلے میں بند کیا اور تھیلے کو ایک کنویں میں پھینک گئے جو گاؤں کے ایک کنارے پر واقع تھا اور خشک تھا۔ پھر راوی نے سارا قصہ بیان کر دیا' جس میں ذکر تھا کہ عورت کا یار پکڑا گیا' اس نے جرم کا اعتراف کر لیا اور اس کے باقیماندہ ساتھیوں نے بھی قتل کا اعتراف کر لیا۔ صنعاء کے گورنر حضرت یعلی بن امیہ نے سارا واقعہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور فرمایا: "خدا کی قسم اگر تمام اہل صنعاء اس لڑکے کے قتل میں شریک ہوتے تو میں اس کے بدلے میں ان سب کو قتل کر دیتا۔" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے ایک کے بدلے میں ایک جماعت کو قتل کر دینے کی تھی اور ظاہر تو یہی ہوتا ہے خواہ مجرمین کے گروہ میں سے ہر فرد نے قتل کے ارتکاب میں بلاواسطہ شرکت نہ بھی کی ہو۔ اسی بنا پر ہم نے کہا ہے کہ اس روایت میں امام مالک اور نخعی کے قول کی دلیل حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ: "اگر اس قتل میں اہل صنعاء ایک دوسرے کی مدد کرتے... الخ" یعنی اتفاق کر لیتے۔

ایک شخص کے بدلے میں ایک جماعت کی گردن اڑانے کے مسئلے میں کئی مسلک ہیں:

پہلا مسلک تو یہی ہے' اور فقہائے امصار کی بھاری اکثریت اسی کی قائل ہے اور حضرت علیؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ امام بخاری نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ دو آدمیوں نے ان کے سامنے گواہی دی کہ فلاں شخص نے چوری کی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر وہ دونوں ایک اور شخص کو پکڑ لائے اور کہا کہ: "چوری اس نے کی تھی' ہم سے پہلے شخص کے بارے میں بھول ہو گئی۔" حضرت علیؓ نے اس دوسرے شخص کے خلاف ان کی گواہی کو قبول نہیں کیا اور پہلے شخص کی دیت ان سے بھروا لی اور فرمایا: "اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ تم نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا ہے تو میں تم دونوں کے ہاتھ کاٹ دیتا۔" جان اور اعضاء کے قصاص کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا مسلک امام شافعی' الناصر' امام مالک اور ایک گروہ کا یہ ہے' اور امام مالک سے بھی یہ ایک روایت ہے کہ مقتول کے ورثاء قاتلین میں سے کسی ایک فرد کا انتخاب کر کے اس سے قصاص لے لیں گے۔ امام مالک سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ قاتلوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی' جس شخص کا نام قرعہ میں نکل آئے اسے قتل کر دیا جائے گا اور باقیماندہ پر دیت کے حصے لازم آئیں گے' ان کی دلیل یہ ہے کہ قصاص میں کفاءت (برابری) معتبر ہوتی ہے۔ اس لیے ایک کے بدلے میں ایک جماعت کو قتل نہیں کیا جائے گا جس طرح غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کیا جاتا۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ پوری جماعت کو مقتول کے اندر کسی زائد صفت کی بنا پر قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اس بنا پر کہ ان میں سے ہر ایک قاتل ہوتا ہے۔

تیسرا مسلک ربیعہ اور داؤد ظاہری کا ہے کہ قاتل جماعت پر قصاص عائد نہیں ہو گا بلکہ دیت عائد ہو گی تاکہ قصاص میں مماثلت کی رعایت ہو جائے۔ پھر پورے گروہ میں سے بعض کی تخصیص کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ رہے اس مسئلے میں علماء کے اقوال' رہا داؤد ظاہری کا قول تو وہ واضح نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص واجب کیا اور قصاص مماثلت کا نام ہے جو کہ یہاں موجود نہیں ہے۔ پھر قصاص کا موجب یہ ہے کہ ارتکاب قتل کے ذریعے ایک شخص کی جان لے لی جاتی ہے۔ اگر جان پورے گروہ کے مجموعی فعل کے ذریعے نکل گئی تو گروہ کا ہر فرد تو قاتل نہیں ہے تو جمہور کے نزدیک ہر فرد کو کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات تو صرف نخعی کے قول کی بنا پر درست ہو سکتی ہے۔ اگر گروہ کا ہر فرد انفرادی طور پر قاتل تصور کر لیا جائے تو اس سے ایک اثر پر موثرات کا توارد لازم آئے گا اور جمہور اس کی ممانعت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس بات کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہیں کہ آیا مقتول پورے گروہ کے فعل کی بنا پر مرا تھا یا ان میں سے بعض کے فعل کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر جنایت انفرادی طور پر قاتل تھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مقتول جنایت کے نتیجے میں مرا تھا' اس لیے ہر جنایت کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا جیسا کہ کہا گیا ہے۔ رہ گیا حضرت عمرؓ کا فیصلہ تو ایک صحابی کا فعل حجت نہیں بن سکتا۔ اور یہ دعویٰ ناقابل قبول ہے کہ یہ فیصلہ اجماع تھا۔ جب ایک فرد کے بدلے میں پورے گروہ کو قتل کرنا واجب قرار نہیں پایا تو پھر ان سب پر ایک دیت لازم ہو گی کیونکہ دیت مقتول کے خون کا معاوضہ ہوتی ہے۔ ایک قول کے مطابق ہر ایک پر ایک ایک دیت لازم ہو گی۔ اس قول کو خلاف اجماع کہا گیا ہے۔ یہ ہے وہ تحقیق جو ہم نے یہاں کی۔ پھر معلوم ہوا کہ ایک کے بدلے پوری جماعت کو قتل کر دینے کا قول زیادہ قوی ہے اور ہم نے اس کی دلیل "ضوء النہار" کے حواشی میں اور "الابحاث المسددۃ" کے ذیل میں تحریر کر دی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

١١٠١/١٧ - وعنْ أَبي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ بَعْدَ مَقَالَتِي هٰذِهِ فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيرَتَيْنِ: إِمَّا أَنْ يَأْخُذُوا الْعَقْلَ أَوْ يَقْتُلُوا». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ(١).

ابو شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اس گفتگو کے بعد جس شخص کا کوئی آدمی مارا جائے اس کے اہل خاندان کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا۔ وہ یا تو دیت قبول کر لیں یا قاتل کو قتل کر دیں۔" ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے۔ اس حدیث کی اصل صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی مفہوم میں مروی ہے۔(٢)

(١) ابی شریح (حرف شین پر پیش' یاء ساکن اور حرف حاء کے ساتھ)

(٢) الخزاعی (حرف خاء پر پیش' پھر حرف زاء' پھر الف اور اس کے بعد حرف عین) ان کا نام عمرو بن خویلد ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کا کوئی اور نام ہے۔

(٣) خیرتین (حرف خاء اور پھر حرف راء کے ساتھ) خیرۃ کا تثنیہ ہے۔ آپؐ نے اپنے اگلے فقرے میں اسے بیان کر دیا ہے۔

(٤) اصل حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران گفتگو فرمایا: "اے گروہ خزاعہ' تم نے ہذیل کے اس شخص کو قتل کیا ہے اور میں اس کی دیت بھرواؤں گا۔ اس کے بعد جس شخص کا کوئی آدمی مارا جائے..." تا آخر حدیث۔

ابو شریح کی حدیث پہلے گزر چکی ہے اس میں تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ ان دونوں احادیث میں کوئی منافات نہیں ہے۔ "الھدی النبوی" میں لکھا ہے کہ "واجب تو دو باتوں میں سے ایک ہو گی: یا قصاص یا دیت۔ اس بارے میں مقتول کے ولی کو چار باتوں کا اختیار ہو گا: یا تو وہ مفت معاف کر دے

---

(١) حضرت ابو شریح کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ٤٤٩٦' ٤٥٠٤' مسند احمد ج ٦ ص ٣٨٥' معانی الاثار ج ٣ ص ١٧٤۔

(٢) حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ٣ ص ١٦٥' ج ٩ ص ٦' مسلم شریف حدیث ٤٤٧' ٤٤٨' من الحج' سنن ترمذی ١٤٠٥' سنن نسائی ج ٨ ص ٣٨' السنن الکبریٰ ج ٨ ص ٥٢' ٥٣' بدائع المنن ٢٠' سنن دار قطنی ج ٣ ص ٩٧' مسند الشافعی ٢٤٣' نصب الرایہ ج ٤ ص ١٥٠' ارواء الغلیل ج ٧ ص ٢٥٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا دیت لے کر معاف کر دے یا قصاص لے لے۔ ان تین باتوں کے اندر اس کے اختیار کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چوتھی بات دیت سے زائد رقم پر مصالحت ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں : پہلی صورت جو دونوں صورتوں میں زیادہ مشہور ہے وہ حنابلہ کا مسلک ہے جو اس کے جواز کا قائل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دیت یا دیت سے کم کے سوا ولی کو کسی اور مال پر معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ صورت دلیل کے اعتبار سے زیادہ راجح ہے۔ اگر ولی نے دیت کی بات اختیار کر لی تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ قصاص کا مطالبہ نہیں کر سکے گا۔ امام شافعی کا یہی مسلک ہے اور امام مالک سے بھی یہی ایک روایت ہے۔" دوسرا قول تو پہلے گزر چکا ہے کہ قتل کے نتیجے میں واجب ہونے والا حکم بعینہ قصاص ہے اور ولی کو قصاص معاف کر کے دیت لینے کا اختیار صرف اسی صورت میں ہو گا جب مجرم یعنی قاتل دیت ادا کرنے پر رضامند ہو جائے' یہ بات مختار قول کے طور پر پہلے گزر چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب الديات

الديات (حرف یاء کی تخفیف کے ساتھ) الدیة کی جمع ہے جس طرح عدات عدة کی جمع ہے۔ دیت کا اصل لفظ ودی (حرف واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ) ہے۔ یہ مصدر ہے۔ "ودی القتیل بدیة" کا مفہوم ہے: "اس نے مقتول کے ولی کو اس کی دیت دے دی۔" اس لفظ کے فاء کلمہ کو حذف کر کے اس کے عوض میں تاء تانیث کا اضافہ کر دیا گیا جس طرح عدة کے اندر کیا گیا ہے۔ یہ ان تمام صورتوں کے لیے اسم ہے جن کے اندر قصاص واجب ہوتا ہے اور جن کے اندر قصاص واجب نہیں ہوتا۔

١١٠٢/١ ـ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ ـ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَفِيهِ: «أَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِناً قَتْلاً عَنْ بَيِّنَةٍ فَإِنَّهُ قَوَدٌ، إِلَّا أَنْ يَرْضَى أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ، وَإِنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَةَ مَائَةً مِنَ الإِبِلِ، وَفِي الأَنْفِ إِذَا أُوعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ، وفي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ، وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ، وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ، وفي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشَرَةَ مِنَ الإِبِلِ، وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الإِبِلِ، وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الإِبِلِ، وَفِي الْمُوضِحَةِ خَمْسٌ مِنَ الإِبِلِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ، وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ، وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ، وَأَحْمَدُ، وَاخْتَلَفُوا فِي صِحَّتِهِ. (١)

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے مروی ہے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام مراسلہ تحریر فرمایا":

---

(١) ابوبکر بن محمد کی روایت کے حوالے: سنن نسائی ج ٨ ص ٥٧' مسند الشافعی ١٩٨' حلیة الاولیاء ج ٨ ص ٩٨' موطا امام مالک ج ٢ ص ٨٤٩۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر انہوں نے پوری حدیث بیان کی ہے اس میں یہ باتیں بیان ہوئی تھیں کہ : "جو شخص کسی مومن کو بلادلیل قتل کر دے تو اس میں قصاص ہو گا۔ الا یہ کہ مقتول کے اولیاء (دیت لینے پر) رضامند ہو جائیں۔ جان کی دیت ایک سو اونٹ ہے۔ ناک اگر پوری کاٹ دی جائے تو اس کی دیت ہو گی۔ آنکھوں کی دیت ہو گی۔ زبان کی دیت ہو گی' دونوں ہونٹوں کی دیت ہو گی۔ ذکر (عضو تناسل) کی دیت ہو گی۔ خصیتین کی دیت ہو گی۔ ریڑھ کی ہڈی کی دیت ہو گی۔ ایک ٹانگ کی پوری دیت پوری دیت کا نصف دیت ہو گی۔ مامومہ زخم لگانے کی دیت ایک تہائی ہو گی۔ جائفہ کی دیت ایک تہائی دیت ہو گی۔ منقلہ کی دیت پندرہ اونٹ ہو گی۔ ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہو گی۔ دانت کی دیت پانچ اونٹ ہو گی۔ موضحہ کی دیت پانچ اونٹ ہو گی۔ عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کر دیا جائے گا' اور سونا رکھنے والوں پر دیت ایک ہزار دینار ہو گی۔ ابوداؤد نے مراسیل کے اندر اس کی روایت کی ہے۔ نیز نسائی' ابن خزیمہ' ابن الجارود' ابن حبان اور امام احمد نے بھی اس کی تخریج کی ہے' اس روایت کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے۔

(۱) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم تابعی ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں مدینہ منورہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ ان کی جو کنیت ہے وہی ان کا نام بھی ہے۔ حزم کا لفظ حرف حاء پر زبر اور حرف زاء ساکن کے ساتھ ہے۔

(۲) ان کے دادا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ ہے۔

(۳) اس حدیث کی ابتداء یوں ہے : "محمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے شرحبیل بن عبدکلال' نعیم بن عبدکلال اور الحرث بن عبدکلال اور (ایک روایت کے مطابق) ذی رعین کو' اما بعد'... تا آخر حدیث۔"

(۴) اعتبط (حرف عین' پھر حرف تاء' پھر حرف باء اور آخر میں حرف طاء کے ساتھ) یعنی جو شخص کسی کو کسی جنایت یا گناہ کے بغیر جو اس کے قتل کا موجب ہو' قتل کر دے۔

(۵) اس فقرے میں یہ دلیل ہے کہ مقتول کے اولیاء کو اختیار ہو گا' جیسا کہ ہم نے گذشتہ سطور میں اس کی تحقیق کی ہے۔

(۶) مائة من الابل یہ اس سے قبل کے لفظ الدیة سے بدل ہے۔

(۷) اوعب (ہمزہ پر پیش' واؤ ساکن عین مکسور اور حرف باء پر زبر کے ساتھ) جدعہ یعنی پوری ناک کاٹ دی جائے۔

(۸) زبان جب جڑ سے کاٹ دی جائے یا اس کا اتنا حصہ کاٹ دیا جائے جس کے نتیجے میں قوت گویائی ختم ہو جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۹) جب عضو تناسل کو جڑ سے کاٹ دیا جائے۔

(۱۰) جب اسے پنڈلی کے مفصل یعنی جوڑ سے کاٹ دیا جائے۔

(۱۱) ماموسہ اس زخم کو کہتے ہیں جو ام الرا ہیں یعنی دماغ یا اس کی باریک جھلی تک پہنچ جائے۔

(۱۲) جائفہ "القاموس" کے مطابق اس زخم کو کہتے ہیں جو جوف یعنی پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے۔ اسی طرح وہ زخم جو کسی اور عضو کے اندر تک پہنچ جائے۔

(۱۳) منقلہ' یہ فعل "نقل" (قاف مشدد) سے اسم فاعل ہے' یہ اس زخم کو کہتے ہیں جس کے نتیجے میں چھوٹی چھوٹی ہڈیاں باہر نکل آئیں اور اپنی اپنی جگہ چھوڑ دیں۔ ایک قول کے مطابق یہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو توڑ کر رکھ دے۔

(۱۴) موضحہ' یہ فعل "اوضح" سے اسم فاعل ہے۔ یہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو ظاہر کر دے۔

(۱۵) ابو داؤد نے "المراسیل" میں کہا ہے کہ "اس حدیث کی روایت مسند کی صورت میں ہوئی ہے (یعنی اس کی سند اتصال کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے' مترجم) لیکن یہ درست نہیں ہے' نیز جس نے کہا ہے کہ اس کے اسناد میں سلیمان بن داؤد ہے' اسے وہم ہو گیا ہے' اصل میں یہ سلیمان بن ارقم ہے۔"

ابو زرعہ نے کہا ہے کہ: "میں نے اسے امام احمد کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ: "سلیمان بن داؤد کچھ نہیں ہے۔" ابن حبان نے کہا ہے کہ "سلیمان بن داؤد الیمانی ضعیف ہے اور سلیمان بن داؤد الخولانی ثقہ ہے۔ یہ دونوں زہری سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ صدقات کی حدیث روایت کرنے والے الخولانی ہیں۔ جس نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے اس نے یہ خیال کر لیا تھا کہ راوی الیمانی ہے۔" امام شافعی نے کہا ہے کہ "محدثین نے اس حدیث کو اس وقت تک نقل نہیں کیا جب تک یہ بات ثابت نہیں ہو گئی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مراسلہ تھا۔" ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ: "اہل سیر کے نزدیک یہ ایک مشہور مراسلہ ہے اور اس میں جو کچھ درج ہے وہ اہل علم کے ہاں اس طرح معروف ہے کہ اس شہرت کے بعد کسی اسناد کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ یہ متواتر حدیث سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے اس لیے کہ لوگوں نے اسے سند قبولیت و معرفت دی ہے۔" العقیلی نے کہا ہے کہ: "یہ حدیث ثابت اور محفوظ ہے البتہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زہری سے اوپر کے راویوں سے اس مراسلہ کا سماع نہیں ہوا۔" یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ: "میرے علم میں منقول مراسلوں کے اندر کوئی ایسا مراسلہ نہیں جو عمرو بن حزم کے مراسلے سے زیادہ صحیح ہو' اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام اس مراسلے کی طرف رجوع کرتے اور اپنی رائے ترک کر دیتے۔" ابن شہاب نے کہا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو نجران کی طرف روانہ کرتے وقت انہیں جو مراسلہ دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا اسے میں نے پڑھا ہے۔ یہ تحریر ابوبکر بن حزم کے پاس محفوظ تھی۔" حاکم' ابن حبان اور بیہقی نے اس مراسلے کو صحیح کہا ہے: امام احمد نے فرمایا ہے کہ "مجھے توقع ہے کہ یہ مراسلہ صحیح ہے۔"

حافظ ابن کثیر نے "الارشاد" میں ائمہ حدیث کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "میں کہتا ہوں کہ بہرصورت یہ مراسلہ قدیم و حدیث ائمہ اسلام کے درمیان متداول رہا ہے۔ اس پر انہیں اعتماد تھا اور اس باب کے اہم مسائل کے سلسلے میں وہ اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔" پھر ابن کثیر نے یعقوب بن سفیان کا کلام نقل کیا ہے۔ قارئین کو اس حدیث کے بارے میں علماء کے کلام کا علم ہو گیا' اس سے انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس حدیث پر عمل ہوتا ہے اور یہ رائے محض سے اولیٰ ہے۔ یہ مراسلہ چند فقہی مسائل پر مشتمل ہے:

پہلا مسئلہ: یہ مسئلہ اس شخص کے بارے میں ہے جو کسی مومن کو اس کی کسی جنایت یا گناہ کے بغیر جو اس کے قتل کا موجب ہو' قتل کر دے' جیسا کہ ہم نے اس کا ذکر پہلے کیا ہے۔ خطابی نے کہا ہے: "(اغتبط بقتله) کے معنی ہیں "اس نے اسے ظلماً قتل کر دیا نہ کہ قصاص میں۔" ایک روایت میں یہ لفظ اغتباط مصدر سے مروی ہے یعنی حرف غین کے ساتھ جس طرح "سنن ابی داؤد" میں اس کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابو داؤد نے کہا ہے کہ یحییٰ الغسانی سے اغتباط کا مفہوم پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "ایسا قاتل جو فتنہ یعنی شورش کے دور میں کسی کو قتل کر دے اور یہ سمجھے کہ وہ اس بارے میں ہدایت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی کبھی مغفرت نہیں کرے گا۔" یہ تفسیر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ لفظ غبطہ معنی سرور' خوشی اور حالت کی عمدگی سے نکلا ہے۔ اگر مقتول مومن ہو اور قاتل اسے قتل کر کے خوش ہو جائے تو وہ اس وعید کے تحت آئے گا۔ حدیث کا یہ فقرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قصاص واجب ہوتا ہے' الا یہ کہ مقتول کے اولیاء دیت لینے پر رضامند ہو جائیں کیونکہ انہیں اختیار ہوتا ہے کہ چاہیں تو قصاص لے لیں یا چاہیں تو دیت قبول کر لیں۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ حدیث دیت کی مقدار یعنی سو اونٹ پر دلالت کرتی ہے نیز یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اونٹ ہی دیت میں واجب ہوتے ہیں اور باقی تمام اصناف تقدیر شرعی کے تحت نہیں ہیں بلکہ یہ مصالحت کی شکلیں ہیں۔ امام شافعی اور القاسم کا یہی مسلک ہے۔ رہ گئیں ان کی عمریں تو ان کا بیان اس حدیث کے بعد آنے والی حدیث میں مذکور ہے۔ البتہ اس حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: "اور سونا رکھنے والوں پر ایک ہزار دینار ہوں گے۔" اس کا ظاہر تو یہی ہے کہ سونا رکھنے والوں کے لیے دیت کے سلسلے میں یہی اصل ہے اور اونٹوں والوں پر اونٹ اصل ہیں۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اونٹ دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ایک ہزار دینار دیت میں دیئے جائیں گے نیز یہ کہ اس زمانے میں ایک سو اونٹوں کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ اس بات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حق میں اس حدیث کی دلالت ہے جس کی تخریج ابو داؤد اور نسائی نے عمرو بن شعیب سے کی ہے۔ انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے دادا سے اس کی روایت کی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیہات والوں پر قتل خطا کی دیت کی قیمت چار سو دینار یا اس کے برابر چاندی سے لگاتے تھے' اور اونٹوں کے ثمن کے ساتھ بھی دیت کی قیمت لگاتے تھے۔ جب اونٹوں کی قیمتیں چڑھ جاتیں تو دیت کی قیمت بھی بڑھ جاتی اور جب ان کی قیمتیں گر جاتیں تو دیت کی قیمت بھی کم ہو جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیت کی قیمت چار سو سے لے کر آٹھ سو دینار تک یا اس کے برابر چاندی یعنی آٹھ ہزار درہم تک پہنچ گئی تھی' نیز آپؐ نے گایوں والوں پر دو سو گائیوں کی دیت مقرر کی تھی اور جو شخص بکریوں کی شکل میں دیت بھرنا چاہتا اس پر آپؐ نے دو ہزار بکریوں کی دیت مقرر کی تھی۔" ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بنی عدی کا ایک شخص قتل ہو گیا آپؐ نے اس کی دیت بارہ ہزار مقرر کر دی۔ اسی طرح کی روایت امام شافعی اور ترمذی نے بھی نقل کی ہے۔ اور یہ تصریح کی ہے کہ بارہ ہزار درہم تھے' اہل عراق کے نزدیک چاندی کی شکل میں دیت کی مقدار دس ہزار درہم ہے۔ حضرت عمرؓ سے اسی طرح کی روایت منقول ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک دینار کی قیمت دس درہم لگائی گئی ہے۔ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوۃ کے اندر مثقال کی قیمت دراہم کے ذریعے لگائی جا سکتی ہے۔ ابو داؤد نے عطاء سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کے بارے میں فیصلہ دیا تھا کہ اونٹوں والوں پر ایک سو اونٹ' گایوں والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑوں کے جوڑوں والوں پر دو سو جوڑے ہوں گے۔ گندم والوں پر بھی آپؐ نے ایک مقدار مقرر کی تھی جسے محمد بن اسحاق راوی یاد نہ رکھ سکے۔ یہ حدیث دیت کی ادائیگی کے معاملے کو آسان بنا دینے پر دلالت کرتی ہے' نیز یہ کہ جس شخص پر دیت لازم آ جائے' اس پر دیت کی اس نوع کی ادائیگی واجب ہو گی جو اس کے پاس موجود ہو اور اس کے علاقے میں لوگ عام طور پر اس کے ذریعے لین دین کرتے ہوں۔ اس بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں لیکن جن صورتوں پر احادیث کی دلالت ہے ان کا اتباع اولیٰ ہے۔ یہ تمام شرعی تقدیرات ہیں جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ لوگوں نے رواج اور عرف کے تحت دیتوں میں تبدیلیاں کی ہیں۔ یعنی دیت کی مقدار سات سو قرش (ایک سکے کا نام) مقرر کی گئی ہے۔ پھر لوگ ایسے سامان جمع کر لیتے ہیں جن کی وجہ سے دیت کی قیمتوں میں بہت زیادہ کٹوتی ہو جاتی ہے اور اس طرح یہ دیت حقیقت میں شرعی دیت کا نصف رہ جاتی ہے۔ اس کی کوئی شرعی وجہ میرے علم میں نہیں ہے' کیونکہ یہ معاملہ لوگوں کے لیے ایک مانوس صورت اختیار کر گیا ہے اور جس شخص کو دیت ملنے والی ہوتی ہے وہ اسے قبول کرنے سے انکار بھی نہیں کر سکتا' یہاں تک کہ اب یہ کٹوتی ضرب المثل کے طور پر بولی جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر ایک چیز کے ثمن میں کٹوتی کر دی جائے اور اس کٹوتی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثمن بہت کم ہو جائے تو کہا جاتا ہے: "یہ دیت والی کٹوتی ہے۔"

تیسرا مسئلہ: آپؐ کا ارشاد ہے: "ناک میں دیت ہے جب اسے جڑ سے کاٹ دیا جائے" یعنی استیصال کی صورت ہو۔ وہ یہ ہے کہ ناک کی ہڈی اس جگہ سے کاٹ دی جائے جہاں وہ دونوں ابروؤں کے مقام اتصال سے نیچے کی طرف آتی ہے۔ اس میں دیت ہو گی اور اس حکم پر سب کا اجماع ہے۔

معلوم رہنا چاہیے کہ ناک چار چیزوں سے مرکب ہے: قصبہ' مارن' ارنبہ اور روثہ سے۔ قصبہ ناک کی اس ہڈی کو کہتے ہیں جو دونوں ابروؤں کے مقام اتصال سے نیچے کی طرف آتی ہے۔ مارن ناک کی اس نرم ہڈی کو کہتے ہیں جو دونوں نتھنوں کو یکجا کرتی ہے۔ روثہ (حرف راء اور حرف ثاء کے ساتھ) ناک کے کنارے کو کہتے ہیں۔ "القاموس" میں ہے کہ مارن ناک کو یا اس کے کنارے کو یا اس کے نرم حصے کو کہتے ہیں (ارنبہ' ناک کا بانسہ' مترجم) اگر ان میں سے کسی ایک جز پر ارتکاب جرم کیا جائے تو ایک قول کے مطابق الہادی کے نزدیک ایک عادل آدمی کا فیصلہ لازم ہو گا (یعنی وہ جو جرمانہ عائد کرے گا اس کی ادائیگی لازم ہو گی۔ مترجم) تاہم فقہاء اور الناصر کا مسلک ہے کہ اس میں پوری دیت لازم ہو گی کیونکہ امام شافعی نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مراسلہ ہمارے پاس ہے اس میں مذکور ہے کہ: "ناک کا مارن اگر کاٹ دیا جائے تو اس میں سو اونٹوں کی دیت ہو گی۔" امام شافعی نے کہا ہے کہ یہ روایت آل حزم کی حدیث سے زیادہ واضح ہے۔" روثہ کے اندر نصف دیت ہے کیونکہ بیہقی نے عمرو بن شعیب سے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سنایا تھا کہ اگر ناک کا "تندوہ" کاٹ دیا جائے تو اس میں نصف دیت یعنی پچاس اونٹ یا پچاس اونٹ کی قیمت کے برابر سونا یا چاندی ہو گی۔" "النہایۃ" میں ہے کہ "تندوہ" یہاں بمعنی روثۃ الانف کے ہے یعنی ناک کا کنارہ اور اس کا اگلا حصہ۔"

چوتھا مسئلہ: آپؐ کا ارشاد ہے: "زبان میں دیت ہو گی": یعنی جب اسے جڑ سے کاٹ دیا جائے' تعبیر کو مطلق رکھنے سے ظاہر یہی ہوتا ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اسی طرح اگر زبان کا اتنا حصہ کاٹ دیا جائے کہ اس کے بعد قوت گویائی جاتی رہے تو اس میں بھی پوری دیت ہو گی۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے بعض حروف کی ادائیگی ختم ہو جائے تو اس صورت میں حروف کی تعداد کے اعتبار سے اس کے حصے کا تعین ہو گا۔ ایک قول کے مطابق صرف زبان کے حروف کے اعتبار سے تعین ہو گا' جن کی تعداد اٹھارہ ہے' حروف حلقی کے اعتبار سے نہیں جن کی تعداد چھ ہے' نہ ہی ہونٹوں کے حروف کے اعتبار سے جن کی تعداد چار ہے۔ لیکن پہلا قول اولیٰ ہے اس لیے کہ گویائی صرف زبان کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں مسئلہ : آپؐ نے فرمایا : "اور دونوں ہونٹوں میں دیت ہے۔" شفتین (ہونٹوں) کی واحد شفۃ ہے (حرف شین پر زبر اور زیر کے ساتھ جیسا کہ "القاموس" میں ہے) ہونٹوں کی حد دونوں نتھنوں کے نیچے سے لے کر چہرے کے عرض میں دونوں باچھوں کی انتہا تک ہے اور چہرے کے طول میں ٹھوڑی کے اوپر سے لے کر رخساروں کے نیچے تک ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اگر ایک ہونٹ کٹ جائے تو اس کی دیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک ہے کہ ہر ہونٹ میں یکساں طور پر نصف دیت ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اوپر کے ہونٹ میں تہائی دیت اور نچلے ہونٹ میں دو تہائی دیت ہو گی کیونکہ غذا اور پانی کو سنبھالنے کے اعتبار سے اس کے فوائد زیادہ ہیں۔

چھٹا مسئلہ : آپؐ نے فرمایا : "ذکر میں دیت ہو گی۔" یہ اس صورت میں ہے جب عضو تناسل کا جڑ سے صفایا کر دیا جائے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اگر حشفہ یعنی سپاری کو قطع کر دیا جائے تو امام مالک اور بعض شوافع کے نزدیک پوری دیت ہو گی۔ الہدی نے ہادویہ مسلک کے طور پر اسی کو اختیار کیا ہے۔ حدیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ اس حکم کے اندر نامرد، بالغ اور نابالغ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔ اکثر حضرات کے نزدیک نامرد اور خصی (وہ شخص جس کے خصیتین نکالے یا کچل دیئے گئے ہوں) کے عضو تناسل کو قطع کرنے کا جرمانہ ایک عادل آدمی کے فیصلے پر مبنی ہو گا۔

ساتواں مسئلہ : آپؐ کا ارشاد ہے : "خصیتین میں دیت ہو گی۔" اس حکم پر سب کا اجماع ہے اور ہر خصیہ میں نصف دیت ہے۔ "البحر" کے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ بائیں خصیے میں دو تہائی دیت ہو گی اس لیے کہ بچے کا حمل اسی خصیے سے ٹھہرتا ہے اور دائیں خصیے کی دیت ایک تہائی ہو گی۔

آٹھواں مسئلہ : ریڑھ کی ہڈی میں پوری دیت ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ صلب (ریڑھ کی ہڈی) کولہے سے لے کر دچی یعنی دم کی جڑ تک ہوتی ہے، حرف صاد پر پیش اور حرف لام پر زبر کے ساتھ یہ لفظ منضبط ہے، اور عجب (حرف عین پر زبر اور جیم ساکن کے ساتھ) دم کی جڑ کو کہتے ہیں، جس طرح مصابہ کا لفظ ہے ارشاد باری ہے "یخرج من بین الصلب والترائب" (یہ مادۂ منویہ) ریڑھ کی ہڈی اور سینے کی ہڈیوں (پسلیوں) کے درمیان سے نکلتا ہے، سورۂ طارق آیت ۷) اگر ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے مادۂ منویہ کی افزائش ختم ہو جائے تو اس صورت میں دو دیتیں لازم ہوں گی۔

نواں مسئلہ : حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں آنکھوں میں ایک دیت ہو گی اس پر سب کا اجماع ہے، اور ایک میں نصف دیت، یہ حکم درست آنکھوں کے بارے میں ہے۔ البتہ اعور (یک چشم) کے بارے میں اختلاف ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اگر جنایت کے نتیجے میں اس کی درست آنکھ چلی جائے تو اس کا کیا حکم ہو گا' حنفیہ' شوافع اور الہادی کا مسلک یہ ہے کہ اس میں دیت کا نصف ہو گا کیونکہ دلیل یعنی زیر نظر حدیث نے کوئی فرق بیان نہیں کیا نیز جس شخص کا صرف ایک ہاتھ ہو اور اسے کاٹ دیا جائے تو اس میں بالاجماع نصف دیت ہے۔ یک چشم کے مسئلے کو بھی اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کے ایک گروہ' امام مالک اور امام احمد کا مسلک ہے کہ اس میں پوری دیت واجب ہو گی۔ اس لیے کہ یک چشم کی درست آنکھ دو آنکھوں کے معنی میں ہوتی ہے۔ اگر کسی کی ایک آنکھ کے خلاف جرم کیا جائے تو جمہور کا مسلک ہے کہ اس کا بھی قصاص لیا جائے گا کیونکہ ارشاد باری ہے "والعین بالعین" (آنکھ کے بدلے آنکھ۔ سورۂ مائدہ آیت ۴۵) امام احمد سے مروی ہے کہ ایک آنکھ کا کوئی قصاص نہیں۔

دسواں مسئلہ: آپ کا ارشاد ہے: "ایک ٹانگ میں نصف دیت ہے۔" ٹانگ کی وہ حد جس میں دیت واجب ہوتی ہے پنڈلی کے جوڑ سے ہے۔ اگر ٹانگ گھٹنے سے کاٹ دی جائے تو اس میں پوری دیت لازم ہو گی اور اس سے زائد کی صورت میں ایک عادل آدمی کا عائد کردہ جرمانہ لازم ہو گا۔

یہاں یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ بیہقی نے زہری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عمرو بن حزمؓ کے مراسلے میں پڑھا تھا کہ: "کان میں پچاس اونٹ ہوں گے۔" نیز کہا کہ "ہم نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے یہی فیصلہ دیا تھا" جبکہ بیہقی نے حضرت معاذؓ سے روایت کی ہے کہ "کان میں ایک سو اونٹ اور عقل میں ایک سو اونٹ ہوں گے۔" بیہقی نے کہا کہ اس روایت کی سند قوی نہیں ہے۔ ابن کثیر نے کہا ہے کہ: "قوی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رشدین بن سعد المصری سے اس کی روایت ہوئی ہے اور یہ ایک ضعیف راوی ہے' زید بن اسلم نے کہا ہے کہ "سنت اسی طرح ہے کہ اگر جنایت کے نتیجے میں عقل زائل ہو جائے تو اس میں پوری دیت ہو گی۔" بیہقی نے اس کی روایت کی ہے۔

گیارہواں مسئلہ: زیر نظر حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مامومہ اور جائفہ میں جن کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے' ہر ایک میں تہائی دیت ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ: "مجھے اس بارے میں کسی اختلاف کا علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جائفہ میں تہائی دیت ہے۔" ابن کثیر نے "الارشاد" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ "نہایۃ المجتہد" میں مذکور ہے کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جائفہ جسم کے زخموں میں شمار ہوتا ہے' یہ سر کا زخم نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا اور اس میں دیت کا تہائی حصہ ادا کیا جائے گا نیز یہ کہ یہ جائفہ اس وقت کہلائے گا جب یہ پیٹ اور پشت میں لگے۔ اگر یہ کسی اور عضو پر لگے اور اس عضو کے اندرونی حصے تک چلا جائے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے سعید بن المسیب سے حکایت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے کہ ہر ایسا زخم جو کسی بھی عضو کے اندرونی حصے تک چلا جائے اس میں مذکورہ عضو کی دیت کا تہائی حصہ ادا کیا جائے گا۔ امام مالک نے اسی کو اختیار کیا ہے جبکہ سعید بن المسیب نے اسے جائفہ پر قیاس کیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جسم میں لگنے والے موضحہ زخم کے بارے میں مروی ہے۔

بارہواں مسئلہ: منقلہ زخم کی دیت پندرہ اونٹ ہیں۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

تیرہواں مسئلہ: زیر نظر حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے خواہ یہ ہاتھوں کی انگلی ہو یا پیروں کی' اس میں دس اونٹ ہوں گے۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔ عمرو بن شعیب سے مروی مرفوع حدیث کے الفاظ ہیں: "تمام انگلیاں یکساں ہیں" اس کی تخریج امام احمد اور ابوداؤد نے کی ہے' اس بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کچھ اور تھی پھر انہوں نے حدیث کی روایت سن کر اپنی رائے سے رجوع کر کے روایت شدہ حدیث کا حکم اختیار کر لیا تھا۔

چودہواں مسئلہ: ہر دانت میں پانچ اونٹوں کی دیت واجب ہو گی۔ جمہور کا یہی مسلک ہے۔ اس بارے میں جو اختلافی رائے ہے اس کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو حدیث کا مقابلہ کر سکتی ہو۔

پندرہواں مسئلہ: موضحہ زخم میں پانچ اونٹوں کی دیت ہے۔ دونوں فریق اور ہادویہ کا یہی مسلک ہے' اس بارے میں اختلافی رائے کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو نص کا مقابلہ کر سکتی ہو۔

فائدہ: بیہقی نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ ہاشمہ (سر کا زخم جو ہڈی کو توڑ دے) کے اندر دس اونٹ ہیں۔ بیہقی نے کئی اہل علم سے یہ بات نقل کی ہے۔ عبداللہ بن احمد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے بارے میں چار دیتیں ادا کرنے کا فیصلہ دیا تھا جسے پیٹا گیا تھا اور اس کے نتیجے میں اس کی سماعت' بصارت' عقل اور قوت مردی ختم ہو گئی تھی۔ عبداللہ بن احمد نے اس کی روایت کی ہے۔ نسائی نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کانی آنکھ میں آنکھ کی تہائی دیت کا فیصلہ دیا تھا جو اپنی جگہ قائم تھی اور پھر جنایت کے ذریعے اسے مٹا دیا تھا۔ آپؐ نے مفلوج ہاتھ کو کاٹ دینے پر ہاتھ کی تہائی دیت کا اور سیاہ دانت کو اکھاڑ دینے پر دانت کی تہائی دیت کا فیصلہ دیا تھا۔ اس کا ذکر ابن کثیر نے "الارشاد" کے اندر کیا ہے۔

آپؐ کے اس ارشاد "عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کر دیا جائے گا" اس پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۱۱۰۳/۲ - وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «دِيَةُ الْخَطَإِ أَخْمَاساً عِشْرُونَ حِقَّةً، وَعِشْرُونَ جَذَعَةً، وَعِشْرُونَ بَنَاتِ مَخَاضٍ. وَعِشْرُونَ بَنَاتِ لَبُونٍ، وَعِشْرُونَ بَنِي لَبُونٍ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَأَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ بِلَفْظِ: «وَعِشْرُونَ بَنِي مَخَاضٍ» بَدَلَ لَبُونٍ. وَإِسْنَادُ الْأَوَّلِ أَقْوَى. وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ مَوْقُوفاً، وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ الْمَرْفُوعِ (١).

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "قتل خطا کی دیت (سو اونٹوں کی) پانچ قسطوں میں لی جائے گی یعنی بیس حصہ' بیس جذعہ' بیس بنت مخاض' بیس بنت لبون اور بیس ابن لبون۔" دار قطنی نے اس کی تخریج کی ہے۔ اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی تخریج ان الفاظ میں کی ہے: "اور بیس ابن مخاض" یعنی ابن لبون کی بجائے' پہلی روایت کی سند زیادہ قوی ہے' ابن ابی شیبہ نے (حضرت ابن مسعودؓ کی) اس روایت کی ایک اور طریق سے (حضرت ابن مسعود پر) موقوف صورت میں تخریج کی ہے جو مرفوع سے زیادہ صحیح ہے۔

(اونٹنی کی یک سالہ بچی کو بنت مخاض اور بچے کو ابن مخاض کہتے ہیں۔ دو سالہ بچی کو بنت لبون اور بچے کو ابن لبون کہتے ہیں۔ تین سالہ بچھڑی کو حقہ اور چار سالہ کو جذعہ کہتے ہیں۔ مترجم)

(۱) یعنی لی جائے گی یا واجب ہو گی' آپؐ نے اپنے اگلے فقروں میں ان قسطوں کی وضاحت فرما دی۔

(۲) یعنی چاروں اصحاب سنن کی روایت کی سند سے کیونکہ اس سند میں خشف بن مالک طائی ہے۔ دار قطنی کے قول کے مطابق یہ ایک مجہول الحال شخص ہے۔ اس سند مین حجاج بن ارطاۃ بھی ہے۔ یہاں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ بیہقی نے دار قطنی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "روایت میں ابن لبون کے ذکر میں ان سے غلطی ہو گئی ہے۔" پھر بیہقی نے کہا ہے کہ "درست بات یہ ہے کہ مذکورہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے اور ان سے صحیح روایت یہ ہے کہ انہوں نے پانچ قسطوں میں سے ایک قسط ابن مخاض کی بنائی ہے' نہ کہ ابن لبون کی جیسا کہ ہمارے شیخ دار قطنی کو وہم ہوا ہے"

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قتل خطا کی دیت سو اونٹوں کی شکل میں پانچ قسطوں میں لی جائے گی جس طرح اس حدیث میں مذکور ہے۔ امام شافعی' امام مالک اور علماء کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے۔ نیز یہ کہ پانچویں قسط ابن لبون کی ہو گی۔ جبکہ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ یہ قسط ابن مخاض کی ہو گی جیسا کہ چاروں اصحاب سنن کی روایت میں ہے۔ الہادی اور دیگر حضرات کا مسلک ہے کہ یہ دیت چار قسطوں میں

---

(۱) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے حوالے: سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۷۲' سنن ابی داؤد ۴۵۴۵' سنن ترمذی ۱۳۸۶' سنن نسائی ج ۸ ص ۴۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۳۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لی جائے گی اور ابن لبون کو بیچ سے ساقط کر دیا جائے گا۔ اس قول کی دلیل میں ایک ایسی حدیث پیش کی گئی ہے جو حفاظ حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ ان حضرات کا قول ہے کہ مطلقاً" چار قسطوں میں یہ دیت ہو گی۔ امام شافعی اور امام مالک کا مسلک ہے کہ قتل عمد' شبہ عمد اور قتل خطا کے اعتبار سے دیت میں اختلاف ہو گا۔ ان حضرات کے قول کے مطابق قتل عمد اور شبہ عمد میں دیت تین قسطوں (تیس حقہ' تیس جذعہ اور چالیس گابھن اونٹنیوں) میں لی جائے گی جس طرح قتل خطا میں ہے یہ تغلیظ کی صورت ہے۔ رہ گئی دیت میں تغلیظ تو یہ بات حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے اس شخص کے بارے میں ثابت ہے جسے حرم میں قتل کیا گیا ہو یعنی پوری دیت اور دیت کی تہائی۔ ایک جماعت سے یہی قول ثابت ہے۔ اس پر گفتگو آگے آئے گی۔

۱۱۰۴/۳ - وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيقِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا رَفَعَهُ: «الدِّيَةُ ثَلَاثُونَ حِقَّةً، وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُونَ خَلِفَةً. فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا»(۱).

ابو داؤد اور ترمذی نے عمرو بن شعیب کے طریق سے اس کی تخریج کی ہے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس سند کو پہنچایا ہے کہ: "دیت تیس جذعہ' تیس حقہ اور چالیس پیچھے چلنے والی اونٹنیاں جن کے پیٹ میں ان کے بچے ہوں" یعنی حاملہ اونٹنیاں۔ "کتاب الزکوٰۃ" میں ان عمروں والی اونٹنیوں کی تفسیر گزر چکی ہے۔

۲۱۰۵/٤ - وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ أَعْتَى النَّاسِ عَلَى اللَّهِ ثَلَاثَةٌ: مَنْ قَتَلَ فِي حَرَمِ اللَّهِ، أَوْ قَتَلَ غَيْرَ قَاتِلِهِ أَوْ قَتَلَ لِذَحْلِ الْجَاهِلِيَّةِ». أَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي حَدِيثٍ صَحَّحَهُ(۲).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "تین قسم کے افراد اللہ کے مقابلہ میں سب سے بڑھ کر سرکشی دکھانے والے ہیں' جو اللہ کے حرم میں قتل کا ارتکاب کرے یا جو اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کر دے یا جو زمانہ جاہلیت کے کسی انتقام میں قتل کر دے۔" ابن حبان نے ایک حدیث کے ضمن میں اس کی روایت کی ہے اور

(۱) ابو داؤد اور ترمذی کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۵۴۱' سنن ترمذی ۱۳۸۷۔

(۲) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے: السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۷۱' ج ۹ ص ۱۲۳' موارد الظمان ۱۶۹۹' التاریخ الکبیر ج ۷ ص ۲۷۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۱) اعتی (ہمزہ پر زبر' عین ساکن' پھر تا اور پھر الف مقصورہ کے ساتھ) یہ العتو سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے' العتو سرکشی اور تکبر کو کہتے ہیں۔

(۲) ذحل (حرف ذال پر زبر اور حرف حاء ساکن کے ساتھ) کسی پر قتل وغیرہ کی جنایت ہوئی ہو' اس کے انتقام اور طلب مکافات کو ذحل کہتے ہیں۔

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ مذکورہ تینوں افراد سرکشی اور تکبر کے اندر دیگر سرکشوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ پہلا فرد وہ ہے جو حدود حرم میں قتل کا ارتکاب کرے۔ اس کے فعل کی معصیت اس قاتل کی معصیت سے بڑھ کر ہوتی ہے جو غیر حدود حرم میں کسی کی جان لے لے۔ حدیث کا ظاہر مکہ اور مدینہ کے حرم کو عام ہے لیکن اس حدیث کا ورود فتح مکہ کے غازیوں کے بارے میں ایک ایسے شخص کے متعلق ہوا ہے جس نے مزدلفہ میں قتل کر دیا تھا تاہم سبب ورود اس کے ساتھ خاص نہیں ہے الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ فقرے میں اضافت عہد خارجی کے لیے ہے اور معہود خارجی حرم مکہ ہے۔ امام شافعی کا مسلک ہے کہ جس شخص سے حرم کے اندر قتل خطا سرزد ہوا ہو یا اس نے اپنے کسی نسبی محرم کو قتل کر دیا ہو یا اشہر حرم میں قتل کا ارتکاب کیا ہو اس پر دیت کی تغلیظ ہو گی۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان احوال میں صحابہ کرامؓ نے دیت میں تغلیظ کی تھی۔ سدی نے مرہ سے اور انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جو شخص بھی کسی برائی کے ارتکاب کا ارادہ کرے تو (صرف ارادہ کرنے کی وجہ سے) اس پر برائی کا گناہ نہیں لکھا جائے گا' سوائے اس شخص کے جو عدن میں بیٹھ کر بیت حرام میں کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کر لے۔ ایسے شخص کو اللہ یقیناً دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا۔" ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ نے اس حدیث کو مرفوع صورت میں بیان کیا ہے۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ بات اس امر پر مبنی ہے کہ قول باری "و من یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم" (ا جو شخص اس میں ظلم کے تحت کسی الحاد (خلاف ورزی) کا ارادہ کرے گا ہم اسے ایک دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ سورۂ حج آیت ۲۵) کے اندر ظرف ارادہ کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ الحاد کے ساتھ متعلق ہے اگرچہ ارادہ غیر حرم میں کیا گیا ہو۔ آیت میں اس کا احتمال ہے۔ دیت میں تغلیظ کے متعلق عمرو بن شعیب کی مرفوع حدیث وارد ہوئی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: "قتل عمد کی طرح شبہ عمد کی مغلظہ دیت ہے۔ شبہ عمد والے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا' وہ اس لیے کہ شیطان لوگوں کے درمیان کود پڑتا ہے اور پھر کسی کینے کے بغیر اور کوئی ہتھیار اٹھائے بغیر انسانی خون بہہ پڑتا ہے۔" امام احمد اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا شخص وہ ہے جو اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کر دے' یعنی کسی شخص کا کوئی آدمی قتل ہوجائے اور وہ اصل قاتل کی بجائے کسی اور شخص کو قتل کر دے خواہ پہلے قتل کے اندر اس دوسرے مقتول کی مشارکت ہو یا نہ ہو۔

تیسرا شخص وہ ہے جو زمانہ جاہلیت کے کسی انتقام میں کسی کو قتل کر دے۔ ذحل کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ اس کے معنی عداوت کے بھی ہیں۔ اس حدیث کی تفسیر ابو شریح الخزاعیؓ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش وہ شخص ہے جو غیر قاتل کو قتل کر دے یا زمانہ جاہلیت میں ہونے والے خون کا انتقام اہل اسلام سے لے یا اپنی آنکھ کو وہ چیز دکھائے جسے وہ نہ دیکھ رہی ہو۔" اس کی تخریج بیہقی نے کی ہے۔

۱۱۰۶/۵ - وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَلَا إِنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ وَشِبْهِ الْعَمْدِ - مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا - مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ، مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد، وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ(۱).

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آگاہ رہو' قتل خطا کی دیت نیز شبہ عمد کی' یعنی وہ قتل جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعے ہوا ہو' ایک سو اونٹ ہے۔ ان میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں ہوں جن کے پیٹ میں ان کے بچے بھی ہوں۔" (یعنی حاملہ ہوں) ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی تخریج کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

ابن القطان نے کہا ہے کہ یہ صحیح روایت ہے اور اختلاف کا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس حدیث کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ مصنف کتاب نے یہاں اس کا ذکر ماقبل کی حدیث کی تفسیر کے طور پر کیا ہے جس کی روایت عمرو بن شعیب نے کی ہے۔ اس میں قتل خطا کی دیت کی تغلیظ کا ذکر ہے لیکن وہاں اس کا بیان نہیں ہوا' اب یہاں یہ بیان ہو گیا۔

---

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۵۴۷' سنن نسائی ج ۸ ص ۴۰' ۴۲' سنن ابن ماجہ ۲۶۲۷' ۲۶۲۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

١١٠٧/٦ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ - يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالإِبْهَامَ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(٢).

حضرت ابن عباسؓ(١) سے مروی ہے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "یہ اور یہ برابر ہیں یعنی انگوٹھا اور چھنگلیا" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

ابو داؤد اور ترمذی کی روایت ہے۔(٢) "انگلیوں کی دیت یکساں ہے' تمام دانت یکساں ہیں' سامنے کے دانت اور داڑھ یکساں ہیں۔" ابن حبان کی روایت(٣) کے الفاظ ہیں: "دونوں ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کی دیت یکساں ہے' ہر انگلی کے دس اونٹ۔"

(١) یعنی حضرت ابن عباسؓ سے

(٢) یہ پہلی روایت سے زیادہ عام ہے۔

(٣) اپنے اگلے فقرے سے آپؐ نے اسے اور واضح کر دیا۔

(٤) اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دیت فائدے اور نفع کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ داڑھ چبانے میں زیادہ مددگار ہوتی ہے۔

(٥) یعنی حضرت ابن عباسؓ سے۔

اس بارے میں ہماری سیر حاصل بحث پہلے گزر چکی ہے۔

١١٠٨/٧ - وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ رَفَعَهُ قَالَ «مَنْ تَطَبَّبَ - وَلَمْ يَكُنْ بِالطِّبِّ مَعْرُوفاً - فَأَصَابَ نَفْساً فَمَا دُونَهَا، فَهُوَ ضَامِنٌ» أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَهُوَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ وَغَيْرِهِمَا، إِلَّا أَنَّ مَنْ أَرْسَلَهُ أَقْوَى مِمَّنْ وَصَلَهُ(١).

---

(١) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ٩ ص ١٠' سنن ابی داؤد ٤٥٥٨' سنن ترمذی ١٣٩٢' سنن نسائی باب ٤٥' من القسامة' سنن ابن ماجہ ٢٦٥٢' مسند احمد ج ص ٢٢٧' ٣٤٥' السنن الکبریٰ ج ٨ ص ٩٠' ٩١' ج ٤ ص ٤٨' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٩ ص ١٩٠' مشکوۃ المصابیح ٣٤٨٦' فتح الباری ج ١٢ ص ١٢٥' المعجم الکبیر للطبرانی ج ١١ ص ٣٠٧۔

(٢) عمرو بن شعیب کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ٤٥٨٦' سنن نسائی ج ٨ ص ٥٢' سنن ابن ماجہ ٣٤٦٦' سنن دار قطنی ج ٣ ص ١٩٥' ١٩٦' المستدرک ج ٤ ص ٢١٢' شرح السنۃ ج ١٠ ص ٣٤١' مشکوۃ المصابیح ٣٥٠٤' کنزا لعمال ٢٨٢٢١' ٢٨٢٢٢' الاحادیث الصحیحۃ ٦٥٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرو بن شعیب سے مروی ہے' انہوں نے اس کی روایت اپنے والد سے کی اور انہوں نے ان کے دادا (رضی اللہ عنہم) سے' اور انہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرتے ہوئے کہا: "جو شخص زبردستی طبیب بن جائے' اور طب کے اندر وہ معروف نہ ہو' پھر وہ کسی کی جان لے لے یا اس سے کمتر کوئی نقصان پہنچائے تو وہ ضامن ہو گا۔" دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے' اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد اور نسائی وغیرہما سے بھی یہ مروی ہے۔ تاہم جن حضرات نے اس کی مرسل صورت میں روایت کی ہے وہ ان حضرات سے زیادہ قوی ہیں جنہوں نے موصول صورت میں اس کی تخریج کی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ متطبب (نقلی طبیب) کے ہاتھوں اگر کسی کی جان کا یا اس سے کمتر یعنی کسی عضو کا نقصان ہو جائے تو اس نقصان کا تاوان اس سے بھروا لیا جائے گا خواہ یہ نقصان سرایت کی بنا پر ہوا ہو یا بلاواسطہ' خواہ عمداً ہوا ہو یا خطا"۔ اس مسئلے میں اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ "نہایۃ المجتہد" میں مرقوم ہے کہ: "اگر متطبب کسی کو ہلاکت میں ڈال دے تو اسے کوڑے لگیں گے' اسے قید کیا جائے گا اور اس کے مال سے دیت وصول کی جائے گی۔ ایک قول کے مطابق دیت اس کی عاقلہ سے وصول کی جائے گی۔ معلوم ہونا چاہیے کہ متطبب وہ شخص ہے جسے علاج معالجہ کا کوئی تجربہ نہ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی معروف استاد ہو۔ اور ماہر طبیب وہ ہوتا ہے جس کا کوئی معروف استاد ہو اور جسے اپنے کام کی عمدگی اور فن میں مہارت کی وجہ سے اپنے اوپر پورا اعتماد ہو۔

(۱) متطبب یعنی زبردستی اور بتکلف طبیب بن جائے جبکہ حقیقت میں طبیب نہ ہو۔ اس پر باب تفعل کا صیغہ دلالت کرتا ہے۔

ابن القیم نے "الہدی النبوی" میں لکھا ہے کہ "حاذق طبیب وہ ہے جو اپنے علاج معالجہ کے اندر بیس باتوں کا خیال رکھے۔" پھر انہوں نے یہ بیس باتیں اسی مقام پر بیان کر دی ہیں۔ انہوں نے مزید لکھا ہے کہ "جاہل طبیب وہ ہے جسے علم طب کی سابقہ معرفت نہ ہو اور وہ یہ کام کرنے لگ جائے یا اسے دوسروں کو سکھانا شروع کر دے' ایسی صورت میں وہ اپنی جہالت کی وجہ سے انسانی جانوں کو خطرے میں ڈالے گا اور اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاپروائی کی بنا پر ایسے کام میں لگ جائے گا جس کا اسے کچھ علم نہیں ہے۔ چونکہ اس طرح وہ مریض کو دھوکہ دے گا اس لیے اس پر تاوان لازم آئے گا۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔"

خطابی نے کہا ہے: "میرے علم میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ معالج کی بے احتیاطی کی صورت میں اگر مریض ہلاک ہو جائے تو وہ اس کا تاوان بھرے گا۔ وہ شخص تعدی کرنے والا شمار ہو گا جو کسی علم یا عمل کو پیشے کے طور پر اختیار کر لے لیکن اسے اس کی خبر نہ ہو اور نہ معرفت۔ اگر اس کے فعل کے نتیجے میں جان تلف ہو جائے تو وہ دیت کا تاوان بھر دے گا اور اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ وہ یہ کام مریض کی اجازت کے بغیر زبردستی نہیں کرتا۔ طبیب کی جنایت کی دیت عامۃ اہل علم کے قول کے مطابق اس کی عاقلہ پر عائد ہو گی۔"

اگر حاذق طبیب کے ہاتھوں کسی کی جان یا عضو کو نقصان پہنچ جائے اور یہ نقصان سرایت کی وجہ سے لاحق ہوا ہو تو وہ بالاتفاق تاوان نہیں بھرے گا اس لیے کہ یہ ایک ایسے فعل کی سرایت ہو گی جس کے کرنے کی اجازت شریعت کی طرف سے بھی تھی اور زیرعلاج شخص کی طرف سے بھی۔ یہی حکم ہر اس فعل کی سرایت کا ہے جس کے کرنے کی اجازت ہو اور کرنے والا اس کے سبب میں حد سے آگے نہ بڑھا ہو مثلاً حد اور قصاص کی سرایت۔ یہ جمہور کا قول ہے اور امام ابو حنیفہ کا اس میں اختلاف ہے۔ انہوں نے اس میں تاوان واجب کر دیا ہے۔ امام شافعی نے شرعی طور پر مقدر فعل مثلاً حد اور شرعی طور پر غیر مقدر فعل مثلاً تعزیر کے درمیان فرق کیا ہے۔ ان کے نزدیک مقدر فعل میں تاوان نہیں ہو گا اور غیرمقدر فعل میں تاوان ہو گا۔ کیونکہ یہ صورت اجتہاد کی طرف راجع ہے اس لیے اس میں حد سے تجاوز کرنے کا نکتہ ہے۔ اگر جان یا عضو کی تلفی بلاواسطہ ہو یعنی اس میں سرایت کا واسطہ نہ ہو تو اگر حاذق طبیب نے عمداً ایسا کیا ہو تو اس کے مال سے تاوان بھروایا جائے گا اور اگر خطا" ایسا ہو گیا ہو تو تاوان اس کی عاقلہ پر پڑے گا۔

١١٠٩/٨ - وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ، خَمْسٌ، مِنَ الْإِبِلِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَزَادَ أَحْمَدُ: «وَالْأَصَابِعُ سَوَاءٌ، كُلُّهُنَّ عَشْرٌ، عَشْرٌ، مِنَ الْإِبِلِ» - وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ (١)

اور ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مواضح (موضحہ قسم کے زخموں)

---

(١) حدیث: "مواضح میں پانچ پانچ اونٹ ہیں!" کے حوالے: سنن ابی داؤد باب ٢١ من الدیات' سنن ترمذی ١٣٩٠' سنن نسائی ج ٨ ص ٥٧' سنن ابن ماجہ ٢٦٥٥' مسند احمد ج ٢ ص ١٧٨' ١٧٩' ٢٠٧' ٢١٥' السنن الکبریٰ ج ٨ ص ٨١' ٩٢۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پانچ پانچ اونٹ ہیں۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ امام احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے: "تمام انگلیاں یکساں ہیں" سب کے اندر دس دس اونٹ ہیں۔" ابن خزیمۃ اور ابن الجارود نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) یعنی عمرو بن شعیب سے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے۔

(۲) مواضح موضحہ کی جمع ہے۔ (موضحہ وہ زخم ہے جو ہڈی ظاہر کر دے۔ مترجم)

اور ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]: "اہل ذمہ کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہے۔" امام احمد اور چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ابو داؤد کی روایت کے الفاظ ہیں: "معاہد کی دیت آزاد کی دیت کا نصف ہے۔"[2] نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں: "عورت کے زخم کا جرمانہ مرد کے زخم کے جرمانہ کی طرح ہے یہاں تک کہ وہ عورت کی دیت کی تہائی کو پہنچ جائے۔"[3] ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) یعنی عمرو بن شعیب سے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے۔

(۲) لیکن ابن کثیر نے کہا ہے کہ "یہ اسماعیل بن عیاش کی روایت ہے۔ یہ راوی جب شامیوں کے سوا کسی اور سے روایت کرتا ہے تو جمہور ائمہ کے نزدیک اس کی یہ روایت قابل حجت نہیں ہوتی' اور زیر نظر روایت اسی طرح کی ہے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اسماعیل بن عیاش کی غیر شامیوں سے روایت کے بارے میں یہ تنقید کر کے اور شامیوں سے اس کی روایت کو قبول کر کے ان حضرات نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارے خیال میں راجح بات یہ ہے کہ اس کی روایت مطلقاً" قابل قبول ہے کیونکہ یہ ثقہ ہے اور اس کا ضبط حدیث بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ اسی بنا پر تو شاید ابن خزیمہ نے زیر نظر روایت کو صحیح کہا ہے حالانکہ اسماعیل نے اس کی روایت ابن جریج سے کی ہے اور ابن جریج شامی نہیں ہیں۔

۱۔ حدیث "اہل ذمہ کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہے" کے حوالے: سنن نسائی ج ۸ ص ۴۵' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۳' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۷۱۔

۲۔ حدیث "معاہد کی دیت آزاد کی دیت کا نصف ہے" کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۵۸۳' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۶۴' کنزا لعمال ج ۴ ص ۳۶۴' زادالمسیر ج ۲ ص ۱۶۵۔

۳۔ حدیث "عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے" کے حوالے: سنن نسائی ج ۸ ص ۴۵' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۹۱' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۶۴' کنزا لعمال ۴۰۰۵۵' ۴۰۴۰۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر حدیث دو مسئلوں پر مشتمل ہے :

پہلا مسئلہ اہل ذمہ کی دیت کے بارے میں ہے۔ اس میں علماء کے تین اقوال ہیں : پہلا قول یہ ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے جس طرح زیر نظر حدیث میں مذکور ہے۔ خطابی نے "معالم السنن" میں لکھا ہے: "اہل کتاب کی دیت کے بارے میں اس سے زیادہ واضح اور کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور عروہ بن الزبیر کا یہی قول ہے۔ امام مالک' ابن شبرمہ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام احمد نے کہا ہے کہ یہ حکم قتل خطا کا ہے' اگر ذمی عمداً قتل ہو جائے تو اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ قاتل پر بارہ ہزار کی رقم لازم ہو گی۔ اصحاب رائے اور سفیان ثوری کا مسلک ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔ شعبی اور نخعی کا یہی قول ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اس کی روایت ہے۔ امام شافعی اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی تہائی ہے۔"

دوسرے قول یعنی حنفیہ اور ہادویہ کے قول کے حق میں اس ارشاد باری سے استدلال کیا گیا ہے "و ان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ" (اور اگر مقتول کا تعلق ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو ایسی صورت میں ایک دیت ہو گی جسے مقتول کے اہل خاندان کے حوالے کیا جائے گا۔ سورۂ نساء آیت ۹۲)۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ آیت میں دیت کا ذکر ہوا ہے اور اس کا ظاہری مفہوم مکمل دیت ہے۔ نیز اس سے بھی استدلال ہے جس کی تخریج بیہقی نے ابن جریج سے کی ہے۔ انہوں نے زہری سے اور انہوں نے اس کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمانوں کی دیت کی طرح تھی۔" تا آخر حدیث ان دلائل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت میں دیت مجمل ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے زہری کی روایت مرسل ہے اور زہری کے مراسیل قبیح ہیں۔ ان حضرات نے جن آثار کا ذکر کیا ہے وہ سب کے سب استناد کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ تیسرے قول کی دلیل حضرت عمرو بن حزمؓ کی حدیث "مومن جان کے اندر ایک سو اونٹ ہیں۔" کا مفہوم مخالف ہے۔ کیونکہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غیر مومن جان کا حکم اس کے خلاف ہے۔ اس مفہوم کا بیان گویا اس اثر کو ٹھہرایا گیا ہے جس کی روایت خود امام شافعی نے سعید بن المسیب سے کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہودی اور نصرانی کی دیت کے بارے میں چار چار ہزار کا اور مجوسی کی دیت کے بارے میں آٹھ سو کا فیصلہ دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔ اس طرح امام شافعی نے حضرت عمرؓ کے فیصلے کو اس مقدار کے لیے بیان قرار دیا جسے حدیث کے مفہوم مخالف نے مجمل رکھا تھا۔ لیکن یہ بات مخفی نہیں ہے کہ پہلے قول کی دلیل سب سے قوی ہے خاص طور پر جبکہ ائمہ سنت میں سے دو اماموں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دلیل یعنی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا مسئلہ : مصنف کتاب نے کہا ہے : "نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں یعنی عمرو بن شعیب کی روایت جو انہوں نے اپنے والد سے کی اور انہوں نے ان کے دادا سے کی کہ "عورت کے زخم کا جرمانہ مرد کے زخم کی طرح ہے یہاں تک کہ وہ عورت کی دیت کی تہائی تک پہنچ جائے۔" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو لگنے والے زخموں کا جرمانہ مرد کو لگنے والے زخموں کے جرمانے کی طرح ہے لیکن عورت کی دیت کی تہائی تک۔ اگر یہ جرمانہ عورت کی دیت کی تہائی سے زیادہ ہو جائے تو پھر عورت کے زخم کا جرمانہ مرد کے زخم کے جرمانے سے مختلف ہو جائے گا۔ وہ اس طرح کہ عورت کے زخم کا جرمانہ مرد کے زخم کے جرمانے کا نصف ہو گا۔ وہ اس لیے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت معاذؓ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : "عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔" اس پر سب کا اجماع ہے اور اسی پر مفہوم مخالف کو قیاس کیا جائے گا' یعنی عورت کے لگنے والے زخم کے جرمانے کو دیت کاملہ پر قیاس کیا جائے گا۔ جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور حضرت عمرؓ نیز صحابہ کے ایک گروہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت علیؓ' احناف' شوافع اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ عورت کی دیت اور اسے لگنے والے زخموں کا جرمانہ مرد کی دیت کا نصف ہے۔ بیہقی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے : "عورتوں کو لگنے والے زخموں کا جرمانہ مرد کی دیت کا نصف ہے خواہ زیادہ ہو یا کم۔" یہ بات قارئین سے مخفی نہیں ہے کہ ابن خزیمہ نے عمرو بن شعیب کی حدیث کو صحیح کہا ہے جس کے الفاظ ہیں "عورت کے زخم کا جرمانہ مرد کے زخم کے جرمانے کی طرح ہے یہاں تک کہ وہ عورت کی دیت کی تہائی کو پہنچ جائے" اس لیے اس پر عمل کرنا متعین ہو جائے گا اور اس کے بارے میں تصور زیادہ قوی ہو گا۔ مدینہ کے فقہائے سبعہ اور جمہور اہل مدینہ کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور ابو محمد المقدسی نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے یہی رائے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ "ہمارے علم میں کوئی صحابی اس رائے کے خلاف نہیں' البتہ حضرت علیؓ سے اس کے خلاف روایت ہے لیکن ہمیں اس کے ثبوت کا علم نہیں ہے۔" ابن کثیر نے کہا ہے کہ "حضرت علیؓ سے یہ رائے ثابت ہے۔" اس مسئلے میں اور بھی اقوال ہیں لیکن ٹھوس دلائل کے بغیر۔

۱۱۱۱/۱۰ - وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَقْلُ شِبْهِ الْعَمْدِ مُغَلَّظٌ مِثْلُ عَقْلِ الْعَمْدِ، وَلَا يُقْتَلُ صَاحِبُهُ. وذلِكَ أَنْ يَنْزُوَ الشَّيْطَانُ فتكون دِمَاءٌ بَيْنَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّاسِ فِي غَيْرِ ضَغِينَةٍ وَلَا حَمْلِ سِلَاحٍ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَضَعَّفَهُ(١).

اور ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قتل شبہ عمد کی دیت مغلظہ ہو گی جس طرح قتل عمد کی دیت ہوتی ہے۔ شبہ عمد کا مرتکب قتل نہیں کیا جائے گا' وہ اس لیے کہ شیطان لوگوں کے درمیان کود پڑتا ہے اور پھر کسی کینے کے بغیر اور کوئی ہتھیار اٹھائے بغیر خون بہہ پڑتے ہیں۔" دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔

(۱) یعنی عمرو بن شعیب سے یہ روایت ہے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے اس کی روایت کی ہے۔

(۲) اسے آپؒ نے ابو داؤد کی روایت کردہ حدیث میں بیان کر دیا ہے کہ: "سو اونٹ جس میں چالیس ایسی اونٹنیاں ہوں گی جن کے پیٹ میں بچے ہوں گے" یعنی گابھن ہوں گی۔ اس پر گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

(۳) آپؒ نے شبہ عمد کا بیان اپنے ان الفاظ میں کیا: "وہ اس لیے کہ شیطان کود پڑتا ہے۔" یہاں لفظ "ینزو" مذکور ہے یہ النزو سے نکلا ہے (حرف نون پر زبر' حرف زاء ساکن اور پھر حرف واؤ کے ساتھ) جس کے معنی "کود پڑنا" کے ہیں۔

(۴) بیہقی نے بھی اپنے اسناد کے ذریعے اس کی تخریج کی ہے' لیکن ضعیف نہیں کہا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر زخم اس طرح لگ جائے کہ لگانے کا قصد نہ ہو اور ہتھیار سے لگایا نہ جائے بلکہ پتھر یا لاٹھی یا اسی طرح کی کسی اور چیز سے لگایا جائے تو اس میں قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ یہ شبہ عمد ہو گا اور اس میں دیت مغلظہ لازم آئے گی جس طرح یہ بات قتل عمد کی دیت میں گزر چکی ہے۔ یہ بات بھی پہلے ہو چکی ہے کہ عمد اور شبہ عمد میں دیت سو سو اونٹوں کی تین ٹکڑیوں پر مشتمل ہو گی (یعنی تیس حقہ' تیس جذعہ اور چالیس گابھن اونٹنیاں) یہ امام شافعی اور امام مالک کا مسلک ہے۔ لیکن ہادویہ کے نزدیک یہ چار ٹکڑیوں پر مشتمل ہو گی۔ یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے۔ رہ گیا دیت کا پانچ ٹکڑیوں پر مشتمل ہونا جس سے قتل خطا کی دیت کے بارے میں حضرت ابن مسعودؓ کی گذشتہ روایت سے مستفاد ہوتا ہے تو اس کے متعلق ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ اصحاب رائے وغیرھم کا یہی قول ہے۔ زیر نظر حدیث میں قتل شبہ عمد کا اثبات ہے اور ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ یہی بات حق ہے۔

---

(۱) حدیث "قتل شبہ عمد کی دیت مغلظہ ہو گی" کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۵۶۵' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۳' ۲۲۴' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۷۱' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۹۵' مشکوۃ المصابیح ۳۵۰۱' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۳۳' کنزا لعمال ۴۰۰۵۳' تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۳۳۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

١١١٢/١١ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلاً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَتَهُ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفاً. رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ(١).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار مقرر کی۔ چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے' نسائی اور ابو حاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔

(۱) بیہقی نے واضح کر دیا ہے کہ اس سے دراہم مراد ہیں۔

(۲) بیہقی نے حضرت عمر' حضرت علی' حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔

نسائی اور ابو حاتم نے اس کے مرسل ہونے کو اس لیے مرجح کہا ہے کہ بیہقی کے قول کے مطابق اس کے راوی محمد بن میمون نے' جو اس کی روایت سفیان بن عیینہ سے کرتے ہیں' وہ عمرو بن دینار سے' وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس سے۔ ایک روایت میں ابن عباسؓ کے حوالہ سے روایت کی ہے جبکہ اکثر روایات میں سند اس طرح ہے: "عکرمہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے"۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ راوی کی صفت عدل کا زیادہ ہونا قابل قبول ہوتا ہے۔ محمد بن میمون کا ایک دفعہ "ابن عباسؓ" کے حوالہ سے روایت نقل کرنا روایت کے مرفوع ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ ایک دفعہ پر ہی اقتصار کر لیتے تو بھی روایت پر مرفوع حدیث ہونے کا حکم عائد ہو جاتا' اس لیے ان کی طرف سے ارسال کی صورت میں کئی دفعہ اس کی روایت ایک دفعہ مرفوع صورت میں نقل کرنے میں کوئی خرابی اور طعن پیدا نہیں کرتی۔ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ اہل عراق اور ہادویہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ دیت دس ہزار درہم ہو گی۔ "البحر" کے اندر اس قول کے حق میں یہ استدلال پیش کیا گیا ہے کہ "حضرت علیؓ کا یہ قول ہے اور یہ توقیف ہے۔" (توقیف کا مفہوم یہ ہے کہ اس حکم کے بارے میں ہمیں شریعت نے واقف کرایا ہے' اس میں اپنے قیاس اور رائے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مترجم) تاہم اس سلسلے میں حضرت علیؓ سے جو اقوال انہوں نے روایت کیے ہیں ان سب کے اندر توقیف کی بات نہیں کی ہے بلکہ بعض دفعہ کہا ہے کہ یہ توقیف ہے اور

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۶۵۶' سنن ترمذی ۱۳۸۸' سنن نسائی ج ۸ ص ۴۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض دفعہ اسے حضرت علیؓ کا اجتہاد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ: "یہ قول ہمارے لیے لازم نہیں ہے۔" رہ گیا توقیف کا دعویٰ تو وہ ہمارے خیال میں درست نہیں ہے اس لیے کہ اس جیسے مسئلے میں اجتہاد کے لیے میدان کھلا ہوتا ہے۔

١١١٣/١٢ - وَعَنْ أَبِي رِمْثَةَ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِي ابْنِي فَقَالَ: «مَنْ هَذَا؟» فَقُلْتُ: ابْنِي وَأَشْهَدُ بِهِ. فَقَالَ: «أَمَا إِنَّهُ لَا يَجْنِي عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ» رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ الْجَارُودِ.(١)

حضرت ابو رمثہؓ سے مروی ہے کہ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ کون ہے؟" میں نے عرض کیا "یہ میرا بیٹا ہے اور آپؐ اس کے گواہ رہیے" اس پر آپؐ نے فرمایا: "اس کی جنایت تم پر نہیں پڑے گی اور تمہاری جنایت اس پر نہیں پڑے گی۔" نسائی اور ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور ابن خزیمہ اور ابن الجارود نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) ابو رشہ (حرف راء مکسور، میم ساکن اور حرف ثاء کے ساتھ) ان کا نام رفاعہ ابن یثربی (یاء پر زبر، ثاء ساکن، پھر راء اور پھر باء اور پھر یائے نسبت کے ساتھ) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کا شمار اہل کوفہ میں ہوتا ہے۔

(۲) ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کی تخریج حضرت عمرو بن الاحوص سے کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کیا تھا۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا تھا: "آگاہ رہو، کوئی جنایت کرنے والا جنایت نہیں کرے گا مگر صرف اپنی ذات پر اور کوئی جنایت کرنے والا اپنے ولد پر جنایت نہیں کرے گا۔" اس باب میں اور بھی روایات ہیں جو زیر نظر روایت کی تائید کرتی ہیں۔

جنایت گناہ کو کہتے ہیں یا اس فعل کو جس کا ارتکاب انسان کرے اور اس کے نتیجے میں اس پر سزا یا قصاص لازم ہو جائے۔ اس حدیث میں یہ دلالت ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم اور جنایت کے بدلے ماخوذ و مطلوب نہیں ہو گا، خواہ وہ قریبی رشتہ دار مثلاً باپ یا بیٹا یا ان کے سوا کوئی اور کیوں نہ ہو یا کوئی

---

(۱) حضرت ابو رشہ کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۴۹۵، سنن نسائی ج ۸ ص ۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۶، ۲۲۸، ج ۴ ص ۱۶۳، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۲۷، شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۱۸۲، مشکوۃ المصابیح ۳۴۷۱، تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۵۸، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجنبی کیوں نہ ہو۔ صرف جانی یعنی مجرم ہی تنہا اپنے جرم میں مطلوب ہو گا اور اس کی جنایت کے بدلے میں کسی اور کو پکڑا نہیں جائے گا۔ ارشاد باری ہے : "ولا تزر وازرة و زر اخری" (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔ سورۂ انعام آیت ۱۶۴) اگر آپ کہیں کہ شارع نے قتل خطا کے جرم میں نیز قسامہ کے سلسلے میں عاقلہ کو دیت کا بوجھ اٹھانے کا حکم دیا ہے' تو جواب میں کہا جائے گا کہ یہ حکم مذکورہ عام حکم سے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق دیت کا بوجھ برداشت کرنے کا حکم جنایت کا بوجھ اٹھانے کے باب سے نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کے باب سے ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ خون کے دعووں اور قسامہ کا باب

القسامة (قاف پر زبر اور سین کی تخفیف کے ساتھ) "اقسم قسما و قسامة" کا مصدر ہے۔ یہ وہ قسمیں ہیں جو مقتول کے اولیاء پر ان کی طرف سے دعوائے خون ہونے کے وقت تقسیم کر دی جاتی ہیں یا ان پر تقسیم کر دی جاتی ہیں جن کے خلاف خون کا دعویٰ کیا گیا ہو۔ خون پر قسم قسامہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام الحرمین نے کہا ہے: "اہل لغت کے نزدیک قسامہ ان لوگوں کے لیے اسم ہے جو قسم کھاتے ہیں اور فقہاء کے نزدیک یہ قسموں کے لیے اسم ہے۔" "القاموس" کے بیان کے مطابق قسامہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو ایک چیز کے بارے میں قسم کھاتی ہے اور پھر وہ اسے لے لیتی ہے یا گواہی دیتی ہے۔ "الضیاء" کے اندر مرقوم ہے کہ قسامہ ان قسموں کو کہا جاتا ہے جو اس شہر یا قریہ کے پچاس افراد پر تقسیم کر دی جاتی ہیں جس میں مقتول پایا گیا ہو اور اس کا پتہ نہ چلتا ہو اور نہ ہی اس کے اولیاء کسی معین فرد پر اس کے قتل کا دعویٰ کرتے ہوں۔

١١١٤/١٣ - وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رِجَالٍ مِنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ، وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ، خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ. فَأُتِيَ مُحَيِّصَةُ فَأُخْبِرَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ وَطُرِحَ فِي عَيْنٍ، فَأَتَى يَهُودَ. فَقَالَ: أَنْتُمْ وَاللَّهِ قَتَلْتُمُوهُ. قَالُوا: وَاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَأَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ. فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ لِيَتَكَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَبِّرْ كَبِّرْ» يُرِيدُ السِّنَّ، فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ، ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ، وَإِمَّا أَنْ يَأْذَنُوا بِحَرْبٍ» فَكَتَبَ إِلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ. فَكَتَبُوا: إِنَّا وَاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَقَالَ لِحُوَيِّصَةَ، وَمُحَيِّصَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ: «أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ؟» قَالُوا: لَا. قَالَ: «فَيَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ؟» قَالُوا: لَيْسُوا مُسْلِمِينَ، فَوَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عِنْدِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَائَةَ نَاقَةٍ. قَالَ سَهْلٌ: فَلَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(١).

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے اس کی روایت اپنی قوم کے بڑوں سے کی ہے کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود کسی درپیش تکلیف اور مشقت کے تحت خیبر کی طرف نکلے۔ پھر محیصہ کو خبر ملی کہ عبداللہ بن سہل کو قتل کر کے ایک چشمے میں پھینک دیا گیا ہے۔ وہ وہاں رہنے والے یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ: "خدا کی قسم' اسے تم لوگوں نے قتل کیا ہے۔" انہوں نے جواب میں کہا: "بخدا' اسے ہم نے قتل نہیں کیا۔" پھر محیصہ' ان کے بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل آ گئے' محیصہ اس بارے میں گفتگو کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "بڑے کو بڑا بناؤ' بڑے کو بڑا بناؤ!" آپؐ کی مراد یہ تھی کہ جو عمر میں بڑا ہے اسے مقدم کرو۔ اس پر پہلے حویصہ نے بات کی اور پھر محیصہ نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ سن کر فرمایا: "یا تو وہ تمہارے رفیق کی دیت دیں گے یا پھر ان کے خلاف اعلان جنگ ہو گا۔" آپؐ نے مذکورہ یہودیوں کو اس بارے میں لکھ بھیجا۔ انہوں نے جواب میں لکھا: "بخدا' ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔" اس پر آپؐ نے حویصہ' محیصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل سے فرمایا: "کیا تم حلف اٹھا کر اپنے رفیق کے خون کے حقدار بنو گے؟" انہوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آپؐ نے پھر پوچھا: "کیا یہودی تمہارے لیے حلف اٹھا لیں؟" انہوں نے جواب میں کہا: "یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے مقتول کی دیت ادا کی اور ان کی طرف سو اونٹنیاں بھیج دیں۔ سہل کہتے ہیں کہ "ان میں سے ایک سرخ اونٹنی نے مجھے لات مار دی تھی۔" متفق علیہ۔

(۱) ابی حثمہ (حاء پر زبر' ثاء ساکن) ان کا نام عبداللہ بن ساعدہ بن عامر ہے' یہ اوس قبیلہ کے انصاری ہیں۔

(۲) محیصہ (میم پر پیش' حاء پر زبر' یاء مشدد اور پھر حرف صاد)

(۳) جھد (جیم پر پیش اور زبر) یہاں اس کے معنی مشقت کے ہیں۔

(۴) اتی' ماضی مجہول کا صیغہ۔

(۵) قتل و طرح' دونوں صیغے ماضی مجہول کے ہیں۔ (۶) یعنی محیصہ

---

(۱) سہل بن ابی حثمہ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۹ ص ۹۴' مسلم شریف حدیث ۱' ۶ سنن القسامۃ' سنن ابی داؤد ۴۵۲۰' سنن ترمذی ۱۴۲۲' سنن نسائی ج ۸ ص ۸' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۱۸' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۹۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۷) یہود' یہ اسم جنس ہے اور اس کی جمع یھدان ہے۔

(۸) حویصہ (حاء پر پیش' واؤ پر زبر' یاء مشدد اور پھر صاد)

(۹) محیصہ اپنے بھائی حویصہ سے چھوٹے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن نے بات شروع کی' یہ پورے گروہ میں سب سے چھوٹے تھے۔

(۱۰) کبر کبر۔ دونوں لفظ امر کے صیغے ہیں اور دوسرا لفظ پہلے کی تاکید ہے۔

(۱۱) یعنی یہودی۔

(۱۲) رفیق یعنی عبداللہ بن سہل۔

(۱۳) یعنی جس بات کا ذکر ہوا کہ انہوں نے عبداللہ کو قتل کیا ہے۔

(۱۴) امام مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: "انہوں نے کہا: "ہم نہ موجود تھے اور نہ ہی ہم نے دیکھا۔" امام بخاری کے ایک طریق کے الفاظ یہ ہیں: "آپؐ نے ان سے فرمایا "تم بینہ یعنی گواہی پیش کرو!" انہوں نے کہا "ہمارے پاس کوئی گواہی نہیں ہے۔" اس پر آپؐ نے فرمایا "پھر کیا تم حلف اٹھاؤ گے؟"

(۱۵) ایک طریق میں ہے: "انہوں نے کہا کہ "ہم یہود کی قسموں پر رضامند نہیں۔" ایک اور طریق میں ہے "ہم کافروں کی قسموں پر کس طرح یقین کریں۔"

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث قسامہ کے قائلین کے نزدیک قسامہ کی ایک زبردست بنیاد ہے۔ تمام جمہور امت اس کے قائل ہیں۔ انہوں نے قسامہ کا اثبات کر کے اس کے احکام بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے میں چند مسائل پر ہم گفتگو کریں گے:

پہلا مسئلہ: اس بات پر اجماع ہے کہ شبہ ظاہر کیے بغیر مدعا علیہم پر محض دعوائے قتل سے قسامہ ثابت نہیں ہوتی۔ اوزاعی اور داؤد ظاہری سے مروی ہے کہ شبہ ظاہر کیے بغیر بھی قسامہ کا ثبوت ہو جاتا ہے لیکن ان دونوں کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ادھر شبہ سے قسامت ثابت کرنے والے علماء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ کچھ حضرات نے لوث کو شبہ قرار دیا ہے۔ "النہایۃ" کے بیان کے مطابق لوث کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی ایک گواہ اس بات کی گواہی دے کہ مقتول نے مرنے سے پہلے اقرار کیا تھا کہ فلاں شخص نے مجھے قتل کیا ہے یا دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ مقتول اور مبینہ قاتل کے درمیان دشمنی تھی یا اس کی طرف سے اسے دھمکی ملی تھی یا اسی قسم کی کوئی اور بات ہوئی تھی۔ لاش کا خون میں لتھڑا ہونا بھی لوث میں داخل ہے۔ کچھ حضرات مثلاً حنفیہ اور ہادویہ نے لوث کی شرط نہیں لگائی' انہوں نے یہ کہا ہے کہ قتل کے نشانات سمیت کسی میت کا ایسے مقام میں پایا جانا ہی قسامہ کو ثابت کر دے گا جہاں گنے چنے افراد رہتے ہوں بشرطیکہ مدعی ان کے سوا دیگر افراد پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قتل کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ ان حضرات کے قول کے مطابق احادیث کا ورود اس جیسی حالت کے اندر ہوا ہے۔ اس دلیل کی تردید یہ کہہ کر کی گئی ہے کہ حدیث الباب اس سلسلے کی صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں لوث کی دلیل موجود ہے اور لوث کی حقیقت وہ شبہ ہے جس کی بنا پر اس بات کا غلبہ ظن ہو جاتا ہے کہ قسامہ کا حکم عائد کر دیا جائے۔ جس طرح کہ "النہایۃ" کے اندر لوث کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ زیر بحث صورت میں دشمنی لوث ہے۔ اسی بنا پر امام مالک اور امام شافعی کا مسلک ہے کہ لوث کے ذریعے صرف اس صورت میں قسامہ ثابت ہوتا ہے جبکہ مقتول اور مدعا علیہم کے درمیان دشمنی ہو جیسا کہ خیبر والے واقعہ میں ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو قتل کر کے کسی گروہ کے رہائشی مقام میں صرف اس غرض سے پھینک آتا ہے کہ قتل کی نسبت مذکورہ گروہ کی طرف ہو جائے۔ ان حضرات نے اسے بھی لوث کی ایک صورت شمار کیا ہے کہ مقتول مرنے سے پہلے بیان دے جائے کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے (اسے آج کل کی اصطلاح میں نزعی بیان کہتے ہیں۔ مترجم) امام مالک نے کہا ہے کہ اس کا بیان قابل قبول ہو گا خواہ اس کے جسم پر کوئی نشان نہ بھی ہو یا وہ یہ کہے کہ مجھے فلاں نے زخمی کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عمد کا بھی ذکر کرے۔ امام مالک کے دعوے کے مطابق اس پر قدیم و حدیث تمام ائمہ کا اجماع ہے۔ لیکن ابن العربی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ فقہائے امصار میں سے صرف امام مالک ہی اس قول کے قائل ہیں۔ اور فقیہ لیث اس مسئلے میں ان کے ہمنوا ہیں۔ امام مالک نے بنی اسرائیل کے گائے کے واقعہ سے اپنے حق میں استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں مقتول کو زندہ کر دیا گیا تھا جس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا تھا۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ ایک نبی کا معجزہ تھا اور اس کی تصدیق قطعی تھی۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اللہ کی طرف سے اسے زندہ کر دیا گیا تھا اور اس نے اپنے قاتل کا تعین کر دیا تھا' اس لیے اگر کسی مقتول کی موت کے بعد اللہ اسے زندہ کر دے اور وہ اپنے قاتل کا تعین کر دے تو ہم بھی اسی کے قائل ہو جائیں گے۔ لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔ امام مالک کے اصحاب نے یہ استدلال بھی پیش کیا ہے کہ قاتل لوگوں کی غفلت کے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر جرم کرتا ہے اس لیے اگر زخمی کا بیان قبول نہیں کیا جائے گا تو اس کے نتیجے میں اکثر احوال کے اندر لوگوں کے خون ضائع چلے جائیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مجروح اس حالت میں سچائی کا متلاشی ہو گا اور جھوٹ سے دامن بچائے گا اور گناہ سے اجتناب کرتے ہوئے تقویٰ اور نیکی کا طلبگار ہو گا اس لیے اس کے نزعی بیان کو قبول کر لینا واجب ہو گا۔ تاہم ان استدلالات کی کمزوری مخفی نہیں ہے۔ انہوں نے لوث کی بہت سی صورتیں اپنی فقہی کتب میں بیان کی ہیں۔

دوسرا مسئلہ: جب قتل کا ثبوت مل جائے اور ہر بات اپنی اصل پر ہو تو پھر مقتول کے اولیاء کی طرف سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسامہ کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور پھر اس کے احکام بھی جاری ہو جائیں گے۔ اس کا ایک حکم تو قصاص ہے جبکہ قسامہ کی تمام شرائط مکمل ہو جائیں کیونکہ زیر نظر حدیث کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم اپنے مقتول یا رفیق کے اس صورت میں مستحق قرار پاؤ گے جب تم میں سے پچاس افراد دوسرے فریق کے کسی شخص کے خلاف قسمیں اٹھائیں' پھر مذکورہ شخص اپنے ذمہ عائد شدہ الزام کو دفع کرے گا۔" نیز آپؐ کا ارشاد ہے: "تم اپنے رفیق کے خون کے مستحق ہو جاؤ گے۔" اور امام مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: "تم میں سے پچاس افراد دوسرے فریق کے ایک شخص کے خلاف قسمیں اٹھائیں گے اور پھر وہ اپنے ذمہ عائد شدہ الزام کو دفع کرے گا۔" اگرچہ آپؐ کا ارشاد "یا تو وہ یعنی یہود تمہارے رفیق کی دیت ادا کریں گے... الخ" عدم قصاص کی طرف اشارہ کر رہا ہے لیکن امام مسلم کی روایت میں یہ تصریح قصاص کے قول کے حق میں زیادہ قوی ہے۔ اہل مدینہ کا یہی مسلک ہے۔ اگر ایک متعین شخص کے خلاف دعوائے قتل ہو تو اس پر قصاص ثابت ہو جائے گا اور اگر یہ دعویٰ ایک جماعت پر ہو تو انہیں حلف دیا جائے گا اور ان پر دیت ثابت ہو جائے گی۔ یہ شوافع کا ایک قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق ان پر قصاص ثابت ہو جائے گا۔ تاہم پہلا قول ہی امام شافعی سے مروی صحیح قول ہے۔ اگر مقتول کا وارث ایک فرد ہو تو وہ پچاس قسمیں اٹھائے گا کیونکہ ورثاء کے لیے قسمیں اٹھانا لازم ہے خواہ وہ سب مرد ہوں یا عورتیں اور ارتکاب قتل عمداً ہوا ہو یا سہواً۔ یہ امام شافعی کا مسلک ہے۔ قسامہ کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ زیر بحث روایت کے مطابق دیگر تمام دعووں کے برعکس قسامہ کے اندر قسم اٹھوانے کی ابتدا مدعیوں سے کی جائے گی۔ اس کے حق میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ "بینہ یعنی گواہی وغیرہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ پر لازم آتی ہے ماسوائے قسامہ کے۔" اس روایت کے اسناد میں تھوڑی سی کمزوری ہے' تاہم بیہقی نے عمرو بن شعیب کی روایت سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کے بارے میں کوئی کلام نہیں کیا۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ "اگر مدعی کا پہلو گواہی یا شبہ کی بنا پر قوی ہو جائے تو قسم اٹھانا اس کا کام ہو گا اور زیر بحث صورت کے اندر شبہ بڑا قوی ہے اس لیے قسامہ کے اندر مدعی مدعا علیہ کے مشابہ ہو جائے گا جس کی تائید برات اصلیہ کے اصول کے تحت ہو رہی ہے (برات ذمہ کے اصول کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مکلف بنیادی طور پر الزام سے بری الذمہ ہوتا ہے اور پھر دلائل کی بنیاد پر یہ الزام اس کے ذمہ آ لگتا ہے۔ اس اصول کے تحت مدعا علیہ بھی بنیادی طور پر بری الذمہ ہوتا ہے۔ مترجم) حنفیہ اور ہادویہ اور کچھ دیگر حضرات کا مسلک ہے کہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے گا اور مدعی پر کوئی حلف عائد نہیں ہو گا اس کے تحت جائے واردات کے اہل قریہ سے پچاس افراد اس بات کا حلف اٹھائیں گے کہ: "ہم نے نہ اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔" امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف ہے' اس کی وجہ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انصار (عبداللہ بن سہل وغیرہ) اور یہود خیبر کے درمیان پیش آنے والے واقعہ کے متعلق واردشدہ روایات میں اختلاف ہے۔ اس لیے مختلف فیہ کو متفق علیہ صورت کی طرف لوٹا دیا جائے گا' وہ یہ ہے کہ قسم مدعا علیہ پر لازم ہو گی۔ اگر مدعا علیہم قسم اٹھا گئے تو کیا اس کے بعد ان پر دیت لازم ہو گی یا نہیں؟ ہادویہ کا مسلک ہے کہ قسمیں اٹھانے کے بعد ان پر دیت لازم ہو جائے گی۔ دیگر حضرات کا مسلک ہے کہ جب وہ پچاس قسمیں اٹھا لیں گے تو بری الذمہ ہو جائیں گے اور ان پر کوئی دیت لازم نہیں ہو گی۔ اسی پر آپؐ کے چچا ابو طالب کا واقعہ بھی دلالت کرتا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ دیت واجب کرنے والے حضرات اور ان کے ہمنواؤں نے ایسی احادیث سے استدلال کیا ہے جن کی بنا پر کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی' کیونکہ ائمہ حدیث کے نزدیک ان احادیث کا مرفوع ہونا درست نہیں ہے۔ زیر نظر حدیث میں راوی کے الفاظ ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے (عبداللہ بن سہل) مقتول کی دیت ادا کی۔" ایک اور طریق کے الفاظ ہیں: "آپؐ نے صدقہ کے اونٹوں سے ان کی دیت ادا کی۔" ایک قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ نے صدقات کے اونٹوں سے یہ اونٹ قرض لیے تھے نیز یہ کہ جب آپؐ نے دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی خاطر اس دیت کا بوجھ اپنے سر اٹھا لیا تو اس کا حکم غارم (کسی جرمانے وغیرہ کے بوجھ تلے دبا ہوا انسان) کی طرف سے ادائیگی کا حکم ہو گیا۔ کیونکہ آپؐ نے لوگوں سے تعلقات کو استوار رکھنے کے لیے اس جرمانے کی ادائیگی کی تھی۔ آپؐ نے صدقات کے یہ اونٹ اپنے لیے نہیں لیے تھے کیونکہ صدقہ تو آپؐ کے لیے حلال ہی نہیں تھا۔ لیکن صدقہ کے اونٹوں سے دیت کی ادائیگی اس جرمانے کی ادائیگی جیسی ہو گئی جو لوگوں کے تعلقات کو درست رکھنے کی خاطر کی جائے' تاہم جن حضرات نے کہا ہے کہ آپؐ نے یہ اونٹ زکوٰۃ کے مصارف میں سے غارمین کے مصرف سے دیئے تھے تو یہ بات درست نہیں ہے اس لیے کہ اہل ذمہ کی طرف سے جرمانے کی ادائیگی کرنے والے کو زکوٰۃ کے مال میں سے دینے کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک قول ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ بات محل نظر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود پر تو دیت لازم نہیں ہوئی تھی اس لیے کہ مدعیوں نے قسم نہیں اٹھائی تھی جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عبداللہ بن سہل کی دیت کی ادائیگی تبرع کے سوا اور کچھ نہیں تھی اور مقصد یہ تھا کہ کہیں ان کا خون رائیگاں نہ چلا جائے۔ رہ گئی نسائی کی یہ روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیت کو یہود پر بانٹ دیا تھا اور دیت کا حصہ بطور اعانت انہیں دے دیا تھا تو اس کے متعلق ابن القیم نے کہا ہے کہ: "یہ روایت محفوظ نہیں ہے کیونکہ قتل کے محض دعوے پر مدعا علیہم پر دیت لازم نہیں ہوتی بلکہ اقرار یا بینہ اور مدعیوں کی قسمیں ضروری ہوتی ہیں اور زیر نظر واقعہ میں ان میں سے کوئی صورت نہیں پائی گئی۔ رسول اللہ صلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم نے تو مدعیوں کو حلف اٹھانے کی پیشکش کی تھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا تو پھر محض دعوائے قتل کی بنا پر یہود پر کس طرح دیت لازم آ سکتی تھی۔" میں (شارح) کہتا ہوں کہ میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ زیر نظر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قسامہ کا سرے سے حکم ہی نہیں دیا گیا۔ جیساکہ حدیث سے ظاہر ہے۔ حدیث تو صرف ایک واقعہ کی حکایت پر دلالت کرتی ہے' اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ آپؐ نے تو ان کے سامنے دونوں صورتوں کے اندر عائد ہونے والا حکم بیان کر دیا اور اسی وجہ سے مذکورہ گفتگو کے بعد یہود کو مراسلہ بھیجا۔ اس کی تحقیق بھی آگے آ رہی ہے۔

راوی کا قول ہے: "یہود نے آپؐ کے خط کے جواب میں لکھا: "بخدا ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔" اس کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ بالمشافہ گفتگو کے امکان کے باوجود محض خط و کتابت اور خبر واحد پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ: امام مالک نے اموال (مالی مقدمات) کے اندر بھی اس دعوے کو جاری کرنا پسند کیا ہے۔ انہوں نے سالبین (مال چھین لینے والوں) کے خلاف مسلوبین (جن کا مال چھینا گیا ہو) کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے۔ خواہ وہ مدعی کیوں نہ ہوں۔ امام مالک نے کہا ہے: "اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکو لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اور ان سے تنہا ہو کر یہ کام کرتا ہے۔" یہاں یہ بات مخفی نہیں کہ یہ استدلال صرف اس صورت میں مکمل ہو سکتا ہے جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامہ کا فیصلہ سنایا تھا اور ہم نے قارئین کے سامنے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اور آگے چل کر ہم اس کی مزید وضاحت بھی کر دیں گے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اب امام مالک کا یہ قیاس "بینہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور منکر پر قسم ہے" کی نص کے ساتھ متصادم ہے۔ الا یہ کہ امام مالک کا مسلک یہ مان لیا جائے کہ قیاس کے ذریعے عموم نص کی تخصیص جائز ہے۔ حالانکہ اہل علم نے عام کی تخصیص کے بعد اس کی حجیت پر بڑی بحث کی ہے۔

١١١٥/١٤ - وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ ٱلْأَنْصَارِ: «أَنَّ رَسُولَ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَرَّ ٱلْقَسَامَةَ عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ فِي ٱلْجَاهِلِيَّةِ، وَقَضَى بِهَا رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ نَاسٍ مِنَ ٱلْأَنْصَارِ فِي قَتِيلٍ ٱدَّعَوْهُ عَلَى ٱلْيَهُودِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(١).

ایک انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامہ کو اسی صورت پر برقرار

---

(۱) انصاری کی روایت کا حوالہ: مسلم شریف حدیث ۱۶۷۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھا جس پر یہ زمانہ جاہلیت میں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے کچھ لوگوں کے درمیان ایک مقتول کے سلسلے میں قسامہ کا فیصلہ سنایا تھا جس کے قتل کا دعویٰ انہوں نے یہود پر کیا تھا۔ امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۱) "جس طرح یہ زمانہ جاہلیت میں تھا" اس فقرے سے گویا اس روایت کی طرف اشارہ ہے جس کی تخریج امام بخاری نے زمانہ جاہلیت میں ایک ہاشمی کے قتل کے واقعہ کے سلسلے میں کی ہے۔ اس روایت میں ہے: "ابو طالب سے کہا تھا "ہماری طرف سے تین باتوں میں سے ایک بات قبول کر لو: اگر تم چاہو تو سو اونٹ دیت کے طور پر دے دو کیونکہ تم نے ہمارے آدمی کو خطاً قتل کیا ہے' اور اگر چاہو تو تمہاری قوم کے پچاس آدمی حلف اٹھائیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے اور اگر تم ایسا کرنے سے انکار کر دو تو ہم تمہیں مقتول کے بدلے میں قتل کر دیں گے۔"

اس میں قسامہ کے ذریعے قتل کے ثبوت کی دلیل ہے۔ قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ جمہور ہی قسامہ کو ثابت کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے ان کی طرف سے اس کی تحقیق کر دی ہے جبکہ سالم بن عبداللہ' حضرت عمر بن عبدالعزیز' ابو قلابہ' ابن علیہ اور الناصر اس کی عدم مشروعیت کے قائل ہیں کیونکہ یہ شرعی طور پر ثابت شدہ اصولوں کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اصول تو یہ ہے کہ بینہ یعنی گواہی پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور مدعا علیہ پر قسم ہوتی ہے' نیز یہ کہ خون کے اثبات میں قسموں کا کوئی اثر نہیں ہوتا نیز یہ کہ شرع کا ورود اس امر کے ساتھ ہوا ہے کہ حلف صرف اس بات پر جائز ہوتا ہے جس کا قطعی طور پر علم ہو یا حسی طور پر اس کا مشاہدہ کیا گیا ہو نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامہ کا فیصلہ نہیں سنایا تھا بلکہ یہ تو زمانہ جاہلیت کا ایک فیصلہ تھا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ نرمی برتی تھی تاکہ انہیں یہ دکھا دیں کہ قسامہ کا فیصلہ کسی طرح اسلام کے اصولوں پر جاری نہیں ہوتا۔ اس بات کی وضاحت کہ آپؐ نے قسامہ کا فیصلہ نہیں دیا تھا یہ ہے کہ جب مقتول عبداللہ بن سہل کے آدمیوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ: "ہم کس طرح حلف اٹھائیں جبکہ ہم وہاں موجود نہیں تھے اور نہ ہم نے اس قتل کا مشاہدہ کیا" تو آپؐ نے ان سے یہ بیان نہیں کیا کہ یہ حلف قسامہ کے سلسلے میں ہے جس کی یہ حیثیت ہے نیز یہ کہ یہ اس بارے میں اللہ کا حکم اور فیصلہ اور اس کی شرع ہے بلکہ آپؐ نے بات کا رخ موڑ کر یہ فرمایا: "یہود تمہارے لیے حلف اٹھا لیں" اس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ "وہ تو مسلمان نہیں ہیں" اس پر آپؐ نے ان لوگوں پر قسم واجب نہیں کی اور نہ ہی مدعیوں سے فرمایا کہ "تمہارے لیے مدعا علیہم کی طرف سے مطلقاً" قسم کے سوا کچھ اور نہیں ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم" بلکہ اس کی بجائے آپؐ نے اپنے پاس سے انہیں دیت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادائیگی کر دی۔ اگر قسامہ کی بنیاد پر فیصلہ ثابت ہوتا تو آپؐ ضرور ان کے سامنے اس کی وجہ بیان فرما دیتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں اس بات پر برقرار رکھنا کہ حلف صرف کسی ایسی چیز کے بارے میں ہوتا ہے جس کا مشاہدہ کیا گیا ہو اور آنکھوں سے دیکھا گیا ہو' اس امر کی دلیل ہے کہ قسامہ میں کوئی حلف نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ آپؐ نے مذکورہ یہود سے یہ مطالبہ بھی نہیں کیا کہ وہ اپنے فریق مخالف کے دعوے کا جواب دیں' اس لیے یہ واقعہ پکار پکار کر بتا رہا ہے کہ قسامہ کو شرعی حکم کی حیثیت نہیں دی گئی' کیونکہ حاجت اور ضرورت کے موقعہ سے بیان کو موخر کر دینا جائز نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ اس بات کی سب سے قوی دلیل ہے کہ قسامہ شرعی حکم نہیں ہے۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شرعی حکم نہ ہونے کے بیان میں اس تدریج کے ذریعے نرمی برتی' اور یہ تدریج اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ شرعی طور پر قسامہ کا ثبوت نہیں ہے۔ اور آپؐ نے مقتول کے آدمیوں کو اس بات پر برقرار رکھا کہ وہ اس چیز کے بارے میں حلف نہ اٹھائیں جس کا انہیں علم نہیں' اور جس کا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا اور نہ ہی وہ اس موقعہ پر موجود تھے۔ نیز آپؐ نے یہ بیان کرنے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا کہ قسامہ کی قسموں کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اس چیز پر بھی کھائی جا سکتی ہیں جس کا علم نہ ہو۔ اس وضاحت کے بعد قارئین کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ یہ کہنا سرے سے باطل ہے کہ اس واقعے میں غائب شخص پر فیصلہ اور عائد کرنے کے حق میں دلیل موجود ہے۔ اس بطلان کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ واقعے میں سرے سے کوئی حکم موجود ہی نہیں۔ قسامہ کے مشروع نہ ہونے کی وجہ درج بالا سطور میں یہ بیان کی گئی تھی کہ یہ شرعی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا گیا تھا کہ مذکورہ اصولوں سے اس کی تخصیص کر دی گئی ہے کیونکہ قسامہ ایک منفرد اور مستقل سنت ہے اور دیگر مخصصات کی طرح یہ بھی اصول شرعیہ کی تخصیص کرتی ہے اور تخصیص کی وجہ وہ ضرورت ہے جو لوگوں کے خون کی حفاظت کرنے اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا راستہ روکنے کے سلسلے میں احتیاطی تدبیر کے طور پر اس کی مشروعیت کی مقتضی ہوئی۔ اس جواب کا بطلان بھی ہماری درج بالا وضاحت سے قارئین پر عیاں ہو گا۔ اس جواب کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تخصیص وغیرہ کی بات بعد میں آتی ہے پہلے یہ ثابت ہونا چاہیے کہ شرع کی طرف سے قسامہ کا حکم دیا گیا ہے' کیونکہ تخصیص کی بات شارع کی طرف سے قسامہ کے حکم کے ثبوت کی فرع ہے۔ اگر قسامہ پر مبنی فیصلہ ثابت ہو جاتا تو مذکورہ جواب ایک اچھا جواب ہوتا جبکہ شارع سے یہ فیصلہ ثابت ہی نہیں ہے۔ رہ گئے امام مسلم کی روایت کے الفاظ کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامہ کو اسی صورت پر برقرار رکھا جس پر یہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور آپؐ نے انصار کے کچھ لوگوں کے درمیان ایک مقتول کے سلسلے میں قسامہ کا فیصلہ سنایا تھا جس کے قتل کا دعویٰ انہوں نے یہود پر کیا تھا" تو یہ اس واقعہ کی اطلاع ہے جس کا ذکر حضرت سہل بن ابی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حثمہ کی روایت میں ہوا ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۱۱۱۴) اور قارئین کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں قسامہ کا فیصلہ نہیں دیا تھا۔ اس کی تحقیق ہم وہاں کر آئے ہیں۔ ابو طالب کے واقعہ سے بھی قارئین کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ یہ واقعہ زمانہ جاہلیت میں پیش آیا تھا جس میں فیصلہ یہ ہوا تھا کہ قاتل خود دیت ادا کرے گا' دیت کا بوجھ عاقلہ پر نہیں ہو گا' جیسا کہ ابو طالب نے کہا تھا کہ "یا تو تم ایک سو اونٹ دو گے" جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ یہ دیت قاتل کے مال سے ادا ہو گی عاقلہ کے مال سے نہیں' "یا تمہاری قوم کے پچاس آدمی حلف اٹھائیں گے یا پھر تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔" اور یہاں خیبر کے واقعہ قتل میں ان میں سے کوئی بات وقوع پذیر نہیں ہوئی کیونکہ مدعا علیہم یعنی یہود نے نہ تو حلف اٹھایا نہ انہوں نے کوئی دیت ادا کی اور نہ ہی ان سے حلف اٹھانے کا مطالبہ کیا گیا۔

درج بالا بیان ایک صحابی کی روایت میں طعنہ زنی نہیں ہے بلکہ ان کے استنباط پر تنقید ہے اس لیے کہ ان کی روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اہل خیبر کے واقعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قسامہ پر مبنی فیصلے کا استنباط کیا ہے حالانکہ اس واقعہ میں سرے سے کوئی فیصلہ ہی نہیں ہوا۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ صحابی کے استنباط کا درست نہ ہونا جائز اور ممکن ہے البتہ صحابی کی طرف سے حدیث کی روایت باللفظ یا بالمعنی کو قبول کر لینا ایک متعین امر ہے۔

رہ گیا ابو الزناد کا قول کہ "ہم نے قسامہ کی بنا پر قتل کیا جبکہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ ایک ہزار افراد اور ان میں سے کسی دو کا بھی اس بارے میں اختلاف نہیں ہوا" تو اس کے متعلق "فتح الباری" کے اندر مصنف کتاب (ابن حجر) نے لکھا ہے کہ "ابو الزناد نے یہ بات خارجہ بن زید بن ثابتؓ سے نقل کی ہے۔ اس کی تخریج سعید بن منصور نے کی ہے اور بیہقی نے اس کی روایت عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے اور انہوں نے اپنے والد سے کی ہے' ورنہ ابوالزناد کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے دس صحابہ کرام کو بھی دیکھا ہو چہ جائیکہ ہزار صحابہ کرام۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ اس میں کوئی خفاء نہیں کہ یہ ابوالزناد کی روایت کردہ بات کی توثیق ہے اس لیے کہ انہوں نے خارجہ بن زید سے جو روایت کی ہے وہ ثابت ہے۔ خارجہ ایک فقیہ اور ثقہ شخص ہیں۔ بس صرف ابوالزناد نے یہ کہہ کر تدلیس کر لی کہ "ہم نے قتل کیا" شاید وہ اس سے مسلمانوں کا گروہ مراد لے رہے ہوں اگرچہ وہ ان میں موجود نہیں تھے۔ (تدلیس اسے کہتے ہیں کہ راوی اس شخص کا نام نہ لے جس سے اس نے روایت کی ہو بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام لے اور لفظ ایسا استعمال کرے جس میں سماع کا احتمال ہو۔ مترجم) پھر یہ بات بھی مخفی نہیں ہے خارجہ سے اس حدیث کے ثبوت کے بعد اس کی غایت صحابہ کرام کی ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت کے فعل کا ثبوت ہے اور یہ بات اجماع نہیں کہ پھر ہمارے لیے حجت بن جائے۔ قسامہ پر مبنی حضرت عمرؓ کے فعل میں بھی کوئی شک نہیں اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے قسامہ کی بنیاد پر مجرموں کی گردنیں اڑائی تھیں یا نہیں' ہمارا جھگڑا تو اس بات کے ثبوت کے سلسلے میں ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامہ پر مبنی فیصلہ سنایا تھا؟ یہی بات ثابت نہیں ہوئی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٣۔ باغیوں کے ساتھ قتال کا باب

البغی کا لفظ "بغی علیہ (حرف غین پر زبر کے ساتھ) بغیا" (حرف باء پر زبر اور حرف غین ساکن کے ساتھ) فعل کا مصدر ہے اور اس جملے کا مفہوم ہے: "اس نے اس پر ظلم کیا' اس پر چھا گیا اور حق سے منحرف ہو گیا۔" اس کے اور بھی بہت سے معانی ہیں۔ یہاں شارح نے اس کے اصطلاحی معنی کا ذکر کیا ہے اور ہادویہ کی اصطلاح کے مطابق اسے بیان کیا ہے۔ ہم نے "ضوء النہار" کے حواشی میں اس بیان کے نقائص کی وضاحت کردی ہے اور یہاں اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اس باب میں مذکورہ احادیث کا انطباق اس پر نہیں ہوتا۔ (یاد رہے کہ مذکورہ بالا شارح سے مراد "بلوغ المرام" کے ایک اور شارح ہیں جو ہادویہ فرقہ کے غالباً ہم مسلک ہیں۔ مترجم)

١١١٦/١ ۔ عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ(١).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔" متفق علیہ۔

یعنی مسلمانوں سے ناحق جنگ کرنے کے لیے ہتھیار اٹھائے۔ ہتھیار اٹھا لینے کے لفظ سے قتال اور جنگ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ غالب احوال میں تلوار اٹھا لینے سے قتل و قتال لازم ہو جاتا ہے۔ حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں کوئی کنایہ اور اشارہ نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص قتال کے ارادے سے حقیقت میں ہتھیار اٹھالے اس کے حق میں حدیث کے لفظ (علینا' ہم پر) کی دلالت ہے۔

آپؐ کے ارشاد "وہ ہم میں سے نہیں" کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ "وہ ہمارے طریقے اور ہماری سیدھی راہ پر نہیں" اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تو یہ تھا کہ مسلمان کی مدد کی جائے اور اس کے دفاع میں جنگ لڑی جائے۔ یہ نہیں تھا کہ اسے ڈرایا دھمکایا اور خوفزدہ

---

(١) حضرت ابن عمر کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ٥٩' ٦٢' مسلم شریف حدیث ٢٢ من المقدمہ' حدیث ١٦١' ١٦٢' ١٦٤' من الایمان' سنن ترمذی ١٣٥٩' سنن نسائی ج ٧ ص ١١٧' سنن ابن ماجہ ٢٥٧٥' ٢٥٧٦' مسند احمد ج ٢ ص ٣' ١٦' ٥٣' ١٣٢' ١٥٠' ١٨٤' ١٨٥' ٢١٧' ٢٢٤' ٢٤٧' السنن الکبریٰ ج ٨ ص ٢٠' المعجم الکبیر للطبرانی ج ٨ ص ١٨' مسند ابی عوانہ ج ١ ص ٥٨' مشکوۃ المصابیح ٣٥٠' شرح السنۃ ج ١٠ ص ٢٥٠' الادب المفرد ١٣٨٠۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے اور اس سے جنگ کی جائے۔ یہ بات اس شخص کے بارے میں ہے جو مسلمانوں کے ساتھ قتال کو حلال نہ سمجھتا ہو۔ اگر ایک شخص مسلمان کے ساتھ ناحق قتال کو حلال قرار دے تو قطعی طور پر ایک حرام شدہ امر کو حلال قرار دینے پر اس کی تکفیر کی جائے گی۔ یہ حدیث مسلمانوں کے ساتھ قتال کی تحریم کی دلیل ہے اور اس بارے میں تشدید پر دلالت کرتی ہے۔ رہ گیا وہ قتال جو مسلمان باغیوں کے خلاف ہو تو وہ ایک خاص دلیل کی بنا پر اس حدیث کے عموم سے خارج ہے۔

٢/١١١٧ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ خَرَجَ عَنِ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَمَاتَ فَمِيتَتُهُ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ(٢):

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص طاعت کے دائرے سے نکل جائے اور جماعت سے علیحدہ ہو جائے اور مرجائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔" امام مسلم نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

(ا) میتة (حرف میم کے نیچے زیر کے ساتھ) مصدر برائے بیان نوعیت ہے۔

آپؐ کے ارشاد "طاعت سے نکل جائے" کا مفہوم ہے "اس خلیفہ کی طاعت سے نکل جائے جس کی خلافت پر اجماع ہو۔ گویا مراد یہ ہے کہ کسی بھی اقلیم کے خلیفہ کی طاعت سے نکل جائے' کیونکہ خلافت عباسیہ کے دور سے تمام بلاد اسلامیہ کے لوگ کسی ایک خلیفہ پر یکجا نہیں ہوئے بلکہ ہر اقلیم کے لوگ اپنے ایسے حاکم کی ماتحتی میں دوسری اقلیم سے آزاد ہو جاتے ہیں جو ان کے معاملات کو چلاتا ہو۔ اگر اس حدیث کو ایک ہی خلیفہ پر محمول کیا جائے جس پر تمام اہل اسلام متفق ہوں تو اس صورت میں حدیث کے فائدے کا دائرہ تنگ ہو جائے گا۔

آپؐ کے ارشاد: "اور جماعت سے علیحدہ ہو جائے" کا مفہوم یہ ہے کہ "وہ اس جماعت سے نکل جائے جو ایک ایسے امام کی طاعت پر متفق ہو جس کے تحت مسلمانوں کی یک جہتی قائم ہو اور ان کا اتحاد شکست و ریخت سے محفوظ ہو اور وہ انہیں ان کے دشمنوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔"

آپؐ کے ارشاد "اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی" کا مفہوم ہے "اس کی موت اہل جاہلیت کی طرف منسوب ہو گی" اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام سے قبل کفر کی حالت میں مر گئے۔ اس میں جماعت سے علیحدہ ہونے والے کی موت کو کفر پر مرجانے والے کی موت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ شبہ

(ا) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے: مسلم شریف حدیث ١٨٤٨ من الامارة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ دونوں کسی امام کی حکومت کے تحت نہیں تھے' اس لیے کہ طاعت سے نکل جانے والا اہل جاہلیت کی طرح ہوتا ہے کہ اس کا کوئی امام اور حاکم نہیں ہوتا۔

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت سے علیحدہ ہو جائے اور پھر ان پر خروج نہ کرے نہ ہی ان کے ساتھ جنگ کرے تو ہم اسے جماعت کی طرف لوٹانے اور امام کی طاعت کے سامنے سر تسلیم خم کرانے کے لیے اس کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے بلکہ اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف جنگ کرنے کا ہمیں حکم نہیں دیا بلکہ آپؐ نے اس کی موت کی کیفیت کی ہمیں خبر دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ اہل جاہلیت کی طرح ہے اور اس بنا پر وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو گا۔ اس بات کے حق میں وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے خوارج سے فرمایا تھا: "تم جہاں ہو وہیں رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان یہ طے رہے گا کہ تم کوئی خون ناحق نہ کرو' راستوں پر لوٹ مار نہ کرو اور کسی پر ظلم نہ کرو' اگر تم نے ایسا کیا تو پھر میں تم پر چڑھائی کر دوں گا۔" یہ روایت حضرت علیؓ سے مختلف الفاظ میں ثابت ہے۔ اس کی تخریج امام احمد' طبرانی اور حاکم نے عبداللہ بن شداد کی روایت سے کی ہے۔ عبداللہ نے کہا ہے کہ "خدا کی قسم' حضرت علیؓ نے انہیں اس وقت تک قتل نہیں کیا جب تک انہوں نے راستوں پر قتل و غارت شروع نہیں کی اور بے گناہ خون نہیں بہایا۔" یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محض امام سے اختلاف مخالفین کے خلاف قتال کو واجب نہیں کرتا۔

۱۱۱۸/۳ ـ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّـهِ صَـلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَقْتُلُ عَمَّاراً ٱلْفِئَةُ ٱلْبَاغِيَةُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عمار کو ایک باغی گروہ قتل کر دے گا۔" امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

مسلم شریف میں اس روایت کا باقیماندہ اس طرح ہے: "وہ (عمارؓ) انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ لوگ اسے آگ کی طرف بلائیں گے۔" ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "اس بارے میں روایات کے اندر تواتر ہے اور یہ ایک صحیح ترین حدیث ہے۔" ابن دمیہ نے کہا ہے کہ "اس حدیث کی صحت کے بارے میں کوئی

۱۔ حضرت ام سلمہؓ کی روایت کے حوالے: مسلم شریف حدیث ۷۳ من الفتن' مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۴' ۲۱۵' المستدرک ج ۲ ص ۱۵۵' ۳۸۷' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۴ ص ۹۸' ۲۰۰' فتح الباری ج ۷ ص ۷۴' ج ۱۳ ص ۸۵' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۴۱' المطالب العالیہ ۴۴۸۰' ۴۴۸۶' ۴۴۹۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طعن نہیں ہے' اور اگر یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو حضرت معاویہؓ اس کی تردید کر دیتے جبکہ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ "جو لوگ عمارؓ کو لے کر میدان جنگ میں آئے تھے انہوں نے اسے قتل کیا۔" اگر اس حدیث کے بارے میں شک ہوتا تو حضرت معاویہؓ اسے ٹھکرا دیتے اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے قول کی تردید میں حضرت عمرو بن العاص نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔"

مصنف کتاب نے "التلخیص" میں نقل کیا ہے اور کتاب کے شارح نے ان کی پیروی کی ہے کہ "العلل" کے اندر ابن الجوزی نے خلاد سے نقل کیا ہے کہ امام احمد سے ان کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ "یہ حدیث اٹھائیس طریقوں سے روایت ہوئی ہے جن میں سے ایک طریق بھی صحیح نہیں ہے۔" امام احمد' ابن معین اور ابن ابی خیثمہ سے بھی منقول ہے کہ ان کے قول کے مطابق یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب سید محمد بن ابراہیم وزیر نے دیا ہے کہ: "ابن حجر جیسی بلند پایہ شخصیت کی طرف سے اس گھٹیا قسم کے اختلاف کو ذکر کر کے سکون محسوس کرنا اور اس کے بطلان کو واضح نہ کرنا دراصل بدترین قسم کی عصبیت ہے! رہ گئے ابن الجوزی تو انہیں اس سلسلے میں کوئی معرفت حاصل نہیں۔ ذہبی نے "التذکرہ" کے اندر ان کے ترجمے (حالات زندگی) میں ان کی تصانیف کے اندر پائی جانے والی بکثرت اغلاط کا ذکر کیا ہے' اس لیے یہ اپنی جہالت اور پستی کی بنا پر اس قابل ہی نہیں کہ ابن عبدالبر' امام بخاری' امام مسلم اور حمیدی جیسے ائمہ و حفاظ حدیث اور شہسواران میدان کی روایت کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکیں۔ ابو داؤد' ترمذی' ذہبی' حاکم' ابن خزیمہ' قرطبی' اسماعیلی' برقانی اور ان جیسے دیگر حضرات نے اس حدیث کی پوری روایت کی ہے۔ ان میں سے ایک گروہ نے اس کے تواتر اور صحت کا ذکر کیا ہے اور ایک گروہ نے اس پر اہل سنت' اہل فقہ اور اہل علم کے اجماع کا تذکرہ کیا ہے۔ قرطبی نے اپنی کتاب "التذکرہ" کے آخر میں اور حاکم نے "علوم الحدیث" کے اندر اسے ذکر کیا ہے اور ابن خزیمہ سے جو امام الائمہ کہلاتے ہیں' اسے نقل کیا ہے اور کسی نے بھی اس کے متعلق ائمہ سے کسی اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ ذہبی نے تو اس حدیث کے بارے میں اپنے دعوائے صحت کو مختلف صحیح طرق سے اس کی روایت کر کے ثابت کر دیا ہے۔ اب کسی حجت کے بغیر محض عصبیت کی بنا پر اس حدیث کی صحت سے انکار ان لوگوں کا طریق کار ہے جو علم نہیں رکھتے بلکہ عقل سے بھی عاری اور حیا سے بھی خالی ہیں۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ بات مخفی نہیں کہ ابن الجوزی نے امام احمد سے اس حدیث کی عدم صحت نقل کی ہے' خود اس کی صحت کے بارے میں کوئی تنقید نہیں کی کہ یہ کہا جائے کہ "وہ اپنی پستی کی بنا پر اس قابل نہیں کہ ائمہ و حفاظ حدیث اور شہسواران میدان کی روایت کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکیں۔" اس لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن الجوزی کی اس نقل کا زیادہ مناسب جواب وہی ہے جس کا ذکر سید محمد نے خود کیا ہے کہ "یعقوب بن شیبہ جو حدیث کے امام حافظ اور ثقہ ہیں نے امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: "یہ صحیح حدیث ہے۔" یعقوب نے ان سے یہ بات خود سنی ہے اور اس کے متعلق ان سے پوچھا بھی تھا۔ ذہبی نے اس کا ذکر "النبلاء" کے اندر حضرت عمارؓ کے ترجمہ میں کیا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام احمد نے صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے اس کی روایت کی ہے۔ ان کی رائے تھی کہ ضعیف اور منکر احادیث کی روایت پر پابندی لگا دی جائے۔"

یہ بات ابن الجوزی کے حکایت کردہ قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے' بصورت دیگر اس قول کی زیادہ سے زیادہ حیثیت یہ ہو گی کہ امام احمد سے منقول دو اقوال کے اندر تعارض ہے اس لیے انہیں نظرانداز کر دیا جائے گا جبکہ دیگر حضرات ائمہ کی طرف سے اس حدیث کو صحیح قرار دیئے جانے کے بعد مزید کسی کے قول کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک واضح بات ہے۔ رہ گیا ابن معین اور ابن ابی خیثمہ سے منقول قول تو اسے مصنف کتاب نے صیغہ تمریض کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور اس کی نسبت کسی راوی کی طرف نہیں کی کہ پھر اس پر بحث کی جائے۔ (صیغہ تمریض سے مراد یہ ہے کہ کسی سے روایت کرنے کے لیے ڈھیلے ڈھالے الفاظ استعمال کیے جائیں مثلاً "حکی عن" اور "نقل عن" وغیرہ یعنی اس سے حکایت کی گئی' اس سے نقل کیا گیا۔ مترجم)

زیر نظر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ باغی گروہ حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کے لوگ تھے اور حق پرست گروہ حضرت علیؓ اور ان کی جماعت کے افراد تھے۔ اس پر اہل سنت کا اجماع ان کے ائمہ کے ایک گروہ مثلاً العامری وغیرہ نے نقل کیا ہے' اور ہم نے "الروضة الندية" کے اندر اس کی وضاحت کر دی ہے۔

١١١٩/٤ - وَعَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَلْ تَدْرِي يَا ٱبْنَ أُمِّ عَبْدٍ، كَيْفَ حُكْمُ ٱللَّهِ فِيمَنْ بَغَى مِنْ هَـٰذِهِ الْأُمَّةِ؟». قَالَ: ٱللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «لَا يُجْهَزُ عَلَى جَرِيحِهَا. وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرُهَا، وَلَا يُطْلَبُ هَارِبُهَا، وَلَا يُقْسَمُ فَيْؤُهَا». رَوَاهُ ٱلْبَزَّارُ وَٱلْحَاكِمُ، وَصَحَّحَهُ فَوَهِمَ، لِأَنَّ فِي إِسْنَادِهِ كَوْثَرَ بْنَ حَكِيمٍ وَهُوَ مَتْرُوكٌ.

وَصَحَّ عَنْ عَلِيٍّ مِنْ طُرُقٍ نَحْوُهُ مَوْقُوفاً. أَخْرَجَهُ ٱبْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَٱلْحَاكِمُ[1].

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابن ام عبد'

---

(1) حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے حوالے: تذکرة الموضوعات لابن القیسرانی ٩٣٦' مجمع الزوائد ج ٦ ص ٢٤٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہیں معلوم ہے کہ اس امت سے بغاوت کرنے والوں کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے؟" انہوں نے عرض کیا: "اللہ اور اس کے رسول کو اس کا بہتر علم ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "ان کے زخمی شخص کو موت کے گھاٹ نہیں اتارا جائے گا' ان کے گرفتار ہونے والے کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کے بھاگنے والے کا تعاقب نہیں کیا جائے گا اور ان سے لوٹے ہوئے مال کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔" البزار اور حاکم نے اس کی روایت کی ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن انہیں اس بارے میں وہم ہوا ہے اس لیے کہ اس روایت کے اسناد میں کوثر بن حکیم ہے اور وہ متروک ہے۔ کئی اور طرق سے اسی طرح کی روایت موقوف صورت میں حضرت علیؓ سے صحیح ہے' ابن ابی شیبہ اور حاکم نے اس کی تخریج کی ہے۔

(۱) یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ یہ اسی نام سے معروف تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سے حضرت ابن عمرؓ نے اس حدیث کی روایت کی ہے یا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حدیث بیان کرتے سنا تھا۔

(۲) یعنی باغیوں کے کسی زخمی کو مزید ضرب لگا کر موت تک نہیں پہنچایا جائے گا۔

(۳) کوثر (حرف کاف پر زبر' واؤ ساکن' حرف ثاء پر زبر اور پھر حرف راء کے ساتھ) "المیزان" میں مرقوم ہے "کوثر بن حکیم نے عطاء اور مکحول سے روایت کی ہے۔ یہ کوفی تھے اور حلب میں مقیم ہو گئے تھے۔ ابن معین نے کہا ہے کہ "یہ کچھ بھی نہیں" امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیثیں باطل ہیں۔" (اختتام اقتباس از "المیزان")۔

ابن عدی نے کہا ہے کہ "یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔" حضرت علیؓ سے جو روایت منقول ہے اسے امام بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں:

پہلا مسئلہ: باغیوں سے جنگ کرنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے کیونکہ ارشاد باری ہے "فقاتلوا التی تبغی" (جو گروہ بغاوت کرے اس کے خلاف قتال کرو۔ سورۃ الحجرات آیت ۹)

میں (شارح) کہتا ہوں کہ مذکورہ آیت وجوب قتال پر دلالت کرتی ہے' ہادویہ کا یہی قول ہے۔ لیکن انہوں نے شرط عائد کی ہے کہ ان پر غالب آنے کا گمان ہو۔ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک باغیوں کے ساتھ قتال کافروں کے ساتھ قتال سے افضل ہے' کیونکہ ان کے قول کے مطابق باغیوں سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔

یہاں یہ معلوم رہنا چاہیے کہ باغیوں کے خلاف قتال سے پہلے انہیں بغاوت سے باز آ جانے کی دعوت دینا اور اس دعوت کی تکرار ضروری ہے جیسا کہ حضرت علیؓ نے خوارج کے بارے میں کیا تھا۔ خوارج جب ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے علیحدہ ہو گئے تو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو ان کی طرف بھیجا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیالات کیا جس کے نتیجے میں چار ہزار خوارج واپس آ گئے' ان کی کل تعداد آٹھ ہزار تھی۔ اس طرح با قیماندہ چار ہزار نے واپس آنے سے انکار کر دیا اور حضرت علیؓ سے علیحدگی پر ڈٹے رہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ "تم جہاں ہو وہیں رہو' ہمارے اور تمہارے درمیان یہ بات طے ہے کہ تم خون ناحق نہیں کرو گے' راستوں پر لوٹ مار نہیں کرو گے اور کسی پر ظلم نہیں کرو گے۔" پھر خوارج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن خبابؓ کو قتل کر دیا اور ان کی لونڈی کا پیٹ چاک کر کے پیٹ سے بچہ باہر نکال لیا۔ جب حضرت علیؓ کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے خوارج کو لکھا کہ "ہمیں عبداللہ بن خباب کے قاتل سے قصاص لینے دو۔" انہوں نے جواب میں کہا کہ: "ہم سب نے انہیں قتل کیا ہے!" اس پر حضرت علیؓ نے ان کے خلاف قتال کی اجازت دے دی۔ یہ ثابت شدہ روایات ہیں اور مصنف کتاب نے "فتح الباری" میں انہیں درج کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ: باغیوں کے زخمی کو موت کے گھاٹ اتارا نہیں جائے گا۔ حدیث کے الفاظ ہیں: "لایجھز علی جریحھا" یہ محاورہ "اجھز علی الجریح یا بھز علیہ" سے نکلا ہے' جس کا مفہوم ہے "اس نے زخمی کے قتل کو قطعی بنا دیا' اور اس میں پھرتی دکھائی اور اسے قتل کرنے کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔" اس مسئلے کی دلیل آپؐ کا یہ ارشاد ہے: "اور ان کے زخمی کو موت کے گھاٹ نہیں اتارا جائے گا۔" بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن اپنے رفقاء کو ہدایات دیں کہ: "جب تم ان لوگوں پر غالب آ جاؤ تو کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو اور نہ ہی کسی زخمی کو موت سے ہمکنار کرو اور یہ دیکھو کہ آلات حرب میں سے اس کے پاس کیا موجود ہے' اسے اپنے قبضے میں لے لو اور اس کے سوا باقی چیزیں اس کے ورثاء کے لیے چھوڑ دو۔" بیہقی نے کہا ہے کہ یہ منقطع روایت ہے' صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے کوئی چیز نہیں لی اور نہ ہی کسی مقتول کے سامان کو اپنے قبضے میں کیا۔ زیر نظر حدیث کی اس پر بھی دلالت ہے کہ باغیوں کا گرفتار شدہ شخص قتل نہیں کیا جائے گا۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم باغیوں کے ساتھ خاص ہے اس لیے کہ ان کے خلاف قتال انہیں معرکہ آرائی سے روکنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ حدیث کی اس پر بھی دلالت ہے کہ باغیوں میں سے اگر کوئی شخص میدان جنگ سے بھاگ نکلے تو اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ اس کا ظاہر تو یہی ہے کہ خواہ وہ کسی اور گروہ کی پناہ میں آنے کے لیے بھاگ رہا ہو۔ امام شافعی کا یہی مسلک ہے کیونکہ ان کے قول کے مطابق مقصد تو انہیں جنگ سے بھگانا اور دور کرنا ہے اور اس طرح بھاگنے والے کی حد تک یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ حنفیہ اور ہادویہ کا مسلک ہے کہ بھاگ کر کسی اور گروہ کی طرف جانے والے کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اس کی دوبارہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واپسی کا خطرہ ہوتا ہے۔ لیکن حدیث اس قول کی تردید کرتی ہے نیز حضرت علیؓ کا کلام بھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

تیسرا مسئلہ : آپؐ کا ارشاد ہے "ان سے لوٹا ہوا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا۔" یعنی اسے مال غنیمت بنا کر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ باغیوں کے اموال کو مال غنیمت نہیں بنایا جائے گا خواہ وہ ان اموال کو دارالحرب کیوں نہ لے جائیں۔ حنفیہ اور شوافع کا یہی مسلک ہے : اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے : "کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں!" بیہقی سے حضرت علیؓ کے بارے میں مروی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ انہوں نے ں مقتول سے چھینا ہوا کوئی مال نہیں لیا۔ بیہقی نے اس روایت کی تخریج الدرا وردی سے کی ہے۔ انہوں نے بعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سے کہ حضرت علیؓ مقتول سے چھینا ہوا مال نہیں لیتے تھے۔ بیہقی نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے بھی روایت کی ہے۔ انہوں نے جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سے کہ حضرت علیؓ نے بصرہ کی جنگ میں مخالفین کے ساز و سامان میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ انہوں نے حضرت ابو امامہؓ سے بھی روایت کی ہے کہ "میں صفین کی جنگ میں موجود تھا اور لوگ کسی زخمی کو موت سے ہمکنار نہیں کرتے تھے' نہ ہی کسی بھاگنے والے کو قتل کرتے تھے اور نہ ہی کسی مقتول کا سامان اپنے قبضے میں لیتے تھے۔" ہادویہ کا مسلک یہ ہے کہ باغی جو مال لے کر آئے ہوں اسے اور آلات حرب کو مال غنیمت بنایا جائے گا اور اس کے پانچ حصے کر کے خمس نکالا جائے گا کیونکہ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا۔ "لشکرگاہ اور اس میں موجود مال تمہارے لیے ہے۔" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث اس بات کی تصریح کر رہی ہے کہ مذکورہ اموال کو مال غنیمت نہیں بنایا جائے گا نیز ہم نے حضرت علیؓ سے موافق حدیث جو اقوال نقل کیے ہیں وہ تعداد میں زیادہ اور سند کے اعتبار سے اقویٰ ہیں۔

چوتھا مسئلہ : آپؐ کے ارشاد "اور ان کے کسی زخمی کو موت سے ہمکنار نہیں کیا جائے گا۔" کے مطلق ہونے کی بناپر یہ اخذ ہوتا ہے کہ جنگ کے دوران باغی : ن بہائیں اور جو اموال تباہ کریں ان سے ان کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔ حنفیہ اور امام یحییٰ کا یہی مسلک ہے . رشاد باری "حتی تفی ء الی امر اللہ" (یہاں تک کہ باغی گروہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ سورۂ حج ت آیت ۹) سے بھی اس قول کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے۔ اس میں تاوان کا ذکر نہیں ہے۔ اور اس یت سے بھی جس کی تخریج بیہقی نے ابن شہاب سے کی ہے کہ "پہلی شورش بھڑک اٹھی اور اس نے اچھی صی تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جو سب بدری تھے' اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان حضرات کی رائے تھی کہ شورش کے معاملہ کو یونہی جانے دیا جائے اور قرآن کی تاویل میں کسی قاتل پر اس کے مقتول کا ا اص واجب نہ کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے اور کسی عورت کو گرفتار کر کے اسے اپنے گھر میں ڈال لینے والے پر کوئی حد جاری نہ کی جائے اور نہ ہی مذکورہ عورت پر کوئی حد جاری کی جائے اور نہ ہی اس کے شوہر اور اس کے درمیان لعان کرایا جائے' نہ ہی اس شخص کو حد قذف لگائی جائے جو مذکورہ عورت پر زنا کی تہمت لگا دے بلکہ رائے یہ تھی کہ ایسی عورت کو اس کے پہلے شوہر کی طرف لوٹا دیا جائے جب وہ اپنے دوسرے شوہر یعنی گرفتار کنندہ کی عدت پوری کر لے' اور یہ بھی رائے تھی کہ اس کا پہلا شوہر اس کا وارث ہو گا۔" میں (شارح) کہتا ہوں کہ یہ اگرچہ اجماع نہیں ہے تاہم اس سے برات اصلیہ کو تقویت ملتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے اموال اور ان کے خون کا معصوم و محفوظ ہونا اصل ہے۔ امام شافعی کا مسلک ہے اور ہادویہ سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے کہ باغیوں میں سے جو لوگ قتل کے مرتکب ہوں گے ان سے قصاص لیا جائے گا۔ ان حضرات نے آیات و احادیث کے عموم سے استدلال کیا ہے مثلاً ارشاد باری ہے "و من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا" (اور جو شخص ظلماً قتل کیا جائے ہم نے اس کے ولی کے لیے ایک حجت قائم کر دی ہے) اور حدیث ہے: "جو شخص کسی مسلمان کو کسی دلیل کے بغیر قتل کے ذریعے ہلاک کر دے تو یہ قتل قصاص ہو گا۔" اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ ایسی عمومات ہیں جن کی تخصیص پہلے قول کے قائلین کے بیان کردہ دلائل کے ذریعے ہو گئی ہے۔

۱۱۲۰/۵ - وَعَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ شُرَيْحٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ(۱).

حضرت عرفجہ بن شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: "جو شخص تمہارے پاس تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنے کی نیت سے آئے جبکہ تمہارے درمیان اتحاد و اتفاق ہو تو اسے قتل کر دو۔" امام مسلم نے اس کی تخریج کی ہے۔

(۱) عرفجة (حرف عین پر پیش' راء ساکن' حرف فاء پر پیش اور حرف جیم کے ساتھ)

(۲) شریح' حرف شین کے ساتھ' شرح کی تصغیر' ایک قول کے مطابق یہ حرف سین کے ساتھ ہے۔

(۳) اس حدیث کی امام مسلم نے ان الفاظ میں بھی روایت کی ہے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ "بہت سی ناپسندیدہ باتیں ہوں گی۔ اس لیے جو شخص اس امت میں تفرقہ ڈالنے کا ارادہ کرے

---

(۱) حضرت عرفجہ کی روایت کے حوالے: مسلم شریف حدیث ۶۰' من الامارة' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۶۹' مشکوۃ المصابیح ۳۶۷۸' کنزا لعمال ۱۴۸۰۶' ارواء الغلیل ج ۸ ص ۱۰۵' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۱۴۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ امت متحد ہو تو اسے تلوار مارو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔" ایک طریق کے الفاظ ہیں: "پس اسے قتل کر دو" ایک اور طریق کے الفاظ ہیں: "جو شخص تمہارے پاس تمہارے درمیان پھوٹ ڈالنے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے کے ارادے سے آئے جبکہ تم سب ایک شخص پر متفق ہو تو اسے قتل کر دو۔" شیخین نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور روایت کے الفاظ امام بخاری کی تخریج کے ہیں کہ "جو شخص اپنے امیر کی کوئی ایسی بات دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو اس پر صبر کرے کیونکہ جو شخص بھی جماعت سے بالشت بھر علیحدگی اختیار کرے اور پھر مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔" ایک طریق کے الفاظ ہیں: "جو شخص سلطان سے بالشت بھر خارج ہو جائے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

احادیث کے یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جو شخص ایسے امام کے خلاف خروج کرے گا جس پر اس اقلیم کے مسلمان متفق ہوں تو وہ قتل ہونے کا سزاوار ہو گا کیونکہ اپنے اس رویے سے اللہ کے بندوں کو ضرر سے دو چار کر دے گا۔ یہاں مسلمانوں سے مراد کسی ایک اقلیم کے مسلمان ہیں' جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں۔ حدیث کا ظاہر مفہوم تو یہی ہے کہ مذکورہ امام خواہ ظالم ہو یا عادل' کچھ احادیث میں یہ تقیید بھی آئی ہے: "جب تک وہ نماز قائم کریں۔" ایک طریق کے الفاظ ہیں" "جب تک تم ان سے کھلم کھلا کفر نہ دیکھ لو" ہم نے "ضوء النہار" کے حاشیے "منحة الغفار" میں ان مباحث کی ایسی تحقیق کی ہے جو اس قابل ہے کہ اونٹوں کی پشت پر کوڑے مار مار کر یعنی لمبا سفر طے کر کے اس تک رسائی حاصل کی جائے' والحمدللہ المنعم المتفضل۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ جنایت کے مرتکب کے خلاف قتال اور قتل مرتد کا باب

۱۱۲۱/۱ ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ(۱).

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے مال کے دفاع میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔" ابو داؤد' نسائی اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اس کی تخریج کی ہے اور اصحاب سنن' ابن حبان اور حاکم نے حضرت سعید بن زید سے اس کی روایت کی ہے۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص دوسرے کا مال ناحق طریقے سے لینا چاہے' خواہ یہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو' اس کے ساتھ قتال جائز ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ بعض مالکیہ کا قول ہے کہ غیر کا تھوڑا سا مال لینے پر قتال جائز نہیں ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ اس بارے میں اختلاف کا سبب یہ سوال ہے کہ آیا قتال دفع منکر کے لیے ہوتا ہے کہ پھر اس کے اندر قلیل اور کثیر کے درمیان کوئی فرق نہ کیا جائے یا یہ دفع ضرر کے باب سے ہے کہ اس میں مختلف حالات کا اعتبار کیا جائے؟ ابن المنذر نے امام شافعی سے حکایت کی ہے کہ جس شخص کے مال یا جان یا عزت پر ہاتھ ڈالا جائے اور اس کے لیے قتل کے سوا ہاتھ ڈالنے والے کو ہٹانا ممکن نہ ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اس پر کوئی قصاص یا دیت یا کفارہ لازم نہیں ہو گا تاہم تفصیل کے بغیر قتل کا قصد کر لینا اس کے لیے درست نہیں ہو گا۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ: "اہل علم کے نزدیک یہ بات مسلم ہے

---

(۱) حضرت ابن عمر کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۳ ص ۱۷۹' مسلم شریف حدیث ۲۴۶' من الایمان' سنن ابی داؤد ۲۷۷۲' سنن ترمذی ۱۴۱۸' ۱۴۱۹' ۱۴۲۱' سنن نسائی ج ۷ ص ۱۱۵' ۱۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۷۹' ۱۸۷' ۱۸۹' ۱۹۰' ۳۰۵" ج ۲ ص ۱۲۳' ۲۰۶' ۲۱۷' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۶۵' ۲۶۶' ج ۸ ص ۱۸۷' ۳۳۵' المستدرک ج ۳ ص ۶۳۹' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۱۵' بدائع المنن ۱۳۵۷' مسند الشافعی ۲۰۱' ۳۱۳' فتح الباری ج ۵ ص ۲۳' ج ۹ ص ۶۶۱' شرح السنۃ ج ۱ ص ۲۴۸' ۲۴۹' مشکوۃ المصابیح ۳۵۱۲' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۴۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ جب ظلم کے تحت کسی کا ہاتھ اس کے مال یا جان یا عزت و آبرو کی طرف بڑھے تو وہ تفصیل کے بغیر بھی ظالم کو ٹھکانے لگا سکتا ہے۔ تاہم علمائے حدیث سے اس سلسلے میں جو بات محفوظ کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان حضرات کا سلطان کو اس حکم سے مستثنیٰ کرنے پر تقریباً اجماع ہے کیونکہ سلطان وقت کے ظلم و جور پر صبر کرنے اور اس پر خروج نہ کرنے کے آثار و احادیث موجود ہیں۔ اوزاعی نے حدیث کو اس حالت پر محمول کیا ہے جب تمام لوگ ایک جماعت کی شکل میں ایک امام کے تحت ہوں' لیکن جب اختلاف اور تفرقہ بازی کی حالت ہو تو وہ حالات کے مقابلہ میں سپر انداز ہو جائے اور کسی کے ساتھ لڑائی نہ کرے۔"

میں (شارح) کہتا ہوں کہ ابن المنذر نے اہل علم کی جو بات نقل کی ہے اس کی تائید امام مسلم کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث کی روایت سے ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "اگر ایک شخص آ کر مجھ سے میرا مال لینا چاہے تو آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" آپؐ نے فرمایا: "اسے اپنا مال مت دو!" سائل نے عرض کیا: "اگر وہ میرے ساتھ لڑنے پر اتر آئے تو فرمایئے؟" آپؐ نے فرمایا: "اس کے ساتھ لڑائی کرو؟" سائل نے عرض کیا: "اگر وہ مجھے قتل کر ڈالے تو؟" آپؐ نے فرمایا: "پھر تم شہید ہو گئے!" اس نے پھر کہا: "اگر میں اسے قتل کر دوں تو فرمایئے؟" آپؐ نے جواب دیا: "وہ آگ میں جائے گا!" اس حدیث کے ظاہر سے احوال کے مطلق ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

یہ بحث تو مال لینے کے ارادے سے آنے والے کے ساتھ قتال کے جواز کے بارے میں ہوئی' اب سوال یہ ہے کہ جس شخص سے ظلماً اس کا مال لیا جائے تو آیا اس کے لیے سپرانداز ہو جانا اور قتال کے ذریعے اسے نہ روکنا جائز ہو گا؟ ظاہراً اس کا جواز ہے اور اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کا ایک فقرہ ہے: "پھر اللہ کے مقتول بندے بن جاؤ" (یعنی اپنی جان دے دو لیکن کسی کی جان نہ لو) جان کے سلسلے میں سپرانداز ہو جانے پر اس حدیث کی دلالت ہے تو مال کے سلسلے میں بطریق اولیٰ ہو گی' اس بنا پر آپؐ کے ارشاد "اسے اپنا مال نہ دو" میں نہی کو نہی غیر تحریمی پر محمول کیا جائے گا۔

۱۱۲۲/۲ - وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَاتَلَ يَعْلَى بْنُ أُمَيَّةَ رَجُلاً، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ فِيهِ، فَنَزَعَ ثَنِيَّتَهُ، فَاخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «يَعَضُّ أَحَدُكُمْ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ؟ لَا دِيَةَ لَهُ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ (١).

حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ یعلی بن امیہؓ ایک شخص کے ساتھ لڑ پڑے' اور ایک نے دوسرے کے ہاتھ کو کاٹ لیا۔ اس نے جو اس کے منہ سے اپنا ہاتھ کھینچا تو ہاتھ کے ساتھ اس کے سامنے کے دانت بھی باہر آ گئے۔ پھر دونوں اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آپؐ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا: "تم میں سے ایک شخص اس طرح کاٹ کھاتا ہے جس طرح سانڈ! جاؤ' اس کی کوئی دیت نہیں۔" متفق علیہ' حدیث کے الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں۔

(۱) یعض' (حرف مضارع پر زبر' اور عین کے ساتھ) اس کے ماضی کا صیغہ عضض (پہلے حرف ضاد کے نیچے زیر کے ساتھ) اور مضارع یعضض (پہلے حرف صاد پر زبر کے ساتھ) ہے۔ پھر ضاد کا ضاد میں ادغام کر کے اس کی حرکت کو ماقبل کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

(۲) یعنی نر اونٹ۔

(۳) ہاتھ کو کاٹ کھانے والا کون تھا اور اس کی زد میں کون آیا' حافظ ابن حجر نے کہا ہے: "معروف اور درست بات یہی ہے کہ حضرت یعلیؓ کا مزدور اس کی زد میں آیا تھا' حضرت یعلیؓ نہیں آئے تھے" ایک قول کے مطابق کاٹ کھانے والے حضرت یعلیؓ ہی تھے۔

زیر نظر حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ دفع ضرر کی خاطر جو جنایت کی جائے وہ رائیگاں جاتی ہے یعنی جنایت کے مرتکب پر اس کی کوئی دیت لازم نہیں آتی۔ جمہور کا یہی مسلک ہے۔ ان حضرات کے قول کے مطابق جنایت کے مرتکب پر کوئی دیت اور جرمانہ اس لیے لازم نہیں ہوتا کہ یہ صورت صائل یعنی حملہ آور کے حکم میں ہوتی ہے۔ ان حضرات نے اس بات پر اجماع سے بھی استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی پر اسے قتل کر دینے کی نیت سے ہتھیار لہرائے اور دوسرا شخص اپنی جان بچانے کی خاطر اسے دھکے وغیرہ دے کر ہٹا دے اور ہتھیار لہرانے والا قتل ہو جائے تو اس پر کوئی دیت لازم نہیں ہو گی۔ ان حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کاٹ کھانے کی زد میں آنے والا شخص کاٹ کھانے والے کے جسم کے کسی حصے کو زخمی کر دے تو اس پر اس زخم کا کوئی جرمانہ لازم نہیں آئے گا۔ رائیگاں جانے کی شرط یہ ہے کہ جسے کاٹ کھایا گیا ہے وہ الم محسوس کرے

(۱) حضرت عمرانؓ کی حدیث کے حوالے: بخاری شریف باب ۱۸ من الدیات' مسلم شریف باب ۴ من القسامۃ' سنن ترمذی ۱۴۱۶' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۹' ۳۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۷' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۹۵' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۳۶' فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۱۹' مشکل الآثار ج ۲ ص ۱۱۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے لیے کاٹ کھانے والے کے منہ کے کنارے پر ضرب لگانے یا اس کے جبڑوں کو کھولنے کے بغیر اس سے اپنا ہاتھ چھڑانا ممکن نہ ہو اور اگر اس کے بغیر اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لینا ممکن ہو اور وہ ہاتھ چھڑانے کی بجائے کاٹ کھانے والے کو زیادہ بھاری زخم لگا دے تو یہ زخم رائیگاں نہیں جائے گا یعنی اس کی دیت یا جرمانہ لازم آئے گا۔ شوافع کا مسلک ہے کہ بہرصورت یہ زخم رائیگاں جائے گا۔ زخم رائیگاں جانے کی ہم نے اوپر جو شرط بیان کی ہے اسے شریعت کے قواعد کلیہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ ورنہ حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی۔ اگر کاٹ کھانے کا عمل جسم کے کسی اور حصے پر واقع ہو تو قیاس کے طور پر اس کا حکم بھی یہی ہو گا۔

۱۱۲۳/۳ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ، فَحَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ، فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ: «فَلَا دِيَةَ لَهُ وَلَا قِصَاصَ»(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر کوئی شخص بغیر اجازت (دیوار یا چھت وغیرہ سے) تم پر جھانکے اور پھر تم اسے کوئی کنکر دے مارو اور یہ کنکر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہو گا۔" متفق علیہ۔ امام احمد اور نسائی کی روایت کے الفاظ جنہیں ابن حبان نے صحیح کہا ہے یہ ہیں: "تو اس کی نہ کوئی دیت ہو گی اور نہ ہی کوئی قصاص۔"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک شخص کی اجازت کے بغیر اس پر جھانکنا حرام ہے۔ نیز یہ کہ جو شخص دوسرے پر اس غرض سے جھانکے کہ وہ اس کے ایسے مقام پر نظر ڈال سکے جہاں داخل ہونا مالک کی اجازت کے بغیر اس کے لئے ناجائز ہو تو ایسی صورت میں مذکورہ شخص کے لیے اسے کنکر وغیرہ مار کر ہٹانا جائز ہو گا اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر اس کا کوئی تاوان لازم نہیں ہو گا۔ اگر جھانکنے والے کو نظر ڈالنے

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ۹ ص ۱۳، مسلم شریف حدیث ۲۱۵۸، سنن نسائی ج ۸ ص ۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۳، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۳۸، بدائع المنن ۱۴۴۴، مسند الشافعی ۲۰۱، مسند الحمیدی ۱۰۷۸، شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۲۵۴، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۶۶، ۲۴۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اجازت ہو تو ایسی صورت میں اس کے خلاف جرم کرنے والے سے گناہ مرفوع نہیں ہو گا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہو گا جب نظر کی زد میں آنے والا شخص ایسے مقام میں ہو جہاں اجازت کی ضرورت نہ پڑتی ہو خواہ دیکھنے والے نے اس کی وہ جگہ دیکھ لی ہو جس پر نظر ڈالنا حلال نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں کوتاہی نظر ڈالنے والے کی نہیں ہو گی بلکہ دوسرے کی ہو گی۔ امام شافعی وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔ اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے۔ یحییٰ بن یعمر مالکی نے کہا ہے کہ: "شاید امام مالک کو اس حدیث کی خبر نہیں ہوئی۔" ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ "اس حدیث سے فقہاء نے کئی قسم کے مسائل اخذ کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نظر ڈالنے والا یا تو شارع عام پر کھڑا ہو گا یا نظر کی زد میں آنے والے کی مملوکہ جگہ پر کھڑا ہو گا یا ایسی گلی میں کھڑا ہو گا جو زیریں حصے کی طرف بند ہو گی۔ ان تینوں صورتوں کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ ان کے احکام کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ اور زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ لوگوں کے حریم (ہر وہ چیز اور مقام جس کی حفاظت واجب اور جس کی طرف سے مدافعت ضروری ہو) تک اپنی نظریں پھیلا دینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ شوافع کا ایک قول ہے کہ صرف اس ناظر کی آنکھ پھوڑی جا سکتی ہے جو نظر کی زد میں آنے والے شخص کی مملوکہ جگہ میں کھڑے ہو کر تانک جھانک کر رہا ہو۔ لیکن زیر نظر حدیث تو اس بارے میں مطلق ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آیا تانک جھانک کرنے والے کو خبردار کرنے اور روکنے سے پہلے ہی کنکر مار دینا جائز ہو گا یا نہیں؟ اس بارے میں شوافع کے دو قول ہیں: ایک کے مطابق جائز ہے اور دوسرے کے مطابق جائز نہیں ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ جواز کے قول کے حق میں زیر نظر حدیث کی دلالت ہے۔ اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نشانہ بنانے کے لیے چپکے سے کارروائی کی تھی جو دیوار کی اوٹ سے اندر کی طرف جھانک رہا تھا۔ اس روایت میں "خذل" کا لفظ آیا ہے جس کی تفسیر "النہایۃ" میں یہ کی گئی ہے کہ "آپ اسے حقیقت سے بے خبر رکھتے ہوئے اس کی طرف اس طریقے سے بڑھ رہے تھے کہ اسے اس کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔" یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ناظر کی آنکھ کو صرف کسی ہلکی چیز مثلاً مٹی کے ڈھیلے، بندقہ (بندق درخت کے پھل) یا کنکر سے نشانہ بنانا مباح ہو گا کیونکہ آپ کا ارشاد ہے: "تم اسے کوئی کنکر دے مارو۔" فقہاء نے کہا ہے کہ اگر اس نے اسے قتل کرنے کے لیے تیر چلا دیا یا پتھر اٹھا کر مار دیا اور اس طرح اسے قتل کر دیا تو یہ مقتول تصور ہو گا جس کا قصاص لیا جائے گا یا دیت وصول کی جائے گی۔ زیر نظر حکم میں فقہاء کا ایک تصرف یہ بھی ہے کہ اگر مکان کے اندر ناظر کی کوئی محرم یا بیوی یا سامان ہو تو پھر اس کی آنکھ کو نشانہ بنانا جائز نہیں ہو گا کیونکہ ایسی صورت میں نظر ڈالنے کے بارے میں اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شبہ لاحق ہو گا۔

ایک قول کے مطابق اگر مکان کے اندر ناظر کی کوئی محرم ہو تو نظر ڈالنے کے لیے اتنی بات کافی نہیں ہوگی بلکہ اس کی آنکھ کو نشانہ بنانا صرف اس صورت میں ممتنع ہو گا جب مکان کے اندر اس کی محارم کے سوا کوئی اور نہ ہو۔ فقہاء کے تصرف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر مکان کے اندر صرف مالک مکان ہو اور وہ اپنے ستر کو برہنہ کر کے بیٹھا ہو تو وہ ناظر کی آنکھ کو نشانہ بنا سکتا ہے اور اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہو گا۔ بصورت دیگر اس کے متعلق دو قول ہیں اور زیادہ واضح قول یہ ہے کہ اس کی آنکھ کو نشانہ بنانا جائز ہو گا۔ زیر نظر حکم میں فقہاء کے تصرف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر گھر کی خواتین پردے میں ہوں یا گھر کی کسی کوٹھڑی میں بیٹھی ہوں اور پھر کوئی نظر باز گھر میں نظر ڈالے تو ایک قول کے مطابق اس کی آنکھ کو نشانہ بنانا جائز نہیں ہوگا اس لیے کہ ایسی صورت میں اس کی اس تانک جھانک کی زد میں کوئی نہیں آئے گی۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ناظر کی آنکھ کو نشانہ بنانا جائز ہو گا کیونکہ اس سلسلے کی احادیث مطلق ہیں نیز یہ کہ پردے میں رہنے اور پردے سے باہر ہونے کے اوقات کو منضبط نہیں کیا جا سکتا اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس دروازے کو بند ہی رکھا جائے۔

تصرف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ناظر کی آنکھ کو نشانہ بنانے کا حکم اس صورت میں ہو گا جب مالک مکان کی طرف سے پردہ قائم کرنے میں کوئی کوتاہی نہ ہوئی ہو' اگر اس کے مکان کا دروازہ کھلا ہو یا وہاں بڑا سا روشندان ہو یا کوئی کھلا سوراخ ہو اور پھر وہاں سے گزرنے والا شخص اندر نظر ڈال لے تو اسے نشانہ بنانا جائز نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر وہ وہاں کھڑا ہو جائے اور عمداً اندر نظر ڈالے تو ایک قول کے مطابق اسے نشانہ بنانا جائز نہیں ہو گا اس لیے کہ دروازے کھلا رکھ کر اور روشندان بڑا بنا کر مالک مکان نے خود کوتاہی کی ہے۔ دوسرے قول کے مطابق اسے نشانہ بنانا جائز ہو گا کیونکہ اس نے اندر نظر ڈال کر اپنی حد سے تجاوز کیا ہے۔ یہی اختلاف اس صورت میں بھی جاری ہو گا جب ایک شخص اپنی چھت سے یا موذن اذان دینے کی بلند جگہ سے کسی کے مکان کے اندر نظر ڈالے' تاہم ان دونوں صورتوں کے اندر فقہاء کے نزدیک زیادہ واضح بات یہی ہے کہ ناظر کی آنکھ کو نشانہ بنانا جائز ہو گا کیونکہ مالک مکان کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔

ابن دقیق العید نے مزید کہا ہے کہ "مذکورہ بالا فقہی تصرفات میں سے جو صورتیں زیر نظر حدیث کے اطلاق کے تحت آتی ہیں انہیں تو حدیث سے اخذ کیا گیا ہے' اور جو صورتیں ایسی نہیں ہیں ان میں سے بعض کو حدیث کے معنی مقصود کے فہم سے اخذ کیا گیا ہے اور بعض قیاس سے ماخوذ ہیں جن کی تعداد مذکورہ صورتوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندر بہت قلیل ہے۔" (اختتام کلام ابن دقیق العید)۔

زیر نظر حدیث سے فقہاء کے اس قول کا درست ہونا بھی ماخوذ ہے کہ نئے بنے ہوئے شگاف دار گرجوں اور جھروکے دار مملوکہ بالا خانوں کو منہدم کر دیا جائے گا۔ یہ بات القاسم الرسی سے منقول ہے۔ حضرت عمرؓ کی رائے بھی یہی تھی۔ ابن عبدالحکم نے "فتوح مصر" کے اندر یزید بن حبیب سے روایت کی ہے کہ خارجہ بن حذافہ نے مصر کے اندر سب سے پہلے بالاخانہ بنایا۔ اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کو یہ مراسلہ بھیجا: "السلام علیک' اما بعد' مجھے یہ خبر ملی ہے کہ خارجہ بن حذافہ نے بالاخانہ تعمیر کرایا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ اس میں بیٹھ کر اپنے پڑوسیوں کے گھروں میں تانک جھانک کرے اس لیے میرا یہ مراسلہ جس وقت تمہیں پہنچے تم اس کا بالا خانہ ڈھا دو' اگر اللہ چاہے! والسلام۔"

١١٢٤/٤ - وَعَنْ ٱلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ حِفْظَ الْحَوَائِطِ بِالنَّهَارِ عَلَى أَهْلِهَا، وَأَنَّ حِفْظَ الْمَاشِيَةِ بِاللَّيْلِ عَلَى أَهْلِهَا، وَأَنَّ عَلَى أَهْلِ ٱلْمَاشِيَةِ مَا أَصَابَتْ مَاشِيَتُهُمْ بِاللَّيْلِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَٱلْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ٱبْنُ حِبَّانَ، وَفِي إِسْنَادِهِ ٱخْتِلَافٌ[1].

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا تھا کہ دن کے وقت باغات کی حفاظت کی ذمہ داری مالکوں پر ہو گی اور رات کے وقت مویشیوں کی حفاظت کی ذمہ داری مویشیوں کے مالکوں پر ہو گی اور اگر رات کے وقت مویشی کچھ نقصان کریں تو اس کا تاوان مویشیوں کے مالکوں پر ہو گا۔" امام احمد اور ترمذی کے سوا چاروں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کے اسناد میں اختلاف ہے۔

اس روایت کا دارومدار زہری پر ہے اور زہری پر آ کر اختلاف ہو گیا ہے۔ کیونکہ جتنے طرق سے یہ حدیث مروی ہے وہ سب کے سب زہری سے چلے ہیں۔ زہری نے اس کی روایت حزام سے کی ہے اور حزام نے حضرت براء بن عازبؓ سے جبکہ حزام نے حضرت براء سے سماع نہیں کیا ہے۔ یہ بات عبدالحق نے ابن حزم

---

(۱) حضرت براء کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۳۵۶۹' ۳۵۷۰' سنن ابن ماجہ ۲۳۳۲' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۴۱' فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۵۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پیروی میں کہی ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کی روایت کئی طرق سے کی ہے اور ان طرق کے اندر بھی یہی اختلاف ہے۔ تاہم امام شافعی نے کہا ہے کہ "ہم نے اس حدیث کے ثبوت' اس کے اتصال اور اس کے راویوں کی معرفت کی وجہ سے اس پر عمل کیا ہے۔" بیہقی نے کہا ہے کہ "ہم نے اس کی روایت شعبی سے کی ہے اور انہوں نے شریح سے کہ وہ بکریوں کی وجہ سے رات کے وقت ہونے والے نقصان کا تاوان بھروا لیتے تھے اور دن کے وقت پہنچنے والے نقصان کا تاوان نہیں لیتے تھے۔ اور ارشاد باری : "و داود و سلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم" (اور داؤد اور سلیمان کو جب یہ دونوں فصل کے بارے میں جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے جب اس فصل میں قوم کی بکریاں گھس گئی تھیں۔ سورۂ انبیاء آیت ۷۸) کی تاویل میں کہتے تھے کہ " نفش" رات کے وقت گھسنے کو کہتے ہیں۔ مرہ نے مسروق سے روایت کی ہے کہ وہ درج بالا آیت کی تفسیر میں کہتے تھے کہ یہ انگور کی فصل تھی' بکریاں رات کے وقت اس میں گھس گئیں اور ایک سبز بیل بھی باقی نہ چھوڑی۔

زیر نظر حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دن کے وقت مویشی فصل وغیرہ کو اگر نقصان پہنچا دیں تو ان کے مالک سے نقصان کا تاوان نہیں لیا جائے گا کیونکہ دن کے وقت انہیں کھلا چھوڑ دینا عام عادت ہے۔ البتہ رات کے وقت مویشی اگر کسی فصل وغیرہ کو اجاڑ دیں تو اس کا تاوان ان کا مالک ادا کرے گا' اس لیے کہ رات کے وقت مویشیوں کو باندھ کر رکھنا عام عادت ہے۔ امام مالک' امام شافعی اور ہادویہ کا یہی مسلک ہے اور ان کی دلیل زیر نظر حدیث اور درج بالا آیت ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ مویشیوں کے مالکوں پر مطلقاً" کوئی تاوان عائد نہیں ہو گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے : "جانور کا لگایا ہوا زخم رائیگاں ہے۔" امام احمد اور شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور نسائی اور ابن ماجہ نیز امام احمد نے حضرت عمرو بن عوف سے اس کی روایت کی ہے۔ موخرالذکر روایت میں کچھ اضافہ بھی ہے' تاہم طحاوی نے کہا ہے کہ : "امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مویشیوں کے مالک نے کسی محافظ کے ساتھ مویشیوں کو کھلا چھوڑا ہو تو اس صورت میں نقصان کا کوئی تاوان مالک پر عائد نہیں ہو گا لیکن اگر اس نے محافظ کے بغیر انہیں کھلا چھوڑا ہو تو نقصان کی صورت میں تاوان بھرے گا۔ اسی طرح مالکیہ اس میں یہ قید لگاتے ہیں کہ اگر مالک نے مویشیوں کو چرنے کے لیے ان کے معتاد مقامات پر چھوڑا ہو تو نقصان کی صورت میں تاوان نہیں بھرے گا لیکن اگر اس نے دن یا رات کو کسی مزروعہ زمین میں انہیں چھوڑا ہو جس میں مویشیوں کے چرنے کی کوئی جگہ نہ ہو اور مویشی فصل وغیرہ کا نقصان کر دیں تو مالکوں کو اس کا تاوان بھرنا پڑے گا۔ اس مسئلے میں کئی اور اقوال ہیں جو نص حدیث سے مناسبت نہیں رکھتے اور نہ ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی کوئی دلیل ہے جو اس حدیث کا مقابلہ کر سکے۔

٥/١١٢٥ ـ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ـ فِي رَجُلٍ أَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ ـ لَا أَجْلِسُ حَتَّى يُقْتَلَ، قَضَاءُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَأُمِرَ بِهِ فَقُتِلَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ: وَكَانَ قَدِ اسْتُتِيبَ قَبْلَ ذٰلِكَ(١)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں مروی ہے جو مسلمان ہو گیا تھا اور پھر یہودی بن گیا کہ: "میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہے۔" چنانچہ اس کے متعلق حکم دیا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ متفق علیہ ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ قتل سے پہلے اس سے توبہ کر لینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

(١) قضاء پر پیش بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور نصب یعنی زبر بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہے جس کا فعل حذف کر دیا گیا ہے۔ اس لفظ سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ ہیں "جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کردو۔" اس کی تخریج کرنے والے محدثین کے نام آگے آ رہے ہیں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مرتد کو قتل کر دینا واجب ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ قتل کرنے سے پہلے اس سے توبہ کا مطالبہ واجب ہے یا نہیں؟ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ واجب ہے کیونکہ ابو داؤد کی زیر نظر روایت میں یہ ہدایت موجود ہے نیز ایک اور روایت میں ہے کہ "حضرت ابو موسیٰؓ ہیں یا اس سے کچھ کم دنوں تک اسے توبہ کر لینے کی دعوت دیتے رہے' پھر حضرت معاذؓ آئے انہوں نے اسے توبہ کر لینے کے لیے کہا' اس نے انکار کر دیا' چنانچہ اس کی گردن مار دی گئی۔

حسن بصری' طاؤس' اہل ظواہر اور کچھ دوسروں کا مسلک ہے کہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ واجب نہیں ہے بلکہ اسے فوری طور پر قتل کر دیا جائے گا۔ ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: "جو شخص اپنا دین تبدیل کر لے اسے قتل کر دو!" حدیث میں جملہ جزائیہ سے پہلے حرف فاء آیا ہے اور یہ تعقیب کا مفہوم ادا کرتا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرتد کا حکم وہی ہے جو اس حربی کا جسے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو۔ ایسے حربی سے دعوت اسلام دیئے بغیر جنگ کی جائے گی۔ ان حضرات کے قول کے مطابق دعوت اسلام صرف اس مرتد کے لیے مشروع ہے جو بلابصیرت اسلام سے نکل گیا ہو لیکن جو

---

(١) حضرت معاذ کی روایت کا حوالہ: فتح الباری ج ١٢ ص ٢٦٨

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرتد علی وجہ البصیرت اسلام سے نکلا ہو اسے دعوت اسلام دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور عطاء سے مروی ہے کہ اگر اس مرتد کے آباء و اجداد مسلمان ہوں تو اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ بصورت دیگر مطالبہ کیا جائے گا' طحاوی نے ان دونوں حضرات سے یہ قول نقل کیا ہے۔ جو لوگ مرتد سے توبہ کے مطالبہ کے قائل ہیں ان کے درمیان ایک اور اختلاف ہے کہ آیا اس سے یہ مطالبہ ایک بار کرنا کافی ہے یا تین بار' ایک مجلس میں یا ایک دن میں یا تین دنوں میں کرنا ضروری ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مرتد سے ایک ماہ تک توبہ کا مطالبہ ہوتا رہے گا۔

١١٢٦/٦٢ - وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(١).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنا دین تبدیل کر لے اسے قتل کر دو!" امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔

یہ حدیث اپنا دین تبدیل کر لینے والے کے لیے قتل کے وجوب کی دلیل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لیے عام ہے۔ پہلے پر تو اجماع ہے اور دوسرے کے بارے میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مرتد عورت کو بھی قتل کر دیا جائے گا اس لیے کہ حدیث میں وارد کلمہ (من) مذکر اور مونث دونوں کے لیے عام ہے۔ نیز ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ سے جو اس حدیث کے راوی ہیں' ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مرتد عورت کو قتل کر دیا جائے گا۔" نیز ابن المنذر اور دار قطنی نے روایت کی ہے

---

(١) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے: بخاری شریف ج ٤ ص ٧٥' ج ٩ ص ١٩' ٧ ١٣' سنن ابی داؤد ٤٣٥١' سنن ترمذی ١٤٥٨' سنن نسائی ج ٧ ص ١٠٤' ١٠٥' سنن ابن ماجہ ٢٥٣٥' مسند احمد ج ١' ص ٢١٧' ٢٨٢' ٢٨٣' ٣٢٣' ج ٥ ص ٢٣١' السنن الکبریٰ ج ٨ ص ١٩٥' ٢٠٢' ج ٩ ص ٧١' المستدرک ج ٣ ص ٥٣٩' المعجم الکبیر للطبرانی ج ١٠ ص ٣٣٠' ج ١١ ص ٣١٠' ٣١٥' ج ١٩ ص ٤١٩' مسند الشافعی ٣٢٠' بدائع المنن ١٤٨٣' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ ص ١٣٩' ١٤٣' ج ١٢' ص ٢٦٣' ٣٩٠' ج ١٤' ص ٢٧٠' سنن دار قطنی ج ٣ ص ١٠٣' ١٠٨' مصنف عبدالرزاق ٩٤١٣' تلخیص الحبیر ج ٣ ص ١٧٣' ج ٤ ص ٤٨' نصب الرایہ ج ٣ ص ٤٠٧' مجمع الزوائد ج ٦ ص ٢٦١' مشکوۃ المصابیح ٣٥٣٣' التمہید ج ٥ ص ٣٠٤' ٣٠٥' ٣١٦' فتح الباری ج ١٢ ص ٢٦٠' ٢٦٩' ج ١٣ ص ٣٣٩' ارواء الغلیل ج ٥ ص ١٢٤' ١٣٢۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ "حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتد عورت کو قتل کر دیا تھا جبکہ اس وقت صحابہ کرام بڑی تعداد میں تھے اور کسی نے بھی حضرت ابوبکرؓ پر نکیر نہیں کی تھی۔" یہ حدیث حسن ہے۔ دار قطنی نے عورت کے قتل کے بارے میں مرفوع حدیث بھی روایت کی ہے' لیکن یہ ضعیف حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: "جو مرد بھی اسلام سے مرتد ہو جائے اسے اسلام کی طرف واپس آ جانے کی دعوت دو' اگر وہ واپس آ جائے تو فبہا ورنہ اس کی گردن مار دو۔ اور جو عورت بھی اسلام سے مرتد ہو جائے اسے بھی اسلام میں واپسی کی دعوت دو' اگر وہ واپس آ جائے تو فبہا ورنہ اس کی گردن مار دو۔" اس روایت کی سند حسن ہے اور محل نزاع میں یہ نص ہے۔ حنفیہ کا مسلک ہے کہ عورت اگر مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا' ان کے قول کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو قتل کرنے کی نہی موجود ہے۔ آپؐ نے ایک مقتول عورت کو دیکھ کر یہ نہی ارشاد فرمائی تھی اور کہا تھا کہ "یہ تو ایسی نہیں تھی کہ قتال کر سکے۔" امام احمد نے اس کی روایت کی ہے۔

جمہور نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نہی تو صرف اصلی کافر عورت کے قتل کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے جیسا کہ نہی کے واقعہ کے سیاق میں مذکور ہے اس لیے یہ نہی اس علت کے ساتھ مخصوص ہو گی جو نہی کی حدیث سے مفہوم ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ عورت چونکہ قتال کرنے کے قابل نہیں ہوتی تو اسے قتل کرنے کی نہی اس لئے ہے کہ اس نے قتال چھوڑ رکھا ہے۔ اس لیے نہی کا یہ حکم ان اصلی کافروں کے دین کے بارے میں تھا جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ قتال کے لیے گروہ بندی کر رکھی تھی۔ اس طرح آپؐ کے ارشاد "جو شخص اپنا دین تبدیل کر لے . . . . الخ" کا عموم کسی معارض کے بغیر سالم رہ جائے گا۔ اس کی تائید ماقبل بیان شدہ دلائل سے بھی ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ زیر نظر حدیث کا ظاہر مطلق تبدیل دین کا مقتضی ہے اس لیے جو شخص یہودی رہنے کے بعد نصرانی ہو گیا ہو یا ایک دین کفر سے دوسرے دین کفر میں منتقل ہو گیا ہو اسے بھی حدیث کا اطلاق شامل ہو گا۔ یہی شوافع کا مسلک ہے اور خواہ پہلے اس کا تعلق اس دین سے ہو جو جزیہ دینے کا اقرار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ کیونکہ حدیث کے لفظ میں اطلاق ہے۔ حنفیہ نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حدیث سے مراد اسلام کے بعد کفر کی تبدیلی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان کے قول کے مطابق اس حدیث کا اطلاق اس شخص کے سلسلے میں بالاتفاق متروک ہے جو کفر کے بعد اسلام لے آیا ہو حالانکہ حدیث کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطلاق اسے بھی شامل ہے۔ نیز یہ کہ کفر تو ایک ملت واحدہ ہے اس لیے مراد یہ ہے کہ جو شخص دین اسلام کو کسی اور دین سے تبدیل کر لے۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ: "جو شخص اپنے دین یعنی دین اسلام کی مخالفت کرے اس کی گردن اڑا دو!" اس میں دین اسلام کی تصریح ہے۔

۱۱۲۷/۷ - وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ أَعْمٰى كَانَتْ لَهُ أُمُّ وَلَدٍ تَشْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِيهِ، فَيَنْهَاهَا، فَلَا تَنْتَهِي، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ أَخَذَ الْمِعْوَلَ، فَجَعَلَهُ فِي بَطْنِهَا وَاتَّكَأَ عَلَيْهَا فَقَتَلَهَا، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «أَلَا اشْهَدُوا فَإِنَّ دَمَهَا هَدَرٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ. (۱)

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک نابینا شخص کی ایک ام ولد تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی اور آپؐ کی شان میں گستاخی کرتی تھی۔ اس کے آقا اسے ایسا کرنے سے روکتے لیکن وہ نہ رکتی جب ایک رات ہوئی تو آقا نے ایک کدال لے کر اس کے پیٹ پر رکھ دی اور اپنا بوجھ عورت پر ڈال دیا اور اس طرح اسے قتل کر دیا۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ آپؐ نے فرمایا: "لوگو! گواہ رہو' اس عورت کا خون رائیگاں گیا۔" ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۱) المعول (میم مکسور' عین ساکن اور واؤ پر زبر کے ساتھ) یعنی کدال۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ اگر وہ مسلمان ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کر کے مرتد ہو جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ابن بطال کے قول کے مطابق اس سے توبہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا جبکہ ابن المنذر اوزاعی اور لیث سے نقل کیا گیا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اگر وہ اہل عہد میں سے ہو یعنی ذمی تو اسے قتل کر دیا جائے گا الا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ ابن المنذر نے لیث' اوزاعی' امام شافعی' امام احمد اور اسحاق سے نقل کیا ہے کہ ایسے ذمی سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ حنفیہ سے منقول ہے کہ معاہد کو تعزیر کی جائے گی' اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ طحاوی نے

---

(۱) حضرت ابن عباس کی روایت کے حوالے: سنن ابی داؤد ۴۳۶۱' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۰۸' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۱۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلے میں استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو قتل نہیں کیا جنہوں نے آپؐ کو السلام علیکم کہنے کی بجائے ''السام علیکم'' (تم پر موت ہو) کہا تھا۔ اگر کسی مسلمان نے یہ کہا ہوتا تو اسے مرتد شمار کیا جاتا۔ نیز یہ بھی تو اپنی جگہ حقیقت ہے کہ معاہدہ یعنی ذمی کفر کے جس دین پر ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے سے بھی زیادہ سنگین ہے لیکن آپؐ نے انہیں اس کفر کی بنا پر قتل نہیں کیا تھا۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے کفر کا معنی یہ ہے کہ آپؐ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں۔ آپؐ کو اس سے بُری اور کیا گالی دی جا سکتی ہے لیکن اس کے باوجود انہیں اس پر بقرار رہنے دیا گیا۔ البتہ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لونڈی کے متعلق زیر نظر حدیث پر اہل ذمہ (یہود و نصاریٰ) کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ رہ گیا یہ کہنا کہ اہل ذمہ کا خون عہد ذمہ کی وجہ سے محفوظ ہو گیا ہے اور اس عہد کے اندر یہ شامل نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کر سکیں گے، اس لیے ان میں سے جو بھی یہ حرکت کرے گا اس کا عہد ذمہ ٹوٹ جائے گا اور پھر وہ کافر بلا عہد قرار پائے گا اور قتل ہو جانے کی صورت میں اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا، تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا عہد ذمہ اس امر کو متضمن ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے موقف پر قائم رہنے دیا جائے گا اور اگر دیکھا جائے تو حقیقت کے اعتبار سے یہی سب سے بڑی گالی ہے۔ ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تکذیب کی گالی کو دیگر تمام گالیوں سے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اختتام ترجمہ

سبل السلام، جلد سوم

والحمد للہ رب العالمین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ